مکمل [illegible]

پاکٹ بک

مذہبی انسائیکلو پیڈیا

یعنی

مُکمّل تبلیغی

پاکٹ بُک

مصنّفہ

جناب ملک عبد الرحمٰن صاحب خادمِ

(بی اے - ایل - ایل - بی پلیڈر)

گجرات (پنجاب)

جسکو

مہتمم نشر و اشاعت قادیان

نے مصنّف کی اجازت سے طبع کرایا

قیمت مجلد صہ/ دسمبر ۱۹۴۵ء

(مطبوعہ ضیاء الاسلام پریس قادیان)

دیباچہ

:: (از مؤلف) ::

اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے۔ کہ اس نے محض اپنے فضل اور احسان سے خاکسار کو دوبارہ "زندگی بخش کر پاکٹ بک کے نئے ایڈیشن کی تیاری کی توفیق دی۔ [illegible]

پچھلے سال ماہ [illegible] اور خطرناک طویل علالت کے ایام میں [illegible] تھی۔ کہ اگر اللہ تعالیٰ نے زندگی [illegible] ایڈیشن مزید اضافوں کے ساتھ شائع کروں گا۔ سو الحمد للہ! کہ یہ دونوں خواہشیں اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے پوری فرمائیں۔

پچھلا ایڈیشن دسمبر ۱۹۳۲ء میں شائع ہوا تھا۔ اور دسمبر ۱۹۳۹ء تک قریباً نایاب ہو چکا تھا۔ بعد ازاں جنگ کے باعث کاغذ کی نایابی اور دیگر موانع کے سبب نئے ایڈیشن کی اشاعت ناممکن ہو گئی۔

پاکٹ بک کی ضرورت کو اس قدر شدت سے محسوس کیا جا رہا تھا کہ اس کے بعض نسخے بارہ بارہ روپیہ میں فروخت ہوئے۔ اس صورتِ حالات کو دیکھ کر اور احبابِ جماعت کے تقاضوں کو مدِ نظر رکھتے ہوئے نظارت دعوت و تبلیغ نے اس ایڈیشن کے چھپوانے کا بیڑا اٹھایا۔ اس کام کی کامیابی کا سہرا برادرم محترم جناب مرزا بشیر احمد بیگ

صاحب نائب ناظر دعوت و تبلیغ کی جواں ہمتی کے سر ہے۔ فجزاہ اللہ احسن الجزاء۔

اِس ایڈیشن میں بعض نئے حوالجات اور مضامین کا اضافہ کیا گیا ہے۔ اور کتاب کی ضخامت کے بڑھ جانے کے خوف سے سابقہ مضمون کا کچھ حصّہ حذف کر دیا گیا ہے۔

ہستی باری تعالیٰ کا مضمون سیّدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کے ایک مختصر رسالہ سے لیا گیا ہے۔

خاکسار کی معلومات کے علاوہ ویدک دھرم کے متعلقہ حصہ میں جناب مہاشہ محمد عمر صاحب فاضل اور جناب ملک فضل حسین صاحب مہاجر کی معلومات بھی شامل ہیں۔ اسی طرح شیعہ مذہب کے متعلقہ حصّہ میں حضرت میر محمد اسحٰق رضی اللہ عنہ کی قابلِ قدر معلومات بھی شامل ہیں۔ سکھ مذہب کے متعلق مضمون بتمام کمال جناب گیانی واحد حسین صاحب مبلغ سلسلہ کا لکھا ہوا ہے۔ اس ایڈیشن کے ایک حصہ کی تیاری میں جناب قمر صاحب اجنالوی نے بھی خاکسار کا ایک حد تک ہاتھ بٹایا۔ بعض دُوسرے دوستوں نے بھی قیمتی مشورے دیے۔ میں ان سب بزرگوں اور دوستوں کا شکر گذار ہوں۔ فجزاہم اللہ احسن الجزاء ۔

پاکٹ بک کے نام میں اضافہ مکرم و محترم حضرت سیٹھ عبد اللہ الہ دین صاحب سکندر آباد (دکن) کی خواہش کے احترام میں کیا گیا ہے۔

ترتیب مضامین

اِس ایڈیشن میں سابقہ ایڈیشن کی ترتیب مضامین ہی بحال رکھی گئی ہے۔ قارئین کو چاہیئے کہ کتاب کی ترتیب کو ایک دفعہ ذہن نشین کرلیں۔ پھر حوالہ یا مضمون نکالنا چنداں مشکل نہ رہیگا۔ صداقت مسیح موعودؑ پر اعتراضات کا مضمون چار حصص پر تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلا حصہ الہامات اور وحی پر اعتراضات کے جوابات پر مشتمل ہے۔ اس میں حضورؑ کے الہامات و کشوف و رؤیا پر جس قدر اعتراضات کئے گئے ہیں۔ اُن کا جواب دیا گیا ہے۔ مثلاً اَنْتَ مِنِّیْ وَ اَنَا مِنْکَ۔ ٹیچی ٹیچی۔ کشف سُرخی کے چھینٹے وغیرہ۔ دُوسرے حصہ میں پیشگوئیوں پر اعتراضات کا جواب ہے۔ مثلاً محمدی بیگم والی پیشگوئی۔ ثناءاللہ۔ عبدالحکیم۔ اپنی عمر۔ پانچویں بیٹے وغیرہ کے متعلق پیشگوئیوں پر بحث ہے۔ تیسرے حصہ میں اُن اعتراضات کے جوابات ہیں جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تحریرات کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں۔ مثلاً تناقضات۔ غلط حوالے۔ مبالغے یا نقل آیاتِ قرآن وغیرہ سے متعلق جملہ اعتراضات جو حضرت مسیح موعودؑ کی کسی تحریر یا تقریر پر کئے گئے ہیں۔ ان سب کا جواب اِس تیسرے حصہ میں ملیگا۔ چوتھے حصہ میں اُن اعتراضات کا جواب دیا گیا ہے۔ جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ذات یا حضورؑ کے کسی فعل کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں۔ مثلاً پیدائش۔ جائے نزول۔ خوراک۔ لباس۔ وفات وغیرہ۔

ان سب سے متعلقہ اعتراضات کا جواب اس چوتھے حصہ میں دیا گیا ہے۔ اس ترتیب کو مدِ نظر رکھا جائے تو مضمون نکالنے میں بیحد آسانی رہے گی۔ علاوہ ازیں ایک مکمل فہرست بھی شامل کر دی گئی ہے۔ اس سے بھی مدد لی جا سکتی ہے۔

ضروری ہدایات

بعض دلائل نیز بعض اعتراضات کے بعض جواب عمداً چھوڑ دیئے گئے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بزرگانِ سلسلہ اور ان کے اِس خادم کے تجربہ اور مشاہدہ کے رُو سے دلائل مندرجہ پاکٹ بک ہٰذا ہی زیادہ مفید اور مؤثر ثابت ہوئے ہیں۔ اِس لئے حتی الامکان انہی دلائل اور جوابات کو پیشِ نظر رکھنا چاہیئے۔

(۲) سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تحریرات کے متعلق بعض اعتراضات چھوڑ دیئے گئے ہیں۔ ان کے لئے یہ گُر یاد رکھنا چاہیئے کہ حضرت مسیح موعودؑ کی جس کتاب کا معترض حوالہ دے۔ اصل کتاب نکالکر اس کا سیاق وسباق دیکھ لینا چاہیئے۔ انشاء اللہ وہیں اس کا جواب ہوگا۔

(۳) مخالفین احمدیت کے اکثر اعتراضات کی بنیاد حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتب کی بجائے سیرت المہدی اور دیگر ایسی کتب پر ہوتی ہے۔ جو سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خود تحریر فرمودہ نہیں بلکہ دُوسرے بزرگان واحباب کی بیان کردہ روایات ہیں۔ ان اعتراضات کو بھی پاکٹ بک ہٰذا میں نہیں لیا گیا۔ کیونکہ مستند صرف حضرت

مسیح موعودؑ کی اپنی تحریرات ہیں۔ ان کے سوا جس قدر روایات ہیں ان میں غلطی کا امکان ہے۔ پس ہماری تمام بحث سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اپنی تحریرات و کتب پر مبنی ہونی چاہیئے۔

(۴) کوشش کی گئی ہے کہ اعتراضات کے جوابات تحقیقی بھی ہوں اور الزامی بھی۔ خاکسار کا تجربہ یہ ہے کہ الزامی جواب اگر پہلے دیا جائے تو وہ معترض کو تحقیقی جواب کی طرف متوجہ ضرور کر دیتا ہے۔ اس لئے معترض کی حالت اور رویہ کو مدِنظر رکھ کر عام طور پر پہلے الزامی جواب پیش کرنا چاہیئے۔

(۵) یہ بات بھی مدِنظر رکھنی چاہیئے۔ کہ مبلغ کے لئے نہائت ضروری ہے کہ وہ جو بات دوسرے کو سمجھانا چاہتا ہے اُسے پہلے خود سمجھ لے۔ پس جو دلیل یا جواب اپنی سمجھ میں نہ آئے۔ اُسے ہرگز دوسرے کے سامنے پیش نہیں کرنا چاہیئے۔

(۶) اس ضمن میں نہایت ضروری بات یہ ہے۔ کہ مخالف کے ساتھ گفتگو کرتے وقت گھبرانا قطعاً نہیں چاہیئے۔ نہ مخالف کے ظاہری "علم" سے دبنا چاہیئے۔ بلکہ یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ جو بات حق کے خلاف ہے۔ وہ "علم" نہیں بلکہ جہالت ہے۔ پس گفتگو سے پہلے اللہ تعالیٰ سے خاص طور پر دُعا کرنی چاہیئے۔ اور اس کے بعد خدا تعالیٰ کی تائید اور نصرت پر کامل یقین رکھنا چاہیئے۔ اسکی تائید و نصرت کے نظارے تبلیغ اور مباحثات و مناظرات میں ہم نے بے شمار

دیکھے ہیں۔ پس یقین رکھنا چاہیئے۔ کہ حق و صداقت کے رُعب کے مقابلہ میں مخالفین کا خشک اور زمینی علم کچھ کام نہیں دے سکتا۔

(۷) آپ کے علم و تجربہ کے رُو سے اگر کوئی مفید مشورہ یا مزید حوالجات یا معلومات ہوں تو براہ کرم ان سے خاکسار کو مطلع فرمائیں تاکہ اگلے ایڈیشن کی تیاری کے وقت ان کو مدِّ نظر رکھ لیا جائے۔

(۸) پاکٹ بک ہذا میں جملہ حوالجات تحقیق اور صحت کے بعد درج کئے گئے ہیں۔ سوائے اسکے کہ کسی جگہ سہوِ کتابت سے ہندسے میں کوئی فرق پڑ گیا ہو۔ حوالجات نہایت صحیح ہیں۔ یعنی جن کتابوں کے حوالے دیئے گئے ہیں حتی الامکان مؤلف نے ان کو دیکھ کر لکھا ہے۔

(۹) قلتِ وقت کی وجہ سے کاپی اور پروف خاکسار نہیں دیکھ سکا۔ بلکہ اس ایڈیشن کی کاپیاں اور پروف اور اعراب کی درستی کا کام بتمام و کمال برادرم مولوی محمد اسمٰعیل صاحب دیالگڑھی مولوی فاضل مبلغ سلسلہ نے کیا ہے۔ فجزاہ اللہ احسن الجزاء۔

(۱۰) بالآخر ان تمام بزرگوں اور دوستوں سے جنہیں اس پاکٹ بک سے فائدہ اُٹھانے کا موقعہ ملے۔ عاجزانہ درخواست کرتا ہوں کہ وہ خاکسار کی دینی و دنیوی۔ رُوحانی و جسمانی ترقی کیلئے خلوص دل سے دُعا فرمائیں۔ خدا تعالیٰ ہم سب پر اپنا فضل نازل فرمائے تا حق کا بول بالا ہو۔ اور احمدیت جلد سے جلد اکنافِ عالم پر چھا جائے۔ (آمین) والسلام۔

طالبِ دُعا احقر ملک عبد الرحمٰن خادم پلیڈر گجرات (پنجاب) ۲۲/۲ ۴۵

فہرست مضامین

کفارہ

ابطال تثلیث ۱۴۰

تحریف بائیبل

اختلافات بائیبل ۱۴۵

قرآن کا مسیح اور انجیلی یسوع

رسالہ حقائق قرآن کا جواب

ضروری یادداشت

صداقت پر غیر احمدی علماء کے اعتراضات کے جوابات

قابل تشریح الہامات ۲۲۳

حصّہ سوم

تحریرات پر اعتراضات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

ہستی باریتعالیٰ کے دلائل

پہلی دلیل اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں ایک جگہ فرماتا ہے کہ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى اِنَّ هٰذَا لَفِي الصُّحُفِ الْاُوْلٰى صُحُفِ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى۔" (سورۃ الاعلیٰ) یعنی مظفر و منصور ہو گیا وہ شخص کہ جو پاک ہوا۔ اور اس نے اپنے رب کا زبان سے اقرار کیا اور پھر زبان سے ہی نہیں بلکہ عملی طور سے عبادت کر کے اپنے اقرار کا ثبوت دیا۔ لیکن تم لوگ تو دنیا کی زندگی کو اختیار کرتے ہو۔ حالانکہ انجام کار کی بہتری ہی اصل بہتری اور دیرپا ہے۔ اور یہ بات صرف قرآن شریف ہی پیش نہیں کرتا بلکہ سب پہلی کتابوں میں یہ دعوے موجود ہے۔ چنانچہ ابراہیم و موسیٰ نے جو تعلیم دنیا کے سامنے پیش کی۔ اس میں بھی یہ احکام موجود ہیں۔" اس آیت میں اللہ تعالےٰ نے مخالفینِ قرآن پر یہ حجت پیش کی ہے کہ اپنی نفسانی خواہشوں سے بچنے والے خدا کی ذات کا . . . . اقرار کرنے والے اور پھر اس کا سچا فرمانبردار بننے والے ہمیشہ کامیاب و مظفر ہوتے ہیں۔ اور اس تعلیم کی سچائی کا یہ ثبوت ہے کہ یہ بات پہلے تمام مذاہب میں مشترک ہے۔ چنانچہ اس وقت کے بڑے

مذاہب مسیحی یہودی اور کفار مکہ پر حجت کیلئے حضرت ابراہیم اور موسیٰؑ کی
مثال دیتا ہے کہ ان کو تو تم مانتے ہو۔ انہوں نے بھی یہ تعلیم دی ہے۔ پس قرآن
شریف نے ہستی باریتعالیٰ کا ایک بہت بڑا ثبوت یہ بھی پیش فرمایا ہے کہ
کل مذاہب اس پر متفق ہیں اور سب اقوام کا یہ مشترکہ مسئلہ ہے چنانچہ
جس قدر اس دلیل پر غور کیا جائے نہایت صاف اور سچی معلوم ہوتی ہے
حقیقت میں کل دنیا کے مذاہب اس بات پر متفق ہیں کہ کوئی ہستی ہے جس نے
کل جہان کو پیدا کیا مختلف ممالک اور احوال کے تغیر کی وجہ سے خیالات و
عقائد میں بھی فرق پڑ گیا ہے۔ لیکن باوجود اسکے جسقدر تاریخی مذہب ہیں۔
سب اللہ تعالیٰ کے وجود پر متفق اللسان ہیں گو اسکی صفات کے متعلق ان میں
اختلاف ہو۔ موجودہ مذاہب یعنی اسلام۔ مسیحیت۔ یہودیت۔ بدھ ازم۔ سکھ
ازم۔ ہندو ازم اور عقائد زرتشتی تو سب کے سب ایک اللہ۔ خدا۔ ایلوہیم۔ پرمیشور
پرماتما۔ ست گورو یا یزدان کے قائل ہی ہیں مگر جو مذاہب کہ دنیا کے پردہ سے
مٹ چکے ہیں اُن کے متعلق بھی آثار قدیمہ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ سب کے سب ایک خدا
کے قائل اور معتقد تھے خواہ وہ مذاہب امریکہ کے جدا شدہ ملک میں پیدا ہوئے
ہوں یا افریقہ کے جنگلوں میں خواہ روما میں خواہ انگلستان میں خواہ جاوا و سماٹرا
میں خواہ جاپان و چین میں خواہ سائبیریا و منچوریا میں یہ اتفاق مذاہب کیونکر ہوا۔
اور کون تھا جس نے امریکہ کے رہنے والے باشندوں کو ہندوستان کے عقاید سے
آگاہ کیا۔ پہلے زمانہ میں ریل و تار و ڈاک کا یہ انتظام تو تھا نہیں جو آب ہے۔ نہ
اس طرح جہازوں کی آمد و رفت کی کثرت تھی۔ گھوڑوں اور خچروں کی سواری تھی

اور باد بانی جہاز آجکل کے دنوں کا سفر مہینوں میں کرتے تھے اور بہت سے علاقے تو اسوقت دریافت بھی نہ ہوئے تھے پھر ان سب مختلف المذاق اور مختلف الرسوم اور ایکدوسرے سے ناآشنا ممالک میں اس ایک عقیدہ پر کیونکر اتفاق ہوگیا۔ من گھڑت ڈھکوسلوں میں جو دو آدمیوں کا اتفاق ہونا مشکل ہوتا ہے پھر کیا اس قدر قوموں اور ملکوں کا اتفاق جو آپس میں کوئی تبادلہ خیالات کے ذرائع نہ رکھتی تھیں۔ اس بات کی دلیل نہیں کہ یہ عقیدہ ایک امر واقعہ ہے اور کسی نامعلوم ذریعہ سے جسے اسلام نے کھولدیا ہے۔ ہر قوم پر اور ہر ملک میں اس کا اظہار کیا گیا ہے۔ اہلِ تاریخ کا اس امر پر اتفاق ہے کہ جس مسئلہ پر مختلف اقوام کے مؤرخ متفق ہو جائیں۔ اس کی راستی میں شک نہیں کرتے۔ پس جب اس مسئلہ پر ہزاروں لاکھوں قوموں نے اتفاق کیا ہے تو کیوں نہ یقین کیا جائے کہ کسی جلوہ کو دیکھ کر ہی سب دنیا اس خیال کی قائل ہوئی ہے ؎

دوسری دلیل

دوسری دلیل جو قرآن شریف میں ہستی باریتعالیٰ کے متعلق دی ہے ان آیات سے معلوم ہوتی ہے کہ وَتِلْكَ حُجَّتُنَا آتَيْنَاهَا إِبْرَاهِيمَ عَلَىٰ قَوْمِهِ ۚ نَرْفَعُ دَرَجَاتٍ مَّن نَّشَاءُ ۗ إِنَّ رَبَّكَ حَكِيمٌ عَلِيمٌ ۝ وَوَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ ۚ كُلًّا هَدَيْنَا ۚ وَنُوحًا هَدَيْنَا مِن قَبْلُ ۖ وَمِن ذُرِّيَّتِهِ دَاوُودَ وَسُلَيْمَانَ وَأَيُّوبَ وَيُوسُفَ وَمُوسَىٰ وَهَارُونَ ۚ وَكَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ۝ وَزَكَرِيَّا وَيَحْيَىٰ وَعِيسَىٰ وَإِلْيَاسَ ۖ كُلٌّ مِّنَ الصَّالِحِينَ ۝ وَإِسْمَاعِيلَ وَالْيَسَعَ وَيُونُسَ وَلُوطًا ۚ وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعَالَمِينَ ۝ (انعام ع۱۰) پھر کچھ

آیات کے بعد فرمایا ہے کہ اُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ ھَدَی اللّٰہُ فَبِھُدٰ ا
ھُمُ اقۡتَدِہۡ ۔ یعنی یہ ایک دلیل ہے جو ہم نے ابراہیم کو اسکی قوم کے مقابل میں دی۔
اور ہم جس کے درجات چاہتے ہیں بلند کرتے ہیں تحقیق تیرا رب بڑا حکمت والا
اور علم والا ہے اور ہم نے اسے اسحٰقؑ و یعقوبؑ دئے - ہر ایک کو ہم نے سچا راستہ
دکھایا ۔ اور نوحؑ کو بھی ہم نے سچا راستہ دکھایا - ان سے پہلے اور اسکی اولاد میں
سے داؤد اور سلیمانؑ - ایوبؑ - یوسفؑ موسیٰؑ اور ہارونؑ کو بھی اور ہم نیک اعمال میں
کمال کرنے والوں کے ساتھ اسی طرح سلوک کیا کرتے ہیں ۔ اور زکریاؑ یحییٰؑ عیسیٰؑ اور
الیاسؑ کو بھی راستہ دکھایا ۔ اور یہ سب لوگ نیک تھے اور اسمٰعیلؑ الیسعؑ یونسؑ اور لوطؑ
کو بھی راستہ دکھایا ۔ اور ان سب کو ہم نے اپنے اپنے زمانہ کے لوگوں پر فضیلت دی تھی
اور پھر فرماتا ہے کہ یہ وہ لوگ تھے کہ جن کو خدا نے ہدایت دی ۔ پس تو ان کے طریق کی
پیروی کر - ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ اس قدر نیک اور پاک
لوگ جس بات کی گواہی دیتے ہیں وہ مانی جائے یا وہ بات جو دوسرے ناواقف
لوگ کہتے ہیں اور اپنے چال چلن سے ان کے چال چلن کا مقابلہ نہیں کر سکتے
سیدھی بات ہے کہ انہیں لوگوں کی بات کو وقعت دی جائے گی جو اپنے چال
چلن اور اپنے عمل سے دنیا پر اپنی نیکی اور پاکیزگی اور گناہوں سے بچنا
اور پرہیز کرنا ثابت کر چکے ہیں ۔ پس ہر ایک شخص کا فرض ہے کہ وہ انہیں کا
تتبع کرے اور اُن کے مقابل میں دوسرے لوگوں کی بات کا انکار کر دے۔
چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ جس قدر نیکی اور اخلاق کے پھیلانے والے گذرے
ہیں اور جنہوں نے اپنے اعمال سے دُنیا پر اپنی راستی کا سکہ بٹھا دیا تھا ۔ وہ

سب کے سب اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ ایک ایسی ہستی ہے جسے مختلف زمانوں میں اللہ یا گاڈ یا پرمیشور لکھا گیا ہے ہندوستان کے راستباز رامچندر کرشن ایران کا راستباز زرتشت۔ مصر کا راستباز موسیٰ۔ ناصرہ کا راستباز مسیح۔ پنجاب کا ایک راستباز نانکؒ۔ پھر سب راستبازوں کا سرتاج عرب کا نور محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس کو اس کی قوم نے بچپن سے صادق کا قول دیا اور جو کہتا ہے کہ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا میں نے تم میں اپنی عمر گذاری ہے کیا تم میرا کوئی جھوٹ ثابت کر سکتے ہو۔ اور اس کی قوم کوئی اعتراض نہیں کر سکتی۔ اور ان کے علاوہ اور ہزاروں راستباز جو وقتاً فوقتاً دنیا میں ہوئے ہیں یک زبان ہو کر پکارتے ہیں کہ ایک خدا ہے اور یہی نہیں بلکہ کہتے ہیں کہ ہم نے اس سے ملاقات کی اور اس سے ہمکلام ہوئے۔ بڑے سے بڑے فلاسفر جنہوں نے دنیا میں کوئی کام کیا ہو۔ وہ ان میں سے ایک کے کام کا ہزارواں حصہ بھی پیش نہیں کر سکتے۔ بلکہ اگر ان لوگوں اور فلاسفروں کی زندگی کا مقابلہ کیا جائے تو فلاسفروں کی زندگی میں اقوال سے بڑھ کر افعال کے باب بہت ہی کم نظر آئیں گے۔ وہ صدق و راستی جو انہوں نے دکھائی وہ فلاسفر کیوں نہ دکھلا سکے۔ وہ لوگوں کو راستی کی تعلیم دیتے ہیں مگر خود جھوٹ سے پرہیز نہیں کرتے۔ لیکن اس کے مقابلہ میں وہ لوگ جن کا میں نام اوپر لے چکا ہوں صرف راستی کی خاطر ہزاروں تکلیفوں کو برداشت کرتے رہے ہیں۔ لیکن کبھی ان کا قدم اپنی جگہ سے نہیں ہلا۔ ان کے قتل کرنے کیلئے منصوبے کئے گئے۔ انکو وطنوں سے خارج کیا گیا۔ انکو گلیوں اور بازاروں میں ذلیل کرنے کی کوشش کی گئی۔ اُن سے کُل دُنیا نے قطع تعلق کر لیا۔ مگر انہوں نے اپنی بات نہ چھوڑی

اور کبھی نہ کیا کہ لوگوں کی خاطر جھوٹ بول کر اپنے آپ کو عذاب سے بچا لیتے اور اُن کے عمل نے اُن کی دُنیا سے نفرت نے نمائیش سے علیحدگی نے اس بات کو ثابت کر دیا ہے کہ وہ بے غرض تھے اور کسی نفسانی غرض سے کوئی کام نہ کرتے تھے۔ پھر ایسے صادق ایسے قابل اعتبار یک زبان ہو کر کہہ رہے ہیں کہ ہم نے اللہ تعالیٰ سے ملاقات کی۔ اسکی آواز سُنی اور اسکے جلوے کا مشاہدہ کیا۔ تو انکے قول کا انکار کرنے کی کسی کے پاس کیا وجہ ہے۔ جن لوگوں کو ہم روز جھوٹ بولتے سنتے ہیں وہ بھی جب چند ملکر ایک بات کی گواہی دیتے ہیں تو ماننا ہی پڑتا ہے جن کے احوال سے ہم بالکل ناواقف ہوتے ہیں وہ اخباروں میں اپنی تحقیقاتیں شائع کرتے ہیں تو ہم تسلیم کر لینگے مگر نہیں مانتے تو ان راستبازوں کا کلام نہیں مانتے دنیا کہتی ہے کہ لنڈن ایک شہر ہے اور ہم اسے تسلیم کرتے ہیں۔ جغرافیوں والے لکھتے ہیں کہ امریکہ ایک بڑا اعظم ہے اور ہم اس کی تصدیق کرتے ہیں سیّاح کہتے ہیں کہ سائبیریا ایک وسیع اور غیر آباد علاقہ ہے اور ہم اس کا انکار نہیں کرتے کیوں؟ اسی لئے کہ بہت سے لوگوں کی گواہی اسپر ہو گئی ہے حالانکہ ہم ان گواہوں کے حالات سے واقف نہیں کہ وہ جھوٹے ہیں یا سچّے۔ مگر اللہ تعالیٰ کے وجود پر عینی گواہی دینے والے وہ لوگ ہیں کہ جن کی سچائی روز روشن کیطرح عیاں ہے۔ انہوں نے اپنے مال وجان وطن عزت وآبرو کو تباہ کر کے راستی کو دُنیا میں قائم کیا۔ پھر ان سیّاحوں اور جغرافیہ والوں کی بات کو ماننا اور ان راستبازوں کی بات کا انکار کرنا کہاں کی راستبازی ہے۔ اگر لنڈن کا وجود چند لوگوں سے سُنکر ثابت ہو سکتا ہے تو اللہ تعالیٰ کا وجود ہزاروں راستبازوں کی گواہی پر کیوں ثابت نہیں ہو سکتا؟

غرضیکہ ہزاروں راستبازوں کی شہادت جو اپنے عینی مشاہدہ پر خدا تعالیٰ کے وجود کی گواہی دیتے ہیں کسی صورت میں بھی ردّ کے قابل نہیں ہو سکتی تعجب ہے کہ جو اس کوچہ میں پڑے ہیں وہ تو سب بالاتفاق کہہ رہے ہیں کہ خدا ہے لیکن جو رُوحانیت کے کوچہ سے بالکل بے بہرہ ہیں وہ کہتے ہیں کہ ان کی بات نہ مانو۔ ہماری مانو کہ خدا نہیں ہے۔ حالانکہ اصولِ شہادت کے لحاظ سے اگر دو برابر کے راستباز آدمی بھی ایک معاملہ کے متعلق گواہی دیں تو جو کہتا ہے کہ مَیں نے فلاں چیز کو دیکھا اسکی گواہی کو اُس کی گواہی پر جو کہتا ہے مَیں نے اس چیز کو نہیں دیکھا ترجیح دیجائیگی کیونکہ یہ ممکن ہے کہ ان میں سے ایک کی نظر اس چیز پر نہ پڑی ہو۔ لیکن یہ ناممکن ہے کہ ایک نے نہ دیکھا ہو اور سمجھ لے کہ مَیں نے دیکھا ہے پس خدا کے دیکھنے والوں کی گواہی اس کے منکروں پر بہر حال حجت ہوگی:۔

تیسری دلیل

تیسری دلیل جو قرآن شریف سے معلوم ہوتی ہے یہ ہے کہ انسان کی فطرت خود خدا تعالیٰ کی ہستی پر ایک دلیل ہے کیونکہ بعض ایسے گناہ ہیں کہ جن کو فطرتِ انسانی قطعی طور پر ناپسند کرتی ہے۔ ماں بہن اور لڑکی کے ساتھ زنا ہے۔ پاخانہ پیشاب اور اس قسم کی نجاستوں سے تعلق ہے جھوٹ ہے۔ یہ سب ایسی چیزیں ہیں کہ جن سے ایک دہریہ بھی پرہیز کرتا ہے مگر کیوں؟ اگر کوئی خدا نہیں تو کیوں؟ وہ اپنی ماں اور بہن اور دُوسری عورتوں میں فرق جانتا ہے۔ جھوٹ کو کیوں بُرا جانتا ہے۔ کیا دلائل ہیں۔ کہ جنہوں نے مذکورہ بالا چیزوں کو اس کی نظر میں بدنما قرار دیا ہے۔ اگر کسی بالائی طاقت کا رعب اُس کے دِل پر نہیں تو وہ کیوں ان سے احتراز کرتا ہے

اس کے لئے تو جھوٹ اور سچ، ظلم اور انصاف سب ایک ہی ہونا چاہیئے۔ جو دل کی خوشی ہوئی کر لیا۔ وہ کونسی شریعت ہے جو اس کے جذبات پر حکومت کرتی ہے وہ خدا کی حکومت ہے جس نے دل پر اپنا تخت رکھا ہے اور گو ایک دہریہ زبان سے اسکی حکومت سے نکل جائے لیکن وہ اس کی بنائی ہوئی فطرت سے باہر نہیں نکل سکتا۔ اور گناہوں سے اجتناب یا ان کے اظہار سے اجتناب اس کے لئے ایک دلیل ہے کہ کسی بادشاہ کی جوابدہی کا خوف جو اس کے دل پر طاری ہے گو وہ اُس کی بادشاہت کا انکار ہی کرتا ہے۔ قرآن شریف میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ لَآ اُقْسِمُ بِیَوْمِ الْقِیٰمَةِ وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ یعنی جیسا کہ لوگ سمجھتے ہیں کہ نہ خدا ہے نہ کوئی جزا سزا ہے ایسا نہیں بلکہ ہم ان اُمور کی شہادت کے لئے دو چیزیں پیش کرتے ہیں۔ ایک تو اس بات کو کہ ہر بات کے لئے ایک قیامت کا دن مقرر ہے جس میں کہ اس کا فیصلہ ہوتا ہے اور نیکی کا بدلہ نیک اور بدی کا بدلہ بد مل جاتا ہے۔ اگر خدا نہیں تو یہ جزا سزا کیونکر مل رہی ہے اور جو لوگ قیامت کبریٰ کے منکر ہیں وہ دیکھ لیں کہ قیامت تو اس دنیا سے شروع ہے زانی کو آتشک و سوزاک ہوتا ہے شادی شدہ کو نہیں ہوتا۔ حالانکہ دونوں ایک ہی کام کر رہے ہوتے ہیں۔ دُوسری شہادت نفس لوامہ ہے یعنی انسان کا نفس خود ایسے گناہ پر ملامت کرتا ہے کہ یہ بات بُری ہے اور گندی ہے۔ دہریہ بھی زنا اور جھوٹ کو بُرا جانیں گے تکبر اور حسد کو اچھا نہ سمجھیں گے۔ مگر کیوں؟ ان کے پاس تو کوئی شریعت نہیں۔ اسی لئے نا کہ اُن کا دل بُرا مناتا ہے۔ اور دل اسی لئے بُرا مناتا

ہے کہ مجھے اس فعل کی ایک حاکم اعلیٰ کی طرف سے سزا ملیگی - گو وہ لفظوں میں اسے ادا نہیں کر سکتا - اسی کی تائید میں ایک اور جگہ قرآن شریف میں ہے کہ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَ تَقْوٰىهَا - اللہ تعالےٰ نے ہر نفس میں نیکی اور بدی کا الہام کر دیا ہے - پس نیکی بدی کا احساس خود خدا کی ایک زبردست دلیل ہے - اگر خدا نہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ ایک چیز کو نیک اور ایک کو بد کہا جاوے - جو دل میں آئے کر لیا کریں ؛

چوتھی دلیل

چوتھی دلیل جو قرآن شریف سے ذات باری کے متعلق ملتی ہے یہ ہے کہ وَ اِنَّ اِلٰى رَبِّكَ الْمُنْتَهٰى وَ اَنَّهٗ هُوَ اَضْحَكَ وَ اَبْكٰى وَ اَنَّهٗ هُوَ اَمَاتَ وَ اَحْيَا وَ اَنَّهٗ خَلَقَ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَ الْاُنْثٰى مِنْ نُّطْفَةٍ اِذَا تُمْنٰى یعنے یہ بات ہر ایک نبی کی معرفت ہم نے پہنچا دی ہے کہ ہر ایک چیز کا انتہا اللہ تعالیٰ کی ذات پر ہی جا کر ہوتا ہے اور خواہ خوشی کے واقعات ہوں یا رنج کے وہ خدا ہی کی طرف سے آتے ہیں اور موت و حیات سب اسی کے ہاتھ میں ہیں - اور اس نے مرد و عورت دونوں کو پیدا کیا ہے ایک چھوٹی سی چیز ہے جس وقت وہ ڈالی گئی -

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس طرف متوجہ کیا ہو کہ ہر ایک فعل کا ایک فاعل ہوتا ہے اور ضرور ہے کہ ہر کام کا کوئی کرنے والا بھی ہو - پس اس تمام کائنات پر اگر غور کرو گے تو ضرور تمہاری رہنمائی اس طرف ہوگی کہ سب اشیاء آخر جا کر ذاتِ باری پر ختم ہوتی ہیں اور وہی انتہا ہے تمام اشیاء کی اور اسی کے اشارہ سے یہ سب کچھ ہو رہا ہے چنانچہ اللہ تعالےٰ نے

انسان کو اسکی ابتدائی حالت کی طرف متوجہ کرکے فرمایا ہے کہ تمہاری پیدائش تو ایک نطفہ سے ہے اور تم تو جُوں جُوں پیچھے جاتے ہو کمزور ہی ہوتے جاتے ہو تم کیونکر اپنے خالق ہو سکتے ہو۔ جب خالق کے بغیر کوئی مخلوق ہو نہیں سکتی اور انسان اپنا آپ خالق نہیں ہے کیونکہ اس کی حالت پر جسقدر غور کریں وہ نہایت چھوٹی اور ادنیٰ حالت سے ترقی کرکے اس حالت کو پہنچتا ہے۔ اور جب وہ موجودہ حالت میں خالق نہیں تو اس کمزور حالت میں کیونکر خالق ہو سکتا تھا۔ تو ماننا پڑیگا کہ اس کا خالق کوئی اور ہے جس کی طاقتیں غیر محدود اور قدرتیں لاانتہا ہیں۔ غرضیکہ جس قدر انسان کی درجہ بدرجہ ترقی پر غور کرتے جائیں۔ اس کے اسباب باریک سے باریک تر ہوتے جاتے ہیں اور آخر ایک جگہ جاکر تمام دنیاوی علوم کہہ دیتے ہیں کہ یہاں اب ہمارا دخل نہیں اور ہم نہیں جانتے کہ یہ کیوں ہو گیا۔ اور وہی مقام ہے کہ جہاں اللہ تعالیٰ کا ہاتھ کام کر رہا ہوتا ہے۔ اور ہر ایک سائنس دان کو آخر ماننا پڑتا ہے کہ اِلٰی رَبِّكَ الْمُنْتَهٰى یعنے ہر ایک چیز کی انتہا آخر ایک ایسی ہستی پر ہوتی ہے کہ جس کو وہ اپنی عقل کے دائرہ میں نہیں لاسکتے اور وہی خدا ہے یہ ایک ایسی موٹی دلیل ہے کہ جسے ایک جاہل سے جاہل انسان بھی سمجھ سکتا ہے۔

کہتے ہیں کسی نے کسی بدوی سے پوچھا تھا کہ تیرے پاس خدا کی کیا دلیل ہے۔ اُس نے جواب دیا کہ جنگل میں ایک اُونٹ کی مینگنی پڑی ہوئی ہو تو میں دیکھ کر بتا دیتا ہوں کہ یہاں کوئی اونٹ گزرا ہے۔ پھر اتنی بڑی مخلوقات کو دیکھ کر کیا میں معلوم نہیں کر سکتا کہ اس کا کوئی خالق ہے۔ واقعی یہ جواب ایک

سچا اور فطرت کے مطابق جواب ہے۔ اور اس مخلوقات کی پیدائش کی طرف اگر انسان توجہ کرے تو آخر ایک ہستی کو ماننا پڑتا ہے کہ جس نے یہ سب پیدا کیا ؛

پانچویں دلیل پانچویں دلیل ہستی باری کی جو قرآن شریف نے دی ہے گو اسی رنگ کی ہے لیکن اس سے زیادہ زبردست ہے۔ اور وہاں استدلال بالاولیٰ سے کام لیا گیا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ تَبَارَكَ الَّذِي بِيَدِهِ الْمُلْكُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۙ الَّذِي خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا ۚ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْغَفُورُ ۙ الَّذِي خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ۖ مَا تَرٰى فِي خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ ۖ فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرٰى مِنْ فُطُورٍ ۔ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ إِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَهُوَ حَسِيرٌ ۔ یعنی بہت برکت والا ہے وہ جس کے ہاتھ میں ملک ہے۔ وہ ہر ایک چیز پر قادر ہے اس نے موت اور زندگی کو پیدا کیا ہے تاکہ دیکھے کہ تم میں سے کون زیادہ نیک عمل کرتا ہے اور وہ غالب ہے بخشندہ ہے۔ اس نے ساتوں آسمان بھی پیدا کئے ہیں اور ان میں آپس میں موافقت اور مطابقت رکھی ہے۔ تُو کبھی کوئی اختلاف اللہ تعالیٰ کی پیدائش میں نہیں دیکھے گا۔ پس اپنی آنکھ کو لوٹا کیا تجھے کوئی شگاف نظر آتا ہے۔ دوبارہ اپنی نظر کو لوٹا کر دیکھ تیری نظر تیری طرف تھک کر اور ماندہ ہو کر لوٹے گی ؛

بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ تمام کائنات اتفاقاً پیدا ہو گئی۔ اور اتفاقی

طور سے مادہ کے ملنے سے یہ سب کچھ بن گیا۔ اور سائنس سے ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ یہ ہو سکتا ہے کہ دُنیا خود بخود جُڑ کر آپ ہی چلتی جلے اور اس کی کل پھرانے والا کوئی نہ ہو۔ لیکن ان کا جواب اللہ تعالیٰ اِن آیات میں دیتا ہے کہ اتفاقی طور سے جُڑنے والی چیزوں میں کبھی ایک سلسلہ اور انتظام نہیں ہوتا بلکہ بے جوڑی ہوتی ہے مختلف رنگوں سے ملکر تصویر بنتی ہے۔ لیکن کیا اگر مختلف رنگ ایک کاغذ پر پھینکدیں تو اس سے تصویر بنجائے گی۔ اینٹوں سے مکان بنتا ہے لیکن کیا اینٹیں ایک دوسرے پر پھینکدینے سے مکان بن جائیگا۔ بفرض محال اگر یہ مان لیا جائے کہ بعض واقعات اتفاقاً بھی ہو جاتے ہیں۔ لیکن نظامِ عالم کو دیکھکر کبھی کوئی انسان نہیں کہہ سکتا کہ یہ سب کچھ آپ ہی ہو گیا۔ مانا کہ خود بخود مادہ پیدا ہو گیا۔ مانا کہ خود بخود ہی مادہ سے زمین پیدا ہو گئی اور یہ بھی مان لیا کہ اتفاقاً ہی اِنسان بھی پیدا ہو گیا۔ لیکن انسان کی خلقت پر نظر تو کرو کہ کیا ایسی کامل پیدائش کبھی خود بخود ہو سکتی ہے ؛

عام طور سے دنیا میں ایک صفت کی خوبی سے اس کے صنّاع کا پتہ لگتا ہے۔ ایک عمدہ تصویر کو دیکھ کر فوراً خیال ہوتا ہے کہ کِسی بڑے مصور نے بنائی ہے۔ ایک عمدہ تحریر کو دیکھ کر سمجھا جاتا ہے کہ کسی بڑے کاتب نے لکھی ہے۔ اور جس قدر ربط بڑھتا جائے اسی قدر اس کے بنانے یا لکھنے والے کی خوبی اور بڑائی ذہن نشین ہوتی جاتی ہے۔ پھر کیونکر تصور کیا جا سکتا ہے کہ ایسی منتظم دُنیا خود بخود اور یُونہی پیدا ہو گئی ؛

ذرا اس بات پر تو غور کرو کہ جہاں انسان میں ترقی کرنے کے قویٰ ہیں۔ وہاں اُسے اپنے خیالات کو عملی صورت میں لانے کے لئے عقل دی گئی ہے۔ اور اُس کا جسم بھی اس کے مطابق بنایا گیا ہے۔ چونکہ اس کو محنت سے روزی کمانا تھا اس لئے اسے مادہ دیا کہ چل پھر کر اپنا رزق پیدا کر لے۔ درخت کا رزق اگر زمین میں رکھا ہے تو اُسے جڑیں دیں کہ وہ اُس کے اندر سے پیٹ بھر لے۔ اگر شیر کی خوراک گوشت رکھی تو اُسے شکار مارنے کے لئے ناخن دئے۔ اور اگر گھوڑے اور بیل کیلئے گھاس کھانا مقرر کیا تو ان کو ایسی گردن دی جو جھک کر گھاس پکڑ سکے۔ اور اگر اُونٹ کے لئے درختوں کے پتّے اور کانٹے مقرر کئے تو اسکی گردن بھی اونچی بنائی۔ کیا یہ سب کارخانہ اتفاق سے ہوا۔ اتفاق نے اس بات کو معلوم کر لیا تھا کہ اُونٹ کو گردن لمبی دوں اور شیر کو پنجے اور درخت کو جڑیں اور انسان کو ٹانگیں۔ ہاں کیا یہ سمجھ میں آسکتا ہے کہ جو کام خود بخود ہو گیا۔ اس میں اس قدر انتظام رکھا گیا ہو۔ پھر اگر انسان کے لئے پھیپھڑا بنایا تو اس کے لئے ہوا بھی پیدا کی۔ اگر پانی پر اُس کی زندگی رکھی تو سُورج کے ذریعہ اور بادلوں کی معرفت اُسے پانی پہنچایا۔ اور اگر آنکھیں دیں تو اُن کے کارآمد بنانے کے لئے سُورج کی روشنی بھی دی تاکہ وہ اس میں دیکھ بھی سکے۔ کان دئے تو ساتھ اس کے خوبصورت آوازیں بھی پیدا کیں۔ زبان کے ساتھ ذائقہ دار چیزیں بھی عطا فرمائیں ناک پیدا کیا تو خوشبو بھی مہیا کر دی۔ ممکن تھا کہ اتفاق انسان میں

پھیپھڑا پیدا کر دیتا لیکن اُس کے لئے یہ ہوا کا سامان کیونکر پیدا ہوگیا اور ممکن تھا کہ آنکھیں انسان کی پیدا ہو جائیں۔ لیکن وہ عجیب اتفاق تھا کہ جس نے کروڑوں میلوں پہ جاکر ایک سورج بھی پیدا کر دیا کہ تا وہ اپنا کام کر سکیں۔ اگر ایک طرف اتفاق نے کان پیدا کر دیئے تھے۔ تو یہ کونسی طاقت تھی جس نے دُوسری طرف آواز بھی پیدا کر دی۔ برفانی ممالک میں مان لیا کہ کُتّے اور ریچھ تو اتفاق نے پیدا کر دیئے۔ لیکن کیا سبب کہ ان کتوں یا ریچھوں کے بال اتنے لمبے بن گئے کہ وہ سردی سے محفوظ رہ سکیں۔ اتفاق ہی نے ہزاروں بیماریاں پیدا کیں .... اور اتفاق ہی نے اُن کے علاج بنا دیئے۔ اتفاق ہی نے بچھو بوٹی جسکے چھونے سے خارش ہونے لگ جاتی ہے پیدا کی۔ اور اُس نے اس کے ساتھ پالک کا پودا اُگا دیا کہ اس کا علاج ہو جائے۔ دہریوں کا اتفاق بھی عجیب ہے کہ جن چیزوں کے لئے موت تجویز کی ان کے ساتھ توالد کا سلسلہ بھی قایم کر دیا اور جن چیزوں کے ساتھ موت نہ تھی وہاں یہ سلسلہ ہی نہیں رکھا۔ انسان اگر پیدا ہوتا۔ مگر نہ مرتا تو کچھ سالوں میں ہی دُنیا کا خاتمہ ہو جاتا۔ اس لئے اس کے لئے فنا دی۔ لیکن سُورج اور چاند اور زمین نہ نئے پیدا ہوتے ہیں نہ اگلے فنا ہوتے ہیں۔ کیا یہ انتظام کچھ کم تعجب انگیز ہے کہ زمین اور سُورج میں چونکہ کشش رکھی ہے اسلئے انکو ایک دُوسرے سے اتنی دُور رکھا ہے کہ آپس میں ٹکرا نہ جائیں۔ کیا یہ سب باتیں اس بات پر دلالت نہیں کرتیں کہ ان سب چیزوں کا خالق وہ ہے جو نہ صرف علیم ہے بلکہ غیر محدود علم والا ہے

اس کے قواعد ایسے منضبط ہیں کہ ان میں کچھ اختلاف نہیں اور نہ کچھ کمی ہے۔ مجھے تو اپنی اُنگلیاں بھی اس کی ہستی کا ثبوت معلوم ہوتی ہیں۔ مجھے جہاں علم دیا تھا اگر شیر کا پنجہ مل جائے تو گیا میں اس سے لکھ سکتا تھا شیر کو علم نہیں دیا۔ اسے پنجے دئے مجھے علم دیا۔ . . . لکھنے کیلئے انگلیاں بھی دیں :

سلطنتوں میں ہزاروں مدبّر انکی درستی کیلئے رات دن لگے رہتے ہیں۔ لیکن پھر بھی دیکھتے ہیں کہ اُن سے ایسی ایسی غلطیاں سرزد ہوتی ہیں کہ جن سے سلطنتوں کو خطرناک نقصان پہنچ جاتا ہے بلکہ بعض ادفات بالکل تباہ ہو جاتی ہیں لیکن اگر اس دُنیا کا کاروبار صرف اتفاق پر ہے تو تعجب ہے کہ ہزاروں دانا دماغ تو غلطی کرتے ہیں۔ لیکن یہ اتفاق غلطی نہیں کرتا لیکن سچی بات یہی ہے کہ اس کائنات کا ایک خالق ہے جو بڑے وسیع عالم کا مالک اور عزیز ہے اور اگر یہ نہ ہوتا تو یہ انتظام نظر نہ آتا۔ اب جس طرف نظر دوڑا کر دیکھو۔ تمہاری نظر قرآن شریف کے ارشاد کے مطابق خائب و خاسر واپس آئیگی۔ اور ہر ایک چیز میں ایک انتظام معلوم ہوگا۔ نیک جزا اور بدکار سزا پا رہے ہیں۔ ہر ایک چیز اپنا مفوضہ کام کر رہی ہے اور ایک دم کیلئے سست نہیں ہوئی یہ ایک بہت وسیع مضمون ہے۔ لیکن میں اسے یہیں ختم کرتا ہوں۔ عاقل را اشارہ کافی است :

چھٹی دلیل قرآن شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالےٰ کے منکر ہمیشہ ذلیل و خوار ہوتے ہیں اور یہ بھی ایک ثبوت ہے ان کے باطل ہونے کا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے ماننے والوں کو ہمیشہ فتوحات

دیتا ہے۔ اور وہ اپنے مخالفوں پر غالب رہتے ہیں۔ اگر کوئی خدا نہیں تو یہ نصرت و تائید کہاں سے آتی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ فرعون اور موسیٰؑ کی نسبت فرماتا ہے کہ قَالَ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى فَاَخَذَهُ اللّٰهُ نَكَالَ الْاٰخِرَةِ وَالْاُوْلٰى۔ یعنی جب حضرت موسیٰؑ نے اسے اطاعتِ الٰہی کی نسبت کہا۔ تو اُس نے تکبّر سے جواب دیا کہ خدا کیسا؟ خدا تو میں ہوں۔ پس اللہ تعالےٰ نے اُسے اس جہان میں بھی اور اگلے جہان میں بھی ذلیل کر دیا۔ چنانچہ فرعون کا واقعہ ایک بیّن دلیل ہے کہ کس طرح خدا کے منکر ذلیل و خوار ہوتے رہے ہیں علاوہ ازیں دُنیا میں کبھی کوئی سلطنت دہریوں نے قائم نہیں کی بلکہ دنیا کے فاتح اور ملکوں کے مصلح اور تاریخ کے بنانے والے وہی لوگ ہیں۔ کہ جو خدا کے قائل ہیں۔ کیا جہان کی ذلّت و نکبت اور ایک قوم کی صورت میں کبھی حکومت نصیب نہ ہونا کچھ معنی نہیں رکھتا؟

ساتویں دلیل

اللہ تعالیٰ کی ہستی کی یہ ہے کہ اس کی ذات کے ماننے والے اور اس پر حقیقی ایمان رکھنے والے ہمیشہ کامیاب ہوتے ہیں۔ اور باوجود لوگوں کی مخالفت کے اُن پر کوئی مصیبت نہیں آتی۔ خدا تعالےٰ کی ہستی کے منوانے والے ہر ایک ملک میں پیدا ہوئے ہیں۔ اور جس قدر ان کی مخالفت ہوئی ہے اتنی اور کسی کی نہیں ہوئی۔ لیکن پھر دُنیا اُن کے خلاف کیا کر سکی۔ رامچندر کو بن باس دینے والوں نے کیا سکھ پایا اور انہوں نے کونسی عشرت حاصل کر لی۔ کیا رامچندر کا نام ہزاروں سال کے لئے زندہ نہیں ہو گیا اور کیا اُن کا نام ہمیشہ کیلئے بدنام نہیں ہوا۔

اور کرشن کی بات کو رد کر کے کیا فائدہ حاصل کیا۔ کیا وہ کروچھتر کے میدان میں تباہ نہ ہوئے۔ فرعون سا بادشاہ جو بنی اسرائیل سے اینٹیں پتھواتا تھا۔ اس نے موسیٰ سے بیکس انسان کی مخالفت کی مگر کیا موسیٰ کا کچھ بگاڑ سکا۔ وہ غرق ہو گیا اور موسیٰ بادشاہ ہو گئے۔ حضرت مسیح کی دُنیا نے جو کچھ مخالفت کی وہ بھی ظاہر ہے اور اُن کی ترقی بھی جو کچھ ہوئی پوشیدہ نہیں۔ اُن کے دشمن تو تباہ ہوئے اور اُن کے غلام دُنیا کے بادشاہ ہو گئے ہمارے آقا بھی دُنیا میں سب سے زیادہ اس پاک نام کے پھیلانے والے تھے یہانتک کہ ایک یورپ کا مصنف کہتا ہے کہ ان کو خدا کا جنون تھا (نعوذ باللہ) ہر وقت خدا خدا ہی کہتے رہتے تھے۔ ان کی سات قوموں نے مخالفت کی اپنے پرائے سب دشمن ہو گئے۔ مگر کیا پھر آپؐ کے ہاتھ پر دُنیا کے خزانے فتح نہیں ہوئے؟ اگر یہ خدا نہیں تو یہ تائید کس لئے کی؟ اگر یہ سب کچھ اتفاق تھا تو کوئی مبعوث تو ایسا ہوتا جو خدا کی خدائی ثابت کرنے آتا اور دُنیا اسے ذلیل کر دیتی۔ مگر جو کوئی خدا کے نام کو بلند کرنے اٹھا وہ معزز و ممتاز ہی ہوا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے کہ وَمَنْ یَّتَوَلَّ اللّٰہَ وَ رَسُوْلَہٗ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰہِ ھُمُ الْغٰلِبُوْنَ۔ اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول اور مومنوں سے دوستی کرتا ہے۔ پس یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ یہی لوگ خدا کے ماننے والے ہی غالب رہتے ہیں :۔

آٹھویں دلیل

آٹھویں دلیل جو قرآن شریف سے اللہ تعالےٰ کی ہستی کے ثبوت میں ملتی ہے وہ یہ ہے۔ کہ وہ

دعاؤں کو قبول کرتا ہے اور یہ بات کسی خاص زمانہ کے متعلق نہیں بلکہ ہر زمانہ میں اس کے نظارہ موجود ہوتے ہیں چنانچہ اللہ تعالےٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے کہ اِذَا سَأَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَإِنِّيْ قَرِيْبٌ أُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ وَلْيُؤْمِنُوْا بِيْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ - یعنی جب میرے بندے میری نسبت سوال کریں تو انہیں کہدو کہ مَیں ہوں اور پھر قریب ہوں اور پکارنے والے کی دعا کو سنتا ہوں جب وہ مجھے پکارتا ہے - پس چاہیئے کہ وہ بھی میری بات مانیں اور مجھ پر ایمان لائیں - تاکہ وہ ہدایت پائیں - اب اگر کوئی شخص کہے کہ کیونکر معلوم ہو کہ وہ خدا سنتا ہے کیوں نہ کہا جائے کہ اتفاقاً بعض دعا کرنے والے کے کام ہو جاتے ہیں جیسے بعض کے نہیں بھی ہوتے اگر سب دعائیں قبول ہو جائیں تب تو کچھ بات بھی تھی لیکن بعض کے قبول ہونے سے کیونکر معلوم ہو کہ اتفاق نہ تھا بلکہ کسی ہستی نے انہیں قبول کر لیا - تو اس کا جواب یہ ہے کہ دعا کی قبولیت اپنے ساتھ نشان رکھتی ہے چنانچہ ہمارے آقا حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی مسیح موعود مہدی معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ثبوت باری کی دلیل میں یہ پیش کیا تھا کہ چند بیمار جو خطرناک طور سے بیمار ہوں - چُنے جائیں اور قرعہ سے بانٹ لیئے جائیں اور ایک گروہ کا ڈاکٹر علاج کریں اور ایک طرف مَیں اپنے حصہ والوں کے لیئے دعا کروں پھر دیکھو - کہ کس کے بیمار اچھے ہوتے ہیں - اب اِس طریق امتحان میں کیا شک

ہو سکتا ہے۔ چنانچہ ایک سگ گزیدہ جسے دیوانگی ہو گئی تھی اور جس کے علاج سے کسولی کے ڈاکٹروں نے قطعاً انکار کر دیا تھا اور لکھ دیا تھا کہ اِس کا کوئی علاج نہیں۔ اس کیلئے آپ نے دعا کی اور وہ اچھا ہو گیا۔ حالانکہ دیوانے کتے کے کٹے ہوئے دیوانہ ہو کر کبھی اچھے نہیں ہوتے۔ پس دعاؤں کی قبولیت اس بات کا ثبوت ہے کہ کوئی ایسی ہستی موجود ہے جو انہیں قبول کرتی ہے اور دعاؤں کی قبولیت کسی خاص زمانہ سے تعلق نہیں رکھتی بلکہ ہر زمانہ میں اس کے نمونے دیکھے جا سکتے ہیں جیسے پہلے زمانہ میں دُعائیں قبول ہوتی تھیں ویسی ہی اب بھی ہوتی ہیں ؎

نویں دلیل

نویں دلیل قرآن شریف سے وجود باری کی الہام معلوم ہوتی ہے۔ یہ دلیل اگرچہ میں نے نویں نمبر پر رکھی ہے۔ لیکن درحقیقت نہایت عظیم الشان دلیل ہے جو خدا تعالیٰ کے وجود کو یقینی طور سے ثابت کر دیتی ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ۔ یعنی اللہ تعالےٰ اپنے مومن بندوں کو اس دنیا اور اگلی دنیا میں پکی باتیں سنا سنا کر مضبوط کرتا رہتا ہے۔ پس جبکہ ہر زمانہ میں اللہ تعالیٰ ایک بڑی تعداد کے ساتھ ہمکلام ہوتا رہتا ہے تو پھر اس کا انکار کیونکر درست ہو سکتا ہے۔ اور نہ صرف انبیا اور رسولوں سے ہی ہمکلام ہوتا ہے بلکہ اولیاء سے بھی بات کرتا ہے۔ اور بعض دفعہ اپنے کسی غریب بندہ پر بھی رحم کر کے اسکی تشفی کیلئے کلام کرتا ہے۔ چنانچہ اس عاجز سے بھی اس نے کلام کیا اور

لے حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ۔

اپنے وجود کو دلائل سے ثابت کیا۔ پھر یہی نہیں بعض دفعہ نہایت گندہ اور بد باطن آدمیوں سے بھی اتمام حجت قائم کرنے کیلئے بول لیتا ہے چنانچہ بعض دفعہ چوہڑوں چماروں کنچنیوں تک کو خوابیں اور الہام ہو جاتے ہیں اور اس بات کا ثبوت کہ وہ کسی زبردست ہستی کی طرف سے ہیں یہ ہوتا ہے کہ بعض دفعہ ان میں غیب کی خبریں ہوتی ہیں جو اپنے وقت پر پوری ہو کر بتا دیتی ہیں کہ یہ انسانی دماغ کا کام نہ تھا اور نہ کسی بدہضمی کا نتیجہ تھا۔ اور بعض دفعہ سینکڑوں سال آگے کی خبریں بتائی جاتی ہیں تاکہ کوئی یہ نہ کہدے کہ موجودہ واقعات خواب میں سامنے آگئے اور وہ اتفاقاً پورے بھی ہو گئے چنانچہ توریت اور قرآن شریف میں مسیحیوں کی ان ترقیوں کا جن کو دیکھکر اب دنیا حیران ہے پہلے سے ذکر موجود تھا اور پھر صریح لفظوں میں تفصیل کے ساتھ بلکہ ان واقعات کا بھی ذکر ہے جو آئندہ پیش آنیوالے ہیں مثلاً اِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ۔ یعنی ایک وقت آتا ہے کہ اونٹنیاں بیکار ہو جائیں گی۔ اور حدیث مسلم میں اس کی تفسیر یہ ہے۔ وَلَيُتْرَكُنَّ القلاص فلا يسعى عليها یعنی اونٹنیوں سے کام نہ لیا جائیگا۔ چنانچہ اس زمانہ میں ریل کے اجرا سے یہ پیشگوئی پوری ہو گئی۔ ریل کے متعلق نبی کریم صلعم کے کلام میں ایسے ایسے صاف اشارے پائے جاتے ہیں جن سے ریل کا نقشہ آنکھوں میں پھر جاتا ہے۔ اور یقین ہو جاتا ہے کہ کلام نبوت میں یہی سواری ہے۔ جو حبس ماء سے چلے گی اور اپنے آگے دھوئیں کا ایک پہاڑ رکھے گی۔ اور سواری و بار برداری کے لحاظ سے حمار کی جا بجا ہو گی۔ اور چلتے

وقت ایک آواز کرے گی۔ وغیر ذالک۔

دوم۔ اِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ۔ یعنی کتابوں اور نوشتوں کا بکثرت شائع ہونا۔ آجکل بباعثِ چھاپہ کی کلوں کے جس قدر اس زمانے میں کثرت اشاعت کتابوں کی ہوئی اس کے بیان کی ضرورت نہیں۔

سوم۔ اِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ۔ نوع انسان کے باہمی تعلقات کا بڑھنا اور ملاقاتوں کا طریق سہل ہوجانا کہ موجودہ زمانے سے بڑھکر متصور نہیں۔

چہارم۔ ترجف الراجفہ تتبعھا الوادفہ۔ متواتر اور غیر معمولی زلزلوں کا آنا یہانتک کہ زمین کانپنے والی بن جائے۔ سو یہ زمانہ اس کے لئے بھی خصوصیت سے مشہور ہے۔

پنجم۔ وَاِنْ مِّنْ قَرْیَۃٍ اِلَّا نَحْنُ مُھْلِکُوْھَا قَبْلَ یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ اَوْ مُعَذِّبُوْھَا۔ یعنی ایسی بستی نہیں جس کو ہم قیامت سے کچھ مدت پہلے ہلاک نہیں کرینگے یا کسی حد تک اسپر عذاب وارد نہیں کرینگے۔ چنانچہ اسی زمانہ میں طاعون اور زلزلوں اور طوفان اور آتش فشاں پہاڑوں کے صدمات اور باہمی جنگوں سے لوگ ہلاک ہورہے ہیں۔ اور اس قدر اسباب موت کے اس زمانہ میں جمع ہوئے ہیں۔ اور اس شدت سے وقوع میں آئے ہیں کہ مجموعی حالت کی نظیر کسی پہلے زمانہ میں پائی نہیں جاتی۔ پھر اسلام تو ایسا مذہب ہے کہ ہر صدی میں اس کے ماننے والوں میں سے ایسے لوگ پیدا ہوتے رہتے ہیں جو الہام الٰہی سے سرفراز ہوتے رہتے ہیں۔ ... اور خارق عادت نشانات سے ظاہر کرتے ہیں کہ ایک قادر

و توانا مدبر بالارادہ عالم الغیب ہستی ہے۔ چنانچہ اس زمانے کے مامور پر نہایت بے بسی و گمنامی کی حالت میں خدا نے وحی نازل کی۔ یَاْتِیَاکَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ یَنْصُرُکَ رِجَالٌ نُّوْحِیْٓ اِلَیْھِمْ مِنَ السَّمَآءِ وَلَا تُصَعِّرْ لِخَلْقِ اللّٰہِ وَلَا تَسْئَمْ مِنَ النَّاسِ۔ (دیکھو براہین احمدیہ مطبوعہ ۱۸۸۱ء صفحہ ۲۴۱) کہ ہر ایک راہ سے لوگ تیرے پاس آئینگے اور ایسی کثرت سے آئیں گے کہ وہ راہیں جن پر وہ چلیں گے عمیق ہو جائیں گی۔ تیری مدد وہ لوگ کرینگے جن کے دلوں میں ہم آپ القا کرینگے مگر چاہیئے تُو خدا کے بندوں سے جو تیرے پاس آئینگے بدخلقی نہ کرے اور چاہیئے کہ تو ان کی کثرت دیکھ کر ملاقاتوں سے تھک نہ جائے ایک شخص ایک ایسے گاؤں میں رہنے والا جس کے نام سے بھی مہذب دُنیا میں سے کوئی آگاہ نہیں۔ یہ اعلان کرتا ہے پھر باوجود سخت مخالفتوں اور روکوں کے ایک دنیا دیکھتی ہے۔ امریکہ و افریقہ سے لیکر تمام علاقوں کے لوگ یہاں حاضر رہتے ہیں اور آدمیوں کی کثرت کا یہ عالم ہے کہ ان سب سے مصافحہ و ملاقات کرنا کسی معمولی آدمی کا کام نہیں ہو سکتا۔ پھر ایک مقتدر جماعت اپنے پیارے وطن چھوڑ کر یہاں رہنا اختیار کرتی ہے۔ اور قادیان کا نام تمام دنیا میں مشہور ہو جاتا ہے۔ کیا یہ چھوٹی سی بات ہے۔ اور یہ ایسا نشان ہے جسے معمولی نظر سے ٹال دیا جاوے؟

دوم۔ عیسائیوں میں سے ڈوئی نے امریکہ میں نبوت کا دعویٰ کیا۔ اور اپنے یہ ناپاک کلمات شائع کئے کہ "میں خدا سے دُعا کرتا ہوں۔ وہ دن

جلد آئے کہ اسلام دنیا سے نابود ہو جائے۔ اے خدا تو ایسا ہی کر اے خدا اِسلام کو ہلاک کر"۔ تو صرف یہ حضور مسیح موعود ہمارے امام علیہ السلام ہی تھے جنہوں نے اس کے مقابلہ میں اشتہار دیا کہ "اے جو مدعی نبوت ہے آ اور میرے ساتھ مباہلہ کر۔ ہمارا مقابلہ دُعا سے ہوگا۔ اور ہم دونوں خدا تعالیٰ سے دعا کرینگے کہ ہم میں سے جو شخص کذاب ہے۔ وہ پہلے ہلاک ہو"۔ (ٹیلیگراف ۵ جولائی ۱۹۰۳ء) لیکن اس نے رعونت سے کہا "کیا تم خیال کرتے ہو۔ کہ مَیں ان مچھروں اور مکھیوں کا جواب دُونگا۔ اگر مَیں اپنا پاؤں انپر رکھوں تو انکو کچل کر مار ڈالوں"۔ (ڈوئی کا پرچہ۔ دسمبر ۱۹۰۳ء) مگر حضور مہدیؑ نے فرما دیا تھا۔ اور اسی اشتہار ۲۳ اگست ۱۹۰۳ء میں شائع کیا تھا۔ کہ "اگر ڈوئی مقابلہ سے بھاگ گیا تب بھی یقیناً سمجھو کہ اس کے سیحون پر جلد تر آفت آنے والی ہے۔ اے خدا اور کامل خدا یہ فیصلہ جلد کر اور ڈوئی کا جھوٹ لوگوں پر ظاہر کر دے"۔

پھر اس کے بعد سنو! کیا ہوا۔ وہ جو شاہزادوں کی زندگی بسر کرتا تھا۔ جس کے پاس سات کروڑ روپیہ تھا۔ اس کی بیوی اور اس کا بیٹا دشمن ہو گئے۔ اور باپ نے اشتہار دیا کہ وہ ولد الزنا ہے۔ آخر اس پر فالج گرا۔ پھر غموں کے مارے پاگل ہو گیا۔ آخر مارچ ۱۹۰۷ء میں بڑی حسرت اور دُکھ کے ساتھ جیسا کہ خدا نے اپنے مامور کو پہلے سے اطلاع دی اور جیسا کہ حضرت اقدس نے ۱۰ فروری ۱۹۰۷ء کے اشتہار میں شائع فرمایا تھا "خدا فرماتا ہے کہ مَیں ایک تازہ نشان ظاہر کرونگا جس میں فتح عظیمہ ہوگی وہ تمام دُنیا کے لیئے ایک

نشان ہو گا" ہلاک ہو کر خدا کی ہستی پر گواہی دے گیا۔ یہ عیسائی دنیا
پرانی دنیا اور نئی دنیا دونوں پر حضورؑ کی فتح تھی۔

سوم۔ آریوں کا ایک نامی لیڈر لیکھرام تھا۔ رسالہ کرامات الصادقین
مطبوعہ صفر ۱۳۱۱ھ میں یہ پیشگوئی درج کی کہ لیکھرام کی نسبت خدا نے
میری دعا قبول کر کے مجھے خبر دی ہے کہ وہ چھ سال کے اندر ہلاک ہو گا
اور اس کا جرم یہ ہے کہ وہ خدا کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیتا تھا اور
بُرے لفظوں کے ساتھ توہین کرتا تھا۔ پھر ۲۲ فروری ۱۸۹۳ء کے اشتہار
میں اس کے مرنے کی صورت بھی بتادی۔ عجل جسد لہ خوار لہ
نصب و عذاب۔ یعنی لیکھرام گوسالہ سامری ہے جو بیجان ہے اور
اس میں محض ایک آواز ہے جس میں رُوحانیت نہیں اس لئے اس کو عذاب
دیا جائیگا جو گوسالہ سامری کو دیا گیا تھا۔ ہر ایک شخص جانتا ہے کہ گوسالہ سامری
کو ٹکڑے ٹکڑے کیا گیا تھا اور پھر جلایا گیا اور دریا میں ڈالا گیا تھا۔ پھر ۲ اپریل
۱۸۹۳ء کو آپؑ نے ایک کشف دیکھا (دیکھو برکات الدعا کا حاشیہ) کہ ایک
قوی ہیبت شکل جو گویا انسان نہیں ملائک شداد و غلاظ سے ہے۔ وہ
پوچھتا ہے کہ لیکھرام کہاں ہے؟ پھر کرامات الصادقین کے اس شعر سے دن
بھی بتادیا ؎ وبشرنی ربی فقال مبشراً * ستعرف یوم العید والعید اقرب
یعنی عید سے دوسرے دن ہفتہ والے دن اور ؎

الا اے دشمن نادان و بے راہ * بترس از تیغ بُرّان محمدؐ

پانچ سال پہلے شائع کر کے قتل کی صورت بھی بتادی۔ آخر لیکھرام ۶ رمارچ

۱۸۹۷ء کو قتل کیا گیا اور سب نے متفق اللفظ ہو کر بیان کیا کہ یہ پیشگوئی بڑی صفائی کے ساتھ پوری ہو کر اللہ کی ہستی کے لئے حجتِ ناطقہ ٹھہری۔ پس الہام ایک ایسی چیز ہے کہ اس کے ہوتے ہوئے خدا کا انکار کرنا انتہائی ہٹ دھرمی ہے ؎

دسویں دلیل

دسویں دلیل جو ہر ایک نزاع کے فیصلہ کیلئے قرآن شریف نے بیان فرمائی ہے۔ اس آیت سے نکلتی ہے کہ وَالَّذِینَ جَاھَدُوا فِیْنَا لَنَھْدِیَنَّھُمْ سُبُلَنَا۔ یعنی جو لوگ ہمارے متعلق کوشش کرتے ہیں۔ ہم ان کو اپنی راہ دکھا دیتے ہیں اور اس آیت پہ جن لوگوں نے عمل کیا ہے وہ ہمیشہ نفع میں رہے ہیں۔ وہ شخص جو خدا تعالیٰ کا منکر ہو۔ اُسے تو ضرور خیال کر لینا چاہیئے کہ اگر خدا ہے تو اس کیلئے بہت مشکل ہوگی۔ پس اس خیال سے اگر سچائی کے دریافت کرنے کی اس کے دِل میں تڑپ ہو تو اُسے چاہیئے کہ گڑگڑا کر اور بہت زور لگا کر وہ اس رنگ میں دُعا کرے کہ اے خدا اگر تُو ہے اور جس طرح تیرے ماننے والے کہتے ہیں تُو غیر محدود طاقتوں والا ہے تو مجھ پہ رحم کر اور مجھے اپنی طرف ہدایت کر اور میرے دل میں بھی یقین اور ایمان ڈال دے تاکہ مَیں محروم نہ رہ جاؤں۔ اگر اس طرح سچے دل سے کوئی شخص دعا کریگا اور کم سے کم چالیس دن تک اسپر عمل کریگا تو خواہ اسکی پیدائش کسی مذہب میں ہوئی ہو۔ وہ کسی ملک کا باشندہ ہو۔ رب العالمین ضرور اس کی ہدایت کریگا اور وہ جلد دیکھ لیگا کہ اللہ تعالیٰ ایسے رنگ میں اسپر اپنا وجود ثابت کر دیگا کہ اس کے دِل سے شک و شبہ کی نجاست بالکل دُور ہو جائیگی۔ اور یہ تو

ظاہر ہے کہ اس طریق فیصلہ میں کسی قسم کا دھوکہ نہیں ہو سکتا۔ پس سچائی کے طالبوں کے لیئے اس پر عمل کرنا کیا مشکل ؟

گیارھویں دلیل دنیا میں تمام اشیاء جسقدر ہمیں دکھائی دیتی ہیں سب مرکب ہیں۔ ہوا کو لو وہ بھی مرکب ہے پانی بھی مرکب ہے لہذا جب سب مرکب ہوئیں تو ان کو ترکیب دینے والا بھی ضروری ہے۔ اگر کہو کہ وہ خود بخود مرکب ہو سکتی ہیں۔ تو یہ بات مشاہدۃً غلط ہے۔ مثلاً درخت سے پھل یا پتے توڑ کر پھینکد ئے جائیں تو وہی پھل اور پتے دوبارہ خود بخود اس درخت سے نہیں لگتے۔ جس سے ثابت ہوا کہ مرکب ہونا ان کا خاصہ نہیں۔ ورنہ جب توڑے جاتے پھر لگ جاتے۔

بارھویں دلیل نظام عالم میں ترتیب ہے۔ مثلاً سورج روشنی دیتا ہے کھیتیاں پکاتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ چاند رات کی مشعل ہے پانی پیاس بجھاتا ہے غرض دنیا میں بہت سی چیزیں انسان کو فائدہ پہنچاتی ہیں۔ اب انکے متعلق تین ہی صورتیں عقل میں آسکتی ہیں۔ یا تو کہا جائے کہ یہ سب اتفاقی ہیں لیکن یہ بات غلط ہے کیونکہ اتفاقی وہ ہوتی ہے جو کبھی ہو کبھی نہ ہو۔ دوسری صورت یہ ہے کہ وہ سب اپنی مرضی سے ایسا کرتے ہیں۔ تو اس صورت میں بجائے ایک خدا کے کئی خدا تسلیم کرنے پڑینگے۔ تیسری صورت یہ ہے کہ ہم کہیں۔ نہ یہ سب اتفاقی ہیں۔ نہ اپنی مرضی سے کام کرتے ہیں۔ بلکہ سب کے سب ایک حکمران کے قبضۂ قدرت کے ماتحت کام کرتے ہیں۔ غرض تینوں صورتوں سے دہریوں کا مذہب باطل ہے ؞

۱۳ تیرھویں دلیل

دنیا یا خود بخود ہے یا کسی نے بنائی ہے۔ اگر کہو کہ خود بخود ہے تو یہ بات درست نہیں۔ کیونکہ عدم سے وجود میں آنا ایک فعل ہے اور کوئی فعل بغیر فاعل کے نہیں ہوتا۔ اور فاعل کا وجود فعل سے پہلے موجود ہونا ضروری ہوتا ہے۔ سو اگر عدم سے وجود میں آنیکا فاعل دُنیا ہے تو اس کے یہ معنی ہوئے کہ دُنیا اپنے خود بخود بننے سے پہلے موجود تھی جو بالبداہت باطل ہے رہی دُوسری بات کہ کسی نے بنائی ہے تو یہی درست ہے اور اس بنانے والے کو ہم خدا کہتے ہیں ؛

چودھویں دلیل

دہریوں کا یہ دعویٰ کہ ہم خود بخود ہیں ترجیح بلا مرجح ہے اگر وہ کہیں کہ ہم خود مرجح ہیں تو یہ بات غلط ہے کیونکہ مرجح ترجیح سے پہلے ہوتا ہے۔ اگر یہی بات ہو تو عدم سے وجود میں آنا کیسا؟ اور جب ہم نہ ہوئے تو کوئی اور مرجح ہوگا۔ پس اسی کو ہم خدا کہتے ہیں ؛

پندرھویں دلیل

دنیا قدیم ہے یا حادث۔ اگر کہو قدیم ہے تو یہ بات غلط ہے کیونکہ قدیم وہ سکتی ہے جو کسی کی محتاج نہ ہو۔ اور دنیا کی ہر چیز دُوسری کی محتاج ہے مثلاً بارش نہ ہو تو زمین اکیلی کچھ نہیں اگا سکتی۔ پس ثابت ہوا کہ دنیا قدیم نہیں۔ جب قدیم نہ ہوئی تو حادث ٹھہری اور حادث کا کوئی محدث چاہیئے۔ سو وُہی خدا ہے ؛

سولہویں دلیل

دُنیا میں ہم دیکھتے ہیں کہ کوئی مصنوع بغیر صانع کے نہیں جو چیز بھی ہو فطرت خود گواہی دیگی کہ ضرور بالضرور کوئی نہ کوئی اس کا پیدا کرنیوالا ہے سو اتنے بڑے عالم کو کہدینا کہ یہ خود بخود ہے درست نہیں ؛

سترھویں دلیل

ہمارا روز مرہ کا تجربہ ہے کہ انسان کسی چیز کے اجزاء اور مرکبات سے جتنا واقف ہو۔ اس چیز کے مستقبل کے متعلق بھی اتنا ہی اسکو علم ہوتا ہے مثلاً ایک گھڑی ساز ایک گھڑی بناتا ہے وہ چونکہ اس کے اجزاء اور مرکبات سے واقف ہے اسلئے وہ بتا سکتا ہے کہ وہ گھڑی کتنا عرصہ کام دیگی۔ مگر چونکہ انسان اپنا خالق نہیں اسلئے اپنے وجود کے اجزاء اور دنیا کی اشیاء کی ماہیت کو نہیں جانتا۔ اس لئے عالم الغیب بھی نہیں۔ لیکن اگر کوئی ایسی ہستی ہو جو آئندہ کے حالات جانتی ہو۔ تو یقیناً وہ خالق دنیا (خدا) ہوگی خدا تعالیٰ اپنے انبیاء کو دُنیا میں بھیجتا ہے (جو بوجہ انسان ہونے کے بذاتِ خود غیب نہیں جانتے) مگر خدا تعالیٰ اُن پر آئندہ زمانہ کی خبریں کھولتا ہے۔ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ (پ ۲۹ - ع ۱۲) اور اس طریق سے اپنی ہستی کا ثبوت دیتا ہے۔ دیکھو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آج سے ساڑھے تیرہ سو سال قبل بتایا تھا کہ اَلْيَوْمَ نُنَجِّيْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰيَةً (یونس ع ۹) کہ فرعون کے ساتھ جب وہ ڈوب رہا تھا خدا نے یہ وعدہ کیا تھا کہ اس کا جسم محفوظ رہیگا۔ تورات نے صاف الفاظ میں لکھا ہے کہ فرعون بمعہ اپنے رتھ کے سمندر میں پتھر کی طرح غرق ہو گیا۔ لیکن قرآن نے بتایا کہ اسکی لاش محفوظ ہے۔ چنانچہ ہمارے زمانہ میں اس کا محفوظ برآمد ہونا قرآن کی صداقت اور خدا تعالیٰ کی ہستی پر زبردست دلیل ہے۔ اسی طرح چاند سُورج کو رمضان کے مہینہ میں ۱۳ اور ۲۸ کو گرہن لگنا۔ اور اس کا امام مہدی کی صداقت پر گواہ ہونا (دار قطنی صفحہ ۱۸۸) اور پھر اس

نشان کا حضرت مرزا صاحب علیہ السلام کے زمانہ ۱۸۹۳ء میں بعینہٖ پورا ہو جانا خدا کی ہستی اور آنحضرت صلعم کی صداقت پر برہانِ قاطع ہے۔

دہریوں کے اعتراضات معہ جوابات

(۱) چونکہ خدا نظر نہیں آتا اسلئے معلوم ہوا کہ اس کا وجود وہم ہی وہم ہے۔

جواب اوّل۔ دنیا میں بہت سی چیزیں ہیں جو نظر نہیں آتیں جیسے عقل۔ ہوا۔ رُوح۔ بجلی۔ اور زمانہ وغیرہ۔ مگر دہریہ ان چیزوں کے وجود کے مقر ہیں۔

جواب دوم۔ اگر خدا لوگوں کو نظر آیا بھی کرتا تب بھی اسکو ہر شخص تسلیم نہ کرتا مثلاً اندھوں کو کس طرح نظر آتا۔ دہریے اندھوں کو کیا جواب دیتے۔ اسلئے معلوم ہوا کہ آنکھوں سے نظر آنا ایک ایسا امر نہیں جس سے ساری دُنیا کی تشفی ہو سکتی۔

جواب سوم یہ کہ اگر آنکھوں سے نظر آجائے اور سب لوگ اس جاہ و جلال والی ہستی کا مشاہدہ کر لیں تو پھر دین کا کارخانہ ہی باطل ہو جائے اور ایمان بالغیب پر جو ثواب مقرر ہیں وہ ضائع ہو جائیں۔ آنکھوں سے وہی چیز نظر آتی ہے جو کسی خاص سمت پر واقع ہو اور محدود ہو یا دیکھنے والے کی آنکھ سے دُور ہو۔ خدا تعالیٰ کی ہستی تو سمتوں سے پاک ہے۔ سمتیں مخلوق کی ہیں۔ اور یہ نہیں ہو سکتا کہ مخلوق اپنے خالق کا احاطہ کر لے۔ علاوہ ازیں جب اس کو آنکھ نے دیکھا اور اس کا احاطہ کیا تو وہ محدود ثابت ہوا۔ اور محدود ہونا نقص ہے۔ اور خدا نقصوں سے پاک ہے۔ نیز وہ ہر جگہ موجود ہے۔ آنکھ سے دُور ہستی نہیں۔ سچ ہے۔ لَا تُدْرِکُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ یُدْرِکُ الْاَبْصَارَ۔

اعتراض دوم ۔ اگر خدا کا کوئی وجود ہوتا تو مذہب میں اختلاف نہ ہوتا بلکہ سب مذہب آپس میں متفق ہوتے کیونکہ اُن کے اُتارنے والا ایک مانا جاتا ہے لیکن چونکہ اختلاف ہے۔ اس لئے معلوم ہوا کہ الہام وغیرہ وہم ہے اور خدا کا کوئی وجود نہیں۔

جواب اوّل ۔ مذہب کے اختلاف سے یہ ثابت نہیں ہوتا۔ کہ انکا بھیجنے والا کوئی نہیں۔ کیونکہ مذاہب اور شریعت لوگوں کے لئے بطور نسخہ ہوتے ہیں۔ جس طرح ایک ہی طبیب مختلف بیماروں کی حالت کے مطابق مختلف نسخے تجویز کرتا ہے۔ اسی طرح خدا تعالیٰ بھی لوگوں کے مختلف حالات کے مطابق شریعت تجویز کرتا ہے۔ مثلاً بنی اسرائیل عرصہ دراز تک محکوم رہنے کیوجہ سے بے غیرتی کے مرض میں مبتلا ہو چکے تھے۔ اسوقت خدا نے نسخہ بھیجا کہ کان کے بدلے کان۔ ناک کے بدلے ناک۔ آنکھ کے بدلے آنکھ۔ غرض اس طرح پر زور تحریکوں سے ان میں جوشِ انتقام پیدا کیا۔ پھر جب چودہ سو برس کا لمبا عرصہ گزر گیا اور حضرت عیسیٰؑ کا وقت آیا۔ اسوقت یہودی نہایت انتقام گیر اور کینہ توز تھے۔ اسلئے ان کیلئے جو نسخہ آیا۔ اس میں درج تھا کہ اگر کوئی شخص تیرے داہنے گال پر تھپیڑ مارے تو بایاں گال بھی اسکے آگے کر دو۔ اسکے بعد جب ایسے وسائل پیدا ہونے لگے اور وہ زمانہ آگیا کہ دنیا کے لوگ، دُور دراز ملکوں کے آپسمیں ملنے لگے۔ تب ایک مکمل نسخہ آیا۔ جسکی موجودگی میں کسی اور نسخہ کی ضرورت نہ رہی۔ اس آخری نسخہ لکھنے والے حکیم مطلق نے لکھا کہ موقع و محل کے مطابق عمل کرو۔ انتقام کے موقع پر انتقام، عفو کے موقع پر عفو۔ غرض اختلاف مذاہب سے یہ بات ثابت نہیں کہ وہ ایک سرچشمہ سے نہیں نکلے بلکہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ

لوگوں کی طبیعتوں اور حالتوں میں اختلاف ہے، اگر غور سے دیکھا جائے تو دنیا میں جسقدر مذاہب ہیں اسمیں وہ سب متفق ہیں اور سب ایک اصول پر مجتمع ہیں اور جو اختلاف ہم کو نظر آتا ہے وہ بعد میں آنیوالوں کی ملاوٹ اور تحریف کا نتیجہ ہے ہاں اگر فروع میں کہیں کہیں کوئی فرق نظر آئے تو وہ قوموں کی حالتوں کی تبدیلی کی وجہ سے ہے ؞

اعتراض سوم۔ اگر کوئی خدا ہوتا تو دنیا میں یہ تفرقہ نہ ہوتا۔ کوئی غریب ہے۔ کوئی امیر۔ کوئی مریض اور کوئی تندرست اور کوئی کمزور اور کوئی طاقتور۔

جواب اوّل۔ یہ اعتراض تو ایسا ہے جیساکہ ہندوستان کا کوئی حاکم نہیں۔ کیونکہ یہاں تفرقہ ہے۔ کوئی ڈپٹی کمشنر ہے۔ کوئی گورنر۔

جواب دوم۔ اللہ تعالیٰ نے چاند سورج۔ ہوا۔ پانی وغیرہ سب کو یکساں طور پر دی ہیں۔ پھر ترقی کرنیکے اصول اور قوانین مقرر کر دیئے ہیں۔ ایک شخص ان قانونوں پر عمل کرکے ترقی کرتا جاتا ہے دوسرا شخص غفلت سے کام لیکر ان قواعد پر عمل پیرا نہیں ہوتا۔ اور اس طور پر ترقی کرنے سے محروم رہ جاتا ہے جیساکہ گورنمنٹ نے سکول اور کالج کھولے ہوئے ہیں۔ بعض ان کے ذریعہ اعلیٰ تعلیم حاصل کرتے لیکن بعض ان کے قواعد پر پوری طرح عمل نہ کرکے علم سے بے بہرہ رہ جاتے ہیں۔

جواب سوم۔ دنیا میں دیکھتے ہیں کہ ایک افسر کے ماتحت مختلف ملازم ہوتے ہیں کوئی اعلیٰ کوئی ادنیٰ۔ کوئی باورچی اور کوئی باغ کا مالی۔ اسی طرح اس کے اصطبل میں مختلف قسم کے گھوڑے اور جانور ہوتے ہیں۔ مگر اس اختلاف سے افسر کی ہستی کا انکار نہیں ہوسکتا۔

اعتراض چہارم۔ جو لوگ خدا کے مقر ہیں وہ بھی گناہ کرتے ہیں۔ اگر خدا ہے۔

تو اس کے قائل کیوں گناہ سے نہیں بچتے۔

جواب اوّل۔ نافرمانی سے یہ نتیجہ نکالنا غلط ہے۔ ہندوستان میں کئی چور اور ڈاکو ہیں۔ کیا اس سے یہ نتیجہ نکل سکتا ہے کہ ہندوستان میں کوئی حاکم نہیں۔ حالانکہ وہ اس بات کا اعتقاد رکھتے ہیں کہ فلاں حاکم ہے۔

جواب دوم۔ یہ کہنا کہ خدا پر ایمان لا کر لوگ گناہ کرتے ہیں یہ بالکل غلط ہے۔ صرف منہ سے کہہ دینا کہ ہم خدا کو مانتے ہیں۔ اس سے دل میں ایمان ثابت نہیں ہوتا۔ جو لوگ ایسا کرتے ہیں۔ وہ صریحاً نافرمانی کرتے ہیں۔ ان کے دل میں حقیقی ایمان نہیں۔ بلکہ ان کے ایمان میں ضُعف ہے۔

اعتراض پنجم۔ اگر خدا ہے تو کہاں ہے؟ اور کب سے ہے؟

جواب اوّل۔ یہ سوال مہمل ہے۔ کب اور کہاں زمانہ اور مکان ہیں جو مخلوق ہیں۔ لہذا حادث میں قدیم کا محدود ہونا محال ہے۔

جواب دوم۔ اسی طرح دہریوں سے ہم پوچھتے ہیں کہ دنیا کب سے ہے۔ اگر کہیں قدیم سے ہے۔ تو ہم کہیں گے خدا بھی قدیم ہے۔ اگر کہیں فلاں زمانہ سے ہے تو ثابت ہوا۔ کہ دُنیا حادث ہے۔ بتاؤ اِس حادث کا محدِث کون ہے؟

از افادات حضرت امیر المومنین

خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ

بنصرہ العزیز

اسلام اور ویدک دھرم

خداتعالیٰ جو علیم اور حکیم ہے۔ اس نے دنیا کو ظلمت و گمراہی کی تاریک و تار گھٹاؤں میں گھرا دیکھ کر اپنی سنتِ قدیمہ کے مطابق دنیائے جہالت کو منور کرنے کے لیئے نورِ اسلام ظاہر کیا۔ یہ مذہب "فاران کی چوٹیوں پر" سے تمام دنیا پر چمکا۔ اور کروڑہا انسانوں کو خوابِ غفلت سے بیدار کر کے منزل مقصود تک پہنچایا۔ تمام دنیا کی متحدہ طاقتوں نے اس نور خداوندی کو بجھانے کی کوشش کی لیکن یہ بچہ تلواروں کے سایہ میں پلا۔ پھولا اور پھلا۔ حتیٰ کہ ایک وقت آیا جب دنیا کا کونہ کونہ اس "سراج منیر" کی ظلمت سوز ضیاء سے منور ہو گیا۔ ہزارہا مذاہب اس کے مقابل پر آئے۔ مگر اسلام کے دلائل بیّنہ و براہین ساطعہ کے آگے سرنگوں ہوئے بغیر اُن کے لیئے اور کوئی چارہ نہ تھا۔

وید جو ممکن ہے ابتدائے دنیا میں جب انسانی دماغ نے ابھی منازل ارتقا طے نہ کی تھیں (دیکھو ستیارتھ پرکاش صک دفعہ ۴، صنا۳۱) ابتدائی تعلیم دینے کیلیئے نازل ہوئے ہوں لیکن آج جبکہ ترقی علوم سے انسانی دماغ ارتقاء کے بلند ترین مقام پر پہنچ چکا ہے اس ویدک تعلیم کو عالمگیر اور قابلِ تتبع قرار دینا دسمبر میں برف بیچنے کے مترادف ہے۔

عالمگیر کامل الہامی کتاب کے لیئے ضروری ہے کہ وہ اپنے عالمگیر اور الہامی ہونیکا

خود دعوےٰ کرے اور اس کے دلائل بھی خود ہی بیان کرے۔ قرآن کریم فرماتا ہے
اِنَّہٗ لَتَنۡزِیۡلُ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ (شعراء آخری رکوع) کہ یہ کتاب خدا کی طرف سے
نازل ہوئی ہے۔ پھر فرمایا۔ نُزِّلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ (محمد ع ۱) کہ یہ کتاب آنحضرت
صلے اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی ہے۔ پھر فرماتا ہے۔ لِیَکُوۡنَ لِلۡعٰلَمِیۡنَ
نَذِیۡرًا (الفرقان ع ۱) کہ قرآن مجید اسلیئے نازل کیا گیا ہے تاکہ تمام دنیا کے لوگوں
کے لئے موجبِ ہدایت ہو۔ مگر اس کے مقابل وید نہ تو اپنے الہامی ہونے کے مدعی
ہیں اور نہ وہ اپنے ملہمین کا کچھ اتا پتہ بتاتے ہیں کہ وہ تھے کون؟ انسان تھے یا
آگ۔ پانی۔ ہوا۔ سورج؟ ان کی زندگی کیسی تھی؟ انہوں نے وید کی تعلیم پر
کس طرح پر عمل کیا؟ کس طرح تبلیغ کی؟ تاکہ ہمارے لئے وید کی تحقیق کرنے میں
آسانی ہوتی۔ مگر ویدوں نے ان سب باتوں کو نظر انداز کر کے اپنے غیر مکمل ہونیکا
کافی ثبوت بہم پہنچا دیا ہے۔ اندریں صورت آریہ صاحبان کا وید کو کامل الہامی
اور عالمگیر کتاب ثابت کرنا "مدعی سُست گواہ چست" بلکہ "مدعی مفقود اور
گواہ موجود" کا مصداق ہے۔

(۲) وہی کتاب مکمل الہامی کہلا سکتی ہے جو اس منبع ہدایت (خدا) کے متعلق
نہایت اعلیٰ اور اکمل تعلیم دے۔ جو کتاب خدا تعالیٰ کو نہایت بھیانک شکل میں پیش کرتی
ہے وہ کبھی الہامی نہیں ہو سکتی۔ قرآن شریف نے خدا تعالیٰ کی مختلف صفات
بیان فرما کر فرمایا۔ فَلَہُ الۡاَسۡمَآءُ الۡحُسۡنٰی (بنی اسرائیل آخری رکوع) ہر قسم کی
خوبیاں خدا تعالیٰ میں پائی جاتی ہیں۔ اور خدا تعالیٰ ہر قسم کی بُرائی سے پاک ہے۔
کیسی اعلیٰ اور مکمل تعلیم ہے۔ ویدوں کی خدا کے متعلق تعلیم ملاحظہ ہو:۔

لاعلم خدا۔ خدا کہتا ہے "اس دُنیا میں پاپ اور پُن بھوگنے کے دو[۲] رستے ہیں ایک عارفوں یا عالموں کا دُوسرا علم و معرفت سے معرّا انسانوں کا۔ مَیں نے یہ دو[۲] رستے سنے ہیں۔" (یجر وید $\frac{19}{47}$) بحوالہ رگ وید آدی بھاشیہ بھومکا مترجم نہال سنگھ صفحہ ۱۲۲)

پھر خدا پوچھتا ہے "اے بیاہے ہوئے مرد عورت تو! تم دونوں رات کو کہاں ٹھہرے تھے اور دن کہاں بسر کیا تھا اور کھانا وغیرہ کہاں کھایا تھا۔ تمہارا وطن کہاں ہے۔ جس طرح بیوہ (نیوگن) اپنے دیور (نیوگی خاوند) کے ساتھ شب باش ہوتی ہے۔ اسی طرح تم کہاں شب باش ہوئے تھے (رگوید اشٹک ۷ ادھیائے ۸ ورگ ۱۸ منتر ۲ بھومکا صفحہ ۱۲۵ (ستیارتھ پرکاش ب ۴ دفعہ ۱۳۰)

پیٹو خدا۔ "اے اندر دولتوں سے مالا مال پرمیشور! ہم سے الگ مت ہو ہماری خوب سامان خوراک مت چرا۔ اور نہ کسی اور سے چروا۔ رگوید اشٹک ۱ سوکت ۱۹ زرق ۸ آریہ بھونی صفحہ ۵۸ مصنفہ دیانند) تفصیل دُوسری جگہ درج ہے) ع

قیاس کن زِ گلستان من بہار مرا

(۳) ہمارا روزمرہ کا مشاہدہ ہے کہ ہر وہ چیز جو انسانی ہاتھ کی ایجاد ہو۔ دُوسرا انسان اس کی تعمیر کی طاقت رکھتا ہے مگر ... قدرت کی مصنوعات کو بنانے کی کوشش تضیع اوقات ہے۔ پس الٰہی کلام میں بھی مابہ الامتیاز ہے۔ کہ وہ بے مثل ہوتا ہے۔ قرآن شریف نے ببانگِ دہل تمام دنیا کو اپنے مقابل پہ بلا کر کہا لَئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓی اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِیْرًا (بنی اسرائیل ع ۱۰)

کہ اگر تمام جن اور انسان جمع ہو کر بھی قرآن کریم کی نظیر لانے کی کوشش کریں تو بھی اس کی مثل نہیں لاسکینگے۔ چنانچہ واقعات نے بتا دیا کہ قرآن کا یہ دعوےٰ کس قدر وزنی تھا اور ۱۳۰۰ سال تک کوئی اس مطالبہ کا جواب نہ دے سکا پنڈت کالی چرن اور دھرم بھکشو نے چند غلط فقرات لکھ کر اندھوں میں کانا راجا بننا چاہا۔ مگر ایسی منہ کی کھائی کہ بولنے کا نام تک نہ لیا۔ مگر اس کے بالمقابل برہمنوں نے اتھروید کو اپنے پاس سے بنا کر رگوید۔ سام وید اور یجروید کے ساتھ ایسا ملا دیا کہ آ ۔ یہ صاحبان اتھروید کو بھی باقی تینوں ویدوں کی طرح الہامی ماننے لگ گئے۔ حالانکہ باقی ویدوں میں اتھروید کا کہیں ذکر نہیں بلکہ وہاں صاف طور پر تین ہی ویدوں کا ہونا لکھا ہے۔ ملاحظہ ہو:-

"ایک ایک وید کو . . . بارہ بارہ سال ملکر چھتیس ۳۶ سال میں ختم کریں۔" (ستیارتھ پرکاش ب۳ دفعہ ۲۶) فرمایئے جناب وید تین ہیں یا چار۔ بارہ سال میں ایک پڑھنے سے ۳۶ سال میں کتنے وید ختم ہوئے ہیں۔ تین یا چار؟

اور سنیئے! "جس سبھا میں رگوید۔ یجروید۔ سام وید کے جاننے والے تین سبھا سد ہو کر آئین باندھیں۔" (منو ۱۲-۱۱۲ بحوالہ ستیارتھ پرکاش باب ۶ ب ۱۲ صفہ ۱۳۱) پھر یجروید ادھیائے ۳۶ کے پہلے منتر میں "رگوید۔ سام وید۔ اور یجروید" کا نام ہے مگر اتھروید کا کہیں ذکر نہیں۔ پس معلوم ہوا کہ اتھروید بعد میں برہمنوں نے باقی تینوں ویدوں میں ملا دیا ہے پس وید بے مثل نہ رہے۔

(۴) کامل الہامی کتاب وہی ہو سکتی ہے جو عین فطرت انسانی کے مطابق تعلیم دے۔ قرآن کہتا ہے۔ فِطْرَةَ اللّٰهِ الَّتِی فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا (روم ع ۱)

کہ اسلام عین فطرت انسانی کے مطابق تعلیم دیتا ہے مگر اسکے بالمقابل ویدک دھرم کی تعلیم فطرت انسانی کے سخت خلاف ہے چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

(۱) بچوں سے لاڈ نہیں کرنا چاہیئے بلکہ تنبیہ ہی کرتے رہیں (ستیارتھ ب۲ دفعہ ۱۲)

(۵) پیدائش ہی سے گایتری منتر پڑھنا اچھا ہے (ستیارتھ ب۳ دفعہ ۱۴ ص۳۶)

(۲) بالکل شادی نہ کرنا اچھا ہے ورنہ ۴۰ سال کی عمر میں۔ (ستیارتھ ب ۴ دفعہ ۳۴-۳۵)

(۴) وید میں ہے "بادل جو بمنزلہ باپ کے ہے۔ زمین میں جو بمنزلہ دختر کے ہے۔ باران کی صورت حمل قائم کرتا ہے۔" (رگوید منڈل ۱۔ سوکت ۱۶۴ منتر ۳۳ بحوالہ رگوید آدی بھاشی بھومکا ص۱۶۳)

علاوہ ازیں نیوگ کا حیا سوز مسئلہ ایسا ہے کہ فطرت انسانی اسے دھکّے دے رہی ہے۔ صرف ایک حوالہ نقل کرتا ہوں:۔

سوامی دیانند صاحب سے کسی نے سوال کیا کہ جب ایک شادی ہوگی اور ایک عورت کیلئے ایک خاوند ہوگا۔ اگر مرد و عورت دونوں جوان ہوں۔ اور عورت حاملہ ہو یا مرد مریض ہو۔ تو ان صورتوں میں اگر حاملہ عورت سے خاوند یا ایک مریض خاوند کی جوان عورت یا ایک مریض عورت کے جوان خاوند سے رہا نہ جائے تو کیا کرے۔ سوامی جی کا جواب ملاحظہ فرمائیے:۔

"اگر حاملہ عورت سے ایک سال صحبت نہ کرنے کے عرصہ میں مرد سے یا دائم المریض مرد کی عورت سے رہا نہ جائے تو کسی سے نیوگ کرکے اس کیلئے اولاد پیدا کرے۔ لیکن رنڈی بازی یا زناکاری کبھی نہ کریں۔" (ستیارتھ ب ۴ ص۱۴۶)

حضرات! انسانی کانشنس کیا ایک لمحہ کیلئے بھی یہ قبول کر سکتی ہے کہ ایسی حیا سوز تعلیم دینے والی کتاب کبھی خدا کا کلام ہو سکتا ہے؟ ظاہر ہے کہ مندرجہ بالا فقرہ میں "اس کے لئے اولاد پیدا کرے" محض ڈھکوسلہ ہے۔ کیونکہ جس صورت میں عورت حاملہ ہوگی۔ اولاد کے حصول کے لئے کہیں اور جا کر نیوگ کرنا تحصیل حاصل ہے۔ پس اصل علاج تو سوامی صاحب نے "رہا نہ جائے" کا بتایا ہے۔

ہمارے گجرات (پنجاب) میں سوامی جی تشریف لائے اور آکر لیکچر دیا۔ ایک شخص نے سوامی جی سے سوال کیا "جس عورت کا خاوند کنجری کے پاس جائے۔ اس کی عورت کیا کرے؟ انہوں نے فرمایا۔ "اس کی عورت بھی ایک مضبوط آدمی رکھ لے"۔ (جیون چرتر مصنفہ لیکھرام و آتمارام صفحہ ۳۵۵) حیرت ہے کہ اس تعلیم کو کامل۔ مکمل بلکہ اکمل اور عالمگیر الہامی قرار دیا جاتا ہے۔

گر یہی دیں ہے کہ جو ہے ان خصائل سے عیاں
مَیں تو اک کوڑی کو بھی لیتا نہیں ہوں زینہار

(۵) خدا علیم کل ہے۔ اس کے لئے تینوں زمانے یکساں ہیں۔ وہ آئندہ کے حالات جانتا ہے۔ کیونکہ وہی قدرۃً تقدیرًا کا فاعل ہے مگر انسان ضعیف البنیان کمیٔ علم کی وجہ سے آئندہ کے حالات نہیں جان سکتا۔ پس انسانی اور الہامی کلام میں ایک یہ مابہ الامتیاز ہے۔ کہ خدا تعالیٰ کے کلام میں پیشگوئیاں ہوتی ہیں۔ جو اسے انسانی کلام سے

ممتاز و بالا ثابت کرتی ہیں۔ ویدوں میں پیشگوئیوں کا نام تک نہیں۔ مگر اس کے بالمقابل قرآن شریف نے آئندہ زمانہ کی اخبار بیان فرماکر آئندہ زمانوں کے لئے قرآن کی صداقت کے نئے نئے ثبوت مہیا فرمائے۔ قرآن شریف نے فرمایا کہ جب فرعونِ مصر دریائے نیل میں غرق ہونے لگا۔ تو اس وقت خدا نے اسے کہا۔ فَالْيَوْمَ نُنَجِّيكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُونَ لِمَنْ خَلْفَكَ آيَةً وَإِنَّ كَثِيرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ آيَاتِنَا لَغَافِلُونَ ٥ (یونس ع ۹) کہ اے فرعون! میں آج سے تیرے جسم کو محفوظ رکھوں گا۔ نہ اس کو دریائی مچھلیاں یا پانی تلف کر سکیگا۔ نہ زمین کے کیڑے یا مٹی اس کی تباہی کا موجب ہونگے۔ بلکہ یہ محفوظ رہیگا۔ تاکہ تیرے بعد کے آنیوالوں کے لئے نشان بنے۔ اور بہت سے لوگ ہمارے نشانوں سے غافل ہیں۔

قرآن شریف نے خدا تعالےٰ اور فرعون کی گفتگو کا ذکر فرمایا اور اس کے ثبوت میں اپنا وعدہ بیان کر کے اس کو بطور پیشگوئی کے دنیا کے سامنے پیش کیا۔ آج ساڑھے تیرہ سو سال کے بعد فرعون کی لاش صحیح و سالم برآمد ہوئی۔ اور مصر کے عجائب گھر کی زینت ہو کر لِتَكُونَ لِمَنْ خَلْفَكَ آيَةً کے مطابق ہمارے لئے بطور نشان بنی۔

کیا ایسی عظیم الشان پیشگوئی کے پورا ہونے کے بعد بھی قرآن کریم کے الہامی ہونے میں کسی شک و شبہ کی گنجائش باقی رہ جاتی ہے۔ مبارک وہ جو حق کو قبول کرتے ہیں۔

تردید قدامت وید (منقولی دلائل)

آریوں کا دعویٰ ہے۔ کہ وید ابتدائے عالم میں اُترے تھے۔ ویدوں کے نازل ہونے سے پہلے کوئی مخلوق نہ تھی۔

(۱) "اے لوگو! جو عالم ہمارے بالتشریح کہتے تھے۔ مذکورہ بالا تعلیم کا اور ہی پھل وکام کئے تھے"۔ الیٰ آخر (یجر وید ادھیائے ۴۰ منتر ۱۳)

(۲) "زمانہ قدیم کے دیو یعنی صاحب علم و معرفت راستی شعار ..... گذر چکے ہیں"۔ (بھومکا صفہ ۲ و صفہ ۴۶)

(۳) "پہلے زمانہ میں جو عالم وفاضل اور بے گناہ (پاک) تھے۔ وے بہت جلدی عاجزی سے تعلیمی فائدہ کیلئے اپنی اولاد کی حفاظت کیلئے طلوع آفتاب یا صبح صادق کو (لکشیہ) مدنظر رکھکر اپنے یگیہ آدی (مذہبی فرائض) شروع کرتے تھے" (رگوید منڈل ۷۔ سوکت ۶۱۔ منتر ۱) اس سے معلوم ہوا کہ وید شروع دنیا میں نہیں اترے۔

(۴) "اے دشمنوں کے مارنے والے۔ اصول جنگ میں ماہر۔ بے خوف و ہراس۔ پُر جاہ وجلال۔ عزیز و جوانمرد۔ تم سب رعایا کے لوگوں کو خوش رکھو۔ پرمیشور کے حکم پر چلو۔ اور بد فرجام دشمن کو شکست دینے کے لئے لڑائی کا سرانجام کرو۔ تم نے پہلے میدانوں میں دشمنوں کی فوج کو جیتا ہے۔ تم نے حواس کو مغلوب اور روئے زمین کو فتح کیا ہے" (رگوید بھاشا بھومکا صفحہ ۳۶ منقول از اتھرون وید کانڈ نمبر ۶۔ انواک صفہ ۱ ورگ ۹۷ منتر ۳)

خط کشیدہ عبارت ظاہر کرتی ہے کہ وید کے نزول سے پہلے لوگ ہوئے اور لوگوں نے مخالفوں پر فتح پائی ورنہ یہ عبارت الحاقی ثابت ہوگی۔

(۵) اے سورج کی طرح ایشور ج اور ودیا اور سکھ کے داتا جہاتما عالم انسان جیسے سورج کے اکاش میں چلنے کے صاف راستے ہیں جو آپ کے پہلے جہاتماؤں کے عمل میں لائے۔ بلا گرد و غبار راستہ میں اپنے آرام سے چلنے کے لائق راستوں سے آج ہم کو چلائیے۔ اور ان طریقوں سے چلنے پر ہم لوگوں کی حفاظت بھی کیجیے۔ اور ہم کو زیادہ نہ ہدایت کیجیے اور اسی طرح سے سب کو خبردار کیجیے۔

(یجر وید صفحہ ۱۳۶ حصہ سوم۔ ادھیائے ۲۴۔ منتر ۲۷)

(۶) پارسی لوگ ہندوستان کی ابتداء کروڑوں برس ویدوں سے پہلے بتلاتے ہیں۔

وید کی حقیقت

وید اور قرآن کا مقابلہ نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ مقابلہ کے لئے میدان میں آنا ضروری ہے اور وید میدان میں نہیں آیا۔ کیونکہ خود تمہارا عقیدہ ہے کہ وید کی زبان کسی قوم کی زبان نہیں۔ کیونکہ اس طرح پکش پات یعنی طرفداری ہوتی ہے اور اس وقت بھی سنسکرت کسی ملک کی زبان نہ تھی۔ اور نہ اُنہ نے وقت کسی ملک اور قوم کی زبان تھی۔

سوال (۱) خاص ایشور کی زبان ہے۔ تو سوال یہ ہے کہ جب کسی ملک اور قوم کی زبان نہیں تو اس کا انکشاف کیسے ہوا؟ اگر کہو کہ ترجمہ کیا ہے۔ تو پھر بھی طرفداری لازم آتی ہے کہ خدا نے کسی قوم کی زبان میں ترجمہ کیا تو

حاصل کلام یہ کہ وید کا انکشاف حقیقتاً نہیں۔ تو مقابلہ کیسے ہو؟

(۲) سنسکرت مُردہ زبان ہے اور اب بھی اس کا فہم مشکل ہے۔ اگر اس کے معنی میں اختلاف ہو تو حل کس طرح کریں؟

(۳) وید پستک ایسے پراچین (پرانے) زمانہ کی بتائی جاتی ہے جس کی کوئی تاریخ محفوظ نہیں جس سے یہ معلوم ہو سکے کہ وید کی کیا ضرورت تھی۔ کونسی گمراہی تھی جس کے دُور کرنے کے لئے آئی تھی۔ کیونکہ تمہارے خیالات کے مطابق ابتدائے آفرینش سے لوگ مکتی خانہ سے نکلے تھے تو پھر اس کا اثر قوم پر کیا ہوا۔ پھر ہم کہتے ہیں کہ اُس کے نہ اُترنے سے کیا نقصان ہوتا تھا۔ کیونکہ اگر اُترنے سے فائدہ ہوا ہے تو ہم کہتے ہیں کہ اگر نہ ہوتا تو کوئی نقصان نہ ہوتا۔

(۴) جن پر وید نازل ہوا۔ انکا چال چلن کیسا تھا۔ کوئی تاریخ نہیں جس سے ان کے ماں باپ اور قومیت اور چال چلن معلوم ہو سکے۔

(۵) خود ہندوؤں کے ہاں اختلاف ہے کہ کس پر اُترے۔ سناتن دھرمی برہما پر نازل شدہ اور آریہ چار رشیوں پر نازل شدہ مانتے ہیں۔ پھر کہیں چار وید اور کہیں تین وید۔ پس جب اصل کتاب میں بھی اختلاف ہے تو وہ ہدایت کیا دے سکتا ہے۔

(۶) وہ الفاظ جن سے وہ رشی کا ثبوت دیتے ہیں مثلاً اگنی۔ وایو۔ ادت انگرا چار رشیوں کے نام پر جو الفاظ دلالت کرتے ہیں وہ کئی معانی میں مشترک ہیں۔ اگنی آگ پر اور پرمیشور کا نام اور تیسرے نیوگی کا نام بھی اگنی ہے۔ وایو

ہَوَا یہ انگرا پانی پر بھی اور ادت سُورج پر بھی بولا جاتا ہے۔ تو آیا یہ عناصر اربعہ کے نام ہیں یا اجرام کے نام ہیں یا رشیوں کے نام ہیں۔ کوئی تاریخ ہوتی۔ جو بتاتی کہ یہ رشیوں کے نام ہیں۔

(۷) وید کی تعداد میں اختلاف ہے کہ تین ہیں یا چار۔

(۸) پھر خود وید یا اس کے حامل ناکام ہیں کیونکہ اتنی میعاد اسکو ملی ہے کہ تمہارے قول کے مطابق ایک ارب یا ڈیڑھ ارب سال ملا ہے۔ مگر اب تک نہ شائع ہوئی نہ ترقی کی! ور خود ماننے والوں کی تعداد تھوڑی ہے۔ یہ دھوکہ نہ کھائیے کہ ۲۷ کروڑ ہندو ہے۔ کیونکہ جینی لوگ۔ پھر برہمو لوگ جن سے بنگال بھرا پڑا ہے۔ پھر دام مارگی۔ مانتیگی یہ سب وید کے منکر ہیں۔ تو ان سب کو نکال کر محض چند لوگ ہی رہ جاتے ہیں۔

(۹) پھر ماننے والے دو قسم کے ہیں۔ ایک آریہ دُوسرے سناتن۔ انکا باہم عقائد میں بہت اختلاف ہے کہ مسلمانوں میں خواہ کئی فرقے ہوں۔ لیکن اصُول میں کوئی اختلاف نہیں۔ کلمۂ شہادت۔ نماز۔ روزہ۔ حج۔ زکوٰۃ۔ قرآن وغیرہ سب ایک ہیں۔

(۱) سناتن دھرم والے خدا کے حلول کے قائل مگر آریہ منکر۔

(۲) سناتن دھرم رُوح و مادہ کو حادث اور آریہ لوگ انادی اور غیر حادث مانتے ہیں۔

(۳) سناتن دھرم مُورتی پُوجا کے قائل اور آریہ منکر۔

(۴) سناتن نیوگ کو زناکاری اور خلاف وید اور آریہ لوگ عین جائز اور

حلال اور ضروری اور وید کی مقدس تعلیم کے مطابق مانتے ہیں۔

آریہ سماج کے معیاروں کے مطابق وید الہامی نہیں

(از جناب مہاشہ محمد عمر صاحب مولوی فاضل)

(۱) ایشور کا گیان ابتدا میں ہونا چاہیئے کیونکہ جن چیزوں پر انسان کی زندگی کا دارو مدار ہے۔ پرماتما نے ان کو انسان کی پیدائش سے پہلے پیدا کیا اور مکمل پیدا کیا۔ جیسے سورج۔

تردید:۔ سورج کے ساتھ وید کی مثال نہیں دیجا سکتی کیونکہ سورج سے ہر ایک فرد و بشر بالغ و نابالغ۔ بوڑھا۔ جوان یکساں فائدہ حاصل کر سکتا ہے۔ بخلاف وید کے جس کے پڑھنے کے لئے بڑے بڑے دھرماتما اور ودوان کوشش کرتے ہیں لیکن کامیاب نہیں ہوتے۔

(ب) ویدوں میں ایسے سینکڑوں منتر ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وید ابتدائے دنیا میں نہیں بنے بلکہ ویدوں کے نزول سے پہلے دنیا میں مخلوق موجود تھی۔

(ج) ابتدا میں کامل گیان کا نازل ہونا پرماتما کے بنائے کیخلاف ہے۔ کیونکہ ابتدا میں جبکہ پرماتما نے دنیا کو پیدا کیا لوگوں کی حالت بچوں کی طرح تھی۔ اور اس کو سوامی جی نے اپنی کتاب اپدیش منجری میں تسلیم کیا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں " ان سب کو صرف کھانا اور پینا اور بھوگ کرنا (جماع) صرف اتنا ہی یاد تھا۔ آدی سرشٹی میں سب انسانوں کی حالت بچوں کی تھی۔

ان کو پاؤں سے چلنا اور آنکھوں سے دیکھنا اس کے بغیر اُن کو کچھ گیان نہ تھا۔" (اپدیشن منجری ہندی صہ ۸۹)

پس پرماتما جو کہ علیم ہے کس طرح ہو سکتا ہے کہ وہ بچوں کو کامل گیان دے ایسے بچوں کو جن کو سوائے کھانے اور بھوگ کے کچھ سمجھ ہی نہیں۔ اس لئے یہ ضروری ماننا پڑیگا کہ پرماتما نے ان رشیوں کو گیان دیا لیکن کامل نہیں بلکہ ان کی عقل اور سمجھ کے مطابق۔

(د) سوامی جی نے اس کے آگے لکھا ہے کہ "یہ حالت ان رشیوں کی پانچ سال رہی۔ پھر پرماتما نے ان کو ویدوں کا گیان دیا۔" (اپدیش منجری صہ ۹۰) یعنی پیدائش کے ساتھ ہی ان کو ویدوں کا گیان نہیں دیا گیا بلکہ پانچ سال دُنیا بننے کے بعد ان کو گیان ملا۔

اعتراض۔ اس پر ہمارے آریہ بھائی کہا کرتے ہیں کہ واقعی انسانوں کو اسوقت اتنا گیان نہ تھا کہ وہ کامل گیان کو جانتے۔ لیکن پرماتما کا گیان تو کامل ہے۔ اُس نے اپنے علم کے مطابق کامل گیان دیا۔

جواب۔ یہ ٹھیک ہے کہ پرماتما کا گیان کامل ہے لیکن سوال تو یہ ہے کہ جن لوگوں کو وہ گیان دیتا تھا وہ کامل نہیں تھے کہ اسکو سمجھ سکتے۔ یہ تو ایسے ہی ہے جیسے کہ ایک کالج کا پروفیسر جو کہ ایم۔ اے ہے۔ ایک بچے کے آگے جبکہ وہ تعلیم حاصل کرنے کیلئے اس کے پاس جائے تو اس کے آگے وہ ایم۔ اے۔ کا کورس رکھدے اور کہے کہ یہ لڑکا واقعی اتنی لیاقت نہیں رکھتا کہ یہ ایم۔ اے کا کورس سمجھ سکے۔ لیکن میں تو ایم۔ اے ہوں۔ اور

علم کے لحاظ سے کامل ہوں۔ تو سارے لوگ اس کو بیوقوف کہینگے۔ اور جواب دینگے۔ کہ تیرا علم واقعی کامل ہے۔ لیکن جس بچے کو تُو نے پڑھانا ہے وہ اس قابل نہیں کہ ایم۔ اے کے کورس کو سمجھ سکے۔ اس کے لیئے تو وہی پہلا قاعدہ چاہیئے۔

دُوسرا معیار۔ الہامی کتاب کے لئے ضروری ہے کہ اس میں ایک لفظ کی بھی کمی و بیشی نہ ہو۔ اور وہ محفوظ چلی آتی ہو۔

(۱) ویداس اصول کے مطابق بھی الہامی ثابت نہیں ہوتا کیونکہ جب ہم ویدوں کو غور سے دیکھتے ہیں تو ان میں اسقدر اختلاف ہے کہ آدمی حیران رہ جاتا ہے۔ چنانچہ ہم پہلے اتھروید کو لیتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ اس میں بھی لوگوں نے اپنے پاس سے منتر ملا دئے ہیں۔

اتھروید۔ (۱) سوامی دیانند نے رگوید آدی بھاشیہ بھومکا ہندی کے صلـ ۸۶ پر لکھا ہے کہ اتھروید کا پہلا منتر اوم شنودیوی ہے۔

(۲) لیکھرام نے کلیات آریہ مسافر میں لکھا ہے کہ پہلا منتر اوم شنودیوی ہے۔

(۳) مہا بھاشیہ کے مصنف کا یہ مذہب ہے کہ پہلا منتر اوم شنودیوی ہے۔

لیکن موجودہ وید کو اٹھاؤ۔ تو یہ منتر چھبیسواں ہے۔ تو کیا پہلے پچیس ۲۵ منتر کسی آریہ سماجی نے اتھروید میں ملا دئے ہیں۔

اتھروید کے منتروں کی تعداد میں اختلاف۔

سائیں بھاشیہ ۵۹۷۷۔ سیوک لال ۵۹۷۷۔ ساتولیک ۷۰۰۰۔ ویدک سدھانت ۶۰۰۰۔

یجروید میں ملاوٹ ۔ یجروید بمبئی والے میں ۲۵ اَدھیائے کے ۴۷ منتر ہیں ۔ لیکن دیانند نے جو اجمیر میں چھپوایا ہے اس میں ۴۸ ہیں ۔ یجروید کے ۴۰ ادھیائے میں اوم کھم برہم بمبئی والے میں منتر کا جزو نہیں ہے ۔ لیکن دیانند نے اس کو منتر میں شامل کرلیا ہے ۔

(اتھروید منتروں میں اختلاف)

یجروید کلپ تر ۱۹۷۵ — دیانند جی ۱۹۷۵

ساتولیک ۱۴۰۰ — شوشنکر کا وید تیرتھ ۹۸۷

ویدک مت ۱۰۰۰ — (منقول از وید سروسو صفحہ ۱۵۳)

سام وید میں تحریف ۔ سام وید اجمیر والے میں ۶۵ منتر زیادہ ہیں ۔ دیکھو ۴۳ اور کاشی میں چھپے ہوئے سام وید میں یہ منتر نہیں ۔ صفحہ ۵۰ ۔

منتروں میں اختلاف :۔ دیانند کا وید ۱۸۲۴

جیوانند ۱۸۰۸ — شوشنکر ۱۵۴۹

دیاشنکر ۲۱۹ — ساتولیک ۷۰

رگوید میں تحریف :۔ سائیں اچاریہ ۱۰۰۰۰ سے کچھ زیادہ ۔

پنڈت شوشنکر ۱۰۴۰۲ — سوامی دیانند جی ۱۰۵۸۹

انوواک انوکرمنی ۱۰۵۸۰ — چھند سنگرہ شلوک کے مطابق ۱۰۴۰۲

گایتری وغیرہ کے مطابق ۱۰۱۴۲ — پنڈت جگن ناتھ ۱۰۴۵۲

چرن دیوہ کا ٹیکاکار ۱۰۴۷۲ — نہتہ برت ۱۰۴۴۲

ورتمان سنگھتا کے مطابق ۱۰۴۴۰

(وید سروسو مصنفہ پنڈت ویدک منی جی صفحہ ۶۸ مطبوعہ اندر پریس دہلی)

تیسرا معیار۔ اس میں عقل اور اخلاق کے خلاف تعلیم نہ ہو۔ اس اصول کے مطابق بھی وید الہامی نہیں ہیں کیونکہ کئی وید منتر ہیں جنکی تعلیم انسانی اخلاق کو گرانے والی ہے

(ا) مثلاً رگوید کے ایک منتر کا ترجمہ سوامی جی کرتے ہیں "بادل بمنزلہ باپ قرار دیا ہے اور زمین کو بمنزلہ لڑکی۔ بادل زمین میں اس طرح پانی ڈالتا ہے جیسے باپ لڑکی میں نطفہ" (رگوید آدی بھاشیہ بھومکا ہندی صفہ ۲۹۹)

(ب) لنگ کا صاف کرنا۔ اس لنگ کو صاف کرتا ہوں جس سے رکھشا کیجاتی ہے۔ اس گدا اندری (پاخانہ کی جگہ) کو پوتر کرتا ہوں۔

آگے لکھا ہے کہ گرو پتنی یعنی استاد کی عورت کرتی ہوں۔ ہے۔ اس پر یہ اعتراض ہے کہ گرو کی عورت کس طرح لڑکے کے لنگ اور گدا کو صاف کرے۔

ایک شبہ کا ازالہ۔ یہاں پر آریہ مناظر کہدیا کرتے ہیں کہ یہ چھوٹی عمر کیلئے ہے حالانکہ یہ غلط ہے کیونکہ جتنی دیر بچہ گروکل میں رہتا ہے اس وید منتر پر انکو عمل کرنا ضروری ہے۔ اور گروکل میں ۲۵ سال کا جوان بچہ بھی ہوتا ہے۔ اس کے لنگ کو اُستاد کی عورت کس طرح صاف کرے گی۔

(ج) ان دونوں منتروں کو پڑھ کے پُرش اپنی گربھنی (حمل والی) استری کے گربھاشیہ پر ہاتھ رکھے۔ (سنسکار ودھی ہندی صفہ ۵)

آریہ سماجی دوست بتائیں کہ وہاں پر ہاتھ رکھنے سے کیا فائدہ؟

(د) بیل سے بھوگ کرنا۔ پانی کے لئے مینڈھا سے پرم ایشوریہ کے لئے بیل سے بھوگ کریں۔ (یجروید ۲۱/۲۱)۔

(س) ہے انسانو! تم مضبوط (گدا اندری) (پاخانہ کی جگہ) کے ساتھ موجودہ

اندھے سانپوں اور گٹل (یعنی سخت موذی) سانپوں کو . . . کام میں لاوٗ۔ (س) ٹانگوں کے اُوپر بیٹھ - ہاتھ کا سہارا دے - اتم من کے ساتھ عورت کو ویریہ ڈالے۔ (اتھرووید ۱-۲۰-۳۹)

غرض آریہ سماج اصُولوں کے مطابق بھی وید الہامی ثابت نہیں ہوتے۔

عجیب و غریب پُر لطف ویدک دُعائیں

۱۔ ہے پرمیشور وراجن! آپ بہت بولنے والے کو نزدیک دیا والے کے لئے (اور) حد سے باہر والے کے لئے گونگے ظاہر کیجئے (یجروید ادھیائے ۳۰/۱۹)۔

دُعائیں ہمیشہ مفید اور نیک چیزوں کے حصول کیلئے کی جاتی ہیں مگر ویدک فلسفہ ہی اُلٹ ہے۔ بھلا اگر ویدک ایشور بغیر کرموں کے اور کچھ دے ہی نہیں سکتا تو پھر دُعائیں سکھانا فضول اور لغو ٹھہرا۔ پھر دُعائیں سکھائی بھی تو وہ بھی ایسی کہ اگر قبول ہو جائیں تو ایک ہی سال میں آریہ سماجیوں کا خاتمہ اپنی ہی دُعاؤں کے طفیل ہو جائے۔ خادمؔ

۲۔ اے پرمیشور و راجن! آپ آگ کیلئے موٹی اشیاء کو زمین کیلئے بغیر پاؤں کے رینگنے والے سانپ وغیرہ کو پیدا کیجئے۔ (یجروید ادھیائے ۳۰ منتر ۳۱)

ہم اس دُعا پر آمین کہتے ہیں۔ بشرطیکہ وہ صرف آریوں کے ہی گھروں تک محدود رہیں۔ مؤلف

۳۔ ہے پرمیشور وراجن! آپ زمین و آسمان کے درمیان کھیلنے کودنے اور بانس سے ناچنے والے نٹ وغیرہ کو پیدا کیجئے۔ (یجروید ادھیائے ۳۰/۲۱)۔

(تاکہ وید کی حقیقت دُنیا پہ ظاہر ہو) مؤلف -

۴ - ہے پرمیشور وراجن! آپ بین بجانے والے اور ہاتھوں سے دادتر بجانے
اور تونو نامی باجے بجانے والے ان سب کو ناچنے کے لیئے اور خوشی کے لیئے نال
وغیرہ بجانے والے کو پیدا و ظاہر کیجئے۔ (یجروید ادھیائے ۳۰ منتر ۲۰)

وید کی تعلیم پرمیشور کے متعلق اور پرمیشور کا حلیہ

پرمیشور ناقص اور کمزور۔ اے نہایت ہی قابل عبادت سب طرف سے
روشن ایشور و عالم۔ یہ جو آپ کا محیط ہونا اور پرورش کرنا ہے۔ اس سے آپ
ترقی کو حاصل کریں۔ اور دوسروں کو بڑھائیں۔ آپ خود مضبوط ہوجیئے اور
دُوسروں کو مضبوط کیجئے۔ (یجروید ادھیائے ۳۸ منتر ۲۱)

وہ سدا بڑھنے والا۔ حیرت انگیز صفات۔ عادات سے متصف پرمیشور
ہمارا کس طرح دوست ہوئے۔ اِلیٰ آخرہٖ (یجروید ادھیائے ۳۶ منتر ۴)

پرمیشور کی زبانی: اے انسانو! میں ایشور جیسے برہمن۔ کھتری۔ ویش
شودر اور اپنی استری سیوک وغیرہ کو چار وید روپی بانی کا اُپدیش کرتا ہوں۔
ویسے ہی آپ لوگ بھی اچھی طرح اُپدیش کریں۔ (منقول از دیانند یجروید
بھاشیہ ادھیائے ۲۶ منتر ۲)

سادھو کی خواہش۔ پرمیشور کہتا ہے کہ میری یہ خواہش عمدگی سے بڑھے اور
مجھے وہ غیر [illegible] غائبانہ سکھ حاصل ہووے (یجروید ادھیائے ۲۶ منتر ۲)۔

پرمیشور کے برابر طاقتور نہ جیسے [illegible] بے خوف راجہ۔ بغیر دودھ کی گائیوں

کی طرح ہم لوگ اس متحرک و غیر متحرک کائنات کے منتظم شکھ پورک کو دیکھنے لائق البشور کے برابر طاقتور۔ آپ کی عزت و احترام کریں۔

(یجروید ادھیائے ۲۷۔ منتر ۳۵)

ناچنے والے پیدا کرنے کی دُعا۔ ہے پرمیشور و راجن! آپ بین بجانے والے اور ہاتھوں سے دادتر بجانے اور تونو نامی بلجے کو بجانیوالے ان سب کے ناچنے کے لیئے اور خوشی کے لئے تالی وغیرہ بجانے والے کو پیدا وظاہر کیجئے

(یجروید ادھیائے ۳۰۔ منتر ۲۰)

پس لوگوں کو چاہیئے کہ ہنسی اور زنا وغیرہ عیوب کو چھوڑ کر اور گانے بجانے ناچنے وغیرہ کی تعلیم کو حاصل کر کے خوش ہوں۔ لیکن ستیارتھ باب ۳ نمبر ۴۴ و باب ۶ نمبر ۱۶ ستیارتھ میں ان افعال کو شہوانی عیب لکھا گیا ہے۔

آریوں کا پرمیشور فریبی۔ اے اندر تو نے سوشا کو فریب سے قتل کیا۔ (رگوید اشٹک اول انوواک ۳ سکت ۴۴ شرتی ۲)۔

پرمیشور کھاؤ پیو پیٹو۔ اندر کا شکم سوم کا رس کثرت سے پینے کے باعث سمندر کی مانند پھولتا ہے اور تالو کی نمی کی مانند ہمیشہ تر رہتا ہے اور اچھی کھانوں سے اندر کا پیٹ بھرتا ہے اور قوت حاصل ہوتی ہے۔ اے خوبصورت زنخدان والے اندر ان تعریفوں سے خوش ہو (اشٹک اول انوواک ۲ سکت ۱)۔

پرمیشور کی لاعلمی "اے بیاہے ہوئے مرد عورتو۔ تم دونوں رات کو کہاں ٹھہرے تھے۔ اور دن کہاں بسر کیا تھا۔ تم نے کھانا وغیرہ کہاں کھایا تھا۔ تمہارا وطن کہاں ہے۔ جس طرح بیوہ عورت اپنے دیور (دوسرے خاوند) کے

ساتھ شب باش ہوتی ہے یا جس طرح بیاہا ہوا مرد اپنی بیاہتی عورت کے ساتھ اولاد کے لئے شب باش ہوتا ہے۔ اسی طرح تم کہاں شب باش ہوئے تھے۔
(ستیارتھ پرکاش باب ۴ دفعہ ۱۳۰ بھومکا صفحہ ۱۲۵ مترجم نہال سنگھ)

"اس دُنیا میں پاپ اور پُن کا نتیجہ بھوگنے کے لئے دو راستے ہیں۔ ایک عارفوں یا عالموں کا۔ دُوسرا علم و معرفت سے مبرّا انسانوں کا۔ ان کو پتریان اور دیویان بھی کہتے ہیں۔ میں نے یہ دو راستے سُنے ہیں۔ یہ تمام دُنیا انہی دو راستوں پر چلی جا رہی ہے۔ (یجروید $\frac{19}{47}$ رگوید آدی بھوش بھومکا مترجم نہال سنگھ صـ۱۲۲ - بیان تناسخ)

ناک آنکھ کان والا پرمیشور۔ برہمن اس (ایشور) کا مُنہ تھا ایشور کے بازوؤں سے کھشتری۔ رانوں سے ویش۔ پاؤں سے زمین اور کان سے طرفیں پیدا ہوئیں۔ چاند من (دل) سے پیدا ہوا۔ آنکھ سے سُورج پیدا ہوا۔ مُنہ سے اندر اور آگ اور سانس سے ہوا پیدا ہوئی۔

(رگوید منڈل مـ۱۰ سوکت مـ۹۱ منتر ۱۲-۱۳)

زرہ بکتر پہننے والا پرمیشور۔ ورن (ایشور) اپنی ساری رعایا میں سب پر حکومت کرنے کے لئے آ کر بیٹھا ہے۔ سُنہری کوچ کو پہنتا ہوا ورن (ایشور) چمکتے ہوئے لباس کو پہنتا ہے۔ اس کے جاسوس چاروں طرف بیٹھے ہیں۔ (رگوید $1\frac{25}{22}$)۔

ایشور چوری کرتا ہے۔ اے اندر دولتوں سے مالا مال پرمیشور ہم سے الگ کبھی مت ہو۔ ہمارے مرغوب سامان خوراک مت چراؤ۔ اور نہ کسی

اور سے یجُر واو۔ (رگوید اشٹک ۱ انو واک ۲ سوکت ۱۹ شرتی ۸ آریہ بھوتے مصنفہ دیانند)

سکھ دکھ برداشت کرنے والا پرمیشور۔ اے جگدیش ور! جس سبب آپ... سب دکھ سکھ کے برداشت کرنیوالے ہیں۔ (تفسیر یجروید سوامی دیانند)

خدا علم سیکھنے کا محتاج ہے۔ اے جگت ایشور! میں اور آپ پڑھنے پڑھانے والے دونوں محبت کے ساتھ رہ کر عالم اور دیندار ہوں کہ جس سے دونوں کی ترقی علم ہمیشہ ہووے۔ (یجروید بھاش جلد اوّل صفحہ ۱۴)

ایشور مجسم اور اس کا حُلیہ۔ ہزاروں سروں والا پرش (ایشور) ہزاروں آنکھوں والا۔ ہزاروں پاؤں والا۔ وہ ترلوکی (کائنات) کو سب طرف سے گھیر کر ٹھہرا ہوا ہے۔ دس انگل پرے (رگوید منڈل ۱۰ سوکت ۹۰ منتر ۱)۔

پرمیشور کے پاؤں۔ وشنو (ایشور) اس سارے جگت، کائنات پہ پاؤں سے چلا۔ تین طرح پر اس نے پاؤں رکھا۔ یہ جگت اس کے دھولی (دھول) والے پاؤں میں اکٹھا ہوا۔ (رگوید منڈل ۱ سوکت ۲۲ منتر ۱۷)۔

وِشنو جو سب کا محافظ ہے اور کسی سے دھوکا نہیں دیا جاتا۔ وہ سارے کاموں کو کرتا ہوا یہاں سے تین پاؤں چلا۔

خدا کا دایاں ہاتھ۔ ہے خزانوں کے مالک اندر! تجھ سے دولت چاہتے ہوئے ہم نے تیرے دائیں ہاتھ کو پکڑا ہے (رگوید منڈل ۱۰ سوکت ۴۷ منتر ۱)

ایشور کا فرج۔ پرجاپتی گربھ (حمل) میں وچرتا ہوا بہت طرح سے پیدا ہوتا ہے۔ اسکی یونی (فرج) کو عقلمند دیکھتے ہیں (یجروید $\frac{۳۱}{۱۹}$) ”دھی چود“ بھی

پرمیشور کا نام ہے) مگر کے معنے سمجھ نہ سکنے والے غور کریں۔

ایشور کی ترقی۔ اے بہت اشیا میں رہنے والے پرماتمن (خدا) جو یہ میری زبان ہے۔ آپ کو یقیناً بڑھاوے۔ (یجروید ۲۳/۸۱)۔

ایشور سوم رس پیتا ہے۔ ہے پرمیشور دایو (ایشور) اپنی الپ شکتی (محدود طاقت) سے سوم اوشدھیوں کا اتم (عمدہ) رس تیار کیا ہے اور بھی جو کچھ ہمارے عمدہ پدارتھ ہیں وے آپکے سرپن (نذر) کئے گئے ہیں۔ ان کو آپ قبول کریں۔ اور سمرو آتما (فراخدلی) سے پان کریں۔

(رگوید اشٹک ادھیائے ۱۔ ورگ ۲ منتر ۱)

ایشور کا ثانی۔ میں ایشور سب لوگوں کو حکم دیتا ہوں کہ میرے برابر دھرماتما صفات و افعال و عادات والے آدمی ہی کی رعایا ہو۔

ایشور سوتا ہے۔ جو برہما (ایشور) تیز رفتار کو مضبوط کرتا ہوا جو کو کنپاتا اور گھروں یعنی جیووں (ارواح) کے بیچ قائم ہوتا ہوا سوتا ہے (رگوید منڈل ۱ سوکت ۱۶۴ منتر ۳۰ رگوید بھاشیہ جلد ۳ صفحہ ۶۳۳)

وید کی تعلیم خلاف عقل و سائنس

(ا) ہیہ دینے ہارے (والے) جیسے لینے والے پڑھانے اور اپدیش کرنے والوں کا میل کرے۔ اور وہ آج بکرا وغیرہ جانوروں کے بیچ سے لینے لائق چیز کا چکنا حصہ یعنی گھی دودھ وغیرہ اُدّار (نکالا ہوا) کیا ہوا لیویں۔ اس سے بکرا گھی دینے والا ثابت ہوتا ہے (تفسیر دیانندی بھاشا یجروید جلد ۲ ادھیائے ۲۱ منتر ۴۳)

نوٹ :۔ اس حوالہ کے پیش کرنے سے یہ مقصود نہیں کہ گویا ہمارے خیال میں بکرے کیلئے دُودھ کا دینا ممکن ہی نہیں کیونکہ خدا تعالیٰ کے قانون شاذ کے ماتحت یہ ممکن ہے چنانچہ اس کا مزید ثبوت صداقت مسیح موعود پر اعتراضات کی ذیل میں ایک اعتراض کے جواب میں موجود ہے۔ ہمارا اعتراض تو اس امر پر ہے کہ اس وید منتر سے معلوم ہوتا ہے کہ بکرے کا دُودھ دینا قانون عام کے ماتحت ہے اور بجائے بکری اور گائے بھینس کے دُودھ اور گھی بکرے سے حاصل ہوتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ امر ہمارے روزمرہ کے مشاہدے کے خلاف ہے۔ یہ تو ممکن ہے کہ خدا تعالیٰ کبھی کبھی شاذ کے طور پر جو "الشاذ کالمعدوم" کے مطابق معدوم کا حکم رکھتا ہے اپنی سنت شاذہ کا ثبوت دے۔ مگر گھی دُودھ وغیرہ کو عام طور پر گائے بھینس اور بکری کی بجائے "بکرے" کے ساتھ منسوب کرنا یقیناً خلاف عقل و سائینس اور معارض مشاہدہ و تجربہ ہے۔ خادم

(۲) ہے رعایا کے مالک ایشور جو روح ۔ مادہ وغیرہ اشیاء ہیں۔ یہ سب اچھا و پ وغیرہ (مراد خواہش) صفات سے متصف ہوں (تفسیر دیانند بھاشا یجر وید جلد ا ادھیائے ۱ منتر ۲۰) اس سے مادہ میں خواہش کا ثبوت ملتا ہے۔ کیا سائنس سے یہ ثابت ہو سکتا ہے؟

(۳) گرہست جنوں (عیالداروں) کو چاہیئے کہ اس طرح کوشش کریں کہ جس سے تینوں یعنی بھوت (ماضی) بھوشیت (مستقبل) اور ورتمان (حال) زمانہ میں بہت ہی سکھی (تفسیر ایضاً جلد ا صفحہ ۲۳۱)۔

اس سے آج کا کام کئے ہوئے کا پھل گذشتہ دنوں میں مل جانا چاہیئے حال و مستقبل کے لئے تو انسان کر سکتا ہے مگر آج کا پھل پہلے مل چکا ہے۔ یہ

کیسے؟ بالکل خلاف عقل ہے۔

(۴) میں جو سوم لتا۔ وغیرہ بوٹیوں (کو) جو زمین وغیرہ سے تین برس پہلے مکمل سکھ دینے میں عمدہ ظاہر ہوئیں۔ جو حاصل کرنے والے بیماروں کے سو اور سات جنم اور ناڑیوں کے زخموں کو مفید ہیں۔ ان کو جلدی جانوں۔ (تفسیر ایضاً صفحہ ۴۱۶۔ ادھیائے ۱۲۔ منتر ۱۵ جلد ۱)۔

نوٹ:۔ کیا زمین سے قبل بھی بوٹیاں تھیں اور ان سے لوگوں نے فائدہ حاصل کیا۔

آریوں کے ناقابلِ عمل اصول

ضروری نوٹ:۔ ستیارتھ پرکاش مصنفہ پنڈت دیانند کے جو حوالے یہاں درج کئے گئے ہیں۔ ان میں نمبر صفحہ ستیارتھ پرکاش کے نویں ایڈیشن شایع کردہ راجپال مینجر آریہ پستکالیہ انارکلی لاہور کو مدّنظر رکھ کر دیا گیا ہے۔ یہ ستیارتھ پرکاش کا وہ اُردو ترجمہ ہے جسکے مترجمین میں سوامی شردھانند۔ پنڈت چموپتی ایم۔ اے اور ماسٹر آتمارام جیسے آریہ پنڈتوں کے نام ہیں اور آریہ پرتی ندھی سبھا پنجاب سندھ (بلوچستان) کی طرف سے یہ ترجمہ شائع کیا گیا ہے۔ اور سرورق پر لکھا ہے۔ "صرف یہی ترجمہ مستند ہے"! **خادم**

(۱) بچے از خود اکھنڈ (لا متناہی) برہمچریہ رکھ کر اور تیسرا اعلیٰ درجہ کا برہمچریہ کرکے مکمل یعنی چارسو سال تک عمر کو بڑھائیں (ستیارتھ ۳ دفعہ نمبر ۳۰ صفحہ ۹۱) گویا ایک اور با ایمان آریہ کو چاہیئے کہ برہمچاری رہ کر چارسو سال کی عمر حاصل کرے۔ دیانند سے بڑھ کر تو باایمان اور کامل برہمچاری اور کوئی آریہ نہ ہوگا مگر اسکی عمر بھی ساٹھ سال

سے متجاوز نہ ہوئی۔ پس ثابت ہوا کہ یہ تعلیم باطل اور ناقابلِ عمل ہے۔

(۲) بقول دیانند مُردہ دفن کرنے میں بہت اقتصادی نقصان ہوتا ہے (حالانکہ قبر کی کھدائی ۸ روپئے ہوتی ہے فقط) لیکن جلانے میں صندل کی لکڑی عود کستوری ۳۰ سیر اور ڈیڑھ من روغن زرد ۶۰ سیر وغیرہ وغیرہ اشیائے قیمتی سے تقریباً دو سو روپیہ کا زیربار ہونا ضروری ہے۔ اگر میسر نہ آوے تو بھیک مانگے یا گورنمنٹ سے امداد طلب کرے۔ (ستیارتھ ب ۱۳ - دفعہ ۲۷ صفحہ ۶۵۷)

مگر جنگ میں جہاں ہزاروں مرتے ہیں یہ عالمگیر اصول دریا بُرد ہو جاتا ہے جیسے مہابھارت کی جنگ میں ہوا۔ کیونکہ وہاں یہ اشیائے قیمتی نہ مل سکیں اور نہ میسر آ سکتی تھیں۔

(۳) جس لڑکی کا خاوند مر جائے تو پھر اس کنیا کو چاہیئے کہ کسی شخص واحد سے بیاہ نہ کرے۔ وہ عمر بھر ایک کی نہ ہو رہے بلکہ دس بارہ مختلف جوانوں سے تادمِ آخر مضبوط اولاد حاصل کرتی رہے۔ (ستیارتھ ب ۴ دفعہ ۱۱۸ صـ ۱۹۱)۔

(۴) آریہ عورت کے تیسرے نیوگی خصم کو اگنی کہتے ہیں۔ کیونکہ اس میں حرارت زیادہ ہوتی ہے۔ (ستیارتھ ب ۴ دفعہ ۱۳۶ صـ ۱۹۶)

پہلے اور دوسرے خصم میں حرارت کیوں کم ہوتی ہے اور پانچویں دسویں وغیرہ میں کیوں کم و بیش نہیں؟ اس کی تشریح مطلوب ہے۔

(۵) بموجب اعتقاد دیانندی رُوح و مادہ مع اپنی تمام قوتوں حسّوں اور خاصیتوں کے ازلی۔ ابدی خودبخود ہیں۔ یعنی اپنے وجود کے آپ خدا ہیں اور پرمیشور کا کام صرف ارواح اور مادہ کو جوڑنے جاڑنے کا ہے لیکن اب معلوم ہوا کہ رُوحوں میں

جوڑنے جاڑنے کی قوت انفصال تو اتصال کی خواہش بھی ازل سے ہے (ستیارتھ ب ۷ دفعہ ۵۳ صفحہ ۲۹۶) - اور دہریہ میں کیا فرق ہوا - خاک -

(۶) نجات کے طالب اور سچے آریہ کو چاہیئے کہ قریباً پچاس سال کا ہوکر بیاہ کرے یا ۴۸ سال کے بعد - (ستیارتھ باب ۳ دفعہ ۳۴ صـ ۹۳) -

مگر پچاس سال تک تو انسان بوڑھا ہو جاتا ہے پھر بیاہ کس لئے اور کس کیلئے - مضبوط اولاد کیونکر اور کون پیدا کریگا - اس میں کوئی غلطی یا راز ضرور ہے - (غالباً اس عرصہ میں بذریعہ نیوگ اولاد پیدا کرنے کی مہلت دی ہوگی) ایسا بیاہ کرنے والا دو سو سال بلکہ چار سو سال تک عمر حاصل کر سکتا ہے (ستیارتھ ب ۶ دفعہ نمبر ۴ صـ ۹۱) مگر تجربہ اس اصول کا دشمن ہے سوائے دیانند کے جو بجائے پچاس کے ساٹھ سال مجرد رہ کر سفید ریش ہوکر بڑھاپے کے نشان اور آثار دیکھ کر راہی عالم فنا ہوئے - چار سو سال کی عمر والے کو تو ستر سال میں ابھی ڈاڑھی بھی نہیں آنی چاہیئے - اسی لئے سوامی جی منہ سر استرے سے صاف رکھتے تھے بلاحظہ ہو تصویر سوامی -

(۷) ممالک متوسط کی قسمت چھتیس گڑھ میں بعض قوموں کی عمر تیس سال تک ختم ہوتی ہے - پھر وہاں چار سو سال کی عمر حاصل کرنے کیلئے شرط کیا ہوگی اور نیک آریہ پچاس سال کا ہوکر کیونکر بیاہ کرے (خوب عالمگیر اصول ہیں) -

(۸) ۴۸ سال کے بعد شادی کرے - بالکل شادی نہ کرنا اچھا ہے (ستیارتھ ب ۲ دفعہ ۳۵ صـ ۹۳)

پنجاب کے آریہ اگر ۴۸ سال کے بعد بیاہ کرنا شروع کردیں تو انشاءاللہ تعالےٰ

نصف صدی میں آریوں کا خاتمہ ہی ہو جائے۔ اور ہندو مسلم سوال بھی ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے۔

(۹) ھون۔ (۱) ھون کرنا سب پر فرض ہے۔ ورنہ پاپ ہوتا ہے۔
(ستیارتھ پرکاش ب۲ دفعہ ۲۰ صفحہ ۸۸)

(۲) ہون دن میں دو دفعہ صبح و شام کرنا چاہیئے (ستیارتھ ب۲ دفعہ ۱۵ صفحہ ۸۶)

(۳) ایک وقت کے ہون میں سولہ آہوتی فی کس گھی چاہیئے (ستیارتھ ب۲ دفعہ ۲۲ صفحہ ۸۸)

(۴) ہر آہوتی میں ۶ ماشہ گھی کم از کم جلانا چاہیئے (ستیارتھ ب۳ دفعہ ۲۲ صفحہ ۸۸)

گویا ۱۶×۶ = ۹۶ ماشہ = ۸ تولے = قریباً ½ اچھٹانک گھی ایک وقت ایک آدمی کو جلانا چاہیئے۔ اور دو وقت کا کل گھی روزانہ ½ ۲ چھٹانک ہوا۔ ماہوار ۱۶/۵ × ۳۰ = ۹۶ چھٹانک۔ گویا اگر گھی کا نرخ دس چھٹانک فی روپیہ ہو تو ماہوار ۹ روپے ۹ آنے کا صرف گھی ہی جلانا پڑیگا اور ایک روپیہ سیر کے حساب سے کم از کم چھ روپیہ ماہوار۔*

(۵) گھی کے ساتھ کیسر کستوری۔ خوشبودار پھول عطر اور چندن اور اگر تگر وغیرہ بھی جلانا چاہیئے۔ (ستیارتھ پرکاش ب۳ دفعہ ۱۷ و ۱۸ صفحہ ۸۷)

تو گویا اس حساب سے ہر آریہ کو ہون کرنے کے لئے کم از کم ۱۲ سے ۲۴ روپے تک ماہوار خرچ کرنا پڑتا ہے۔ غریب آدمی اس کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ اور مشکل تو یہ ہے کہ اگر نہ کرے تو پاپ ہوتا ہے (جیسا کہ اوپر گذر چکا)۔ اسلام نے اپنے احکام میں بھی حکمت رکھی ہے کہ وہ انہی پر فرض کئے ہیں جو انکی استطاعت رکھتے ہوں۔ بس ویدک تعلیم عالمگیر الہامی نہ رہی۔

(۱۰) نیک نیت اور مذہبی آریہ کو سندھیا او پاسنا کرنا اور پانچ مہا یگیوں کا ادا کرنا

* اور موجودہ جنگ میں تو پنجاب میں گھی چار چھٹانک فی روپیہ کے حساب سے فروخت ہو رہا ہے۔ اس حساب سے ۲۴ روپے ماہوار بنتا ہے۔

ایسا ضروری ہے جیسا سانس پر سانس لینا ضروری ہے (ستیارتھ ب ۳ دفعہ ۲۰ صفحہ ۴۸)۔ پس جو آریہ سانس پر سانس لیتا مگر سندھیا وغیرہ بطریق مذکورہ بالا نہیں کرتا اور چار سو سال کا نہیں ہوتا۔ کیا وہ نیک آریہ ہے۔ وہ شودر ہے۔

(بقول ستیارتھ ب ۲ دفعہ ۳۰) پانچ مہایگیوں (فرائض) میں سے دوسرا فرض ویدوں کو ان انگوں سمیت باقاعدہ پڑھنا۔ پڑھنا اور سندھیا اوپاسنا کرنا فرض ہے۔ چھ انگ یہ ہیں۔ (۱) سکشا علم قرأت (۲) کلپ (سنسکاروں یعنی رسوم کے متعلق ہدایات اور ہر سنسکار کے متعلق ویدوں منتروں کا انتخاب) (۳) چھند و علم عروض (۴) ویاکرن (علم صرف و نحو) (۵) نرکت (علم لغت (۶) جوتش (علم ہندسہ و ہیئت) جس میں ریاضی کی تمام شاخیں یعنی حساب مساحت وغیرہ۔ علم طبقات الارض (جیالوجی) اور جغرافیہ باقی تین فرائض ہیں جو ہم بخوف طوالت نہیں لکھ سکتے جبکہ یہ لوگ عملاً آریہ ہی نہیں تو پھر ناحق تضیع اوقات ہے

(۱۱) جو بطریق مذکورہ بالا سندھیا وغیرہ نہیں کرتا۔ اور چھ سال کے اندر وید ختم نہیں کرتا۔ اس کو گھر سے نکال کر شودروں کے گھروں میں بھیجدینا چاہیئے۔ (ستیارتھ ب ۳ دفعہ ۴۷ صفحہ ۹۷)

(۱۲) بعد ازاں بوڑھے والدین اپنی خدمت کے لئے غیروں کے لڑکے گھر رکھ لیں۔ اور انہیں بیٹے تصوّر کر لیں۔ (ستیارتھ ب ۴ دفعہ ۱۱۰ صفحہ ۱۸۹)

غیروں کے جوان لڑکے اس بوڑھے کی جوان لڑکیوں سے کیا حسن سلوک کریں گے۔ ناظرین سمجھ لیں۔

(۱۳) ساز بجانا۔ ناچنا۔ گیت گانا۔ سُر لگانا وغیرہ وغیرہ آریوں کو ضرور سیکھنا

چاہیئے۔ (ستیارتھ ب۳ دفعہ ۱۰۲ صفحہ ۲۷) مگر اسی ستیارتھ ایڈیشن چہارم میں سوامی جی ب۳ دفعہ ۸۴ صفحہ ۹۵ پر) بجانے ناچنے وغیرہ کو شہوانی عادات قرار دیتے ہیں۔

(۱۴) برہمنوں کے گواہ برہمن اور شودروں کے گواہ شودر اور عورتوں کی گواہ عورتیں ہی ہوا کریں۔ (ستیارتھ ب ۶۔ دفعہ ۶۳ صفحہ ۲۶۳)۔

اگر کوئی برہمن یا ویش شودروں کے محلہ میں جا کر کسی کنیا کو ناپاک کر نکلے یا کوئی عورت شودر برہمنوں کے محلہ میں کسی کا گلا گھونٹ جائے تو گویا اس کو رہائی دیدیں۔ کیونکہ کوئی عورت یا اس کی ذات کا گواہ میسر نہیں آسکتا۔ خدا اس قانون والوں کو طاقت نہ دے۔

(۱۵) جو کوئی وید کو برا سمجھے اور اس کی مذمت کرے یا کم از کم وید کے موافق بنائی ہوئی عابد لوگوں کی تصانیف کی تحقیر کرے (یعنی ستیارتھ وغیرہ کا) اس منکر کو جلاوطن کرکے ملک اور گھر بار سے خارج کر دینا چاہیئے (ستیارتھ ب۳ دفعہ ۵۲ صفحہ ۱۰۱)

(۱۶) جو دھرم پر قائم نہیں رہتا۔ خواہ اُستاد ہو یا مائی باپ اس کو راجہ بغیر سزا ہرگز نہ چھوڑے۔ یعنی قید و قتل وغیرہ (ستیارتھ ب۶ دفعہ ۲، صفحہ ۲۶۹)۔

آریہ عورتوں کو ویدک نصائح اور فرائض

(۱) اے دیور نیوگی (دوسرے خاوند) کی خدمت کرنے والی عورت اور اے بیاہے ہوئے خاوند کی فرمانبردار بیوی (یعنی دو خاوند والی عورت۔ مؤلف) تو نیک اوصاف والی ہو۔ تو گھر کے کاروبار میں عمدہ اصول پر عمل کر اور اپنے پالے ہوئے جانوروں

کی حفاظت کر۔ اور عمدہ کمال خوبی اور علم و تربیت حاصل کر طاقتور اولاد پیدا کر۔ اور ہمیشہ اولاد کی پرورش میں مستعد رہ۔ اے نیوگ کے ذریعہ سے دوسرے خاوند کی خواہش کرنیوالی تو ہمیشہ سکھ دینے والی ہو کر گھر میں ہون وغیرہ کی آگ کا استعمال اور تمام خانہ داری کے کاروبار کو دل لگا کر بڑی احتیاط سے کر" (ستیارتھ پرکاش دفعہ ۱۳۲ صفحہ ۱۹۵)۔

تعدد ازدواج پر اعتراض کرنے والے دو خاوندوں والی بیوی پر غور کریں حالانکہ مرد دس کو نطفہ دے سکتا ہے مگر عورت دو کا نطفہ نہیں لے سکتی۔ خلاف فطرت و قدرت تعلیم ہے نئی دلہن کو پہلی رات کو منانے کی ہدایت کی گئی ہے۔ کسقدر شرمناک تعلیم ہے۔

(۲) استقرار حمل کی کاروائی کا وقت ایک پہر رات گذرنے کے بعد ایک پہر رہنے تک ہے۔ جب منی کے رحم میں گرنے کا وقت آئے۔ تب دونوں بے حرکت۔ نہایت خوش دل۔ منہ کے ساتھ منہ۔ ناک کے سامنے ناک وغیرہ تمام جسم سیدھا رکھیں۔ مرد منی ڈالنے کا کام کرے۔ جب منی عورت کے جسم میں داخل ہو اُسوقت وہ اپنی مقعد اور جائے مخصوص کو اوپر کھینچے اور منی کو کھینچکر عورت رحم میں قائم کرے۔ (سنسکار ودھی مصنفہ دیانند صفحہ ۴۲ ستیارتھ باب ۴ صفحہ ۱۶۰ دفعہ ۴۳)۔

کروڑوں مخلوقات اس آسن سے بے خبر ہے۔ مگر اولاد خدا کے فضل سے اس آسن پر عمل کرنے والوں سے کہیں زیادہ مضبوط پیدا ہوتی رہتی ہے۔

(۳) جیون چرتر مصنفہ لیکھرام و آتمارام صفحہ ۳۵۵ میں لکھا ہے کہ دوسرے دن سوامی دیانند جی نے موورتی پوجا کے کھنڈن (تردید بت پرستی) پر لیکچر دیا اور مندروں میں عورتوں کے جانے اور وہاں کی دُردشا (بُری حالت) کا برنن فرمایا۔ اور فرمایا کہ

سال میں ایک ہی بار اپنے پتی (خاوند) کے پاس جاوے۔ یعنی دبیچار (زنانہ کرے) کسی شخص نے مکان کی چھت سے دریافت کیا کہ جس عورت کا پتی طوالف (کنجری) کے پاس جاوے۔ اسکی عورت کیا کرے۔ انہوں نے کہا۔ اسکی عورت بھی ایک مضبوط آدمی رکھلے۔ یہ تعلیم کسقدر ناقابل عمل۔ اخلاق سوز اور بے حیائی پیدا کرنے والی ہے۔

(۴) اے بیوہ عورت اپنے اس مرے ہوئے اصلی خاوند کو چھوڑ کر زندہ دیو یعنی دوسرے خاوند کو قبول کر۔ اس کیساتھ رہ کر اولاد پیدا کر وہ اولاد جو اس طرح پیدا ہوگی تیرے اصلی خاوند کی ہوگی (ستیارتھ ۴ دفعہ ۱۲۳ ص ۱۹۵) کیونکہ دوسرے خاوند سے نکاح تو نہ ہوگا۔ بغیر نکاح کے ہی اولاد پیدا شدہ مُردہ خاوند کی ہوگی۔ جائز ناجائز کا سوال نہیں۔ اولاد کے حصول کی غرض مد نظر ہے۔

(۵) پُرش کا لنگ استری کی یونی میں گھسنے پر خصوصیت سے نطفہ چھوڑتا ہے۔ مگر پیشاب اس سے علیحدہ چھوڑتا ہے۔ وہ نطفہ جھلی سے ڈھکا حمل کی شکل ہو کر پیدا ہوتا ہے اور پیدا ہونے پر اس ڈھکن کو چھوڑ دیتا ہے اور بیرونی ہوا جو جھلی کو چھوڑتا ہے وہی تیسم قسم کی زندگی کے اسباب کی موجودگی یعنی رُوح کے متعلق دہن اور اس رس کی برابر نائش رہت پر تیکش وغیرہ گیان کے اسباب آنکھ وغیرہ اعضاؤں کو ملتا ہے یعنی انکو ترقی دیتا ہے۔ مطلب مرد کا اعضائے تناسل عورت کے اندام نہانی سے ملنے پر نطفہ کو پیشاب سے علیٰحدہ چھوڑتا ہے۔ (یجر وید ادھیائے ۱۹ منتر ۷۶ صفحہ ۳۸۸)

(۶) عورت مرد حمل رکھنے کیوقت بالمقابل اور پریم میں چُور ہو۔ مُنہ کے مقابل مُنہ آنکھ کے سامنے آنکھ۔ دھیان کے سامنے دھیان۔ جسم کے سامنے جسم کا انتظار کر۔

حمل قائم کریں جس سے بدشکل یا ٹیڑھے عضووں والی اولاد پیدا نہ ہو۔
دکو کا پنڈت کے بھی کان کتر رہے ہیں اور تناسخ کو باطل ٹھہرا رہے ہیں۔

(یجروید ادھیائے ۱۹ منتر ۸۸ صفحہ ۳۹۳)

(۷) اے منشو! جیسے بیل گایوں کو گابھن کر کے نسل بڑھاتا ہے ویسی ہی گرہستی لوگ استریوں کو حمل رکھا کر پرجا بڑھاویں (یجروید بھاشیہ حصہ سوم ادھیائے ۲۸ منتر ۳۲ صفحہ ۹) (کیا لطیف مشابہت اور طرز بیان ہے) بیل گائے ماں بہن کا امتیاز نہیں رکھتا صرف نسل بڑھانا مقصود ہوتا ہے۔

(۸) نیوگ شہوت مٹانے کا آلہ ہے۔ ملاحظہ ہوں حوالجات ذیل:۔

مرد عورت کے رنڈوے یا بیوہ ہونے سے یا قطع نسل سے بچنے کا علاج دیانند جی مہاراج یوں فرماتے ہیں۔

کہ اگر خاندان کے سلسلے کو جاری رکھنے کیلئے کسی اچھی ذات کا لڑکا گود لے لینگے اس سے خاندان چلیگا اور زنا کاری بھی نہ ہوگی۔ اور اگر برہمچریہ نہ رکھ سکیں تو نیوگ کر کے اولاد پیدا کریں۔ (ستیارتھ باب چہارم دفعہ ۱۰ صفحہ ۱۸۹)

(۹) زنا اور نیوگ کا طریق اور قواعد یکساں ہیں۔ ملاحظہ ہوں ذیل کے حوالے:۔

بیاہ کرنے میں لڑکی اپنے باپ کا گھر چھوڑ خاوند کے گھر جاتی ہے اور اس کا باپ سے زیادہ تعلق نہیں رہتا۔ مگر نیوگ کی صورت میں عورت اسی بیاہے خاوند کے گھر میں رہتی ہے۔ (ستیارتھ باب ۴ دفعہ ۱۱۱ صفحہ ۱۸۹)۔ (یہی زنا میں ہوتا ہے)۔ اور سنو۔

(۱۰) اس بیاہی عورت کے لڑکے اسی بیاہے خاوند کے وارث ہوتے ہیں۔ مگر نیکتا عورت

(جس نے نیوگ کیا ہو) کے لڑکے ویرج داتا کے نہ بیٹے کہلاتے ہیں (درانحالیکہ عورت نے نیوگ اپنی اولاد کیلئے کیا ہو) نہ اس کا گوتر ہوتا ہے اور نہ اس کا اختیار ان لڑکوں پر ہوتا ہے بلکہ وے متوفی خاوند کے بیٹے کہلاتے ہیں۔ اسی کا گوتر ذات ہوتا اور اسی کی جائیداد کے وارث ہوکر اسی گھر میں رہتے ہیں۔ (ستیارتھ باب ۴ دفعہ ۱۱۹ صفحہ ۱۸۹)۔ زنا میں بھی یہی ہوتا ہے۔ اگر کسی کی بیوی سے کسی کا ناجائز تعلق ہو تو اس عورت کی اولاد اپنے خاوند کی اولاد سمجھی جاتی ہے اور اسی کی وارث ہوتی ہے۔ حالانکہ قانوناً اور اخلاقاً جس کا نطفہ ہو۔ اسی کی گوتر اور وارث ہوتا ہے۔ مگر مخفی یارانہ کیوجہ سے چونکہ ظاہر نہیں ہوتا اس لئے ایسا واقع ہوتا ہے۔ ورنہ دنیا کے کسی خطہ کا قانون ابھی تک اس قسم کے کرایہ کے نطفہ کو جائز قرار نہیں دیتا بلکہ اس کو ناجائز اور حرام کی ولادت قرار دیتا ہے۔ اس تعلیم کی رو سے تمام آریوں کی ولادت مشکوک ہو جاتی ہے۔ ابھی اور سنو:۔

(۱۱) "بیاہی عورت مرد کو باہم خدمت اور پرورش کرنی لازم ہے۔ مگر نیوگ شدہ عورت کا اس قسم کا کوئی تعلق نہیں رہتا۔" (ستیارتھ ب ۴ دفعہ ۱۱ جواب ۳ صفحہ ۱۱۹)۔

(۱۲) "بیاہی عورت مرد کا تعلق دونوں کی موت تک رہتا ہے مگر نیوگ شدہ عورت مرد کا تعلق کاربہ کے بعد چھوٹ جاتا ہے۔" ان دونوں حوالوں نے تو معاملہ بالکل صاف کر دیا۔ (ستیارتھ ب ۴ دفعہ ۱۱ جواب ۴ صفحہ ۱۸۹)

(۱۳) بیاہی عورت مرد باہم گھر کے کاموں کو سرانجام دیتے ہیں۔ کوشش کرتے اور نیوگ شدہ عورت مرد اپنے اپنے گھر کے کام کرتے ہیں (ستیارتھ ب ۴ ۱۱ جواب ۵ صفحہ ۱۹۰)۔

زناکاری میں بھی یہی ہوتا ہے کہ کام کیا اور الگ ہوئے ... بھی یہی جس طرح

زانی زانیہ کے پاس حق محبت ادا کرکے اپنی حاجت روائی کرتے اور پھر الگ ہو جاتے ہیں اور پھر اس کو کوئی حق نہیں رہتا کہ اس کو چھو بھی جائے۔ اسی طرح نیوگ میں بھی ہدایت کی گئی ہے۔ ہاں اگر کسی سے دل پھنس جائے تو پھر کوئی ہدایت نامہ کارگر نہیں ہوتا۔ کیونکہ دل بے اختیار ہے۔ پس ایسی بے تعلقی کی حالت میں صرف کارگذاری تک نیوگ کو محدود رکھنا اور پھر اس کو کسی قسم کے بیاہ سے موسوم کرنا عقل و مشاہدہ کے خلاف ہے۔ اگر ایسی بے تعلقی میں مجامعت کا نام بیاہ ہے تو ایسے بیاہ تو روزانہ چار چار آنہ میں ہو رہے ہیں۔ کوئی نئی اور اعلیٰ بات تو اس میں نہیں۔ بلکہ ان چار چار آنہ والیوں کی تو گورنمنٹ بھی بوقت ضرورت دادرسی کرتی ہے۔ اور حق تلفی ہونے پر انکی فریاد کو سنتی ہے مگر نیوگ کے متعلق تو گورنمنٹ نے بھی خلاف فیصلہ دے کر زناکاری قرار دیا ہے (ملاحظہ ہو فیصلہ اسسٹنٹ کمشنر پشاور۔ سناتن دھرم گزٹ اپریل سنہ ۱۹۰۷ء)۔

(۱۲) نیوگ بیوہ کے لئے نہیں بلکہ خاوند یا عورت کی موجودگی میں بھی ہو سکتا ہے۔ سنئے فرماتا ہے:۔

"نیوگ جیتے جی بھی ہوتا ہے۔ جب خاوند اولاد پیدا کرنے کے ناقابل ہو۔ تب اپنی عورت کو اجازت دے کہ اے نیک بخت اولاد کی خواہش کرنیوالی عورت تو مجھ سے علاوہ دوسرے خاوند کی خواہش کر۔ کیونکہ اب مجھ سے تو اولاد نہ ہو سکیگی۔ تب عورت دوسرے کے ساتھ نیوگ کرکے اولاد پیدا کر لے۔"

"لیکن اب بیاہے عالی حوصلہ خاوند کی خدمت میں کمربستہ رہے۔ ویسے ہی عورت بھی جب بیماری وغیرہ میں پھنسکر اولاد پیدا کرنے کے ناقابل ہو تب اپنے خاوند

کو اجازت دے کہ اے مالک! آپ اولاد کی اُمید مجھ سے چھوڑ کر کسی دوسری بیوہ عورت سے نیوگ کر کے اولاد پیدا کیجیئے"۔ (ستیارتھ پ ۴ دفعہ ۱۳۸ صفحہ ۱۹۸)۔

اِس حوالہ میں الفاظ نیک بخت اور عالی حوصلہ قابلِ غور ہیں۔ اس سے بڑھکر اور نیک بختی کیا ہو گی کہ خود ہی اپنی بیوی کو زنا کی تحریک کر کے اپنے لئے راستہ کھول رہا ہے۔ پھر اس سے بڑھکر عالی حوصلگی کیا ہو گی کہ اپنی غیرت و عزت کو خیر باد کہہ کر اپنے ننگ و ناموس اور اپنی محبوبہ کو دوسرے اگنی مُشٹنڈے کے سپرد کر رہا ہے۔ یہ بلنظر عالی حوصلگی قابل آفرین ہے۔ خاوند کی موجودگی میں دوسرے کی بغل میں جاکر سونا اور خاص کاریہ کرانا مذکورہ بالا زنا کے قواعد کے ماتحت آتا نہیں تو اور کیا ہے؟ ادم شیم! عورت کا نیوگ تلاش کرنا بھی نرالا قانون ہے۔

(۱۵) بغیر اولاد کی ضرورت اور خواہش کے صرف شہوت رانی کیلئے نیوگ جب ثابت ہو۔ اور ہو بھی خاوند کی موجودگی اور اسکے نکاح کی حالت میں۔ تو سوائے زنا کے اور کیا نام رکھا جا سکتا ہے۔ سنیئے:-

"اگر بیاہا خاوند دھرم کی غرض سے غیر ملک میں گیا ہو تو عورت آٹھ برس۔ اور اگر علم اور نیک نامی کیلئے تو چھ برس۔ اور دولت وغیرہ کیلئے تو تین برس تک انتظار کر کے پھر نیوگ کر کے اولاد کرے۔ جب شادی شدہ خاوند آوے تب نیوگ شدہ خاوند سے قطع تعلق ہو جاوے"۔ (ستیارتھ پ ۴ دفعہ ۱۴۲ صفحہ ۱۹۸)۔

اِس حوالہ نے تو پردہ ہی اُٹھا دیا۔ مزید تشریح کا محتاج نہیں صرف اس قدر جتا دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ ۱۲ حوالہ میں سوامی جی نے فرمایا تھا کہ کاریہ یعنی مجامعت کرنیکے بعد تعلق نہیں رہتا۔ مگر اس میں بتایا گیا ہے کہ جبتک خاوند باہر سے

واپس نہ آئے۔ تب تک نیوگی ورنیوگن تعلق قائم رکھیں۔ اس کے واپس آنے پر قطع تعلق کرلیں۔ عجیب فراخدلی اور عالی حوصلگی ہے۔

(۱۶) سب سے زبردست پرمان یعنی حکم سوامی جی کا جو پکار پکار کر کہہ رہا ہے۔ کہ نیوگ ناجائز طور پر شہوت رانی کا زبردست آلہ ہے۔ لیجئے سنیئے اور سنائیے فرماتے ہیں:۔

سوال ”جب ایک بیاہ ہوگا۔ ایک مرد کیلئے ایک عورت اور ایک عورت کے لئے ایک مرد رہیگا۔ اس عرصہ میں عورت حاملہ۔ دائم المریض یا مرد دائم المریض ہو جائے! اور دونوں کا عالم شباب ہو اور رہا نہ جائے تو پھر کیا کریں؟

جواب:۔ اگر حاملہ عورت سے ایک سال صحبت نہ کرنے کے عرصہ میں مرد یا دائم المریض مرد کی عورت سے نہ رہا جائے۔ تو کسی سے نیوگ کر کے اس کے لئے اولاد پیدا کرے۔ لیکن رنڈی بازی یا زناکاری نہ کریں“۔

(ستیارتھ پرکاش باب ۴ دفعہ ۱۴۶ صفحہ ۲۰۰)

”رہا نہ جائے“ کا جملہ قابل غور ہے۔ سوامی جی کا بطور ٹیپ کے مصرعہ کے ہر حکم نیوگ کے آخر میں یہ لکھ دینا کہ ”نیوگ کر کے اولاد پیدا کرے“ صرف نیوگ کی قباحت اور گندگی کا چھپانا مقصود ہے ورنہ اسی حوالہ میں ہی دیکھ لیں کہ جب اس کی عورت حاملہ ہے تو ضرور ہے کہ اس کیلئے کوئی نونہال جنے گی۔ پھر اولاد پیدا کرنے کی کیا ضرورت لاحق ہوئی۔ وہی ”رہا نہ جائے“ والا مسئلہ ہی حل کرنا مقصود ہے! وہی زنا اور شہوت رانی ہے جو ثابت ہے۔ اب کہاں ہیں وہ جو اسلام کے پاک مسئلہ تعدد ازدواج پر اعتراض کرتے ہیں۔ تعدد ازدواج

ہیں قدرتاً اور فطرتاً ایک آدمی کئی عورتوں سے کئی لڑکے پیدا کر سکتا ہے مگر ایک عورت کئی مردوں سے سوائے شہوت مٹانے کے اور کچھ نہیں حاصل کر سکتی۔ اگر مختلف اوقات میں نیوگ کے بہانہ دس مردوں کے پاس گئی اور بدقسمتی سے کسی کا نطفہ ٹھہر گیا تو وہ مشترکہ اور معجون مرکب بچہ ہوگا۔ جس کا والی وارث وہی ہو سکتا ہے۔ جو اسی طرح پیدا ہوا ہو! -

ویدک تہذیب کے نمونے

بعض دفعہ بعض بدزبان آریہ سماجی احمدی مناظرین کے سامنے بے سر و پا روایات اور تفاسیر کے حوالے پڑھ دیتے ہیں مگر جب انکو کہا جاتا ہے کہ یہ تحریرات جماعت احمدیہ کے مسلمات میں سے نہیں ہیں لہذا حجت نہیں تو آریہ سماجی جواب دیتے ہیں کہ یہ ترجمہ اور تفسیر ہماری طرف سے تو نہیں ہے۔ خود تمہارے ہی "مسلمان بھائیوں" کی تحریر کردہ ہے۔ اس کے جواب میں وید کی مندرجہ ذیل تفسیر پڑھی جا سکتی ہے جو پنڈت مہیدھر فاضل وید نے آج سے سینکڑوں سال قبل کی ہے جس طرح آریہ اس تفسیر کو تسلیم نہیں کرتے اسی طرح احمدیوں کے مقابلہ میں غلط اور بے بنیاد روایات اور تفاسیر بھی حجت نہیں ہو سکتیں۔ خادم

(۱) "مہیشی (زن یجمان) رُو بروئے جملہ مہتمان یگیہ نزد اسپ افتادہ مے گوید۔ لے اسپ! من در رحم خود نطفہ تو کنز و حمل قرار مے باید میگیرم۔ تو ہم آں نطفہ را در رحم من بیندار" (یجروید ادھیائے ۲۳ منتر ۱۹ بحوالہ رگوید آدی بھاشا بھومکا مصنفہ پنڈت دیانند سرسوتی مترجم اردو نہال سنگھ

کرنالوی صفحہ ۱۸۷ و بھومکا اصل ہندی صفحہ ۳۴۵)

(۲) کارپردازان یگیہ زنان و دوشیزگان بر انگشت ہائے خود شکل اندام نہانی ساختہ بطریق تمسخر میگویند کہ بوقت زود گامئے زنان آواز ہلہلا مے خیزد۔ وقتیکہ عضو مرد مثل گنجشک در اندام زن می رود۔ زن آنرا در جسم خود فرو مے خورد و انزال میکند در آں وقت آوازِ گلگلا مے خیزد و دوشیزگان بر انگشت ہائے خود صورتِ عضوِ مرد نمایند و میگویند کہ رو زن حشفہ بارد تو مشابہت دارد" (یجروید ادھیائے ۲۳ منتر ۲۲ رگوید آدی بھاش بھومکا مترجم اردو صـ ۱۸۹ و ہندی صـ ۳۵۱)

(۳) "اندام زن را دست کشیدہ فراخ بکند تا کہ آں کشادہ شود"۔ (یجروید ادھیائے ۲۳ منتر ۳۶ بھومکا اُردو صفحہ ۱۹۰)

قدامتِ رُوح و مادہ

آریوں کے دلائل کی تردید

دلیل اوّل۔ خدا قدیم سے ہے اور اسکی صفات بھی قدیم سے ہیں اور منجملہ اسکی صفات کے مالک کی صفت بھی ہے اور مالک بغیر مملوک کے نہیں پایا جاتا۔ پس ساتھ اس کا کوئی مملوک قدیم سے ہونا ضروری ہے اور وہ رُوح و مادہ ہے۔

جواب۔ ہم بھی مانتے ہیں کہ وہ قدیم سے مالک اور خالق ہے مگر مملوک کو روح و مادہ میں مقید کرنا کونسی عقل ہے۔ ہم بھی قدامت نوعی کے قائل ہیں نہ قدامت شخصی کے یعنی مخلوق کی انواع سے کوئی نہ کوئی قدیم سے چلی آتی ہے اور خدا تعالےٰ کی

تمام صفات کا تعطل ایک وقت میں ہم نہیں مانتے۔ یہ دلیل آریوں کی بعینہٖ عیسائیوں کی اس دلیل جیسی ہے جو وہ تثلیث کے ثبوت میں پیش کیا کرتے ہیں کہ وجود معلولات متعددہ علل متعددہ کو چاہتا ہے پس علل کی کثرت ماننی پڑتی ہے پس تثلیث ثابت (زیادہ علل کیوں نہیں صرف تین کیوں ہیں) اسی طرح آریہ لوگ بھی خدا کی صفت "مالک" ثابت کرنے کے لیئے رُوح و مادہ کو پیش کرتے ہیں۔ مگر ہم کہتے ہیں... کہ رُوح و مادہ کے بغیر اور بھی اشیاء ہو سکتی ہیں۔

دلیل دوم۔ ہمارا مشاہدہ بتاتا ہے کہ ہر چیز کی کوئی نہ کوئی علت مادی ضرور ہوتی ہے۔ پس رُوح اور مادہ کی علت کیا ہے؟

جواب ۱۔ ہمارا مشاہدہ ہے کہ ہر چیز کی صنع کیلیئے آلات ضروری ہیں مگر تم خود پرمیشور کو آلات کے بغیر کام کرنے والا مانتے ہو۔ (دیکھو رگوید آدی بھوش بھومکا صفحہ ۶ و ۹)۔

جواب ۲۔ علت مادی مرکبات کی ہوتی ہے کیونکہ مرکب وہ ہے جو دوسے بنے۔ پس وہ دونوں اسکی علت ہونگے۔ مگر مفرد تو کسی سے بنا نہیں۔ اس لیئے مرکبات کے قاعدہ کو اس پر چسپاں کرنا بالکل فضول ہے۔

دلیل سوم۔ نیست سے ہست اسلیئے نہیں ہو سکتا کہ نیستی کے معنی ہیں کچھ بھی نہیں۔ اور جو نہ ہو اس سے ہو جائے۔ یہ محض ہنسی ہے۔

جواب (۱) ہمارا یہ کہنا کہ صندوق لکڑی سے بنا ہے اور یہ کہنا کہ مادہ خدا کی قدرت سے بنا ہے۔ دونوں میں صرف یہی فرق ہے کہ پہلے میں علت مادی مراد ہے اور دوسرے میں علت فاعلی۔ (رگوید بھاشیہ بھومکا صفحہ ۸)

خدا کے لئے سب ہست ہے۔ نیست اور ہست تو ہم انسان اپنی نسبت سے بولتے ہیں۔ اس کی علت فاعلی سب کچھ کر دکھاتی ہے۔

اس دلیل کے متعلق ایک سوال اور اس کا جواب

قرآن مجید کی آیت کُنْ فَیَکُوْن پر اعتراض کہ کُنْ کس کو کہا؟

جواب ۱۔ زید کا نقشہ پرمیشور کو معلوم تھا۔ یا نہ۔ اگر معلوم تھا تو کس کا نقشہ معلوم تھا۔ نیز یہ محاورہ ہے۔

جواب ۲۔ انسان جب اپنے ذہن میں کوئی نقشہ کھینچتا ہے۔ مثلاً کسی مکان بنانے کا نقشہ۔ تو بنانے کے وقت اسباب و آلات کی تلاش و پڑتال میں لگ جاتا ہے۔ اور اسے خارجی وجود میں لاتا ہے۔ مگر خدا چونکہ خود آلہ ہے اس لئے وہ ایسا نہیں کرتا۔ بلکہ وہ صرف امر کُنْ سے بنا دیتا ہے۔

دلیل چہارم۔ ہمارا مشاہدہ ہے کہ ہر خلق مادہ سے ہوتی ہے۔

جواب۔ موجودہ قانون یا مشاہدہ دلیل نہیں۔ کیونکہ :۔

(ا) جس طرح اب ہر چیز مادہ سے بنتی ہے اور پہلے لازماً عدم سے وجود میں آئی تھی۔ اسی طرح اب انسان مرد اور عورت سے پیدا ہوتے ہیں مگر پہلے بلا باپ ماں کیونکہ ابتدا ماننی لازم ہے۔ (ستیارتھ ب ۸ دفعہ ۴۲ صفحہ ۲۳۶)۔

دیکھو خَلَقَ کُلَّ شَیْءٍ فَقَدَّرَہٗ تَقْدِیْرًا (یعنی ہر شے عدم سے وجود میں آتی ہے مگر بعد میں ایک اندازہ سے آتی ہے)

(ب) الہام اب نہیں ہوتا۔ ہاں ابتدا میں ہوا بقول تمہارے۔ اسی طرح خلق کو قیاس کر لو۔

(ج) ہمارے مشاہدہ میں پرلے نہیں۔

(د) ہمارے مشاہدہ میں مادہ اصل حالت میں نہیں (صنا دیباچہ ستیارتھ پرکاش)
آریہ لوگ ابتدا میں مخلوق کا پیدا ہونا اسی طرح مانتے ہیں کہ کھیتوں کی طرح اُگ پڑے تھے۔ پس اگر یہ ایسا ہی ہُوا تھا تو اس کی نظیر دو۔ ورنہ شرماؤ۔

عقلی دلائل حدوثِ رُوح و مادہ پر

دلیل اوّل۔ وہ قادر مطلق ہے۔ سرب شکتیمان ہے۔ پس چونکہ وہ قادر مطلق ہے اس لئے ہر کام وہ کر سکتا ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْر۔

اعتراض۔ خدا اپنے جیسا خدا نہیں بنا سکتا۔ نہ وہ مر سکتا ہے۔

جواب ۱۔ تمام صفات مساوی ہیں۔ یہاں اسلئے قادر مطلق نہیں کہ اور صفات کٹتی ہیں۔ کیونکہ اسکی صفات میں سے حیّ ہونا اور واحد ہونا ہے۔ اگر وہ مثل بنائے تو واحد نہیں رہتا۔ اپنے آپ کو مار دے تو حیّ نہیں رہتا۔ مگر مادہ اور رُوح میں کونسی صفت کٹتی ہے؟۔

جواب ۲۔ کوئی معیار پیش کرو۔ ورنہ قادر مطلق نہ مانو۔ ہاں انسان سے زیادہ قادر مانو۔ اسی طرح انسان بمقابلہ حیوان کے اور ایک ڈاکٹر بمقابلہ کمپونڈر قادر مطلق ہے۔

دلیل ۲۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ اَللّٰہُ خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ وَّھُوَ الْوَاحِدُ الْقَھَّارُ (رعد ع ۲)

(۱) یہ کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا خالق ہے کیونکہ اگر وہ بعض چیزوں کا خالق نہ ہو۔ تو واحد نہ ہوگا۔ یعنی واحد فی الصفات (۲) اگر وہ ہر چیز کا خالق نہیں تو وہ ان اشیاء پر غلبہ جائز طور پر پانے کا مستحق نہیں۔ اسی کی تائید کرتی ہے یہ آیت۔ وَھُوَ الْقَاھِرُ فَوْقَ عِبَادِہٖ وَیُرْسِلُ عَلَیْکُمْ حَفَظَۃً۔ (انعام رکوع ۲)۔

اعتراض - انسان بھی اکثر اشیاء کا مالک ہے اور اسے غلبہ حاصل ہے۔ بدوں خلق کے۔ (ج ۱) خدا کی اجازت سے۔ (ج ۲) لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ - اسکی ملک اور انسان کی ملک میں فرق ہونا چاہیئے۔

اعتراض - ہم بھی موجود ہیں۔ خدا بھی موجود ہے۔ ہم بھی ابدی ہیں۔ خدا بھی ابدی ہے۔ تو توحید فی الصفات کیسے ہوئی۔ بلکہ اشتراک ثابت ہوا۔

جواب - ہم اس کے قائم رکھنے سے موجود ہوئے۔ وہ خود قدیم ہے۔ مگر رُوح و مادہ کا وجود خود ہے۔

دلیل یہ ہے کہ خدا چاہے تو قائم نہ رکھے یا ابدی نہ بنائے۔ مگر روح کو مٹا نہیں سکتا۔ (دیکھو ھُود رکوع ۹)

لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ - حَیّ پر اعتراض تھا مگر قَیُّوم نے دُور کر دیا۔

دلیل سوم - خَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا - یعنی ہر چیز سوائے باری تعالےٰ کے مخلوق ہے۔ کیونکہ محدود ہے۔ اور محدود کا محدّد چاہیئے۔ اور رُوح اور مادہ بھی محدود ہیں۔ (دیکھو ستیارتھ ۸ دفعہ ۱ صفحہ ۳۱۵)۔

دلیل چہارم - اگر رُوح پیدا نہیں ہو سکتی۔ تو لازماً خدا نجات یافتہ لوگوں کو دُنیا میں بھیجے گا۔ اور یہ ظلم ہے۔ دیانند کو دِقّت پیش آئی۔ تو وہ مُکتی کو قید سے تعبیر کرنے لگا۔

دلیل پنجم - رُوح و مادہ کو اور انکے خواص کو قدیم ماننے سے ذاتِ باری پر دلیل قائم نہیں رہتی۔ کیونکہ جب بڑا کام خود ہوا۔ تو چھوٹا کام کیوں نہ خود ہوا؟

دلیل ۶- صفات کی فنا ذات کی فنا ہے۔ اس لئے آریوں کے نزدیک جس طرح روح کی ذات مخلوق نہیں۔ اسی طرح صفات بھی مخلوق نہیں۔

پس اگر ثابت ہو کہ صفات میں تغیر ہے تو ذات میں بھی تغیر ماننا پڑیگا۔ اور ہر متغیر قائم بالذات ہے۔ صفات کا تغیر دیکھو۔ نیک سے بد۔ بد سے نیک۔ جاہل سے عالم۔ عالم سے جاہل۔

دلیل ۷- خدا ظرف ہے۔ روح مظروف ہے۔ ظرف پہلے ہونا چاہیئے۔

دلیل ۸- روح و مادہ محتاج الغیر ہیں یا نہیں؟ اگر محتاج ہیں تو قدیم نہ ہوئے اگر محتاج نہیں تو پھر ماتحت نہیں ہو سکتے۔

دلیل ۹- تین چیزیں ازلی ہیں۔ ستیارتھ صٓ ۲۴۰۔ پھر پانچ ازلی ستیارتھ صٓ ۲۴۸ دلیل کہ اکاش ازلی ہے صٓ ۲۴۱ و صٓ ۲۵۳ ستیارتھ۔ اکاش مخلوق ہے۔ بھومکا صٓ ۶۔ پھر زمانہ فانی ہے۔ صٓ ۱۲ ستیارتھ۔ اور اکاش فانی ہے۔ صٓ ۲۵۳ ستیارتھ۔ سب سے پہلے خدا کا ہونا ضروری ہے۔ صٓ ۵۱۵ ستیارتھ۔

زمانہ جس طرح دوبارہ پیدا ہوتا ہے۔ بغیر علت مادی کے۔ اسی طرح مادہ بھی بغیر علت مادی کے پیدا ہو سکتا ہے۔ دیکھو حوالجات رگوید بھومکا صفحہ ۵۳ و ۶۳ و ۷۰ و ۷۸۔

دلیل ۱۰- اگر وہ خلق نہیں کر سکتا۔ تو وہ عالم نہیں۔ اگر وہ عالم ہے۔ تو خالق بھی ہے۔ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ۔ (یٰس ع آخری)

پس جبکہ کامل علم خالق ہونے کا مقتضی ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کا خالق نہ ہونا اس کے نقص علم پر دلیل ہے۔

دلیل ۱۱۔ (۱) ستیارتھ صہ ۲۷۵ جیو اور پرکرتی کے صفات اور فعل اور عادات ازلی ہیں۔ (۲) خدا تو ہر کب کو بھی بدل نہیں سکتا۔ ستیارتھ صہ ۲۸۱۔
(۳) جو قدرتی اصُول ہیں۔ مثلاً آگ گرم۔ پانی ٹھنڈا وغیرہ۔ اسکی طبعی صفات کو پرمیشور بھی نہیں بدل سکتا۔ ستیارتھ صہ ۲۸۱۔
جہاں جیو اور پرکرتی کے صفات دئے گئے ہیں۔ وہاں مادہ سے تعلق پیدا کرنے کا حق نہیں۔ یا طریق تعلق پیدا کرنے کا بتاؤ۔

دلیل ۱۲ ستیارتھ۔ جس مادہ سے رُوح بنائی جاوے وہ آخر ختم ہو جائے گا۔

دلیل ۱۳۔ اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَیْرِ شَیْءٍ اَمْ ھُمُ الْخَالِقُوْنَ اَمْ خَلَقُوا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بَلْ لَّا یُوْقِنُوْنَ۔ یعنی منکرین حدوثِ روح و مادہ کہتے ہیں کہ رُوحیں پیدا نہیں ہوئیں۔ (۱) کیا وہ بغیر علل کے خود بخود ہیں اور ظاہر ہے کہ یہ ہو نہیں سکتا۔ کیونکہ اس سے ترجیح بلا مرجح لازم آتی ہے جو محال ہے (۲) دُوسری شق یہ ہو سکتی تھی کہ خود علت ہوں۔ لیکن اگر ایسا ہو تو اس سے تقدم الشئ علیٰ نفسہ لازم آتا ہے جو محال ہے (۳) جو علت العلل ہوں اور آسمانوں اور زمینوں کے مالک ہوں تو اس سے تعدد لازم آتا ہے جو محال ہے۔ علاوہ ازیں خالق مخلوق کا محتاج نہیں مگر ہم زمین اور آسمان کے محتاج ہیں۔ اگر یہ ہماری مخلوق ہوتے تو ہم ان کے محتاج نہ ہوتے۔

دلیل ۱۴۔ یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الرُّوْحِ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ وَمَا اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا ۔ آریہ لوگ جو حدوثِ رُوح و مادہ کے منکر ہیں کسی زمانہ میں سوال کرینگے کہ رُوح کیا چیز ہے۔ آیا حادث ہے یا قدیم ہے۔ جواب

ہیں کہدے کہ یہ میرے رب کی مخلوق ہیں سے ہے۔ لَہُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْجِنُّ وَالْاِنْسُ عَلٰی اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ ھٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِہٖ وَ لَوْ کَانَ بَعْضُھُمْ لِبَعْضٍ ظَھِیْرًا ہ

دلیل اس کا (روح کا) علم ناقص ہے۔ اگر قدیم سے ہوتی تو علم کامل ہوتا۔ جیسے خدا کا علم کامل ہے۔

پس ان دلائل سے حدوث ثابت ہوا۔ آریوں کے اعتراضات بالکل کچے ہوتے ہیں جیسے دہریوں کے ہوتے ہیں۔ دہریہ بھی کہا کرتے ہیں کہ خدا اگر ہے تو بتلاؤ وہ کیا چیز ہے۔ یہی سوال ایک دفعہ ایک کمہار لڑکے نے کیا جسکے جواب میں کہا گیا کہ خدا چیز نہیں کیونکہ چیزوں کو تو وہ پیدا کرتا ہے۔ اسکی ایسی مثال ہے کہ تم سے پوچھا جاوے کہ تمہارا باپ کونسا برتن ہے۔ تو تم کہو گے کہ برتن تو میرا باپ بنایا کرتا ہے۔ وہ برتن نہیں۔ اسی طرح خدا بھی خالق اشیاء ہے۔

دلیل ۱۵۔ ارواح و مادہ صاحب علم و ارادہ نہیں۔ اگر صاحب علم و ارادہ ہیں تو پھر کیوں وہ آپس میں نہیں مل جاتے۔ اور صاحب علم و ارادہ کے بغیر کوئی خلق نہیں ہو سکتی۔ پس روح و مادہ مخلوق ہیں نہ کہ خود بخود۔

دلیل ۱۶۔ اگر روح و مادہ مخلوق نہیں تو پھر اللہ تعالیٰ خالق نہیں بلکہ صرف ایک معمار کی حیثیت رکھتا ہے۔ حالانکہ یہ برخلاف مسلمات آریہ ہے۔

دلیل ۱۷۔ جب روح و مادہ اللہ تعالیٰ کے ماتحت ہیں تو پھر وہ خود بخود کیونکر ہو سکتے ہیں۔ اگر کہو کہ اللہ تعالیٰ کے ماتحت ہونا ان کی فطرتی اور ذاتی صفت ہے، تو پھر ہم کہیں گے کہ پھر وہ کیوں اطاعت الٰہی میں تکلیف محسوس کرتی ہیں۔

دلیل ۱۸۔ رُوحوں کا اللہ تعالیٰ سے ذاتی محبت رکھنا جیسے ان کو ایک بچّہ سے ذاتی محبت ہوتی ہے کیونکہ اس سے نکلا ہُوا ہوتا ہے۔ یہی صاف دلیل ہے کہ یہ اس سے نکلا ہُوا ہے۔ اور وہ صرف مخلوق ہونے کی حالت ہے۔

دلیل ۱۹۔ رُوحوں کی اپنی کمزوری کی وجہ سے ایک عالم اور فیاض ہستی کا محتاج ہونا بھی ان کے مخلوق ہونے پر ایک زبردست دلیل ہے۔

دلیل ۲۰۔ آریہ سماج کا یہ ادّعا کہ چونکہ مادہ "اجزائے لایتجزیٰ" (atoms) کا نام ہے۔ جو ناقابلِ تقسیم و تفریق ہیں۔ اسلیئے مادہ ازلی ہے۔ موجودہ عالمگیر جنگ میں سائنس نے "atom Bomb" (ایٹم بم) کی ایجاد سے باطل ثابت کر دیا ہے۔ کیونکہ وہ atom جسے پہلے "لایتجزیٰ" یعنی ناقابلِ تقسیم خیال کیا جاتا ہے۔ اب تقسیم کے قابل ہی ثابت نہیں ہُوا۔ بلکہ اسے فی الواقع تقسیم کر کے فنا کر دیا گیا ہے۔ پس جب مادہ فانی ثابت ہو گیا تو ابدی بھی نہ رہا اور معلوم ہو گیا کہ خدا تعالیٰ ہی مادہ کا پیدا کرنیوالا ہے۔ فتبارک اللہ احسن الخالقین۔ غادم

نقلی دلائل

ویدوں اور اپنشدوں سے حدوثِ رُوح و مادہ کے اثبات پر

(۱) اے انسانو! میں ایشور سب سے پہلے موجود اور ساری دُنیا کا مالک ہوں میں جگت کی پیدائش کا قدیم باعث ہوں۔ تمام مال و دولت پر غالب اور اس کا بخشنے والا ہوں۔ (رگوید منڈل ۱۰ سوکت ۴۸ منتر منقول از ستیارتھ باب دفعہ ۹ صفحہ ۲۷۵) اس سے معلوم ہُوا کہ سب سے اوّل خدا تعالیٰ تھا۔ اس نے سب کو پیدا کیا۔

وہی سب کی پیدائیش کا قدیم باعث ہے۔

(۲) جسوقت یہ ذرّوں سے مِل کر دُنیا پیدا نہیں ہوئی تھی۔ اُسوقت یعنی کائنات سے پہلے اسَت یعنی شونیا اکاش (فضا) بھی نہیں تھی۔ کیونکہ اُس وقت اس کا کاروبار نہ تھا۔ اس وقت ست (پرکرتی) یعنی کائنات کی غیر محسوس علّت جس کو ست کہتے ہیں وہ بھی نہ تھی اور نہ پرمانو تھے اور وراٹ (کائنات) میں جو اکاش دوسرے درجے پر آتا ہے وہ بھی نہ تھا بلکہ اسوقت صرف پر برہم کی سامرتھ (قدرت) جو نہایت لطیف اور اس تمام کائنات سے برتر و بے علّت ہے موجود تھی"۔ (بھاشش بھومکا اُردو صفحہ ۷۰)

(۳) اس پرش (پرمیشور) نے (پرتھوی) یعنی زمین کے بنانے کیلئے پانی سے رس کو لے کر مٹی کو بنایا۔ اسی طرح آگ کے رس سے پانی کو پیدا کیا اور آگ کو ہوا سے اور ہوا کو اکاش سے اور اکاش کو پرکرتی سے اور پرکرتی کو اپنی قدرت سے پیدا کیا۔ (بھاشش بھومکا اردو صفحے پیدائش عالم کا بیان منتر ۱)۔

(۴) اس پرش (ایشور) کی غایت درجہ قدرت ہی اس دنیا کے بنانے کا مصالحہ و مواد ہے کہ جس سے یہ سب دنیا پیدا ہوئی ہے۔ سو پرمیشور سب کے چاہنے والا ہو کر اس دو قسم کی دُنیا کو مرصع و مسجّع کرتا ہے۔ وہ ایشور اس کا (دُنیا کا بنانے والا) دُنیا میں محیط ہو کر دیکھ رہا ہے۔ (بھاشیہ بھومکا ہندی صفحہ ۱۲۲۔ بحوالہ یجروید ۳۱/۴)۔

(۵) دیوتاؤں کے پہلے یگ میں نیستی سے ہستی پیدا ہوئی (یعنی دیوتاؤں سے پیشتر زمانہ میں نیستی سے ہستی پیدا ہوئی۔ (رگوید منڈل ۱۰)۔

(۶) پرکرتی وغیرہ اعلیٰ ولطیف کائنات اور گھاس مٹی چھوٹے کیڑے مکوڑے وغیرہ ادنیٰ مخلوقات نیز انسان کے جسم سے لیکر اکاش تک متوسط درجہ کی کائنات یہ تینوں قسم کی دنیا پرش (پرمیشور) نے اپنی قدرت سے پیدا کیں۔ (اتھروَن وید کانڈ ۱۰ انوواک ۴ منتر ۸ منقول از بھومکا)۔

(۷) اس کائنات سے پہلے صرف ایک آتما (پرمیشور) ہی تھا اور کوئی دوسری (قابل تمیز) چیز نہ تھی۔ (رگوید آدی بھاشیہ بھومکا صہ ۵۳ منقول از نیاک اُپنشد ادھیائے ۱- کھنڈ ۱- اصلاح وید پر بحث)۔

(۸) اس سے پہلے محیط کل پرمیشور ہی تھا (شت پتھ برہمن کانڈ ۱۱ ادھیائے رگوید صہ ۵۳)

(۹) اس سے پہلے دُنیا کچھ بھی نہ تھی۔ (ایضاً)۔

(۱۰) چونکہ وہ پرمیشور آنّ یا مٹی وغیرہ کل کائنات فانی سے الگ اور جینے مرنے سے مبرّا ہے۔ اسلئے وہ بذاتہٖ غیر مولود اور سب کے پیدا کرنیوالا ہے۔ وہی (خدا) اس کائنات کو اپنی قدرت سے بناتا ہے۔ اسکی کوئی علت نہیں ہے بلکہ سب کی علت اولین علت فاعلی اسی پرمیشور کو جاننا چاہیئے۔ (رگوید بھاش بھومکا صہ ۷۳)۔

(۱۱) "اے عزیزو! پرمیشور اس دُنیا میں پیشتر موجود تھا۔ وہ اپنی ذات سے ایک اور بے عدیل تھا" اس حوالہ سے صاف معلوم ہو گیا کہ سب سے اول صرف پرمیشور ہی اکیلا اور بے عدیل تھا۔ اگر رُوح و مادہ بھی اسکی طرح قدیم ہوتے تو انکا ساتھ ہی ذکر ہوتا۔ (رگوید آدی بھاش بھومکا اُردو صہ ۵۳ مترجم نہال سنگھ)۔

(۱۲) پرلے (قیامت) کے وقت یہ کائنات اسی کی قدرت میں سما جاتی ہے۔
(بھومکا اُردو صہ ۷۳)

(۱۳) اور اسی کی قدرت سے پھر یہ کائنات دوبارہ پیدا ہوتی ہے۔ (ایضاً)

(۱۴) یہ تمام کاروبارِ عالم اور رُوئے زمین تیری قدرت میں اس طرح قائم ہے جیسے ماں کے پیٹ میں بچہ ہوتا ہے۔ (بجھومکا اُردو ص ۱۸۷)

(۱۵) وہی تمام دُنیا کا پیدا کرنے والا۔ قائم رکھنے والا۔ فنا کرنے والا۔

(ستیارتھ ص ۲۰۶ نواں ایڈیشن)۔

(۱۶) مجھ پرمیشور کو ہی ساری دُنیا کا پیدا کرنے والا سمجھو۔ (ستیارتھ پرکاش ص ۲۰۴)

(۱۷) وہ بآسانی تمام بلا امداد غیرے تمام دنیا کو بناتا ہے تو پھر ساختہ ہی اسکو رنج اور مادہ کا محتاج ٹھہرانا دو متضاد باتیں ہیں۔ (ستیارتھ پرکاش ص ۲۰۴)

(۱۸) اس جہان میں جو کچھ ہے اس تمام مخلوق کا بنانے والا ہوں (ستیارتھ ص ۲۰۴)۔

(۱۹) اس (خدا) کے دِل میں خواہش ہوئی کہ اپنے بدن سے اس قسم کی خلقت پیدا کرنی چاہیئے۔ تو اس نے پہلے پانی (رج) کو پیدا کیا۔ پھر اس نے پانی میں بیج ڈالا۔ (منو ادھیائے ص ۱ اشلوک ۸)۔

(۲۰) چونکہ وہ متحرک اور ساکن جہان کو زندہ اور قائم رکھتا ہے اس واسطے وہ تمام قادروں کا قادر ہے۔ (ستیارتھ ص ۱۴)۔

(۲۱) جو چیز ترکیب سے پیدا ہوتی ہے وہ ازلی ابدی کبھی نہیں ہو سکتی اور فعل بھی پیدائش اور فنا سے آزاد نہیں ہے۔ (ستیارتھ ب دفعہ ۲۸ ص ۳۲۹)۔

(۲۲) رُوح میں ترکیب و تفریق ہے۔ (ستیارتھ پرکاش باب ۷ دفعہ ۵۲ صفحہ ۲۵۶ و باب ۷ دفعہ ۶۰ صفحہ ۳۰۳)۔ لہٰذا رُوح حادث ثابت ہوئی۔

رُوح و مادہ - زمانہ و خلا کے غیر حادث ہونے پر تو اعتراضات منطقی و علمی

ہم صرف صانع کو قدیم اور غیر حادث مانتے ہیں مگر آریہ لوگ صانع کے علاوہ رُوح و مادہ زمانہ و مکان یعنی خلا کو بھی قدیم مانتے ہیں - (عقائد آریہ منتو یہ ا اناوی پدارتھ صلہ ۴۶) -

اعتراضات - (۱) کہ سوائے صانع کے دُوسروں کو قدیم ماننے سے صانع کی ضرورت نہیں رہتی - جب یہ مان لیا جائے - کہ علاوہ صانع کے رُوح و مادہ مع اپنے خواص کے قدیم ہے تو انتصال و انفصال بھی منجملہ خواص کے ہے - پس ترکیب کے لئے حاجت صانع کی نہیں -

(۲) جو چیز قدیم ہو - اسکی ذات ہی اسکی علت ہے اور جسکی ذات اسکے وجود کی علت ہو - اس میں کوئی نقص نہیں ہو سکتا - کیونکہ وجود نقص علت حاضرہ کا مستلزم ہے - اور قدیم میں علتِ قاصرہ ناممکن ہے -

(۳) یہ کہ استحقاق صانع کیلئے رُوح و مادہ پر تصرف ثابت نہیں - کیونکہ یہ دونو اپنے وجود اور خواص میں اسکے محتاج نہیں تو یہ ان پر تصرف کیوں کریگا - کیونکہ استحقاق تصرف کا باعث مِلک ہے اور مِلک یا خلق سے یا ورثہ سے یا بیع سے یا ہبہ سے اور یا کسی پر غلبہ پانے سے پیدا ہوتا ہے - خلق کا عدم مفروض ہے اور ورثہ اور بیع اور ہبہ کی شقوق جانب واجب ہیں - خود ساقط ہیں - باقی رہ گیا غلبہ سے مالک بن جانا - سو اس سے لازمی طور پر ماننا پڑیگا کہ خدا اور انسان کا مفہوم ایک ہے جس طرح ایک بادشاہ دوسرے بادشاہ پر چڑھائی کرکے ایک ملک چھین کر اپنی ملکیت میں کرے - اسی طرح خدا بھی کرتا ہے

حالانکہ انسان اسکے صفات میں قطعاً کسی طرح بھی شریک نہیں۔ پس اس طریق سے
کسی چیز کو اپنی ملک میں لانا گویا انسان کے برابر خدا کو ٹھہرانا ہے اور وہ محال ہے
(۴) اگر ایسا ہی مان لیا جائے تو علم ذاتِ باری تعالیٰ ناقص رہیگا۔ اگر خالقِ کل
اسے تسلیم نہ کیا جائے اسلئے کہ کسی چیز کی خلق سے وہ اسی لئے قاصر ہوگا کہ
اسے اس چیز کی خلقی ترکیب معلوم نہیں۔ اور جس چیز کا وہ خالق نہیں۔
اس کے صلاح و فساد سے بھی وہ باہر نہیں ہو سکتا۔ علی الخصوص جبکہ
علم ذات باری کو نظری مانا جائے۔ پھر تو ذات باری کو ہر روح اور ہر
مادہ کی شاگردی کرنی پڑے گی۔
(۵) اگر باعث بعض اشیاء کے عدم خلق کا عدم قدرت ہے، تو قادر مطلق سرب شکتیمان
صانع نہ رہا۔ اسپر یہ سوال کہ وہ اپنی مثل پیدا نہیں کرسکتا صحیح نہیں ہے
اس لئے کہ مخلوق کو خالق کی مثل قرار دینا محال ہے اور صانع کا اپنے آپکو
فنا کرنا۔ علاوہ انہیں اور عیوب میں مبتلا کرنا۔ قدرت نہیں کہلا سکتا۔
بلکہ خلافِ قدرت ہے۔
(۶) روح اور مخلوق کے عدم مخلوق فرض کرنے سے انکو بطش شدید کرنا ظلم
ہے کیونکہ جسکو استحقاق ہے ہی نہیں اسکو استحقاق بطش کیسے حاصل ہوا۔
(۷) سوائے واجب کے اور کوئی قدیم نہیں۔ اور ما سوائے اس کے اس کی
قدرت سے وجود پذیر ہوئے۔ آریوں کی مسلمہ کتب سے ثابت ہے۔
دیکھو حوالہ ”پرکرتی کو اپنی قدرت سے پیدا کیا“ (رگوید بھاشیہ بھومکا
صفحہ ۷۰، طبع سوم) (۲) منو سمرتی ادھیائے ۱ اشلوک ۸۔

(۸) زمانہ اگر مقدار فعل کا نام ہے۔ تب زمانہ فعل کی عرض ہوا۔ اور فعل فاعل کا عرض ہوا۔ پس زمانہ مخلوق ہوا۔ اسی طرح خلا سے مراد اگر وہ محل ہے جس میں کچھ نہیں تو موجود نہیں۔ اور اگر خلا اس محل کا نام ہو جس میں کچھ ہو۔ تو وہ حال کی عرض ہے۔ پس حال کے مخلوق ہونے سے محل مخلوق ہوا۔ اور اگر خلا محض فرض کیا جائے تو وہ وجودی چیز نہیں بلکہ عدمی ہے۔ ہماری کلام وجود میں ہے کہ سوائے واجب کے اور کوئی قدیم نہیں۔ نہ عدم میں۔ کیونکہ عدم اصلی پر موجود کا قدیم ہے۔ الّا الواجب تعالیٰ۔ کیونکہ اس کا کوئی عدم نہیں۔

(۹) قرآن شریف جو آخری الہامی کتاب ہے وہ ماسوائے اللہ مخلوق قرار دیتا ہے۔ جیسے فرمایا۔ (۱) اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ (سورۃ رعد ع) (۲) خَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا (فرقان ۱) (۳) رَبُّنَا الَّذِيْٓ اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى (طٰہٰ ع ۲) (۴) وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا وَمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ (ق ع)

ان آیات میں روح و مادہ وغیرہ سوائے اللہ تمام چیزیں آگئیں۔

تناسخ

تناسخ کے معنی ہیں گناہوں اور نیکیوں کے باعث بار بار جنم لینا۔

(۱) آریوں کی طرف سے اثباتِ تناسخ کی بڑی اور ایک ہی دلیل انسانوں میں اختلاف کا پایا جانا ہے۔ اس پر سوال مندرجہ ذیل پڑتے ہیں:-

(۱) وید سے اس کا ثبوت دو کہ تناسخ کا مسئلہ برحق ہے اور اسکی دلیل اختلاف ہے۔

(۲) یہ دلیل دلیل نہیں ہو سکتی۔ اس لئے کہ اختلاف کو دیکھ کر یہ نتیجہ نہیں نکلتا۔ کہ پہلے جنم کے اعمال ہیں۔ مثلاً رات کو اگر کوئی جاتا ہو۔ تو اس کے متعلق خیال کیا جائے۔ کہ اس وقت دفاتر۔ ڈاکخانجات۔ مدارس اور شفاخانے سب بند ہیں تو یہ شخص اس وقت سوائے چوری کرنے کے اور کہیں نہیں جا رہا۔ تو جیسے یہ بیان باطل ہے۔ کیونکہ ممکن ہے کہ وہ کسی اور ضروری کام کو جا رہا ہو۔ اسی طرح وہ خیال بھی باطل ہے کہ اختلاف دنیا کا باعث پچھلے جنم کے اعمال ہی ہیں۔

(۳) اگر اختلاف کو دلیل مانا جائے۔ تو پھر چاہیئے کہ جہاں دلیل پائی جائے وہاں دعویٰ بھی پایا جائے۔ اور جہاں اختلاف پایا جائے وہاں پچھلے جنم کے اعمال کا اسے نتیجہ مانا جائے۔ مثلاً ہم کہتے ہیں کہ ہم مانتے ہیں کہ خدا میں تین صفتیں پائی جاتی ہیں۔ (ست۔ چت۔ انند) اور رُوح میں (ست۔ چت) اور مادہ میں (ست) ہے۔ کیا ان کا اختلاف بھی پچھلے جنم کے اعمال کی وجہ ہے۔ کیا وجہ ہے کہ خدا ہمیشہ حاکم اور روح ہمیشہ محکوم رہتی ہے۔

دُوسری مثال پھر دیکھو۔ فلکی اجرام میں کوئی سُورج۔ کوئی ستارہ۔ کوئی چاند۔ کوئی سّیارہ۔ کیا ان کا اختلاف بھی وہی وجہ رکھتا ہے۔ یا کوئی اور۔

تیسری مثال بعض بعض ایسی زمینیں ہیں کہ ان سے ہیرا اور لعل نکلتا ہے اور کسی سے سنگ خارا اور بعض سے کچھ بھی نہیں۔ کیا اس اختلاف کا باعث بھی وہی ہے۔

(۴) جونوں کی نوع میں جو اختلاف پایا جاتا ہے۔ مثلاً پھلدار درختوں۔ آم کھٹے اور میٹھے کے آم وغیرہ۔ پھر عرب کے گھوڑے اور ہندوستان کی گھوڑیاں کشمیر کے سیب۔ یوپی کے آم وغیرہ کیا مختلف شہروں کے آموں وغیرہ میں مختلف

ذائقہ اور خوبی اسی تناسخ کی وجہ سے ہے یا کسی اور وجہ سے۔ پھر پتھروں کی مختلف قسمیں بعض بہت قیمتی اور بعض بالکل ردّی پتھروں میں جو نہیں جاتی ہیں۔ (ستیارتھ پرکاش باب ۹)

(۵) آریہ کہتے ہیں۔ کہ مکتی خانہ میں سنسکرت بولی جاتی ہے۔ بلکہ وید کنٹھ ہوتے ہیں۔ مگر جب دنیا میں آتے ہیں تو وہ بھول جاتے ہیں۔ سوال اس پر یہ ہے کہ اگر وہاں ایسے ازبر ہوتے ہیں تو کیا وجہ ہے کہ یہاں آکر بالکل بھول جاتے اور ایسی عقل پر پتھر پڑ جاتے ہیں کہ کوئی حرف بھی یاد نہیں رہتا۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ بات ہی غلط ہے۔

(۶) علم طب رائیگاں جاتا ہے کیونکہ اگر تمام امراض وغیرہ خدا کی طرف سے ہیں اور لولا۔ لنگڑا۔ اندھا۔ کانا ہونا کسی پچھلے جنم کے اعمال کے نتیجہ میں ہے تو ہم ان کا علاج نہیں کر سکتے۔ اگر علاج کریں تو اس میں خدا کا مقابلہ ہوگا۔ کیونکہ خدا تو انہیں سزا دینا چاہتا ہے مگر ہم اس سزا کو دور کرنا چاہتے ہیں۔

(۷) آریہ لوگ تناسخ کے مسئلہ کے اس لئے قائل ہیں کہ اگر وہ اسے نہ مانیں تو وہ جانتے ہیں کہ ہمارا خدا ارواح کو پیدا تو کر سکتا نہیں پس جب وہاں محدود اور پرمیشور پیدا کرنے سے عاجز ہے۔ پھر اگر وہ مکتی یافتہ لوگوں کو بار بار جونوں کے چکر میں نہ ڈالے تو دنیا کیونکر چلے۔ اس طرح تو آہستہ آہستہ تمام ارواح اسکے ہاتھ سے چلے جائینگے اور وہ خالی ہاتھ ہو بیٹھیگا۔ (ستیارتھ پرکاش ب ۹ دفعہ ۲۳ و ۲۴ صفحہ ۲۵۸)۔

(۸) مکتی خانہ سے کروڑ ہا سال کے بعد نکالا جاتا ہے۔ اگر یہ مسئلہ سچا ہوتا تو ہم کہتے ہیں کہ زمین بڑی ہونی چاہیئے تھی۔ ورنہ اتنے عرصہ کے لوگ اس پر آ ہی نہیں سکتے۔

(۹) دنیا کا کارخانہ جو انواع و اقسام کا بڑے تناسب سے قائم ہے۔ اگر اسے کرموں کا نتیجہ خیال کیا جائے اور تناسخ کو برحق خیال کیا جائے تو پھر یہ بھی ماننا پڑتا ہے کہ ممکن ہے کہ کسی وقت میں تمام مرد عورتیں ہو جائیں یا تمام عورتیں مرد ہو جائیں۔ مگر ایسا ہوتا نہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تناسخ باطل ہے۔

(۱۰) اگر تناسخ برحق ہے تو آریوں کا یہ دعویٰ کہ پرمیشور بڑا دیالو کرپالو ہے باطل ہے کیونکہ انسان کو جو کچھ مل رہا ہے وہ اس کے پہلے کرموں کا نتیجہ ہے خدا اسے کچھ دے نہیں سکتا۔ مگر وہی جو اُس نے پچھلے اعمال کئے۔ اور اس کا بدلہ۔ اگر وہ کرم نہ کرتے تو وہ کچھ بھی نہ دیتا۔ پس پرمیشور کا ان پر کوئی احسان نہیں۔ اور نہ ہی وہ دیالو دیا کرپالو ہے۔ بلکہ مجبور ہے۔

(۱۱) تناسخ کے ماننے سے دنیا سے پیار محبت اور اخلاقِ فاضلہ اُڑ جاتے ہیں۔ کیونکہ جو کسی کے ساتھ احسان کریگا وہ یہی سمجھیگا کہ مجھے اپنے کرموں کے نتیجہ میں مل رہا ہے۔ دُوسرا چاہے اپنی جان و مال۔ عزت بھی کیوں نہ قربان کر دے۔

(۱۲) تناسخ کے ماننے سے لازم آئیگا کہ پرمیشور بہت ہی کمزور اور چھوٹی موٹی حکومت کے قابل بھی نہیں۔ کسی ادنیٰ سے ادنیٰ داروغہ جیل خانہ میں سے کسی کو یہ ہمت نہیں ہوتی کہ اس کے قیدی کوئی بلا تحاشہ آزاد کرتا چلا جائے۔ اور وہ داروغہ جیل چوں تک بھی نہ کرے۔ مگر برعکس اس کے روزمرہ دیکھتے ہیں کہ لاکھوں اور کروڑوں قیدی چھریوں اور بندوقوں کے ذریعہ مسلمان عیسائی اور ہنود آزاد کرتے جاتے ہیں اور کوئی انکو روکتا تک نہیں پس ایک رُوح ذبح کرنیوالے لوگ اور بھیڑیئے۔ شیر اور چیتے وغیرہ تمام ان جانوروں پر جن کو وہ کھاتے ہیں۔

اور ان کی رُوحوں کو آزاد کرتے ہیں۔ اُن پر احسان کرتے ہیں۔ اور مسلمان تو
بہت ہی احسان کرتے ہیں۔

(۱۳) منوسمرتی ادھیائے ۱۲ شلوک ۵۵ میں لکھا ہے کہ برہمن کو قتل کرنے کے
نتیجہ میں سُور۔ کُتّا۔ گائے۔ بکرا۔ اُونٹ۔ بھیڑیا وغیرہ جُونوں میں قاتل کو جانا پڑتا
ہے۔ اسپر سوال یہ ہے کہ کیا وجہ ہے کہ برہمن کو قتل کرکے ایک تو سوُر بن جائے
دُوسرا کُتّا اور تیسرا بھیڑیا وغیرہ۔ اس کی تین صورتیں ہو سکتی ہیں۔ صورت
اوّل یہ ہے کہ اختلاف جون اسلئے ہے کہ نوعیّت قتل میں فرق ہے۔ اگر برہمن کو ننگا
کرکے مارا جائے تو سُور۔ اور اگر کپڑے سمیت مارا جائے تو بکرا۔ اور اگر جُوتے سے مارا
جائے تو گائے۔ اور اگر اُلٹا کرکے یا درخت پر لٹکا کر مارا جائے تو بھیڑیا اور
اُونٹ۔ دُوسری صورت یہ ہے کہ برہمنوں میں فرق ہے۔ اگر تو کسی برہمن بچہ
کو مارا جائے تو فلاں جُون۔ اور اگر جوان برہمن کو مارا جائے تو فلاں جُون۔ اور
اگر بُوڑھے کو مارا جائے تو فلاں جُون۔ تو یا یہ اختلاف نوعیّت قتل کی وجہ سے
ہوگا یا نوعیّت مقتول کی وجہ سے ہوگا۔ تیسری صورت یہ ہے کہ نوعیّتِ قتل
میں فرق ہے۔ قتل کرنے والا بچہ۔ جوان یا بوڑھا ہو یا نوعیّت مقتول میں کہ
عورت کو مارے یا مرد کو۔ غرضیکہ اس اختلاف کی وجہ بتائیں۔ کیا ہے۔
(نیز ستیارتھ ۹ دفعہ ۴۷ ص ۳۷۶)

(۱۴) ہم کہتے ہیں کہ جب ایشور نے ایک انسان کو اس کے اعمال کی وجہ سے
سُور بنایا۔ تو سُور کے لئے ضروری ہے کہ وہ گوشت کھائے تو معلوم ہوا کہ
تناسخ کے ماننے سے گوشت خوری اور جیو ہتیا ماننی پڑتی ہے۔

(۱۵) اگر مختلف جُونوں میں جانا بطور سزا و جزا ہے اور سزا اصلاح کے لئے دی جاتی ہے۔ تو پھر سزا و جزا یافتہ رُوح کو علم ہو جانا چاہیئے کہ مجھ کو فلاں عمل کی وجہ سے سزا جزا مل رہی ہے تاکہ وہ آئندہ کو اس گناہ سے بچے۔ ورنہ یہ اندھیر نگری والا حال ہو گا۔ کیا کوئی آریہ بتا سکتا ہے کہ وہ اندھا یا کانا یا لنگڑا کس جرم کی وجہ سے بنایا گیا ہے۔ یا اس کی والدہ یا بیوی کس عمل کی سزا میں عورت بنائی گئی ہے۔ ہرگز نہیں۔

(۱۶) مَیں خود ہی (خدا) یہ کہتا ہوں۔ جو دیوتاؤں اور انسانوں کا پیارا ہوں کہ مَیں جس کے لئے چاہتا ہوں۔ اُس کو بُرا بناتا ہوں جس کو چاہتا ہوں اسے برہما بناتا ہوں جس کو چاہتا ہوں۔ رشی بناتا ہوں اور جس کیلئے چاہتا ہوں اسے عقلمند بناتا ہوں۔ (رگ وید) اس حوالے سے تناسخ باطل ہو گیا کیونکہ پرمیشور کے اختیار میں ہو گیا۔ اعمال کی ضرورت نہ رہی۔

(۱۷) جب اختلاف دنیا کی وجہ یہ نہیں تو اور کیا ہے۔ جواب۔ قرآن شریف فرماتا ہے:۔ وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ لَبَغَوْا فِي الْاَرْضِ یعنی ہم نے اختلاف دُنیا کا اس لئے رکھا ہے تاکہ انتظام میں خلل واقع نہ ہو۔ اگر تمام ایک جیسے ہوں۔ تو کبھی کا یہ سلسلہ درہم برہم ہو جاتا۔

(۱۸) اگر دُنیا کا تمام سلسلہ گناہوں کے سلسلہ پر چل رہا ہے تو پھر پرمیشور سرب شکتیمان کہاں رہا۔ سب کچھ ہمارے گناہوں کی طفیل ہو رہا ہے پرمیشور کی کیا ضرورت ہے

(۱۹) ایشور۔ رُوح۔ مادہ تین کیوں ہیں؟ اس اختلاف کی وجہ کیا ہے؟

(۲۰) اگر پرمیشور کے عطیات پچھلے اعمال کے بدلے پر ہی موقوف ہیں۔ تو پھر

دیانند جی کا (ستیارتھ پرکاش ص۱۱۶ ب ۴ ۔ دفعہ ۴۳) میں بینظیر اولاد حاصل کرنے کیلئے یہ طریق جماع لکھنا کہ جب بیرج (منی) کے گرنے کا وقت ہو اسوقت مرد عورت بے حرکت ناک کے سامنے ناک آنکھ کے سامنے آنکھ یعنی سیدھا جسم رکھیں۔ اور نہایت خوش دل رہیں۔ ہلیں نہیں۔ مرد اپنے جسم کو ڈھیلا چھوڑے اور عورت بیرج حاصل کرنے کے وقت اپان وایو کو اُوپر کھینچے۔ جائے مخصوص کو اُوپر سکوڑ کر دیرتک کو اُوپر کشش کرکے۔ رحم میں ٹھہرائے ۔ وغیرہ وغیرہ۔ اس قدر طول طویل آسن لکھنا فضول ٹھہرتا ہے۔ کیونکہ پچھلے اعمال کی بدولت جو کچھ ملنا ہے وہ بہرحال ملنا ہے۔ یہ مفت کی کوشش اور محنت کرنے سے کیا حاصل ؟

(۲۱) بعض گناہ بتائے گئے ہیں جن سے خاص خاص جونوں میں انسان پڑتا ہے کاش سب گناہ بتادیئے جاتے کہ فلاں گناہ سے فلاں فلاں جون میں ڈالا جاتا ہے تو ہمیں بہت آسانی ہوتی۔ تاکہ ہمیں جس چیز کی ضرورت ہوتی۔ وہی چیز تیار کروائی جاتی۔ دیکھو بعض جونوں کے گناہ منوسمرتی ادھیائے ۱۲ تا آخر۔

(۲۲) اگر تناسخ کو درست مانا جائے تو خدا تعالےٰ کی قدرتوں کا انکار کرنا پڑتا ہے۔ اس طرح پھر ماننا پڑیگا کہ خدا اور ارواح کو پیدا نہیں کرسکتا اور نہ ہی کچھ گناہ معاف کرتا ہے۔ حالانکہ ایک شریف انسان کئی دفعہ قصور معاف کردیتا ہے۔ گویا دریں صورت خدا کو ایک بھیانک اور کینہ ور ماننا پڑے گا۔

(۲۳) اگر تناسخ درست ہے تو پھر ماننا پڑیگا کہ انسان جو نیک کام کرتا ہے ان کا بدلہ نہیں مل سکتا کیونکہ مثلاً اس نے ہزار نیکیاں کیں اور ایک بدی کی۔ اور پھر اس بدی کے عوض میں مثلاً کتے کی جون میں گیا۔ تو پھر وہ درجہ بدرجہ گنہگار

ہوتا جائیگا۔ اور آخر کار نجات کا منہ نہ دیکھ سکے گا۔

(۲۴) ہمیں بتلایا جاتے کہ مدارِ زندگی کیا ہیں۔ پس ظاہر ہے کہ وہ ہوا۔ پانی آگ۔ کھانا وغیرہ ہیں اور ان کا انسانی پیدائش سے پہلے پیدا ہونا ضروری ہے۔ اور اگر کہو کہ پہلے پیدا ہوگئی تھیں تو پھر بتاؤ کہ وہ کن اعمال کے بدلے میں تھیں

(۲۵) انسان کے رہنے کے لئے جو زمین ہے۔ وہ بھی اس کی پیدائش سے پہلے ہوگی۔ تو پھر وہ کس عمل کے بدلے مانی جائے گی؟

(۲۶) اللہ تعالیٰ نے جب روح و مادہ کو مرکب کر کے مخلوق پیدا کی تو کیا اس وقت انسان بنایا گیا تھا یا کچھ اور؟ اگر انسان بنایا گیا تھا تو وہ کس عمل کے بدلے میں؟ اگر کوئی اور مخلوق بنایا گیا تھا تو پھر اس کا انسان بننا ایک موہوم بات ہے۔ کیونکہ ان میں اعلیٰ کی طرف ترقی کا مادہ نہیں۔

(۲۷) تناسخ کو مان کر قبول کرنا پڑیگا کہ میوہ جات وغیرہ سب گناہوں کے بدلہ میں ہیں تو پھر انکے کھانے کے متعلق آریہ صاحبان کو خود غور کرنی چاہیئے اور نیز اگر کبھی ہند میں کوئی ایسا رشی آجائے یا تمام ہند۔ وہی ہند و ہوں تو کیا پھر میوے نہیں پائے جائیں گے۔ یا نہ پائے گئے تھے۔

(۲۸) اگر تناسخ کو صحیح مانا جائے تو گویا ماننا پڑیگا کہ اللہ تعالیٰ پلیدی اور خباثت کو پسند کرتا ہے (نعوذ باللہ) کیونکہ تناسخ کی رو سے ممکن ہے کہ ایک آدمی اسی سے شادی کرلے جو پچھلی جون میں اس کی والدہ رہ چکی ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

آریہ جواب دیتے ہیں کہ رشتہ جسم سے ہوتا ہے۔ جون بدلنے سے جسم نہیں رہتا۔ اسپر اعتراض یہ پڑتا ہے کہ سات سال کے بعد ہماں جسم بدل

جاتا ہے کیا رشتے سات سال کے بعد نہیں رہتے۔ پھر اگر آریہ جواب دیں کہ نکاح کر لینگے۔ تو اسپر بڑا اعتراض پڑتا ہے۔ نکاح تو کر لیا ماں کو ماں کیسے بنائینگے۔

(۲۹) اگر تناسخ کو درست مانا جائے تو پھر انسان سوشل تعلقات قائم نہیں کر سکتا۔ کیونکہ امکان میں ہے کہ جو ایک گھوڑا تھا۔ وہ اُس کا باپ ہو۔ اور جو اس کی گائے ہو۔ وہ پہلی جون میں اس کی والدہ ہو۔ اور کسی صورت میں نہ اس کو مار وغیرہ سکتا ہے۔ نہ اس پر سواری کر سکتا ہے۔

(۳۰) تناسخ کو ماننے سے اللہ تعالیٰ سے ہرگز ہرگز محبت نہیں ہو سکتی کیونکہ انسان کو یقین ہو گا کہ وہ مجھ پر تو کچھ احسان نہیں کریگا۔

(۳۱) اگر تناسخ مانا جائے تو پھر ایک دفعہ نکاح کرنے کے بعد توبہ کا موقع نہ ملیگا۔ اور وہ گناہ میں زیادہ بڑھتا جائیگا۔ کیونکہ جب انسان مایوس ہو جاوے۔ تو پھر گناہ میں ترقی کرتا ہے۔

(۳۲) پھر دُعا کرنا فضول ہو گا۔ حالانکہ یہ خلاف واقعہ ہے۔

(۳۳) ایک ہی گناہ سے گھوڑا پیدا ہوتا ہے تو پھر چاہیئے تھا کہ تمام گھوڑے ایک قسم اور ایک قدوقامت کے ہوں۔ حالانکہ عربی گھوڑے اور پنجابی گھوڑے میں فرق بین ہے۔ پس بتایا جاوے کہ یہ اختلاف کن اعمال کا نتیجہ ہیں۔ اگر یہ اعمال کا نتیجہ نہیں تو پھر انسان کا اختلاف کیونکر اعمال کا نتیجہ ہو گیا۔ اسی طرح دیگر حیوانات کے متعلق قیاس کر لو۔

(۳۴) طبقہ نباتات میں بھی باوجود ایک گناہ کے اختلاف ہے جیسے کابلی چنے اور پنجابی چنے۔ اور بھی دیگر نباتات میں اسی طرح ہے۔ اگر یہ اختلاف کسی عمل کا نتیجہ

نہیں۔ اور فی الواقعہ بھی نہیں۔ کیونکہ چنا وغیرہ بننا مطلقاً ایک گناہ سے ہوتا ہے تو پھر انسان کا اختلاف کیونکر اعمال کا نتیجہ ہو سکتا ہے۔ پس ایشور اور رُوح اور حیوانات۔ نباتات کا اختلاف جب کسی عمل کا نتیجہ نہیں تو کیونکر تسلیم کر لیا جاوے کہ انسان کا اختلاف اس کے اعمال کا نتیجہ ہے۔

(۳۵) مندرجہ ذیل اشیاء مدارِ زندگی ہیں:-

(۱) ہوا۔ (۲) پانی۔ (۳) سورج۔ (۴) زمین۔ (۵) کھانا۔

اب ہر ایک چیز کا پیدائش سے پہلے ہونا ضروری ہے۔ کیونکہ دریں صورت زندگی محال ہے۔ جب باقی اشیاء جو مدارِ زندگی ہیں۔ بغیر اعمال کے ہیں۔ تو پھر کھانا بھی بغیر عمل کے ہُوا۔ اور جب زندگی نہ ہوگی تو کھانا کیسے پیدا ہو سکتا ہے۔ جبکہ اس سے کوئی عمل نہیں کیا! اور پھر جب تک عمل کرتا ہوگا تو کیا کھاتا ہوگا۔

(۳۶) اگر کسی وقت سارے لوگ نیک ہو جائیں اور بدعملیاں ترک کر دیں۔ تو پھر کیا آرام ہو سکتا ہے۔ کیونکہ سب آسائش کے اسباب تو بدعملیوں سے پیدا ہوتے ہیں۔ اور جب بدعملیاں نہ ہوں۔ تو آرام مشکل ہے۔ معلوم ہُوا کہ مدعا(ن) تناسخ یہ نہیں چاہتے کہ تمام دُنیا نیک ہو جائے۔

لطیفہ:- پھر ہم گھوڑے وغیرہ کی جگہ زیادہ آرام کی سواری مثلاً موٹر وغیرہ بنا لیں گے۔

احمدی:- گھوڑے کی جگہ تو موٹر بنالی لیکن عورت کی جگہ کیا بنا لینگے۔

(۳۷) اگر چکر اواگون سزا ہے۔ تو کیوں جُرم نہیں بتایا جاتا۔ تاکہ اس

سے بچ سکیں۔

(۳۸) اگر چکر سزا ہے تو پھر جب گدھا اس کو محسوس نہ کرے۔ یا ہم تم محسوس نہ کریں۔ تو پھر یہ سزا کیسی ہوئی؟

(۳۹) جب پرمیشور نے مثلاً کسی کو بکری کے قالب میں جانے کی تکلیف دی۔ تو پھر ہم اس بکری کو ذبح کر کے اس سزا سے نکال سکتے ہیں۔ تو یہ پرمیشور نے سزا کیسی دی۔ دوسرے پھر گوشت خوری تو اجر اور ثواب کا موجب ہو گی کیونکہ ہم تو اس کو اس کی سزا سے نکالتے ہیں۔

(۴۰) انسانی زندگی کا انحصار دو چیزوں پر ہے۔ نباتات وحیوانات۔ اور ظاہر ہے کہ یہ دونوں چیزیں جونوں کے چکر کے نتیجہ ہی میں ملتی ہیں۔ اگر نباتات وحیوانات نہ ہوتے تو دنیا کا سلسلہ ہی ختم ہو جاتا۔

صداقت حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام از روئے ویدک دھرم

(از جناب جہاںشہ محمد عمر صاحب مولوی فاضل)

(۱) ایشوری گیان حاصل کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ اس کی زندگی پاک اور پوتر ہو۔ چنانچہ آریہ سماج کے بانی مہرشی دیانند سرسوتی جی نے ستیارتھ میں لکھا ہے کہ چاروں رشیوں پر ہی کیوں وید کا گیان ہوا؟

جواب:"وہی تمام لوگوں سے اعمال واخلاق کے لحاظ سے پاک اور پوتر تھے اس لئے پرماتما نے ان کو ویدوں کا گیان دیا"

پس جو کوئی دعویٰ الہام کرے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ اسکی

آتما پوتر اور اس کا جیون پاک و صاف ہونا چاہیئے۔

حضرت مرزا صاحب۔ "وہ کون تم میں ہے۔ جو میری سوانح زندگی میں کوئی نکتہ چینی کر سکتا ہے۔" (تذکرۃ الشہادتین ص۶۲)

دوسرا معیار۔ جو پربھو کے بھگت اور اس کی سیوا میں لگے رہتے ہیں۔ ان کا مقابلہ دشمن نہیں کر سکتے۔ (رگوید ۵/۴۸)

لیکھرام کا آپ کے ساتھ مقابلہ کرنا اور مباہلہ میں مارا جانا۔ گنگا بشن نامی ایک آریہ کا ہلاک ہونا۔ جو پہلے آپ کے مقابلہ پر آیا۔ لیکن پھر ڈر کر کہیں بھاگ گیا۔ لیکن خدا نے پھر بھی اس کو نہ چھوڑا۔

تیسرا معیار۔ پربھو جس کا رکھشک (مددگار) ہوتا ہے۔ وہ مضبوط ہوتا ہے۔ اور بل کو پراپت ہوتا ہے۔ (رگوید ۳۲/۱۶، ۷)۔

یعنی خدا تعالیٰ جس کی حفاظت کرتا ہے۔ اس کو کوئی مٹا نہیں سکتا۔ وہ دنیا میں باوجود مخالفین کے زیادہ ہونے کے دنیا میں ترقی کرتا جاتا ہے چنانچہ حضرت اقدس کے خلاف لوگوں نے کئی منصوبے کئے۔ تاکہ آپ کو قتل کر دیں۔ لیکن خدا نے اس اصول کے مطابق آپ کی حفاظت کی۔ اور آپ کو ان لوگوں کے منصوبوں سے بچا لیا۔ چنانچہ لیکھرام کے قتل پر آریوں اور ہندوؤں نے بزور کوشش کی۔ کہ آپ کو نقصان پہنچے۔ اور آپ کے قتل کے منصوبے سوچے گئے۔ لیکن خدا نے ان میں دشمنوں کو ناکام رکھا۔ جیسا کہ آپ نے سراج منیر صفحہ ۲۱ پر مفصل لکھا ہے۔

چوتھا معیار۔ سانپ۔ بفتری۔ ڈبشٹ۔ دوسرے آدمیوں کا مال چرانے

والے کبھی دُنیا میں کامیاب نہیں ہوتے۔
اِس میں بتایا گیا ہے کہ مفتری اور ڈشٹ کبھی دُنیا میں کامیاب نہیں ہوتے۔ بلکہ وہ تباہ و برباد ہو جاتے ہیں۔ اور ان کا نام و نشان مٹ جاتا ہے۔ اگر حضرت مرزا صاحب نعوذ باللہ اپنے دعوے میں سچے نہ ہوتے۔ تو یقیناً آپ کبھی کامیاب نہ ہوتے۔

پانچواں معیار۔ دھرم ایو ہتو ہنتی دھرمو رکھشتی رکھشتا۔ منو دھرم ادھرمی کو مار دیتا ہے۔ اور دھرمی کی رکھشا کرتا ہے۔ یعنی جو آدمی دھرم پر ہوتا ہے۔ وہ تباہ و برباد نہیں کیا جاتا۔ بلکہ اس کی حفاظت کی جاتی ہے۔ جیسا کہ حضرت اقدس مرزا صاحب اگر دھرم پہ قائم نہ ہوتے۔ تو اس اصول کے مطابق یقیناً مٹا دئے جاتے اور ادھرم ان کا سارا کام تباہ کر دیتا۔ لیکن انہوں نے ترقی کی۔ بخلاف لیکھرام کے کہ وہ چونکہ دھرم پر قائم نہ تھا۔ اس لئے ادھرم نے اس کو ناکام کر کے مٹا دیا اور اس کی مدد نہ کی۔

چھٹا معیار۔ آپ کی پیشین گوئیوں کا پورا ہونا۔ لیکھرام کے قتل کی پیشین گوئی۔ دیانند کی پیشین گوئی۔ آریہ سماج کے موت کی پیشین گوئی۔ دلیپ سنگھ کی پیشین گوئی۔ تقسیم بنگال۔ آریہ سماج کی موت کے متعلق اخبارات میں بہت سے مضامین نکلتے ہیں۔ وہاں دیکھ لیں ؛

سناتن دھرم

حضرت کرشن علیہ السلام کی آمد کی نشانیاں

(۱) سری کرشن جی خود فرماتے ہیں کہ :-

"ہے بھارت! جب دھرم کی نیستی اور ادھرم کا دور دورہ ہو جاتا ہے۔ تب میں اوتار لیتا ہوں"

(۲) پھر فرماتے ہیں :-

کہ نیک لوگوں کی حفاظت اور بدوں کو نیست و نابود کرنے اور صراطِ مستقیم یعنی دین خدا کو قائم کرنے کیلئے ہر ایک یُگ پر میرا اوتار ہوتا ہے۔ (گیتا ادھیائے ۴ شلوک ۷، ۸)

(۳) شری ویاس جی پہلی نشانی مہابھارت کے مصنف مقدس رشی بیان فرماتے ہیں کہ کلجگ کے دورے میں اندھا دھند ادھرمی (بے دینی) کی عملداری رہتی ہے۔ جھوٹ فریب۔ ہنسا (ایذا رسانی) غصہ۔ لالچ وغیرہ کا دور دورہ ہوتا ہے انسان کو خراب افعال سے رغبت اور نیک اعمال سے نفرت ہو جاتی ہے۔ جب تپ (عبادت و ریاضت) پوجا پاٹ برت ہون ایسے ایسے تمام نیک کام برہمن تک چھوڑ بیٹھتے ہیں اور دوسروں کا کیا ذکر۔ خوردنی اور ناخوردنی چیزوں کا امتیاز نہیں رہتا۔ جھوٹ بہتان کو واہیات

سمجھتے ہیں۔ کھشتریوں کو رعیت پروری سے تنفر ہوتا ہے۔ جرأت اور بہادری کھو بیٹھتے ہیں۔ سنتوں کی خدمتگذاری سے کچھ کام نہیں رہتا۔ دولت ہی کی فکر میں اندیشے رہتے ہیں۔ غلہ بے مزہ پھل بے ذائقہ ہوجاتے ہیں۔ کم عمر صاحبِ اولاد ہو جاتی ہیں۔ آٹھ برس کی عمر میں حمل ٹھہر جاتا ہے۔ درختوں کی بارآوری کم ہوجاتی ہے گابوں کا دودھ گھٹ جاتا ہے۔ اوقاتِ مناسب پر پانی نہیں برستا امساک باراں سے قحط عالمگیر ہوتے ہیں۔ ناخن اور بال بڑھا کر لوگ مہاتما بنجاتے ہیں۔ برہمچاری مال خوب مارتے ہیں ... عورتوں کا چلن بگڑجاتا ہے۔ خاوندوں کے ہوتے ہوئے نوکروں سے متعلقت ہوتی ہیں۔ مرد جیسا بیوی سے محبت نہیں کرتے زنان بازاری کو گلے کا ہار بناتے ہیں۔ شراب خانے آباد رہتے ہیں۔ عبادت خانے سنسان۔ جہاں پہلے دھرم تھے۔ وہاں بدفعلیوں کی گرم بازاری رہتی ہے۔ (مہابھارت بن پرب صفحہ ۶۸۹ و ۶۸۶ و ۶۸۷)

(۴) جسوقت کلجگ آگیا سمجھ لیجئے کہ دنیا کی ہوا پلٹ گئی۔ وہ وہ پاپ۔ وہ وہ گناہ ہونگے کہ زمین کانپ اٹھیگی۔ لڑکے والدین کو بیوقوف سمجھینگے۔ رضاجوئی۔ فرمانبرداری کیسی؟ عورتیں لڑائی جھگڑے بکھیڑے سے خاوندوں کے ناک میں دم لا دینگی۔ جب اس طرح سے دھرم کا پیمانہ چھلکنے کو ہوگا۔ تو بھگوان جی کو تکلیف کرنی پڑیگی کلنکی اوتار میں جلوہ دکھلائینگے پاپ کی ناؤ ڈوبے گی۔ دھرم کی بیل ہری بھری ہوگی۔ (مہابھارت بن پرب صفحہ ۶۸۹)

(۵) مہاکلنکی کی طاقتیں غیبی ہونگی۔ طاقت میں بےنظیر عقلمندی میں یکتا ہے وہ ذو نگار یوں تو نہ کوئی ہتھیار پاس ہوگا (لڑائی کا اوزار) مگر ایک اشارے میں سب کچھ موجود ہو جائیگا ذات متبارک دھرم کو از سرِ نو زندہ کریگی۔ بدکردار راجے لقمۂ تیغ اجل ہوجائیں گے۔ دھرم کی خلاف ورزی عذاب میں سمجھی جائیگی۔ (صفحہ ۶۹۰ و ۶۹۰)

عیسائیت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت بائبل کی پیشینگوئیاں

(۱) استثناء ب ۱۸ - آیت ۱۵ -

"خداوند تیرا خدا تیرے لئے تیرے ہی درمیان سے تیرے ہی بھائیوں میں سے میری مانند ایک نبی برپا کریگا تم اسکی طرف کان دھریو۔"

(۲) استثناء ب ۱۸ - آیت ۱۷ تا ۱۹ -

"اور خداوند نے مجھے کہا کہ انہوں نے جو کچھ کہا سو اچھا کہا میں ان کیلئے ان کے بھائیوں میں سے تجھ سا ایک نبی برپا کرونگا۔ اور اپنا کلام اُس کے منہ میں ڈالونگا۔ اور جو کچھ میں اُس سے فرماؤنگا۔ وہ سب ان سے کہیگا اور ایسا ہوگا کہ جو کوئی میری باتوں کو جنہیں وہ میرا نام لیکر کہیگا۔ نہ سنیگا تو میں اس کا اس سے حساب لونگا۔"

(۳) استثناء ب ۳۳ - آیت ۱ و ۲ -

"اور یہ وہ برکت ہے جو موسیٰ مرد خدا نے اپنے مرنے سے آگے بنی اسرائیل کو بخشی۔ اور اس نے کہا کہ خداوند سینا سے آیا شعیر سے اُن پر طلوع ہوا۔ فاران ہی کے پہاڑ سے وہ جلوہ گر ہوا۔ دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ آیا اور اس کے دہنے ہاتھ میں ایک آتشین شریعت اُن کے لئے تھی۔"

(۴) زبور ۳۵ - آیت ۱ تا ۲۸ -

"اے خداوند اُن سے جو مجھ سے جھگڑتے .... اور میری زبان تیری صداقت، اور تیری ستائیش کی بات، تمام دِن کہتی رہے گی ۔"

(۵) یسعیاہ ب ۴۲ - آیت ۹ تا ۲۵ -

"دیکھو سابق پیشینگوئیاں بر آئیں اور میں نئی باتیں بتاتا ہوں ۔ اس سے پیشتر کہ واقع ہوں ۔ میں تم سے بیان کرتا ہوں ۔ خداوند کیلئے ایک نیا گیت گاؤ ۔ اے تم جو سمندر پر گذرتے ہو ۔ اور تم جو اس میں بستے ہو ۔ اے بحری ملکو اور ان کے باشندو ۔ تم زمین پر سر تا سر اسی کی ستائیش کرو ۔ بیابان اور اسکی بستیاں قیدار کے آباد دیہات اپنی آواز بلند کرینگے ۔ سلع کے بسنے والے ایک گیت گائیں گے ۔ پہاڑوں کی چوٹیوں پر سے للکارینگے ۔ وہ خداوند کا جلال ظاہر کرینگے . . . کیونکہ انہوں نے نہ چاہا کہ اسکی راہوں پر چلیں اور وہ اس کی شریعت کے شنوا نہیں ہوئے ۔ اس لئے اس نے اپنے قہر کا شعلہ اور جنگ کا غضب اُس پر ڈالا ۔"

(۶) غزل الغزلات ب ۵ - آیت ۱۰ تا ۱۶ -

"میرا محبوب سُرخ و سفید ہے ۔ دس ہزار آدمیوں کے درمیان وہ جھنڈے کی مانند کھڑا ہوتا ہے ۔ اس کا سر ایسا ہے جیسا چوکھا سونا ۔ اسکی زلفیں پیچ در پیچ ہیں اور کوے کی مانند کالی ہیں ۔ اُس کی آنکھیں اُن کبوتروں کی مانند ہیں جو لب دریا دودھ میں نہا کر تمکنات سے بیٹھتے ہیں ۔ اُسکے رُخسار ے پھولوں کے چمن اور بلسان کی اُبھری ہوئی کیاری کی مانند ہیں ۔ اُسکے لب سوسن ہیں ۔

جن سے بہتا ہوا مر ٹپکتا ہے۔ اس کے ہاتھ ایسے ہیں جیسے سونے کی کڑیاں جن میں ترسیس کے جواہر جڑے ہیں۔ اس کا پیٹ ہاتھی دانت کا کام ہے جس پر نیلم کے گل بنے ہیں۔ اس کے پاؤں پر کھڑے کیے جائیں۔ اس کی قامت لبنان کی سی ہے۔ وہ خوبی میں رشکِ سرو ہے۔ اس کا منہ شیرینی ہے۔ ہاں وہ سراپا عشق انگیز ہے۔ اے یروشلم کی بیٹیو! یہ میرا پیارا۔ یہ میرا جانی ہے۔"

(۷) یسعیاہ باب ۵۳۔ آیت ۱۰ تا ۱۲۔

"لیکن خداوند کو پسند آیا کہ اُسے کچلے۔ اُس نے اسے غمگین کیا جب اُس کی جان گناہ کے لئے گزرانی جائے تو وہ اپنی نسل کو دیکھیگا۔ اور اسکی عمر دراز ہوگی۔ اور خدا کی مرضی اسکے ہاتھ کے وسیلے پر آئیگی۔ اپنی جان کا دکھ اٹھا کے وہ اُسے دیکھیگا اور سیر ہوگا۔ اپنی ہی پہچان سے میرا صادق بندہ بہتوں کو راستباز ٹھہرائیگا۔ کیونکہ وہ ان کی بدکاریاں اپنے اُوپر اٹھالیگا۔ اس لئے میں اُسے بزرگوں کے ساتھ ایک حصّہ دُونگا۔ اور وہ لوٹ کا مال زورآوروں کے ساتھ بانٹے گا کہ اُس نے اپنی جان موت کے لئے انڈیل دی۔ اور گنہگاروں کے درمیان شمار کیا گیا۔ اور اُس نے بہتوں کے گناہ اٹھائے اور گنہگاروں کی شفاعت کی۔"

(۸) اعمال باب ۳۔ آیت ۲۲ و ۲۳۔

"چنانچہ موسیٰ نے کہا کہ خداوند خدا تمہارے بھائیوں میں سے تمہارے لئے مجھ سا ایک نبی برپا کریگا۔ جو کچھ وہ تم سے کہے اس کی سننا۔"

(۹) متی باب ۲۱۔ آیت ۴۲ تا ۴۴

"جس پتھر کو معماروں نے رد کیا۔ وہی کونے کے سرے کا پتھر ہوا۔ یہ

خداوند کی طرف سے ہُوا۔ اور تمہاری نظروں میں عجیب ہے۔ اسلئے مَیں تم سے
کہتا ہوں کہ خدا کی بادشاہت تم سے لے لی جائیگی اور اس قوم کو جو اس
کے پھل لائیگی۔ دے دی جائیگی۔ اور جو اس پتھر پر گریگا۔ اُسکے ٹکڑے
ہو جائیں گے۔ مگر جس پر وہ گریگا۔ اُسے پیس ڈالیگا۔"

(۱۰) متی ۲۳/۳۹ ۔ "دیکھو تمہارا گھر تمہارے لئے ویران چھوڑا جاتا ہے کیونکہ
مَیں تم سے کہتا ہوں کہ اب سے مجھے پھر ہرگز نہ دیکھو گے۔ جب تک
نہ کہوگے کہ مبارک ہے وہ جو خداوند کے نام پر آتا ہے۔"

(۱۱) یوحنا ۱۴/۱۶ ۔ "اور مَیں باپ سے درخواست کرونگا۔ تو وہ تمہیں
دُوسرا مددگار بخشے گا۔ کہ ابد تک تمہارے ساتھ رہے۔ یعنی سچائی کا
رُوح جسے دُنیا حاصل نہیں کرسکتی۔"

(۱۲) یوحنا ۱۴/۳۰ ۔ "اس کے بعد مَیں تم سے بہت سی باتیں نہ کرونگا کیونکہ
دُنیا کا سردار آتا ہے اور مجھ میں اُس کا کچھ نہیں۔"

(۱۳) یوحنا ۱۵/۲۶ ۔ "لیکن جب وہ مددگار آئیگا جس کو مَیں تمہارے پاس
باپ کیطرف سے بھیجونگا۔ یعنی سچائی کا رُوح جو باپ کیطرف سے نکلتا ہے۔ تو وہ
میری گواہی دیگا اور تم بھی گواہ ہو۔ کیونکہ شروع سے میرے ساتھ ہو۔"

(۱۴) یوحنا ۱۶/۱۴ ۔ "میرا جانا تمہارے لئے فائدہ مند ہے۔ کیونکہ اگر مَیں
نہ جاؤں تو وہ مددگار تمہارے پاس نہ آئیگا۔ لیکن اگر جاؤنگا تو اسے تمہارے
پاس بھیجدونگا۔ اور وہ آکر دنیا کو گناہ اور راستبازی اور عدالت کے
بارے میں قصوروار ٹھہرائیگا۔"

(۱۵) مجھے تم سے اور بھی بہت سی باتیں کہنی ہیں مگر اب تم ان کی برداشت نہیں کر سکتے۔ لیکن جب وہ یعنی سچائی کا روح آئیگا۔ تو تم کو سچائی کی راہ دکھائیگا۔ اس لئے کہ وہ اپنی طرف سے نہ کہیگا۔ لیکن جو کچھ سنیگا۔ وہی کہیگا۔ اور تمہیں آیندہ کی خبریں دیگا۔ وہ میرا جلال ظاہر کریگا۔

(۱۶) لوقا ۲۰/۹ تا ۱۸ انگوری باغ کی تمثیل اور نوکر بیٹے اور خود خداوند کے آنے کا قصہ قرآن مجید اور سورۂ فاتحہ کی پیشینگوئی (مکاشفہ ۵/۱)

تردید الوہیتِ مسیح ناصری علیہ السلام

ا۔ "خدا ایک ہے"

(ا) حوالجات از عہد نامہ قدیم :-

(۱) ۲-سلاطین ۱۹/۱۵ - (۲) یسعیاہ ۴۵/۵ و ۶ - (۳) زبور ۸۶/۸ تا ۱۰ - (۴) ۲-سموئیل ۷/۲۲ - (۵) زبور ۹/۲ - (۶) استثنا ۶/۴ - (۷) استثنا ۳۲/۳۹ - (۸) ۱-سموئیل ۲/۲ - (۹) ۱-سموئیل ۷/۲۲ - (۱۰) ۲-سموئیل ۲۲/۳۲ - (۱۱) سلاطین ۸/۲۳ - (۱۲) استثنا ۴/۳۹ - (۱۳) استثنا ۶/۵ - (۱۴) یسعیاہ ۴۳/۱۰ - (۱۵) ۱-سموئیل ۱۷/۴۶ - (۱۶) ۱-سلاطین ۸/۶۰ - (۱۷) ۱-تواریخ ۱۶/۲۵ - (۱۸) ۱-تواریخ ۱۷/۲۰ - (۱۹) ۱-تواریخ ۲۹/۱۱ - (۲۰) ۲-تواریخ ۶/۱۴ - (۲۱) زبور ۱۸/۳۱ - (۲۲) زبور ۴۸/۱۴ - (۲۳) زبور ۵۰/۶ -

(ب) عہد نامہ جدید-

"خدا ایک ہے" (۱) اعمال ۱۷/۲۳ "پس جس کو تم بغیر معلوم کئے

پُوجتے ہو۔ مَیں تم کو اسی کی خبر دیتا ہوں"۔

(۲) یوحنا ۴۴/۵ "تم جو دوسرے سے عزت چاہتے اور وہ عزت جو خدائے واحد سے ہوتی ہے۔ کیونکر ایمان لا سکتے ہو"۔

(۳) یوحنا ۳/۱۷ "اور ہمیشہ کی زندگی یہ ہے کہ وہ تجھ خدائے واحد اور برحق کو اور یسوع مسیح کو جسے تو نے بھیجا ہے۔ جانیں"۔

(۴) مرقس ۲۹-۳۰/۱۲ "اوّل یہ کہ اے اسرائیل اس یہ خداوند ہمارا خدا ایک ہی خداوند ہے۔ اور تُو خداوند اپنے سارے دل اور اپنی ساری جان اور اپنی ساری طاقت سے محبت رکھ"۔

(۵) ۱-کرنتھیوں "اور سوا ایک کے اور کوئی خدا نہیں۔ اگرچہ آسمان و زمین میں بہت سے خدا کہلاتے ہیں۔ چنانچہ بہتیرے خدا اور بہتیرے خداوند ہیں۔ لیکن ہمارے نزدیک تو ایک ہی خدا ہے۔ یعنی باپ"۔

(۶) افسیوں ۶/۴ "اور سب کا خدا اور باپ ایک ہی ہے جو سب کے اُوپر اور سب کے درمیان اور سب کے اندر ہے"۔

(۷) یوحنا ۱۷/۲۰ "میں اپنے باپ اور تمہارے باپ۔ اور اپنے خدا اور تمہارے خدا کے پاس اُوپر جاتا ہوں"۔

۲۔ عیسائیوں کی دلیلیں اور ان کی تردید

دلیل اوّل۔ پہلی دلیل جو عیسائی صاحبان کی طرف سے پیش کیجاتی ہے وہ یہ ہے کہ مسیح کو توریت و انجیل میں خدا کا بیٹا کہا گیا ہے اِس سے معلوم ہوُا۔ کہ

وہ خدا کا بیٹا تھا۔"

جواب - ابن اللہ کا لفظ توریت اور انجیل میں صرف مسیح کے واسطے نہیں بولا گیا - بلکہ یہ لفظ مسیح کے سوا سینکڑوں ہزاروں آدمیوں کے متعلق استعمال کیا گیا ہے - لیکن عیسائی صاحبان ان تمام لوگوں کو خدا کا بیٹا تسلیم نہیں کرتے - حالانکہ جیسا مسیح کو ابن اللہ کہا گیا ویسا ہی باقیوں کے حق میں ابن اللہ کا لفظ بولا گیا - (دیکھو حوالے)

(۱) اسرائیل خدا کا بیٹا ہے - خروج ۴ باب آیت ۲۲ -

(۲) داؤد خدا کا بڑا بیٹا ہے - زبور ۸۹ باب آیت ۲۶ و ۲۷ -

(۳) سلیمان خدا کا بیٹا ہے - تاریخ پہلی ۲۲ باب آیت ۹ و ۱۰ -

(۴) قاضی مفتی خدا کے بیٹے ہیں - زبور ۸۲ باب آیت ۶ -

(۵) سب بنی اسرائیل خدا کے بیٹے ہیں - رومیوں ۹ باب آیت ۴ -

(۶) تمام یتیم بچے خدا کے لڑکے ہیں - زبور ۶۸ باب آیت ۵ -

(۷) بدکار لوگ خدا کے لڑکے ہیں - یسعیاہ ۳ باب آیت ۱ -

جواب دوم - اگر عیسائی صاحبان مسیح کو اس لئے خدا کا بیٹا تصور کرتے ہیں کہ اس کیلئے لفظ ابن اللہ بولا گیا ہے تو پھر ہم اسے انسان سمجھتے ہیں اس لئے کہ انجیل میں اسے انسان کا بیٹا کہا گیا ہے - دیکھو حوالے :-

(۱) یسوع ابن داؤد ابن ابراہیم - متی ۱ باب آیت ۱ -

(۲) انسان کا بیٹا کھاتا پیتا آیا - متی ۱۱ باب آیت ۱۹ و متی ۸/۲۰ و ۹/۶ و ۱۰/۲۳

(۳) میں جو ابن آدم ہوں - انسان ہوں - متی ۴ باب آیت ۴ -

جواب سوم۔ "خدا کا بیٹا ہونے سے مطلب "راستباز" اور خدا کا محبوب ہونا ہے" (۱۔یوحنا ۳/۲۹ و ۲/۱ و متی ۵/۴۵)

معلوم نہیں ہوتا کہ مسیح میں کونسی ایسی خصوصیت ہے جسکی وجہ سے اسے تو خدا کا بیٹا بلکہ مجسم خدا سمجھا جاوے اور باقیوں کو محض عاجز انسان خیال کیا جاوے۔

دلیل دوم مسیح نے عظیم الشان معجزے دکھائے۔ چونکہ وہ معجزے بشری طاقت سے بالاتر تھے۔ اس لئے معلوم ہوا کہ مسیح انسان نہ تھا خدا تھا۔

جواب۔ عیسائی صاحبان! اگر معجزے دکھانا ہی الوہیت کی علامت سمجھی جاوے تو پھر تمام انبیاء خدا ہونے کے مستحق ہیں۔ اور کیوں نہیں آپ لوگ موسیٰ۔ ایلیاہ وغیرہ کو خدا سمجھتے۔ جنہوں نے آپکے مسیح سے بھی بڑھکر کرامتیں دکھلائیں۔ سُنئیے:۔

(۱) مسیح کا سب سے بڑا معجزہ مُردوں کا زندہ کرنا ہے۔ مگر اس میں بھی مسیح کی کوئی خصوصیت نہیں۔ مسیح کے علاوہ اور انبیاء سے بھی یہ کرامت صادر ہوئی ہے۔ دیکھو حوالے:۔

(۱) الیسع نے مُردے زندہ کئے۔ سلاطین دوسرا باب آیت ۳۵۔

(۲) حزقیل نے ہزاروں بڑے مردے زندہ کئے۔ حزقیل ۳۷ باب آیت ۱ تا ۳۔

(۳) ایلیاہ نے مُردے زندہ کئے۔ سلاطین پہلا ۱۷ باب آیت ۲۲۔

(۴) الیسع کی لاش نے مُردہ زندہ کر دیا۔ ۲۔سلاطین ۱۳/۲۱)

ناظرین خود انصاف فرماسکتے ہیں کہ اگر مسیح بسبب مردے زندہ کرنیکے

خدا ہو سکتا ہے تو الیسع ۔ حزقیل اور الیاہ وغیرہ جنہوں نے ہزاروں مردے زندہ کیئے کیوں نہ خدا سمجھے جاویں لیکن عیسائی ان کو محض انسان ہی سمجھتے ہیں۔

جواب ۲ ۔ انجیل سے ثابت ہے کہ مُردوں سے مُراد رُوحانی مُردے ہیں ۔ نہ کہ جسمانی۔

(ا) یوحنا ۲۰/۳۱ و کرنتھیوں ۱۵/۳۱ تا ۵۱ و افسیوں ۲/۱ و ۲/۵ ۔

(ب) مُردہ سے مُراد شہوات :۔ کلسیوں ۳/۴-۵ ۔

(د) زندگی سے مُراد یسوع پر ایمان لانا ۔ (یوحنا ۱۷/۳)

دوسرا معجزہ ۔ بیماروں کا اچھا کرنا ہے ۔

جواب ۔ اس میں بھی اور انبیاء مسیح کے شریک ہیں :۔

(۱) الیسع نے نعمان سپہ سالار کو جو کوڑھی تھا اچھا کیا سلاطین دوسرا ۵ باب آیت ۱۴ ۔ (۲) یوسف نے اپنے باپ یعقوب کو آنکھیں دیں ۔ دیکھو پیدائش ۴۶ باب آیت ۴ و ۳۰ ۔ (۳) بیماروں سے مُراد رُوحانی بیمار مُراد ہیں ۔ مرقس ۲/۱۷ و ۱ پطرس ۲/۲۴ ۔ رُوحانی اندھے بہرے ۔ متی ۱۳/۱۳ و ۱۵/۱۴ و یوحنا ۹/۳۹ ۔ ۲ پطرس ۱:۹ ۔ ۱ پطرس ۲/۲۴ ۔

تیسرا معجزہ ۔ تھوڑے کھانے اور شراب کو بڑھا دینا۔

جواب ۔ یہ کام بھی بہت سے انبیاء سے ظہور پذیر ہوا ۔ بلکہ بعض انبیاء اس کام میں مسیح سے بھی بڑھے ہوئے ہیں ۔ حوالے دیکھو :۔

(۱) الیاہ نے مٹھی بھر آٹے اور تھوڑے تیل کو بڑھا دیا کہ دہ سال بھر تک

تمام نہ ہوا۔ دیکھو سلاطین پہلا ۱۷ باب آیت ۱۳ تا ۱۶
(۲) الیسع نے بھی ذرا سے تیل کو اس قدر بڑھا دیا کہ گھر والوں کے پاس اُس کے رکھنے کیلئے کوئی برتن باقی نہ رہا۔ دیکھو سلاطین دُوسرا ۴ باب آیت ۲ تا ۶

چوتھا معجزہ۔ بغیر کشتی کے دریا پر چلنا۔

جواب۔ یہ بھی صرف مسیح کا کام نہ تھا۔ بلکہ مُوسیٰ نے اس سے بڑھکر معجزہ دکھایا اس نے سمندر کو ایسی لاٹھی ماری کہ وہ پھٹ گیا اور سیال پانی الگ الگ دونوں طرف کھڑا ہو گیا۔

(۲) یوشع نے یردن کو خشک کر دیا۔ (کتاب یُوشع $\frac{۳}{۱۷}$)
(۳) ایلیاہ نے دریا کے دو ٹکڑے کر دئے۔ (دیکھو ۲۔ سلاطین $\frac{۲}{۸}$)
(۴) الیسع نے ناکارہ چشموں اور بنجر زمینوں کو ایک پیالہ پانی سے اُچھال دیا۔ (۲۔ سلاطین $\frac{۲}{۱۹}$)۔
(۵) "الیسع نے چادر مار کر پانی کے دو ٹکڑے کئے"۔ (۲۔ سلاطین $\frac{۲}{۱۴}$)
(۶) "موسیٰ کی دُعا سے مینہ اور اولے تھم گئے"۔ (خروج $\frac{۹}{۳۳}$)۔
(۷) "موسیٰ نے ہاتھ بڑھا کر مینڈک پھیلا دیئے"۔ (خروج $\frac{۹}{۲۲}$)۔
(۸) "ہارون نے مینڈک مصر میں پھیلا دیئے"۔ (خروج $\frac{۸}{۲۲}$)۔
(۹) "موسیٰ نے ہاتھ پھیلا کر سب مصر پر اندھیرا کر دیا"۔ (خروج $\frac{۱۰}{۲۲}$)۔
(۱۰) "موسیٰ نے ہاتھ بڑھا کر سب مصریوں کو ہلاک کر دیا"۔ (خروج $\frac{۱۴}{۲۶-۲۹}$)
(۱۱) "یشوع نے چاند اور سورج کو حکم دے کر کھڑا کر دیا"۔ (یشوع $\frac{۱۰}{۱۲ تا ۱۴}$)
(۱۲) "یسعیاہ نے سورج کو دس درجے پیچھے ہٹا دیا"۔ (۲۔ سلاطین $\frac{۲۰}{۱۱}$)۔

(۱۳) "تین شخص جلتی آگ میں ڈالے مگر نہ جلے"۔ (دانیال ۳/۲۱ تا ۲۵)۔

عیسائی۔ مسیح نے پرندے بنائے۔ پس وہ خالق ٹھہرا۔

احمدی۔ تورات میں ہے ہارون نے جوئیں بنائیں۔ (خروج ۸/۱۷)۔

پس وہ بھی بقولِ شما خالق ٹھہرا۔ یک نہ شد دو شد۔

ایک اور بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ حضرت مسیح نے حواریوں کو فرمایا کہ اگر تم میں رائی کے برابر بھی ایمان ہو تو تم میرے جیسے کام کر سکتے ہو۔ اب عیسائی صاحبان سے سوال ہے کہ اگر معجزات عظیم الشان کی وجہ سے آپ لوگ مسیح کو خدا مانتے ہو۔ تب تو حواریوں کو بھی شریک الوہیت ماننا چاہیئے کیونکہ انہوں نے بھی معجزات دکھائے۔ اور اگر آپ یہ کہیں کہ حواریوں نے کوئی معجزہ نہیں دکھایا۔ تو یہ ماننا پڑیگا کہ وہ بالکل بے ایمان تھے۔

ایک اور جواب۔ انجیل میں حضرت مسیح نے صاف فرمادیا کہ میرے بعد بہت سے جھوٹے نبی پیدا ہونگے۔ جو اتنے بڑے بڑے معجزات دکھلائیں گے کہ ہو سکتا ہے کہ وہ کاملین کو دھوکہ میں ڈال دیں۔ لیکن تم ان کے دھوکہ میں ہرگز نہ آنا۔ مسیح کے اس قول سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مسیح کے نزدیک ایک جھوٹا آدمی بھی معجزات دکھا سکتا ہے تو پھر معجزات خدائی کا معیار کس طرح ہو سکتا ہے۔ اور معجزات دکھانے سے مسیح کی خدائی کس طرح ثابت ہو سکتی ہے۔

تیسری دلیل۔ جس سے مسیح کی الوہیت ثابت کی جاتی ہے مسیح کا ایک قول ہے۔ جو اس نے اپنے مخالف یہودیوں کو کہا کہ تم نیچے سے ہو۔ میں

اُوپر سے ہوں۔ تم اس جہان کے ہو۔ میں اس جہان کا نہیں۔
جواب۔ اس فقرہ کے معنی بالکل صاف ہیں کہ اے یہودیو! میں نبی ہوں میرے علوم آسمانی ہیں اور تم زمینی علوم پڑھے ہوئے ہو۔ تم میرا مقابلہ کس طرح کر سکتے ہو۔ یہ ایک عام محاورہ ہے۔ اردو میں بھی مستعمل ہے دیکھو ہم ایک شخص کو زمینی یا دنیادار کہتے ہیں۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ وہ زمین میں اور دنیا میں رہتا ہے کیونکہ زمین اور دنیا میں تو نیک بھی رہتے ہیں۔ مسیح بھی تیس برس تک اور ہمارے نزدیک ۱۲۰ برس تک اسی دنیا میں رہا۔ بلکہ اس فقرہ کے یہ معنے ہیں کہ یہ شخص خدا سے تعلق نہیں رکھتا بلکہ دنیا سے محبت کرتا ہے۔ اسی طرح مسیح نے بھی یہودیوں کو کہا کہ میں تمہاری طرح تقلیدی علوم کا اور زمینی فنون کا وارث نہیں بلکہ میں آسمانی علوم کا وارث ہوں لیکن اگر کوئی عیسائی خواہ مخواہ ضد سے اس فقرے سے مسیح کی الوہیت ثابت کرنا چاہے تو وہ یاد رکھے کہ اس بات میں بھی مسیح کی کوئی خصوصیت نہیں بلکہ تمام نیک لوگ اور حواری شامل ہیں۔ دیکھو حوالے:۔

(۱) مسیح حواریوں کے متعلق خدا سے دعا میں عرض کرتا ہے "اسلئے کہ جیسا میں دنیا کا نہیں ہوں۔ وے بھی دنیا کے نہیں ہیں" (یوحنا ۱۷ باب آیت ۱۶)

اب اگر اس دنیا کا نہ ہونے کی وجہ سے مسیح خدا ہو۔ تو تمام حواری بھی اسی وجہ سے خدا سمجھنے چاہئیں۔

(۲) پھر ایک جگہ مسیح حواریوں کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں "اس لئے کہ دنیا کے نہیں ہو" (دیکھو یوحنا ۱۵ باب ۔ آیت ۱۹)

چوتھی دلیل۔ مسیح کہتا ہے کہ مَیں اور باپ ایک ہیں۔ مَیں باپ میں ہوں اور باپ مجھ میں ہے۔

جواب۔ یہ الفاظ اگر مسیح کی خدائی کا ثبوت بن سکتے ہیں تو تمام لوگ جن کے متعلق انجیل میں خود یسوع نے ایسے الفاظ استعمال کئے ہیں۔ خدائی کے مستحق ہیں۔ دیکھو حوالہ :۔

(۱) مسیح خدا کے حضور حواریوں کی سفارش کرتا ہوا ایک جگہ کہتا ہے "تاکہ وہ سب ایک ہو جاویں جیسا کہ اے باپ تُو مجھ میں ہے اور میں تجھ میں ہوں کہ وہ بھی ہم میں ایک ہوں۔" (یوحنا ۱۷ باب آیت ۲۱ تا ۲۳)۔

اب اگر ایک ہو جانے کے لفظ سے کوئی خدا بن سکتا ہے تو تمام حواری بھی خدا ہونے چاہئیں۔ نیز دیکھو یوحنا باب ۱۴۔ آیت ۲۰)

پانچویں دلیل۔ مسیح نے کہا کہ "مَیں خدا سے نکلا ہوں۔" "تُو مجھ سے پیدا ہوا۔" (عبرانیوں ۱/۵۔ یوحنا ۸/۴۲)

جواب۔ حوالہ پورا پڑھو :۔

"یسوع نے ان سے کہا۔ اگر خدا تمہارا باپ ہوتا تو تم مجھ سے محبت رکھتے اس لئے کہ مَیں خدا سے نکلا اور آیا ہوں۔ کیونکہ مَیں آپ سے نہیں آیا۔ بلکہ اُس نے مجھے بھیجا۔"

پس خود مسیح نے "نکلنے" کی تشریح کر کے بتا دیا کہ اس سے مُراد تجسم الٰہی نہیں۔ بلکہ محض صفت ارسال مرسلین کا اظہار ہے۔ چنانچہ مزید وضاحت کے لئے دیکھو یوحنا ۸/۱۶۔

(۲) "جو کہ کوئی خدا سے ہوتا ہے وہ خدا کی باتیں سنتا ہے۔" (یوحنا ۸/۴۷)

(۳) جو اسکے نام پر ایمان لاتے ہیں... خدا سے پیدا ہوئے ہیں۔" (یوحنا ۱/۱۲، ۱۳)

(۴) "جو کوئی راستبازی کے کام کرتا ہے وہ اس سے پیدا ہوا ہے۔" (۱۔یوحنا ۲/۲۹)

(۵) "جو کوئی خدا سے پیدا ہوا۔ وہ گناہ نہیں کرتا۔" (۱۔یوحنا ۳/۹)

(۶) "جو کوئی محبت رکھتا ہے وہ خدا سے پیدا ہوا ہے۔" (۱۔یوحنا ۵/۱)

(۷) "شاعروں میں سے بعض نے کہا کہ ہم تو اس کی نسل ہیں۔ پس خدا کی نسل ہو کر یہ خیال کرنا مناسب نہیں۔" (اعمال ۱۷/۲۸، ۲۹)

(۸) سب ایک ہی اصل سے ہیں۔" (عبرانیوں ۲/۱۱)

چھٹی دلیل "یسوع کیلئے کل اور آج بلکہ ابد تک یکساں ہے۔" (عبرانیوں ۱۳/۸)۔

جواب۔ لیکن توراۃ میں ہے :۔

(۱) "پیشتر اس سے کہ پہاڑ پیدا ہوئے اور زمین اور دنیا کو تو نے بنایا۔ ازل سے ابد تک تو ہی خدا ہے۔" (زبور ۹۰/۲)۔

(۲) مجھ سے آگے کوئی خدا نہ بنا۔ اور میرے بعد بھی کوئی خدا نہ ہوگا۔" (یسعیاہ ۴۳/۱۰)

(۳) ملک صدق بے باپ بے ماں۔ بے نسب نامہ ہے۔ نہ اس کے دنوں کا شروع نہ زندگی کا آخر بلکہ خدا کے بیٹے کے مشابہ ٹھہرا۔" (عبرانیوں ۷/۳)

تحقیقی جواب :۔ مسیح کے لئے کل اور آج یکساں ہونے بلکہ اس کے علم کا ازلی و ابدی ہونا محض دعویٰ ہے جو محتاجِ دلیل ہے۔ بلکہ خود انجیل سے اس کی تردید ہوتی ہے۔ مثلاً :۔

(۱) انجیر کے درخت کا علم نہ ہوا کہ اس میں پھل ہے یا نہیں (متی ۲۱/۱۸ مرقس ۱۱/۱۳)

(۲) "میرے کپڑے کو کس نے چھؤا؟" (لوقا ۹/۴۵، ۴۷ و مرقس ۵/۳۰)

سانویں دلیل۔ حضرت مسیح کا بے باپ پیدا ہونا۔

جواب۔ اگر مسیح اس واسطے خدا ہو سکتا ہے کہ وہ بے باپ تھا۔ تو آدم تو ڈبل خدا ہونا چاہیئے۔ کیونکہ وہ صرف بے باپ ہی نہ تھا بلکہ ماں بھی اسکی کوئی نہ تھی اسی طرح ملک صدق سالم بھی خدا مجسم ہونے کا حقدار تھا کیونکہ وہ بھی بغیر ماں باپ کے تھا۔ دیکھو عبرانیوں ۷ باب۔ آیت ۳۔

پھر علاوہ ازیں تمام وہ حیوانات جو ابتدائے آفرینش میں خدا نے بے باپ اور ماں کے پیدا کیئے تھے۔ سب کے سب خدا مجسّم ہونے چاہئیں۔ اچھا ان کو جانے دیجیئے۔ اب موجودہ لاکھوں کروڑوں کیڑوں مکوڑوں کو دیکھو جو برسات آتے ہی بغیر ماں باپ ہوتے ہیں۔ کیا وہ مسیح کے ساتھ خدائی کے حقدار نہیں۔ بلکہ ان کا زیادہ حق ہے۔ کیونکہ مسیح کے متعلق تو کوئی شبہ بھی کر سکتا ہے کہ اس کا کوئی باپ بھی ہو۔ مگر جس کی ماں بھی نہ ہو۔ اسپر کیا شبہ ہو سکتا ہے۔ گو ہم مریم کو پاکباز اور عصمت مآب سمجھتے ہیں۔ پر دُنیا کا مُنہ کون بند کرے اور یہودیوں کے الزامات کا جواب کون دے۔

آٹھویں دلیل۔ آدم نے گناہ کیا اس وجہ سے اسکی تمام نسل میں گناہ کا بیج بویا گیا۔ اور تمام انسان گناہ میں گرفتار ہوئے۔ مسیح چونکہ آدم کی پشت سے نہیں تھا۔ اس لیئے وہ گنہگار نہ ہوا۔ اور گناہ سے پاک صرف خدا ہے۔ اس لیئے مسیح خدا ہوا۔

جواب۔ اِس دلیل میں جس قدر بھی دعوے ہیں۔ سب کے سب ہمارے

سے ہی غلط ہیں۔ نمبر دار سُنئیے :۔

(۱) آدم کے گناہ کی وجہ سے اُس کی نسل کا گنہگار ٹھہرنا خدا کے عدل کے بالکل خلاف ہے۔ کیا یہی عیسائیوں کے خدا باپ کا عدل ہے کہ باپ کے گناہ کرنے سے بیٹا گنہگار سمجھا جاوے۔

(۲) جو آدم کی پشت سے ہو وہ گنہگار ہوتا ہے یہ بات بھی بالکل غلط ہے۔ عقلاً بھی جیسا کہ اُوپر ثابت کر آئے ہیں۔ اور نقلاً بھی اپنے گھر کی کتاب لوقا کھولیے گا۔ ۱ باب آیت ۶ " وے دونوں خدا کے حضور راستباز اور خداوند کے حکموں اور قانونوں پر بے عیب چلنے والے تھے "

دیکھئے یہ ذکریا اور اسکی بیوی کی تعریف ہے۔ اس عبارت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ دونوں میاں بیوی بالکل بے گناہ تھے۔ تو یہ دعویٰ کرنا کہ آدم کی اولاد میں سب گنہگار ہیں۔ خود لوقا کے نزدیک غلط ہے۔ کیونکہ ذکریا اور اس کی بیوی بابا آدم ہی کی اولاد میں سے تھے۔

(۳) یہ کہنا کہ جو آدم کی پشت میں سے نہ ہو وہ بیگناہ ہوتا ہے۔ ایک نہایت ہی بدیہی البطلان قضیہ ہے۔ کیا شیطان گنہگار نہیں۔ اور کیا وہ آدم کی اولاد میں سے ہے۔ پھر سانپ نے گناہ کیا۔ اور اسے مٹی کھانی پڑی۔ کیا وہ آدم کی پشت سے ہے۔ پھر تمام وہ دیو یا بھوت جنہیں مسیح اور اس کے حواری نکالا کرتے تھے۔ خبیث رُوحیں نہ تھیں۔ کیا وہ بھی آدم کی نسل سے تھے؟

(۴) عیسائیوں کا یہ کہنا کہ مسیح بیگناہ تھا۔ مدعی سُست گواہ چُست والی بات یاد دلاتا ہے۔ کیونکہ مسیح صاف اقرار کرتا تھا کہ مجھے نیک مت کہو نیک

صرف باپ ہے۔ پھر اگر مسیح خود بھی دعویٰ کرتا تو کیا ہوتا۔ دلیل کے بغیر تو کوئی شخص نہیں مانتا۔ گو ہم اُسے نیک سمجھتے ہیں۔ اِس لیے کہ ہمارے قرآن نے اس کی تعریف کی۔ مگر یہودیوں کو کون لاجواب کرے۔ وہ فوراً الزام لگانے شروع کر دیتے ہیں کہ اس نے یہ کیا۔ اور وہ کیا۔ بدچلن عورت سے تیل ملوایا۔ یہودیوں کے عالموں کو گندی گالیاں دیں۔ بغیر اجازت لینے کے حواریوں سمیت ایک کھیت کے بِٹّے توڑ کر نوش کرنے لگا۔ کھاؤ۔ پیو شرابی تھا۔ غرض ان یہودیوں کا مُنہ کون بند کرے۔

عیسائیوں کی یہ دلیل کہ مسیح اس وجہ سے کہ وہ آدم کی نسل سے نہ تھا پاک اور بے گناہ ہے۔ قطعی طور پر غلط ہے۔ کیونکہ :-

(۱) آدم کا وہ گناہ جو بقول عیسائیوں موروثی طور پر اب تک آدم کی نسل میں چلا آتا ہے۔ اس کا اصل ذمہ وار (مطابق پیدائش $\frac{۳}{۱-۶}$) آدم نہ تھا بلکہ حوّا تھی جس نے شیطان کے دھوکے میں آکر آدم کو بہکایا۔ پس مسیح بوجہ حوّا کی اولاد ہونے کے گنہگار ٹھہرا۔ (۲) توارات میں لکھا ہے :-

(الف) "اور وہ جو عورت سے پیدا ہوا ہے وہ کیونکر پاک ٹھہرے۔" (ایوب $\frac{۲۵}{۵}$)۔

(ب) "اور وہ جو عورت سے پیدا ہوا ہے وہ کیونکر صادق ٹھہرے۔" (ایوب $\frac{۱۵}{۱۵}$)۔

(۵) چونکہ مسیح بیگناہ تھا اسلئے وہ خدا ہوا۔ مگر اس خدائی میں مسیح اکیلا نہیں ذکریا بھی گناہ سے پاک تھا۔ اِس لئے وہ بھی خدا ہوا۔ ذکریا کی بیوی بھی گناہ سے پاک تھی اِس لئے وہ بھی خدا ہوئی اور خدا کی بیوی بھی۔ اِس حساب سے یحییٰ بھی خدا ٹھہرا۔ کیونکہ اس کی ماں بھی خدا۔ باپ بھی خدا بلکہ

یحییٰ مسیح سے بڑا خدا ہونا چاہیئے۔ کیونکہ مسیح کی ماں تو انسان تھی۔ اور یحییٰ کے ماں باپ دونوں خدا تھے۔

ملک صادق سالم بھی خدا ہونے کا مستحق ہے کیونکہ وہ آدم کی اولاد سے نہ تھا۔ اور جو آدم کی اولاد سے نہ ہو۔ وہ گناہ سے پاک ہوتا ہے اور جو گناہ سے پاک ہو۔ وہ خدا ہوتا ہے۔ اس لئے ملک صدق سالم بھی خدا ہوا۔ پھر تمام فرشتے بھی خدا ہیں کیونکہ وہ گناہ سے پاک ہیں پھر تمام حیوانات چرند پرند خدائی کے حقدار ہیں کیونکہ وہ گناہوں میں آلودہ نہیں۔

نویں دلیل - خود تین دن مردہ رہ کر پھر زندہ ہو گیا۔

جواب - (ا) مسیح جسمانی طور پر مر کر نہیں جیا بلکہ روحانی طور پر۔
ا- پطرس ۳/۱۸ "وہ جسم کے اعتبار سے مارا گیا مگر روح کے اعتبار سے زندہ کیا گیا (ب) جس طرح یسوع مر کر جیا۔ اسی طرح ہم بھی مر کر جیتے ہیں۔
(رومیوں ۶/۱۰ و ۶/۱۱ و ا- پطرس ۲/۲۴)

مسیح صلیب پر فوت نہیں ہوا

مسیح در اصل صلیب پر فوت نہ ہوا تھا۔ بوجہ ذیل :-
(۱) مسیح کا اپنے واقعہ صلیب کو یونس سے مشابہ قرار دینا۔ مگر یونس نبی کے نشان کے سوا کوئی اور نشان ان کو نہ دیا جائیگا۔ (متی ۱۲/۳۹)
(۲) پیلاطوس کی بیوی کو خواب آیا تھا کہ اگر مسیح ہلاک ہو گیا پھر تم ہلاک کیئے جاؤ گے۔ لیکن ان کا تباہ و برباد نہ ہونا۔ (متی ۲۷/۱۹)۔

(۳) پیلاطوس اس کے چھوڑنے کی کوشش کرنے لگا۔ (یوحنا $\frac{19}{12}$)۔

(۴) حضرت مسیح کی دُعا ایلی ایلی لما سبقتنی بھی مانع ہے (متی $\frac{27}{46}$)

(۵) صرف ایک گھنٹہ یا ڈیڑھ گھنٹہ صلیب پر رہنا (۶) پہلو چھیدنے سے خون نکلنا۔ یوحنا $\frac{16}{12}$ - (۷) مسیح کی ہڈیاں نہ توڑی جانا۔ یوحنا $\frac{19}{34}$ - (۸) پیلاطوس کا تعجب کرنا کہ وہ اتنی جلدی مرگیا۔ مرقس $\frac{15}{44}$ - (۹) حواریوں سے ملنا اور زخم دکھانا۔ یوحنا $\frac{20}{25-27}$ - (۱۰) مسیح علیہ السلام کا ملعون ٹھہرایا جانا۔ گلتیوں $\frac{3}{13}$ - (۱۱) ساری رات دعا کرنا۔ متی $\frac{26}{39}$ - (۱۲) مرہم عیسیٰ دوا کا بننا۔ (۱۳) ابھی اور بھیڑوں کو جمع کرنا ہے۔ یوحنا $\frac{10}{16}$ -

دسویں دلیل۔ چونکہ وہ آسمان پر چلا گیا ہے۔ اس لئے خدا ہے

جواب ۱۔ ایلیاہ پیغمبر رتھ سمیت آسمان پر چلا گیا۔ ۲ سلاطین

جواب ۲۔ مسیح آسمان پر نہیں گیا۔ (و) کوئی آسمان پر نہیں گیا (ب) مسیح پہلے بھی آسمان ہی سے آیا تھا۔ (یوحنا $\frac{6}{38}$ و $\frac{6}{62\text{ و }63}$ بھی رُوحانی طور پر وہ آسمان پر ہے نہ کہ جسمانی طور پر۔ (ج) "میں تمہارے لئے جگہ تیار کرنے جاتا ہوں" یوحنا $\frac{14}{2\text{ و }3}$ - پس جہاں یسوع کے شاگرد گئے۔ وہاں یسوع بھی گیا۔

(۱) چونکہ مسیح میں عوارض انسانیہ تھے۔ اس لئے وہ خدا نہیں۔ (۲) چونکہ وہ قادر مطلق کیونکہ وہ کہتا ہے کہ: "دائیں بائیں بٹھانا میرا کام نہیں" اور پھر صلیب پر سے کیوں نہ اتارا۔ حالانکہ دریں صورت یہودی ملنے کو تیار تھے۔

گیارھویں دلیل۔ اور ضرور تھا کہ جو نبی کی معرفت کیا گیا تھا وہ پورا ہو۔ کہ دیکھو ایک کنواری حاملہ ہوگی۔ اور بچہ جنے گی۔ اور اس کا نام عمانوایل رکھیں گے۔ جس کا ترجمہ ہے۔ "خدا ہمارے ساتھ" (متی ۱/۲۲)۔

جواب ۱۔ یسعیاہ ۷/۱۴ کی اصل عبارت نقل کرنے میں عیسائی انجیل نویسوں نے تحریف کی ہے۔ اصل الفاظ یہ ہیں:۔ (۱) "دیکھو ایک کنواری حاملہ ہوگی۔ اور بچہ پیدا ہوگا۔ اور وہ اس کا نام عمانوایل رکھے گی"۔

۲۔ مریم نے اپنے بیٹے کا نام یسوع رکھا تھا نہ کہ عمانوایل ۳۔ یسعیاہ ۸/۱ میں ایک لڑکے مہیر شام بزلال کی پیدائش کا ذکر ہے پس وہی اس پیشگوئی کا مصداق ہے۔ ۴۔ عمانوایل کا ترجمہ ہے خدا ہمارے ساتھ ہے۔ مگر یسوع کے ساتھ خدا نہ تھا۔ بوجوہات ذیل:۔

(الف) یسوع کی ناکام زندگی (ب) خود اس کا ایلی ایلی لما سبقتنی کہکر اس کا قرار کرنا (ج) چالیس دن اسکے ساتھ شیطان کا رہنا (د) اور پھر اسکے بعد کچھ عرصہ کیلئے اس سے جدا ہونا (لوقا ۴/۱۳) لہذا یسوع عمانوایل نہیں ہوسکتا۔

مسیح روح اللہ ہو کر خدا نہیں بن سکتا

بارھویں دلیل۔ قرآن مجید میں مسیح کو روح اللہ کہا گیا ہے کہ قرآن مجید میں مسیح کی نسبت "روح منہ" کا لفظ آیا ہے۔ دوسری جگہ آتا ہے وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرَانَ الَّتِي أَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيهِ مِن رُّوحِنَا۔ (سورۃ تحریم آخری رکوع)۔ ایسا ہی تیسری جگہ آتا ہے۔ إِنَّمَا الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُولُ اللَّهِ وَرُوحٌ مِّنْهُ۔

جواب۔ ہمارا یہ مذہب نہیں اور نہ اسلام نے ہمیں یہ تعلیم دی کہ سوائے خدا کے مسیح یا کسی اور کو ہم خدا مانیں۔ بلکہ اسلامی تعلیم اس کے صریح خلاف ہے۔ چنانچہ مندرجہ بالا آیات میں سے دُوسری آیت کے آخر میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ اِنْتَهُوْا خَيْرًا لَّكُمْ کہ تین خدا مت کہو ایسے عقیدہ سے باز آجاؤ کہ تمہارے لئے یہی بہتر ہے۔ اسی طرح ایک جگہ فرماتا ہے۔ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ۔ نیز لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ کہ ان لوگوں نے کفر کیا جنہوں نے کہا کہ مسیح خدا ہے۔ نیز ان لوگوں نے کفر کیا جنہوں نے کہا کہ خدا تین میں سے ایک ہے۔

(ب) علاوہ ازیں اگر کوئی "روح اللہ" کے لفظ سے خدا بن جاتا ہے تو اس میں حضرت مسیح کی خصوصیت نہیں۔ اس طرح سے تو پھر قرآن مجید کی رُو سے ہزاروں کروڑوں بلکہ سب ہی خدا بن جائیں گے۔ دیکھو خدا تعالیٰ آدم کے متعلق فرماتا ہے:۔

ثُمَّ سَوّٰهُ وَنَفَخَ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ (سجدہ) فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ فَقَعُوْا لَهٗ سَاجِدِيْنَ (سورۃ حجر ص) گویا آدم میں بھی بعینہٖ مسیح کی طرح خدا کی "رُوح" پھونکی گئی۔ کیا وہ بھی خدا بن گیا؟

جبرائیل کے حق میں:۔ فَاَرْسَلْنَا اِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا (مریم) پھر عربی بائبل کتاب حزقیل $\frac{۳۷}{۱۴}$ میں ان لوگوں کے

متعلق جو اپنے گھروں سے ہزاروں کی تعداد میں نکالے گئے تھے اور انکو مار دیا گیا تھا۔ اور پھر زندہ کیا تو اس زندہ کرنے کو ان الفاظ میں ذکر کیا ہے۔ فَاُعْطِیَ فِیکُمْ رُوْحِیْ جس کے بالمقابل اردو بائبل میں یہ الفاظ ہیں :۔

"اور میں اپنی رُوح تم میں ڈالونگا۔ اور تم جیو گے"۔ الغرض اس طرح حضرت مسیح خدا نہ ہوا بلکہ سب سے پہلے آدم پھر اسکی اولاد اور جبرائیل تمام خدا ہوئے۔

(ج) خود بائبل میں "روح اللہ" اور "خدا کی رُوح" لفظ غیر خدا کیلئے بیشمار مرتبہ استعمال ہوا ہے۔ بلکہ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مراد نبوّت ہے۔ ملاحظہ ہو :۔

(۱) بادشاہِ مصر نے حضرت یوسف کے متعلق کہا۔ کیا ہم ایسا جیسا کہ یہ مرد ہے کہ جس میں خدا کی رُوح ہے۔ پا سکتے ہیں ؟

(۲) دیکھو خداوند نے بطلی ایل کو ..... "حکمت اور فہم اور دانش اور سب طرح کی کاریگریوں میں رُوح اللہ سے معمور کیا"۔ (خروج ۳۵/۳۱)۔

(۳) نیز دیکھو حزقی ایل ۳۷/۱۴۔ گنتی ۲۴/۲ و ۲۷/۱۸ و خروج ۱۲/۳ و دانیال ۴/۸ و ۹ و ۱۸ و یسعیاہ ۶۱/۱ و نحمیاہ ۹/۳۰)۔

نئے عہد نامہ میں بھی یہ لفظ بکثرت استعمال ہوا ہے :۔

(۱) بولنے والے تم (حواری) نہیں بلکہ تمہارے باپ کی رُوح مجھ میں بھی ہے (۱۔ کرنتھیول ۷/۴۰)

(۲) انجیل کا مندرجہ ذیل حوالہ سب سے صاف ہے :۔

"خدا نے کہا آخری دِنوں میں ایسا ہوگا کہ میں اپنی رُوح میں سے ہر بشر

پر ڈالونگا اور تمہارے بیٹے اور تمہاری بیٹیاں نبوت کرینگی۔" (اعمال ۲/۱۷)

(۷) انجیل کے مندرجہ ذیل مقامات دیکھو:۔ لوقا ۱/۳۵ و ۱/۴۱ و ۱/۶۷ و ۲/۲۵ و ۱/۱۵ و اعمال ۲/۴ و ا۔ کرنتھیوں ۱۲/۳ تا ۱۱)۔

تیرھویں دلیل۔ مسیح کو قرآن مجید میں کلمۃ اللہ کہا گیا ہے لہذا وہ خدا ہے۔

جواب۔ قرآن مجید میں ہے۔ لَوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمَاتِ رَبِّي لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ أَنْ تَنفَدَ كَلِمَاتُ رَبِّي وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهِ مَدَدًا (کہف آخری رکوع) پس خدا کے کلمات کی تو کوئی جگہ ہی نہیں۔ اگر خدا کے کلمے خدا ہونے لگے تو پھر دنیا کا ذرہ ذرہ خدا بن جائیگا۔ خدا تعالیٰ ایک دوسری جگہ قرآن مجید میں فرماتا ہے۔ کہ اگر تمام درخت قلمیں اور سب سمندر سیاہی بنجائیں۔ مَا نَفِدَتْ كَلِمَاتُ اللَّهِ (لقمان رکوع ۳) پھر بھی کلمات اللہ شمار نہ ہوسکیں۔

چودھویں دلیل۔ انجیل میں مسیح کی نسبت "وسیلہ" کا لفظ استعمال ہوا ہے جس سے ثابت ہوا کہ وہ خدا ہے۔ ایسا ہی اُسے نئے عہد کا درمیانی کہا گیا ہے۔

جواب:۔ چہ خوش گفت است سعدی در زلیخا
الا یا ایہا الساقی ادر کاساً و ناولہا

انجیل میں "وسیلہ" کا لفظ بمعنی معرفت استعمال ہوا ہے۔ ملاحظہ ہو۔

"کیونکہ اس نے ایک دن ٹھہرایا ہے جس میں وہ راستی سے دُنیا کی عدالت اس آدمی کی معرفت کریگا جسے اُس نے مقرر کیا ہے۔" (اعمال ۱۷/۳۱)

اب دیکھئے بائبل میں کیا لکھا ہے:۔

"تب بھی تو بہت برس تک اُن کی برداشت کرتا رہا ہے اور اپنی رُوح

ہے یعنی اپنے نبیوں کی معرفت سے انہیں سمجھاتا رہا ہے۔" (نحمیاہ ۹/۳)

پس تمام انبیاء ہی خدا اور انسانوں کے درمیان وسیلہ ثابت ہوئے مسیح کی خصوصیت کیا رہی۔ نیز ملاحظہ ہو:۔

"تونے روح القدس کے وسیلہ سے ہمارے باپ اپنے خادم داؤد کی زبانی فرمایا۔" (اعمال ۴/۲۵)۔

لغت میں بھی ہے:۔ الوَاسِلَةُ وَالْوَسِیْلَةُ مَا یَتَقَرَّبُ بِہٖ اِلَی الْغَیْرِ۔ المَنْزِلَۃُ عِنْدَ الْمُلُوْکِ۔ الدَّرَجَۃُ۔

پس وسیلہ کے معنے مقرب الٰہی اور صاحبِ درجہ ہونے کے ہیں۔

خدا کا تجسّم محال ہے

انجیل کا مندرجہ ذیل اقتباس عیسائی پادریوں کی تمام منطقیانہ موشگافیوں کے جواب کے لئے کافی ہے:۔

"اگرچہ انہوں نے خدا کو جان لیا۔ مگر اس کی خدائی کے لائق اس کی بڑائی اور شکر گذاری نہ کی۔ بلکہ وہ باطل خیالات میں پڑ گئے۔ اور ان کے بے سمجھ دلوں پر اندھیرا چھا گیا۔ وہ اپنے آپ کو دانا جتا کر بے وقوف بن گئے۔ اور غیر فانی خدا کے جلال کو فانی انسان اور پرندوں اور چوپایوں اور کیڑے مکوڑوں کی صورت میں بدل ڈالا۔" (رومیوں ۱/۲۱ تا ۲۳)۔

حواری خدا کی عبادت کرتے تھے

(۱) ہم ہیں جو خدا کی روح سے خدا کی عبادت کرتے ہیں اور یسوع مسیح پر فخر کرتے ہیں۔ فلپیوں ۳/۳۔

مگر سچے پرستار رُوح اور راستی سے باپ کی پرستش کرتے ہیں یُوحنّا ۴/۲۳ -
(۲) حواریوں کا ایمان مسیح کے باپ سے کمتر ہونے پر بہت صاف تھا.
چنانچہ پولوس کا کلام شرک سمجھا. تم مسیح کے ہو. مسیح خدا کا ہے - ہر ایک مرد
کا سر مسیح ہے - اور مسیح کا سر خدا ہے - ۱- کرنتھیوں ۳/۲۳ و ۱۱/۳ -
(۳) حواری سوائے باپ کے کسی کو خدا نہ کہتے تھے - ۱- کرنتھیوں ۸/۴ و ۶

ہمارا ایک خدا ہے جو باپ ہے -
(۴) اس اکیلے سچے خدا کی تعریف - وہ مُبارک اور اکیلا حاکم - بادشاہوں کا
بادشاہ اور خداوندوں کا خدا ہے - فقط اسی کو ہے - وہ اس نور میں رہتا ہے
جس تک کوئی نہیں پہنچ سکتا - اور اسے کسی انسان نے نہ دیکھا اور نہ دیکھ
سکتا ہے - اس کی عزت اور سلطنت ابد تک رہے - ۱- تیمتھیس ۶/۱۵ و ۱۶ -

مسیح نے خدائی کا دعویٰ نہیں کیا

(اقبالی ڈگری)

مسیح نے خدا ہونے کا دعویٰ بالکل نہیں کیا - یہ صرف عیسائی صاحبان
کی خوش فہمی ہے کہ ان کو خدا بنا رہے ہیں -
بلکہ اگر حضرت عیسیٰ نے اپنے متعلق خدا یا ابن کا لفظ استعمال بھی کیا ہے تو
وہاں صرف انہیں معنوں میں مُراد لیا ہے جن معنوں میں تمام نبیوں اور بزرگوں پر
اس لفظ کا اطلاق کیا گیا ہے - ثبوت اس کا سُنیئے - ایک دفعہ حضرت مسیح نے یہودیوں
کے سامنے دعویٰ کیا کہ میں ابن اللہ ہوں - یہود یہ سنکر طیش میں آگئے - اور

انہوں نے ارادہ کیا کہ مسیح پر پتھراؤ کریں۔ مسیح نے کہا کہ تم مجھے اس قصور پر سزا دیتے ہو۔ انہوں نے کہا کہ تُو انسان ہو کر اپنے تئیں خدا بناتا ہے۔ اس کفر بکنے کی ہم سزا دیتے ہیں۔ مسیح نے جواب میں کہا۔ کیا تمہاری شریعت میں نہیں لکھا کہ مَیں نے کہا کہ تم خدا ہو۔ جبکہ اُس نے انہیں جن کے پاس کلام آیا۔ خدا کہا۔ اور ممکن نہیں کہ کتاب باطل ہو۔ یوحنا ۱ باب آیت ۳۴ تا ۳۶۔

اِس عبارت کو سُنا کر مسیح نے اپنے ابن اللہ ہونے کی حقیقت کھول دی کہ تم ناحق مجھے کافر کہتے ہو جبکہ توریت میں لکھا ہے کہ تمام وہ لوگ جنکے پاس خدا کا کلام آیا۔ یعنی یہود خدا ہیں۔ تو پھر میرے ابن اللہ کہلانے پر خفا کیوں ہوتے ہو۔ جبکہ تمہارے ہاں کتب انبیاء میں لکھا ہے کہ قضات اور بزرگ لوگ الوہیم یعنی خدا ہیں۔ اسی طرح انہی معنوں میں مَیں بھی ابن اللہ ہونے کا مدعی ہوں۔

الہامی منطق

(مسیح میں خدائی صفات نہ پائی جاتی تھیں)

(۱) خدا آزمایا نہیں جاتا (یعقوب $\frac{1}{12}$)۔ مسیح آزمایا گیا (متی $\frac{4}{1}$ و عبرانیوں $\frac{4}{5}$) لہذا مسیح خدا نہیں۔

(۲) خدا نہیں مرتا۔ (۱۔ تیمتھیس $\frac{6}{16}$ و دانی ایل $\frac{6}{26}$)۔ مسیح مرا (متی $\frac{27}{51}$۔ یوحنا $\frac{19}{34}$ و رومیوں $\frac{5}{6}$) نتیجہ مسیح خدا نہیں۔

(۳) خدا قیوم ہے۔

مسیح قیوم نہیں (متی $\frac{20}{23}$ اپنے دائیں بائیں بٹھانا میرا کام نہیں)۔

(۴) اللہ تعالےٰ کسی سے دُعا نہیں مانگتا۔

مسیح نے دُعا مانگی۔ (لُوقا ۵/۱۶ و ۲۲/۲۴)۔

(۵) خدا قادر مطلق ہے آپ سے ہر کام کر سکتا ہے۔ (۱۔ کرنتھیوں ۱۶/۱۸)۔

مسیح قادر مطلق نہ تھا اور آپ سے ہر کام کر نہ سکتا تھا (یوحنا ۵/۳۰ و ۵/۲۸)۔

صغریٰ :۔ المسیح غیر قادر۔

کُبریٰ :۔ وکل ما ھو غیر قادر فلیس ھُوَ باللہِ۔

نتیجہ :۔ فالمسیح غیر اللہِ۔

(۶) صرف خدا عالم الغیب ہے۔ (۱۔ سلاطین ۸/۳۹)۔

(تُو ہاں تُو ہی اکیلا سارے بنی آدم کے دِلوں کو جانتا ہے")۔

لیکن مسیح عالم الغیب نہ تھا۔ ثبوت کے لئے ملاحظہ ہو :۔ مرقس ۳/۲۴

لیکن اُس دِن یا اُس گھڑی کی بابت کوئی نہیں جانتا۔ نہ آسمان کے فرشتے

نہ بیٹا۔ مگر باپ۔ (ب) انجیر کا درخت (متی ۲۱/۱۸ و ۱۹)۔ (ج) مجھے کس نے

چھُوا۔ (لُوقا ۸/۴۵ و ۴۶)۔ (د) پطرس کو جنت کی کنجیاں (متی ۱۶/۱۹) مگر

بعد میں پطرس شیطان (متی ۸۶/۲۳)۔

(۷) خدا قائم بالذات ہے۔

مسیح قائم بالذات نہیں۔ (۲۔ کرنتھیوں ۱۳/۴ و رُومیوں ۶/۱)۔

(۸) خدا جو کہتا ہے وہ ہو جاتا ہے (حزقی ایل ۱۲/۲۵ و زبور ۵/۱ و مرقس ۱۴/۳۶)

مسیح جو کہتا ہے وہ نہیں ہوتا (متی ۲۰/۲۳ اپنے دائیں بائیں بٹھانا میرا

کام نہیں۔ (ب) یُوحنا ۵/۳۰ میں اپنے آپ سے کچھ نہیں کر سکتا (ج) متی ۱۶/۲۸

شاگردوں سے کہا کہ تم میں سے کئی زندہ ہونگے کہ میں آسمان سے واپس آجاؤنگا۔ لیکن ابھی تک نہیں آیا۔ شاگرد سب مر گئے۔

(۹) خدا نہیں تھکتا اور ماندہ نہیں ہوتا (یسعیاہ ۴۰/۲۸ و یرمیاہ ۱۴/۹)۔ مسیح تھکا ماندہ ہوا۔ (یوحنا ۴/۶۔ چنانچہ یسوع سفر سے تھکا ماندہ ہوکر اس کوئیں پر بیٹھ گیا۔)

(۱۰) "خدا تھکے ہوؤں کو زور بخشتا ہے اور ناتوانوں کی توانائی زیادہ کرتا ہے۔" (یسعیاہ ۴۰/۲۹ و زبور ۱۴۵/۱۴) مگر مسیح کا اپنا یہ حال ہے:۔

"لومڑیوں کے بھٹ ہوتے ہیں اور پرندوں کے گھونسلے۔ مگر ابن آدم کے لئے سر دھرنے کی جگہ نہیں۔" (متی ۸/۲۰)۔

لہذا مسیح خدا نہیں۔ وتلك عشرة كاملة۔

معقولی دلائل در تردید الوہیتِ مسیح

(۱) ہندو لوگ کرشن جی مہاراج کو خدا کہتے ہیں۔ کیا وجہ ہے۔ کہ کرشن کو خدا نہ مانیں اور مسیح کو مان لیا جائے۔

(۲) جب مسیح مر گیا (متی ۲۷/۵۰) اور دو رات مرا رہا۔ تو کیا خدا مر جایا کرتے ہیں۔ خدا نہیں مر سکتا۔

(۳) جب مسیح نے تجسم اختیار کیا تھا تو ثلاثہ اقانیم اکٹھے یکجا تھے یا دو الگ الگ رہ اقنوم ثانی جسم میں تھا۔ اگر دو الگ الگ تھے تو مجموعہ الوہیت مکمل نہ رہا۔ اور اگر ثلاثہ اقانیم یکجا تھے تو صرف اقنوم ثانی نے ہی تجسم اختیار نہ کیا بلکہ ثلاثہ اقانیم نے۔

(۴) مسیح دشمنوں کے مقابلہ میں مغلوب ہوا۔ مصلوب وملعون ہوا۔ کیا خدا مغلوب و مصلوب وملعون ہو سکتا ہے۔ اگر ہو سکتا ہے۔ تو عاجز انسان اور خدا کے درمیان مابہ الامتیاز کیا شئے ہے؟

(۵) جب مسیح نے یہ کہا تھا کہ اے باپ میں اپنی رُوح تیرے ہاتھ میں سونپتا ہوں۔ اور مر گیا تھا۔ لوقا ۲۳/۴۶۔

تب کونسی رُوح رہی تھی۔ انسانی یا الٰہی۔ اگر کہو کہ انسانی فقط۔ تو الٰہی رُوح کہاں گئی تھی۔ اور یہ بھی بتاؤ کہ رُوحیں دو ہیں۔ مگر مسیح ایک۔ ایک الٰہی رُوح جو غیر محدود اور ایک انسانی رُوح جو محدود۔ یہ دونو ایک جسم میں کس طرح حلول کر سکتی ہیں۔

(۶) مسیح کہتا ہے جو عورتوں سے پیدا ہوئے یُوحنّا بپتسمہ دینے والے سے کوئی بڑا ظاہر نہیں ہوا (متی ۱۱/۱۱) مسیح بھی عورت سے پیدا ہوا تھا یُوحنّا سے چھوٹا ہوا۔ پس یُوحنّا بڑا خدا ہوا کیونکہ جب یُوحنّا سے چھوٹا خدا ہو گیا تو یُوحنّا بڑا خدا ہو گا۔

(۷) ایوب ۷/۹ میں لکھا ہے جو گور میں اُترا پھر اُوپر نہ آوے گا۔ تو مسیح مرکر قبر سے کیونکر نکلا۔

(۸) ایوب ۸/۲۰۔ خدا سچے آدمی کو نہیں چھوڑیگا۔ وہ بدکاروں کی امداد نہیں کرتا۔ اور مسیح مغلوب مصلوب اور یہودی کامیاب ہوئے۔

(۹) استثنا ۱۳/۵ میں ہے۔ غیر معبودوں کی پرستش کی طرف بلانے والا جھوٹا ہے۔ وہ قتل کیا جاویگا۔ مسیح نے اگر خود کو کہا۔ اور مقتول ہوئے تو جھوٹے ثابت ہوئے نہ کہ خدا اور سچّا خدا۔

(۲۳) اگر مسیح بغیر باپ ہونے کی وجہ سے خدا ہے تو ملک صدق سالم کیوں خدا نہیں۔ عبرانی ۷/۳۔

(۲۴) مرقس ۱۰/۱۸۔ اے نیک اُستاد۔ مگر مسیح کو خود نیک ہونے سے انکار ہے۔

کفارہ

مسیحی مفہوم۔ اوّل۔ ہر انسان گنہگار ہے۔ نہ صرف بلوغت سے لیکر بلکہ پیدائشی گنہگار ہے۔ دوم۔ اس لئے کہ آدم و حوّا نے گناہ کیا۔ اور اولاد میں وراثتاً گناہ آیا۔ اس لئے ہر انسان گنہگار ہے۔ سوم۔ نظام الٰہی کہ چونکہ خدا عادل ہے۔ بلا وجہ بخش نہیں سکتا۔ اور وہ رحیم بھی ہے۔ بوجہ عدل چھوڑ نہیں سکتا۔ بوجہ رحم اقنوم ثانی کو تجسّم اختیار کرنا پڑا۔ (نہ معلوم خود تجسّم اختیار کیا یا باپ کے حکم سے کیونکہ الوہیت میں مساوی ہیں خادم) اور دوسری طرف خدا نے انسان بن کر اور مصلوب ہو کر جہان کے گناہ اٹھائے۔ جو کوئی اس پر ایمان لاتا ہے اُس کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ بوجہ مسیح کی اس تکلیف کے جو اُس نے صلیب پر برداشت کی۔

بنیاد کفارہ۔ گناہ پیدائش سے ہے۔ عملوں سے نہیں۔ تمام لوگ پیدائش سے (مرد و عورت سے پیدا ہوئے۔ اس لئے) گنہگار ہوئے۔ مسیح بیگناہ (صرف عورت سے پیدا ہوا) تھا۔ اس لئے قربان ہوا۔ اور دُنیا کو گناہوں سے نجات دی۔

تعریف کفارہ۔ کفارہ کے لفظی معنی ڈھکنا۔ ڈھانپنا۔ خدا کا ایک بیٹا ہے۔

اور وہ ایک ہی بیٹا ہے۔ اس خدا کے بیٹے نے مریم کے پیٹ میں حلول کیا۔ اور وہ خدا کا بیٹا انسان کے بیٹے کی شکل میں پیدا ہوا۔ خدائی کا دعویدار ہوا۔ یہودیوں نے پکڑ کے صلیب پر لٹکا کر جان نکالدی۔ یہ تکلیف خدا کے بیٹے نے محض انسان کے گناہوں کی وجہ سے اٹھائی۔ اب وہ گناہوں کا کفارہ ہوگئے ہیں۔ اب کسی قسم کی سزا انسان کو نہ دی جائے گی۔

ضرورت کفارہ ۔ انسان گنہگار ہے اور گناہ کا نتیجہ موت ہے بلکہ جہنم کی سزا۔ مگر خدا رحیم ہے۔ اس کا رحم چاہتا ہے کہ انسان سزا سے بچ جاوے پھر وہ عادل ہے۔ عدل کا تقاضہ ہے کہ سزا ضرور دی جاوے۔ اب رحم اور عدل ایک جگہ کس طرح جمع ہوں۔ خدا کا بیٹا گناہوں کو اپنے اوپر لے کر اپنا مارا جانا قبول کر کے تمام جہانوں کے لئے نجات کا ذریعہ ہوگیا۔

کفارہ کی تائید میں حوالجات جو یسوعیوں کیطرف سے پیش کئے جاتے ہیں

(۱) اچھا گڈریہ میں ہوں۔ اچھا گڈریہ بھیڑوں کے لئے اپنی جان دیتا ہے۔

(۲) یسوع کے صلیب دئے جانے کا دن قریب آیا تو ایک دن روٹی کھانے کے وقت روٹی اور انگور کا رس جماعت میں تقسیم کرتے ہوئے کہا کھاؤ۔ یہ میرا بدن ہے اور پیو۔ یہ میرا لہو ہے۔

ابطال (۱) آدم سے زیادہ گنہگار حوا تھی۔ اس لئے جو صرف عورت سے پیدا ہوا۔ وہ زیادہ گنہگار ہوا۔ تو قربان کیسے ہوا۔ قربان تو معصوم ہو سکتا ہے بقول شما (دیکھو توریت۔ کہ سانپ نے بہکا کر حوا کو دانہ کھلایا۔ پھر حوا نے آدم کو بہکایا) پیدائش ۳/۲ ۔

(۲) انجیل میں لکھا ہے کہ یسوع کے مصلوب ہونے سے قبل یوحنا اور زکریا مع اپنی بیوی کے نہایت پاک اور راستباز تھے۔ ثابت ہوا کہ کفارہ پر ایمان لائے بغیر بھی آدمی راستباز ہو سکتا ہے۔ کفارہ ضروری نہ رہا۔ نیز یسوع سے پہلے جتنے انبیاء تھے۔ ان کی نجات کس طرح ہوئی؟

(ا) "زکریا اور اس کی بیوی وہ دونوں خداوند کے حضور راستباز اور خداوند کے سارے حکموں اور قانونوں پر بے عیب چلنے والے تھے" (لوقا $\frac{1}{6}$)

(ب) "یوحنا خداوند کے حضور بزرگ" (لوقا $\frac{1}{15}$)۔

(ج) "یوحنا بپتسمہ دینے والے سے کوئی بڑا نہیں" (متی $\frac{11}{11}$)۔

(د) "یوحنا نبی سے بھی بڑا تھا" (لوقا $\frac{7}{26}$)۔

(۳) اگر کفارہ صحیح ہو۔ تو لازم آتا ہے کہ یہودا اسکریوطی مسیح کے پکڑوانے والے کو جزائے خیر ملے اور نجات ابدی کو پہنچے۔

(۴) یہ عدل نہیں کہ گنہگار دُنیا میں اچھی طرح گناہ کریں اور عاقبت کو بھی جنت میں داخل ہوں اور عوض انکے حضرت مسیح بے گناہ صلیب پر چڑھائے جائیں اور دوزخ میں بھی رہیں۔ غرض یہ ظلم ہے۔

(۵) اگر حضرت عیسیٰ اپنی خوشی سے کفارہ قبول کرتے تو صلیب پر کیوں پکار کر کہتے کہ ایلی ایلی لما سبقتنی۔ یعنی اے میرے خدا۔ اے میرے خدا۔ تُو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا معلوم ہوا کہ جبراً صلیب دیا گیا۔ پس وہ کفارہ گناہوں کا کیسے ہوئے۔ (متی $\frac{27}{46}$)۔

(۶) جب مسیح نے سب گناہ اُٹھا لئے۔ تو گویا وہ مجموعہ گناہوں کا ہوئے

پس گناہ گار آدمی اپنے گناہ سے عذاب ابدی میں رہیگا۔ تو کیا حال ہے اس کا جس نے سب کے گناہ اُٹھائے۔

(۷) بتقدیر تسلیم کفارہ انبیا جو پہلے مسیح سے گذرے ہیں۔ لازم آتا ہے کہ کفار کے ساتھ دوزخ میں رہے ہوں۔ کیونکہ تب تک کفارہ نہ ہوا تھا

(۸) ہم پوچھتے ہیں کہ کفارہ سب کا ہوا ہے یا کہ موجودین کا۔ بر تقدیر ثانی آیندہ اور گذشتہ کے واسطے اور کفارہ چاہیئے۔ بر تقدیر اول جب لوگ پیدا نہ ہوئے تھے تو ان کے گناہ کیونکر ایک شخص نے اُٹھا لیئے۔

(۹) جب مسیح نے سب کے گناہ اُٹھا لئے تو وہ گویا اول نمبر کے گنہگار ہوئے۔ پس محتاج ہوئے طرف کسی منجی کے کیونکہ بجز منجی کے نجات ممکن نہیں۔ پس وہ بھی محتاج کفارہ کا ہوگا۔ اور تسلسل لازم آئیگا۔

(۱۰) کفارہ سے لازم آتا ہے کہ قاتل اور چور وغیرہ مجرموں کو پھانسی کی سزا نہ دیجائے حالانکہ مسیحی لوگ سزا دیتے اور لیتے بھی ہیں۔

(۱۱) جب کفارہ ہوگیا تو نیکی کرنے کی کیا حاجت رہی۔ باوجودیکہ مسیح نے چالیس روزے رکھے اور حوارین بھی پابندی نیکی کی کرتے رہے۔

(۱۲) اگر مسیح نے گناہ اُٹھائے بھی ہیں تو لازم آتا ہے کہ امور غیر متناہی واقع ہوں۔

(۱۳) مسیح اگر کفارہ ہونے کو آئے تھے تو آتے ہی کفارہ کیوں نہ ہوئے بلکہ انجیل سے ثابت ہے کہ خلقت کو نصیحت کرنے آئے تھے۔

(۱۴) اس کفارہ کے ہونے سے معافی گناہ کی تو نہیں ہوئی بلکہ زیادتی وقوع میں آئی ہے کیونکہ یہودی مسیح کی خفارت کرنیکے باعث مستحق عذاب کے ہوئے۔

(۱۵) اگر کفارہ موافق مرضی خدا کے ہوتا۔ تو علامات رحمت ظاہر ہوتیں حالانکہ چار انجیلوں سے ثابت ہے کہ بعد سولی کے اس طرح کی علامات خدا کے قہر کی ظاہر ہوئیں کہ کبھی نہ ہوئی ہونگی مثلاً جہان میں اندھیرا ہو جانا اور مُردوں کا قبروں سے نکلنا۔ زمین کا کانپنا۔ ہیکل کا پردہ پھٹ جانا وغیرہ وغیرہ۔

(۱۶) جبکہ باقرار مسیحیاں حضرت عیسےٰ جزو خدا ہیں۔ اور یہ تو ظاہر ہے کہ صلیب پر کھینچنے والا انسان تھا پس اس سے غلبہ مخلوق کا خالق پر پایا جاتا ہے۔

(۱۷) کفارہ کو ماننے سے لازم آتا ہے کہ کسی بخشش کرانیوالے کی حاجت نہ رہے۔ حالانکہ کتاب اعمال میں موجود ہے کہ حوارین بخشش دیتے تھے۔ اور مسیح حواریوں کو فرماتے تھے کہ جس کو تم بخشوگے وہ بخشا جائیگا۔

(۱۸) اناجیل سے ثابت ہے کہ حضرت عیسیٰ قیامت کو عدالت کرینگے۔ اگر یہ سچ ہے تو بطلان کفارہ میں کیا شک ہے۔

(۱۹) ہر ایک فرقے پر اطاعت و تقلید پیشوا اپنے کی لازم ہے۔ پس اگر مسیح مصلوب ہوئے تو عیسائی کیوں صلیب پر نہیں چڑھتے۔

(۲۰) اعتقاد کفارہ سے تحقیر شان مقصود ہے۔ یہ تحقیر اُنکے پیرو پولوس صاحب بھی کرتے ہیں قطع نظر مخالف سے۔ چنانچہ گلتیوں کے خط میں لکھا ہے۔ جو سولی دیا گیا وہ لعنتی ہے ۳/۱۳ مصلوب خدا کا ملعون ہوتا ہے۔ استثناء ۲۱/۲۳۔

(۲۱) اگر مسیح کفارہ ہونے آئے تھے تو دعا رد بلا نہ مانگتے۔ حالانکہ انجیل میں موجود ہے کہ مسیح نے رات بھر بہت تضرع سے یہ دعا مانگی کہ یہ عذاب سولی کا مجھ سے ٹل جائے۔ دیکھو متی ۲۶/۳۹ و مرقس ۱۴/۳۶ و لوقا ۲۲/۴۲۔

(۲۲) مسیح من حیث الروح کفارہ ہوئے یا من حیث الجسم ۔ برتقدیر ثانی جسم انکا بشریت کا تھا ۔ اور کل بشر گنہگار ہیں ۔ برتقدیر اوّل رُوح کو آپ خدا سمجھتے ہیں وہ سُولی دئے جانے سے مبرّا ہے ۔ دُوسرا رُوح محسوس نہیں جو صلیب پر کھینچا جاتا ۔ اپنے جسم کے متعلق مسیح خود کہتا ہے جسم کمزور ہے (مرقس ۱۴/۳۸)

(۲۳) (ا) جو ایمان لاتا ہے نجات پائیگا ۔ یوحنا ۳/۱۶-۱۹ و رومیوں ۳/۲۵ ۔

(ب) ایمانداروں کی علامتیں دیکھو :۔

(متی ۱۷/۲۰ و ۱۶/۹ و ۲۱/۲۱ و مرقس ۱۶/۱۷ و یوحنا ۱۴/۱۱) پہاڑ ہٹانا ۔ درخت سکھانا زہر کھانا ۔ بیماروں کو شفا دینا وغیرہ وغیرہ ۔ مگر چونکہ کسی عیسائی میں یہ علامتیں نہیں ۔ لہذا کوئی ایماندار نہیں کسی کی نجات نہ ہوئی ۔ کفارہ باطل ۔

(۲۴) مسیح کی قربانی خلافِ فطرت و عقل ہے ۔ ہمیشہ چھوٹی چیز بڑی چیز پر قربان ہوتی ہے ۔ لفظ قُربانی ۔ قُرب سے نکلا ہے ۔

(۲۵) کفارہ پر ایمان لانے کے بعد مسیحی لوگوں سے گناہ سرزد ہی نہیں ہوتے یا ہوتے ہیں ۔ لیکن معاف ہو جاتے ہیں ۔ (۱) سرزد نہیں ہوتے مشاہدہ کے خلاف ۔ (۲) معاف ہو جاتے ہیں ۔ دلیل دو ۔

(۲۶) مسیح نے اپنی مرضی سے کفارہ ہوکر بندوں کے گناہ اپنے ذمہ لئے یا باپ کی مرضی سے ۔ اگر باپ کی مرضی سے تو باپ غیر عادل ۔ اگر اپنی مرضی سے تو خود غیر عادل ۔

(۲۷) انسان بوجہ گنہگار ہونیکے کفارہ ہو سکتا تھا وہ فطرتاً گنہگار ہے ۔ تمام لوگ ابن آدم ہیں مگر مسیح ابن اللہ ہے اور پاک ہے اس لئے کفارہ ہوا ۔ مگر ہم کہتے ہیں وہ ابن آدم بھی ہے ۔ پھر حوا نے بھی گناہ کیا تھا بلکہ آدم سے

پہلے اُسی نے گناہ کیا۔ اور مریم بھی اولادِ آدم سے تھی۔ مسیح ان سے پیدا ہوئے۔ ماں کے خواص بچے میں سرایت کرتے ہیں۔ مسیح کی ماں بیگناہ نہ تھی نسلِ آدم سے تھی۔ اسلئے مسیح گناہ سے کیسے پاک ہوئے۔ وہ بھی گنہگار ہوئے۔ جو عورت سے پیدا ہوا وہ کیونکر پاک ٹھہرے۔ (ایوب ۲۵/۵ و ۱۵/۱۵)۔

(۲۸) آدم کیوجہ سے ساری نسل کا گنہگار ہونا خدا کے عدل کے خلاف ہے

(۲۹) موت گناہ کی سزا ہے۔ جب گناہ معاف ہو چکا تو پھر موت کیسی؟ (رومیوں ۶/۱۶)

(۳۰) عورت دردِ زہ سے بچہ جنیگی۔ مرد پسینہ کی کمائی سے روٹی کمائیگا۔ مگر کفارہ پر ایمان لاکر بھی دردِ زہ ہوتا اور پسینہ کی کمائی سے روٹی نصیب ہوتی ہے۔

(۳۱) یہودیوں نے احسان کیا کہ کفارہ ادا کر دیا۔ پھر لعنتی کیوں ہوئے؟

(۳۲) چونکہ یسوع کا دعوٰی صرف بنی اسرائیل کی ہدایت کیلئے آنے کا تھا اس کا کفارہ بھی صرف بنی اسرائیل کیلئے ہوگا۔ تمہارا اسکی تبلیغ کرکے لوگوں کو دھوکہ دینا بے فائدہ ہے۔

(ا) "میں بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا اور کسی کے پاس نہیں بھیجا گیا۔" (متی ۱۵/۲۲)

(ب) "لڑکوں کی روٹی کتوں کے آگے ڈالنا اچھا نہیں۔" (متی ۱۵/۲۶)

(ج) "اس نے شاگردوں کو ہدایت کی کہ بنی اسرائیلیوں کے سوا اور کسی کو تبلیغ نہ کرنا۔" (متی ۱۰/۵-۶)۔

(د) پولوس کا یسوع کی وفات کے بعد غیر قوموں کو تبلیغ کرنا محض غصہ کیوجہ سے تھا۔ اعمال بتاتا ہے۔ اور یسوع کے دوسرے شاگرد پطرس سے جھگڑے کیوجہ

غیر قوموں کے پاس جا کر کیوں منادی کی۔ اعمال ۱۱/۲۔ اور اس کے جواب میں اُس نے ایک بے معنی سا خواب سُنا کر انگوٹھا لنا چاہا۔ اگر یسوع نے کبھی غیر قوموں کی ہدایت کا بھی دعویٰ کیا ہوتا تو پطرس اپنی خواب سُنانے کی بجائے یسوع کا وہ قول پیش کرتا۔ جس سے ثابت ہوا کہ غیر قوموں میں تبلیغ محض پولوس کی ایجاد ہے۔ پس جب کفارہ بنی اسرائیلیوں میں محدود ہو گیا۔ تو خدا کی باقی ساری مخلوق اس سے محروم ہو گئی۔ اور خدا کے بیٹے کی اتنی بڑی قربانی "کوہ کندن و کاہ بر آوردن" کی مصداق ہوئی۔

(۳۳) قول عیسائی کہ انسان کمزور ہے۔ گناہ اُٹھا نہیں سکتا۔ اِس لئے خدا کے بیٹے نے وہ گناہ اُٹھا لئے۔ یہ عدل کے خلاف ہے۔ دُوسروں کے عوض میں کسی کو سزا کیوں دیجائے۔ اس موقعہ پر "اندھیر نگری چوپٹ راجہ" والی مثال صادق آئے گی۔

(۳۴) قول عیسائی۔ کہ اگر خدا گناہوں کی سزا نہ دیوے اور بخش دے تو یہ عدل کے خلاف ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ لوگوں نے عدل کی تعریف غلط سمجھی ہے عدل کہتے ہیں کسی کا حق نہ مارنا۔ جیسے مزدور کو ایک روپیہ کی بجائے دُو دے دیں۔ تو عدل کے خلاف نہیں۔ ہاں ایک کی بجائے ۸ آنے دے دیں۔ تو خلافِ عدل ہے۔ اسی طرح گناہ معاف کرنا عدل کے خلاف نہیں۔ ہاں بڑھ کر سزا دینی خلافِ عدل ہے۔ ثواب میں انعام ہوتا ہے۔ اگر اعمال سے زیادہ دیا جائے تو خلاف عدل نہیں۔

اسکے متعلق انجیل کی شہادت۔ صاحب مکان کے مزدوروں کا قصہ

نقلی دلائل۔ (۱) متی ۶/۱۴۔ اگر تم آدمیوں کے گناہ بخشو گے تو تمہارا باپ بھی جو آسمان پر ہے۔ نہیں بخش دے گا۔ پس جب خود خدا نہیں بخش سکتا تو وہ بندوں کو کیسے کہتا ہے کہ تم بخشو۔

(۲) استثنا ۹/۱۸-۲۱۔ اسرائیلیوں کی ہلاکت کو نبی کی دعا سے ٹال دیا۔ معلوم ہوا کہ گناہ بغیر کفارہ بھی معاف ہو سکتے ہیں۔

(۳) پیدائش ۲۰/۷۔ نبی کی دعا ہمارے واسطے شفاعت کرتی ہے اور ہمیں زندگی بخشتی ہے۔ کسی کفارے کی ضرورت نہ رہی۔

کفارہ پر ایمان لانے سے خرابیاں

(۱) دعا کا مسئلہ فضول جاتا ہے (۲) گناہ پر دلیری عیسائی گناہ کرے یسوع بخشوا دیگا۔ یوحنا ۱/۲۔ (۳) نبی کو لعنتی ماننا پڑتا ہے (۴) تورات کا انکار کرنا پڑتا ہے کیونکہ اس میں کفارہ کا ذکر نہیں (۵) خدا غیر عادل ٹھہرا ہے کہ ناحق اپنے بیٹے کو سولی دی۔

(۳۵) یسعیاہ نبی ۵۵/۷۔ "وہ جو شریر ہے اپنی راہ کو ترک کرے اور بدکردار اپنے خیالوں کو اور خداوند کی طرف پھرے کہ وہ اسپر رحم کریگا اور ہمارے خدا کی طرف کہ وہ کثرت سے معاف کرے گا"۔ اس میں گناہوں کی معافی ترک گناہ بتایا ہے۔ نہ کہ کفارہ۔

(۳۶) اگر کفارہ سچ ہے تو خدا رحیم نہیں۔ کیونکہ اس نے بہر حال سزا دے لی پھر وہ رحم کہاں بنتا ہے۔ عیسائیوں کے مزعومہ عدل کو پورا کر لیا۔

(۳۷) سزا کی غرض بندہ کی اصلاح ہے بیٹے کو سزا دے کر بندے کی کیا اصلاح ہوئی اس سے خدا تو خوش نہیں ہوتا۔ نہ نیکی سے اسے فائدہ ہے اور نہ بدی سے کوئی نقصان۔ پس اصل غرض سزا کی اصلاح نفس ہے جب وہ نہ ہوئی۔ تو کفارہ بے فائدہ۔ نیز کفارہ ساز گناہ کی سزا کی غرض سے نا واقف معلوم ہوتا ہے۔

(۳۸) یسوعی کہتے ہیں کہ کفارہ ہو سکتا ہے۔ جیسے ایک بادشاہ کا قرضدار جب اپنا قرض ادا نہ کر سکے تو بادشاہ کا بیٹا اگر اس قرض کو ادا کر دے تو وہ چھوٹ جاتا ہے۔ اسی طرح جب لوگوں کے گناہ بیٹے نے اٹھا لئے تو وہ سزا سے بری ہو گئے۔ مگر اتنا نہیں سوچا کہ جب بیٹا اتنا اختیار رکھتا ہے کہ اپنے خزانے دیدے اور رحم کرتا ہے۔ تو کیا بادشاہ رحم نہیں کر سکتا۔

(۳۹) گناہوں کی معافی کے ذرائع ۲ تواریخ $\frac{۷}{۱۴-۱۲}$ اپنے تئیں عاجز کرنا دعا مانگنا۔ خدا کا منہ ڈھونڈنا۔ برے راہوں سے پھرنا۔ اگر یہ ذرائع انسان (حقیقیا) کرے۔ تو بغیر کفارہ خطا معاف ہوتے ہیں۔

(۴۰) متی $\frac{۱۲}{۳۲}$ روح کے خلاف کا کفر معاف نہ ہوگا۔ اس سے معلوم ہوا کہ یسوع کے نزدیک گناہ دو قسم کے ہیں۔ صغائر اور کبائر۔ کبائر بغیر سزا کے معاف نہیں پس کفارہ باطل کیونکہ کفارہ سب گناہوں کو یکساں معاف کرتا ہے۔

(۴۱) متی $\frac{۷}{۱۴}$ نجات کی راہ کو مشکل اور تنگ بتلایا ہے۔ جو بہت محنت اور جانفشانی کا کام ہے۔ حالانکہ کفارے کی راہ تو تنگ نہیں۔ جو مرضی آئے کرے

پس کفارہ، نجات کے لئے نہیں۔

(۴۲) خدا قربانی پسند نہیں کرتا بلکہ رحم پسند کرتا ہے (متی ۱۲/۷) لہذا کفارہ باطل ہے

(۴۳) "کفارہ" یہ تعلیم دیتا ہے کہ "اعمال" کی قطعاً ضرورت نہیں۔ مجرد "ایمان" ہی کافی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ "کفارہ" کے بانی (پولوس) نے "شریعت" کو "لعنت" قرار دیا ہے۔ جیسا کہ انجیل میں لکھا ہے "(۱) مسیح جو ہمارے لئے لعنتی بنا۔ اس نے ہمیں مول لے کر شریعت کی لعنت سے چھڑایا۔ کیونکہ لکھا ہے جو کوئی لکڑی پہ لٹکایا گیا۔ وہ لعنتی ہے۔" (گلیتوں ۳/۱۳)۔

(ب) "اب ہم جانتے ہیں کہ شریعت جو کچھ کہتی ہے۔ ان سے کہتی ہے جو شریعت کے ماتحت ہیں۔ تاکہ ہر ایک کا منہ بند ہو جائے۔ اور ساری دنیا خدا کے نزدیک سزا کے لائق ٹھہرے . . . مگر اب شریعت کے بغیر خدا کی ایک راستبازی ظاہر ہوئی ہے۔ جس کی گواہی شریعت اور نبیوں سے ہوتی ہے۔ یعنی خدا کی وہ راستبازی جو یسوع مسیح پہ ایمان لانے سے سب ایمان لانے والوں کو حاصل ہوتی ہے۔ اس لئے کہ سب نے گناہ کیا۔ اور خدا کے جلال سے محروم ہیں۔ مگر اس کے فضل کے سبب اس مخلصی کے وسیلے سے جو یسوع مسیح میں ہے۔ مفت راستباز ٹھہرائے جاتے ہیں۔ اسے خدا نے اسکے خون کے باعث ایک ایسا کفارہ ٹھہرایا جو ایمان لانے سے فائدہ مند ہو . . . کونسی شریعت کے سبب سے ؟ کیا اعمال کی شریعت سے ؟ نہیں بلکہ ایمان کی شریعت سے۔ چنانچہ ہم یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ انسان شریعت کے اعمال کے بغیر ایمان کے سبب سے راستباز ٹھہرتا ہے۔" (رومیوں ۳/۱۹-۲۹)۔

(ج) **جھوٹ جائز** :- یہی وجہ ہے کہ پولوس کہتا ہے۔ " اگر میرے جھوٹ کے سبب سے خدا کی سچائی اس کے جلال کے لیئے ظاہر ہوئی۔ تو پھر کیوں گنہگار کی طرح مجھ پر حکم لگایا جاتا ہے۔" (رومیوں ۳/۷) گویا اگر جھوٹ بول کر عیسائیت کی تبلیغ کی جائے۔ تو کوئی حرج نہیں۔

(د) کفارہ کی آزادانہ تعلیم ہی کا نتیجہ تھا کہ یسوع کے معاً بعد ہی عیسائیوں میں خطرناک طور پر بدکاری شروع ہو گئی تھی۔ چنانچہ پولوس رسول عیسائیوں کو مخاطب کر کے لکھتا ہے: " یہاں تک سننے میں آیا ہے کہ تم میں حرامکاری ہوتی ہے۔ بلکہ ایسی حرامکاری جو غیر قوموں میں بھی نہیں ہوتی۔ چنانچہ تم میں سے ایک شخص اپنے باپ کی بیوی کو رکھتا ہے اور تم افسوس تو کرتے نہیں۔ تاکہ جس نے یہ کام کیا۔ تم میں سے نکالا جائے۔ بلکہ شیخیاں مارتے ہو۔"

(۱۔ کرنتھیوں ۵/۱)

پس عیسائیوں کا یہ دعویٰ کہ کفارہ گناہ کو جڑ سے کاٹتا ہے۔ باطل ہے۔

عیسائی۔ قرآن میں بھی کفارہ ہے۔ جیسا کہ لکھا ہے۔ فَكَفَّارَتُهٗ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ " (مائدہ رکوع ۱۲)

احمدی۔ قرآن مجید میں لفظ کفارہ سزا کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص قسم توڑے اس کو سزا یہ ہے کہ وہ دس مسکینوں کو کھانا کھلائے یا ان کو کپڑے پہنائے یا ایک غلام آزاد کرے۔ مگر کفارہ کی سزا تو بے گناہ کو دی جاتی ہے۔ اور گناہ کرنیوالا آرام اور مزے سے پھرتا ہے۔

(نوٹ) بعض عیسائی "حج بدل" کو بھی پیش کر دیا کرتے ہیں۔ سو یاد رکھنا چاہیئے کہ

حج بدل میں روپیہ اسی شخص کا ہوتا ہے۔ جس کو حج بدل کا ثواب ملتا ہے۔ لیکن یسوعی کفارہ میں خون تو مسیح کا بہایا گیا۔ اور گناہ عیسائیوں کے معاف ہوئے۔ پس فرق ظاہر ہے۔ خادم۔

ابطالِ تثلیث

(۱) تثلیث کا عقیدہ مسیح سے پہلے کسی نبی نے بیان نہیں کیا۔ اور نہ خود مسیح نے مشرح ذکر کیا۔ اگر مسیح کو معلوم تھا کہ یہود نے انہیں سُولی دے دینا ہے تو انہوں نے اپنا عقیدہ کیوں نہ ظاہر کیا؟

(۲) تین ایک اور ایک تین یہ آپس میں ضدین ہیں۔ اگر مان لیا جاوے کہ ایک تین ہیں اور تین ایک ہے تو تقسیم الشئی الی نفسہٖ لازم آتی ہے۔ اور وہ محال ہے۔ کیونکہ ایک کی تقسیم الی اجزاءہ تو ہوسکتی ہے۔ مگر الی نفسہٖ نہیں ہوسکتی۔

(۳) تین اقانیم۔ اگر تینوں کامل ہیں۔ تو ایک ہی کافی ہے۔ تین کی ضرورت نہیں۔ اگر ناقص ہیں۔ تو مجموعہ بھی ناقص ہوگا۔

(۴) یُوحنا $\frac{17}{3}$۔ حقیقی اور ہمیشہ کی زندگی یہ ہے کہ وہ تجھ خدا واحد اور برحق کو اور یسُوع مسیح کو جسے تُو نے بھیجا ہے۔ جانیں۔

(۵) مرقس $\frac{12}{29}$ " خداوند ہمارا خدا ایک ہی خداوند ہے "

(۶) متی $\frac{22}{37-38}$۔ " خداوند ایک خدا سے محبت رکھ "

(۷) استثنا $\frac{4}{35}$۔ خداوند ہی خداوند ہے اُس کے سوا کوئی ہے ہی نہیں۔

(۸) " " " " $\frac{4}{39}$ کہ جو اُوپر آسمان کے ہے۔

(۹) " " " " $\frac{6}{4}$ خدا ایک ہے۔

(۱۰) یسعیاہ ۴۵/۵ و ۴۶/۵ - مَیں ہی خداوند ہوں - اور میرے سوا کوئی اور معبود نہیں - اور نہ ہی میرے مشابہ ہے -

(۱۱) مرقس ۱۳/۳۲ - علم میں مساوی نہیں -

(۱۲) متی ۲۰/۲۳ - قدرت میں مساوی نہیں -

(۱۳) تثلیث سے اللہ تعالےٰ کے لئے ترکیب ماننی پڑتی ہے اور مرکب غیر کا محتاج ہوتا ہے - اس سے اس کا ممکن ہونا ثابت ہے - جو اس کی الوہیت کو ثابت کرتا ہے -

(۱۴) اقانیم ثلاثہ میں جو امتیاز ہے وہ یا صفت کمال ہوگی یا نہ ہوگی - اگر صفت کمال ہے تو باقی دو اقنوم ناقص ہوئے - ورنہ وہ ناقص ہوا -

(۱۵) انسانیت محدود ہے - الوہیت بھی اسکے ساتھ ملکر محدود ہو جائیگی -

(۱۶) اگر الوہیت مسیح یا تثلیث درست ہو تو ہر ایک خدا کو مرکب فی جزئین یعنی ما بہ الاشتراک اور ما بہ الامتیاز ماننا پڑیگا - اور مرکب خدا نہیں ہو سکتا -

(۱۷) اگر مسیح واقعی خدا اور ابن اور اقنوم ثالث تھے - اور انکے حق میں بائبل میں پیشگوئیاں ہیں تو بتاؤ - یہود نے ان پیشگوئیوں کی کہاں تصدیق کی ہے - کیونکہ وہ انبیاء کے حقیقی وارث ہیں - اگر کہو - وہ تعصب سے پیشگوئیوں کو نہیں مانتے - تو یہ فضول بات ہے کیونکہ وہ متعصب تب ہوئے جب مسیح آچکے - جب آئے بھی نہ تھے - اسوقت تو وہ مانتے ہونگے! اسوقت کی تصدیق بتاؤ - کہ وہ مسیح ابن خدا کی آمد کے منتظر ہیں؟ -

تحریف بائبل

قرآن مجید اہلِ کتاب کے متعلق فرماتا ہے:۔

(۱) "یُحَرِّفُوْنَ الْکَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِہٖ وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُکِّرُوْا بِہٖ

(۲) وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰی خَآئِنَۃٍ مِّنْھُمْ۔ یعنی اہل کتاب کے متعلق تین باتیں یاد رکھو۔ (۱) تحریف کرتے ہیں۔ (۲) دو قسم لفظی و معنوی۔

(۳) ہمیشہ ان کی خیانت پر اطلاع پاتا رہیگا سو یہ لوگ واقعی ان تینوں صفات سے متصف ہیں۔ خود بائبل میں لکھا ہے:۔

"ان لوگوں نے شریعتوں کو عدول کیا۔ قانونوں کو بدلا" (یسعیاہ ۲۴/۵ یرمیاہ ۸/۸)۔

انجیل میں امکانِ تحریف (مکاشفہ ۲۲/۱۸، ۱۹)۔

اب دیکھئے تحریف مشتے از خروارے۔

اوّلاً وہ حوالجات پیش کرتا ہوں۔ جو پرانی اناجیل سنہ ۹۶ء سے پہلے والی میں ہیں۔ مگر بعد کی مطبوعہ میں نہیں ہیں۔

(۱) متی ۱۷/۲۱۔ پر یہ جنس بغیر دعا اور روزہ کے نہیں نکلتی۔

(۲) متی ۱۸/۱۱۔ کیونکہ انسان کا بچہ کھوئے ہوؤں کو بچانے کیلئے آیا ہے۔

(۳) مرقس ۷/۱۶۔ اگر کسی کے کان سُننے کے ہوں۔ سُن لے۔

(۴) مرقس ۹/۴۴، ۴۶۔ جہاں ان کا کیڑا نہیں جاتا اور آگ نہیں بجھتی۔

(۵) مرقس ۱۱/۲۶۔ پر اگر تم معاف نہ کرو تو تمہارا باپ بھی جو آسمان پر ہے

تمہارا قصور معاف نہ کرے گا۔

(۶) مرقس ۱۵/۲۸ تب پورا ہوا وہ نوشتہ جو کہتا ہے کہ وہ بدکاروں میں گنا گیا

(۷) لوقا ۱۷/۳۶ دو کھیت میں ہونگے۔ ایک لیا جائیگا۔ دوسرا چھوڑا جائیگا۔

(۸) لوقا ۲۳/۱۷ اور اسے لازم تھا کہ ہر عید میں کسی کو ان کے واسطے چھوڑ دے۔

(۹) یوحنا ۵/۴ چونکہ ایک فرشتہ اس حوض میں اُتر کر پانی کو ہلاتا تھا۔ سو پانی کے ہلنے کے بعد جو کوئی پہلے اس میں اُترتا تھا۔ کیسی ہی بیماری میں گرفتار کیوں نہ ہو۔ چنگا ہو جاتا تھا۔

(۱۰) اعمال ۱۵/۳۴ پر سیلاس کو وہاں رہنا پسند آیا۔

(۱۱) متی ۱۹/۱۷ پرانی انجیل کے الفاظ "اُس نے اُسے کہا۔ تُو مجھے کیوں نیک کہتا ہے۔ نیک تو کوئی نہیں مگر ایک یعنی خدا۔ (نئی انجیل کے الفاظ) تُو مجھ سے نیکی کی بابت کیوں پوچھتا ہے؟"۔

(۱۲) یوحنا کا پہلا خط ۵/۷ تین ہیں جو آسمان پر گواہی دیتے ہیں۔ باپ۔ کلام۔ رُوح القدس۔ اور یہ تینوں ایک ہیں۔

(۱۳) یوحنا کی انجیل ۷/۵۳ اور ہر ایک اپنے گھر کو گیا۔

(۱۴) ۸/۱-۱۱ و ۷/۵۳ تا ۸/۱۱ - قلمی نسخوں میں نہیں پائی جاتیں۔

(۱۵) استثنا ۳۴/۵-۱۲ (یہ حضرت موسیٰ کی پانچویں کتاب ہے) اس میں لکھا ہے کہ حضرت موسیٰ مر گئے۔ اگر یہ الہامی ہیں تو کس پر اُتریں۔ حضرت موسیٰ تو زندہ نہ تھے۔ یہ الحاقی ہے۔

(۱۶) (تازہ تحریف) ۱۹۳۱ء سے پہلے کی چھپی ہوئی۔ تمام بائبلوں میں

استثناء ۲/۳۳ میں جو آنحضرت صلعم کی پیشگوئی بایں الفاظ تھی کہ :-

" خداوند سینا سے آیا اور شعیر سے ان پہ طلوع ہوا وہ فاران کی چوٹیوں سے ان پہ جلوہ گر ہوا۔ دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ آیا" اس آیت میں پیشینگوئی تھی جو فتح مکہ کے موقع پہ آنحضرت صلعم کے ذریعہ پوری ہوئی۔ اس دن آپ کے ساتھ دس ہزار صحابہ تھے۔ مگر نئی بائبل میں جو ۱۹۳۱ء میں چھپی ہے " دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ آیا" کی بجائے " لاکھوں قدوسیوں میں سے آیا" کر دیا ہے۔ ع کچھ تو لوگو خدا سے شرماؤ -

(۱۷) انجیل مطبوعہ ۱۸۹۶ء متی ۲۴/۷ یوں تھی " جگہ جگہ کال پڑیں گے مری پڑیگی اور بھونچال آئینگے" حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کشتی نوح میں " مری پڑیگی" کا حوالہ متی کے نام سے دیا ہے۔ عیسائیوں نے ۱۹۰۸ء کی شائع کردہ انجیل سے " مری پڑیگی" نکال دیا ہے مگر لطف یہ ہے کہ انجیل لوقا ۱۱/۲۱ اردو میں اب تک موجود ہے ... جا بجا کال اور مری پڑیگی" مگر چونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے حوالہ لوقا کا نہیں دیا تھا۔ اس لئے لوقا میں تحریف نہیں کی گئی۔ اس سے بھی زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ انگریزی انجیل میں متی ۷/۲۴ میں اب بھی مری پڑنے کا ذکر موجود ہے :-

"There shall be famines and pestilences and earth quakes." (بائبل مطبوعہ لنڈن ۱۹۱۶ء)

(۱۸) یشوع اور ایوب کی کتابوں میں لکھا ہے کہ یشوع مر گیا۔ (یشوع ۲۹/۲۴) ایوب مر گیا (ایوب ۱۶/۴۲)۔ اس قسم کی سینکڑوں ہزاروں تحریفیں اور اضافے بائبل میں موجود ہیں۔ پس یہ کتاب کس طرح الہامی کہلا سکتی ہے۔

اختلافاتِ بائبل

"لَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اِخْتِلَافًا كَثِيْرًا"

نوٹ:- تناقضات و اختلافات بائبل کا مضمون در اصل تحریف بائبل کے مضمون کا ضروری جزء ہے۔ کیونکہ الہامی کلام میں تناقضات کا وجود اس بات کو قطعی طور پر ثابت کر دیتا ہے کہ ان دو مختلف اور متناقض بیانات میں سے ایک ضرور انسانی تحریف یا بعد کا الحاق ہے۔ دونوں کلام خدا کے نہیں ہو سکتے۔ پس پادری صاحبان کے لئے دو رستوں میں سے ایک رستہ کھلا ہے۔ یا تو ہمارے پیش کردہ حوالوں میں تطابق ثابت کریں یا اس بات کا اقرار کریں کہ موجودہ بائبل محرف و مبدل ہے۔ خادمؔ۔

(۱) ۱-سلاطین ۱۵/۳۲ میں لکھا ہے کہ اسا اور شاہ اسرائیل بعشا کے درمیان ان کی تمام عمر لڑائی رہی۔ اور ۲-تواریخ ۱۵/۱۹ میں لکھا ہے کہ اسا کی سلطنت کے پینتیسویں برس پھر لڑائی نہ رہی۔

(۲) ۱-سموئیل ۲۱/۱-۶ میں لکھا ہے کہ داؤد اکیلا اخیملک کاہن کے پاس آیا۔ مگر مرقس ۲/۲۵-۲۶ میں لکھا ہے کہ داؤد اپنے ساتھیوں سمیت ابیاتار کاہن کے گھر گیا۔

(۳) پیدائش ۴۶/۲۴-۲۷ میں لکھا ہے کہ یعقوب اپنی صلب سے پیدا شدہ اولاد اور اولاد کی بیویوں سمیت کل چھیاسٹھ مردوں کے ساتھ آیا۔ مگر خروج ۱/۵ میں لکھا ہے کہ صرف یعقوب اپنے صلبی بیٹوں کے ساتھ جن کی تعداد ۷۰ تھی آیا۔

(۴) پیدائش ۲۲/۱۴ میں لکھا ہے کہ ابراہیم نے خدا کو دیکھا اور اس جگہ کا نام

یہوہ بری رکھا۔ مگر خروج ۶/۲-۳ میں لکھا ہے۔ خدا موسیٰ کو مخاطب کر کے کہتا ہے کہ میں نے ابراہیم و اسحاق و یعقوب پر اپنا یہوواہ نام ظاہر نہیں کیا۔

(۵) یرمیاہ ۳۴/۴-۵ میں لکھا ہے کہ اے صدقیا تو تلوار سے نہیں مریگا بلکہ آرام سے۔ اور تجھ پر خوشبوئیاں لگائی جائینگی۔ مگر یرمیاہ ۵۲/۱۰-۱۱ میں لکھا ہے کہ صدقیا کے سامنے اسکے بیٹوں کو مار گیا۔ پھر اسکی آنکھیں نکالی گئیں اور پیتل کی زنجیروں سے جکڑا گیا۔ اور مرنے کے دن تک قید خانہ میں رہا۔

(۶) ۲۔ سلاطین ۲۴/۶ میں لکھا ہے یہویقیم بادشاہ باپ دادوں میں شامل ہو کر سو رہا اور اسکی جگہ اس کا بیٹا بادشاہ ہوا۔ مگر یرمیاہ ۳۶/۳۰ میں لکھا ہے کہ وہ مع خاندان کے تباہ کیا جائیگا۔ اسکی نسل سے کوئی تخت نشین نہ ہوگا۔ اور اس کی لاش پھینکی جائیگی تا کہ گرمی اور سردی میں باہر رہے۔

(۷) مرقس ۱۰/۴۶-۴۷ میں لکھا ہے کہ یریحو سے نکلتے وقت راستے میں ایک اندھا نکلا۔ مگر متی ۲۰/۲۹-۳۰ میں لکھا ہے کہ دو اندھے ملے۔

(۸) مرقس ۵/۱-۲ کہ یسوع کو ایک شخص بدروح والا ملا مگر متی ۸/۲۸ میں دو کا ذکر ہے۔

(۹) مرقس ۱۶/۵ میں مسیح کی قبر میں ایک سفیدپوش آدمی مگر لوقا ۲۴/۴ میں دو آدمیوں کا ذکر ہے۔

(۱۰) مرقس ۱۵/۳۲ و متی ۲۷/۴۴ دونوں میں ہے کہ مسیح کے ساتھیوں یعنی دونوں چوروں نے مسیح کو ملامت کی۔ اور طعنہ کیا۔ مگر لوقا ۲۳/۳۹-۴۰ میں لکھا ہے کہ ایک نے طعنہ دیا اور دوسرے نے اپنے ساتھی کو اس بات سے باز رکھا۔

(۱۱) یوحنا ۲۰/۱۷ میرے بھائیوں کو کہدو کہ میں اب خدا اور باپ کے پاس آسمان پر

جانا ہوں لیکن متی ۲۸/۱۰ میرے بھائیوں کو کہو کہ گلیل کو جاویں وہاں مجھے دیکھینگے۔

(۱۲) متی ۲۷/۵،۷ کہ مسیح کو پکڑوانے والے یہودا اسکریوطی نے مسیح کی گرفتاری پر جو روپیہ لیا تھا۔ اس کو ہیکل میں واپس آکر پھینکدیا مگر اعمال ۱/۱۸ میں لکھاہے کہ اس نے اس روپیہ سے ایک کھیت مول لیا

(۱۳) متی ۱۲/۴۰ کہ مسیح نے یونس جیسا معجزہ دکھانے کا اظہار کیا مگر متی ۲۸/۱-۷ اور یوحنا ۲۰/۱ سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیح اپنی قبر میں صرف ایک ہی دن رہا اور پھر غائب ہوگیا۔

(۱۴) ۲۲/۳۴ و یوحنا ۱۳/۳۸ ان دونوں حوالوں سے معلوم ہوتا ہے کہ پطرس کو مرغ کی بانگ سے قبل ہی مسیح کا انکار کرنا پڑیگا مگر مرقس ۱۴/۷۲،۶۸،۳۰ سے معلوم ہوتا ہے کہ مرغ کے دوبار بانگ دینے کی شرط ہے۔ نہ کہ مطلق۔ اور ایسا ہی ہوا۔

(۱۵) لوقا ۲۲/۱۶،۷ میں مسیح کا اپنے حواریوں کے ساتھ بیٹھ کر عید الفطر کے دن جس دن فسیح ذبح کرنا ضروری تھا۔ بیٹھ کر کھانا کھایا۔ اور یوحنا ۱۹/۱۴ سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیح بیچارا تو عدالت میں رہا۔

(۱۶) یوحنا ۱۴/۲۸ میں مسیح اپنے آپ کو باپ سے چھوٹا کہتا ہے مگر فلپیوں ۲/۶ میں خدا کے برابر ہونے میں غنیمت نہ جانا۔

(۱۷) یوحنا ۵/۳۱ میں مسیح نے اپنے متعلق اپنی گواہی کو سچا قرار نہیں دیا اور یوحنا ۸/۱۴ میں اپنی گواہی کو سچا قرار دیا۔

(۱۸) متی ۵/۳۹ میں لکھاہے کہ ظالم کا مقابلہ نہ کرنا۔ بلکہ اگر کوئی طمانچہ مارے تو دوسری گال آگے کردو مگر لوقا ۲۲/۳۶ سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیح نے اپنے حواریوں

کو بٹوے اور جھولی اور کپڑے بیچکر تلوار خریدنے کا اپنی حفاظت کیلئے حکم دیا۔

(۱۹) متی ۵/۸ سے معلوم ہوتا ہے کہ کفرناحوم میں داخل ہوتے ہی ایک صوبیدار نے اپنے لڑکے کے علاج کیلئے بڑی منت سماجت کی۔ اور لوقا ۱/۷ سے معلوم ہوتا ہے کہ صوبیدار پاس آیا ہی نہیں۔ یہودیوں نے سفارش کی تھی۔

(۲۰) اعمال ۹/۷ سے معلوم ہوتا ہے کہ ساؤل (جو پولوس ہی ہے) پر نور آیا اور ساتھیوں نے آواز سنی۔ مگر کسی نے نہ دیکھا۔ مگر اعمال ۲۲/۹ سے معلوم ہوتا ہے کہ ساتھیوں نے نور دیکھا۔ مگر آواز نہ سنی۔

(۲۱) ۱ سموئیل ۳۱/۴،۵ کہ ساؤل نے خودکشی کی۔ ۲۔ سموئیل ۱/۵،۱۰ میں ہے کہ ایک عمالیقی نے ساؤل کو مارا۔

(۲۲) لوقا ۲۳/۲۶ کہ شمعون نام شخص یسوع کے پیچھے صلیب لئے جاتا۔ اور یوحنا ۱۹/۱۷ میں ہے۔ یسوع آپ اپنی صلیب اٹھا کر کھوپڑی مقام تک لے گیا۔

(۲۳) پیدائش ۵۰/۱۳ میں ہے کہ یعقوب کا مدفن مکفیلہ کے کھیت کے کنارے میں جس کو ابراہام نے گورستان کی ملکیت کیلئے عفرون حتی سے ممرے کے مقابل مول لیا تھا گاڑا۔ اور اعمال ۷/۱۶ میں ہے اس مقبرے میں جس کو ابراہام نے بنی ہمور سے لیا تھا۔ گاڑا۔

(۲۴) گنتی ۳۳/۳۷،۳۸ میں ہے کہ ہارون کی وفات کوہ ہور۔ ادوم میں ہوئی مگر استثنا ۱۰/۶ میں لکھا ہے کہ موسیرہ میں ہوئی۔

(۲۵) رومیوں ۲/۱۳ میں لکھا ہے کہ شریعت پر چلنے والا راستباز اور رومیوں ۳/۱۰ میں لکھا ہے کہ راستباز نہیں۔

(۲۶) پیدائش ۱/۲۵-۲۷ میں لکھا ہے کہ انسان کو حیوانات کے بعد پیدا
کیا۔ مگر پیدائش ۲/۱۸-۲۰ میں لکھا ہے کہ انسان حیوانات کے پہلے پیدا ہوا۔

(۲۷) پاک جانور سات سات نر و مادہ اور ناپاک دو دو نر اور ان کی
مادہ کشتی نوح میں چڑھائے۔ پیدائش ۷/۲ اور پیدائش ۶/۱۹ و ۷/۸ و ۷/۱۴
میں لکھا ہے۔ پاک جانور بھی دو دو کشتی میں رکھے۔

(۲۸) ۱۔ سلاطین ۷/۱۵ ہر ایک ستون ۱۸ ہاتھ اونچا اور ہر ایک گھیر سوت کا
۱۲ ہاتھ۔ مگر ۲۔ تواریخ ۳/۱۵ میں ۲ ستون ۳۵ ہاتھ لمبے۔

(۲۹) خروج ۲۴/۹ و ۱۰ تب موسیٰ اور ہارون .... اوپر گئے اور بنی اسرائیل
کے خدا کو دیکھا۔ مگر خروج ۳۳/۲۰ و ۲۳ اور بولا۔ تو میرا چہرہ نہیں دیکھ سکتا اس لئے
کوئی انسان نہیں کہ مجھے دیکھے اور جیتا رہے۔ یعنی کوئی خدا کو نہیں دیکھ سکتا۔

(۳۰) خروج ۳۱/۱۷ کہ چھ دن میں خداوند نے زمین و آسمان کو پیدا کیا اور ساتویں
دن آرام کیا اور تازہ دم ہوا۔ پھر یسعیاہ ۴۳/۲۴ اور اپنی خطاؤں سے مجھے
تھکایا۔ مگر ۴۰/۲۸ میں ہے۔ خداوند ابدی خدا ہے۔ زمین کے کناروں کا پیدا
کرنے والا۔ وہ تھک نہیں جاتا اور ماندہ نہیں ہوتا۔

(۳۱) یسعیاہ ۴۵/۲۳ ہر ایک زبان میری قسم کھائیگی مگر متی ۵/۳۴، ۳۵
پھر میں تمہیں کہتا ہوں کہ ہرگز میری قسم نہ کھانا۔

(۳۲) پیدائش ۱۷/۱ میں خدائے قادر ہوں۔ متی ۱۹/۲۶ پر خدا سے سب کچھ ہو
سکتا ہے۔ مگر قاضیوں ۱/۱۹ خدا نے کوہستانیوں کو خارج کیا۔ پر نشیب کے رہنے
والوں کو خارج نہ کر سکا۔ کیونکہ ان کے پاس لوہے کی لاٹھیں تھیں۔

(۳۳) گنتی ۲۳/۱۹ خدا انسان نہیں جو جھوٹ بولے۔ نہ آدم زاد ہے۔ کہ
پشیمان ہو۔ نیز ۱ سموئیل ۱۵/۲۹ مگر پیدائش ۶/۶ میں ہے۔ تب خداوند زمین پر
انسان کے پیدا کرنے سے پچھتایا اور نہایت دلگیر ہوا۔

(۳۴) یوحنا ۳/۳۵ باپ بیٹے کو پیار کرتا ہے اور سب چیزیں اسکے ہاتھ میں دی
ہیں۔ مگر مرقس ۶/۵ میں ہے اور وہ کوئی معجزہ وہاں نہ دکھا سکا۔

(۳۵) ۲-سموئیل ۲۴/۱ بعد اس کے خداوند کا غصہ اسرائیل پر بھڑکا۔ کہ
اس نے داؤد کے دل میں ڈالا۔ کہ ان کا مخالف ہو۔ مگر ۱-تواریخ ۲۱/۱ میں
ہے کہ شیطان نے داؤد کو بھڑکایا۔

(۳۶) امثال ۳۰/۵ خدا کا ہر ایک سخن پاک ہے مگر ہوسیع ۱/۲ خداوند نے ہوسیع
کو فرمایا کہ جا اور ایک ناکار عورت اور زنا کے لڑکے اپنے واسطے لے۔

(۳۷) خروج ۲۰/۴ تو اپنے لئے مورت یا کسی چیز کی صورت جو اوپر آسمان پر
یا پانی میں یا زمین کے نیچے ہے مت بنا۔ مگر خروج ۲۵/۲۰ تصویریں بنائی گئیں۔

(۳۸) تیمتھیس ۶/۱۶ خدا نور میں رہتا ہے اور اسے کوئی نہیں دیکھ سکتا۔ مگر
۱-سلاطین ۸/۱۲ تب سلیمان نے کہا کہ خداوند نے فرمایا تھا کہ میں گھٹا کی تاریکی میں رہونگا

(۳۹) ۲-تواریخ ۳۶/۹ یہویکین آٹھ برس کی عمر میں بادشاہ ہوا۔ مگر ۲-سلاطین
۲۴/۸ میں ہے کہ یہویکین جب تخت پر بیٹھا۔ اسوقت وہ ۱۸ برس کا تھا۔

(۴۰) ۲-سلاطین ۲۴/۸ یہویکین نے تین مہینے بادشاہت کی مگر ۲ تواریخ
۳۶/۹ میں تین ماہ دس روز سلطنت کی۔

(۴۱) ۲-سلاطین ۲۵/۱۹ پانچ آدمی جو بادشاہ کا منہ دیکھتے تھے پکڑے مگر یرمیاہ

۲۵/۵ میں بادشاہ کے مصاحبوں میں سے سات شخصوں کو پکڑنا لکھا ہے۔

(۴۲) زبور ۱۲/۹۲ صادق کھجور کے درخت کی مانند لہلہائیگا مگر یسعیاہ

۱/۵۷ میں ہے کہ راستباز ہلاک ہوتا ہے۔

(۴۳) امثال ۲۱/۱۲ صادق پر کوئی بڑا حادثہ نہ پڑیگا مگر عبرانیوں ۶/۱۲ خداوند جسے پیار کرتا ہے اسے تنبیہ کرتا ہے اور جسکو بیٹا بنا لیتا ہے اسکو کوڑے بھی لگاتا ہے۔

(۴۴) ۵۵ زبور آیت ۲۳۔ خونی اور دغاباز لوگ اپنی آدھی عمر کو نہ پہنچیں گے مگر ایوب ۲۱/۷ و ۹ میں شریروں کی عمر زیادہ بتلائی ہے۔

(۴۵) زبور ۱۲/۷۳ دیکھو یہ شریر جو سدا اقبال مند رہتے ہیں۔ وہ اپنی دولت بڑھاتے جاتے ہیں۔ مگر ایوب ۱۸/۵ و ۹ میں ہے۔ ہاں شریر کا چراغ ضرور بجھایا جائے گا۔

(۴۶) امثال ۲۰/۱ مے یعنی شراب مسخرا بناتی اور مست بنانیوالی ہے نیز امثال ۲۳/۲۱ و ۳۱ و ۳۲ مگر استثنا ۲۶/۱۴ جس چیز کو تیرا جی چاہے مول لے مے ہو یا مسکر یا اور کوئی چیز۔

(۴۷) ۲۔ سموئیل ۲۳/۶ ساؤل کی بیٹی میکل مرتے دم تک بے اولاد رہی مگر ۲۔ سموئیل ۸/۲۱ میکل بنت ساؤل کے پانچ لڑکے۔

(۴۸) یوحنا ۱۴/۸ یسوع نے کہا اگر میں اپنی گواہی دیتا ہوں تو بھی میری گواہی سچ ہے مگر یوحنا ۳۱/۵۔ اگر میں اپنی گواہی آپ دوں تو میری گواہی حق نہیں۔

(۴۹) یسوع ملعون (گلیتوں ۱۳/۳) ملعون نہیں (۱۔ کرنتھیوں ۱۲ باب آیت ۳)

(۵۰) متی ۲۳/۲ تاکہ جو نبیوں کی معرفت کہا گیا تھا وہ پورا ہو کہ وہ ناصری کہلائیگا

مگر عہد قدیم کے کسی صحیفہ میں یہ پیشگوئی نہیں ملتی۔ یا تو یہ ماننا پڑیگا۔ کہ پہلے صحیفوں میں یہ پیشگوئی موجود تھی مگر بعد میں نکالدی گئی۔ یا یہ تسلیم کرنا پڑیگا کہ متی میں غلط بیانی کی گئی ہے۔ دونوں صورتوں میں سے کوئی صورت بھی ہو بائبل کا پایۂ اعتبار سے گرنا ثابت ہے۔

من نہ گویم کہ ایں مکن آں کن ٭ مصلحت بین دکار آساں کن

(۵۱) اور اسوقت جو یرمیاہ نبی کی معرفت کہا گیا تھا وہ پورا ہوا کہ ... انہوں نے اسکی قیمت کے وہ تیس روپے لے لئے (متی ۲۷/۹) حالانکہ یہ یرمیاہ کی معرفت نہیں کہا گیا تھا بلکہ زکریا نبی کی معرفت کہا گیا تھا۔ (دیکھو زکریا ۱۱/۱۲ و ۱۳)

(۵۲) یہوداہ اسکریوطی نے جاکر اپنے آپکو پھانسی دی (متی ۲۷/۵) لیکن اعمال ۱/۱۸ "وہ سر کے بل گرا۔ اس کا پیٹ پھٹ گیا۔ اور ساری انتڑیاں نکل پڑیں"۔

(۵۳) ایک سردار (یائیر نامی) نے آکر کہا کہ میری بیٹی مرچکی ہے (متی ۹/۱۸) لیکن لوقا ۸/۴۲ و مرقس ۵/۲۳ میں ہے کہ "میری بیٹی مرنے کو ہے تو چل تاکہ وہ نہ مرے"۔

خلافِ عقل و مشاہدات امور

(۱) خدا پچھتایا۔ پیدائش ۶/۶ علیم کل پھر پچھتایا۔ خلاف عقل ہے۔

(۲) خرگوش جگالی کرتا ہے (احبار ۱۱/۶) خلاف مشاہدہ۔

(۳) یربوع۔ جنگلی چوہا جگالی کرتا ہے۔ استثنا ۱۴/۷۔

(۴) باپ سے بیٹا دو سال بڑا۔ یہورام بادشاہ باپ چالیس سال کی عمر میں مرا ۲۔ تواریخ ۲۱/۵۔ تو اس کا بیٹا ۴۲ سال کی عمر میں تخت پر بیٹھا (۲۔ تواریخ ۲۲/۱ و ۲)۔

عیسائیت میں عورت کی حیثیت

اسلام :- عاشِرُوْھُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ (۲) ھُنَّ لِبَاسٌ لَّکُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّھُنَّ (۳) خَیْرُکُمْ خَیْرُکُمْ لِاَھْلِہٖ (۴) خَلَقَ مِنْھَا زَوْجَھَا (۵) اَلْجَنَّۃُ تَحْتَ اَقْدَامِ اُمَّھَاتِکُمْ۔ (۶) وَلِنَفْسِکَ عَلَیْکَ حَقٌّ وَلِزَوْجِکَ عَلَیْکَ حَقٌّ۔

مگر انجیل

(۱) عورتیں کلیسا کی مجلس میں نہ بولیں۔ (۱-کرنتھیوں $\frac{14}{34}$)۔

(۲) عورتیں سر نہ گوندھیں۔ سنگار نہ کریں۔ اچھے اور قیمتی کپڑے نہ پہنیں۔ (۱-پطرس $\frac{3}{3}$ و ۱-تیمتھیس $\frac{2}{8 \text{ تا } 10}$)

(۳) عورتیں لمبے بال رکھیں۔ بال نہ کٹوائیں۔ (۱-کرنتھیوں $\frac{11}{5-14-16}$)

(۴) مرد عورت کے لئے نہیں بلکہ عورت مرد کیلئے پیدا ہوئی (۱-کرنتھیوں $\frac{11}{9}$)

(۵) عورت اپنے خاوند ہی سے پڑھے۔ (۱-کرنتھیوں $\frac{14}{35}$)

(۶) عورت معلمہ نہ بنے۔ (۱-تیمتھیس $\frac{2}{11-12}$)

(۷) مرد کیلئے اچھا ہے کہ وہ عورت کو نہ چھوئے۔ (۱-کرنتھیوں $\frac{7}{1}$ و $\frac{7}{8}$)۔

صداقت حضرت مسیح موعودؑ از روئے بائیبل

پہلی دلیل :- (۱) "وہ نبی جو ایسی گستاخی کرے کہ کوئی بات میرے نام سے کہے جس کے کہنے کا میں نے اُسے حکم نہیں دیا۔ یا اور معبودوں کے نام سے کہے

تو وہ نبی قتل کیا جائے" (استثناء ۱۸/۲۰)۔
(ب) "خداوند یوں کہتا ہے کہ ان نبیوں کی بابت جو میرا نام لیکر نبوت کرتے ہیں۔ جنہیں میں نے نہیں بھیجا۔ . . . . یہ نبی تلوار اور کال سے ہلاک کئے جائیں گے۔" (یرمیاہ ۱۴/۱۵)۔
(ج) "اور وہ (جھوٹا) نبی یا خواب دیکھنے والا قتل کیا جائیگا" (استثناء ۱۳/۵)۔
(د) "اور میرا ہاتھ ان نبیوں پر جو دعوے دیتے ہیں اور جھوٹی غیب دانی کرتے ہیں چلیگا۔ . . . . میں اپنے غضب کے طوفان سے اسے توڑ دونگا۔ اور میرے قہر سے چھاجھم مینہ برسے گا۔ اور میرے خشم سے پتھر پڑیں گے۔ تاکہ اسے نابود کریں۔" (حزقی ایل باب ۱۳ آیت ۹ تا ۱۱)
(س) چنانچہ انجیل اعمال ۵/۳۶ و ۳۷ میں دو جھوٹے نبیوں کا ذکر بھی ہے جو مارے گئے اور ان کے متبعین تتر بتر ہوگئے۔ اور پہلے کا نام تھیوداس اور دوسرے کا نام یہودہ گلیلی تھا۔
دوسری دلیل:۔ یسوع کہتا ہے "تم میں کون مجھ پر گناہ ثابت کرسکتا ہے" (یوحنا ۸/۴۶) نیز دیکھو یوحنا ۱۴/۹ "میں اتنی مدت سے تمہارے ساتھ ہوں"۔
حضرت مرزا صاحب:۔ "کون تم میں ہے۔ جو میرے سوانح زندگی میں کوئی نکتہ چینی کرسکتا ہے" (تذکرۃ الشہادتین صفحہ ۶۲)
تیسری دلیل قبولیت دعا:۔ "جو دعا ایمان کے ساتھ ہوگی۔ اس کے باعث بیمار بچ جائیگا۔ اور خداوند اسے اٹھا کھڑا کریگا اور اگر اس نے گناہ کئے ہوں۔ تو ان کی بھی معافی ہو جائیگی۔ پس تم آپس میں ایک دوسرے سے اپنے

اپنے گناہوں کا اقرار کرو۔ اور ایک دوسرے کیلئے دُعا مانگو۔ تاکہ شفا پاؤ۔ راستباز کی دُعا کے اثر سے بہت کچھ ہو سکتا ہے۔"

(یعقوب ۵/۱۶ و یوحنا ۹/۳۱)۔

"مَیں کثرتِ قبولیتِ دُعا کا نشان دیا گیا ہُوں۔ کوئی نہیں جو اس کا مقابلہ کر سکے۔ مَیں حلفاً کہہ سکتا ہوں کہ میری دُعائیں تیس ہزار کے قریب قبول ہو چکی ہیں اور انکا میرے پاس ثبوت ہے۔" (ضرورت الامام صفحہ ۲۲)

مثالیں:۔ عبدالکریم۔ عبدالرحیم۔ ابن نواب محمد علیخاں صاحب و عبدالحی صاحبزادہ حضرت خلیفۃ المسیح اول رضؓ۔

چوتھی دلیل:۔ "اے اسرائیلیو! یسُوع ناصری ایک شخص تھا جس کا خدا کیطرف سے ہونا تم پر ان معجزوں اور عجیب کاموں اور نشانوں سے ثابت ہُوا۔ جو خدا نے اس کی معرفت تم کو دکھائے۔" (اعمال ۲/۲۲ و یوحنا ۳/۲ و ۹/۱۶)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام:۔ (۱) "اور میرے مقابلہ سے خواہ اعجاز کلام میں اور خواہ آسمانی نشانوں میں تمام لوگوں کا عاجز آجانا اور میری تائید میں خدا تعالیٰ کی لاکھوں پیشگوئیوں کا پُوری ہونا یہ تمام نشان اور علامات اور قرائن ایک خدا ترس کے لئے میرے قبول کرنے کے لئے کافی ہیں۔" (تذکرۃ الشہادتین صفحہ ۳۸)

(۲) "اور جن نشانوں نے ان احکام پر گواہی دینی تھی۔ وہ نشان ظہور میں آچکے ہیں اور اب بھی نشانوں کا سلسلہ شروع ہے۔ آسمان نشان ظاہر کر رہا ہے۔ زمین نشان ظاہر کر رہی ہے۔ اور مبارک وہ جن کی آنکھیں اب بند نہ رہیں۔" (ضرورت الامام صفحہ ۲۲)

٭ تفصیل نشانات دیکھو مضمون صداقت مسیح موعود گیارھویں دلیل مشمولہ ہذا۔ خادم

پانچویں دلیل۔ ہے کبھی نصرت نہیں ملتی درِ مولیٰ سے گندوں کو

پولوس رسول کہتا ہے:۔ "کیونکہ یہ تدبیر کا کام اگر آدمیوں کی طرف سے ہوا تو آپ برباد ہو جائیگا لیکن اگر خداوند کیطرف سے ہے تو تم ان لوگوں کو مغلوب نہ کر سکو گے" (اعمال $\frac{5}{36}$) (ب) "جو پودا خدا نے نہیں لگایا۔ جڑ سے اکھاڑا جائیگا" (متی $\frac{15}{13}$ وزبور $\frac{92}{12}$ وزبور $\frac{34}{15 تا 20}$ وامثال $\frac{12}{21}$ ویسعیاہ $\frac{9}{14}$)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام:۔

یہ اگر انساں کا ہوتا کاروبار اے ناقصاں | ایسے کاذب کیلئے کافی تھا وہ پروردگار
کچھ نہ تھی حاجت تمہاری نے تمہارے مکر کی | خود مجھے نابود کرتا وہ جہاں کا شہریار

(براہین احمدیہ حصہ پنجم)

چھٹی دلیل۔ دانیال نبی کہتا ہے:۔

"جس وقت سے دائمی قربانی موقوف کی جائیگی اور وہ مکروہ چیز جو خراب کرتی ہے وہ قائم کی جائیگی۔ ایک ہزار دو سو نوے دن ہونگے۔ مبارک وہ جو انتظار کرتا ہے۔ اور ۱۳۳۵ روز تک آتا ہے" (دانیال $\frac{12}{11-12}$)۔

چنانچہ حضرت مرزا صاحب ۱۲۹۰ھ ہی میں مبعوث ہوئے۔ "یہ عجیب امر ہے۔ اور میں اس کو خدا تعالیٰ کا ایک نشان سمجھتا ہوں کہ ٹھیک ۱۲۹۰ھ میں خدا تعالیٰ کی طرف سے یہ عاجز شرف مکالمہ مخاطبہ پا چکا تھا" (حقیقۃ الوحی ص ۱۹۹)

ساتویں دلیل: مسیح موعود مشرق سے آئیگا۔ اور مغرب کی طرف بجلی کی طرح اس کی تبلیغ پہنچے گی (متی $\frac{24}{27}$) حضرت مرزا صاحب فرماتے ہیں۔ "خدا نے محض اپنے فضل سے نہ میرے کسی ہنر سے مجھ کو چن لیا۔ میں گمنام تھا۔ مجھے شہرت دی۔

اس قدر جلد شہرت دی کہ جیسا کہ بجلی ایک طرف سے دوسری طرف اپنی چمکار ظاہر کرتی ہے۔" (حقیقۃ الوحی صفحہ ۲۳۴)

آٹھویں دلیل۔ "ستارے گریں گے۔ اور چاند اور سورج تاریک ہو جائیں گے۔" (گرہن ۱۸۹۴ء) (متی ۲۴/۲۹)۔

(۲) چاند۔ سورج اور ستاروں میں نشان ظاہر ہونگے۔ (لوقا ۲۱/۲۵)

نویں دلیل۔ لڑائیاں ہونگی۔ بھونچال آئینگے۔ اور مری پڑیگی (طاعون) (لوقا ۲۱/۱۱ و زکریا ۱۴/۱۲)۔ چنانچہ بائیبل انگریزی زکریا ۱۴/۱۲ میں تو لفظ "پلیگ" بھی موجود ہے۔ ۱۸۹۷ء میں یہ طاعون بھی پڑی۔ ہے

تو نے طاعون کو بھی بھیجا میری نصرت کیلئے ÷ تا وہ پورے ہوں نشاں جو ہیں سچائی کا مدار

دسویں دلیل۔ "تو جان رکھ کر جب نبی خداوند کے نام سے کچھ کہے اور وہ جو اس نے کہا ہے۔ وہ واقع اور پورا نہ ہو۔ تو وہ بات خداوند نے نہیں کہی۔" (استثنا ۱۸/۲۲) حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ہزاروں پیشگوئیاں پوری ہوئیں۔ تفصیل دیکھو مضمون "حضرت مسیح موعود کی پیشگوئیاں مشمولہ کتاب ہذا"

گیارھویں دلیل۔ یسوع نے جھوٹے اور سچے نبی میں بہ الامتیاز یہ بتایا ہے "درخت اپنے پھلوں سے پہچانا جاتا ہے۔" (متی ۷/۲۰ تا ۲۵ و لوقا ۶/۴۳ تا ۴۵ و متی ۲۰/۳۳ و یوحنا ۱۵/۱۶) حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی جماعت کی عملی حالت دیکھو۔

بارھویں دلیل۔ "پیادوں نے جواب دیا کہ انسان نے کبھی ایسا کلام نہیں کیا۔ جیسا کہ یہ انسان کرتا ہے۔" (یوحنا ۷/۴۶)۔

گویا مسیح کا بے مثل کلام مسیح کے منجانب اللہ ہونے کی دلیل تھی۔ اور یہی دلیل

قرآن مجید میں اپنی صداقت کی پیش کی ہے۔ لَئِنِ اجْتَمَعَتِ الْإِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى أَنْ يَّأْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَأْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا۔ (بنی اسرائیل رکوع ۱۰)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام تحریر فرماتے ہیں:-

(۱) "میں قرآن شریف کے معجزہ کے ظل پر بلاغت و فصاحت کا نشان دیا گیا ہوں۔ کوئی نہیں کہ جو اس کا مقابلہ کر سکے"۔ (ضرورت الامام صفحہ ۲۲)

(۲) اعجاز احمدی لکھ کر دس ہزار کا انعام شائع فرمایا:-

"خدا تعالیٰ ان کے قلموں کو توڑ دیگا۔ اور انکے دلوں کو غبی کر دیگا"

(اعجاز احمدی صفحہ ۳۷)

(۳) اعجاز المسیح وغیرہ ۔

خدا کے قول سے قول بشر کیونکر برابر ہو ٭ وہاں قدرت یہاں درماندگی فرق نمایاں ہے

(المسیح الموعودؑ)

تیرھویں دلیل:- نبی غالب آتے ہیں:-

"میں نے یہ باتیں تم سے اس لئے کہیں کہ تم مجھ میں اطمینان پاؤ۔ دنیا میں مصیبت اٹھاتے ہو۔ لیکن خاطر جمع رکھو میں دنیا پر غالب آیا ہوں"۔ (یوحنا ۱۶/۳۳ نیز یوحنا [illegible])۔ قرآن مجید میں بھی ہے:- كَتَبَ اللّٰهُ لَأَغْلِبَنَّ أَنَا وَرُسُلِيْ

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

"ٹھٹھا کرو جس قدر چاہو۔ گالیاں دو جس قدر چاہو اور ایذا اور تکلیف دہی کے منصوبے سوچو جس قدر چاہو اور میرے استیصال کیلئے ہر ایک قسم

کی تدبیریں اور مکر سوچو جس قدر چاہو۔ پھر یاد رکھو کہ عنقریب خدا تمہیں دکھلا دیگا۔ کہ اُس کا ہاتھ غالب ہے۔" (اربعین)

چودھویں دلیل - انبیاء کی جماعتیں تدریجاً ترقی کرتی ہیں :-

"دیکھو جہان اس کا پیرو ہو چلا" (یوحنا ۱۲/۱۹)۔

جماعت احمدیہ کی تدریجی ترقی کو دیکھو۔

قت
صداحضرت مسیح موعودؑ پر عیسائیوں کے اعتراضات

پہلا اعتراض :- مسیح ناصری نے خود آسمان سے آنا تھا۔ مرزا صاحب مسیح کیسے ہو سکتے ہیں۔

الجواب ۱ - یہ کہنا کہ مسیح ناصری خود آئیگا غلط ہے۔ خود مسیح نے کہہ دیا ہے کہ میں اب واپس دُنیا میں نہیں آؤنگا۔ بلکہ جو نبی آئیگا میرے نام پر آئیگا دیکھو یوحنا ۱۶/۱۰ "میں باپ کے پاس جاتا ہوں اور تم مجھے پھر نہ دیکھو گے" متی ۲۳/۲۹ میں ہے۔ "اب سے مجھے پھر ہرگز نہ دیکھو گے۔ جب تک نہ کہو گے کہ مبارک وہ جو خداوند کے نام سے آتا ہے۔" (متی ۲۳/۳۹)

الجواب ۲ - جس طرح یوحنا ایلیاہ ہو سکتا ہے۔ اسی طرح حضرت مرزا صاحب بھی مسیح ہو سکتے ہیں۔

توراۃ میں ہے "ایلیاہ رتھ سمیت آسمان پر چڑھ گیا" (۲۔ سلاطین ۲/۱۱)۔

پھر لکھا ہے "ایلیاہ دوبارہ دُنیا میں آئیگا" (ملاکی ۴/۵)۔

مگر وہ آسمان سے نازل نہ ہوا۔ یسوع نے یوحنا کو جو پیدا ہوا تھا "ایلیاہ"

قرار دیا۔ (متی ۱۱/۱۴) اسی طرح آج تم کہتے ہو۔ کہ مسیح آسمان سے آئیگا۔

(۲) انجیل سے ثابت ہے کہ مسیح موعود پیدا ہوگا۔ چنانچہ لکھا ہے کہ جب ابن آدم (یسوع) نئی پیدائش میں اپنے جلال کے تخت پر بیٹھیگا۔ متی ۱۹/۲۸۔

دوسرا اعتراض۔ مسیح تو جلال کے ساتھ آسمان سے اتریگا۔ اور سب لوگ اس پہ ایمان لے آویں گے۔

جواب (ا) غلط ہے۔ یسوع نے تو صاف کہا ہے۔ "لیکن میں تم سے کہتا ہوں کہ ایلیاہ تو آچکا۔ اور انہوں نے اس کو نہ پہچانا۔ بلکہ جو چاہا۔ اس کے ساتھ کیا۔ اسی طرح ابنِ آدم بھی ان کے ہاتھ سے دُکھ اٹھائے گا۔" (متی ۱۷/۱۲)

گویا جس طرح انہوں نے ایلیاہ کو جو آنیوالا تھا۔ "یوحنا" کی شکل میں نہ پہچانا اور اس کی تکذیب کی۔ اسی طرح مسیح موعود کی بھی تکذیب کرینگے۔ اور وہی اعتراض پیش کرینگے۔ کہ اُس نے آسمان سے نازل ہونا تھا۔

(ب) پھر یسوع کہتا ہے کہ خدا کی بادشاہت ظاہری طور پر نہ آئیگی۔ (لوقا ۱۷/۲۰) لہذا آسمان سے جلال کے ساتھ نازل ہونا چہ معنی دارد؟

(ج) مسیح کی آمد چور کی طرح ہوگی۔ (۲) پطرس ۳/۱۰ د ا۔ تھسلنیکیون ۵/۲ د لوقا ۱۲/۳۹ و متی ۲۴/۴۳) ۔ چور رات کو چھپ کر اور لباس بدل کر آتا ہے یا جلال کے ساتھ اپنی اصل شکل میں۔ اسی طرح مسیح نے بھی بھیس بدل کر اپنے مثیل کے رنگ میں آنا تھا۔ مگر تم نے اس کے کلام کو نہ سمجھا۔

تیسرا اعتراض مسیح نے کہا تھا۔ بہت سے جھوٹے مسیح آئینگے۔ تم اُنپر ایمان نہ لانا مرزا صاحب بھی انہیں میں سے ہیں۔ خواہ کتنے نشان دکھائیں۔ ہم نہیں مانینگے۔

الجواب۔ یسُوع نے جن جھُوٹے مدعیانِ مسیحیت و نبوت کا ذکر کیا ہے۔ وہی ہیں۔ جو یسُوع کو "خداوند" کہتے ہیں اور اسکے نام سے بدرُوحوں کو نکالنے کے اور اس کے فیض اور اسی کی برکت سے مسیحیت کے مدعی ہیں۔ چنانچہ لکھا ہے:۔

"جھُوٹے نبیوں سے خبردار رہو جو تمہارے پاس بھیڑوں کے لباس میں آتے ہیں مگر باطن میں پھاڑنے والے بھیڑیے ہیں۔ انکے پھلوں سے تم انہیں پہچان لوگے۔ . . جو مجھ سے اے خداوند اے خداوند کہتے ہیں۔ اس دن بہتیرے مجھ سے کہیں گے۔ اے خداوند اے خداوند۔ کیا ہم نے تیرے نام سے نبوت نہیں کی اور تیرے نام سے بدرُوحوں کو نہیں نکالا۔ اور تیرے نام سے بہت سے معجزے نہیں دکھائے۔" (متی $\frac{۷}{۱۵-۲۲}$) گویا وہ جھُوٹے نبی (۱) بُرے پھلوں والے (۲) یسُوع کو خداوند کہنے والے (۳) اسی کی برکت سے سب کچھ کرنیوالے ہونگے۔ حضرت مرزا صاحب میں یہ تینوں باتیں پائی نہیں جاتیں۔ آپ یسُوع کی الوہیت کے سب سے بڑے دشمن تھے۔ آپنے تحفہ قیصریہ میں مسیح کے نام سے آنیوالا اپنے آپکو کہا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ آپ مسیح موعود ہیں۔ اصل مسیح چونکہ فوت ہو گیا ہے۔ اسلئے آنیوالا مثیل مسیح حضور ہی کا وجود باجود ہے۔ ورنہ آپنے یسوع کے فیض سے نبوت پانے کا کبھی دعویٰ نہیں کیا۔ ہاں یسُوع کی عبارت مندرجہ متی $\frac{۷}{۱۸}$ میں ڈوئی جیسے عیسائی مدعیان مسیحیت و نبوت شامل ہیں جو الوہیت مسیح کے قائل اور اسی کے نام سے ہر کام کے مدعی ہیں۔ (مثلاً تھیوداس اور یہوداہ گلیلی دیکھو اعمال $\frac{۱۵}{۳۶ و ۳۷}$)۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر اس پیشگوئی کو چسپاں کرنا سراسر

ظلم ہے۔ آپ کی اولاد اور جماعت کو دیکھو۔

چوتھا اعتراض ۔ مری پڑنا۔ لڑائیوں کا ہونا۔ بھونچال آنا۔ چاند سورج کا تاریک ہونا وغیرہ۔ یہ نشان تو مسیح کی آمد ثانی سے پہلے ہوئے ہیں نہ کہ اس کی آمد کے بعد۔

الجواب ۔ یہ عقلاً غلط ہے۔ سزا ہمیشہ قانون کی خلاف ورزی کے بعد ہوتی ہے نہ کہ اس سے قبل؟ دنیا میں عالمگیر عذاب ہمیشہ نبی کی بعثت اور اس کی تکذیب کے بعد ہی آیا کرتے ہیں۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے مَا کُنَّا مُعَذِّبِیْنَ حَتّٰی نَبْعَثَ رَسُوْلًا۔ اور یہی بات آپکی تورات میں بھی لکھی ہے۔

اور یہ ہوگا کہ جو شخص اس نبی کی نہ سنیگا۔ وہ امت میں سے نیست و نابود ہو جائیگا۔ (استثنا $\frac{18}{19}$ و اعمال $\frac{3}{23}$)۔

لہذا آپ کی انجیل کے کاتب نے اتنی غلطی کی ہے کہ پیچھے واقع ہونے والی بات کو پہلے لکھ دیا۔ پس کاتب کا قلم باطل ہے۔ (یرمیاہ $\frac{8}{8}$)۔

اور انجیل میں لکھا ہے کہ مسیح موعود کی آمد اچانک ہو گی۔ اور اس کا اس سے قبل کسی کو علم نہ ہوگا۔ پس اس سے پہلے بیماریاں وغیرہ پڑنا غلط ثابت ہوا۔ (متی $\frac{29}{24}$)۔

پانچواں اعتراض ۔ مرزا صاحب کو اُن کے گھر میں قبولیت نہ ہوئی۔ قادیان میں بھی سب لوگ احمدی نہیں ہوئے۔ پنجاب اور ہندوستان نے ان کو قبول نہیں کیا۔

الجواب ۔ یہ حضرت مرزا صاحب کی صداقت کی دلیل ہے نہ کذب کی۔ خود

یسوع کہتا ہے۔ (۱) میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ کوئی نبی اپنے وطن میں مقبول نہیں ہوتا۔ (لوقا ۴/۲۴)۔ (ب) نبی اپنے وطن اور اپنے گھر کے سوا کہیں بے عزت نہیں ہوتا۔ (متی ۱۳/۵۷)

(ج) یہی تو مسیح ناصری کی پیشگوئی تھی کہ مسیح کی آمد ثانی کے وقت اس کی تکذیب ہو گی۔ اور لوگ اسے نہیں مانیں گے:۔

(۱) لیکن پہلے ضرور ہے کہ وہ بہت دکھ اُٹھائے اور اس زمانہ کے لوگ اسے ردّ کریں۔ ... ابن آدم کے ظاہر ہونے کے دن بھی ایسا ہی ہو گا (لوقا ۱۷/۲۵)

(۲) لیکن میں تم سے کہتا ہوں کہ ایلیاہ تو آچکا اور انہوں نے اس کو نہیں پہچانا۔ بلکہ جو چاہا اس کے ساتھ کیا۔ **اِسی طرح** ابن آدم بھی ان کے ہاتھ سے دکھ اُٹھائیگا۔" (متی ۱۷/۱۲)

(د) نئے عہد نامے میں صاف لفظوں میں موجود ہے کہ تکذیب ہونا اور دُکھ پہنچنا سچے نبیوں کی علامت ہے۔ ملاحظہ ہو۔ یعقوب ۵/۱۰۔ جن نبیوں نے خداوند کے نام سے کلام کیا۔ اُن کو دُکھ اُٹھانے اور صبر کرنے کا نمونہ سمجھو ... تم نے ایوب کے صبر کا حال تو سُنا ہی ہے"

چھٹا اعتراض۔ مرزا صاحب کی پیشگوئیاں پوری نہیں ہوئیں۔ محمدی بیگم وغیرہ۔

الجواب۔ محمدی بیگم وغیرہ پیشگوئیاں تفصیل سے دُوسری جگہ درج ہیں یہ سب پیشگوئیاں انذاری تھیں اور پوری ہوئیں لیکن تمہاری بائبل سے ثابت ہے کہ انذاری پیشگوئیاں ٹل جایا کرتی ہیں۔ یونس نبی کی چالیس یومی پیشگوئی۔ دیکھو (یوناہ باب ۳

آیت ۴) اسی طرح اپنے پولوس رسول کی پیشگوئی دیکھو (اعمال ۲۷ ۱۰-۲۵)۔ پہلے کہا:۔

"اُس سفر میں تکلیف اور بہت نقصان ہوگا۔ نہ صرف مال اور جہاز کا بلکہ ہماری جانوں کا بھی (اعمال ۲۷/۱) لیکن بعد میں کہا۔ خاطر جمع رکھو۔ کیونکہ تم میں سے کسی کی جان کا نقصان نہ ہوگا۔ مگر جہاز کا۔ . . . ان سب کی خدا نے تیری خاطر جان بخشی کی۔ (اعمال ۲۷ ۲۲-۲۴)۔

یسوع کی پیشگوئیوں کا حال مضمون "قرآنی مسیح و انجیلی یسوع" میں مذکور ہے۔ صفحہ ۱۸۵۔

تم یسوع کی ایک پیشگوئی انجیل سے سچی ثابت کر دو۔ ہم اسکے مقابلہ میں حضرت مرزا صاحب کی دو پیش کرینگے۔ آؤ میدان میں نکل کر مقابلہ کرو۔

دیدہ باید۔

جیسا کہ خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے عیسائیوں کو انعامی چیلنج بھی دیا۔ مگر کسی عیسائی کو مقابلہ پر آنے کی جرأت نہ ہوئی۔ حضرت تحریر فرماتے ہیں:۔ "میرا یہ بھی دعویٰ ہے کہ یسوع کی پیشگوئیوں کی نسبت میری پیشگوئیاں اور میرے نشان زیادہ ثابت ہیں۔ اگر کوئی پادری میری پیشگوئیوں اور میرے نشانوں کی نسبت یسوع کی پیشگوئیاں اور نشان ثبوت کے رو سے قوی تر دکھلا سکے تو میں اس کو ایک ہزار روپیہ نقد دونگا۔" (اشتہار مشمولہ رسالہ انجام آتھم و تبلیغ رسالت جلد ۶ صفحہ ۱)

ساتواں اعتراض۔ مرزا صاحب کی وفات کے معاً بعد ان کی جماعت

میں اختلاف پھیل گیا۔

الجواب۔ ذرا انجیل پڑھو۔ یسوع کی وفات کے تھوڑا ہی عرصہ کے بعد پولوس کرنتھیوں کو یوں مخاطب کرتا ہے۔ "اے بھائیو . . . تم میں جھگڑے ہو رہے ہیں" (۱۔کرنتھیوں ۱/۱۱)۔

تم میں بڑا نقص یہ ہے کہ آپس میں مقدمہ بازی کرتے ہو۔ (۱۔کرنتھیوں ۶/۷)

آٹھواں اعتراض۔ مرزا صاحب نے اپنے آپکو مریم قرار دیا۔ وہ عورت کس طرح بن گئے؟

الجواب۔ انجیل پڑھو۔ پولوس عیسائیوں کو مخاطب کر کے کہتا ہے:۔

(۱) مَیں نے ایک ہی شوہر کے ساتھ تمہاری نسبت کی ہے۔ تاکہ پاک دامن کنواری کی مانند تم کو مسیح کے پاس حاضر کروں۔ (۲۔کرنتھیوں ۱۱/۲)۔ گویا عیسائی یسوع کی بیویاں ہیں۔

(۲) مَیں تجھے دلہن یعنی برّے کی بیوی دکھاؤں (مکاشفہ ۲۱/۹)۔ اس میں یسوع کے بارہ شاگردوں کو یسوع کی بیویاں قرار دیا گیا ہے۔

(۳) یسوع نے اپنے شاگردوں کی طرف ہاتھ بڑھا کر کہا۔ یہ ہے میری ماں۔ (لوقا ۸/۲۱)۔

نواں اعتراض۔ مرزا صاحب نے اپنے متعلق حمل۔ حیض۔ دردزہ وغیرہ کے الفاظ استعمال کئے ہیں جو مردوں کے لئے جائز نہیں۔

الجواب۔ یہ سب استعارات ہیں (ان کی تشریح غیر احمدی علماء کے اعتراضات کے جواب میں دیکھو۔) یہاں پر مختصر طور پر ذرا اپنی انجیل کے مندرجہ ذیل مقالات پڑھ لو

(۱) پولوس عیسائیوں کو کہتا ہے۔ "کاش کہ تم میری تھوڑی سی بیوقوفی کی برداشت کر سکتے۔ ہاں تم میری برداشت کرتے تو ہو۔ مجھے تمہاری بابت خدا کی سی غیرت ہے۔ کیونکہ میں نے ایک ہی شوہر کے ساتھ تمہاری نسبت کی ہے۔ تاکہ تم کو پاک دامن کنواری کی مانند مسیح کے پاس حاضر کر دوں (۲۔ کرنتھیوں $\frac{11}{1-2}$)۔ گویا تمام عیسائی کنواری عورتیں تھیں۔ اور پولوس نے ان کی شادی مسیح سے کر دی ہے۔

نوٹ:۔ اس عبارت میں پولوس نے اپنی بیوقوفی کا ذکر کیا ہے۔ اور (رومیوں $\frac{7}{24}$) میں اپنے آپکو کمبخت آدمی بھی قرار دیا ہے۔ خاکم پھر خواہش حاملہ ہو کر گناہ کو جنتی ہے۔ (یعقوب $\frac{1}{13}$)

(۲) پطرس عیسائیوں سے کہتا ہے۔ تم فانی تخم سے نہیں بلکہ غیر فانی سے خدا کے کلام کے وسیلے سے نئے سرے سے پیدا ہوئے ہو (۱۔ پطرس $\frac{1}{23}$)

(۳) جس طرح کہ پیٹ والی عورت جس کے جننے کا وقت نزدیک ہو۔ درد کھاتی ہے۔ اور اس پیڑ سے جو اُسے لگی چیخیں مارتی ہے۔ اے خداوند ہم تیری نگاہ میں ویسے ہی ہیں۔ ہم حاملہ ہوئے۔ ہمیں درد زہ لگا۔ پر گویا ہوا جنے۔ (یسعیاہ $\frac{26}{17-18}$) ۔ یہ "ہوا جنے" کا محاورہ قابل غور ہے۔

(۴) یروشلم ان کے درمیان حائض عورت کی طرح ہے (یرمیاہ کا نوحہ $\frac{1}{17}$ پرانا عہد نامہ)

(۵) اری "اے بانجھ تو جو نہیں جنتی خوشی سے للکار ... کیونکہ تیرا خالق تیرا شوہر ہے" (یسعیاہ $\frac{54}{1 تا 5}$)۔

(۶) بنی اسرائیل کو کہا ہے۔ تمہارے پیٹ ہی میں کوڑے کا حمل ہوگا۔ تم گرگٹ جنو گے۔" (یسعیاہ ۳۳/۱۱)۔

(۷) خدا کی "بیویوں" کے پستان وغیرہ:-

خداوند کا کلام مجھے پہنچا اور اس نے کہا کہ اے آدم زاد دو عورتیں تھیں۔ جو ایک ہی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئیں۔ انہوں نے مصر میں زنا کاری کی۔ وہ اپنی جوانی میں یارباز ہوئیں۔ وہاں ان کی چھاتیاں ملی گئیں۔ اور وہاں انکی بکر کے پستان چھوئے گئے۔ ان میں کی بڑی کا نام آہولہ اور اس کی بہن آہولیبہ۔ اور وہ میری جوروئیں ہوئیں اور بیٹے بیٹیاں جنیں۔" (حزقی ایل ۲۳/۱-۵)

(۸) مذکورہ بالا آہولیبہ کا حال سنو:-

"تب اس کی زنا کاری عام ہوئی۔ اور اس کی برہنگی بے ستر ہوئی۔ تب جیسا میرا جی اس کی بہن سے ہٹ گیا تھا۔ ویسا ہی میرا دل اس سے بھی ہٹ گیا۔ تس پر بھی اس نے اپنی جوانی کے دنوں کو یاد کر کے جب وہ مصر کی زمین میں چھنالہ کرتی تھی۔ زنا کاری پر زنا کاری کی۔ سو وہ اپنے ان یاروں پر مرنے لگی جن کا بدن گدھوں کا بدن اور جن کا انزال گھوڑوں کا سا انزال تھا۔" (حزقی ایل ۲۳/۱۸ تا ۲۰)

(۹) جس طرح جوان مرد ایک کنواری کو بیاہ لاتا ہے۔ اسی طرح وہ جو تجھ (یروشلیم) کو تعمیر کرتے تجھے بیاہ لے جائیں گے۔ اور جس طرح دولہا دلہن پر ریجھتا ہے۔ اسی طرح تیرا خدا تجھ پر ریجھیگا۔" (یسعیاہ ۶۲/۵)۔

(۱۰) خداوند یوں فرماتا ہے کہ تیری ماں کا طلاقنامہ جسے لکھکر میں نے اسے چھوڑ دیا کہاں ہے؟ ۔ ۔ ۔ تمہاری خطاؤں کے باعث تمہاری ماں کو طلاق دیگئی۔" یسعیاہ ۵۰/۱

(۱۱) خداوند نے مجھ سے کہا کیا تُو نے دیکھا ہے کہ برگشتہ اسرائیل نے کیا کیا ہے؟
وہ ہر ایک اونچے پہاڑ پر اور ہر ایک ہرے درخت کے تلے گئی اور وہاں زناکاری کی۔ اور
جب وہ یہ سب کچھ کر چکی تو میں نے کہا کہ میری طرف پھر آ۔ پر وہ نہ پھری۔ اور
اس کی بے وفا بہن یہوداہ نے یہ حال دیکھا۔ پھر میں نے دیکھا کہ جب اسی باعث
سے کہ اس نے زناکاری کی تھی۔ میں نے برگشتہ اسرائیل کو نکالا اور اسے طلاقنامہ
لکھ دیا۔ باوجود اس کے اس کی بے وفا بہن یہوداہ نہ ڈری بلکہ اس نے بھی جاکے
چھنالا کیا۔ اور ایسا ہوا کہ اس نے اپنے چھنالے کی بُرائی سے زمین کو ناپاک کیا۔
اور پتھر اور لکڑی کے ساتھ زناکاری کی۔" (یرمیاہ $\frac{۳}{۹}$)۔

(۱۲) زیادہ تفصیل سے یروشلیم (خدا کی بیوی) کی زناکاری کا حال ملاحظہ ہو۔
(حزقی ایل باب ۱۶ آیت ۱ تا ۶۳)۔

(۱۳) اور خداوند فرماتا ہے کہ از بسکہ صیہون کی بیٹیاں شوخ ہیں اور گردن کشی
اور شوخ چشمی سے خراماں ہوتی ہیں۔ اور اپنے پاؤں سے نت ناز رفتاری کرتی اور
گھنگھرو بجاتی ہیں۔ اس لئے خداوند صیہون کی بیٹیوں کی چاندیوں کو گنجی کریگا۔ اور
خداوند ان کے اندام نہانی کو اکھاڑیگا۔" (یسعیاہ $\frac{۳}{۱۶،۱۷}$)۔

(۱۴) خداوند نے یہوداہ کی کنواری بیٹی کو کولھو میں لتاڑا۔" (نوحہ یرمیاہ
باب پہلا آیت ۱۵)۔

(۱۵) پولوس کہتا ہے۔ کیونکہ ہم کو معلوم ہے کہ ساری مخلوقات مل کر اب تک
کراہتی ہے اور دردِ زہ میں پڑی تڑپتی ہے۔ اور نہ فقط وہی بلکہ ہم بھی آپ
اپنے باطن میں کراہ رہے ہیں۔" (رومیوں $\frac{۸}{۱۶-۲۳}$)۔

(۱۶) اے میرے بچو! تمہاری طرف سے مجھے پھر جننے کے سے درد لگے ہیں (گلیتوں ۴/۱۹)

(۱۷) خدا کو دردِ زِہ "میں بہت مدت سے چپ رہا۔ اور آپ کو روکتا رہا۔ پر اب میں اس عورت کی طرح جس کو دردِ زِہ ہو۔ چلاؤنگا۔ اور ہانپونگا اور زور زور سے ٹھنڈی سانس بھی لونگا"۔ (یسعیاہ ۴۲/۱۴)۔

دسواں اعتراض۔ مرزا صاحب نے بعض کتابوں کے حوالے غلط دئے ہیں؟

الجواب۔ ہم حضرت مرزا صاحب کی کتابوں کو سہو کتابت اور سبقت قلم سے پاک نہیں سمجھتے۔ خصوصاً جبکہ ہم آپؑ کو نبی مانتے ہیں۔ مگر ذرا اپنے خداوند یسوع کا بتایا ہوا حوالہ کہ داؤد نے ابیاتار سردار کاہن کے عہد میں اسکے گھر سے نذر کی روٹیاں کھائی تھیں۔ کہیں بائبل سے نکال دو۔ نیز متی میں جو یہ لکھا ہے "تاکہ جو نبیوں کی معرفت کہا گیا تھا۔ وہ پورا ہو۔ کہ وہ ناصری کہلائیگا"۔ (متی ۲/۲۳)۔ اس کا حوالہ بائیبل سے نکال دو۔

تمہارے انجیلی ملہم کی دیانتداری کا یہ حال ہے کہ یسعیاہ ۷/۱۴ کی عبارت "کنواری حاملہ ہوگی۔ بچہ پیدا ہوگا۔ اور وہ اس کا نام عمانوایل رکھے گی" کو نقل کرتے ہوئے "کنواری حاملہ ہوگی اور بچہ جنے گی۔ اور اس کا نام عمانوایل رکھیں گے" کر دیا ہے۔ محض اس لئے کہ تمہارے خداوند کا نام اس کی والدہ نے عمانوایل نہیں بلکہ یسوع رکھا تھا۔ ع

کچھ تو لوگو خدا سے شرماؤ

گیارھواں اعتراض۔ مرزا صاحب کی عبداللہ آتھم والی پیشگوئی پوری نہ ہوئی؟۔

الجواب۔ اس میں شرط تھی۔ پندرہ ماہ تک ہاویہ میں گرایا جائیگا۔ بشرطیکہ حق کی طرف رجوع نہ کرے۔ (جنگ مقدس صفحہ ۱۸۸)

چونکہ اس نے حق کی طرف رجوع کرلیا۔ اِس لئے وہ پندرہ ماہیہ سزا سے بچ گیا۔

اس کا ثبوت کہ آتھم راجع الی الحق ہوُا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے انعامی اشتہارات ہیں۔ آپ نے آتھم کو حلف مؤکد بعذاب اُٹھانے کے لئے چار ہزار روپیہ تک انعامی چیلنج دیا۔ مگر وُہ میدان میں نہ آیا۔

عیسائی۔ اُس کیلئے حلف اُٹھانا ناجائز تھا۔ (یعقوب ۵/۱۲ ومتی) اسلئے مرزا صاحب کا مطالبہ حلف درست نہ تھا۔

الجواب۔ غلط ہے۔ انجیل سے ثابت ہے کہ یسُوع کے بعد اس کے شاگرد اور رسُول قسمیں کھاتے رہے۔ چنانچہ پولوس نے مسیح کی قسم بھی کھائی۔

ا۔ تھسلنیکیوں ۵/۲۷،۲۸)۔ (انجیلی اصطلاح میں خداوند سے مراد یسوع ہے) فخر کی قسم (ا۔ کرنتھیوں ۱۵/۳۱)۔

اِس لئے آتھم کا بہانہ شائستہ اعتنا نہ ہونے کی وجہ سے صداقت حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر گواہ ہے۔

بارھواں اعتراض۔ مرزا صاحب کی آمد کی وجہ سے تمام مسلمان پاک نہیں ہوگئے۔ مگر خداوند یسوع کے "**کفارہ**" پر ایمان لانے سے ہم پاک ہوگئے اور کفارہ کو جڑ سے کاٹ دیا۔

الجواب۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آمد سے خدا تعالیٰ کی

سُنّتِ قدیمہ کے مطابق جماعت احمدیہ کا جو ایک پاکبازوں کی جماعت ہے قیام ہُوا۔ کیا مسیح کی آمد پر تمام یہودی پاک ہو گئے تھے۔ ہاں یسُوع کی زندگی میں صرف بارہ آدمی ظاہری طور پر پاک ہوئے تھے۔ جن کی حالت کا نقشہ انجیل نے خوب کھینچا ہے۔ مگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو خدا کے فضل سے لاکھوں گُنا کامیابی ہوئی۔

باقی رہا کفارہ سے گناہ کا جڑ سے کٹنا۔ سو یہ بھی غلط ہے۔ انجیل میں ہے کہ یسوع کے بعد خود عیسائیوں میں بدکاری موجود تھی۔ چنانچہ پولوس رسول عیسائیوں کو مخاطب کر کے لکھتا ہے "یہانتک سُننے میں آیا ہے کہ تم میں حرامکاری ہوتی ہے۔ بلکہ ایسی حرامکاری جو غیر قوموں میں بھی نہیں ہوتی۔ چنانچہ تم میں سے ایک شخص اپنے باپ کی بیوی کو رکھتا ہے اور تم افسوس تو کرتے نہیں تاکہ جس نے یہ کام کیا تم میں سے نکالا جائے۔ بلکہ شیخیاں مارتے ہو" (۱۔کرنتھیوں ۱/۵)۔

غرضیکہ موجودہ عیسائیوں اور ان کی تبلیغ کی وہی کیفیت ہے جو مسیح نے اِن الفاظ میں بیان کی ہے:۔

"اے ریاکار فقیہو اور فریسیو! تم پر افسوس ہے کہ ایک کو مُرید کرنے کے لئے تری اور خشکی کا دَورہ کرتے ہو۔ اور جب وہ مُرید ہو چکتا ہے۔ تو اُسے اپنے سے دُونا جہنم کا فرزند بنا دیتے ہو" (متی ۲۳/۱۵)۔

تیرھواں اعتراض۔ مرزا صاحب کہتے ہیں۔ ؎

کرمِ خاکی ہوں میرے پیارے نہ آدم زاد ہوں ٭ ہوں بشر کی جائے نفرت اور انسانوں کی عار

گویا وہ اپنے آپ کو انسان بھی نہیں سمجھتے۔ چہ جائیکہ وہ مسیح ہوں۔

الجواب۔ ذرا اپنی بائیبل کو پڑھو۔ تا تمہیں معلوم ہو کہ تم جس قول کو بغرض تکذیب پیش کر رہے ہو۔ وہی قول صداقت مسیح موعودؑ کا مؤید ہے۔

(الف) داؤد کہتا ہے:۔

"پر میں کیڑا ہوں۔ نہ انسان۔ آدمیوں کا ننگ ہوں۔ اور قوم کی عار" (۲۲ زبور آیت ۶)۔

(ب) تمہارا مسیح کہتا ہے:۔

"لومڑیوں کے بھٹ ہوتے ہیں! اور ہوا کے پرندوں کے گھونسلے مگر ابنِ آدم کے لئے سر دھرنے کی جگہ نہیں" (متی ۸/۲۰)۔

(ج) پولوس کہتا ہے "ہائے میں کیسا کم بخت آدمی ہوں" (رومیوں ۷/۲۴)

(د) کاش تم میری تھوڑی سی بیوقوفی کی برداشت کر سکتے"

(۲۔ کرنتھیوں ۱۱ باب ۱ آیت)

(ر) حضرت کا یہ قول محمول بر انکسار ہے۔ جیسا کہ خود حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:۔

(الف) إِنَّ الْمُهَيْمِنَ لَا يُحِبُّ تَكَبُّرًا
مِنْ خَلْقِهِ الضُّعَفَاءُ دُوْدُ فَنَاءٍ

(انجام آتھم۔ درثمین عربی ص۱۷۶)

کہ خدا تعالیٰ اپنی مخلوق سے جو کہ ضعیف اور کیڑے ہیں۔ تکبر پسند نہیں کرتا اسمیں حضور نے تمام مخلوق کو کیڑے قرار دیا ہے اور تکبر سے اظہارِ نفرت فرمایا ہے۔

(ب) پھر فرماتے ہیں :-

وَمَا نَحْنُ اِلَّا كَالْفَتِيْلِ مَذَلَّةً
بِاَعْيُنِهِمْ بَلْ مِنْهُ اَدْنٰى وَاَحْقَرُ

(براہین احمدیہ حصہ پنجم - درثمین عربی ص۲۹۳)

کہ ہم اپنے مخالفوں کی نظر میں ایک ریشۂ خرما کی طرح ہیں بلکہ اس سے زیادہ حقیر اور ذلیل -

(ج) پھر تحریر فرماتے ہیں :-

"اس آیت میں ان نادان موحدوں کا رد ہے جو یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسرے انبیاء پر فضیلت کُلّی ثابت نہیں۔ اور ... کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات سے منع فرمایا ہے۔ کہ مجھ کو یونس بن متی سے بھی زیادہ فضیلت دی جائے۔ یہ نادان نہیں سمجھتے کہ ... وہ بطور انکسار اور تذلل ہے جو ہمیشہ ہمارے سید صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت تھی۔ ہر ایک بات کا ایک موقعہ اور محل ہوتا ہے۔ اگر کوئی صالح اپنے خط میں احقر عباد اللہ لکھے تو اس سے یہ نتیجہ نکالنا۔ کہ یہ شخص درحقیقت تمام دنیا۔ یہانتک کہ بت پرستوں اور تمام فاسقوں سے بدتر ہے۔ اور خود اقرار کرتا ہے۔ کہ وہ احقر عباد اللہ ہے۔ کس قدر نادانی اور شرارتِ نفس ہے۔"

(آئینہ کمالات اسلام ص۱۶۳)

قرآن کا مسیح اور انجیل کا یسوع

تحریرات حضرت مسیح موعود علیہ السلام

(۱) "ہمیں پادریوں کے اور ان کے یسوع اور اس کے چال چلن سے کچھ غرض نہ تھی۔ اُنہوں نے ناحق ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دے کر ہمیں آمادہ کیا کہ اُن کے یسوع کا کچھ تھوڑا سا حال اُن پہ ظاہر کریں۔ چنانچہ اسی پلید نالائق فتح مسیح نے اپنے خط میں جو میرے نام بھیجا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو زانی لکھا ہے۔ اور اس کے علاوہ اور بہت گالیاں دی ہیں۔ اگر پادری اب بھی اپنی پالیسی بدل دیں۔ اور عہد کرلیں کہ آئندہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں نہیں نکالیں گے۔ تو ہم بھی عہد کرینگے کہ آئندہ نرم الفاظ کے ساتھ اُن سے گفتگو ہوگی۔ ورنہ جو کچھ کہیں گے۔ اس کا جواب سُنیں گے" (ضمیمہ انجام آتھم حاشیہ در حاشیہ ص۹)

(۲) "مسلمانوں کو واضح رہے کہ خدا تعالیٰ نے یسوع کی قرآن شریف میں کچھ خبر نہیں دی کہ وہ کون تھا؟ اور پادری اس بات کے قائل ہیں کہ یسوع وہ شخص تھا جس نے خدائی کا دعویٰ کیا اور حضرت موسیٰ کا نام ڈاکو اور بٹمار رکھا۔ اور آنے والے مقدس نبی کے وجود سے انکار کیا اور کہا کہ میرے بعد سب جھوٹے نبی آئیں گے۔" (ضمیمہ انجام آتھم ص۹ حاشیہ)

(۳) "ہم اس بات کے لئے بھی خدا تعالیٰ کی طرف سے مامور ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا تعالیٰ کا سچا اور پاک اور راستباز نبی مانیں۔ اور ان کی

نبوت پر ایمان لاویں۔ سو ہماری کتاب میں کوئی ایسا لفظ بھی موجود نہیں ہے جو اُن کی شانِ بزرگ کے خلاف ہو۔ اور اگر کوئی ایسا خیال کرے۔ تو وہ دھوکہ کھانے والا اور جھوٹا ہے۔" (ایام الصلح ٹائیٹل پیج صفحہ ۲ و تبلیغ رسالت مجموعہ اشتہارات جلد ۷ صفحہ ۲۷)۔

(۴) "میں یقین رکھتا ہوں کہ کوئی انسان حسین یا حضرت عیسیٰ جیسے راستباز پر بدزبانی کر کے ایک رات بھی زندہ نہیں رہ سکتا۔ اور وعید مَنْ عَادیٰ وَلِیًّا دست بدست اس کو پکڑ لیتا ہے۔" (اعجاز احمدی صفحہ ۳۸)

(۵) "موسیٰ کے سلسلہ میں ابن مریم مسیح موعود تھا اور محمدی سلسلہ میں میں مسیح موعود ہوں۔ سو میں اس کی عزت کرتا ہوں جس کا ہمنام ہوں اور مفسد اور مفتری ہے وہ شخص جو کہتا ہے کہ میں مسیح ابن مریم کی عزت نہیں کرتا۔" (کشتی نوح صفحہ ۱۶)۔

(۶) "جس حالت میں مجھے دعویٰ ہے کہ میں مسیح موعود ہوں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے مجھے مشابہت ہے تو ہر ایک شخص سمجھ سکتا ہے۔ کہ میں اگر نعوذ باللہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو برا کہتا تو اپنی مشابہت ان سے کیوں بتلاتا؟ کیونکہ اس سے تو خود میرا برا ہونا لازم آتا ہے۔" (اشتہار ۲۷ دسمبر ۱۸۹۸ء حاشیہ۔ تبلیغ رسالت جلد ۷ صفحہ ۷۲ حاشیہ)

(۷) "ہمارا جھگڑا اس یسوع کے ساتھ ہے۔ جو خدائی کا دعویٰ کرتا ہے نہ اس برگزیدہ نبی کے ساتھ جس کا ذکر قرآن کی وحی نے مع تمام لوازم کے کیا ہے۔" (تبلیغ رسالت جلد ۶ صفحہ ۲۲)۔

(۸) هٰذا ما کتبنا من الاناجیل علیٰ سبیل الالزام و انا نکرم المسیح و نعلم انہ کان تقیاً و من الانبیاء الکرام

(ترغیب المومنین ص۱۹ حاشیہ)

(۹) "ہمیں حضرت مسیح علیہ السلام کی شانِ مقدس کا بہرحال لحاظ ہے۔ اور صرف (پادری) فتح مسیح کے سخت الفاظ کے عوض میں ایک فرضی مسیح کا بالمقابل ذکر کیا گیا ہے۔ اور وہ بھی سخت مجبوری سے۔ کیونکہ اِس نادان (پادری فتح مسیح) نے نہایت ہی شدّت سے گالیاں آنحضرت صلعم کو نکالی ہیں۔ اور ہمارا دِل دُکھایا ہے۔" (رسالہ فتح مسیح صفحہ ۱)

(۱۰) "ہم اُس سچے مسیح کو مقدس اور بزرگ اور پاک جانتے اور مانتے ہیں۔ جس نے نہ خدائی کا دعویٰ کیا نہ بیٹا ہونے کا۔ اور جناب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے کی خبر دی اور اس پر ایمان لایا۔" (فتح مسیح ص۱۳)

(۱۱) "اسمیں کچھ شک نہیں کہ وہ نیک انسان تھا اور نبی تھا۔ مگر اُسے خدا کہنا کفر ہے۔" (تذکرۃ الشہادتین ص۲۷ و تبلیغ رسالت جلد ۶ ص۱۱)

(۱۲) "قرآن شریف میں فقط اس مسیح کے معجزات کی تصدیق ہے جس نے کبھی خدائی کا دعوےٰ نہیں کیا۔ کیونکہ مسیح کئی ہوئے ہیں۔"

(تصدیق النبی حاشیہ صفحہ ۴۲)

(نیز دیکھو رسالہ آریہ دھرم ٹائیٹل پیج آخری صفحہ و حقیقۃ الوحی ص۴۷ جنگ مقدس صفحہ ۵۰ و انوار الاسلام ص۴۲)۔

غیر احمدی علماء کی تحریرات

(۱) جناب مولوی رحمت اللہ صاحب مہاجر مکی اپنی کتاب ازالہ اوہام صفحہ ۳۷۰ میں فرماتے ہیں "ہمراہ جناب مسیح بسیار زناں ہمراہ مے گشتند و مال خود مے خورانیدند و زناں فاحشہ پایہا آنجناب را مے بوسیدند و آنجناب مریم را دوست مے داشت و خود شراب برائے نوشیدن دیگر کساں عطا مے فرمودند"

(۲) مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی بانی دیوبند لکھتے ہیں "یہ نصاریٰ جو دعوے محبت حضرت عیسےٰ سے کرتے ہیں۔ تو حقیقت میں اُن سے محبت نہیں کرتے۔ کیونکہ دار و مدار ان کی محبت کا خدا کے بیٹے ہونے پر ہے سو یہ بات حضرت عیسےٰ میں تو معدوم۔ البتہ ان کے خیال میں تھی۔ اپنی خیالی تصویر کو پوجتے ہیں۔ اور اس سے محبت رکھتے ہیں۔ حضرت عیسیٰ کو خداوند کریم نے ان کی واسطہ داری سے برطرف رکھا ہے" (ھدیۃ الشیعہ صفحہ ۲۴۴ و ۲۴۵)

(۳) جناب مولوی آلِ حسن صاحب فرماتے ہیں "حضرت عیسیٰ کا معجزہ احیائے موتیٰ کا بعض بھان متی کرتے پھرتے ہیں کہ ایک آدمی کا سر کاٹ ڈالا بعد اسکے سب کے سامنے دھڑ سے ملا کر کہا اٹھ کھڑا ہو۔ وہ اُٹھ کھڑا ہوا۔" (استفسار صفحہ ۳۳۶)۔

(۴) "اشعیا اور ارمیاہ اور عیسےٰ علیہ السلام کی بہت سی غیب گوئیاں تو اعداد رمل و نجوم سے بخوبی نکل سکتی ہیں۔ بلکہ اس سے بہتر" (استفسار صفحہ ۲۰۶)

(۵) "حضرت عیسےٰ علیہ السلام نے یہودیوں کو حد سے زیادہ جو گالیاں دیں تو ظلم کیا" (استفسار صفحہ ۴۱۹)

حضرت مسیح علیہ السلام اور یسوع کے دو حلیے

موجودہ انجیل نے یسوع کی ایسی گندی تصویر کھینچی ہے کہ اسے دیکھ کر کوئی منصف مزاج انسان یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ خدا کے اس برگزیدہ نبی کی تصویر ہے جسے قرآن مجید نے حضرت عیسٰے علیہ السلام اور مسیح ابن مریم کے نام سے موسوم کیا ہے۔

(۱) نسب نامہ ۔ قرآن مجید حضرت عیسٰی علیہ السلام کے نسب نامہ کو بالکل پاک اور مطہر قرار دیتا ہے۔ جیسا کہ مَا کَانَ اَبُوْكِ امْرَاَ سَوْءٍ وَّمَا کَانَتْ اُمُّكِ بَغِیًّا (مریم رکوع ۲) مگر انجیل کے یسوع کا نسب نامہ سخت ناپاک اور گندہ ہے۔ چنانچہ انجیل متی ۱/۱ میں یسوع کا نسب نامہ کے عنوان کے نیچے تین عورتوں تامار۔ راحاب اور اوریاہ کی بیوی (بنت سبع) کا ذکر ہے (متی پہلا باب آیت ۲۔ ۵۔ ۷) اور توراۃ میں لکھا ہے کہ یہ تینوں بدکار اور زناکار عورتیں تھیں۔ ملاحظہ ہو۔ راحاب فاحشہ تھی (یشوع ۲/۲) تامار نے اپنے خسر سے زنا کیا (پیدائش ۳۸/۱۶-۱۹) بنت سبع زوجہ اوریاہ نے (نعوذ باللہ) داؤد سے زنا کیا (۲۔ سموئیل ۱۱/۲-۵) توراۃ میں ہے بدکاروں کی نسل کبھی نامآور نہ ہوگی (یسعیاہ ۱۴/۲۰) حرامی بچہ دس پشت تک خدا کی بادشاہت میں داخل نہ ہوگا (استثنا ۲۳/۱)

(۲) مریم کا صدیقہ ہونا۔ قرآن نے حضرت عیسٰے علیہ السلام کی والدہ کو صدیقہ قرار دیا ہے۔ وَاُمُّهٗ صِدِّیْقَةٌ (مائدہ رکوع ۱۰) وَصَدَّقَتْ

بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا (سورۃ مریم آخری رکوع) گویا وہ حضرت عیسےٰ پر کامل طور پر ایمان لائی۔ اور خدا تعالےٰ کی باتوں پر کما حقہ، عمل کرتی تھی مگر انجیلی یسوع کے متعلق انجیل سے معلوم ہوتا ہے کہ اسکی ماں اسپر ایمان نہ لائی تھی اور خدا کی بھی نافرمان تھی۔ چنانچہ متی $\frac{12}{46-50}$ و مرقس $\frac{3}{21-25}$ میں ہے کہ اسکی ماں اور اسکے بھائی جب یسوع کو ملنے آئے تو وہ اپنے شاگردوں میں کھڑا تھا کسی نے جب اسکو بتایا کہ تیری ماں اور تیرے بھائی تجھ سے ملنا چاہتے ہیں تو اس نے جواب دیا کون ہے میری ماں ؟ اور کون ہیں میرے بھائی ؟ اپنے شاگردوں کیطرف منہ کرکے کہا میری ماں اور میرے بھائی تو یہ ہیں جو خدا کا کلام سنتے اور اس پر عمل کرتے ہیں۔" (لوقا $\frac{8}{21}$) گویا اس کی ماں اور اس کے بھائی خدا کے کلام سنتے اور اُسپر عمل نہ کرتے تھے۔ کیونکہ اگر وہ واقعی خدا کی مرضی پر چلنے والی اور اسکی باتوں پر عمل کرنیوالی ہوتی تو وہ یسوع کے بیان کردہ معنوں کی رُو سے اسکی رُوحانی ماں بھی ٹھہرتی۔ تو اس صورت میں یسوع پر اسکی دُونی عزت لازم آتی۔ مگر اس کا کون ہے میری ماں کہنا اور پھر ماں کے معنی بیان کرکے اپنی شاگردوں کو اسمیں شامل کرنا۔ اور جسمانی ماں کو اس سے باہر نکالنا صاف طور پر ثابت کرتا ہے کہ اسکی ماں اسپر ایمان نہ لائی۔ لہذا انجیلی یسوع اُمُّہٗ صِدِّیْقَہ کا مصداق نہ رہا۔ مندرجہ بالا استدلال انجیل کی اس عبارت سے اور زیادہ قوی ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اسکے بھائی بھی اسپر ایمان نہ لائے تھے (یوحنا $\frac{7}{5}$) کیا کوئی عیسائی موجودہ انجیل میں سے کوئی ایک ہی حوالہ ایسا پیش کر سکتا ہے جسمیں یہ لکھا ہو کہ یسوع کی ماں مریم یسوع پر ایمان لائی تھی۔ ہرگز نہیں۔

(۳) ماں سے بدسلوکی۔ قرآن مجید نے اپنے مسیح علیہ السلام کو بَرًّا بِوَالِدَتِیْ (مریم ع۲) قرار دیا ہے اور یوں بھی لَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ کے عام حکم سے انبیا علیہم السلام کا استثنا نہیں۔ لہذا حضرت عیسےٰ اپنی والدہ کے کامل طور پر وفادار تھے اور اس سے انتہائی طور پر نیک سلوک کرتے تھے۔ مگر انجیل کا یسوع اپنی ماں کو۔ کون ہے میری ماں (متی ۱۲/۴۸ و مرقس ۳/۳۳) اے عورت مجھے تجھ سے کیا کام (یوحنا ۲/۴) کے الفاظ سے یاد کرتا ہے۔ گویا اپنے آپکو اس سے کلی طور پر مستغنی اور بے تعلق قرار دیتا ہے اور اسکی نافرمانی کرتا ہے ایسا آدمی یسوع کے فتویٰ کے مطابق واجب القتل ہے (متی ۱۵/۴ و رومیوں ۹/۲۹ و ۳۲)

لہذا وہ بَرًّا بِوَالِدَتِیْ کا مصداق نہ رہا۔

(۴) پاک انسان ہونا۔ قرآن نے اپنے مسیح علیہ السلام کے متعلق اَیَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ فرمایا ہے۔ گویا وہ بہت پاک اور مقدس انسان تھے جس طرح کہ خدا تعالےٰ کے تمام انبیا ہوتے ہیں مگر انجیل کا یسوع انجیل کی رُو سے ایک پاک کیریکٹر کا انسان ثابت نہیں ہوتا۔

(۵) ایک بدکار عورت سے محبت۔ (ا) اسکے پاؤں پر ایک بدچلن عورت نے عطر ڈالا (لوقا ۷/۳۸)۔ (ب) عطر ڈالنے والی بدچلن عورت کا نام مریم تھا جو مرتھا اور لعزر کی بہن تھی (یوحنا ۱۱/۲ و ۱۲/۳)۔ (ج) یسوع اس بدچلن عورت سے محبت رکھتا تھا (یوحنا ۱۱/۵)۔ (د) اس بدچلن عورت کو بھی یسوع سے محبت تھی (لوقا ۷/۴۷)۔ (ہ) وہ بدچلن عورت روئی تو یسوع بھی گھبرا کر رونے لگا (یوحنا ۱۱/۳۵)۔ (ز) یسوع اس بدچلن عورت کے گھر گیا اور اس سے تنہائی

میں باتیں کرتا رہا (لوقا ۱۸/۲-۲۹ ۴) (س) اسکے ساتھ عورتیں رہتی تھیں (لوقا ۸/۱-۳ متی ۲۷/۵۵)۔ (ط) ایک بدچلن سامری عورت سے جو کئی خاوند کر چکی تھی یسوع نے تنہائی میں معنی خیز گفتگو کی (یوحنا ۷/۴) یہ فقرہ خاص طور پر قابل غور ہے "اتنے میں اسکے شاگرد آگئے۔ اور تعجب کرنے لگے کہ وہ عورت سے باتیں کر رہا ہے۔ تاہم کسی نے نہ کہا کہ تو کیا چاہتا ہے۔ یا اس سے کس لئے باتیں کرتا ہے۔ پس عورت اپنا گھڑا چھوڑ کر شہر کو چلی گئی"۔ (و) ایک نوجوان لڑکے سے محبت (یوحنا ۲۱/۲ و ۱۹/۲۶)۔ (ی) اسکو گود میں بٹھانا اور چھاتی سے لگانا (یوحنا ۱۳/۲۳-۲۶ و ۲۱/۲۰-۲۱) گویا اس لڑکے سے یسوع کو محبت تھی اور شاگرد یسوع سے جب کوئی راز کی بات پوچھنا چاہتے تو براہِ راست پوچھنے کی بجائے اس لڑکے کے ذریعہ سے دریافت کرتے اور یسوع بتا دیتا۔ یوحنا ۲۱/۲ سے معلوم ہوتا ہے کہ پطرس کو یہ فکر تھا کہ یسوع کے چلے جانے کے بعد اس لڑکے کا کیا حال ہوگا اور اس کا کون پرسانِ حال ہوگا مگر یسوع نے مہمل سے فقرہ میں بات کو ٹال دیا۔ یہی اور اسی قسم کی اور باتیں تھیں جنکی بنا پر جب پیلاطوس نے یہودیوں سے پوچھا کہ تم یسوع پر کیا الزام لگاتے ہو۔ تو انہوں نے جواب میں اُس سے کہا کہ "اگر یہ بدکار نہ ہوتا تو ہم اسے تیرے حوالے نہ کرتے"۔ (یوحنا ۱۸/۳۰)۔ بایں ہمہ جناب کا اپنا حال یہ تھا کہ ایک "خونِ حیض" والی عورت کے چھونے سے قوت نکل گئی"۔ (مرقس ۵/۳۰ لوقا ۸/۴۶)

بد نمونہ۔ قرآن مجید نے اپنے مسیح کو مَثَلًا لِّبَنِیْ اِسْرَاۗءِیْلَ (زخرف ع ۶) یعنی بنی اسرائیل کیلئے اچھا نمونہ قرار دیا ہے۔ مگر انجیلی یسوع کا نمونہ اُس کے اخلاق و عادات قطعاً اس قابل نہیں تھیں کہ کوئی منصف مزاج انسان اسکو اچھا نمونہ کہہ سکے۔

(۱) گالیاں دینا۔ زناکار لوگ (متی $\frac{12}{39}$) "اے سانپو۔ افعی کے بچو۔ اے بدکار و اندھو" وغیرہ (متی $\frac{23}{26-34}$)۔

(۲) گندے ہاتھوں سے کھانا کھانا۔ اس کے بعض شاگردوں نے جب اس کی موجودگی میں ناپاک یعنی بن دھوئے ہاتھوں سے روٹی کھائی (مرقس $\frac{7}{2}$) تو اس پر بعض فقیہوں اور فریسیوں نے اعتراض کیا۔ اس کے جواب میں بجائے اپنے شاگردوں کو تادیب کرنے کے الٹا یہودیوں سے بحث کرنا شروع کر دیا۔ اور کہا۔ کوئی چیز باہر سے آدمی میں داخل ہو کر انسان کو ناپاک نہیں کر سکتی۔ (مرقس $\frac{7}{15}$)۔ بغیر ہاتھ دھوئے کھانا کھانا۔ آدمی کو ناپاک نہیں کرتا۔ (متی $\frac{15}{20}$)

(۳) مغلوب الغضب تھا (۱) یہودیوں کو گالیاں دیں (۲) انجیر کے درخت پر بلا وجہ غصہ کھایا۔ (مرقس $\frac{11}{14}$ و متی $\frac{21}{19}$)

(۴) غیر کی چیز پر بلا اجازت ہاتھ صاف کرنا جائز سمجھتا تھا۔ اس کے شاگردوں کا بالیں توڑنا اور اس کا حمایت کرنا (متی $\frac{2}{1-5}$ و مرقس $\frac{2}{22}$)۔

(۵) بزدل ہونا خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں اپنے بندوں کی عموماً اور انبیاء علیہم السلام کی خصوصاً یہ صفت بتائی ہے کہ وہ بزدل نہیں ہوتے۔ اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَاءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عليهم (یونس ع ۷) كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ (پارہ ۲۸ مجادلہ ع ۳)۔

؎ کجا غوغائے شاں بر خاطرِ من وحشتے آرد
که صادق بزدلے نبود و گر بیند قیامت را
(مسیح موعودؑ)

چونکہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام خدا کے نبی تھے۔ لہذا بزدل نہ تھے۔ مگر انجیل کا

یسوع بزدل تھا۔ ملاحظہ ہو:۔

(۱) قتل کا مشورہ سُنکر چھپ کر چلا گیا۔ اور کہا کہ کسی کو میرا نام نہ بتانا (متی ۱۲/۱۵)

(۲) ایک شہر میں تمہیں ستائیں تو دوسرے میں بھاگ جاؤ۔ (متی ۱۰/۲۳)۔

(۳) اسی تعلیم کے نتیجہ میں پولوس رسول قید خانہ سے سیواجی کی طرح ٹوکرے میں بیٹھ کر بھاگا تھا۔ (۲۔ کرنتھیوں ۱۱/۳۲)۔ (۴) جب یہودیوں نے مارنے کو پتھر اٹھائے تو ڈر کر کہا۔ سب لوگ خدا کے بیٹے ہیں۔ (یوحنا ۱۰/۳۴)۔

مُفسد ہونا۔ خدا کے انبیاء دنیا میں اصلاح کی غرض سے آتے ہیں جیسا کہ اِنْ اُرِیْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ (ھود ع) لہذا حضرت عیسٰی علیہ السلام بھی بوجہ نبی اور رسول ہونے کے بنی اسرائیل کی اصلاح ہی کیلئے آئے تھے۔ مفسد ہونا تو قرآن مجید نے منافق کی نشانی قرار دی ہے۔ مگر انجیل کا یسوع دنیا میں اصلاح کیلئے نہیں۔ بلکہ فساد کیلئے آیا تھا۔ ملاحظہ ہو:۔

(الف) یہ نہ سمجھو کہ میں زمین پر صلح کرانے آیا ہوں صلح نہیں۔ بلکہ تلوار چلانے آیا ہوں۔ (متی ۱۰/۳۴-۳۶) اور کہا کپڑے بیچ کر تلوار خریدو۔ (لوقا ۲۲/۳۶)

(ب) میں زمین پر آگ ڈالنے آیا ہوں اور اگر آگ لگ چکی ہوتی۔ تو میں کیا ہی خوش ہوتا تم گمان کرتے ہو کہ میں زمین پر صلح کرانے آیا ہوں۔ میں کہتا ہوں کہ نہیں بلکہ جدائی کرانے۔ کیونکہ اب سے ایک گھر کے پانچ آدمی آپس میں مخالفت رکھیں گے۔ باپ بیٹے سے مخالفت رکھے گا۔ اور بیٹا باپ سے" (لوقا ۱۲/۴۹)۔

(ج) میرا وہی شاگرد ہو سکتا ہے جو اپنے ماں باپ۔ بیوی بچوں۔ بہنوں بھائیوں کا دشمن ہو۔ (لوقا ۱۴/۲۶)۔

(د) اور خود ہی کہتا ہے۔ جس گھر میں پھوٹ پڑے وہ برباد ہو جاتا ہے (لوقا $\frac{11}{17}$)

عیسائی۔ خدا کے نبی جب آتے ہیں۔ کچھ لوگ ان کی مخالفت کرتے ہیں کچھ ایمان لے آتے ہیں۔ اس طرح تفریق پڑ جاتی ہے۔

احمدی۔ خدا کے انبیاء کی آمد سے دو مخالف جماعتوں کا ہو جانا۔ انبیاء کی آمد کی غرض نہیں قرار دی جا سکتی۔ گو اس کو بعثت نبوت کے متعلق قرار دے لیا جائے۔ مثلاً ایک طالبعلم بی۔ اے کا امتحان دے۔ اور اس میں فیل ہو جائے۔ امتحان دینے سے اسکی غرض تو پاس ہونا تھا۔ مگر وہ خلاف منشاء فیل ہو گیا۔ اب اگر کوئی یہ کہے کہ فلاں لڑکے نے بی۔ اے کا امتحان اس لئے دیا تاکہ وہ فیل ہو جائے تو یہ خلاف عقل ہوگا۔ اسی طرح یہ کہنا کہ فلاں نبی دنیا میں اس لئے آیا کہ تا دنیا میں لڑائیاں ہونے لگ جائیں بالکل خلافِ عقل ہے۔

شیطان کا ساتھی۔ قرآن مجید کہتا ہے اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا (پارہ ۱۴ آخری آیت) کہ متقیوں کے ساتھ خدا تعالیٰ ہوتا ہے۔ اور انبیاء کے ساتھ تو بوجہ ان کے اتقی الناس ہونے کے سب سے زیادہ۔ لہذا حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے ساتھ بھی خدا تعالیٰ تھا۔ مگر انجیل میں یسوع کی سوانح زندگی درج ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ اسکے ساتھ نہ تھا۔

(۱) اس کی ناکام زندگی (۲) اس کا ایلی ایلی لما سبقتنی کہنا (متی $\frac{46}{27}$)۔

(۳) شیطان کا اس کے ساتھ چالیس روز رہنا۔ اور پھر کچھ عرصہ کے لئے اس سے جدا ہونا۔ (لوقا $\frac{13}{4}$)۔

جھوٹ بولنا۔ قرآن مجید سے ثابت ہے کہ خدا تعالیٰ کے انبیاء سب سے زیادہ

سچے اور سچ بولنے والے اور راستباز ہوتے ہیں۔ اور اسی وجہ سے حضرت عیسٰے علیہ السلام بھی راست گو اور سعادت شعار انسان تھے۔ مگر انجیل کا یسوع راست گو نہ تھا۔

(۱) بھائیوں کو کہا کہ تم عید پر جاؤ۔ مَیں نہیں جاتا۔ مگر جب وہ چلے گئے انکے پیچھے پیچھے چھُپ کر خود بھی چلا۔ (یوحنا ۷/۸-۱۰)۔ (۲) یوحنا ... چاہو تو مانو۔ ایلیاہ جو آنیوالا تھا یہی ہے (متی ۱۱/۱۴۔ مگر یوحنا کا انکار۔ یوحنا ۱/۲۱) ... (۳) داؤد ... سردار کاہن ابیاتار کے عہد میں خدا کے گھر میں گیا اور نذر کی روٹیاں کھائیں (مرقس ۲/۲۶) حالانکہ وہ سردار ابیاتار نہیں بلکہ اخیملک تھا۔ (۱۔سموئیل ۲/۲۶)

غلط پیشگوئیاں ۔ قرآن مجید۔ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ کے مطابق تمام انبیاء کی صداقت کا معیار اُن کی سچی پیشگوئیاں قرار دیتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ حضرت عیسٰے علیہ السلام بھی سچے نبی ہونے کی وجہ سے اس میں داخل ہیں۔ مگر انجیلی یسوع کی تمام پیشگوئیاں غلط نکلیں۔

(۱) تم میں سے کئی زندہ ہونگے کہ مَیں آجاؤنگا۔ (متی ۱۶/۲۸ ومرقس ۹/۱)۔ (۲) شاگردوں کو کہا۔ تم میرے ساتھ حکومت کروگے (متی ۱۹/۲۸)۔ (۳) ساتھ مصلوب ہونے والے چور کو کہا۔ تو میرے ساتھ آج ہی جنت فردوس میں ہوگا (لوقا ۲۳/۴۳) مگر وفات کے تین دن بعد کہتا ہے کہ میں ابھی تک خدا کے پاس اوپر نہیں گیا (یوحنا ۲۰/۱۷)۔ (۴) پطرس کو جنت کی کنجیاں دیں۔ (متی ۱۶/۱۹)۔ مگر پھر اس کو شیطان کہا (متی ۱۶/۲۳)۔ (۵) ا۔ صرف یونس کا معجزہ اُن کو دیا جائیگا۔ (متی ۱۲/۳۹) ب یونس تین دن اور تین رات مچھلی کے پیٹ میں رہا۔ (تورات یونس ۱ آخری آیت

پُورانی بائیبل) (ج) یسوع ایک ہی دِن زمین میں رہا۔ (لوقا ۲۴/۱ و متی ۲۸/۱)

(د) یونس زندہ مچھلی کے پیٹ میں رہا۔ مگر بقول عیسائیاں یسوع مر کر رہا۔

ملعون ۔ قرآن مجید نے حضرت عیسےٰ علیہ السلام کو جَعَلَنِی مُبَارَکاً اَیْنَمَا کُنْتُ (مریم ع ۲) کے الفاظ میں مبارک قرار دیا ہے۔ مگر انجیلی یسوع بروئے انجیل لعنتی تھا۔

(۱) (- مسیح لعنتی تھا۔ کیونکہ صلیب پر لٹکایا گیا (گلیتوں ۳/۱۳)۔

ب۔ جو صلیب دیا جائے تو وہ خدا کا ملعون ہے (استثنا ۲۱/۲۲)۔

(۲) پطرس کو کہا۔ جو تو زمین پر باندھیگا آسمان پر وُہی بندھیگا (متی ۱۶/۱۹ و ۱۸/۲۸) ب۔ پطرس نے یسوع کو لعنت کی۔ (متی ۲۶/۷۴)۔

مکذّب انبیاء ۔ قرآنی مسیح تمام پہلے انبیاء کا مصدق تھا۔ اور اپنے بعد بھی بعض انبیاء کی آمد کا مبشر جیسا کہ سورہ صف ع ۱ میں ہے۔ مگر انجیلی یسوع تمام انبیاء کو چور اور ڈاکو کہتا تھا۔ اور بعد میں آنے والوں کو جھوٹا کہتا تھا۔ "جتنے مجھ سے پہلے آئے سب چور اور ڈاکو ہیں" (یوحنا ۱۰/۸) اور "بہت سے جھوٹے نبی اُٹھ کھڑے ہونگے" (متی ۲۴/۱۱) پس قرآن کا مسیح موجودہ انجیل والا یسوع نہیں ہو سکتا۔ فَافْهَمُوا اَیُّهَا الْعَاقِلُونَ الطَّالِبُونَ لِلْحَقِّ۔

شراب (۱) یسوع نے سب سے پہلے جو معجزہ دکھایا وہ شراب بنانا تھا (یوحنا ۲/۱)

(۲) پھر کہا۔ نئی مے نئی مشکوں میں بھرنی چاہیے۔ (لوقا ۵/۳۸)۔

(۳) پولوس کہتا ہے۔ "تھوڑی سی شراب پی لیا کر" (۱۔ تیمیتھیس ۵/۲۳)۔

بھائی اور بہنیں "اس کے بھائی ماں کی پاس آئے" (لوقا ۸/۱۹ و مرقس ۳/۳۱ و

یوحنا ہے)۔ "اس کی بہنیں"۔ (متی ۱۳/۵۵)۔

دلائل فضیلت مسیح بمقابلہ آنحضرت صلعم کا جواب

عیسائی پادری غیر احمدیوں کے عیسائیت نواز عقاید کو پیش کر کے مسلمانوں کو حلقۂ عیسائیت میں پھنساتے چلے جاتے ہیں اور اسی غرض سے ایک رسالہ بنام "حقائقِ قرآن" بھی انہوں نے شائع کر رکھا ہے۔ غیر احمدیوں کے عقائد پر تو بیشک اس رسالہ کے مندرجہ اعتراضات وارد ہو سکتے ہیں۔ مگر خدا کے فضل سے جماعت احمدیہ کے سامنے ان مزعومہ دلائل کی کچھ حقیقت نہیں۔ چنانچہ چند چیدہ اعتراضات کے جوابات درج کئے جاتے ہیں۔

دلیل نمبر (۱) حضرت مسیح کا معجزانہ طور پر پیدا ہونا

الجواب۔ بیشک قرآن مجید سے ثابت ہے کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام بغیر باپ کے پیدا ہوئے اور ہمارا اس پر ایمان ہے۔ مگر بغیر باپ کے پیدا ہونے والے کو باباپ کے پیدا ہونیوالے پر فضیلت دینا غلطی ہے۔ قرآن مجید نے خود اس کا جواب دیا ہے (اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَ اللّٰہِ کَمَثَلِ اٰدَمَ) کہ عیسیٰؑ کی مثال حضرت آدم کی ہے۔ اب حضرت آدم تو بغیر ماں اور بغیر باپ کے پیدا ہوئے۔ اور عیسائی بھی اس کو مانتے ہیں۔ پس اگر بغیر باپ کے پیدا ہونا فضیلت ہے تو بے ماں و باپ پیدا ہونا تو اس سے بھی بڑھ کر درجۂ فضیلت ہونی چاہیئے۔ پھر عیسائی صاحبان کیوں حضرت آدم کو حضرت عیسےٰ علیہ السلام سے افضل نہیں مانتے؟ اسی طرح انجیل میں لکھا ہے "ملک صدق . . . بے باپ بے ماں بے نسب نامہ ہے . . . بلکہ خدا کے بیٹے کے مشابہ ٹھہرا"۔ (عبرانیوں ۷/۱-۳)۔

کیا عیسائی صاحبان ملک صدق کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے افضل مانتے ہیں؟ اگر نہیں تو کیا اس سے ثابت نہیں ہوتا کہ بے باپ پیدا ہونا وجہ فضیلت نہیں۔ لہذا اس وجہ سے آنحضرت صلعم پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو افضل قرار دینا غلطی ہے۔

جواب نمبر ۲۔ اگر بے باپ پیدا ہونا وجہ فضیلت ہے، تو کیا ہم ان تمام کیڑوں مکوڑوں کو جو برسات کے دنوں میں ہزاروں اور لاکھوں کی تعداد میں بے ماں اور بے باپ پیدا ہوتے ہیں تمام انسانوں پر افضل قرار دے سکتے ہیں؟

الجواب نمبر ۳۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بے باپ ہونا کس طرح موجب فضیلت ہو سکتا ہے جبکہ انکی ولادت سے لیکر آجتک ساڑھے اُنیس سو سال گذر جانے تک اُن پر اور انکی والدہ صدیقہ پر پے بہ پے کفار ناہنجار ناجائز ولادت کا الزام لگاتے ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام تمام عمر اسی اعتراض کا جواب دیتے رہے یہانتک کہ آنحضرت صلعم کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بریت "اَیَّدْنَاہُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ" کے الفاظ میں کرنی پڑی۔ کیا آنحضرت صلعم کی ولادت کے متعلق کبھی کسی نے کوئی اعتراض کیا کہ آنحضرت صلعم کو طعنہ زنی کا نشانہ بننا پڑا۔ پس آنحضرت صلعم کا بے باپ پیدا نہ ہونا بذاتِ خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر آپ کی فضیلت کو ثابت کرتا ہے۔

جواب نمبر ۴۔ قرآن مجید کے پڑھنے سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بے باپ پیدا کرنے میں کیا حکمت تھی۔

قرآن مجید میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خدا تعالیٰ نے فرمایا:۔

إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِي قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظَّالِمِينَ (پارہ اوّل ع ۱۵) کہ اے ابراہیم تجھ کو لوگوں کا مقتدا اور راہنما (نبی) بناتا ہوں۔ انہوں نے عرض کیا کہ اے خدا! میری نسل میں بھی (نبوت رکھ) تو خدا تعالیٰ نے جواب دیا۔ ہاں۔ مگر تیری نسل میں جو ظالم ہونگے۔ وہ اِس نعمت سے محروم کر دیئے جائینگے۔ دوسری جگہ فرمایا۔ وَجَعَلْنَا فِي ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ کہ ہم نے حضرت ابراہیم کی نسل میں نبوّت رکھی۔ اب حضرت ابراہیم کی اولاد کی دو شاخیں تھیں بطریق ذیل:۔

حضرت ابراہیم

حضرت اسمٰعیل	حضرت اسحٰق
بنی اسمٰعیل	یعقوب (اسرائیل)
(عرب)	بنی اسرائیل

چنانچہ حضرت اسحٰق کی نسل سے (بنی اسرائیل میں) پے بہ پے نبی ہوئے۔ چنانچہ حضرت موسےٰ۔ داؤد۔ سلیمان۔ یحییٰ۔ زکریا علیہم السلام سب انبیاء بنی اسرائیل میں سے ہوئے۔ لیکن بالآخر بنی اسرائیل ظالم ہو گئے۔ اور اِس وجہ سے اس وعدہ کے مستحق نہ رہے۔ جو خدا تعالیٰ نے حضرت ابراہیم سے کیا تھا۔ چنانچہ خدا تعالیٰ نے حضرت عیسےٰ علیہ السلام کو بغیر باپ کے پیدا کرکے بتا دیا کہ اب حضرت اسحٰق کی نسل میں نبوت کا خاتمہ ہے۔ اب چونکہ بنی اسرائیل ظالم ہو گئے ہیں۔ اِسلئے خدا کے وعدہ کے مطابق نبوت بنی اسمٰعیل کیطرف منتقل کر دیجائیگی۔ چنانچہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام جو بغیر باپ کے پیدا ہوئے۔

انکے بعد نبوت آنحضرت صلعم کو عطا ہوئی جو بنی اسرائیل سے نہ تھے۔ نیز حضرت عیسٰے علیہ السلام کو خداتعالیٰ نے محض اپنی قدرت مجردہ سے بغیر باپ کے پیدا کر کے یہودیوں کو ایک نمونہ سے سمجھایا کہ تم اس پاک مولود کو جس کی والدہ ہر طرح سے بدکاری کی آلائش سے پاک ہے۔ ولدالزنا قرار دیتے ہو۔ اور حالت یہ ہے کہ تم میں سے ہزاروں بچے بدکاری کے نتیجہ میں ایسے پیدا ہوتے ہیں جنکے باپوں کا پتہ نہیں۔ اور ہم نے تمہاری عملی حالت کے اظہار کے لئے عملی نمونہ قائم کیا ہے۔ گو خداتعالےٰ نے اس بچہ کو محض روح القدس کے وسیلہ سے بغیر باپ کے پیدا کیا ہے۔ مگر تم میں اب کوئی نہیں جو نبی کا باپ بن سکے۔ لہذا تم اس قابل نہیں رہے کہ تم کو اس عہد کے مطابق جو خداتعالےٰ نے حضرت ابراہیم کے ساتھ کیا تھا۔ نبوت کی نعمت سے مشرف کیا جائے۔ اسلئے اب وہ عظیم الشان نبی جو دس ہزار قدوسیوں کی جمعیت کے ساتھ اپنے داہنے ہاتھ آتشی شریعت لے کر آنیوالا تھا۔ مکہ کی بستی میں بنی اسمٰعیل کے گھرانے میں پیدا ہوگا۔ اور تم سے نبوت چھین کر ان کو عنایت کی جائیگی۔ تاکہ مسیح علیہ السلام کی یہ پیشگوئی پوری ہو۔ کہ جس پتھر کو معماروں نے رد کر دیا۔ وہی کونے کے سرے کا پتھر ہوا۔ یہ خداوند کی طرف سے ہوا اور تمہاری نظروں میں عجیب ہے۔ (متی ۲۱/۴۲)۔

غرض یہ حکمت تھی جس کی بناء پر حضرت عیسےٰ علیہ السلام کو خداتعالےٰ نے بے باپ کے پیدا کیا۔ تاکہ یہودیوں کی عملی حالت پہ گواہ رہے۔ پس اس کو وجہ فضیلت قرار دینا کسی صورت میں بھی قرینِ قیاس نہیں ہو سکتا۔ بنی اسرائیل کی زناکاری کے ثبوت کیلئے ملاحظہ ہو (حزقی ایل ۱۶/۶۲ و حزقی ایل ۲۳/۱تا۵ و ۲۳/۱۷تا۲۰ و یرمیاہ ۳/۶)

دلیل نمبر ۲۔ حضرت مسیح کی والدہ کا تمام جہان کی عورتوں سے افضل ہونا

الجواب۔ قرآن مجید میں حضرت مریم کے متعلق اِصْطَفٰکِ عَلٰی نِسَاۗءِ الْعٰلَمِیْنَ (آل عمران) تو بے شک آتا ہے۔ مگر اس جگہ العٰلمین سے دنیا میں قیامت تک پیدا ہونیوالی عورتیں مُراد لینا درست نہیں۔

آنحضرت صلعم نے جو قرآن مجید کے شارح اوّل بلکہ معلّم اعظم اور یُعَلِّمُھُمُ الْکِتَابَ وَالْحِکْمَۃَ کے مصداق ہیں۔ اس آیت کی تفسیر فرمائی ہے۔ چنانچہ تفسیر بیضاوی میں یہ روایت درج ہے۔ فَقَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ جَعَلَکِ شَبِیْھَۃَ سَیِّدَۃِ نِسَاۗءِ بَنِیْٓ اِسْرَاۗئِیْلَ (بیضاوی تفسیر سُورۃ آل عمران ۴) زیر آیت (اِنَّ اللّٰہَ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَاۗءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ) آنحضرتؐ نے فرمایا کہ حضرت مریم بنی اسرائیل کی عورتوں کی سردار تھیں۔ اَب جبکہ آنحضرت صلعم نے حضرت مریم کو سَیِّدَۃُ النِّسَاۗءِ بنی اسرائیل قرار دیا ہے۔ آنحضرت صلعم کی والدہ پر انکی فضیلت کیسے ثابت ہوئی؟

نمبر ۲۔ ہاں اتنا ضرور ہے کہ آنحضرت صلعم نے اپنی بیٹی حضرت فاطمہ کو سیدۃ النِّسَاۗءِ اَھْلِ الْجَنَّۃِ (بخاری کتاب المناقب باب مناقب فاطمہ جلد ۲ صا۱۹ مطبع الیہ مصر) یعنی سب عورتوں کی سردار) قرار دیا ہے۔ اب حضرت مریم یقیناً نساء اَھْلِ الْجَنَّۃِ میں سے ہیں۔ پس حضرت فاطمہ ان سے افضل ٹھہریں۔ اس سے بھی آنحضرت صلعم کی فضیلت ثابت ہوئی۔ کیونکہ اگر حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی والدہ اپنے زمانہ کی عورتوں میں سب سے افضل تھیں تو اس میں حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے کمال کا کیا دخل؟ ہاں یہ آنحضرت صلعم کی قوتِ

قدسی کا کمال تھا کہ حضور کی بینظیر تربیت کے نتیجہ میں آپکی بیٹی حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی والدہ پر سبقت لے گئیں۔

نمبر ۳ - قرآن مجید میں جہاں حضرت مریم کے متعلق زیر بحث الفاظ آئے ہیں۔ وہاں آنحضرت صلعم کو بطور خبر یہ نہیں بتایا گیا کہ حضرت مریم کو خدا تعالیٰ نے تمام جہان کی عورتوں میں سے چن لیا ہے تا یہ نتیجہ نکل سکے کہ گویا حضرت مریم زنان نبویؐ کی عورتوں سے بھی افضل ہیں۔ بلکہ قرآن میں ذکر یہ ہے کہ فرشتہ نے جب وہ حضرت مریم کو ولادتِ مسیح کی خوشخبری دینے آیا۔ اسوقت انکو کہا کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا کی سب عورتوں میں سے آپکو چنا ہے۔ پس اس آیت سے اتنا ہی ثابت ہو سکتا ہے کہ اسوقت جب فرشتے نے یہ کہا جس قدر عورتیں موجود تھیں اُن میں سے حضرت مریم کو خدا تعالیٰ نے چنا۔ پس بعد میں پیدا ہونیوالی عورتوں کا نہ وہاں ذکر ہے اور نہ یہ مناسب تھا۔ نیز حضرت مریم کے متعلق قرآن میں جو تعریفی الفاظ آئے ہیں۔ وہ یہودیوں کے بہتانات کی تردید کی غرض سے ہیں جیسا کہ قرآن میں ہے۔ وَبِقَوْلِهِمْ عَلٰى مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيْمًا۔ کیا آنحضرت صلعم کی والدہ مطہرہ پر بھی کوئی الزام لگا۔ تا اس سے برأت کی ضرورت ہوتی۔

دلیل نمبر ۳

مسیح کی پیدائش کے وقت خارق العادت امور وقوع میں آئے۔ مثلاً نخل خشک ہرا بھرا ہو کر پھل لایا۔ چشمہ جاری ہو گیا۔ مریم کی تسکین کے لئے فرشتے نازل ہوئے۔

الجواب - مسیح کی پیدائش کیوقت کسی خارق العادت امر کے وقوع کا قرآن مجید

ہیں ذکر نہیں۔ قرآن میں کہیں نہیں لکھا کہ نخل خشک ہرا بھرا ہو گیا۔ بلکہ قرآن سے تو ثابت ہے کہ وہ کھجور کا درخت پہلے ہی ہرا بھرا تھا۔ چشمہ کا جاری ہونا کوئی خارق عادت امر نہیں ہے۔ ہزاروں چشمے دنیا میں جاری ہوتے ہیں۔ خارق عادت کے معنے تو یہ ہیں کہ ایسا واقع ظہور میں آئے جو کبھی دیکھا نہ گیا ہو۔ نیز آنحضرت صلعم کی والدہ یعنی ہاجرہ رضؓ زوجہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سخت گھبراہٹ کے وقت چشمۂ زمزم جاری ہوا جس کا ذکر (بخاری کتاب بدء الخلق باب یزفون النسلان فی المشی کے جلد ۲ صفحہ ۱۴۷ مصری) میں ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا حضرت اسمٰعیل علیہ السلام اور حضرت ہاجرہ رضؓ کو عرب میں چھوڑ جانا یہ سب آنحضرت صلعم ہی کی ولادت کا پیش خیمہ تھا۔ نیز قرآن مجید کی آیت فَاَجَآءَهَا الْمَخَاضُ اِلٰی جِذْعِ النَّخْلَةِ قَالَتْ یٰلَیْتَنِیْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَکُنْتُ نَسْیًا مَّنْسِیًّا۔ یعنی حضرت مریم کو دردِ زہ کھجور کے تنہ کے پاس لے گئی۔ اور حضرت مریم نے شدت درد سے چلا کر کہا کہ اے کاش میں اس سے پہلے ہی مرچکی ہوتی اور دنیا سے بے نام ہو چکی ہوتی صاف طور پر بتا رہی ہے کہ حضرت مسیح کی ولادت کے وقت کوئی خارق عادت امر واقع نہیں ہوا۔ خارق عادت امر تو جب ہوتا۔ اگر حضرت مریم کو اس قدر تکلیف اور شدت سے درد و کرب نہ ہوتا۔

نیز ایک بچہ جننے والی عورت کو وَهُزِّیْٓ اِلَیْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ کہنا کہ خود کھجور کا تنا ہلا اور جو کھجوریں نیچے گریں۔ ان کو کھا لے۔ جہاں اس کی قابل رحم حالت کا نقشہ کھینچ دیتا ہے وہاں اس بات کی مزید تائید بھی کرتا ہے کہ

کوئی خارق عادت امر اس موقع پر ظہور میں نہیں آیا۔ بھلا جو فرشتہ تسکین دینے آیا تھا وہ کھجور کے درخت سے کھجوریں اتار کر بھی دے سکتا تھا پھر حضرت مریم کو زچگی کی حالت میں کھجور کے تنے ہلانے کی تکلیف دہی کی کیا ضرورت تھی پس ان آیات سے کہاں حضرت عیسےٰ کی آنحضرت صلعم پر فضیلت ثابت ہوتی ہے بھلا حضرت مریم بیچاری تو اپنے مخصوص واقعات کی بنا پر جب قوم کیطرف سے مقطوع ہو جانے پر مجبور ہو چکی تھی اور کوئی انسان ان کی تسکین کیلئے وہاں موجود نہ تھا۔ نہ کوئی دائی تھی نہ عورت۔ ایسے موقعہ پر اگر خدا تعالیٰ نے اس پاک عورت کو آواز دیکر کھجور کا تنہ ہلا کر کھجوریں کھانے کی ہدایت فرمائی تو ایک لابدی امر کیا۔ مگر آنحضرت صلعم کی ولادت ایسے حالات میں نہ ہوئی تھی کہ حضور صلعم کی والدہ ماجدہ کیلئے کوئی امر اپنی قوم کی نظروں میں استحقار دیکھے جانے کے قابل ہو۔ ہاں آپکی جدّہ حضرت ہاجرہ جبکہ وہ بیکس و بےبس تھیں اور کوئی انسان انکی تسکین کیلئے نہ تھا۔ وہاں بھی فرشتہ نازل ہوا (بخاری حوالہ سابق) مزید براں مریم کے متعلق جس قدر قرآن میں الفاظ ہیں بطور ذب کہے ہیں نہ کہ بطور مدح۔ لہذا ان کی فضیلت ثابت نہیں ہوسکتی۔

دلیل نمبر ۴ مسیح کا تکلم فی المہد نیز ایتاءِ کتاب و نبوت بزمانہ شیر خوارگی

الجواب۔ (۱) قرآن میں حضرت مسیح کا نہ صرف تکلم فی المہد بلکہ تکلم فی الکہل بھی مذکور ہے یعنی فرشتے نے حضرت مریم کو کہا کہ تیرا بیٹا "مہد" چھوٹی عمر میں بھی کلام کریگا۔ اور چالیس سال کی عمر میں بھی۔ اب اگر "مہد" کے معنے گہوارہ لیکر اسکو معجزہ قرار دیا جائے تو "کہل" (یعنی چالیس کی عمر)

میں کیا سب لوگ باتیں نہیں کرتے۔ پھر حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی کیا خصوصیت ہوئی۔ اصل بات یہ ہے کہ انبیا کو چالیس سال کی عمر میں نبوت ملتی ہے۔ باتیں تو چالیس سال کی عمر میں سب انسان کرتے ہیں۔ مگر نبی چالیس سال کی عمر میں نبوت کی باتیں کرتا ہے۔ وہ ایسی باتیں کرتا ہے جو اس کو دوسرے لوگوں سے ممیز کرتی ہیں۔ پس تکلم فی المھد (بچپن کی عمر میں باتیں کرنے کا) مطلب یہ ہوگا کہ بچپن میں باتیں تو سب بچے کرتے ہیں۔ مگر خدا کے نبی بچپن ہی سے عقل کی باتیں کرتے ہیں۔ ع۔ ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات۔

چنانچہ حضرت یحییٰؑ کے متعلق اسی سورۃ مریم میں ہے اٰتَیْنٰہُ الْحُکْمَ صَبِیًّا کہ ہم نے اسکو بچپن ہی کی عمر میں دانائی دی۔ یعنی وہ بچپن ہی میں دانائی کی باتیں کرتے تھے۔ یہی حال ہر نبی کا ہوتا ہے۔ چنانچہ ہمارے نبی کریم صلعم کے متعلق ان لوگوں کی جنہوں نے آنحضرتؐ کے بچپن کا زمانہ دیکھا شہادت ہے کہ حضورؐ بچپن ہی سے عام بچوں سے بہت ممیز تھے اور لغویات میں حصہ نہ لیتے تھے اور لغو کھیل کود کیطرف خیال نہ تھا جیسا کہ باقی بچوں کو ہوتا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ ورقہ بن نوفل نے آپؐ کی دانائی کی باتوں سے معلوم کر لیا کہ آپؐ بڑے ہو کر انبیاء کا سردار بنیں گے۔ (دیکھو بخاری وغیرہ)

باقی رہا یہ کہنا کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام کو بچپن ہی میں نبوت اور کتاب مل گئی تھی یہ قرآن سے ثابت نہیں۔ سورۃ آل عمران نکال کر دیکھیئے۔ وہاں فرشتہ حضرت مریم کے پاس آ کر خوشخبری دے رہا ہے کہ تیرے ہاں ایک بیٹا پیدا ہوگا۔ اور یہ امر خدا کی قدرت کاملہ کے آگے ناممکن نہیں وَیُعَلِّمُہُ الْکِتٰبَ وَ

الْحِكْمَةَ وَالتَّوْرَاةَ وَالْإِنْجِيلَ وَرَسُولًا إِلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ - إِنِّي قَدْ جِئْتُكُمْ بِآيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ (آل عمران ع ۵) کہ وہ بچہ جو پیدا ہوگا۔ اسکو اللہ تعالیٰ کتاب سکھائیگا۔ پھر حکمت سکھائیگا۔ پھر تورات کا سبق اسکے بعد انجیل اور وہ ہوگا بنی اسرائیل کیطرف رسول یہ کہ میں آیا ہوں خدا کیطرف سے نشان لیکر۔ گویا حضرت مسیح کا اپنا کلام شروع ہو جاتا ہے۔ فرشتہ نے قبل از وقت ولادت پیشینگوئی کو بیان کرتے کرتے بغیر کسی وقفہ کا ذکر کرنیکے اس پیدا ہونیوالے کا اپنا کلام ذکر فرما دیا ہے۔ پیدائش کا ذکر بھی نہیں کیا تو معلوم ہوا کہ قرآن مجید صرف ضروری باتوں کا ذکر ضروری جگہ پہ فرما دیتا ہے چنانچہ اتنے بڑے وقفہ کا ذکر نہیں کیا اور اسلوب بیان اور بیان پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام کا یہ کلام اس زمانہ کا ہے جب آپ نبوت کی عمر کو پہنچکر نبی بن چکے تھے اور معجزات دکھلاتے تھے۔ بچپن کا آیات مذکورہ میں کہیں ذکر نہیں سورۂ مریم میں مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا کا مطلب یہ ہے کہ جو ابھی کل کا بچہ ہے اس کے ساتھ ہم کیسے گفتگو کریں یہ تو ہمارے ہاتھوں میں پلا ہے جیسا کہ فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کو کہا اَلَمْ نُرَبِّكَ وَلِيدًا کہ کیا تو بچپن کی حالت سے میرے ہاتھوں میں نہیں پلا؟ آج تو مجھے ہی نصیحتیں کرنے آگیا ہے۔ اسی طرح یہاں بھی یہودی عمائد حضرت مریم کو جواب دیتے ہیں۔ "كَانَ" ہمارے معنوں کی تائید کرتا ہے۔ فَأَتَتْ بِهِ قَوْمَهَا کی "ف" سے یہ نتیجہ نکالنا کہ یہ ولادت کے معاً بعد کا واقعہ ہے درست نہیں۔ عربی زبان میں "فا" نتیجہ کیلئے بھی آتی ہے مطلب یہ ہے کہ وہ بچہ جو "رَسُولًا إِلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ" ہونیوالا تھا جب بڑا ہوگیا تو

انکی ماں انکو ساتھ لیکر بنی اسرائیل کیطرف آئیں تاکہ وہ انکو تبلیغ حق کریں جو انکی پیدائش کا مقصد تھا چنانچہ اسی رکوع میں ہے فَحَمَلَتۡهُ فَانۡتَبَذَتۡ بِهٖ مَكَانًا قَصِيًّا - پس حضرت مریم حاملہ ہوگئیں اور ایک دُور کے مکان میں چلی گئیں - پس دردِ زہ ان کو کھجور کے تنہ کی طرف لے گئی - اب حمل کے بعد دردِ زہ کا ذکر ہے - اور فَاَجَآءَهَا الۡمَخَاضُ پر "ف" استعمال ہوئی ہے کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ حمل ہوتے ہی دردِ زہ شروع ہوگیا ؟ پس "ف" سے معاً بعد مُراد لینا درست نہیں -

(۲) قرآن مجید سورۃ آل عمران کی آیت اُوپر نقل کر آیا ہوں کہ فرشتہ نے آکر حضرت مریم کو بتایا کہ حضرت مسیح کو پہلے علم کتاب عطا ہوگا - پھر علم حکمت پھر علم تورات اور اس کے بعد ان کو اپنی کتاب (انجیل) عطا ہوگی - اور یہی خدا تعالےٰ کا باقی سب انبیاء کے ساتھ دستور ہے - پھر قرآن مجید میں ہے - اِنَّآ اَوۡحَيۡنَآ اِلَيۡكَ كَمَآ اَوۡحَيۡنَآ اِلٰى نُوۡحٍ وَّ . . . . عِيۡسٰى (سورۃ نساء ع ۲۳) - یعنی اے نبی عربی صلے اللہ علیہ وسلم ! -

ہم نے آپ پر اسی طرح وحی نازل کی ہے جس طرح نوح علیہ السلام اور دیگر انبیاء . . . حضرت عیسےٰ و ایوب وغیرہم علیہم السلام پر وحی نازل کی تھی اب قرآن مجید آنحضرت صلعم پر بھی اسی طرح وحی کا نزول بیان فرماتا ہے - جس طرح حضرت عیسےٰ علیہ السلام پر ہوا - اور اس میں کسی قسم کا فرق قرار نہیں دیتا نہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی کوئی خصوصیت بیان فرماتا ہے بلکہ باقی انبیا کے ساتھ ان کا بھی ذکر کر دیتا ہے - اب آنحضرت صلعم اور دیگر انبیاء کو تو چالیس برس کے قریب

فَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّہٗ ۔ کے ماتحت نبوت عطا ہوتی تھی حضرت عیسٰے علیہ السلام بھی اس میں شامل ہیں۔ چنانچہ انجیل سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عیسٰے علیہ السلام نے ۳۱ برس کی عمر میں منادی شروع کی۔ "جب یسوع خود تعلیم دینے لگا۔ تو برس تیس ایک کا تھا" (لوقا ۳/۲۳)۔

دلیل نمبر ۵

از روئے قرآن عیاں ہے کہ جس وقت مسیح کے دشمنوں نے آپکو پکڑنا چاہا تو آسمان سے فرشتے نازل ہوئے اور اُسے آسمان پر اُٹھا لے گئے۔ لیکن حضرت محمد صاحب کو بچانے کے لئے کوئی فرشتہ نازل نہ ہوا۔ الخ

الجواب۔ قرآن مجید اور احادیث صحیحہ میں کہیں نہیں لکھا کہ حضرت مسیح کو خدا کا کوئی فرشتہ آسمان پر اُٹھا کر لے گیا۔ قرآن مجید کی تیس آیات سے حضرت مسیح کی وفات ثابت ہوتی ہے۔ قرآن میں بل رفعہ اللہ الیہ کی آیت بیشک موجود ہے۔ مگر رفع کا ترجمہ آسمان پر اُٹھانا قطعاً غلط ہے۔ قرآن مجید میں ہے یَرْفَعِ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَالَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ (مجادلہ ع۲) کہ خدا تعالیٰ رفع کرتا ہے تمام ایمان والوں کا۔ اور اُن لوگوں کا جن کو خدا تعالےٰ کی طرف سے علم عطا ہوا ہو۔ کن معنوں میں؟ فرمایا درجات یعنی مقامات اور درجات بلند کرنے کے معنوں میں۔ اس سے آسمان پر اٹھانا مراد نہیں ہوتا۔ اسی طرح حدیث میں بھی ہے۔ اِذَا تَوَاضَعَ الْعَبْدُ رَفَعَہُ اللّٰہُ اِلَی السَّمَاءِ السَّابِعَۃِ (کنز العمال جلد ۲ صفحہ ۲۵) کہ جب انسان خدا تعالیٰ کے آگے گر جائے اور انکساری اختیار کرے تو خدا تعالےٰ اس کا ساتویں آسمان پر رفع کرتا ہے۔

اب اس حدیث میں ساتویں آسمان کا بھی لفظ ہے۔ مگر پھر بھی اس کے معنے آسمان پر اُٹھالے جانے کے نہیں بلکہ درجات کے بلند ہونے کے لئے جاتے ہیں۔ مگر قرآن مجید میں جو لفظ حضرت مسیح علیہ السلام کے متعلق آئے ہیں۔ بل رفع اللہ۔ ان میں تو آسمان کا نام بھی نہیں۔ اسی طرح قرآن میں ہے وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ اِدْرِيْسَ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا وَّرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا۔ (مریم ع ۴) کہ حضرت ادریس سچے نبی تھے۔ اور ہم نے ان کا بلند مکان پر رفع کیا۔ اب حضرت ادریس علیہ السلام کے متعلق بھی رفع کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ اور مکاناً علیاً بھی۔ کیا وہ بھی آسمان پر زندہ ہیں؟

(۲) قرآن مجید میں لکھا ہے یَا عِیْسٰی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ وَرَافِعُكَ اِلَیَّ۔ (آل عمران ع ۱۲) خدا تعالےٰ نے حضرت عیسےٰ علیہ السلام سے وعدہ کیا تھا۔ کہ اے عیسےٰ پہلے تجھ کو وفات دُونگا۔ بل رفعہ اللہ نے بتایا کہ ان کا رفع ہو چکا ہے پس ثابت ہوا کہ ان کی وفات بھی ہو چکی ہے۔ کیونکہ رفع سے پہلے وفات ہے اور متوفیک کے معنی وفات دینے ہی کے ہیں۔ جیسا کہ بخاری میں لکھا ہے۔ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ مُتَوَفِّیْكَ مُمِیْتُكَ (بخاری کتاب التفسیر۔ تفسیر سورۃ مائدہ جلد ۳ ص۹۷ مصری) کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ متوفیک کے معنے موت دینے والے کے ہی ہیں۔

ابنِ مریم مرگیا حق کی قسم! ۔۔۔ داخلِ جنت ہوا وہ محترم
مارتا ہے اس کو فرقاں سربسر ۔۔۔ اس کے مَرجانے کی دیتا ہے خبر

پس عیسےٰ علیہ السلام فوت ہو گئے۔ کیونکہ نہ صرف یہ کہ ان کی طبعی زندگی کا خاتمہ ہو گیا بلکہ انکی تعلیم مرگئی۔ اُن کی تعلیم کے اثرات مرگئے۔ مگر ہمارا نبی اکرم صلعم

زندہ ہے۔ کیونکہ اس کی کتاب زندہ ہے۔ اس کی تعلیم زندہ ہے۔ اس کے فیوض روحانیہ کی نہر اب بھی جاری ہے۔ اور اس کی اطاعت اور فرمانبرداری انسان کو اعلیٰ ترین مقامات پر پہنچا سکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس زمانہ کے نبی حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ السلام نے فرمایا۔ ؎

قَدْ مَاتَ عِیْسٰی مُطْرِقًا وَنَبِیُّنَا حَیٌّ وَ رَبِّیْ اِنَّہٗ وَافَانِیْ

کہ عیسٰے علیہ السلام فوت ہو گئے لیکن ہمارا نبی زندہ ہے۔ خدا کی قسم میں نے اس کے فیوض کو خود تجربہ کیا ہے۔ (تفصیل کے لئے دیکھو مضمون درباره وفات مسیح علیہ السلام ص۳۲۵)۔

دلیل نمبر ۶

مسیح کا مُردوں کو زندہ کرنا اہلِ اسلام نے ازروئے قرآن تسلیم کیا ہے۔

الجواب۔ قرآن نے جن معنوں میں حضرت عیسٰے علیہ السلام کے متعلق مُردہ زندہ کرنے کا محاورہ بولا ہے۔ انہی معنوں میں آنحضرت صلعم کے متعلق بھی تو مُردے زندہ کرنے کا ذکر فرمادیا ہے۔ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰہِ وَ لِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاکُمْ لِمَا یُحْیِیْکُمْ (انفال ع ۳) اے مومنو اللہ اور رسول کا کہا مانو۔ جب وہ تم کو بلائے تاکہ تم کو زندہ کرے۔ اب یہی لفظ اُحْیِیْ حضرت عیسٰے علیہ السلام کے متعلق استعمال ہوا ہے اور یہی یُحْیِیْ آنحضرت صلعم کے متعلق۔ یہ ہمارے علماء کی بدقسمتی ہے کہ حضرت عیسٰے علیہ السلام کیلئے تو جسمانی مُردے زندہ کرنا مُراد لیں اور ہمارے نبی کریم صلعم کیلئے رُوحانی مُردے۔

(۲) پھر قرآن میں مَوْتٰی (یعنی مُردوں) کا مفہوم بیان کر دیا ہے فرمایا اِنَّکَ

لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی (روم ع ۵) کہ تو مُردوں کو نہیں سنا سکتا۔ اسکے متعلق
حافظ نذیر احمد صاحب دہلوی اپنے ترجمۂ قرآن میں لکھتے ہیں: "غرض یہ ہے کہ
کافر مُردے اور بہرے ہیں۔ ان میں سُننے اور سمجھنے کی صلاحیت ہی نہیں۔ اور
نہ سُننا چاہتے ہیں" (ص ۲۵۵ حاشیہ)۔

(۳) "تلخیص المفتاح" میں جو عربی بلاغت کی کتاب ہے لکھا ہے۔ اَوَمَنْ
کَانَ مَیْتًا فَاَحْیَیْنَاہُ ای ضَالًّا فَھَدَیْنَاہُ (ص ۶) یعنی وہ شخص جو مُردہ
تھا ہم نے اسے زندہ کیا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ گمراہ تھا ہم نے اسے ہدایت دی
پس ثابت ہوا کہ بلغاء کے نزدیک اِحْیَاءِ مَوْتٰی کے معنے گمراہوں کو ہدایت
دینا ہوتا ہے۔ اور یہی کام خدا کے انبیاء کا ہے۔

(۴) انجیل میں بھی یہ محاورہ استعمال ہوا ہے:۔

(۱) "اور اس (یسوع) نے تمہیں بھی زندہ کیا ہے۔ جب اپنے قصوروں
اور گناہوں کے سبب مُردہ تھے" (افسیوں ۲/۱)۔

(۲) "جب قصوروں کے سبب مُردہ ہی تھے تو ہم کو مسیح کے ساتھ زندہ کیا" (افسیوں ۲/۵)

(۳) پولوس رسول کہتا ہے "اے میرے بھائیو! مجھے اس فخر کی قسم جو ہمارے
خداوند یسوع مسیح میں تم پر ہے میں ہر روز مرتا ہوں" ہاں ہم مانتے ہیں کہ حضرت
مسیح نے بارہ مُردے زندہ کئے یہوداہ اسکریوطی وغیرہ۔ مگر ان کی زندگی کیسی تھی
اسکے لئے جس کو ضرورت ہو وہ انجیل کا مطالعہ کرے۔ مگر ہمارے نبی اکرم صلعم نے
ایسے مُردے زندہ کئے جن پر پھر موت نہیں آئی۔ ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ۔ علیؓ وہ
مُردے تھے جن کو آنحضرت صلعم نے زندہ کیا۔ اور ایک وہ بھی جو آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم کی اطاعت اور فرمانبرداری کے طفیل نبوت کے مقام پر سرفراز کیا گیا۔

دلیل نمبر ۷

صفت خلق حقیقی بھی خاصہ رب العالمین ہے۔ اور یہ وصف بھی صرف حضرت مسیح میں پایا جاتا ہے۔

الجواب ۔ یہ بالکل درست ہے کہ صفتِ خلقِ حقیقی خاصۂ رب العالمین ہے یہی وجہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں صفتِ خالقیت نہ تھی خدا کے انبیا ایسے وقت میں آتے ہیں جبکہ لوگ زمین کی طرف جھک چکے ہوتے ہیں اور دنیا ہی دنیا ان کی نظروں میں ہوتی ہے۔ انبیاء کا کام یہ ہوتا ہے کہ وہ ان لوگوں کو جو زمینی مٹی میں مل کر مٹی ہو چکے ہوتے ہیں۔ بلندی کی طرف۔ رفعت منزلت کیطرف پرواز کرانا چاہتے ہیں۔ پس وہ ان میں روحانیت اور الٰہیت کی ایسی روح پھونک دیتے ہیں کہ وہی زمینی لوگ پرندوں کی طرح اڑ کر آسمانی انسان بن جاتے ہیں۔ پھر وہ اس شعر کے مصداق ہوتے ہیں ؎

ہم تو بستے ہیں فلک پر اس زمیں کو کیا کریں!
آسماں کے رہنے والوں کو زمیں سے کیا نقار

یہی معنی ہیں اس آیت کے اِنِّیْٓ اَخْلُقُ لَکُمْ مِّنَ الطِّیْنِ کَھَیْئَۃِ الطَّیْرِ فَاَنْفُخُ فِیْہِ فَیَکُوْنُ طَیْرًا بِاِذْنِ اللّٰہِ۔ اَخْلُقُ کے معنی "پیدا کرتا ہوں" کرنا قطعاً درست نہیں کیونکہ خلق کے معنے پیدا کرنے کسی چیز کے ابتداء کرنے کے بھی ہوتے ہیں اور تجویز کرنے کے بھی۔ مگر اول الذکر معنوں میں یعنی پیدا کرنے کے معنوں میں سوائے خدا تعالیٰ کے یہ لفظ اور کسی کیلئے نہیں بولا جاتا

جیساکہ مفرداتِ راغب جو عربی لغت کی معتبر کتاب ہے لکھا ہے۔ پس اسجگہ اخلق لکم کے معنی ہونگے۔ میں تمہارے فائدہ کیلئے تجویز کرتا ہوں۔ چنانچہ کتاب الشعر والشعراء لابن قتیبہ کے صفحہ ۲۹ پر مشہور عربی شاعر کعب بن زہیر بن سلمیٰ کا یہ قول درج ہے ؎

لانت تفری ما خلقت و بعض

القوم یخلق ثم لا یفری

اور انت تفری ما خلقت کا ترجمہ مَا قَدَّرتَ لکھا ہے۔ اسی طرح تفسیر بیضاوی تفسیر سورۃ آل عمران زیر آیت اخلق لکم الخ لکھا ہے اخلق لکما قدر لکم پس اس آیت کے وہی معنے درست ہیں جو ہم نے کئے۔ قرآن مجید صاف لفظوں میں فرماتا ہے۔ اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ لَنْ یَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ وَاِنْ یَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَیْئًا لَّا یَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ (الحج ع ۱۰) جن لوگوں کو تم خدا کے سوا پکارتے ہو۔ وہ ایک مکھی بھی نہیں بنا سکتے۔ خواہ وہ سب جمع ہوکر بھی بنانے کی کوشش کریں۔ یہانتک کہ اگر مکھی ان کی کوئی چیز اٹھا کر لے جائے تو وہ اس سے وہ بھی نہ چھڑا سکیں۔

حضرت عیسے علیہ السلام بھی انہی معبودانِ باطلہ میں سے ہیں۔ جیسا کہ فرمایا۔ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِیْنَ قَالُوْا اِنَّ اللّٰہَ هُوَ الْمَسِیْحُ ابْنُ مَرْیَمَ۔ پس قرآن مجید تو یہ کہتا ہے کہ حضرت مسیح ایک مکھی بھی نہ بنا سکتے تھے چہ جائیکہ ان کے متعلق چمگادڑیں اور پرندے بنانے کا ادعا کیا جائے۔ ایسا دعویٰ کرنیوالوں کو

قرآن کی یہ آیت پڑھنی چاہیے۔ اَمْ جَعَلُوْا لِلّٰہِ شُرَکَآءَ خَلَقُوْا کَخَلْقِہٖ فَتَشَابَہَ الْخَلْقُ عَلَیْہِمْ قُلِ اللّٰہُ خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ (رعد ع ۲) کہ ان لوگوں نے اللہ کے شریک بنا رکھے ہیں۔ (جن کے متعلق کہتے ہیں) کہ انہوں نے بھی اسکی طرح پیدا کیا اور پھر انکی پیدا کی ہوئی چیزیں خدا کی بنائی ہوئی چیزوں کے ساتھ مل جل گئیں۔ انکو کہدو کہ صرف اللہ ہی پیدا کرنیوالا ہے۔ اور اس کے سوا اور کوئی پیدا کرنے والا نہیں ہے۔

پس حضرت عیسٰے علیہ السلام کے متعلق یہ کہنا کہ اَخْلُقُ لَکُمْ والی آیت میں لفظ خلق انہی معنوں میں استعمال ہوا ہے جن معنوں میں خدا کیلئے بالبداہت باطل ہے۔ حضرت عیسٰے علیہ السلام یہودیوں کے پاس اس وقت آئے جبکہ وہ دُنیاداری میں پھنس کر مٹی ہو چکے تھے۔ حضرت عیسٰے علیہ السلام نے چاہا کہ وہ پرندوں کی طرح خُدا کیطرف اُڑنے لگ جائیں۔ پھر ان میں رُوحانیت کی رُوح پھونکی جس سے وہ خدا کی طرف اڑنے لگ گئے۔ یہی معنے ہیں۔ اِس آیت کے۔ اِلَیْہِ یَصْعَدُ الْکَلِمُ الطَّیِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ یَرْفَعُہٗ (فاطر ع ۲) کہ خدا ہی کی طرف اوپر چڑھتے ہیں۔ پاک کلمات اور نیک کام وہ ان کو بلند کرتا ہے۔ ہاں حضرت عیسٰے علیہ السلام نے پطرس اور یہودہ اسکریوطی جیسے پرندے بنائے جو اڑے اور اڑکر پھر زمین پر گر پڑے مگر خدا کے برگزیدہ رسول محمد عربی صلعم نے ابو بکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ و علیؓ جیسے پرندے بنائے جنہوں نے فضائے رُوحانیت کی لا انتہا بلندیوں کیطرف پرواز کی۔ دنیوی نگاہوں نے اپنی پستی سے انکی بلندی کو ناپنا چاہا مگر نگاہیں ناکام

واپس آئیں۔ رسول عربی صلعم ہی کا بنایا ہوا ایک پرندہ (مسیح موعود) اس بلندی پر پہنچا کہ خدا تعالیٰ نے آپ کے متعلق اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَۃٍ لَا یَعْلَمُھَا الخلق کا ارشاد فرمایا۔

دلیل نمبر ۸

اندھوں کو بینائی بخشنا اور بہروں کو شنوائی عطا کرنا اور کوڑھی کو شفا بخشنا بھی قرآن نے مسیح کے اقتداری نشانات و معجزات تسلیم کئے ہیں۔ کیا آنحضرت نے بھی کوئی ایسا معجزہ دکھایا؟

الجواب۔ قرآن مجید میں اُبْرِئُ الْاَکْمَہَ وَالْاَبْرَصَ آیا ہے جس کا لفظی ترجمہ یہ ہے۔ میں بری کرتا ہوں اندھے اور کوڑھے کو۔ "اُبرئُ" مضارع واحد متکلم کا صیغہ ہے جس کا ترجمہ ہے۔ میں بری کرتا ہوں۔ اُشفی کا لفظ نہیں جس کا ترجمہ یہ ہو کہ میں شفا دیتا ہوں۔ آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اندھوں اور کوڑھوں پر کوئی قید تھی جس سے حضرت عیسےٰ علیہ السلام نے ان کو بری کیا۔ یاد رہے کہ تورات میں لکھا ہوا تھا کہ اندھے۔ کوڑھے۔ لنگڑے۔ ہیکل میں داخل نہ ہوں۔ کیونکہ وہ ناپاک ہیں۔ حضرت عیسےٰ علیہ السلام نے آکر اس قید کو ہٹا دیا۔ ملاحظہ ہو تورات:۔

"کیونکہ وہ مرد جس میں کچھ عیب ہے نزدیک نہ آئے جیسے اندھا یا لنگڑا ...... یا داد کھجلی بھرا ...... وہ عیب دار ہے ...... وہ اپنا کھائے۔ مگر پردے کے اندر داخل نہ ہو۔ میرے مقدس کو بے حرمت نہ کرے۔" (احبار ۲۱ / ۱۸-۲۴) پھر خداوند نے موسیٰ کو مخاطب کر کے فرمایا۔ بنی اسرائیل کو حکم کر کہ

ہر ایک مبروص اور جریان والا اور جو مُردہ کے سبب ناپاک ہے انکو خیمہ گاہ سے باہر کر دیں۔ کیا مرد اور کیا عورت دونوں کو نکال دو تاکہ اپنی خیمہ گاہوں کو جن میں مَیں رہتا ہوں ناپاک نہ کریں" (گنتی ۵ پ) پس یہ وہ قید تھی جس سے مسیح نے ان کو بری کیا۔ ہاں خدا کے انبیاء رُوحانی اندھوں کو بصارت و بصیرت عطا کرتے آئے ہیں۔ اندھا وہ ہے جو خدا کے انبیاء کی صداقت کو شناخت نہیں کرتا فرمایا۔ مَنْ كَانَ فِي هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى کہ جو یہاں اندھا ہے۔ وہ اگلے جہان میں بھی اندھا ہوگا۔ قرآن مجید نے اپنی تمام آیات کو مُبْصِرَةً (بینائی بخشنے والا) قرار دیا ہے۔

حضرت عیسے علیہ السلام نے بیشک پطرس۔ یوحنا۔ یہوداہ جیسے اندھوں اور کوڑھوں کو روحانی بینائی دی اور کام کرنے کے قابل بنایا مگر انکی یہ بینائی اور قوت عارضی تھی مسیح کے گرفتار ہوتے ہی اُن کی یہ سب طاقتیں مسلوب ہوگئیں۔ مگر ہمارے نبی عربی صلعم نے ان اندھوں کو آنکھیں دیں اور ان کوڑھوں کو کام کرنے والا بنایا کہ جو شخص ان سے وابستہ ہوا۔ اس نے بھی بینائی پائی۔

دلیل نمبر ۹

قرآن میں بھی یہ لکھا ہے کہ لوگ اپنے گھروں میں جو کچھ کرتے اور کھاتے پیتے تھے۔ حضرت مسیح ان کو وہ سب کچھ بتادیتے تھے۔

الجواب۔ قرآن میں یہ نہیں لکھا کہ حضرت مسیح لوگوں کو یہ بتایا کرتے تھے کہ آج تم گوشت کھاکر آئے اور تم دال۔ بلکہ آیت یوں ہے وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ فِيْ بُيُوْتِكُمْ کہ میں تم کو بتاتا ہوں (احکام)

ان چیزوں کے متعلق جو تم کھاتے ہو اور جو تم اپنے گھروں میں ذخیرہ رکھتے ہو۔ یعنی جمع وخرچ کے احکام بیان کرتا ہوں۔ جیسا کہ آنحضرت صلعم نے بھی کیا کلوا واشربوا ولا تسرفوا۔ کہ کھاؤ پیو مگر اسراف نہ کرو۔ ورنہ یہ کہنا کہ حضرت عیسےٰ یہ بتایا کرتے تھے کہ آج زید سبزی کھا کر آیا ہے اور بکر کدو اور عمر نے اپنے گھر میں مکی اور باجرہ جمع کر رکھا ہے۔ مضحکہ خیز ہے۔

دلیل نمبر ۱۰

قرآن میں تمام انبیا کے گناہوں کا ذکر ہے خصوصاً حضرت محمد صلعم کو حکم ملتا ہے کہ اپنے گناہوں کی معافی مانگ ہم نے تجھے گمراہ پایا اور ہدایت کی۔

الجواب۔ سائل نے دو آیات پیش کی ہیں (۱) وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِينَ۔ (۲) وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدَىٰ۔ پہلی آیت کا جواب۔ ذنب کا لفظ آنحضرت صلعم کیلئے قرآن میں پانچ مرتبہ آیا ہے اور پانچوں مرتبہ جنگ اور فتوحات کے ذکر کے بعد ہی آیا ہے۔ چنانچہ ایک جگہ لا تکن للخائنین خصیما پھر سورۂ مومن ع ۲ میں پہلے نصرت کا ذکر ہے بعد میں استغفار کا۔ سورۂ محمد ع ۱ میں بھی جنگ کے ذکر کے ساتھ۔ اسی طرح سورۂ نصر میں بھی فتوحات کے ذکر کے ساتھ استغفار کا حکم ہے۔ سورۂ فتح میں بھی اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا کے بعد استغفار کرنیکا حکم ہے۔ پس معلوم ہوا کہ استغفار اور ذنب کا فتوحات اور نصرت الٰہی کے ساتھ گہرا واسطہ ہے۔ خدا تعالیٰ کی نصرت کبھی گنہگاروں اور بدکاروں کو نہیں ملا کرتی۔ ع کبھی نصرت نہیں ملتی درِ مولیٰ سے گندوں کو

پھر ذنب کے ساتھ فتوحات اور نصرت کا کیا جوڑ ؟ نیز یہ کہنا کہ اے نبی! تُو اپنے اور مومنوں کیلئے استغفار کر صاف طور پر بتارہا ہے۔ کہ اس آیت میں ذنب کے معنی اثم یعنی گناہ نہیں بلکہ بشری کمزوری کے ہیں۔

قرآن مجید میں آنحضرت صلعم کیلئے اثم کا لفظ نہیں بلکہ ذنب کا لفظ ہے جس کے معنے بشری کمزوری کے ہیں۔ قرآن میں آنحضرت صلعم کے متعلق لکھا ہے کہ حضور پاک اور بے لوث انسان تھے۔ اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ۔ کہ اے نبی! تُو اخلاق کے بلند ترین مقام پر فائز ہے پھر حضرت ابراہیمؑ نے دعا کی کہ اے خدا اسمٰعیل کی نسل میں سے ایک ایسا عظیم الشان نبی پیدا کر جو يُزَكِّيهِمْ کا مصداق ہو یعنی اہل عرب کو پاک کرے۔ قرآن مجید آنحضرت صلعم کے متعلق فرماتا ہے يُزَكِّيهِمْ کہ آنحضرت صلعم تمام مسلمانوں کو پاک بناتے ہیں۔ پھر فرمایا۔ بِاَيْدِي سَفَرَةٍ كِرَامٍۭ بَرَرَةٍ۔ کہ یہ مومن جن کے ہاتھ میں خدا تعالےٰ نے قرآن دیا ہے۔ نہایت ہی پاک لوگ ہیں۔ گویا آنحضرت صلعم نے ان لوگوں کو پاک بنا بھی دیا۔ پس ایسے عظیم الشان انسان کے متعلق یہ کہنا کہ وہ خود گنہگار تھا۔ سراسر بے انصافی ہے۔ پس ذنب کے معنی یہی ہیں کہ چونکہ نبی عالم الغیب نہیں ہوتا۔ اس لئے فتوحات اور لڑائیوں کے بعد بعض دفعہ محض بشریت کی وجہ سے بعض ایسے فیصلے سرزد ہو جاتے ہیں جن سے موجودہ لوگ تو مستفید ہو جائیں۔ مگر بعد میں آنے والے لوگ جو بوقت فیصلہ موجود نہیں ہوتے۔ نقصان اٹھالیں۔ خدا تعالےٰ نے فرمایا کہ اے نبی! تُو

ایسی بشری کمزوریوں کے غلط نتائج سے بچنے کے لئے خدا تعالےٰ سے استغفار کرلے۔ یعنی یہ دُعا کرلے۔ کہ اس کمی کو خدا تعالیٰ پورا کردے۔ کیونکہ وہ عالم الغیب ہے۔ تاکہ نبوت کے عظیم الشان مقصد میں کوئی امر ردک نہ ہو ذَنْبَ ذَنْبًا کے معنے لغت میں پیچھے آنے کے بھی ہیں۔ اگر ان معنوں کو مدنظر رکھا جائے۔ تو آیت کا مطلب یہ ہوگا۔ کہ اے نبی! تو اپنے متبعین اور آیندہ آنے والے مومنین کے لئے مغفرت کی دُعا کرو بس۔

دُوسری آیت کا جواب۔ ضَالٍ بمعنی گمراہ نہیں بلکہ ضال بمعنی متلاشی کے ہیں۔ جیساکہ سُورۃ یوسف کی آیت اِنَّکَ لَفِیْ ضَلٰلِکَ الْقَدِیْمِ میں۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے تجھ کو دُنیا کے لئے ہدایت کا متلاشی پایا اور تجھ کو ہدایت دی۔ دُوسرا قرینہ اس سورۃ (الضحیٰ) کی ترتیب ہے اس میں وَوَجَدَکَ ضَآلًّا فَھَدٰی کے نتیجے میں اس کے بالمقابل و اَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْھَرْ۔ آیا ہے۔ یعنی اَے نبی تُو ضال تھا ہم نے تجھ کو ہدایت عطا کی۔ پس تو بھی کسی سائل کو مت ڈانٹ۔ اس آیت کی بناوٹ ہی بتا رہی ہے۔ کہ یہاں ضَآلًّا کے معنے سائل اور متلاشی کے ہیں۔ ورنہ آنحضرت صلعم کے متعلق صاف طور پر قرآن میں آتا ہے مَا ضَلَّ صَاحِبُکُمْ وَمَا غَوٰی۔ کہ آنحضرت صلعم نہ کبھی گمراہ ہوئے اور نہ راہِ راست سے بھٹکے۔ باقی حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے گناہ! ہم تو سب انبیاء کو گناہ سے پاک مانتے ہیں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ۔ جن کے متعلق خدا تعالےٰ نے ثم دنیٰ فتدلےٰ

فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى نے فرمایا۔

دلیل نمبر ۱۱

حضرت عیسٰے علیہ السلام آسمان پر زندہ ہیں اور قربِ قیامت میں فتنۂ دجال کو فرو کرنے کے لئے آئیں گے؟۔

الجواب۔ حضرت مسیح ناصری علیہ السلام کا زندہ آسمان پر ہونا قرآن مجید اور احادیث صحیحہ سے ثابت نہیں۔ جیسا کہ سوال نمبر ۵ کے جواب میں بیان ہوا۔ اور جس شخص کے متعلق آنحضرت صلعم نے پیشگوئی فرمائی تھی کہ وہ آخری زمانہ میں فتنۂ دجال کو فرو کرنے کے لئے مبعوث ہوگا۔ اُس نے اسی اُمتِ محمدیہ میں سے پیدا ہونا تھا۔ چنانچہ بخاری میں لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ وَاِمَامُكُمْ مِنْكُمْ کہ مسیح موعود اُمتِ محمدیہ کا امام ہوگا۔ جو اسی اُمت ہی میں سے ہوگا۔ پھر بخاری میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو مسیح ناصری کا حلیہ بیان فرمایا ہے۔ وہ سُرخ رنگ اور گھنگھریالے بال ہے مگر آنے والے مسیح کا حلیہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے گندمی رنگ اور سیدھے بال بیان فرمایا ہے۔ (بخاری جلد ۲ صفحہ ۱۵۶ مطبع الٰہیہ مصر) دو حلیے ایک آدمی کے نہیں ہو سکتے۔ پس اختلاف حلیتین بتاتا ہے کہ پہلا مسیح فوت ہو چکا۔ اور آنے والا مسیح اسی دُنیا میں پیدا ہونا تھا۔ حضرت شیخ محی الدین ابن عربی نے بھی لکھا ہے۔ وَجَبَ نُزُوْلُهٗ فِیْ اٰخِرِ الزَّمَانِ بِتَعَلُّقِهٖ بِبَدَنٍ اٰخَرَ۔ (عرائس البیان) کہ آخری زمانہ میں پہلا مسیح واپس نہیں آئیگا۔ بلکہ اب وہ ایک نئے وجود کی صورت

میں ظہور پذیر ہوگا۔ پس یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قوّتِ قدسیہ کا کمال ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی ایک انسان کو مسیح بنا سکتی ہے۔ بلکہ اس سے بھی اگلے مقام پہ لے جا سکتی ہے۔ خدا تعالیٰ کی طرف سے یہ مقدر تھا۔ کہ وہ دجّالی فتنہ جو پہلے مسیح کی بگڑی ہوئی اُمت کی طرف سے کھڑا کیا جانا تھا۔ جس کی بنیادیں پہلے مسیح کی خدائی پہ مستحکم اور استوار کی جاتی تھیں۔ اس کو مٹانے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی قوت قدسی ایک محمدی مسیح کھڑا کرے۔ جو اس فتنہ کو عصائے محمدی سے پاش پاش کر دے۔ اور الوہیتِ باطلہ و تثلیثِ نادرہ کی دھجیاں فضائے آسمان میں بکھیر کر رکھ دے۔ ؎

برتر گمان و وہم سے احمدؐ کی شان ہے
جس کا غلام دیکھو مسیح الزمان ہے

چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمائی ہوئی پیشگوئیوں کے عین مطابق وُہ آنے والا قادیان کی سرزمین سے ظاہر ہوا اور اپنی باطل شکن صدا سے تثلیث باطلہ کے قصرِ عظیم المنظر میں اضمحلال پیدا ہو گیا۔ ؎

وہ آیا جس کی آمد دیکھنے کو — نگاہِ شوق سوئے آسماں ہے
مسیحِ وقت آیا قادیاں میں — جبھی تو قادیاں دارالاماں ہے

مُبارک وُہ جو اسے قبول کریں۔ اور اس کے دامنِ اطاعت کے ساتھ وابستہ ہو کر افواجِ باطل کے ازہاق کا ہمت آفریں کام کریں۔ — خاکسار

سکھ مذہب

حضرت بابا نانک صاحب مُسلمان و ولی اللہ تھے

ہمارا عقیدہ ہے کہ جناب بابا نانک صاحب رحمۃ اللہ علیہ پکّے مسلمان اور ولی اللہ تھے اور اس کی بنیاد ہمارے آقا و پیشوا سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا وہ کشف ہے۔ جس میں حضور کو باوا صاحبؒ بحالتِ اسلام دکھائے گئے۔ (نزول المسیح صفحہ ۲۰۳)۔ اور پھر وہ دلائل ہیں جو آپ نے باوا صاحب کے اسلام کے ثبوت میں ۱۸۹۵ء میں کتاب "ست بچن" اور اس کے بعد "چشمہ معرفت" میں تحریر فرمائے۔ علاوہ ازیں سلسلہ احمدیہ کے علماء کی طرف سے بھی کئی ایک ٹریکٹ اور کتابیں اس موضوع پر شائع ہو چکی ہیں۔ ذیل میں ہم یکجائی طور پر بغیر کسی حاشیہ آرائی کے وہ اُمور درج کرتے ہیں جو اس مسئلہ پر روشنی ڈالتے ہیں۔

باوا صاحبؒ کے مسلمان ہونے کے عقیدہ کی ابتداء

بابا نانک صاحبؒ کے مسلمان ہونے کا عقیدہ آپ کے زمانہ زندگی ہی سے مسلمانوں میں چلا آیا ہے۔ یعنی باوا صاحب کی زندگی میں مسلمان آپ کو ولی اللہ کہتے تھے۔ (جنم ساکھی بالا صفحہ ۱۳۲ و جنم ساکھی منی سنگھ صفحہ ۱۰۸ و صفحہ ۱۱۰ و تواریخ گورو خالصہ صفحہ ۲۴۳ و صفحہ ۴۴۲ مصنفہ پروفیسر سندر سنگھ) بلکہ آپ کو ولی

عارف یقین کرتے تھے۔ (تواریخ گورو خالصہ صنہ ۲۰۳) اور نانک درویش کے نام سے پکارتے تھے۔ (جنم ساکھی بالا صنہ ۱۳۶ و جنم ساکھی سری گورو سنگھ سبھا صنہ ۲۴۸)

مسلمانوں میں باباصاحبؒ کی یادگاریں

پھر لکھا ہے کہ آپ حاجی درویش بنکر مکّے میں حج کے لئے گئے۔ (جنم ساکھی بھائی بالا صنہ ۱۳۱) اور ممالک اسلامی میں آپکے مقامات کو نانک قلندر یا ولی ہند کے دائرہ کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ (تواریخ گورو خالصہ صنہ ۳۹۶ مصنفہ گیانی گیان سنگھ) قلندر مسلمان فقیروں کے لئے مخصوص لفظ ہے۔ (ناواں تے تھاواں دا کوش مصنفہ ماسٹر متاب سنگھ) اور گیانی گیان سنگھ صاحب نے لکھا ہے کہ مکہ شریف میں بابا نانک صاحب کا مکان مسجد کی شکل پہ بنا ہوا ہے جو ولی ہند کے نام سے مشہور ہے۔ (تواریخ گورو خالصہ صنہ ۲۲۰)۔ اور عرب میں باباصاحب ولی ہند کے نام سے مشہور ہیں۔ اور آپکے مکانات مسجدوں کی شکل میں بنے ہوئے ہیں۔ (تواریخ گورو خالصہ صنہ ۲۲۵ و ناواں تے تھاواں دا کوش صنہ ۳۵) اور بغداد کے مسلمان باباصاحب کو مسلمان پیر خیال کرتے ہیں۔ (تواریخ گورو خالصہ صنہ ۲۰۵ مصنفہ گیانی گیان سنگھ مطبوعہ ۱۸۹۱ء) اور ہزارہ کے علاقہ میں ایسے لوگ آباد ہیں جو اپنے آپکو نانک ولی کے مرید بتاتے ہیں۔ (تواریخ گورو خالصہ صنہ ۲۶۴)۔

باباصاحب کی وفات پر مسلمانوں کا دعوے

باباصاحب کی وفات پر بھی مسلمانوں نے پُرزور اصرار کیا کہ ہم آپکی لاش مبارک کو جلانے نہیں دینگے۔ اور اس کی وجہ یہ بتائی۔ کہ آپ پکے

مسلمان اور حاجی ہیں۔ (تواریخ گورو خالصہ صفحہ ۶۳ مصنفہ پروفیسر سندر سنگھ) سردار خزان سنگھ صاحب نے بھی مسلمانوں کے اس اصرار کی وجہ یہی بتائی ہے۔ کہ وہ آپ کو مسلمان یقین کرتے تھے (ہسٹری اینڈ فلاسفی آف دی سکھ ریلیجن صفحہ ۱۰۶)

بابا نانک صاحب کے اسلام پر ایک شہادت

گوردوارہ ٹربیونل کے ججوں نے مقدمہ مانک کے فیصلہ میں لکھا ہے۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے (دیکھو ہیوز صاحب کی ڈکشنری آف اسلام) کہ گورو نانک صاحب نے اپنے خاص اصول اسلام سے لئے ہیں۔ یہ بات پکی ہے کہ بابا صاحب نے اپنے آپ کو اسلام کا مخالف ظاہر نہیں کیا۔ اور اُس نے ایک مسلمان فقیر کی شکل میں مکّہ کی یاترا کی۔ (اُداسی سکھ نہیں صفحہ ۲۲)۔

بابا نانک صاحب کا نام مسلمانوں کا سا تھا

گیانی گیان سنگھ صاحب لکھتے ہیں کہ مسلمان بابا صاحب کو "نانک شاہ" کے نام سے پکارتے تھے۔ (تواریخ گورو خالصہ صفحہ ۱۲۸) اور جنم ساکھی بالا میں "نانک شاہ ملنگ" لکھا ہے۔ (جنم ساکھی بالا صفحہ ۲۰۸)۔ یاد رہے کہ ملنگ مسلمان فقیروں کے ایک فرقہ کا نام ہے (مہان کوش ص مصنفہ سردار کاہن سنگھ صاحب آف نابھہ) اور ولی اللہ۔ درویش۔ ملنگ یہ سب مسلمان فقیروں کیلئے مخصوص القاب ہیں۔ ملاحظہ ہو واراں بھائی گورداس ۱/۳ ر پوڑی

بابا نانک صاحب کی تعلیم

گیانی گیان سنگھ صاحب کا بیان ہے کہ مسٹر کننگھم نے اسلامی تاریخوں کے

حوالجات سے تحریر کیا ہے کہ بابا نانک صاحب کے ہمسایہ میں سید میر حسن صاحب نے جو اُس علاقہ میں اولیاء کراماتی صلح کل اور بے لاگ، پیر ملنے ہوتے تھے۔ اپنا سارا دینی و دنیاوی علم بابا نانک صاحب کو پڑھایا۔ اور بڑے بڑے راہِ حق کے بھید بتائے۔ (حاشیہ تواریخ گورو خالصہ ص۸۶) اور یہ بھی لکھا ہے کہ جناب بابا نانک صاحب نے سرسہ شریف میں خواجہ عبدالشکور صاحب کے مزار پر چلہ کیا۔ (تواریخ گورو خالصہ ص۲۲۴)

بابا نانک صاحب کا السلام علیکم کہنا

قرآن شریف میں مرقوم ہے۔ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰی اِلَیْکُمُ السَّلَامَ لَسْتَ مُؤْمِنًا۔ یعنی نہ کہو اُس شخص کو جو تمہیں السلام علیکم کہے کہ تو مسلمان نہیں۔ اس ارشاد کے مطابق جو ہم کو السلام علیکم کہے گا۔ ہم اُسے مسلمان کہنے پر مجبور ہیں۔ بھائی گورداس جی نے بھی لکھا ہے۔ کہ آپس میں ملتے وقت السلام علیکم کہنا مسلمانوں کا کام ہے۔ (وار ۲۳ پوڑی ۳۰) اور یہ ثابت ہے کہ جناب بابا نانک صاحب نے مسلمانوں کو ملتے وقت السلام علیکم کہا۔ جس کے جواب میں ہر دو فریق نے وعلیکم السلام کہا۔ (جنم ساکھی بالا ص۱۲۷ و ص۲۷۶ و ص۵۱۲ و جنم ساکھی میکالف والی ص۱۳۸) اس سے صاف ثابت ہے۔ کہ مسلمان بابا نانک صاحبؒ کو مسلمان یقین کرتے تھے۔ اور وہ بھی اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتے تھے۔ یاد رہے کہ گورو گوبند سنگھ صاحب سے پہلے گورو صاحبان اور اُن کے سکھوں میں پیری پونا کہا جاتا تھا (وار ۲۳ پوڑی ۲۰ مصنفہ بھائی گورداس و گورمت سُدھاکر ص۱۳۸ مصنفہ سردار

کاہن سنگھ) یہ بالکل ثابت نہیں کہ جناب باباصاحب نے کبھی "پیرن پونا" استعمال کیا ہو۔

بابا نانک صاحب کا اذان کہنا

اذان دینا بھی ایک پکے مسلمان کی علامت ہے۔ باباصاحب کے متعلق لکھا ہے کہ آپ نے کانوں میں اُنگلیاں ڈال کر اذان کہی (جنم ساکھی بالا صفحہ ۲۰۳) نیز بھائی گورداس نے آپ کا بغداد اور مکہ شریف میں اذان کہنا بتایا ہے۔ ملاحظہ ہو (وار پہلی صفحہ ۱۳ و صفحہ ۱۴)۔ اور مسٹر میکالف نے لکھا ہے کہ:۔

"جب کبھی وقت آیا تو گورو نانک صاحب نے حضرت محمد صاحب کے ماننے والے پکے مسلمانوں کی طرح بانگ دی" (میکالف اتہاس صفحہ ۱۴۷)

اذان کہنے والا بلند آواز سے خدا تعالیٰ کی بزرگی اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی رسالت کا اقرار کرتا ہوا مسلمانوں کو نماز کے لئے مسجد کی طرف بلاتا ہے۔ پس بابا نانک صاحب کے اذان دینے سے ثابت ہوا۔ کہ وہ رسالت محمدیہ کے اقراری تھے۔

بابا صاحب اور نماز

آپ فرماتے ہیں:۔

"خصم کی ندرے دلیہہ پسندے جنی کر ایک دھیایا
کی تیہہ گر رکھے پنج کر ساتھی ناؤں شیطان مت کٹ جائی" (آدی گرنتھ صاحب [illegible])

یعنی خدا کی نگاہ اور دل میں وہی لوگ پسندیدہ ہیں۔ جنہوں نے اس کو ایک جانا۔ تیس روزے رکھے۔ پانچ نمازیں ادا کیں۔ علاوہ ازیں

سری گورو گرنتھ صاحب میں بعض اور کئی مقامات پر بھی نماز ادا کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔ بلکہ جنم ساکھیوں میں باباصاحب نے نماز نہ پڑھنے والے کو لعنتی قرار دیا ہے۔ چنانچہ لکھا ہے :۔

ل لعنت بر سر تناں جو ترک نماز کرین
تھوڑا بہتا کھٹیا ہتھو ہتھ گوین

(جنم ساکھی بالا صـ ۲۲۲ و جنم ساکھی ولایت والی صـ ۲۴۷) اور جنم ساکھی منی سنگھ صـ ۱۰۱ میں باباصاحب کا حکم نماز باجماعت ادا کرنیکا درج ہے۔

بابا نانک صاحب اور زکوٰۃ

اسی طرح زکوٰۃ ادا کرنے کے بارے میں باباصاحب کا ارشاد جنم ساکھی بالا صفحہ ۱۹۹ پر درج ہے :۔

دین نہ مال زکوٰۃ جو تس دا سنو بیان
اک لیون چور لُٹ اک آفت پوے اجان

پھر لکھا ہے :۔

ل لعنت بر سر تناں جو زکوٰۃ نہ کڈھدے مال
دھکا پوندا غیب دا ہوندا سب زوال

(جنم ساکھی منی سنگھ صـ ۴۱۴)

نیز تواریخ گورو خالصہ صـ ۱۴۱ میں زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم درج ہے۔

باباصاحب اور روزہ و حج

آپ نے روزہ رکھنے کا حکم بھی دیا ہے۔ ملاحظہ ہو گرنتھ صاحب

صفحہ ۲۲ و جنم ساکھی بالا صفحہ ۱۴۳ و صفحہ ۱۷۸) باباصاحب کو الہام ہوا
کہ اے نانک مکّے مدینے حج کر۔ (جنم ساکھی بالا صفحہ ۱۳۶ و جنم ساکھی بالا
اُردو صفحہ ۱۵۳) اور باباصاحب مَردانہ کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں۔ کہ
اگر ہمارے نصیب میں حج کعبہ ہے۔ تو ہم بھی جائیں گے۔ (جنم ساکھی
بالا صفحہ ۱۳۰) پھر لکھا ہے کہ آپ حاجی درویش بنکر مکّے کے حج کو حاضر
ہوئے۔ اور سورہ کلام (سورہ کلام سے قرآن شریف کی کوئی سُورۃ
مُراد ہے) کی صفت کرنے لگے۔ (جنم ساکھی بالا صفحہ ۱۳۱)۔ اور آپ فرماتے
ہیں۔ کہ جو صدق دِل سے حج کرے۔ اُس کے تمام گناہ معاف ہو جاتے
ہیں! اور وہ ایسا ہو جاتا ہے جیسے ماں کے پیٹ سے پیدا ہونے والا
بے گناہ بچہ۔ مَردانہ خوب یاد رکھو۔ جو کوئی مکّہ شریف کو نہ جانے
وہ کافر ہے۔ خواہ کوئی ہو۔ (جنم ساکھی بالا اُردو صفحہ ۱۷۶ و ۱۷۷)۔
باباصاحب نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے کی
تاکید فرمائی ہے۔ جیسا کہ گرنتھ صاحب سری راگ محلّہ ا میں لکھا ہے

برکت تن کو اگلی پڑھدے رہن درود

یعنی اُن لوگوں کو اگلے جہان میں برکت ملے گی۔ جو حضرت نبی کریم صلی اللہ
علیہ و آلہ وسلم پر درود پڑھتے رہتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں:۔

صِفت صلاحت محمدی مُکھ تھیں آکھو نت

خاصہ بندہ ربدا بھیر منزاں ہوں مت

یعنی محمد رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف ہمیشہ زبان سے کرتے رہو

کیونکہ وہ خدا تعالے کے خاص بندے اور پیاروں کے پیارے ہیں۔

اور لکھا ہے :- مم محمدؐ من توُں من کتیباں چار
من خدائے رسول نوں سچّا ای دربار
(جنم ساکھی سری گورو سنگھ سبھا صفحہ ۲۴۷)۔

یعنی محمدؐ رسُول اللہ صلعم پر ایمان لاؤ۔ کیونکہ اُن کا دربار سچّا ہے۔
علاوہ ازیں آپنے آنحضرت صلعم کے معراج کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ حضورؐ کو جبرائیل لے گیا اور آپؐ پردہ میں خدا تعالےٰ سے ہمکلام ہوئے۔ خدا تعالےٰ نے فرمایا۔ اَے پیغمبر! تیرا شیشہ صاف ہے جس میں میری شکل نظر آتی ہے۔ (جنم ساکھی بالا صـ ۱۶۵ و جنم ساکھی منی سنگھ صـ ۴۲۸)۔ پھر لکھا ہے۔ کہ بابا صاحب نے مردانہ کو کہا کہ "یہ مقام بزرگوں کا ہے۔ اس جگہ فرشتہ پیغمبری کی آیات لایا کرتا تھا۔ جن میں ایک آیت یہ ہے۔ لَوْلَاکَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاکَ یعنی اے پیغمبر اگر میں تجھے پیدا نہ کرتا تو زمین آسمان پیدا نہ کرتا"۔ (جنم ساکھی منی سنگھ صـ ۲۱۱)۔ اور پوراتن جنم ساکھی صـ ۱۱۱ میں بابا صاحب کا قول درج ہے۔ کہ رسُول اللہ صلعم خدا تعالےٰ کے دربان ہیں۔

بابا صاحب اور قرآن شریف

گرنتھ صاحب رام کلی محلہ ۱ صـ ۹۳۶ میں لکھا ہے :- "کل پروان کتیب قرآن" یعنی کل یگ میں خدا تعالےٰ نے دُنیا کی ہدایت کے لئے قرآن شریف کو منظور فرمایا ہے۔ اور ایک شخص کے سوال پر بابا صاحب

فرماتے ہیں:- "قرآن کتیب کمائیے" یعنی قرآن شریف پر عمل کرو۔
"کر چانن صاحب ایویں ملے" اُس سے جو روشنی پیدا ہوگی۔
اُس میں خدا ملے گا۔ (جنم ساکھی سنگھ سبھا صـ ۱۶۹ و جنم ساکھی بالا صـ ۲۱۲)

بابا صاحب کا ایک قول یہ ہے:-

توریت انجیل زبور تربیہ پڑھ سُن ڈِٹھے وید
رہیا فرقاں کتیبڑے کل یُگ میں پروان
} جنم ساکھی بالا صفحہ ۱۴۷

یعنی میں نے توریت انجیل زبور اور وید پڑھ اور سُنکر دیکھ لئے ہیں قرآن کتاب ہی کلیگ کی ہدایت کے لئے خدا تعالےٰ نے منظور فرمائی ہے۔ اور جناب بابا صاحب کا وُہ قرآن شریف جس کو آپ سفر میں اپنے ساتھ رکھا کرتے تھے۔ گورو ہر سہائے ضلع فیروز پور کے گوردوارہ میں آجتک موجود ہے۔

بابا صاحب اور قیامت

آپ قیامت کے قائل تھے۔ جیساکہ لکھا ہے:-

"آسمان دھرتی چل سی مقام وہی ایک
دن روّ چلے نس سس چلے تار کا لکھ پلوئے
مقام وہی ایک ہے نانکؔ سچ بگوئے"
} سری راگ محلہ ۱ صفحہ ۶۰ گرنتھ صاحب آد)

یعنی آسمان اور زمین بھی فنا ہو جائینگے۔ وُہ ایک یعنی خدا ہی ہمیشہ قائم رہیگا۔ دن اور سُورج فنا ہو جائینگے۔ رات اور چاند بھی فنا ہو جائینگے۔ اور لاکھوں ستارے بھی نیست و نابود ہو جائیں گے۔

وہ ایک ہی ہمیشہ قائم رہنے والا ہے۔ نانک سچ کہتا ہے۔
(جنم ساکھی بالا صـ۱۳۹ و صـ۱۵۲ و صـ۲۳۳ و جنم ساکھی سنگھ سبھا صـ۲۵) میں قیامت کو برحق تسلیم کیا گیا ہے۔

بابا صاحب اور بہشت دوزخ کا عقیدہ

بابا صاحب نے اسلامی بہشت اور دوزخ کے عقیدہ کو بھی تسلیم کیا ہے۔ (دیکھو راگ ماجھ محلہ ا صـ۱۳۱ و جنم ساکھی بالا صـ۱۹۱ و صـ۱۳۹ و صـ۲۳۳ و گرنتھ صاحب آسا محلہ ا صـ۴۲۷)۔ جنم ساکھیوں اور گرنتھ صاحب میں عقیدہ شفاعت کو برحق یقین کیا گیا ہے۔ طوالت کے ڈر سے صرف ایک حوالہ پر اکتفاء کرتا ہوں۔ بابا صاحب نے فرمایا ہے:۔

عملاں والے تت دن ہوسن بے پرواہ
سٹی چھٹے نانکا حضرت جناں پناہ
(جنم ساکھی سنگھ سبھا صـ۲۵)

یعنی قیامت کے دن وہ لوگ جن کے اعمال نیک ہوں گے بے فکر ہوں۔ نانک کہتا ہے وہی لوگ نجات پائیں گے۔ جن کی پشت پناہ حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم ہوں گے۔

بابا صاحب کی شادی

آپ نے اپنی دوسری شادی مسلمان حیات خان نامی کی دختر سے کی۔ جس سے دو لڑکیاں پیدا ہوئیں۔
(سکھاں دے راج دی وتھیا صـ۱ مصنفہ پنڈت شردھارام)
جنم ساکھیوں کے قلمی نسخوں میں بھی یہ واقعہ درج ہے۔:

بابا صاحب کا چولہ

پھر ایک زبردست ثبوت بابا صاحب کے مسلمان ہونے کا آپ کا چولہ مبارک ہے۔ جو آجتک ڈیرہ بابا نانک صاحب میں آپ کی اولاد کے پاس بطور یادگار چلا آتا ہے۔ اس چولہ مبارک پر قرآن شریف کی آیات لکھی ہوئی ہیں۔ گورو گرنتھ صاحب میں آپ کو بارگاہِ خداوندی سے چولہ ملنے کا ذکر مذکور ہے۔ چنانچہ لکھا ہے:۔

ڈھاڈی سچے محل خصم بلایا	(گرنتھ صاحب راگ ماجھ
سچی صفت صلاح کپڑا پایا	محلہ ا صفحہ ۱۴۰)

یعنی مالک۔ (خدا تعالیٰ) نے ڈھاڈی یعنی خدا تعالیٰ کی تعریف کرنیوالے نانک کو اپنے حضور بلایا اور سچی صفت اور تعریف کا بھرا ہوا کپڑا (لباس) عطا کیا۔ اور گرنتھ صاحب کی لغت میں جو سکھوں کی ایک مشہور "خالصہ ٹریکٹ سوسائٹی" نے شائع کی ہے بتایا ہے:۔ کہ گورو گرنتھ صاحب میں گورو نانک صاحب کو خدا تعالیٰ کی درگاہ سے قبا ملنے کا ذکر ہے کوش صفحہ ۱۸۱ بھائی گورداس کے کلام کا مرتبہ گرنتھ صاحب کے بعد دوم درجہ پر بتایا جاتا ہے۔ اس میں بھی بابا صاحب کو بارگاہِ الٰہی سے ایک خلعت پہنایا جانا لکھا ہے۔ چنانچہ بھائی صاحب لکھتے ہیں:۔

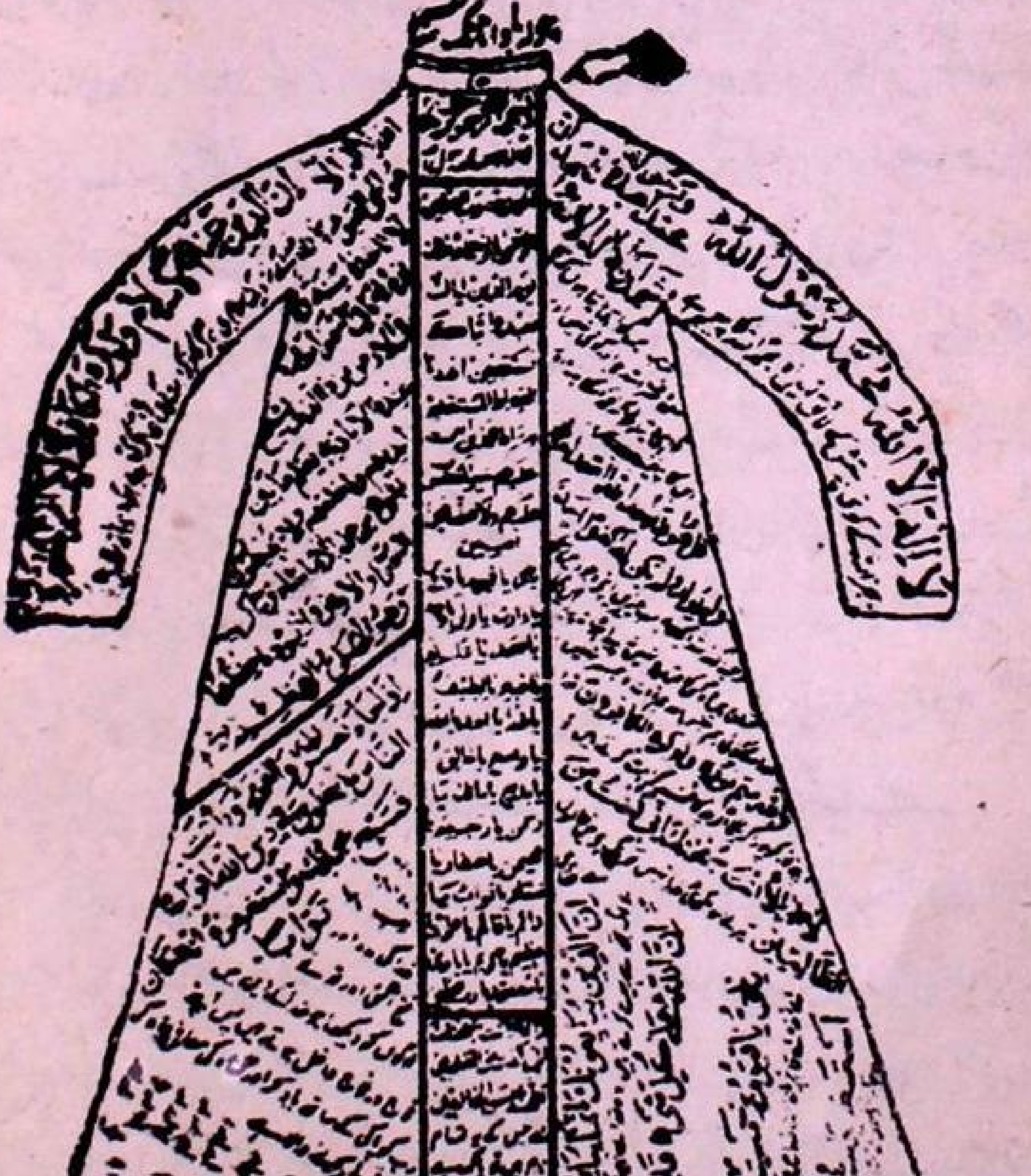
بھاری کری تپسیا بڈے بھاگ ہر سیوں بن آئی	(وار ۲۴۔
بابا پیدھا سچ کھنڈ نوں ندھ نام غریبی پائی	پوڑی صفحہ ۲۲)

گیانی ہزارا سنگھ صاحب نے اس کلام کا ترجمہ حسب ذیل کیا ہے۔ یعنی بابا

صاحب نے بہت عبادت کی اور بہت خوش قسمتی سے خدا کے ساتھ بن آئی یعنی خداوند باری آپ پر بہت خوش ہوئے۔ گورو جی کو سچے کھنڈ (خدا کے دربار) سے ایک پوشاک ملی۔ صاف ظاہر ہے کہ یہ وہی پوشاک ہے۔ جس کا ذکر گرنتھ صاحب میں کیا گیا ہے۔ جنم ساکھی بالا ص۲۳۴ و نانک پرکاش اُتر آردھ ادھیائے ۱۷ مصنفہ بھائی سنتوکھ سنگھ۔ باباگنیش سنگھ نے اپنی کتاب سری گورونانک سوریودے جنم ساکھی ص۲۹۸ میں چولہ صاحب کے متعلق تحریر کیا ہے کہ جب بابا صاحب کو بارگاہِ الٰہی سے چولہ ملا تو آپ پہنکر شہر کے دروازہ پر کھڑے ہو گئے۔ لوگوں نے بادشاہ کے حکم سے آپ کے گلے سے چولہ اُتارنا چاہا۔ لیکن چولہ آپ کے جسم کے ساتھ چمٹ گیا اور وہ اُتارنے میں ناکام ہوئے وغیرہ اور جنم ساکھی منی سنگھ کا بیان ہے کہ بابا صاحب نے اپنا چولہ اتار کر رکھ دیا اور اپنے بیٹوں کو اُس کے اُٹھانے کا حکم دیا لیکن وہ کرامتی چولہ کو نہ اُٹھا سکے بلکہ ہلا بھی نہ سکے (ص۵۸۶)۔ پس معلوم ہو گیا کہ یہ وُہی چولہ تھا۔ جس کا ذکر جنم ساکھی بالا میں بھی کیا گیا ہے۔

سکھوں کے اُداسی فرقہ کا بیان ہے کہ بابا نانک صاحب کی وفات کے بعد وُہ عربی میں لکھا ہُوا چولہ لکھمی داس کو پہنایا گیا (جیونی سری چند جی مہاراج ص۱۲) اسی طرح جنم ساکھی بالا و نانک پرکاش و سری گورونانک سوریودے جنم ساکھی و خورشید خالصہ مصنفہ باوا انہال سنگھ وغیرہ میں چولہ صاحب کو کرامت والا بتایا ہے اور خورشید خالصہ کے مصنف نے یہ تو تسلیم کیا ہے کہ جو چولہ ڈیرہ بابا نانک میں ہے، وُہ جنم ساکھی کا بیان کردہ ہے لیکن یہ کہنا کہ چولہ صاحب پر دیگر زبانوں کے حروف بھی درج ہیں۔ سراسر واقعہ کے خلاف ہے

سردار کرتار سنگھ صاحب ریٹائرڈ ہیڈ ماسٹر نے جغرافیہ ضلع گورداسپور[1] میں چولہ صاحب کا خاکہ شائع کر کے یہ حقیقت آشکار کر دی کہ اُس پر سوائے آیات قرآنی کے اور کسی زبان کا کوئی حرف نہیں۔ اصل خاکہ درج ذیل ہے:۔



[1] یہ جغرافیہ بطور ریڈر سکولوں میں پڑھایا جاتا ہے اور گورنمنٹ آف انڈیا سے رجسٹری شدہ ہے۔ اسے ملکھراج ڈگل بک سیلرز و پبلشرز بٹالہ نے شائع کیا ہے۔

یہ مقدس چولہ اب تک ڈیرہ بابا نانک میں آپ کی اولاد کے پاس محفوظ ہے۔ جسے دیکھنے کے لئے ہر سال ہزارہا کی تعداد میں لوگ دُور دراز سے سفر کر کے آتے ہیں۔ جو شخص چاہے اب بھی تصدیق کر سکتا ہے کہ اس پر قرآن شریف کی آیتیں لکھی ہوئی ہیں۔

مذکورہ بالا تحقیق سے ثابت ہے کہ بابا صاحب کو یہ چولہ خدا کی طرف سے ملا۔ اور یہ چولہ بڑا بابرکت تھا۔ جو بابا صاحب کو آفات اور تکالیف سے بچاتا تھا۔ بابا صاحب اسے زیبِ تن فرماتے تھے۔ اور اس پر قرآن شریف کی آیتیں لکھی ہوئی ہیں۔ چنانچہ اِس کی بزرگی کو ہندو اور سِکھ سب تسلیم کرتے ہیں۔ چنانچہ پنڈت میلا رام صاحب وفا لکھتے ہیں:-

کہنا پڑتا ہے یہ سب کو تیرا چولا دیکھ کر
کی تجھی پہ قطع قدرت نے قبائے معرفت

(افضل انبیاء صـ ۳۲ مصنفہ بھائی سیوا سنگھ)

اور لالہ سنت رام جی لکھتے ہیں:-

چولا گورو نانک دے تن دا — ایہہ سب کشٹ مٹاوے من دا
ٹوٹ رہن نہ دیندا دھن دا — دیندا جنم سُدھار جی

میلہ چولے صاحب دا آیا ویکھ رہیا سنسار جی
چلو چلیئے درشن کریئے کھلا ہے دربار جی

جو اک واری درشن کردا — وُہ نر دوہیں جہانیں تردا
ہو جائے امر ناں جمدا مردا — سچی ہے گفتار جی

میلہ چولے صاحبدا آیا ویکھ رہیا سنسار جی
چلو چلیئے درشن کریئے کھلا ہے دربار جی
ہو رہی چولے دی روشنائی   اندر چار گوٹ دے بھائی
دُنیا سب درشن کو آئی   ہو رہی جے جے کار جی
میلہ چولے صاحبدا آیا دیکھ رہیا سنسار جی
چلو چلیئے درشن کریئے کھلا ہے دربار جی
عربی اُس پر لکھی تمام   پڑھ پڑھ ویکھے خلقت عام
ہو رہیا درس صبح اور شام   سب کرتے ہے دیدار جی
میلہ چولے صاحبدا آیا دیکھ رہیا سنسار جی
چلو چلیئے درشن کریئے کھُلا ہے دربار جی
جو جو سُکھنا سُکھ سُکھ آون   منگیاں کُل مراداں پاون
جو جو درس کرن تر جاون   کدی نہ آوے ہار جی
میلہ چولے صاحبدا آیا ویکھ رہیا سنسار جی
چلو چلیئے درشن کریئے کھُلا ہے دربار جی
(قصہ اُستت میلہ چولہ صاحب جیدی ص۲)

اِن تمام اُمور سے صاف ثابت ہے۔ کہ بابا نانک صاحبؒ ایک مسلمان ولی اللہ تھے۔ فقط

خاکسار گیانی واحد حسین مبلغ

صداقت حضرت مسیح موعودؑ از روئے سکھ ازم

پرگنہ بٹالہ کا گورو

ہندو مسلمان اور سکھوں کی کتابوں میں ایک اوتار کی آمد کی پیشگوئی درج ہے کسی نے اس کا نام نہہ کلنک اور کسی نے امام مہدی یا مسیح رکھا ہے۔ دراصل یہ سب نام ایک ہی مہاں پرش کے ہیں جیساکہ ہندو صاحبان نے بھی تسلیم کیا ہے:-

نہہ کلنک اوتار آ آئے امام دو جہاں
منتظر ہیں ہم کہ اب ہوتا ہے تیرا کب ظہور
تُو مسلمانوں کا مہدی تُو نصاریٰ کا مسیح
تُو شاہِ سکانِ بستی تُو شہنشاہِ طیور

(از پریتم ضیائی اخبار ویر بھارت لاہور کرشن نمبر۔ اگست ۱۹۳۶ء صفحہ ۱۶)

اسی طرح سوامی بھولا ناتھ جی لکھتے ہیں:-

"ہندو کہتے ہیں کہ وہ پورن برہم نش کلنک اوتار دھارن کریں گے مسلمانوں کا وشواش ہے کہ امام مہدی کا پرادربھاؤ ہوگا۔ سکھوں کا وشواش ہے۔ کہ کلکی اوتار ہوگا۔ اور عیسائی کہتے ہے کہ حضرت عیسیٰ ایشور سے ایکرو ہو کر پدھاریں گے۔ پرنتو اب یہ جاننا شیش ہے کہ ساری ستائیں پرتھک پرتھک ہونگی۔ یا ایک ہی! اس کا اُتر یہ ہے کہ نہیں یہ ایک ہی ہونگی۔ ہندو اُسے اپنی درشٹ سے دیکھیں گے۔ مسلمان اپنی سے۔ سکھ یا عیسائی اُسے اپنی درشٹ سے

دیکھیں گے۔" (رسالہ ست یگ ستمبر ۱۹۴۱ء صفحہ ۱۳)۔

موہن مغول

سری گور بھگت مال صفحہ ۲۵۲ و دیگر سکھ کتب میں مرقوم ہے کہ سری کرشن جی مہاراج نے بھگت نام دیو جی کو مغل روپ میں درشن دیئے۔ جس پر بھگت جی نے کہا:۔

"دوارکا کی نگر میں کاہے کے مگول" (گرنتھ صاحب صفحہ ۱۱۶۷)۔

یعنی ہے بھگوان دوارکا نگری میں مغل کہاں سے گئے۔ اسی شبد میں کرشن جی کو "میر مکند" کہا گیا ہے جس کا ترجمہ ہے "مغل کرشن"۔ کیونکہ "میر" میرزا کا مخفف ہے اور گورو گرنتھ صاحب میں بابر بادشاہ کیلئے استعمال ہوا ہے۔

"کوئی ہو پیر ورج رہائے جاں "میر" سنیا دھایا"

(راگ آسا محلہ ۱ صفحہ ۴۱۷)

یعنی میر بابر کی چڑھائی کو سُنکر کروڑوں پیر اُس کو روک کر رہ گئے۔ اور جنم ساکھی بالا صفحہ ۴۲ میں بابر کے لئے "میر" لفظ آیا ہے۔ اور "مکند" کا ترجمہ ہے مکتی داتا اور کرشن۔ پس صاف ظاہر ہے کہ نہہ کلنک اوتار کا ظہور مغل کے جامہ میں ہی ہوگا۔ پھر لکھا ہے:۔

"کل کلوالی شرع نبیڑی قاضی کرشنا ہوآ"

(آدگرنتھ صاحب صفحہ ۸۲۹)

بابا نانک صاحب فرماتے ہیں کہ کلجگ کے جھگڑوں کا فیصلہ کرنے کیلئے سری کرشن جی قاضی کے رُوپ میں پرگٹ ہوں گے۔ بابا نانک صاحب دوسری جگہ فرماتے ہیں:۔

آد پرکھ کو اہو کہیے سیخاں آئی داری
دیول دیوتیاں کر لاگا ایسی کیرت چالی
کوزہ بانگ نماز مصلا نیل روپ بنواری
گھر گھر میاں سبھناں جیاں بولی اور نماری
جے تو میر مہیپت صاحب قدرت کون ہماری
چارے کونٹ سلام کریں گے گھر گھر صفت تماری
تیرتھ سمرت پُن دان کچھ لاہا ملے دیہاڑی
نانک نام ملے وڈیائی میکا گھڑی سمائی
(بسنت ہنڈول محلہ ا صفحہ ۱۱۹۰ گرنتھ صاحب آد)

ترجمہ :- اب آد پرکھ کو اللہ کہا جاتا ہے ...... شیخوں کی باری آگئی ہے۔ مندر اور دیوتوں پر (قلعت) ٹیکس لگا دیا ہے۔ یہی رواج ہو گیا ہے۔ (اے اللہ) کوزہ بانگ نماز مصلا نیل روپ والے بنواری یعنی کرشن کے سپرد کیا ہے۔ اور ہر گھر میں میاں میاں اور ہر ایک زبان پر یہی ہا اے اللہ تیری بولی بھی اور ہو گئی ہے۔ تو نے میر یعنی میرزا کو زمین کا مالک بنایا ہے۔ تو "قدرت کون ہماری" ہماری کیا طاقت ہے یعنی ہم کون ہیں۔ اس کو چارے کونٹ سلام کریں گے۔ اور گھر گھر میں تیری صفت ہو گی۔ تیرتھ پہ جانے اور پُن دان کرنے سے جو پھل ملتا تھا وہ ایک گھڑی میں مل گیا۔

نوٹ :- یاد رہے۔ بنواری یا بن والی یہ سری کرشن جی کا نام ہے۔

(مہان کرشن صفحہ ۲۵۰۸) ۔ بابا نانک صاحب فرماتے ہیں :۔

"آدن اٹھترے جان ستانویں ہور بھی اُٹھسی مرد کا چیلہ"

(آد گرنتھ صاحب صفحہ ۷۲۳)

یعنی بابر مغل نے سمت ۱۵۷۸ بکرمی میں ایمنا آباد پہ حملہ کیا ۔ اور سمت ۱۵۹۷ بکرمی میں مغل راج کا خاتمہ ہو جائے گا۔[۱] "ہور بھی اُٹھسی مرد کا چیلہ" اس کا ترجمہ یہ ہے کہ ایک مغل پہلے ہے اور ایک اور اُٹھیگا ۔ یہ کے ارتھ پہ کرن کے مطابق ہوتے ہیں یہ مضمون بابر کا ہے اور وہ "مرد کا چیلہ" بھی بابر کی طرح مغل ہی ہونا چاہیئے ۔

۱ - آنے والا گورو یہ کلنک مسلمان ہوگا

نقل مطابق اصل :۔

جکنا چور کرسے گر پورا تا نکا لیکھ نہ مٹیا جائی

مسلمان صفت شریعت سچے کی وڈیائی ..... الخ

ارتھ :۔ ایہہ درتارا اورت جاویگا ۔ سنگھارسی پچھے کون کون گورو کہا دینگے جوگی سنیاسی ۔ جنگم ۔ برہمچاری ۔ برہمن ۔ کلجگ کے پچھے گورو کہاون گے ۔ تنہاں کے باب ایہہ ہووے گی ۔ جکنا چور کرسے ۔ گور پورا تا نکا لیکھ نہ مٹیا جائی ۔ انہاں دے باب ایہہ ہو ویگا ۔ سو مٹنے کا نہیں ۔ اوہ اک جو بندہ صاحب کا اُٹھیگا ۔ تسدا نام ریشمہ ہوگا (یعنی خدا رسیدہ رشی ہوگا) سو گورو کے حکم سے اُٹھیگا ۔ پر جامہ اس کا مسلمان کا ہو ویگا (خدا تعالیٰ) اسنوں اپنی

[۱] تواریخ گورو خالصہ صفحہ ۱۳۳ مصنفہ گیانی گیان سنگھ صاحب ۔

[۲] یہ پیشگوئی نئے ایڈیشن میں سے نکالی دی گئی ہے ۔

بندگی بخش ملنگے۔ اوہ اکال پرکھ نوں جانیگا۔ اور دوسرے کو نہ جانیگا
جہاں جہاں جھوٹ ہوویگا۔ سو اس کو حوالے کریگا۔ سو پاپ ہم کے حکم
کے ساتھ چکنا چور کریگا۔ جھنیاں جھوٹیاں ٹھوراں ہن۔ تیرتھ۔ مڑیاں
دیہورے۔ پیراں دے ٹھکانے۔ راج رنگ کٹیاں ٹھوراں ہن۔ جہاں جہاں
جھوٹ ہوویگا۔ سو سزا پاون گے۔ اس وقت دھند دکار درت جاویگا۔
پڑھن گے پر کماون گے نہیں۔ (وڈی جنم ساکھی صفحہ ۲۳۴)

اردو ترجمہ۔ کامل گورو ڈھکوسلوں کا ناس کریگا۔ کیونکہ نوشتہ تقدیر ٹل نہیں
سکتا۔ وہ گورو مسلمان ہوگا۔ اور صادق ہوگا صدق کی ہی بڑائی ہوا کرتی ہے
گورو صاحب خود تفسیر کرتے ہیں کہ زمانہ کی یہ حالت ہوگی۔ کہ ہر قسم کے
لوگ گورو کہلائیں گے۔ یعنی جوگی۔ سنیاسی۔ جنگم۔ برہمچاری۔ برہمن وغیرہ۔
یہ سب کلجگ کے گورو کہلائیں گے۔ ان کے ساتھ ایسا سلوک ہوگا کہ سچا
اور کامل گورو انکو ملیا میٹ کریگا۔ یہ نوشتہ تقدیر کا ٹل نہیں سکتا۔ اس
وقت ایک بندہ خدا کا مبعوث ہوگا۔ جسے خدا تعالیٰ بندگی کی توفیق بخشیگا
وہ خدا پر ہی توکل کریگا اور دوسرے پر اس کا تکیہ نہ ہوگا۔ جہاں جہاں جھوٹ
ہوگا۔ ان کے منہ پر مارے گا۔ سو خدا تعالیٰ کے حکم سے مخالفوں کو پیس ڈالیگا۔
جتنے جھوٹ کے اڈے ہونگے۔ یعنی تیرتھ۔ مڑیاں۔ دیہورے۔ پیروں کے مقام
راگ رنگ رلیوں کے مقام۔ اور جہاں جہاں جھوٹ ہوگا۔ وہاں جھوٹوں کی
گت ہوگی اور کاذبوں کو سزا دیجائیگی اس وقت ظلم و فسا دسے آسمان
دھواں دھار ہوجائیگا۔ اس پیشگوئی کو اکثر لوگ پڑھیں گے مگر اسکے آگے

سر تسلیم خم کرنے والے خوش قسمت بہت تھوڑے ہوں گے۔

اے خالصہ جی! مسلمانی لباس میں گورو مرزا غلام احمدؑ قادیانی پرگنہ بٹالہ میں آ گیا ہے۔ اسے مان کر گورو جی کے پیارے بنجاؤ۔ اور بے مکھ ہو کر اس کے سراپوں کا شکار نہ ہو جاؤ۔

۲۔ نہہ کلنک اوتار مسلمان ہوگا۔ پیشگوئیاں کریگا اور کتابوں کے ذریعہ خلق اللہ کی اصلاح کریگا۔

(نقل مطابق اصل)

دھندوکا۔ جو ورتسی نہ ہندو نہ مسلمان

رام رحیم نہ جان نہ کہے کلام

ناں گا یتری نہ ترینوں نہ فاتحہ نہ درود

نہ تیرتھ نہ دیہورا نہ دیوی کی پوج

گورکھ کوئی نہ جان سن نہ کوئے ایدیش

اکو ورتن ورتیئے نہ کو گمرے ادیس

بید کتیب نہ جان سن نہ دوارہ نہ مسیت

روزہ بانگ نہ ورت نیم نہ کو کڈھے حدیث

کوئی نہ کسی جان سی نہ کو کرے سلام

نانک شبد ورتدا اس کوئی مدھی عان

اس کا مطلب خود گورو صاحب فرماتے ہیں کہ ایسا زمانہ جور و ظلم کا

آنیوالا ہے کہ ہندو مسلمان دونوں اپنے دین دھرم کو ترک کر دینگے ہندو گایتری
اور ترپن کو بھول جاوینگے اور مسلمان فاتحہ اور درود کی حقیقت سے بیخبر ہونگے
دیوی اور تیرتھ جاترا کو ترک کر دینگے ست گورو کو کوئی بھی نہ پہچانیگا۔ اور
نہ کوئی نصیحت لیگا۔ سب پر ایک ہی طرح کی اباحتی حالت وارد ہو جائیگی۔ ہندو
اور مسلمان اپنی اپنی کتب اور مقامات مقدسہ کو یکسر فراموش کر دینگے۔ مسلمان نماز روزہ کو
جواب دیدینگے اور مسجد کو دور سے سلام کرینگے۔ یہ تقدیر اسی طرح پر جاری و ساری ہوگی۔
(تسدا پر ارتھ) بھائی اجیتیا! جد دل گورو ایس دھرتی پر اونشٹ ہو جاونگے
تاں پچھے سنسار وچ ایسی ورت جاویگی۔ کوئی کسے نوں جانیگا نہیں۔ ایتے
دھند دکار ورت جاسی۔ اجیہے من مکھ ہونگے۔ جو کوئی نہ ہندو رہیگا نہ مسلمان
رہیگا نہ رام کو منن گے۔ نہ رحیم کو منن گے نہ گایتری ترپن۔ اشنان دھرم نہ نیم
نہ تیرتھ نہ پوجا۔ نہ دیوی نہ دیہورا۔ نہ دھرمسالہ نہ مسیت۔ نہ بانگ نہ نماز۔
نہ فاتحہ نہ دعا سلام۔ نہ کوئی کسے دے سیانے سی۔ نہ دلوی کی پوجا سنسار کریگا
تس سمے جو کوئی آتنے جائیگے پرمیشور دا نام لویگا۔ تس کو مارن گے ایسا ورتارا
ورت جاویگا۔ دوہی دھراں دا ناس ہو جاویگا۔ تاں اس سمے اک بھگت پیدا
ہو جاویگا۔ سو نیل بستر پہریگا۔ اتنے انتر ڈو شبد پوتھیاں اوچاریگا۔ تاں اس
دے واسطے پرمیشور آپ اتاری ہوئے کر سہائتا کریگا۔ اتنے شبد الپ رہ جاوینگا
کوئی ورلا ہی جانیگا۔ اس پاس کوئی ورلا ہی جاویگا۔ تاں جینے رندھاوے
ارداس کیتی۔ سچے پادشاہ جی! اوہ کون بھگت ہو ویگا؟ تاں بچن ہویا اے
بچہ اجیتیا تو سن!

شلوک:- نِہہ کلنک ہوئے اترسی مہاں بلی اوتار
سنت رچھیا جگ جگ وشٹاں کرے شنگار
نواں دھرم چلاسی جگ ہوم ہوئے وار
نانک کلجگ تارسی کیرتن نام ادھار

(جنم ساکھی بالا کلاں صفحہ ۶۶۰)

ارتھ۔ گورو صاحب خود فرماتے ہیں کہ:۔ تسد اپرانتھ بھائی اجیتیا۔ جو گورو کلجگ وچ آیا ہے۔ اتے جاں گورو جاماں پہن سی۔ تاں دھرم کار دُرنت جاویگا۔ اس سمے اک بھگت پرمیشور دی پوجا کریگا۔ اسدے گھر اک استری بہت چندرمُکھی ہووے گی۔ اوہ نار جائے لوکاں اگے چغلی کرے گی۔ نت کر کے سنت کو بہت دُکھ دیوں گے۔ تاں اوہ سنت واسطے گورو جامہ پہن سی۔ جہاں تک اس سنت دے دوکھی ڈشٹ ہوون گے۔ اتہاں نوں چن چن کرمارے گا۔

مطلب۔ اے اجیتیا جب گورو اس سرزمین سے گذر جائیں گے۔ تو باہمی ہمدردی درمیان سے اُٹھ جاوے گی۔ ظلم سے آسمان ایسا تاریک ہو جاویگا کہ ہندو اور مسلمان دونوں قومیں اپنے فرائض منصبی کو بالائے طاق رکھ دیں گے اور جو کوئی الگ ہو کر یادِ الٰہی میں مشغول ہوگا۔ لوگ اسے ایذا دیں گے۔ ایسا زمانہ آجاویگا کہ ہر دو فریق کا ناش ہوگا۔ یعنی ہندو مسلمان دونو آپس میں لڑ لڑ کر مرمٹیں گے۔ پس ایسے زمانہ میں ایک بھگت پیدا ہوگا۔ جو مسلمانی لباس پہنے گا۔ یعنی مسلمان جامہ میں گورو آئے گا۔ اور غیب کی باتوں

ے حق کے قبول کرنے میں بخیل ہوگی۔

والی کتابیں تالیف کریگا۔ یعنی پیشگوئیوں کی اشاعت کرکے نبی اللہ کہلائیگا۔ پھر اللہ تعالے خود زمین پر اُتر کر اس گورو کی نصرت فرمائیگا۔ اس کی تعلیم اور حقائق و معارف جاننے والے قدرے قلیل لوگ ہونگے۔ اور اس کے پاس جانیوالے بھاگوان بہت تھوڑے ہونگے۔ پھر جیتے زندمعاوے نے دست بستہ عرض کی۔ کہ اے سچے بادشاہ! وہ بھگت کون ہوگا؟ تب گورو نانک نے فرمایا۔

ترجمہ شلوک۔ وہ آنیوالا گورو منتری نہہ کلنک اُذمار ہوگا۔ بھلے لوگوں کی بھلائی کریگا اور دشٹوں کو چُن چُن کر ہلاک کریگا۔ اور وہ از سرِ نو مذہب جاری کریگا کیونکہ دُوسری قومیں اپنے اپنے مذہب کو فراموش کر چکی ہوں گی۔

اس گورو کی بعثت کے قریب فساد عظیم برپا ہوگا۔ ایسے وقت میں وہ بھگت ایشور کی پوجا کریگا۔ اس کی بڑی بیوی عندری یعنی حق کی مخالف ہوگی۔ اور لوگوں اور مشرکوں کے ہاں جا جا کر غیبت کیا کریگی۔ اور بُرے لوگ اس بھگت کو ایذا دیں گے۔ اور وہ گورو دشٹوں کو چُن چُن کر (دعائے مباہلہ سے) ہلاک کریگا۔ چنانچہ امریکہ کا ڈوئی اور لیکھرام آریہ مباہلہ سے ہلاک ہوئے۔

۱۶۔ مرزا مہدی ہوگا اور کرشن اوتار

(دسم گرنتھ گورو گوبند سنگھ جی کا)

توٹر چھند	جگ جیتیو جب سرب	تب باڈھیوات گرب
	دیا کال پُرکھ بسار	ایہہ بھانت کیں بچار
	جگت جیت کیں غلام	اپنا جپاوت نام

یعنی دنیا میں دجالی عام طور سے غلبہ حاصل کر لے گا۔ اور بہت غصہ میں آکر سب کو زیر کر کے غلام بنا لیگا۔ اور خدا کو چھوڑ کر اور دنیا کو غلام بنا کر اپنا نام جپا دے گا۔

جگ ایس یہ بہت چلائے   سر انتر پتر پھرائے

نہیں کال پرکھ جینت   نہیں دیو جاپ بھنت

تب کال دیور سائے   اک اور پرکھ بنائے

بچے انس مہدی میر   رسونت ہاٹھ ہمیر

بہ توں کو بدھ کیں   پن آپ موکیین

بن جیت آپ نہ کیں   سب انت اکال ادھین

ایہ بھانت پورن سدھار   بھیئے چوبیس اوتار

(مرزا امام مہدی اور کرشن اوتار ہوگا۔ دجال کو قتل کرے گا۔)

مہدی میر سے مہدی مرزا مراد ہے۔ کیونکہ جنم ساکھی کے صفحہ ۴۰۰ پر ساکھی میر بابر میں بابر مغل بادشاہ کو سری گورو نانک جی نے میر بابر کہا ہے۔

مطلب یہ۔ گورو گوبند سنگھ جی دسم گرنتھ میں فرماتے ہیں۔ کہ جب دنیا میں لوگ خدا کو چھوڑ دینگے۔ اور ہر ایک اپنی بڑائی کریگا۔ اور دوسرے کو حقارت سے دیکھے گا۔ اور لوگ خدا کی عبادت چھوڑ دینگے۔ اور دہریہ ہو جائیں گے۔ تب خدا کی صفت قہاریت جوش میں آدیگی۔ اور وہ ایک شخص کو اصلاح خلق کیلئے مبعوث فرمائیگا۔ وہ

۴۔ امام مہدی قوم مغل سے ہوگا

وہ مستقل مزاج اور خلیق ہوگا۔ دجال کو بدھ یعنی قتل کر دیگا۔ آخر کار لوگ

عاجز آجائیں گے۔ اور وہ آہستہ آہستہ دُنیا پر فتح پائے گا۔ اور چوبیسواں اوتار (کرشن ثانی) یعنی شری نہہ کلنک اوتار وہی ہوگا جس کی قومیں منتظر ہوں گی۔ جیسے کہ خود حضرت مسیح موعود قادیانی نے لیکچر سیالکوٹ صفحہ ۳۳ میں دعویٰ کیا کہ میں مسلمانوں کے لئے مسیح موعود ہوں۔ اور ہندوؤں وغیرہم کیلئے نہہ کلنک اوتار کرشن ثانی ہوں۔

گرنتھ صاحب میں لکھا ہے کہ:۔

"بلے چھلن سبل ملن بھگتن پھلن کاہن کور نہہ کلنک۔ بجی ڈنک چڑھو دل روندجیو" دیکھو گرنتھ صاحب صفحہ ۱۲۹۸۔

بھاٹ جی فرماتے ہیں کہ مہاراج نے باون روپ ہو کر راجہ بل کو چھلن کیا۔ اور پاپیوں اور ظالموں کا نشٹ کیا۔ اور بھگتوں یعنی تابعداروں کو ترقی دی۔ سرسبز کیا۔ اور مہاراج کرشن جی جب نہہ کلنک ہوکر دوبارہ تشریف لاوینگے تو اسوقت دو (سورج اور اندر یعنی چاند) اُن کے ساتھ ہونگے یعنی اسکے گواہ ہونگے۔ یہ پیشگوئی ۱۸۹۴ء میں پوری ہوچکی ہے +

۵۔ آنے والے گورو کا مقام

(۱) تاں مردانے پچھیا۔ گورو جی۔ کبیر بھگت جیہا کوئی ہور بھی ہو سیا ہے۔ سری گورو نانک جی آکھیا۔ مردانیاں۔ اک جٹیٹا ہوسی۔ پر اساں توں پچھے سو برس توں بعد ہوسی۔ پھر مردانے پچھیا۔ جی کیہڑے تھائیں اُسنے ملک وچ ہوسی؟ تاں گورو نے کہیا۔ مردانیاں وٹالے تے بارہ کوہ ہوسی۔ سُن مردانیاں۔ نرنکار دے بھگت سب اِکو روپ ہُندے ہین۔ پر اوہ کبیر بھگت ناوں وڈا ہوسی۔ (دیکھو جنم ساکھی بھائی بالا والی وڈی ساکھی

صفحہ ۲۵۱ مطبوعہ مفید عام پریس منشی گلاب سنگھ اینڈ سنز)۔

ترجمہ۔ تب مردانے نے پوچھا۔ گورو جی! کوئی بھگت کبیر جیسا بھی ہوا ہے؟ گورو صاحب نے فرمایا۔ اے مردانے ایک زمیندار ہوگا لیکن ہم سے سو سال کے بعد ہوگا پھر فرمایا کہ وہ گورو پرگنہ بٹالہ یعنی تحصیل بٹالہ میں ہوگا۔ اے مردانے! سنو! خدا کے بھگت سب ایک جیسے ہی ہوتے ہیں (لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ) لیکن وہ بھگت کبیر سے بڑا ہوگا۔ (فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ) یعنی ہم نے بعض کو بعض پر بزرگی دی ہے۔

بس یہ گورو مرزا غلام احمد صاحب مسیح موعودؑ ہیں۔ جو حسب حدیث وَحَادِثٌ حَرَّاثٌ۔ معزز زمیندار ہیں۔

اعتراض۔ بھائی سیوا سنگھ جی کہتے ہیں کہ بابا ہنڈال جٹ کے چیلوں نے یہ ساکھی جنم ساکھی میں ڈال دی۔ اور کہ آنے والا گورو ہنڈال جٹ ہوگا۔ اس کے مصداق حضرت مرزا صاحب قادیانی نہیں ہیں۔

جواب۔ صفحہ ۲۵۱ میں ہنڈال کا نام ونشان بھی نہیں۔ باقی رہا یہ کہ ہنڈال کے مریدوں نے یہ پرسنگ خود ڈال دیا ہے تو یہ بھی غلط ہے۔ کیونکہ ہنڈال جنڈیالہ ضلع امرتسر میں ہوا۔ نہ کہ پرگنہ بٹالہ میں۔ دیکھو تاریخ گورو خالصہ صفحہ ۶-۷۔ پس اس پرسنگ سے ہنڈال اور اس کے مریدوں کو کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔

بابی یا بہائی مذہب

یہ فتنہ اگرچہ پرانا ہے۔ مگر چونکہ کبھی مقابل پہ نہیں آیا۔ اس لئے دبا رہا۔ اور اس کی تردید و تنقید کی طرف چنداں ضرورت پیش نہ آئی۔ مگر چند سالوں سے دو تین شخصوں کے بابی ہو جانے کے باعث اس کا چرچا ہوا ہے۔ اور چونکہ بابیوں کا وطیرہ ہے کہ ظاہر کچھ اور باطن کچھ۔ بظاہر بھیڑ اور صلح کل بنتے ہیں۔ لیکن باطن میں بھیڑیئے۔ اور نسل انسانی اور حق کے دشمن قاتل ہیں۔ اور بالخصوص اسلام اور نبی اسلام کے دشمن ہیں۔ اور بظاہر اپنے تئیں مسلمان بتاتے ہیں۔ اس لیئے ان کے کذب اور ملمع سازی کی پردہ دری کرنے کے لئے ان کی کتب سے ان کے مذہب کی حقیقت بیان کی گئی ہے۔ تاکہ لوگ ان کے دھوکہ میں نہ آویں۔

ان میں ایک بڑا مرض یہ بھی ہے کہ اپنی کتب کی اشاعت عام نہیں کرتے جس طرح قرآن کریم بوجہ ایک کامل اور سچی شریعت ہونے کے دنیا کے گوشہ گوشہ میں اور صدہا زبانوں میں اشاعت پا رہا ہے۔ اور کوئی مسلمان کبھی قرآن کریم کو پیش کرنے سے نہیں ہچکچاتا۔ اسی طرح بابی اپنی کتابوں کو شائع نہیں کرتے بلکہ ڈرتے ہیں۔ تاہم بڑی دقت اور مشکل سے جناب مولوی فضل دین صاحب وکیل نے ان کی کتب کو دستیاب کر کے

یہ ذخیرہ بہم پہنچایا ہے۔

بہاءُاللہ کا دعویٰ خدائی

بابی یا بہائی عوام کو دھوکہ دیتے ہیں کہ وہ مسلمان ہیں حالانکہ بہاءاللہ کی اصل کتابوں کی رُو سے وہ اسلام سے کوسوں دُور ہیں۔ اس کے ثبوت میں ہم اولاً بہاءاللہ کا دعویٰ خدائی کے ۱۶ حوالجات پیش کرتے ہیں۔ دعویٰ خدائی اور اسلام ایک جگہ ہرگز جمع نہیں ہو سکتے۔

(۱) کتاب اقدس مطبوعہ مطبع ناصری بمبئی کے صفحہ ۱۶۲ پر جناب بہاءاللہ اپنے ایک مرید کو خطاب کر کے لکھتے ہیں۔

یا اکبر یذکرک مالک القدر فی حین احاطۃ الاحزان من الذین کفروا بالرحمٰن۔ کہ اے اکبر! تجھ کو قضاء و قدر کا مالک ایسے وقت میں یاد کرتا ہے۔ جبکہ اس کو غموں نے گھیرا ہُوا ہے۔

اِس عبارت میں قضاء و قدر کے مالک سے مُراد بہاءاللہ خود ہے۔ اگر دعویٰ خدائی نہ ہوتا۔ تو اپنے تئیں قضاء و قدر کا مالک نہ کہتے۔

(۲) کتاب اقدس صفحہ ۲۲۵۔

الذی ینطق فی السّجن الاعظم انہ خالقُ الاشیاء و موجدھا حمل البلایا العالم و انہ لھو الاسم الاعظم الذی کان مکنونًا فی ازل الازال۔ کہ وہ شخص جو عکّہ کے بڑے قیدخانہ میں بولتا ہے۔ وہ تمام چیزوں کو پیدا کرنے والا ہے اور وہی ان کا ایجاد کرنے والا بھی ہے۔ اُس نے مصیبتوں کو دُنیا کے زندہ کرنے کے لئے

اپنے اوپر اٹھایا اور اسم اعظم ہے جو ہمیشہ سے مخفی تھا۔

یہ بہاء اللہ خود عکہ کے قید خانہ میں سے اپنے متعلق لکھ رہا ہے۔

جلی الفاظ قابل غور ہیں۔

(۳) والکتٰبُ یقول قد جاء مُنزِلی۔ (کتاب قدس صفحہ ۲۴۰)

کہ کتاب بیان پکار کر کہہ رہی ہے کہ میرا اُتارنے والا آگیا ہے۔

یہ کتاب بیان خدا کی طرف سے اُتاری ہوئی بتلائی جاتی ہے۔

بہاء اللہ کہتاہے کہ اس کے اُتارنے والا میں آگیا ہوں۔

(۴) یا عیسٰی افرح بما یذکرک مالک العرش والثریٰ (کتاب اقدس صفحہ)

یہ بہاء اللہ کے خط بنام مرید کا ایک فقرہ ہے۔ اس میں عرش فرش

کا مالک بہاء اللہ اپنے تئیں قرار دیتا ہے۔

(۵) کتاب اقدس صفحہ ۶۹ پر بہاء اللہ نے محیط کل ہونے کا دعویٰ کیا

ہے۔ جو خدا کی صفت ہے۔

(۶) کتاب اقدس صفحہ ۵۸ پر مہیمن۔ قیوم۔ رسولوں کو بھیجنے والا۔ اور

معبود ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔

(۷) کتاب اقدس صفحہ ۱۸۸ پر عالم کل یعنی محیط کل عالم ہونیکا دعویٰ کیا ہے

(۸) کتاب اقدس باب شریعت میں عیسائیوں کے عقیدہ کی طرح انسانی ہیکل

میں خدا تھے۔ کیونکہ وہ ظاہر کرتے ہیں کہ انسانوں کی ہر حال میں مدد کرنے پر

قادر ہوں۔ اور یہ صرف خدا کا کام ہے۔

(۹) کتاب اقدس باب شریعت میں تمام بادشاہوں کو پیدا کنندہ

قرار دیا ہے۔ اور یہ صفات خدائی ہیں۔

(۱۰) کتاب اقدس صفحہ ۱۱۵ پر ہے۔ یذکرون نقطة البیان ویفتون علی رسلہ ویفرء ون الآیات وینکرون منزلہا۔ اس میں بہاء اللہ بابی گروہ کے اس حصہ کو جو بہاء اللہ کے دعاوی کو تسلیم نہیں کرتا۔ مخاطب کر کے اپنی حیثیت یہ قرار دیتے ہیں کہ باب کو بھیجنے والے اور اس پر کتاب بیان اُتارنے والے خود بہاء اللہ ہیں اور کتاب اور رسول کا اُتارنا خدا کا کام ہے۔

(۱۱) کتاب مبین (سورۂ ہیکل) میں بہاء اللہ اپنے منکروں کو نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ ایاکم ان تفعلوا بی ما فعلتم بمبشری انا نزلت الیکم آیات اللہ من شعر فضلی کہ تقولوا ان ھا ما نزلت علی الفطرة ان الفطرة قد خلقت بقولی۔ اس میں بہاء اللہ نے اپنے تئیں خالق فطرت بیان کیا ہے۔ اور یہ صفت خدائی ہے۔

(۱۲) کتاب مبین ص۲۹۵ میں بہاء اللہ کہتے ہیں: حملنا الشدائد من کل دنی بعد اذ کان فی قبضتنا ملکوت السموات والارضین۔ کہ ہم نے ہر ایک ذلیل سے ذلیل آدمی سے تکلیفیں اٹھائی ہیں باوجودیکہ تمام آسمانوں اور زمینوں کی بادشاہت ہمارے قبضہ میں ہے۔

(۱۳) کتاب مبین ص۲۳۳ (الاقدس الاعظم) میں بہاء اللہ لکھتے ہیں کہ:۔ یہ کتاب اتاری گئی ہے عزیز حکیم کی طرف سے جو کہتا ہے کہ میں عکہ کے قید خانہ میں قید ہوں۔

(۱۴) اقتدار صفحہ ۳۶ پر لکھتے ہیں کہ:۔ قلم اعلیٰ نے اسی طرح پر نطق

فرمایا جبکہ مخلوق کا قدیمی مالک ظالموں کی شرارت سے قید خانہ میں پڑا تھا۔ اِس میں بہاء اللہ مالک قدیم ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔

(۱۵) اقتدار صفحہ ۱۱۴ میں لکھتے ہیں کہ:۔

بہاء اللہ کو دیکھنے والا شخص ظاہر میں اسکو انسانی شکل میں دیکھتا ہے۔ لیکن جب کوئی شخص اس کے باطن پر غور کرے گا۔ تو آسمانوں اور زمینوں کی کل مخلوق کا اس کو محافظ پاتا ہے۔

(۱۶) اقتدار صفحہ ۱۶۲ پر لکھتے ہیں:۔

"اے مخاطب دیکھ! خدا کا فضل اس حد تک پہنچا ہے کہ تُو اپنے گھر میں آرام سے ہے اور خدا تعالیٰ جو بیحد مصیبتوں میں مبتلا ہے۔ قید خانہ میں تجھ کو یاد کرتا ہے"

مشتے از خروارے حوالجات سے بخوبی ظاہر ہے کہ جس طرح عیسائی مسیح کی طرف منسوب کرتے ہیں کہ وہ کامل انسان بھی تھے اور کامل خدا بھی تھے۔ جو دنیا کو نجات دینے کے لیئے انسانی شکل میں ظاہر ہوئے تھے اسی طرح بہاء اللہ بھی اپنے تئیں پیش کرتا ہے۔

اس بات سے کبھی دھوکا نہ کھانا چاہیئے کہ بہاء اللہ کی کتابوں میں ایسی عبارتیں بھی موجود ہیں جن میں وہ اپنے تئیں انسان بھی ظاہر کرتا ہے۔ کیونکہ خدائی کا دعویٰ کرنیوالے جیسا کہ بہاء اللہ سے پہلے کئی گذر چکے ہیں۔ اس رنگ میں دعویٰ کرتے ہیں کہ اکمیں کچھ نہ کچھ معقولیت کا رنگ بھی لوگوں کو نظر آئے کیونکہ انکی ظاہری حالت کھاتے پیتے ہگتے موتتے اور بشری لوازمات دینے

موانع ہیں جنکے ہوتے ہوئے خصوصاً اس زمانہ میں کوئی بھی خالص خدا نہیں منوا سکتا۔ جیسا کہ عیسائی اب عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق انسانی ہیکل اور خدائی صفات ملا جلا کر ایسا گورکھ دھندا پیش کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ زیادہ تر بہائی امریکہ اور یورپ کے علاقہ میں پائے جاتے ہیں۔ اسی دو عملی کے رنگ سے بہاء اللہ نے فائدہ اٹھایا ہے۔ اپنی کتاب مبین صفحہ ۵۲ پر لکھتا ہے:۔

قد ظهرت الكلمة التى سترها الابن انها قد نزلت على هيكل الانسان فى هذا الزمان تبارك الرب الذى هو الذى قد اتى بمجدته الاعظم بين الامم۔ کہ وہ کلمہ ہے جسے بیٹے نے پردہ میں رکھا تھا وہ ظاہر ہو گیا ہے اور وہ اس زمانہ میں ہیکل انسانی پر اترا ہے۔ مبارک ہے وہ رب جو اپنی عظمت کے ساتھ امتوں کے درمیان آیا ہے۔

اس حوالہ میں بہاء اللہ نے وہی باپ۔ بیٹے۔ روح القدس کا گورکھ دھندہ پیش کر کے خدا اور انسان ہر دو حالتیں پیش کر کے دھوکہ دیا ہے۔ پس جہاں باقی لوگ بہاء اللہ کی انسانیت والی عبارتیں پیش کریں وہاں انکو یہ حوالہ پیش کر کے ملزم کرنا چاہیئے! اور یہ سب کچھ عیسائیوں کی کاسہ لیسی ہے یا عیسائیوں کو پھنسانے کی ترکیب ہے کیونکہ وہ اس قسم کا لچر عقیدہ رکھنے کے عادی ہیں۔

(۱۷) کتاب ادعیہ ۱۶۷/۱۵۹ میں بہاء اللہ ملاء اعلیٰ کو حکم کرتا ہے۔ ان دنوں تمام مخلوقات کے رب بہاء اللہ کی زیارت کرلو۔ اور اس کا طواف بھی۔

(۱۸) الواح مبارکہ صفحہ ۱۴ میں ایران کے بادشاہ سے ملاقات کی خواہش کا اظہار کرتے ہوئے بہاء اللہ لکھتے ہیں:۔

"حال آنکہ شانِ حق نیست کہ بہ نزد احدے حاضر شود جمیع از بروئے اطاعت از خلق شدہ اند ولیکن نظر باین اطفال صغیرہ جمیع ازنسا کہ ہمہ از یار و دیار دُور ماندہ اند۔ این آرزو قبول نمودیم"

یعنی خدا کی شان نہیں کہ کسی کے پاس جائے۔ مگر دُور افتادہ بچوں اور عورتوں کی خاطر میں نے ایسا کرنا پسند کیا ہے۔

(۱۹) اقتداء صفحہ ۱۳۰ پہ لکھتے ہیں :۔

ونفسی عندی علم ما کان وما یکون کہ مجھے اپنی ذات کی قسم ہے۔ کہ مجھے گذشتہ اور آئندہ سب کا علم ہے۔

اس میں عالم الغیب ہونے کا دعویٰ ہے۔

(۲۰) الواح مبارکہ کے صفحہ ۱۵۴ میں اپنے مریدوں کو کہتے ہیں :۔ (ترجمہ یہ ہے) "اے اللہ کے دوستو! تم فرش راحت پر آرام نہ کرو۔ جب تم نے اپنے پیدا کرنے والے کو پہچان لیا۔ اور جو مصائب اس پر وارد ہیں۔ ان کو سُن لیا۔ تو اس کی مدد کے لئے کھڑے ہو جاؤ۔

بہاء اللہ کے نزدیک آنحضرتؐ اور دوسرے انبیاء کا درجہ

بابی یا بہائی عوام کو دھوکہ دیتے ہیں کہ وہ مسلمان ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ آلہ وسلم پر ایمان رکھتے ہیں یا آپکو افضل الانبیاء مانتے ہیں۔ مگر چونکہ ان میں بھی شیعوں کی طرح تقیہ جائز ہے۔ اس لئے اس دھوکا دہی کو بھی وہ مذہباً جائز سمجھتے ہیں۔ حالانکہ بالکل جھوٹ ہے۔ اِس کے لئے ذیل

کے حوالجات ملاحظہ ہوں:۔

(۱) کتاب ایقان صفحہ ۲۰۵ میں بہاء اللہ علی محمد باب کے متعلق لکھتا ہے:

" قدر و رتبہ آنحضرت باب را ملاحظہ فرما کہ قدرش اعظم از کل انبیاء و امرش اعلیٰ و ارفع از عرفان و ادراک کل اولیاء است "

اس میں باب کو بہاء اللہ نے اپنے متعلق صرف بشارت دینے والا ظاہر کیا ہے۔ تو جب خود دعویٰ خدائی کیا۔ تو ظاہر ہے کہ اپنے تئیں اولیاء سے کسقدر بزرگ تر سمجھتا ہوگا۔ چنانچہ ذیل کے حوالجات سے ظاہر ہے۔

(۱) بہاء اللہ اپنی کتاب لوح رئیس میں صفحہ ۳۵ کی ایک طویل عبارت میں لکھتا ہے کہ آنحضرت کا قول مَا عَرفنَاکَ حق معرفتک کہ اے خدا جیسا حق تھا۔ ہم نے تجھے نہیں پہچانا۔ اگر وہ تیرے زمانے میں ہوتے۔ تو فوراً بول اٹھتے کہ اے رسولوں کے مقصود! ہم نے تجھ کو پہچان لیا۔ اور حضرت ابراہیم کا یہ قول کہ رَبِّ اَرِنِیْ کَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی۔ کہ اے رب دکھا کہ تو کس طرح مُردوں کو زندہ کرتا ہے۔ تو جواب ملا۔ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ؟ کیا تو اس بات پر ایمان نہیں لایا؟ عرض کیا۔ وَلٰکِنْ لِّیَطْمَئِنَّ قَلْبِیْ اطمینان قلب کے لئے۔ اگر ابراہیم میرے زمانے میں ہوتے تو اقرار کرتے کہ میرا دل مطمئن ہو گیا۔ اسی طرح حضرت موسیٰ نے کہا تھا کہ رَبِّ اَرِنِیْ وہ بھی میرے زمانے میں ہوتے۔ تو ان کی مراد پوری ہوتی "

اس حوالہ سے ظاہر ہے کہ بہاء اللہ تمام نبیوں کے متعلق اپنا زمانہ مبارک قرار دیتا ہے۔

(۲) مبین صفحہ ۹ لوح ملاک ردس میں بہاد اللہ لکھتے ہیں:-

قد ارتفعت ایادی الرسل للقائی۔ کہ تمام رسولوں کے ہاتھ میری زیارت کے لئے اٹھتے ہیں۔

(۳) مبین صفحہ ۷۹۔ ما نزلت الکتاب الّا لذکری کہ رسولوں پر جو تمام کتابیں نازل ہوئی ہیں۔ ان کے نازل کرنے سے صرف میری ذات کا ذکر کرنا مقصود تھا۔

(۴) مبین صفحہ ۱۲۸۔ ظہر نشان ما ظہر فی الابداع شبھہ کما رأیتم و سمعتم۔ کہ بہاداللہ اس شان سے ظاہر ہوا ہے کہ وہ بےنظیر ہے جیسا کہ خود تم نے اس کو دیکھا اور سنا ہے۔

(۵) مبین سورۃ ہیکل:- یعترضون علی الذین شعرۃ منہ خیر عند اللہ ممن فی السموات والارض۔ کہ تم اسپر اعتراض کرتے ہو کہ جس کا ایک بال خدا کے نزدیک آسمانوں اور زمینوں کی تمام مخلوقات سے بہتر ہے۔

آسمان و زمین کی مخلوقات میں ملائکہ رسل سے افضل ہونے کا دعویٰ۔

(۶) مبین ۲۴۶ لوح رئیس۔ ما لکم اعرضتم من ذالذی خلقتم بامرہٖ۔ اے لوگو تمہیں کیا ہو گیا۔ جو اس ذات (بہاداللہ) سے روگردانی کرتے ہو۔ جس کے حکم ماننے کے لئے تم کو پیدا کیا گیا ہے۔

(۷) مبین صفحہ ۲۱۴۔ عمرات السموات والارض باسمہٖ۔ کہ آسمانوں اور زمینوں کی آبادی اسی بہاد اللہ کے نام سے ہے۔

(۸) کتاب اقدس صفحہ ۷۵۔ انّا خلقنا الخلق لھذا الیوم۔ کہ ہم نے

تمام مخلوقات کو بہاء اللہ کے ظہور فرمانے کے دن کے لیئے پیدا کیا ہے۔

(۹) مبین صفحہ ۲۱۵ - لولاہ ما نزل الوحی فی ازل الازال - کہ اگر یہ بہاء اللہ نہ ہوتا - تو ازل سے ابد تک کسی پر بھی وحی کا نزول نہ ہوتا۔

(۱۰) بہاء اللہ اپنی کتاب ادعیہ محبوب صفا میں باب کی نسبت لکھتا ہے کہ اِنَّہٗ سُلْطَانُ الرسل - باب تمام رسولوں کا بادشاہ ہے - یہ دوسری طرف باب کی عبارت الواح مبارکہ صفحہ ۱۹۰ میں بہاء اللہ نے نقل کی ہے - کہ

"محمدؐ رسول را مبعوث مے فرمودیم"

کہ آنحضرتؐ کو میں نے مبعوث کیا تھا - اس سے ظاہر ہے کہ باب رسولوں کا بادشاہ اور آنحضرتؐ کو نبی بنا کر بھیجنے والا مانا جاتا ہے تو بہاء اللہ جو اپنی کتاب اقدس صفحہ ۱۱۵ - صفحہ ۱۹۵ میں لکھتا ہے کہ باب کو بھیجنے والا میں ہوں - اس کے مقابلہ میں آنحضرتؐ اور دوسرے انبیاء کا کیا درجہ ہو سکتا ہے؟

شریعت بابیہ نے شریعت محمدیہ کو منسوخ کر دیا

اہل بہاء کا عقیدہ ہے کہ قرآن مجید میں جو وعدہ قیامت کا دیا گیا ہے۔ وہ وعدہ پورا ہو چکا ہے۔ ان کے نزدیک قیامت صغریٰ سے مراد علی محمد باب کا زمانہ ہے۔ جو ۱۲۶۶ھ میں مارا گیا اور قیامت کبریٰ سے مراد بہاء اللہ (مرزا حسین علی ایرانی) کا زمانہ ہے۔ جو ۱۳۰۹ھ میں فوت ہوا۔ چنانچہ بہائیوں کی مسلمہ کتاب بحر العرفان کے صفحہ ۷۲ میں لکھا ہے:۔

قیامت صغریٰ ظہور حضرت اعلیٰ روح ماسوای فداہ بودہ کہ در سن ستین ظاہر شدہ و قیامت کبریٰ این ایام است کہ دریں قیامت جمال قدم جل ذکرہٗ الاعظم ظاہر گردیدہ۔

اسی طرح کتاب نقطۃ الکاف صفحہ ۲۹ میں جو بابیوں اور بہائیوں کی معتبر کتاب ہے۔ لکھا ہے کہ "مراد از قیامت قیام و ظہور اوست" کہ قیامت سے علی محمد باب کا ظاہر ہونا مراد ہے۔ تو اب یہ ثابت ہوگیا کہ قرآن کریم کی مقرر کردہ قیامت باب اور بہاء اللہ کی آمد پر آگئی۔ تو اب جہاں کہیں بھی قیامت کا لفظ قرآن میں ہے۔ اس سے باب اور بہاء اللہ مراد ہے۔ اس سے آگے نیا دَور ہوگا۔ اب وہ حوالے پیش کئے جاتے ہیں کہ جن سے باب اور بہاء اللہ کے آنے سے شریعت محمدیہ منسوخ ہوگئی۔

(۱) بحر العرفان صفحہ ۱۱۵ و ۱۱۶ :۔

"حلال محمد حلال الیٰ یوم القیمۃ و حرام محمد حرام الیٰ یوم القیمۃ" یعنی آنحضرتؐ کے حرام حلال کئے ہوئے قیامت یعنی آمد باب اور بہاء اللہ تک حرام و حلال تھے۔ اب نیا دَور ہے۔

(۲) بحر العرفان صفحہ ۱۱۷ "میگویند قائم کہ ظاہر مے شود۔ بشریعتِ مقدسہ نبوی رفتار مے فرمایند و احکام را تغیرّ و تبدّل نمے دہد و برہم نمے زند پس ظاہر مے شود از برائے چہ و شغلش چیست"

یعنی شیعہ جو کہتے ہیں کہ جب قائم آلِ محمد ظاہر ہوگا تو آنحضرت صلعم کی مقدس شریعت کا پیرو ہوگا۔ اور احکامِ شریعت میں کوئی تبدیلی نہیں کریگا تو ہم

اہل بہاء کہتے ہیں کہ اگر قائم نے آکر شریعت میں کوئی تبدیلی نہیں کرنی تھی۔ تو اس کا آنا کس لئے اور اس کے آنے سے کیا مطلب؟

مدعا یہ کہ قائم آل محمد (علی محمد باب) کے آنے کی تو غرض ہی یہ ہے کہ وہ شریعت اسلامی کو منسوخ کر کے ایک نئی شریعت کو قائم کرے۔

(۳) بحر العرفان صفحہ ۱۱۸ "البتہ شکے نیست کہ بدین و آئین جدید ظاہر مے شود" کہ اس میں ذرا شک نہیں کہ قائم آل محمد نیا دین اور نیا طریقہ لیکر آئیگا۔

(۴) بحر العرفان صفحہ ۱۲۶ "اینکہ جمع ادیان رایکے مے فرمائید یعنی نسخ مے فرمائید شریعت قبل را" یعنی وہ قائم آل محمد تمام دینوں کو ایک یعنی پہلی شریعت (شریعت محمدیہ) کو منسوخ کر دے گا۔

(۵) بحر العرفان صفحہ ۱۴۶ میں لکھا ہے کہ نماز کا حکم جو قرآن میں ہے وہ ۱۲۶۱ھ تک ہے۔ اس کے بعد اسلامی نماز کا حکم منسوخ ہو گا۔ اور اس وقت نئی شریعت اور نئے احکام جاری ہوں گے۔

(۶) اسی طرح بحر العرفان صفحہ ۱۳۵ و کتاب الفرائد صفحہ ۲۸۲ و صفحہ ۳۰۲ و نقطۃ الکاف صفحہ ۱۵ سے ظاہر ہے کہ شریعت اسلامی منسوخ اور نئی شریعت بابیہ قابل عمل ہے

شریعت بابیہ بہائیہ کی اتباع کرنے کی تاکید

(۱) بہاء اللہ اپنی کتاب ادعیہ محبوب صفحہ ۱۹۵ میں لکھتے ہیں "یا قوم فاتبعوا حدود اللہ التی فرضت فی البیان من لدن عزیز حکیم قل انہ بسلطان الرسل وکتابہ لام الکتاب" اس حوالہ میں کتاب البیان کو تمام کتابوں کی ماں اور اس کی اتباع کرنے کا حکم ہے۔

(۲) کتاب ایقان مصر صفحہ ۱۶۶ پر بہاء اللہ لکھتے ہیں:۔ در عہد موسیٰ توریت بود۔ در زمن عیسیٰ انجیل و در عہد محمدؐ الرسول اللہ فرقان۔ و دریں عصر بیان۔ صاف نسخ قرآن موجود ہے۔

(۳) کتاب اقدس ۱۶۱ میں لکھتے ہیں (کن) ”خد کتابی الذی اذا انزل خضعت لہ کتب العالم“ اے میرے متبع! میری کتاب کو پکڑ لے۔ جس کے اُترنے پر دنیا کی تمام کتابیں اسکے سامنے سرنگوں ہیں۔ یعنی اللہ کی تمام کتابیں اسکے آنے سے منسوخ ہوگئی ہیں۔

(۴) اسی طرح کتاب مبین کے صفحہ ۲۷ و کتاب اقتدار صفحہ ۴۳ و مکاتیب کی تیسری جلد صفحہ ۵۰۰ سے نسخ شریعت محمدؐیہ ثابت ہے۔

شریعت بابیہ بہائیہ کے منکروں پر فتویٰ کفر

بابی صلح کل ہونیکا دعویٰ کرتے رہتے ہیں مگر ذیل کے فتووں سے انکی حقیقت ظاہر ہے:۔

(۱) علی محمد باب نے رُوح المعانی میں محمد بغداد شہاب الدین السید محمود السنوسی کے نام خط میں لکھا کہ جب تک تم البیان کی شریعت کے احاطہ میں داخل نہ ہوجاؤ۔ تمہارے اعمال کچھ بھی قبول نہ کریگا خواہ تم ہر ایک چیز قربان کردو۔ اور سب کچھ خرچ کردو تو خدا ہرگز تم سے راضی نہ ہوگا۔ سوائے اس تعلیم کے ذریعہ جو مجھ پر نازل ہوئی ہے۔ جو لوگ میرے اس دین میں داخل نہ ہونگے۔ ان کی وہی حالت ہے جیسی ان کی جو اسلام کے زمانہ میں اسلام میں داخل نہ ہوئے تھے (یعنی کفار) آج مسلمانوں کو ان کا دین اور اعمال اس طرح نفع نہ دینگے جس طرح محمد رسول اللہ کے مبعوث ہونیکے بعد یہود و نصاریٰ کو انکا دین کوئی نفع نہیں دے سکتا۔

(۲) کتاب اقدس صفحہ ۲۴۸ میں بہاء اللہ لکھتے ہیں۔ انہٗ یاخذ من کفر بہ ویعذب الذین انکروا ما ظہر۔ کہ خدا ہر اس شخص سے مؤاخذہ کریگا جس نے اس بات کو نہ مانا۔ اور انکو عذاب دے گا جنہوں نے ان باتوں کا انکار کیا۔

اسی طرح کتاب المبین صفحہ ۱۸۱ پر منکرین بہائیت کو گمراہ اور صفحہ ۲۸۳ پر مکذبین بابیت کو خاسرین اور الواح مبارکہ صفحہ ۱۷۸ میں مکذبین کو دوزخی کہا ہے۔

چند احکام شریعت بابیہ

(۱) کتاب البیان باب دہم واحد اور چہارم کہ کسی شخص کے لئے جائز نہیں کہ باب کی کتاب البیان کے سوا کوئی دوسری کتاب پڑھے یا پڑھائے۔ اور یہ کہ جس قدر علوم متداولہ ہیں۔ ان کو حاصل کرے۔ یا آگے ان کی تعلیم دے۔

(۲) ایضاً۔ سوائے ان کتب کے جو بابیہ مذہب کی تائید میں ہیں۔ باقی سب کتب کو دنیا سے نیست و نابود کر دیا جائے۔

(۳) جو لوگ علی محمد باب پر ایمان نہیں لاتے وہ پلید اور واجب القتل ہیں۔ نقطۃ الکاف مقدمہ میں لکھا ہے:۔

"ایشاں کسانے راکہ مومن بباب نبود نجس و واجب القتل مے دانستند"

اسی کی تائید میں بہاء اللہ کے بیٹے اور جانشین عبد البہاء اپنی کتاب مکاتیب جلد ۲ صفحہ ۲۶۶ میں لکھتے ہیں:۔

"در یوم ظہور حضرت اعلیٰ منطوق بیان ضرب اعناق و حرق کتب و

اوراق زہد بقاع و قتل عام الا من آمن وصدق بود" کہ حضرت باب کا یہی حکم ہے کہ جو لوگ آپ پر ایمان نہیں لاتے۔ ان کی گردنیں اڑا دی جائیں۔ اُن کا قتل عام کیا جاوے۔ علوم وفنون اور مذاہب عالم کی سب کتابیں جلادی جائیں۔ اور ان کا ہر ایک ورق نذرِ آتش کیا جاوے۔ اور تمام مقامات مقدسہ اور قبور انبیاء وغیرہ سب گرادئے جائیں۔ تاکہ بابی مذہب کے سوا اور کوئی مذہب دُنیا میں نہ رہے۔

(۴) کتاب فروع میں علی محمد باب نے اپنے مریدوں کو یہ حکم دیا ہوا تھا کہ "اے اصحاب ہرچہ را در بازار گرفتید۔ بیاورید من نظر نمایم تا حلال شود" یعنی ہر ایک حرام چیز باب کے نظر کرنے سے حلال ہو جاتی ہے۔

اِس حکم کی تفصیل نقطۃ الکاف صفحہ ۱۴۱ و صفحہ ۱۵۱ میں ملتی ہے۔ کہ مُریدین بغیر اجازت دُکانوں سے چیزیں اٹھا لیتے تھے۔ اور علی محمد باب کے سامنے لاکر اس کی نظر سے گذار کر حلال کرا لیتے۔

(۵) دلائل العرفان صفحہ ۲۴۷ مصنفہ مرزا حیدر علی بابی میں لکھا ہے۔ الباب التاسع من الواحد التاسع فی حرمۃ الصلوٰۃ الجماعۃ اِلّا صلوٰۃ المیّت۔ برخلاف شریعت اسلام کے نماز باجماعت سوائے نماز جنازہ کے حرام ٹھہرائی گئی ہے۔

(۶) نقطۃ الکاف صفحہ ۲۳۰ میں مرزا جانی بابی لکھتے ہیں کہ میں نماز جمعہ پڑھا کرتا تھا۔ مگر جب علی محمد باب نے دعویٰ کیا۔ اور اپنی کتاب فروع میں نماز جمعہ کو حرام ٹھہرایا۔ تو میں نے نماز جمعہ چھوڑ دی۔

(۷) کتاب اقدس میں لکھا ہے کہ باب نے لڑکے اور لڑکیوں کے معاملہ نکاح میں کسی ولی یا کسی وکیل یا گواہ کی ضرورت نہیں رکھی۔ بلکہ لڑکے لڑکی کی باہمی رضامندی کافی رکھی ہے۔ لیکن بہاء اللہ ان کی رضامندی کے ساتھ والدین کی رضامندی بھی ضرور قرار دیتا ہے اور ہردو متضاد حکموں سے ظاہر ہے کہ باب اور بہاء اللہ دونوں کے حکموں کا منبع ایک نہیں ہے۔ اور دونوں حکم خود ساختہ ہیں۔

اِن مشتے از خروارے احکام سے شریعت بابیہ کے غیر معقول ہونے کا بخوبی پتہ لگ جاتا ہے! اور ساتھ ہی یہ بھی کہ ان سے نسخ شریعت محمدؐیہ بھی ثابت ہے۔ مزید چند حوالے بھی ذیل میں دیئے جاتے ہیں:۔

بہاء اللہ کی تعلیم اِسلام کے خلاف

اِسلام کی تعلیم ہے کہ سوائے ایک خدا کے اور کوئی معبود نہیں مگر اس کے بالمقابل بہاء اللہ کی تعلیم ملاحظہ ہو:۔

(۱) اطرازات اطراز ششم صفحہ ۱۲ مطبوعہ آگرہ میں بہاء اللہ لکھتے ہیں "اننی انا اللہ لا الٰہ الّا انا المھیمن القیوم"۔ پھر

(۲) تجلیات (تجلّی چہارم) صفحہ ۵ میں لکھتے ہیں:۔ اننی انا اللہ لا الٰہ الّا انا رب کل شیءٍ و ان ما دونی خلقی ان یا خلقی ایای فاعبدون

کہ مَیں خدا ہوں۔ میرے سوا تمام مخلوق ہے۔ اس لئے صرف میری ہی عبادت کرو۔

(۳) کتاب مبین میں بہاء اللہ لکھتا ہے:۔

لَا اِلٰہَ اِلَّا انا المسجون الفرید۔ کہ کوئی خدا نہیں۔ مگر میں اکیلا (بہاء اللہ) جو قید ہوں۔

بہاء اللہ کے مُرید بہاء اللہ کے روضہ کی پرستش کرتے ہیں۔ دیوان نوش صے بہاء اللہ کے روضہ کو مخاطب کرکے کہا گیا ہے۔ ع

جز خاک آستاں تو معبود خلق نیست

اے سجدہ گاہ جان وروان روضۂ بہا

گردیدا انبیاء ہمہ ساجد برایں تراب	اے قبلہ گہ کروبیاں روضۂ بہا
اے مقصد و مقصود زماں روضۂ بہا	اے معبد معبود جہاں روضۂ بہا
اے معنی اسرار نہاں روضۂ بہا	اے سجدہ گاہ عالمیاں روضۂ بہا

(۲) شریعتِ اسلامیہ میں جن عورتوں سے نکاح حرام ہے۔ ان کی تفصیل دی گئی ہے۔ مگر برخلاف اس کے شریعتِ بہائیہ کتاب الاقدس میں صرف ماں سے نکاح حرام کیا گیا ہے۔ باقیوں کا ذکر نہیں۔

(۳) اسلامی شریعت میں چار تک نکاح کو جائز رکھا ہے۔ مگر برعکس اسکے شریعت بہائیہ میں دو سے زیادہ عورتیں ناجائز ہیں۔ دیکھو کتاب الاقدس۔

(۴) شریعت اسلامی میں مہر حسب توفیق وحیثیت جس قدر چاہیں مقرر کیا جاسکتا ہے۔ مگر شریعت بہائیہ کتاب اقدس میں مہر کی مقدار شہروں میں ۱۹ مثقال سونا اور دیہات میں ۱۹ مثقال چاندی۔ اور زیادہ سے زیادہ ۹۵ مثقال سونا اور ۹۵ مثقال چاندی علی الترتیب ہو سکتا ہے۔ اس سے زیادہ مہر

باندھنا حرام ہے۔

(۵) اسلامی شریعت میں تین طلاق کے بعد رجوع نہیں ہو سکتا۔ مگر شریعتِ بہائیہ کتاب اقدس میں تین طلاق کے بعد رجوع ہو سکتا ہے۔

(۶) اسلامی شریعت میں سُود حرام اور خدا سے جنگ کرنے کے برابر ہے مگر شریعتِ بہائیہ میں جائز ہے۔ (دیکھو اشراقات۔ اشراق نہم صک)

(۷) اسلامی شریعت میں مَردوں کے لئے سونے چاندی کے برتنوں اور ریشمی لباس کا استعمال ناجائز ہے۔ مگر شریعتِ بہائیہ میں جائز ہے۔

(۸) سر کا منڈوانا جو شریعتِ اسلامیہ میں جائز تھا اس کو شریعتِ بہائیہ نے ناجائز قرار دیا ہے۔ "لا تحلقوا رؤسکم قد زینھا اللّٰہ بالشعر" یعنی اے اہلِ بہاء! اپنے سروں کو ہرگز نہ منڈوانا کہ بالوں سے اُن کی زینت ہے۔

(۹) شریعتِ اسلامیہ میں کھلے طور پر گانے بجانے کی ممانعت ہے مگر برخلاف اس کے کتاب اقدس میں لکھا ہے:۔

اِنّا حللنا لکمُ اصغاءَ الاَصواتِ وَالنَّغمات۔ کہ ہم نے تمہارے لئے گانا بجانا جائز کر دیا ہے۔

(۱۰) شریعت بہائیہ کے رُو سے ایک خاوند جو سفر پہ گیا ہوا ہو۔ اس کی بیوی ۹ ماہ انتظار کرنے کے بعد نیا نکاح کر سکتی ہے۔ حالانکہ اسلامی شریعت میں یہ جائز نہیں ؛

مذہب شیعہ

کتبِ شیعہ

کافی۔ مجمع البیان۔ عمدۃ البیان۔ الروضۃ بہیہ۔ شرع عرشیہ۔
تاج البلاغتہ۔ شرح نہج البلاغتہ مؤلفہ عبدالحمید بن ابی الحدید شیعی۔ الصافی۔
بحار الانوار۔ کتب الخصال۔ غرر فوائد۔ اکمال الدین۔ اسرار التنزیل۔ امالی۔
انارۃ البصائر۔ بشریٰ بالحسن۔ حقائق لدنی۔ الصراط السوی۔ کشف الغمہ
کلینی۔ حیات القلوب۔ ناسخ التواریخ۔ محجاج السالکین۔ جلاء العیون۔
(ملا محمد باقر مجلسی) تذکرۃ الائمہ۔ حق الیقین (مصنفہ علامہ مجلسی)۔
مجالس المومنین۔ روضتہ الصفا (تاریخ) استبصار۔ مہیج الاحزان۔

کتبِ ردِّ شیعہ

سر الخلافتہ۔ خلافتِ راشدہ۔ تحفۂ اثنا عشریہ۔ شرائط المذاہب۔ آیات
بیّنات۔ براہین فاطعہ۔ تشریف البشر۔ رسالہ فدک۔ معیار المذاہب۔
اسباب مغالطہ درمیان سُنی وشیعہ۔ تحقیقات واقعاتِ کربلا۔

اسماءِ ائمۂ شیعہ

(۱) حضرت علی رضی اللہ عنہ (۲) حضرت حسنؓ بن علیؓ (۳) حضرت حسینؓ بن علیؓ
(۴) ابو محمد علی بن حسینؓ زین العابدین (۵) ابو جعفر محمد بن علی الباقر (محمد باقر)
(۶) جعفر صادق (۷) موسیٰ کاظمی (۸) علی رضا (۹) ابو جعفر محمد بن علی الجواد

(۱۰) ابوالحسن علی بن علی بن محمد انتقا (۱۱) ابو محمد حسن بن عسکری۔ (۱۲) امام مہدی علیہ السلام۔

خلفائے ثلاثہ کا ایمان

از روئے قرآن

(۱) اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ یَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ (بقرہ ع ۲۷)

ترجمہ تحقیق جو ایمان لائے اور جنہوں نے جہاد کیا راہِ خدا میں وہی امید رکھتے ہیں رحمتِ الٰہی کی۔ اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

(۲) وَمَنْ یَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ۔ (مائدہ ع ۸) ترجمہ۔ اور جو دوست رکھے اللہ اور اس کے رسول کو اور ان کو جو ایمان لائے۔ پس یقیناً گروہ اللہ کا ہی غالب ہے۔

(۳) اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ (توبہ ع ۳)

ترجمہ۔ جو کہ ایمان لائے اور ہجرت کی اور جہاد کیا راہِ خدا میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے بڑے درجے ہیں اللہ کے حضور اور یہی ہیں مراد پانے والے۔

ہر سہ خلفاء مہاجر اور مجاہد تھے۔ ضروری تھا کہ اس وعدہ الٰہی کے مطابق ان کو وہ درجات ملتے۔ اور چونکہ وہ آخر تک کامیاب ہوئے۔ اس لئے هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ کا وعدہ پورا ہوا۔

(۴) فَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاُوْذُوْا فِيْ سَبِيْلِيْ ۔ (آل عمران ع ۲۰)

(۵) يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ وَمَاْوٰهُمْ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۔ (توبہ ع ۱۰) ۔ ترجمہ۔ اے نبی لڑائی کر کافروں اور منافقوں سے اور سختی کر اُنپر اور ٹھکانا اُن کا جہنم ہے اور وہ بری ہے جگہ پھر جانے کی۔

(۶) لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْمُرْجِفُوْنَ فِي الْمَدِيْنَةِ لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا يُجَاوِرُوْنَكَ فِيْهَا اِلَّا قَلِيْلًا ۔ (احزاب ع ۸) ترجمہ۔ اگر باز نہ رہیں گے منافق اور وہ کہ جن کے دلوں میں بیماری ہے اور بد خبر اڑانے والے شہر میں البتہ لگا دیں گے ہم تجھ کو ان کے پیچھے۔ پھر نہ قریب بھٹکنے پاویں گے تیرے اس شہر میں مگر بہت کم۔

اگر خلفاء بخیال شیعوں کے منافق تھے تو ضرور تھا کہ آنحضرت صلعم ان سے جہاد کرتے اور ان کو آنحضرت کے قریب رہنے کا موقعہ نہ ملتا۔

(۷) يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ وَمَاْوٰهُمْ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۔ مگر چونکہ اس قسم کا کوئی جہاد ثابت نہیں اور نہ ہی یہ خلفاء آپ سے تا وفات الگ ہوئے بلکہ وفات کے بعد بھی تا ایں دم قبر میں بھی ساتھ ہے۔ اسلئے ثابت ہوا کہ موجب قرآن یہ مومن تھے دیکھو

(۸) لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا (ع ۹)

چونکہ تحت الشجرۃ کے حاضرین میں سے یہ خلفا بھی تھے۔ اسلئے ثابت ہوا کہ آپ ہی کو رضی اللہ کا سرٹیفکیٹ ملا۔

(۹) وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ۭ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَـيْــــًٔا ۭ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ. (نور ع ۷) چونکہ آنحضرت صلعم کے بعد ان خلفا کے عہد میں اسلام دُور دراز ملکوں میں پھیلا۔ اور اسلام نے وہ موعودہ زور اور عروج پکڑا اور وعدہ الٰہی تھا کہ مومنوں کے ذریعہ اسلام تمکنت پکڑیگا پس خلفا کا ایمان ثابت ہے

(۱۰) وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ ۭ وَيُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ الخ (مجادلہ ع ۳) جنکی رُوح القدس سے تائید کی۔ انمیں یہ خلفا بھی تھے اور یہی حزب اللہ ٹھہرے۔

(۱۱) اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ۚ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى ۭ وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِىَ الْعُلْيَا ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۔ (توبہ ع ۶)

یہ یارِ حضرت ابو بکر صدیق رضہ تھے جن پہ اللہ تعالٰی نے سکینت اُتاری اور آنحضرت صلعم نے انہی کو اپنا رفیق الطریق بنایا۔

شیعہ مفسرین نے بھی یہ تسلیم کیا ہے کہ حضرت ابو بکرؓ ہی اس وقت

آنحضرت صلعم کے ساتھ غار ثور میں موجود تھے اور صاحبہٖ سے مُراد آپ ہی ہیں (دیکھو تفسیر مجمع البیان و تفسیر صافی سورۃ توبہ رکوع ۶ زیر آیت اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا الخ۔)

اصحابِ ثلاثہ کے ایمان کے دلائل کتبِ شیعہ سے

(۱) اگر اصحاب ثلاثہ مسلمان نہ تھے تو انکے عہد خلافت میں قیصر و کسریٰ کے ساتھ جو جہاد ہوئے وہ بھی ناجائز ٹھہرے اور جو مال غنیمت اِن جہادوں میں مسلمانوں کے قبضہ میں آیا وہ بھی حلال نہ ہوا اور جو لونڈیاں ان جہادوں میں حاصل ہوئیں وہ بھی حلال نہ ہوئیں۔ شہر بانو خسرو پرویز کی لڑکی جو حضرت حسینؓ کے قبضہ میں حضرت عمرؓ کے زمانہ میں اسیر ہوکر آئی۔ وہ بھی جائز نہ ہوئی۔ اور اس سے جو اولاد ہوئی۔ اسکے متعلق کیا فتویٰ شیعہ حضرات لگائیں گے؟

(۲) قیصر و کسریٰ کے ساتھ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں جو جہاد ہوا۔ وہ خدا کے حکم کے مطابق تھا۔ جیساکہ فروع کافی باب مَنْ يَجِبُ عَلَيْهِ الْجِهَادُ۔ میں ابو عمیر زبیری نے حضرت امام جعفر صادق سے روایت کی ہے:۔

وَاِنَّهٗ لَيْسَ كَمَا ظَنَنْتَ وَلَا كَمَا ذَكَرْتَ وَلٰكِنَّ الْمُهَاجِرِيْنَ ظُلِمُوْا مِنْ جِهَتَيْنِ ظَلَمَهُمْ اَهْلُ مَكَّةَ بِاِخْرَاجِهِمْ مِنْ دِيَارِهِمْ وَ اَمْوَالِهِمْ فَقَاتَلُوْهُمْ بِاِذْنِ اللّٰهِ لَهُمْ فِيْ ذَالِكَ وَظَلَمَهُمْ قَيْصَرُ وَكِسْرٰى وَمَنْ كَانَ دُوْنَهُمْ مِنْ قَبَائِلِ الْعَرَبِ وَالْعَجَمِ بِمَا كَانَ فِيْ اَيْدِيْهِمْ مِمَّا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ اَحَقَّ بِهِمْ

مِنْهُمْ فَقَدْ قَاتَلُوْهُمْ بِاِذْنِ اللّٰہِ عَزَّ وَجَلَّ فِیْ ذَالِکَ وَ لِحُجَّۃِ هٰذِهِ الْاٰیَۃِ یُقَاتِلُ مُؤْمِنُوْا کُلِّ زَمَانٍ۔ یعنی جس طرح تو نے سمجھا یا کہا۔ (یعنی یہ کہ قیصر و کسریٰ کے ساتھ مسلمانوں کی لڑائیاں ناجائز تھیں) نہیں ہے۔ کیونکہ انہوں نے مسلمانوں پر ظلم کیا تھا۔ ان پر اہل مکہ نے ان کے گھروں اور مال و دولت سے نکال کر ظلم کیا۔ پس مسلمانوں نے ان کے ساتھ خدا کے حکم سے جہاد کیا۔ اسی طرح قیصر و کسریٰ اور دیگر عربی و عجمی قبائل نے مسلمانوں پر ظلم کیا۔ اس ملک اور حکومت پر قبضہ کرنے کی وجہ سے جس پر اُن سے زیادہ مسلمانوں کا حق تھا۔ پس مسلمانوں نے ان کے ساتھ خدا کے حکم کے ساتھ جنگ کی۔ اور اسی آیت کے مطابق (یعنی اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقَاتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا) ہر زمانہ کے مسلمان جہاد کرتے ہیں۔

(۲) آنحضرت صلعم نے خندق کھودنے وقت پہلی مرتبہ پتھر پر کدال مار کر فرمایا اللہ اکبر۔ شام کی کنجیاں مجھے دی گئیں۔ دوسری دفعہ کدال مار کر فرمایا۔ اللہ اکبر فارس کے ملک کی کنجیاں مجھے دی گئیں۔ پھر تیسری کدال مار کر فرمایا یمن کی کنجیاں مجھے دی گئیں۔ (دیکھو حیات القلوب جلد ۲ صفحہ ۲۷۶ نولکشور و تمہ ناسخ التواریخ کتاب ۲ جلد ۱ صفحہ ۲۱۶ مطبوعہ ایران) یہ کنجیاں حضرت عمرؓ کے ہاتھ میں دی گئیں۔ گویا آنحضرتؐ نے حضرت عمرؓ کو اپنا قائم مقام قرار دیا ہے۔

حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کی فضیلت

(۴) وَكَانَ اَفْضَلُهُمْ فِي الْاِسْلَامِ كَمَا زَعَمْتَ وَاَنْصَحُهُمْ لِلّٰهِ وَلِرَسُوْلِهِ الْخَلِيْفَةُ الصِّدِّيْقُ وَخَلِيْفَةُ الْفَارُوْقِ وَلَعَمْرِيْ وَاِنَّ مَكَانَهُمَا فِي الْاِسْلَامِ لَعَظِيْمٌ وَاِنَّ الْمُصَابَ بِهِمَا لَجُرْحٌ فِي الْاِسْلَامِ شَدِيْدٌ يَرْحَمُهُمَا اللّٰهُ وَجَزَاهُمَا اللّٰهُ بِاَحْسَنِ مَا عَمِلَا (نہج البلاغت ابتداء خط فارو قومنا قتل نبیّنا)۔

اور خلفا ہیں سے اسلام ہیں سب سے افضل اور خدا اور رسول کے لیے سب سے زیادہ نصیحت کرنے والے حضرت ابو بکر صدیق رضؓ و خلیفہ فاروق رضؓ تھے۔ اسی طرح سے جس طرح تیرا خیال ہے۔ اور بخدا ان کا مقام اسلام میں بہت بلند ہے۔ اور ان کی (جدائی کی) وجہ سے اسلام کو سخت زخم لگا ہے۔ ان دونوں پر خدا تعالےٰ کی رحمت ہو۔ اور خدا تعالےٰ ان کے اچھے اور اعلیٰ کاموں کا ان کو اجر دے۔

(۵) وَلَا رَيْبَ اَنَّ الصَّحِيْحَ اَنَّ عَلِيًّا كَانَ هُوَ السَّابِقُ وَاَنَّ اَبَا بَكْرٍ هُوَ اَوَّلُ مَنْ اَظْهَرَ اِسْلَامَهٗ (شرح نہج البلاغتہ مؤلفہ عبد الحمید ابن ابی الحدید شیعہ جز ۴ صفحہ ۲۱۲)۔

اور بے شک جس بات کا ابو عمر نے ذکر کیا ہے سچ ہے کہ گو علی رضؓ نے پہلے اسلام قبول کیا لیکن ابو بکر رضؓ نے سب سے پہلے اسلام کا اعلان کیا۔

(۶) عَنْ اِبْرَاهِيْمَ النَّخْعِيِّ قَالَ اَوَّلُ مَنْ اَسْلَمَ اَبُوْ بَكْرٍ (شرح

نہج البلاغت جزو ۴ صفحہ ۱۳)۔ ابراہیم نخعی کہتے ہیں۔ کہ حضرت ابوبکرؓ سب سے پہلے اسلام لائے۔

(۷) عَنْ اَبِیْ نَصْرٍ قَالَ قَالَ اَبُوْبَکْرٍ لِعَلِیٍّ اَنَا اَسْلَمْتُ قَبْلَکَ فِیْ حَدِیْثٍ ذِکْرُہٗ فَلَمْ یُنْکِرْہُ عَلَیْہِ۔ (شرح نہج البلاغت جزو ۴ صفحہ ۲۱۳) ابو نصر کہتے ہیں کہ کسی گفتگو میں حضرت ابوبکرؓ نے حضرت علیؓ سے کہا کہ میں آپ سے پہلے مسلمان ہوا تھا۔ مگر حضرت علیؓ نے اس کے خلاف کچھ نہ کہا۔

(۸) وَقَالَ عَلِیٌّ وَالزُّبَیْرُ مَا قَضَیْنَا اِلَّا فِی الْمَشْوَرَۃِ وَاِنَّا لَنَرٰی اَبَابَکْرٍ اَحَقَّ النَّاسِ بِھَا اِنَّہٗ لَصَاحِبُ الْغَارِ وَاِنَّا لَنَعْرِفُ لَہٗ سُنَنَہٗ وَلَقَدْ اَمَرَہٗ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلعم بِالصَّلٰوۃِ بِالنَّاسِ وَھُوَ حَیٌّ۔

(شرح نہج البلاغۃ مؤلفہ ابن ابی الحدید شیعی جزو ۲ صفحہ ۵) حضرت علیؓ اور حضرت زبیرؓ نے فرمایا کہ ہم نے سوائے مشورے کے اور کوئی فیصلہ نہیں کیا۔ کیونکہ ہم یقیناً حضرت ابوبکرؓ کو ابیوں میں سب سے زیادہ اس امر کا مستحق خیال کرتے ہیں۔ کیونکہ آپ صاحبِ غار ہیں۔ اور ہم ان کے اچھے طریقوں کو جانتے ہیں۔ اور آنحضرت صلعم نے جبکہ آپؐ زندہ تھے ابوبکرؓ کو لوگوں کو نماز پڑھانے کا حکم دیا تھا۔

(۹) کتاب کشف الغمۃ فی معرفۃ الائمہ میں ہے۔

اِنَّہٗ سُئِلَ الْاِمَامُ اَبُوْ جَعْفَرٍ عَلَیْہِ السَّلَامُ مِنْ حِلْیَۃِ السَّیْفِ قَالَ نَعَمْ حَلّٰی اَبُوْبَکْرِ الصِّدِّیْقُ سَیْفَہٗ بِالْفِضَّۃِ فَقَالَ الرَّاوِیْ تَقُوْلُ ھٰکَذَا فَوَثَبَ الْاِمَامُ عَنْ مَکَانِہٖ فَقَالَ نَعَمِ الصِّدِّیْقُ

فَمَنْ لَمْ يَقُلْ لَهُ الصِّدِّيْقُ فَلَا صَدَّقَ اللّٰهُ قَوْلَهُ فِي الدُّنْيَا۔ کہ امام جعفر سے پوچھا گیا کہ کیا تلوار کو سونا چڑھانا جائز ہے۔ تو آپ نے فرمایا۔ ہاں جائز ہے۔ کیونکہ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے اپنی تلوار کو سونا چڑھایا تھا۔ اسیر راوی نے متعجب ہو کر کہا کہ آپ ایسا (یعنی ابوبکر کو صدیق کہتے ہیں) تو امام اپنی جگہ سے اٹھ کر کہنے لگا۔ ہاں وہ صدیق ہیں۔ ہاں وہ صدیق ہیں اور جو اُن کو صدیق نہ کہے خدا دنیا میں اس کی بات کو سچا نہیں کریگا۔

(۱۰) حضرت علی حضرت عثمان کو مخاطب کر کے کہتے ہیں :۔

وَاللّٰهِ مَا اَدْرِیْ مَا اَقُوْلُ لَكَ مَا اَعْرِفُ شَيْئًا تَجْهَلُهُ وَلَا اَدُلُّكَ عَلٰى اَمْرٍ لَا تَعْرِفُهُ اِنَّكَ لَتَعْلَمُ مَا نَعْلَمُ مَا سَبَقْنَاكَ اِلٰى شَيْءٍ فَنُبْلِغُكَهُ وَقَدْ رَأَيْتَ كَمَا رَأَيْنَا وَسَمِعْتَ كَمَا سَمِعْنَا وَصَحِبْتَ رَسُوْلَ اللّٰهِ كَمَا صَحِبْنَا وَمَا ابْنُ اَبِي قُحَافَةَ وَمَا ابْنُ الْخَطَّابِ اَوْلٰى بِعَمَلِ الْحَقِّ مِنْكَ وَاَنْتَ اَقْرَبُ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ .... وَقَدْ نِلْتَ مِنْ صِهْرِهٖ مَا لَمْ يَنَالَا۔ (نہج البلاغت مشہدی ص ۱۱۳)

بخدا میں نہیں جانتا کہ میں آپ کے سامنے کیا بیان کروں مجھ کوئی ایسی بات معلوم نہیں جو آپ نہ جانتے ہوں۔ اور میں آپکو کوئی ایسی نئی بات نہیں بتا رہا جو آپ کو معلوم نہ ہو۔ کیونکہ میرا علم آپ سے زیادہ نہیں۔ ہم آپ سے کسی امر میں سبقت نہیں رکھتے کہ ہم آپ کو اس کی اطلاع دینے کے قابل ہوں۔ اور نہ ہم کسی امر میں منفرد رہے ہیں کہ وہ امر آپ تک پہنچائیں۔ بے شک آپ نے وُہ سب کچھ دیکھا اور سُنا۔ جو ہم نے دیکھا اور سُنا۔ اور آپ بھی اسی طرح

آنحضرت صلعم کے صحابی رہے جس طرح ہم تھے۔ ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ آپ سے کسی امر میں سبقت رکھنے والے نہ تھے۔ اور آپ آنحضرت صلعم کی دامادی کے باعث آنحضرت کے ان دونوں سے زیادہ مقرب ہیں۔

(۱۱) وَمِنْ كِتَابٍ لَهُ اِلٰى مُعَاوِيَةَ اِنَّهُ بَايَعَنِي الْقَوْمُ الَّذِيْنَ بَايَعُوْا اَبَابَكْرٍ وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ عَلٰى مَا بَايَعُوْهُمْ عَلَيْهِ . . . اِنَّهُمْ اُنَاسٌ اِنِ اجْتَمَعُوْا عَلٰى رَجُلٍ وَسَمَّوْهُ اِمَامًا كَانَ ذَالِكَ لِلّٰهِ رِضًا"

(نہج البلاغت مشہدی صفحہ ۱۸۸)۔

حضرت علیؓ نے حضرت معاویہ کو ایک خط میں (اپنی خلافت کا یہ ثبوت) لکھا کہ میری بیعت انہی لوگوں نے کی ہے۔ جنہوں نے ابوبکرؓ عمرؓ وعثمانؓ کی بیعت کی۔ اور اسی امر پر کی ہے جس پر ان کی کی تھی . . . یہ ایسے لوگ ہیں کہ اگر ایک شخص پر مجتمع ہو کر اس کو اپنا امام کہدیں۔ تو یہی امر خدا کے ہاں بھی موجبِ رضا ہوتا ہے۔

(۲۲) "لِلّٰهِ بَلَاءُ فُلَانٍ فَقَدْ قَوَّمَ الْاَوَدَ وَدَاوَى الْعَمَدَ خَلَّفَ الْفِتْنَةَ وَاَقَامَ السُّنَّةَ ذَهَبَ نَقِيَّ الثَّوْبِ قَلِيْلَ الْعَيْبِ اَصَابَ خَيْرَهَا وَسَبَقَ شَرَّهَا اَدّٰى اِلَى اللّٰهِ طَاعَتَهُ اتَّقَاهُ بِحَقِّهٖ"

(نہج البلاغۃ مشہدی صفحہ ۱۸۱)۔

"فلاں آدمی کیا ہی اچھا تھا کیونکہ اُس نے کجی کو درست کیا اور دِلوں کی بیماریوں کا علاج کیا۔ فتنہ کو پیچھے ہٹایا۔ اور سنت کو قائم کیا اور انتقال کیا۔ ایسی حالت میں کہ وہ پاک اور بے عیب تھا۔ خلافت کا اچھا حصہ پایا۔ اور اس میں پیدا

ادنے والے شر سے پہلے گذر گیا۔ اللہ کی اطاعت گذاری کی اور اس کے حقوق میں تقویٰ سے کام لیا۔" یہ سب عبارت حضرت علیؓ نے حضرت عمرؓ کی نسبت کہی۔ چنانچہ اس خطبہ کے حاشیہ میں عبدالحمید بن ابی الحدید شیعی نے لکھا ہے کہ فلاں سے مراد عمرؓ ہیں۔

(۱۳) امام جعفر صادق سے حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کے متعلق کسی نے سوال کیا۔ تو انہوں نے جواب دیا:۔

هُمَا اِمَامَانِ عَادِلَانِ قَاسِطَانِ كَانَا عَلَى الْحَقِّ وَمَاتَا عَلَيْهِ فَعَلَيْهِمَا رَحْمَةُ اللّٰهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ (رسالہ ادلۂ تقیہ فی ثبوتِ تقیہ مؤلفہ (سلطان العلماء سید محمد صاحب مجتہد)۔

کہ وہ دونوں امام تھے عدل اور انصاف کرنیوالے وہ دونوں حق پر تھے اور حق پر ہی ان کی وفات ہوئی۔ اور قیامت کے دن ان پر خداتعالیٰ کی رحمت ہوگی

نوٹ:۔ شیعوں کا اس قول کے متعلق یہ کہنا کہ امام جعفر نے دوسرے دن اس قول کی تشریح یہ کی تھی کہ "اِمَامَانِ" سے مراد میری "اہل جہنم کے امام" تھی۔ غلط ہے۔ بوجوہات ذیل:۔

(۱) "هُمَا اِمَامَانِ" سے مُراد اہل جہنم کے امام نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ عربی زبان اس کی اجازت نہیں دیتی۔ هُمَا اِمَامَا اَهْلِ النَّارِ کہنا چاہیئے تھا۔ کیونکہ تثنیہ یا جمع کا صیغہ جب مضاف ہو تو اسکے آخر سے "ن" گر جاتا ہے۔ جیسے هُمْ مُسْلِمُوْا مَكَّةَ (یعنی وہ مکہ کے مسلمان ہیں۔) هُمْ مُسْلِمُوْنَ مَكَّةَ نہیں ہو سکتا۔

(۲) امام سے جس شخص نے فتویٰ پوچھا۔ اسکو تو آپنے مندرجہ بالا صاف الفاظ میں جواب دے دیا۔ وہ تو اب اس فتویٰ کے مطابق حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کو مومن ہی سمجھے گا۔ اسکے چلے جانے کے بعد دوسرے دن اس قول کے الفاظ کی ظاہری مفہوم کے خلاف غلط تاویل کرنا بالکل غیر معقول ہے۔ اس شخص کی گمراہی (بقول شما) کا باعث تو حضرت امام جعفرؒ ہی کا یہ قول ہوگا۔ امام جعفرؒ نے اگر کوئی تشریح اپنے الفاظ کی کرنی ہوتی۔ تو اس شخص کے سامنے ہی کرنی چاہیئے تھی۔

(۱۴) علامہ کاشانی اپنی تفسیر خلاصۃ المنہج میں لکھتے ہیں:-

"آنحضرت فرمود بدوزخ نرود یک کس ازاں مومناں کہ او زیر شجر بیعت کردند و اس را بیعت الرضوان نام نہادہ اند۔ بجہت آنکہ حق تعالےٰ در حق ایشاں فرمود کہ لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَکَ تَحْتَ الشَّجَرَۃِ"

کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ درخت کے نیچے بیعت کرنیوالوں میں سے سب کے سب جنتی ہیں کیونکہ خدا نے رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ کا انکو خطاب دیا ہے۔

(۱۵) کشف الغمہ فی معرفۃ الائمہ میں روایت ہے۔ از جابر بن عبداللہ انصاری روایت است کہ ما در آں روز ہزار و چہار صد (یعنی چودہ سو) کس بودیم۔ دراں روز من از آنحضرت صلعم شنیدم کہ آنحضرتؐ خطاب بحاضراں نمود فرمود کہ شما بہترین اہل روئے زمین اند۔ و ما ہمہ دراں روز بیعت کردیم و کسے از اہل بیعت نکث نہ نمود۔ مگر اجد بن قیس کہ آں

منافق بیعت خود را شکست "۔

گویا بیعت رضوان کرنے والے چودہ سو مسلمان تھے اور سوائے اجد بن قیس کے سب کے سب جنتی ہیں۔ مگر شیعہ تو صرف پنجتن یا سارھے چھ تن کو جنتی مانتے ہیں۔

(۱۶) حضرت عثمانؓ اس بیعت کے وقت موجود نہ تھے بلکہ بطور سفیر مکہ میں گئے ہوئے تھے۔ ان کے متعلق لکھا ہے۔ فَلَمَّا انْطَلَقَ عُثْمَانُ وَبَايَعَ رَسُوْلُ اللهِ الْمُسْلِمِيْنَ وَضَرَبَ رَسُوْلُ اللهِ صلعم بِاِحْدٰي يَدَيْهِ عَلَى الْاُخْرٰى لِعُثْمَانَ وَقَالَ الْمُسْلِمُوْنَ طُوْبٰى لِعُثْمَانَ طَافَ بِالْبَيْتِ وَسَعٰى بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلعم مَا كَانَ لِيَفْعَلَ فَلَمَّا جَاءَ عُثْمَانُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ ءَ طُفْتَ بِالْبَيْتِ فَقَالَ مَا كُنْتُ لِاَطُوْفَ بِالْبَيْتِ وَرَسُوْلُ اللهِ صلعم لَمْ يَطُفْ بِهٖ (فروع کافی جلد ۲ کتاب الروضہ صفحہ ۵۱) حضرت عثمانؓ چلے گئے.... تو آنحضرت صلعم نے مسلمانوں سے بیعت لی۔ اور آنحضرتؐ نے اپنا ایک ہاتھ اپنے دوسرے ہاتھ پر حضرت عثمان کی بیعت لینے کیلئے رکھا۔ اور مسلمانوں نے کہا کہ عثمان رضؓ بڑا خوش قسمت ہے کہ اس نے کعبہ کا طواف بھی کر لیا اور صفا اور مروہ کے درمیان بھی سعی کر لی۔

(نوٹ:- یہ واقعہ صلح حدیبیہ کا ہے۔ حضرت عثمان رضؓ تو بطور سفیر مکہ چلے گئے اور باقی مسلمانوں کو مکہ میں داخل ہونے سے کفار نے روکا۔ آنحضرتؐ نے مسلمانوں کی یہ بات سنکر فرمایا کہ عثمان رضؓ تو ایسا کرنے والا نہیں ہے"۔

(یعنی اس نے ایسا نہیں کیا ہوگا) پس جب حضرت عثمان رض واپس آئے۔ آنحضرت ﷺ نے ان سے پوچھا۔ کیا آپ نے کعبہ کا طواف کیا؟ انہوں نے جواب دیا کہ یہ کس طرح ممکن تھا کہ میں طواف کر لیتا۔ اس حالت میں کہ آنحضرت ﷺ نے طواف نہ کیا ہو۔ یہ جواب حضرت عثمان رض کی شانِ ایمانی ثابت کرتا ہے۔

دلائل و مطاعنِ شیعہ کا جواب

شیعہ۔ اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا (مائدہ رکوع) وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سے حضرت علی رض مراد ہیں۔ لہٰذا وہ خلیفہ بلا فصل ہوئے؟

الجواب۔ اِنَّمَا کلمۂ حصر ہے۔ اگر وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سے مراد حضرت علی رض ہوں۔ تو شیعوں کے باقی ائمہ کی امامت باطل ہوئی۔ کیونکہ پھر سوائے اللہ۔ رسول اور علی رض کے کسی اور کی امامت ممتنع ہو جائے گی۔

(۲) وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا جمع کا صیغہ ہے۔ اس سے علی رض واحد مراد نہیں لیا جا سکتا۔

(۳) اس کے آگے ہی يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ۔ حضرت علی رض کا زکوٰۃ دینا ثابت نہیں۔ (۴) وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سے مراد اگر حضرت علی رض ہوں تو اسکے آگے انکے ساتھ دوستی کرنے والے گروہ کو غالب قرار دیا گیا ہے مگر بقول شما علی رض کا معاملہ اس کے برعکس ہے۔

(۵) اہلِ سنت کی تفاسیر میں جہاں وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سے مراد حضرت علی رض

کو لکھا گیا ہے۔ وہاں علماء اہل سنت نے شیعوں کا قول نقل کرکے اس کی آگے اسکی تردید کی ہے۔ پس وہ تمہارے لئے دلیل نہیں ہو سکتی۔

(۶) لفظ "ولی" دوست۔ ناصر اور حاکم کے معنوں میں مشترک ہے۔ اگر معنے صرف حاکم لینا حجت نہیں ہو سکتا۔ جب تک اس کیلئے دلیل نہ دیجائے۔

(۷) اس آیت میں "ولی" کے معنے محب و ناصر کے ہیں کیونکہ اس آیت سے پہلے مومنوں کو یہود و نصاریٰ کی دوستی سے روکا گیا ہے اور اسکے بعد اس آیت میں اللہ رسول اور مومنوں کو دوست بنانے کی تلقین کی گئی ہے۔

(۸) یہ آیت اصحاب ثلاثہ پر صادق آتی ہے۔ کیونکہ اس آیت سے پہلی آیت میں "یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَنْ یَّرْتَدَّ مِنْکُمْ" ہے۔ کہ اے مسلمانوں اگر تم میں سے کوئی مرتد ہو جائے تو خدا ایک اور قوم کو لائیگا وغیرہ۔ آنحضرتؐ کی وفات پر "ظہورِ عرب" جو ہوا۔ یعنی تمام عرب والے مرتد ہو گئے۔ ان کو حضرت ابو بکرؓ اور انکے اصحاب کے سوا اور کون مسلمان بنانے والا ہوا۔

(۹) وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سے دوستی رکھنے والوں کو خدا نے غالب گروہ قرار دیا ہے۔ اور وہ اصحاب ثلاثہ اور ان کے اصحاب ہیں۔

شیعہ "مَنْ کُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِیٌّ مَوْلَاهُ"۔

خم غدیر کے موقعہ پر ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابہ کے سامنے خلافت علیؓ کا آنحضرتؐ نے اعلان فرمایا۔

جواب۔ اس حدیث کا ترجمہ یہ ہے۔ جو مجھ سے محبت کرے وہ علیؓ سے بھی محبت کرے۔

"جس سے میں محبت کرتا ہوں۔ علیؓ بھی اس سے محبت کرتا ہے"۔
"مولیٰ" ظرف ہے۔ جس کے معنے محلِ محبت کے ہیں۔

(۲) ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابی کے سامنے اعلان کیا۔ تو اس کے دو تین ماہ ہی بعد آنحضرت صلعم کی وفات کے دن وہ ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابی کہاں گئے تھے؟ ان میں سے ایک بھی تو خلافت کے لئے حضرت علیؓ کا نام نہیں لیتا۔

(۳) حضرت علیؓ بھی اپنی خلافت کے لئے اس حدیث کو پیش نہیں کرتے۔

(۴) یہاں تک کہ جب حضرت عثمانؓ کی وفات پر حضرت علیؓ خلیفہ منتخب ہوئے تو حضرت معاویہ نے انکار کیا۔ حضرت علیؓ نے ان کو اپنی خلافت منوانے کے لئے متعدد دلائل دیئے مگر خم غدیر کے واقعہ کا کہیں ذکر نہیں کیا۔

لہٰذا ثابت ہوا کہ یہ بعد کی اختراع ہے۔

"اَنَا مَدِیْنَةُ الْعِلْمِ وَعَلِیٌّ بَابُھَا"

جواب۔ (۱) یہ حدیث ضعیف ہے۔ دیکھو (ترمذی جلد ۲ کتاب المناقب)

(۲) اس حدیث کے متعلق لکھا ہے:۔
"ذَکَرَہُ ابْنُ الْجَوْزِیْ فِی الْمَوْضُوْعَاتِ مِنْ عِدَّۃِ طُرُقٍ وَجَزَمَ بِبُطْلَانِ الْکُلِّ" (لمعات برحاشیہ مشکوٰۃ مطبوعہ اصح المطابع دہلی صفحہ ۵۶۴)
کہ اس حدیث کو ابن جوزی نے متعدد طرق سے روایت کر کے موضوع قرار دیا ہے۔ نیز اس کے سب طریقوں کو باطل قرار دیا ہے۔

(۳) اس کا ترجمہ ہے۔ "میں علم کا شہر ہوں۔ اور اس کا دروازہ بہت بلند ہے"۔ کہاں ہے ذکر علیؓ؟۔

(۴) کبھی ایک دروازہ والا بھی شہر ہوا ہے؟ ہاں جیل خانے اور کوٹھڑی کا ایک دروازہ ہوتا ہے۔ شہر کے کم از کم چار دروازے ہونے چاہئیں۔ ہمارے نزدیک آنحضرت صلعم علم کا شہر ہیں اور ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ و علی رضی اللہ عنہم اس شہر کے چار دروازے ہیں۔ حضرت علی رضؓ بھی ان میں سے ایک ہیں۔ یاد رہے کہ مندرجہ بالا حدیث میں ایک دروازے کا حصر نہیں۔

(۵) خود حضرت علی رضؓ نے حضرت عثمان کو فرمایا۔ اِنَّکَ لَتَعْلَمُ مَا نَعْلَمُ۔ (نہج البلاغت مشہدی صفحہ ۱۱۲)

کہ اے عثمان رضؓ تو اتنا ہی عالم ہے جتنا میں۔ پس حضرت عثمان کی حضرت علی رضؓ سے مساوات علمی ثابت ہے۔ اگر وہ علم کا دروازہ ہیں۔ تو حضرت عثمان رضؓ بھی بوجہ مساوات علمی رکھنے کے علم کا دروازہ ہوئے۔

حضرت عثمان رضؓ کا جنازہ

اعتراض شیعہ۔ حضرت علی رضؓ نے حضرت عثمان رضؓ کا جنازہ نہیں پڑھا۔

جواب:۔ غلط ہے۔ حضرت عثمان رضؓ کے جنازہ پر حضرت علی رضؓ حاضر ہوئے۔ چنانچہ لکھا ہے:۔

(۱) وَقِيْلَ شَهِدَ جَنَازَتَهٗ عَلِيٌّ وَطَلْحَةُ وَزَيْدُ ابْنُ ثَابِتٍ وَكَعْبُ ابْنِ مَالِكٍ۔ (کامل ابن اثیر جلد ۳ صفحہ ۷۶)

ترجمہ:۔ حضرت عثمان رضؓ کے جنازہ پہ حضرت علی۔ طلحہ۔ زید بن ثابت اور کعب بن مالک رضی اللہ عنہم حاضر ہوئے۔

(۲) اسی طرح شیعوں کی "ناسخ التواریخ" میں ہے:-

حسن بن علی با عبداللہ بن زبیر و ابوجہم بن حذیفہ و جماعتی جسد او را بر تختہ پارہ نہادند ... و حش نام بستانی است در آنجا بخاکش سپردند۔

(ناسخ التواریخ کتاب دوم جلد ۲ ص [illegible]) گویا حضرت علیؓ نے حضرت عثمانؓ کا جنازہ بوساطت امام حسنؓ کرایا۔ یاد رہے کہ جنازہ پڑھنا فرض کفایہ ہے نیز جو امر حضرت علیؓ کو (بقول شما) جنازہ عثمانؓ پڑھنے سے مانع تھا۔ وہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو کیوں مانع نہ ہوا؟

حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کا جنگ سے بھاگنا

اعتراض شیعہ۔ حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ جنگ سے بھاگ گئے۔

جواب۔ غلط ہے۔ طبری میں ہے:-

(۱) "وَانْتَهَى اِلَى الشِّعْبِ مَعَهُ عَلِيُّ ابْنُ اَبِي طَالِبٍ وَاَبُوْ بَكْرِ بْنُ اَبِي قُحَافَةَ وَعُمَرُ ابْنُ الْخَطَّابِ" (طبری مطبوعہ عربیہ جلد ۳ صفحہ ۱۴۰۷)

او گھاٹی کے پاس آنحضرت صلعم کے ساتھ حضرت علیؓ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کھڑے (دشمن کے ساتھ مقابلہ کرتے رہے)

(۲) عَنْ اَبِي بَكْرٍ قَالَ لَمَّا كَانَ يَوْمُ اُحُدٍ اِنْصَرَفَ النَّاسُ كُلُّهُمْ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ فَكُنْتُ اَوَّلَ مَنْ فَاءَ (تاریخ الخلفاء ص ۳۵)

حضرت ابوبکرؓ فرماتے ہیں کہ اُحد کے دن جب آنحضرت صلعم کے پاس سے سب لوگ اِدھر اُدھر چلے گئے تو سب سے پہلے میں آپ کے پاس پہنچا۔

(۳) "وَمِمَّنْ ثَبَتَ مَعَهُ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ اَبُوْ بَكْرٍ وَعُمَرُ"

(تاریخ طبری جلد ۳ صفحہ ۱۶۶۰ مطبوعہ لنڈن)

کہ جنگ حنین میں حضرت ابو بکرؓ آنحضرت صلعم کے ساتھ ثابت قدم رہے۔

(۴) وَثَبَتَ (ابو بکر) يَوْمَ اُحُدٍ وَيَوْمَ حُنَيْنٍ (تاریخ الخلفاء صفحہ ۴۳)

کہ حضرت ابو بکر جنگ اُحد اور حنین میں ثابت قدم رہے۔

(۵) اسی طرح جنگ خیبر کے متعلق لکھا ہے:۔

وَاِنَّ اَبَا بَكْرٍ اَخَذَ رَايَةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ثُمَّ نَهَضَ فَقَاتَلَ قِتَالًا شَدِيْدًا هُوَ اَشَدُّ مِنَ الْقِتَالِ الْاَوَّلِ (طبری جلد ۳ صفحہ ۱۵۸۰ مطبوعہ لنڈن) کہ خیبر میں (جب آنحضرت صلعم بیمار ہو گئے تو) حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ نے یکے بعد دیگرے آنحضرت صلعم کا جھنڈا لیکر ایک دوسرے سے بڑھ کر کفار سے جنگ کی۔

(۶) اسی طرح تاریخ الخلفاء میں حضرت ابو بکرؓ کے متعلق حضرت علیؓ کی شہادت موجود ہے۔

فَوَاللّٰهِ مَا دَنَا مِنَّا اَحَدٌ اِلَّا اَبُوْ بَكْرٍ شَاهِرًا بِالسَّيْفِ عَلٰى رَاْسِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلعم فَهُوَ اَشْجَعُ النَّاسِ" (تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۵)

کہ خدا کی قسم! حضرت ابو بکرؓ کے سوا اور کوئی ہم میں سے آنحضرتؐ کے قریب آتا ہو۔ حضرت ابو بکرؓ تلوار سونت کر آنحضرتؐ کے سر پر پہرہ دیتے رہتے تھے۔ پس آپؐ سب سے زیادہ شجاع تھے۔ پس کتب اہل سنت سے اصحاب ثلاثہ کا جنگوں کے موقع پر ثابت قدم رہنا ثابت ہے۔ اسلئے

اہل سنت کے بالمقابل یہ طعن کوئی وقعت نہیں رکھتا۔ باقی رہیں اہل شیعہ کی روایات۔ سو وہ حجت نہیں۔

باغ فدک

(۱) حضرت ابوبکرؓ نے فاطمہؓ کو آنحضرت صلعم کے ترکہ سے کچھ نہ دیا۔ حالانکہ حضرت ابوبکرؓ کے لَا نَرِثُ وَلَا نُوْرَثُ والی حدیث کے پیش کرنے پر فاطمہؓ نے قرآن کی آیت پیش کی۔ کہ یُوْصِیْکُمُ اللّٰہُ فِیْ اَوْلَادِکُمْ لِلذَّکَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ۔

جواب ۱:۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ضد سے ایسا نہیں کیا۔ کیونکہ آنحضرتؐ سے حدیث سنی ہوئی تھی۔ اور قرآن کریم کو آنحضرتؐ ہی زیادہ سمجھتے تھے۔

جواب ۲:۔ اگر فاطمہؓ سے ضد تھی۔ تو دیگر ازواج مطہرات اور خصوصاً اپنی لڑکی حضرت عائشہؓ کو وراثت دیتے۔ لیکن انہوں نے اس لئے نہ مانگی۔ کہ ان کو مندرجہ بالا حدیث مانع تھی۔ اگر یہ کہیں کہ ان کو اس لئے نہ دی۔ کہ فاطمہؓ دعویٰ نہ کر بیٹھیں ؟ تو فاطمہؓ تو بہت جلد رحلت ہو گئیں۔ بعد ان کے دے دیتے۔ مگر ایسا نہ کیا۔

جواب ۳:۔ لَا نُوْرِثُ وَلَا نُوْرَثُ والی حدیث شیعوں کے نزدیک بھی درست ہے چنانچہ اسی مفہوم کی حدیث شیعوں کی کتاب کافی میں محمد بن یعقوب رازی نے ابوالبختری سے وہ ابو عبداللہ جعفر بن صادق سے روایت

کرتے ہیں۔ اِنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَۃُ الْاَنْبِیَاءِ وَذَالِكَ اِنَّ الْاَنْبِیَا لَمْ یُوَرِّثُوْا فِیْ نُسْخَۃٍ لَمْ یَرِثُوْا دِرْھَمًا وَّلَا دِیْنَارًا وَّاِنَّمَا اَوْرَثُوْا اَحَادِیْثَ مِنْ اَحَادِیْثِھِمْ وَاِنْ اَخَذَ بِشَیْءٍ مِّنْھَا فَقَدْ اَخَذَ بِحَظٍّ وَّافِرٍ کہ علماء نبیوں کے وارث ہیں۔ اور یہ اس لئے ہے کہ انبیاء نے وراثت نہیں چھوڑی۔ اور ایک نسخہ میں ہے "نہ وارث ہوئے" کسی درہم یا دینار کے بلکہ وارث کیے گئے ان کے کلام میں سے کلام کے۔ اور اگر اس میں سے کسی نے کچھ لیا۔ تو گویا اس نے بہت بڑا حصہ لیا۔

جواب ۴:۔ اگر حضرت ابو بکرؓ نے مذکورۃ الصدر حدیث حضرتؐ کے منہ سے نہیں سنی تھی تو ان کو فاطمہؓ کو ورثہ سے محروم کرنے سے کیا فائدہ تھا؟ کیا حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے وہ زمین خود لے لی۔ یا اپنے خاندان کو دے دی۔ اگر ایسا نہیں تو معلوم ہوا کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا مقصد سوائے شریعت کے حکم کو پورا کرنے کے اور کچھ نہ تھا۔

جواب ۵:۔ اگر حضرت فاطمہؓ کو انہوں نے اس حدیث کی وجہ سے محروم کیا۔ تو اس وجہ سے اپنی اور اپنے دوست حضرت عمرؓ کی بیٹی کو بھی محروم کیا۔

جواب ۶:۔ جب حضرت علیؓ خود خلیفہ ہوئے۔ تو کیوں انہوں نے حضرت فاطمہؓ کی اولاد (حضرت امام حسن و حسینؓ) کو آنحضرت صلعم کا ورثہ نہ دیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت علیؓ کے نزدیک بھی آنحضرت صلعم کا ورثہ قابل تقسیم نہ تھا۔ اگر حضرت ابو بکرؓ اس واسطے غاصب ہیں

کہ انہوں نے حضرت فاطمہ رضؓ کو فدک کا حصّہ نہ دیا۔ تو بعینہٖ حضرت علی رضؓ بھی ویسے ہی غاصب ہیں۔

(۴) اعتراض۔ آنحضرت صلعم نے حضرت فاطمہؓ کے واسطے فدک کی وصیت کی۔ مگر حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے بخلاف وصیت حضورؐ فاطمہ رضؓ کو فدک پر تصرف نہ دیا۔ حضرت فاطمہ رضؓ سخت ناراض ہوئیں۔ حالانکہ آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے۔ مَنْ اَغْضَبَهَا اَغْضَبَنِیْ یعنی جس نے فاطمہ رضؓ کو ناراض کیا۔ اُس نے مجھے ناراض کیا۔

جواب نمبر ۱۔ شیعہ لوگ اس بات کو تسلیم کرتے ہیں۔ کہ صرف حضرت ابوبکر رضؓ نے اس وصیت اور ہبہ نامہ کو جاری نہ فرمایا۔ بلکہ حضرت علی رضؓ نے بھی جاری نہ فرمایا تھا۔ ہم دریافت کرتے ہیں۔ کہ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے تو اس واسطے اس کا اجراء نہ فرمایا کہ اُن کو یہ حدیث معلوم تھی۔ کہ آنحضرتؐ نے فرمایا۔ جو ہم چھوڑیں گے۔ وہ صدقہ ہوگا۔ لیکن پھر حضرت علی رضؓ نے اپنی چند روزہ خلافت میں کیوں اس کو جاری نہ کیا۔ پس معلوم ہوا کہ حضرت علی رضؓ کو بھی یہ روایت چونکہ پہنچ چکی تھی اور وہ اس کو درست تسلیم کرتے تھے۔ اسی واسطے آپ نے بھی اس کو ویسے ہی رکھا۔ جیسے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم اور ابوبکر رضؓ اور عمر رضؓ اور عثمان رضؓ کے عہد میں چلی آتی تھی۔

باقی ناراضگی کے متعلق یہ ہے کہ یہ الفاظ آپ نے اس وقت فرمائے تھے۔ جب حضرت علی رضؓ نے ابوجہل کی لڑکی سے شادی کرنے کا ارادہ کیا اور فاطمہ رضؓ آپ کے پاس روتی ہوئی آئیں۔ آپؐ نے اس وقت کھڑے ہو کر ایک

خطبہ پڑھا جس میں آپ نے فرمایا:۔

اَلَا اِنَّ فَاطِمَۃَ بِضْعَۃٌ مِّنِّیْ یُؤْذِیْنِیْ مَا اٰذَاھَا وَیُرِیْبُنِیْ مَا اَرَابَھَا فَمَنْ اَغْضَبَھَا اَغْضَبَنِیْ۔ یعنی فاطمہ رض میرا ایک ٹکڑا ہے اگر اسے تکلیف ہوئی۔ تو مجھے بھی ہوئی۔ پس جس نے اس کو ناراض کیا۔ اس نے گویا مجھے بھی ناراض کیا۔

حدیث میں آپ نے ماضی کا صیغہ استعمال کیا کہ جس نے فاطمہ رض کو ناراض کیا اس نے گویا مجھے ناراض کیا ہے۔ اور صاف ظاہر ہے کہ اس وقت سے پہلے صرف حضرت علی رض کی وجہ سے فاطمہ رض کو تکلیف پہنچی تھی۔ کہ جس کے باعث آنحضرت کو بھی تکلیف پہنچی۔ اور آپ نے تکلیف اور جوش میں ہی ایک خطبہ بھی پڑھا جس میں پہلے مورد جناب علی رض ہی ہیں۔ حضرت ابوبکر رض سے اگر وہ ایک بات پر جو واقعہ میں حق تھی۔ ناراض ہوگئیں۔ تو آپ اس حدیث کے نیچے نہیں آسکتے کیونکہ یہ بعد کا واقعہ ہے اور آپ نے یہ کوئی قانون نہیں باندھا تھا۔ بلکہ ایک خاص واقعہ پر فرمایا تھا۔ کہ فاطمہ رض کو جس نے تکلیف دی ہے۔ اس نے مجھے بھی تکلیف دی ہے۔

جواب ۲:۔ کتاب نہج البلاغت میں شیخ ابن مطہر نے ایک بات کہی۔ جس سے تمام جھگڑے دور ہو جاتے ہیں۔ اور وہ یہ ہے اِنَّہٗ لَمَّا وَعَظَتْ فَاطِمَۃُ اَبَابَکْرٍ فِیْ فِدَکٍ کَتَبَ لَھَا کِتَابًا وَرَدَّھَا عَلَیْھَا۔ جب فاطمہ رض نے ابوبکر رض کو فدک کے معاملہ

میں بہت نصیحت وغیرہ کی۔ تو انھوں نے اس کو نوشتہ لکھ دیا۔ یعنی فدک اس کو دے دیا۔ اگر یہ روایت درست ہے۔ تو پھر حضرت ابو بکرؓ پر طعن کا کوئی موقعہ ہی نہ رہا۔

فَاَقْسَمَ عَلَیْھَا لِتَرْضٰی فَرَضِیَتْ " (تاریخ الخمیس جلد ۲ صہ ۱۹۳ مطبوعہ مصر) کہ حضرت فاطمہؓ کو راضی ہونے کے لئے قسم دی گئی۔ پس وہ راضی ہوگئیں۔

" فَمَشٰی اِلَیْھَا اَبُوْبَکْرٍ بَعْدَ ذَالِکَ وَ شَفَعَ لِعُمَرَ وَطَلَبَ اِلَیْھَا فَرَضِیَتْ عَنْهُ " (شرح نہج البلاغت جزد دوم صہ)

کہ حضرت ابو بکرؓ حضرت فاطمہؓ کے ہاں گئے۔ اور حضرت عمرؓ کی سفارش کی۔ چنانچہ حضرت فاطمہؓ حضرت عمرؓ سے بھی راضی ہوگئیں۔

پھر آیت مَا اَفَاءَ اللّٰهُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰی فَلِلّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی وَ الْیَتٰمٰی وَ الْمَسٰکِیْنِ وَ ابْنِ السَّبِیْلِ کَیْ لَا یَکُوْنَ دُوْلَةً بَیْنَ الْاَغْنِیَاءِ مِنْکُمْ وَ مَا اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَ مَا نَهٰکُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا وَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ (حشر ع ۱)

ترجمہ:۔ جو پہنچایا اللہ نے اپنے رسول کو ان بستی والوں میں سے پس اللہ اور رسول اور قرابت والوں اور یتیموں اور فقیروں اور مسافروں کے لئے ہے تاکہ نہ ہووے ہاتھ لینا درمیان دولتمندوں کے تم میں سے

اور جو کچھ دے تم کو رسول اور جو منع کرے تم کو تو باز رہو۔ اور ڈرو اللہ سے۔ یقیناً اللہ سخت عذاب کرنے والا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ فدک کے مال میں کتنے حصہ دار تھے۔ یہ باغ فدک مال فیٔ میں سے تھا۔

تردید دلائل تقیہ

تقیہ کی تعریف از کتب شیعہ

"جو مومن باطمینانِ قلب موافق شرع کے رہ کر بخوف دشمن دین فقط ظاہر میں موافقت کرے۔ دشمنِ دین کی تو دیندار ممدوح و متقی ہے۔" (قول فیصل مصنفہ مرزا رضا علی صفحہ ۳)

قولہ:۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے تقیہ کیا۔ جبکہ صلح حدیبیہ میں رسول اللہ اور بسم اللہ کا لفظ کاٹ دیا۔

اقول:۔ یہ تقیہ نہیں ہے بلکہ ایسا ہی ہونا چاہیئے تھا کیونکہ بوجہ معاہدہ فریقین دونوں فریقوں کا لحاظ ہونا تھا۔ اس واسطے آپ نے کفار کا لحاظ رکھتے ہوئے بسم اللہ کی بجائے بِاسْمِكَ اللّٰهُمَّ لکھوایا۔ اور آپ نے یہ انکار نہیں کیا۔ کہ میں رسول اللہ نہیں ہوں۔ بلکہ اقرار کیا ہے۔ اور فرمایا تھا۔ اَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ وَ رَسُوْلُ اللّٰهِ۔

قولہ:۔ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّ بِالْاِیْمَانِ الخ (پ ۱۴ ع ۲۰)۔ کہ کافر کے غلبہ کے وقت تقیہ جائز ہے۔

اقول۔ جواب ۱:۔ کفر دو قسم کا ہے۔ (۱) عقاید۔ (۲) اعمال۔

عقائد انسان کے دل کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں۔ ان میں اکراہ ممکن نہیں کیونکہ کسی کے عقائد کو کوئی دُوسرا شخص جبراً نہیں بدل سکتا۔ کیونکہ جبرؔ اور "اکراہ" کے معنی تو یہ ہیں کہ "قوتِ فیصلہ" کو معطل کر دیا جائے۔ عقائد میں اکراہ اس لئے ممکن نہیں کہ ان کے بدلنے یا نہ بدلنے میں بہر حال "قوتِ فیصلہ" کا دخل ہوتا ہے۔ مثلاً:۔

زید اللہ تعالیٰ کی ہستی کا قائل ہے۔ بکر اس کو کہتا ہے کہ اگر تم خدا کا انکار نہ کرو گے تو میں تمہیں قتل کر دونگا۔ اب زید کو دو چیزوں کے درمیان فیصلہ کرنا ہے۔ یا تو خدا کی ہستی پر ایمان کو مقدم کرے یا اپنی زندگی کو۔ اگر وہ اپنی زندگی کو مقدم کر کے خدا کی ہستی کا انکار کر دیتا ہے۔ تو وہ "اِلَّا مَنْ اُکْرِہَ" میں نہیں آتا۔ کیونکہ یہ انکار اس کی "قوتِ فیصلہ" کے استعمال کے نتیجہ میں ظاہر ہوا ہے۔

کفر کی دُوسری قسم اعمال کے متعلق ہے۔ اس میں "جبر اور اکراہ" کئی صورتوں میں ممکن ہے۔ یعنی ہو سکتا ہے کہ کسی شخص سے جبراً بعض ایسے اعمال سرزد کرائے جائیں۔ جن میں اس کی قوت فیصلہ کا ایک ذرہ بھی دخل نہ ہو۔ مثلاً اگر زید و بکر اور عمر پکڑ کر خالد کو جبراً شراب پلانا چاہیں یا کسی اور ناجائز فعل کا ارتکاب چاہیں۔ تو گو خالد اس سے بچنے کیلئے اپنی جان تک قربان کرنے کے لئے تیار ہو۔ پھر بھی ممکن ہے کہ اسے لٹا کر جبراً شراب اسکے مُنہ میں ڈال دیجائے۔ اب اس طریق پر شراب پینے میں خالد کے ارادے اور اسکی "قوتِ فیصلہ" کا ایک ذرہ بھی دخل نہیں

یوں تو شراب پینا یا زنا کرنا ایمان کے خلاف ہیں۔ مگر مندرجہ بالا طریق پر ان کا ارتکاب کرایا جانا یقیناً اِلَّا مَنْ اُکْرِہَ کے ماتحت آتا ہے۔ کیونکہ وہ باوجود اپنے انتہائی طور پر مصمم اور غیر متزلزل ارادہ کے اس سے بچ نہ سکا لیکن کسی شخص کی زبان کو کوئی دوسرا شخص زبردستی پکڑ کر چلا نہیں سکتا کہ وہ اپنے عقائد کے خلاف کہے۔ مگر اعمال کا ادعا جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔ بعض اوقات جبراً کرایا جا سکتا ہے۔ پس آیت مندرجہ بالا میں لفظ "ایمان" "کفر" کے بالمقابل ہے۔ اور کفر کے معنی زبانی انکار ہی کے نہیں۔ بلکہ اعمال کے رنگ میں بھی نافرمانی کے ہیں جیسا کہ لغت میں ہے:-

"اَلْکُفْرُ یَوْمَ الْکُفْرِ وَالْعِصْیَانِ بَعْدَ الطَّاعَةِ وَالْاِیْمَانِ"

(المنجد صفحہ ۷۹۴ زیر لفظ کفر)

اس نے کفر کیا۔ یعنی کفر اور عصیان سے وابستہ ہوا۔ فرمانبرداری اور ایمان کے بعد۔

گویا لفظ کفر میں ہر قسم کا عصیان داخل ہے۔

ہم اوپر ثابت کر چکے ہیں۔ کہ "عقائد" کے متعلق اکراہ ممکن ہی نہیں اور اس زبردستی یا جبر کو "اکراہ" کہا ہی نہیں جا سکتا۔ جو عقائد کے تبدیل کرانے کے لئے کسی شخص پر کیا جائے۔ کیونکہ ایسی حالت میں دو مشکل راہوں میں سے ایک کو دوسری پر مقدم کرنے کا فیصلہ خود اس شخص کے ہاتھ میں ہوتا ہے جس پر جبر کیا جائے۔ اور یہ ظاہر ہے

کہ "ایمان" کے مقابلہ میں "جان" کی کوئی حیثیت نہیں۔ پس جو شخص "جان" کے خوف سے "ایمان" کو چھوڑنے کا فیصلہ کرتا ہے۔ یعنی بجائے دین کو دنیا پر مقدم کرنے کے دنیا کو دین پر مقدم کرتا ہے۔ وہ یہ نہیں کہہ سکتا۔ کہ اس نے یہ فیصلہ "اکراہ" کے ماتحت کیا ہے۔ کیونکہ اکراہ تو اس صورت میں ہوتا۔ جب وہ یہ کہہ سکتا کہ یہ جو کچھ ہوا میرے "فیصلہ" سے نہیں ہوا۔ ہاں بعض "اعمال" ایسے رنگ میں دوسرے شخص سے جبراً صادر کرائے جا سکتے ہیں۔ جن میں اس کے اپنے فیصلہ کا دخل نہ ہو۔ جیسا کہ اوپر مثال دی گئی ہے۔ پس شیعوں کا تقیہ اس آیت سے ہرگز نہیں نکل سکتا۔ کیونکہ وہ "اعمال" کے متعلق اس رنگ میں استثنا نہیں مانتے جس رنگ میں اوپر بیان ہوا۔ بلکہ وہ عقائد کو کسی کے خوف سے چھپانے اور اس کے خلاف کہنے کا نام "تقیہ" رکھتے ہیں۔

(۲) اگر عقائد کو اس طریق پر چھپانے کی اجازت مل جائے تو کسی نبی کی جماعت بھی ترقی نہیں کر سکتی۔ اگر اس رنگ میں تقیہ جائز ہوتا۔ تو حضرت علی۔ حضرت بلال۔ حضرت ابوبکر وغیرہم رضوان اللہ علیہم اجمعین صحابہ جن کو محض اسلام لانے کی وجہ سے سخت تکالیف اور مصائب کا مقابلہ کرنا پڑا۔ ضرور اس سے فائدہ اٹھاتے۔ اور اگر وہ ایسا کرتے تو مسلمان کون ہوتا؟ پس ان بزرگوں کا انتہائی مصیبتیں اٹھا کر بھی انکار نہ کرنا صاف طور پر ثابت کرتا ہے۔ کہ ان کے نزدیک "عقائد" کے متعلق "اکراہ" ممکن ہی نہیں۔ اور یہ کہ ڈر کر عقائد کو تبدیل کرنا اِلّا

مَنْ اُکْرِہَ کی استثنا میں نہیں آتا۔

جواب ۲۳:۔ تقیہ کے متعلق ایک نہایت ضروری سوال ہے۔ اور وہ یہ کہ

"تقیہ کرنا اچھا ہے یا بُرا"؟

اگر کہو بُرا تو (۱) یہ عقائد شیعہ کے خلاف ہے (۲) حضرت علی رضؓ نے

کیوں کیا (بقول شما) اگر کہو کہ اچھا۔ تو حضرت امام حسین رضؓ نے یزید کے

بالمقابل کیوں نہ کیا؟

جواب ۲۴:۔ اللہ تعالےٰ نے جو "اکراہ" اور "جبر" کے نتیجہ میں استثنا

بیان فرمائی ہے۔ جس کی تفصیل جواب ۱۸ میں بیان ہو چکی ہے۔ اللہ تعالےٰ

نے اسکو بھی مستحسن قرار نہیں دیا۔ بلکہ اسے بھی ایک قسم کا گناہ ہی قرار

دیا ہے۔ جیسا کہ اس کے آگے ہی فرمایا ثُمَّ اِنَّ رَبَّکَ مِنْ بَعْدِھَا

لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ۔ کہ پھر اس اکراہ کے بعد تیرا رب بخشنے والا مہربان

ہے۔ پس معلوم ہوا۔ کہ جو بعض اعمال اور افعال کے متعلق "جبر" اور

"اکراہ" کے ماتحت استثنا ہوا ہے۔ اللہ تعالےٰ نے اس کو بخشش کے

ماتحت رکھا ہے۔ پس صاف طور پر ثابت ہے۔ کہ یہ "اکراہ" اور "جبر" کی حالت

اعلےٰ درجہ کے مومنوں کے متعلق نہیں۔ بلکہ "عوام کے کمزور ایمان والوں

کے متعلق ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ اپنے انبیاءؑ

اور خواص مقربین کی ملائکہ کے ذریعہ حفاظت کرتا ہے۔ اس

لئے کفار کو ان پر اس رنگ میں تصرف حاصل ہو ہی نہیں سکتا

کہ وہ جبراً از راہ "اکراہ" اعمال خلاف شریعت کا

ارتکاب کرا سکیں۔

پس حضرت علی رضی اللہ عنہ جیسے عظیم الشان انسان کے متعلق یہ کہنا کہ انہوں نے اپنے مخالفین سے ڈر کر بیعت کر لی۔ اور اپنے عقائد کے خلاف تعائد ظاہر کئے۔ اور نعوذ باللہ جھوٹے اور خائن اور غاصب خلفاء جدا ایمان کے آگے انتہائی طور پر حضرت علی رض کی ہتک ہے۔

حقیقی اسباب ۸۶۸۔ اگر فی الواقعہ حضرت علی رض نے تقیہ کیا تھا۔ دبقول شما) تو بعد میں ان کو بطور احتجاج ہجرت کر کے خلفاء ثلاثہ کے خلاف جہاد کرنا چاہیئے تھا۔ جنہوں نے ان کو اپنی بیعت پر مجبور کیا تھا۔ لیکن آپ نے ایسا نہیں کیا۔ ثابت ہوا کہ حضرت علی رض نے کبھی تقیہ نہیں کیا۔ اور نہ وہ اس کے قائل تھے۔ خادم

قولہٗ وَقَالَ رَجُلٌ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ الخ (پ ۲۴ ع ۹)

کہ آل فرعون میں سے ایک شخص حزقیل نامی نے تقیہ کیا۔ فرعون سے تو وہ ممدوح خدا نہ ہو گیا حالانکہ یہ تقیہ، توحید خدا میں تھا۔ اور شیعہ کا تقیہ ولایت اور خلافت علی میں تھا۔ تو اس سے بڑھ کر ممدوح خدا ہیں۔

اقول۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون نے قتل کی دھمکی دی جو قتیل بول اٹھا أَتَقْتُلُونَ رَجُلًا الخ تو اس وقت کیا موسیٰ نے تقیہ کیا؟ نہیں ہرگز نہیں۔ اس وقت بھی موسیٰ علیہ السلام کو قتل کا خطرہ تھا۔ اب وقت بھی انہوں نے تقیہ نہ کیا۔ اور اگر تقیہ کوئی اچھی بات ہوتی

تو حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی اس کو اختیار کر سکتے تھے۔ اب رہا حزقیل تو اس نے زیادہ سے زیادہ کتم ایمان کیا۔ نہ کہ تقیہ۔

اور کتم ایمان اور تقیہ دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ دوسرے یہ کہ یکتم ایمانہ کے یہ بھی معنے ہو سکتے ہیں کہ وہ آدمی اس دن سے پہلے اپنے ایمان کو چھپاتا تھا۔ اور اس دن اگر اس نے اپنے ایمان کا اظہار کیا۔ تو اس نے اظہار ایمان کیا نہ کہ تقیہ۔ اور یہ بھی اس کے معنے ہو سکتے ہیں۔ کہ وہ ایمان چھپاتا تھا۔ اسی وقت دربار میں حضرت موسیٰ کی تقریر و معجزات کے اثر کے ماتحت اس کے سینے میں ایمان کی چنگاری سلگ اٹھی۔ اور جس وقت فرعون نے موسیٰ کو قتل کی دھمکی دی۔ وہ فوراً بول اٹھا۔ کہ یہ ظلم ہے۔ گویا اس نے اظہار ایمان کر دیا۔

قولہ۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے اور ابراہیم نے اصنام باطلہ کو الٰہ برحق تعبیر کیا۔ اور فرمایا فَرَاغَ اِلٰی اٰلِھَتِھِمْ (الصّٰفّٰت ۲۳ رکوع ۳) اور ایسا کرنے سے الوہیت میں کوئی فرق نہ آیا۔ اس طرح اگر امام حق نے مصلحتاً شریف خلیفۂ باطل کو خلیفہ یا امام کہا۔ تو نہ قائل کو کوئی ضرر ہے۔ اور نہ خلیفۂ باطل کو کوئی شرف حاصل ہوا (قول فیصل ص۱۴۳)

اقول۔ آلھتھم میں ھم سے مراد وہ کافر ہیں۔ جو ان کو معبود سمجھتے تھے۔ تو یہ قیاس مع الفارق ہے۔ کہ آلھتھم میں تو مشرک بتوں کو معبود مانتے تھے۔ اب اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو امیر المومنین سمجھتے

تھے۔ تو آپ حضرت ابوبکر کو برحق مانتے تھے۔ تو اس میں کوئی تقیہ نہیں۔ اگر کہو کہ آپ ان معنوں میں انہیں امیرالمومنین کہتے تھے۔ کہ آپ ان لوگوں کے خلیفہ تھے۔ جو ان کی خلافت پر ایمان لائے تھے۔ تو اس صورت میں بھی آپ تقیہ نہ کرتے تھے۔ کیونکہ ان کو خلیفہ برحق نہیں مانتے تھے۔ اور خلیفہ برحق نہ ماننے کی صورت میں تقیہ نہ رہا

(۱) اگر حضرت علی رض کا خلافت ابوبکر رض سے لے کر حضرت عثمان تک جو کہ پچیس سال کا عرصہ ہے، کافر خلفاء کی بیعت کرنا . . . . اور ان کی اطاعت کرنا اور ان کو سچا خلیفہ ماننا بسبب تقیہ کے ہو سکتا ہے۔ تو اگر کوئی خارجی یہ کہے کہ حضرت علی رض کا ۲۳ برس تک رسول مقبول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ماننا بھی تقیہ کے سبب سے ہے۔ تو جواب اس کا شیعہ دینگے۔ وہی جواب ہمارا بھی ہوگا۔ پس تقیہ ماننے کی صورت میں دلیل اسلام حضرت علی رض کی اڑ جائے گی۔

(۲) یہ طبعی قاعدہ ہے کہ ظاہر کا اثر باطن پر اور باطن کا اثر ظاہر پر پڑتا ہے۔ اگر کسی شخص کے دل میں کسی کا بغض ہو۔ لیکن ظاہر میں اس سے محبت کرے۔ اور تعظیم سے پیش آوے۔ تو آہستہ آہستہ وہ بغض دور ہو جائیگا۔ یہی حال ایمان کا ہے۔ اگر اس کے مطابق نیک عمل نہ کیا جائے۔ تو وہ آہستہ آہستہ دل سے مفقود ہو جاتا ہے۔ پس تقیہ اس سے ناجائز ہوا

کہ اس پر عمل کرنے کی صورت میں ایمان کے جاتے رہنے کا اندیشہ ہے۔

(۳) عقلاً کفر اور ایمان کے بارے میں چار گروہ ہو سکتے ہیں۔

(الف) دِل میں اور ظاہر میں دونوں میں ایمان ہو۔

(ب) دِل میں کفر اور ظاہر میں بھی کفر۔

(ج) دِل میں کفر اور ظاہر میں ایمان۔

قرآن شریف نے ان تینوں گروہوں کا ذکر کیا ہے۔ مگر چوتھا گروہ کہ "دِل میں ایمان اور ظاہر میں کفر ہو" کا ذکر نہیں کیا۔ اسلئے کہ یہ گروہ ہو نہیں سکتا۔ کیونکہ ایمان ایسی چیز نہیں ہے جو دِل میں چھپ سکے۔ سوائے اس کے کہ وقتی طور پر ہو۔ وہ بھی کمزور ایمان والا کریگا۔ اور وہ مجرم ہو گا۔ کما قال اللہ تعالیٰ اِنَّ رَبَّكَ مِنْ بَعْدِهَا لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ۔ (نحل ع ۱۴)

(۴) منافق اور کافر میں بلحاظ کفر کے کوئی فرق نہیں۔ مگر باوجود اسکے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اِنَّ الْمُنَافِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ کہ منافقوں کو سب سے زیادہ سزا ملیگی۔ اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ ان لوگوں نے دِلی عقیدہ کو چھپایا۔ پس جب کفر کے چھپانے پر سزا بڑھ جاتی ہے تو ایمان کے چھپانے پر بدرجہ اولیٰ بڑھ جانی چاہیئے۔

(۵) حضرت علیؓ نے مکہ کی زندگی میں دِل میں اسلام رکھا۔ اور ظاہر میں بھی اسلام رکھا۔ اگر تقیہ جائز ہوتا۔ تو ظاہر میں بت پرستی کرتے۔ کیونکہ وہاں زیادہ خطرہ تھا۔

(۶) حضرت علی کرم اللہ وجہ کو جب مکہ میں کافروں کی طرف سے تکلیف پہنچی۔ تو

انہوں نے اپنے ایمان کو بچانے کے لئے وہاں سے ہجرت کرلی۔ اگر مدینہ میں بھی کسی وقت ان کو ایمان کے بچانے کی ضرورت پڑتی تو وہ ضرور وہاں سے ہجرت کرتے۔ مگر انہوں نے خلافت حضرت عثمان رضؓ تک وہاں سے ہجرت نہ کی۔ اس لئے معلوم ہوا کہ ان کو وہاں ایمان بچانے کی ضرورت نہ پڑی۔ اگر کہو کہ انہوں نے کوفہ میں ہجرت کی تھی۔ تو وہ اپنی خلافت کے زمانہ میں کی تھی۔ جب کہ ڈر نہیں رہا تھا۔

(۷) جبر کی صورت میں ایمان چھپانا جائز ہے یا فرض۔ اگر کہو جائز ہے۔ تو پھر وہ افضل ہے یا کہ اس کا غیر افضل ہے۔ اور اگر فرض ہے تو اسکی عدم تعمیل بقیناً گناہ کا موجب ہوگی۔ اور پھر اگر فرض ہے۔ تو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے یزید کی بیعت کیوں نہیں کی؟ پس معلوم ہوا۔ کہ تقیہ فرض نہیں۔ اور اگر جائز ہے تو وہ اولیٰ ہے یا اس کا غیر اولیٰ ہے۔ قرآن مجید تو اِنَّ رَبَّكَ مِنْ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ کہہ کر جبر کی وجہ سے تقیہ کرنے والوں کو گنہگار قرار دیتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ تقیہ کا غیر اولیٰ ہے۔ اور امام کو بھی سزاوار ہے کہ وہ اولیٰ پہ عامل ہو۔

(۸) حضرت عمار بن یاسر کو اگر تقیہ کی مثال میں پیش کیا جا سکتا ہے تو ان کے ماں باپ کو شیعہ کیا سمجھتے ہیں؟ یقیناً ان کو نیک اور شہید جانتے ہیں۔ پس ایک بات جو کسی کی غلطی ہو۔ اس کو ائمہ کے حق میں تجویز کرنے سے یہ بہتر ہے کہ ائمہ کے حق میں اولیٰ بات تجویز کی جائے۔

(۹) جس طرح اسلام میں کمزوروں کی رعایت کے لئے ڈر کے مارے ایمان

چھپانے کو کفر نہیں قرار دیا ہے۔ اسی طرح کامل مومنوں اور نبیوں کے لئے شجاعت اور بے خوفی کو لازم قرار دیا ہے۔ جیسا کہ لَا یَخَافُوْنَ لَوْمَۃَ لَائِمٍ لَا یَخْشَوْنَ اِلَّا اللّٰہُ وَھُمْ مِنْ خَشْیَتِہٖ مُشْفِقُوْنَ لَا یُخَافُوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰہُ۔ لَا تَخَفْ اِنِّیْ لَا یُخَافُ لَدَیَّ الْمُؤْمِنُوْنَ۔ (انبیاء رکوع ۲)

پس عجیب بات یہ ہے کہ جو بات کمزوروں کے لئے جائز ہے۔ وہ حضرت علی رضؓ میں پائی جائے۔ اور جو بات کامل مومنوں کے لئے لازم تھی۔ وہ آپؓ میں مفقود ہو۔

(۱۰) وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّھُمْ فِی الْاَرْضِ الخ (نور ع ۷) آیت استخلاف جس میں صرف خلفاء کا ذکر ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے خلفاء کی ایک پہچان بتائی ہے کہ وَلَیُبَدِّلَنَّھُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِھِمْ اَمْنًا۔ یعنی ایام خلافت میں خوف کے معاملے بھی پیش آئیں گے۔ مگر وہ دور ہو جائیں گے۔ وَلَیُمَکِّنَنَّ لَھُمْ دِیْنَھُمُ الَّذِی ارْتَضٰی لَھُمْ کہ ان کا دین پوشیدہ نہیں ہوگا۔ اور فرمایا یَعْبُدُوْنَنِیْ لَا یُشْرِکُوْنَ بِیْ شَیْئًا۔ یعنی عبادت میں کسی کو شریک نہیں کریں گے۔

پس اس میں خلفاء کی تین علامتیں بیان فرمائی ہیں:۔

(الف) ان سے خوف کا دور رہنا۔

(ب) ان کا اپنے دین کو ظاہر کرنا۔

(ج) عبادت میں کسی کو شریک نہ کرنا۔

اگر ہم حضرت علی رضؓ کو تقیہ باز سمجھیں۔ اور ان کو پہلا خلیفہ سمجھیں۔ تو ان تینوں میں سے کوئی علامت بھی حضرت علیؓ میں پوری نہیں ہوتی۔ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ میں یہ تینوں پوری ہوئی ہیں۔ اگر تقیہ نہ ہو۔ تو پھر تینوں باتیں حضرت علی رضؓ میں پوری ہوئی ہیں۔

نوٹ:۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ مَنْ کَفَرَ بِاللّٰہِ بَعْدَ اِیْمَانِہٖٓ اِلَّا مَنْ اُکْرِہَ وَقَلْبُہٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِیْمَانِ۔ وَلٰکِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْکُفْرِ صَدْرًا فَعَلَیْہِمْ غَضَبٌ الخ۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مُکرہ کو وہ سزا نہیں ملے گی جو کفر بعد الایمان اور کافر بالشرح صدر کو ملے گی۔ یہ کہاں سے ثابت ہے کہ مُکرہ کلمہ کفر کہے۔ تو جائز ہے۔ اور گناہ نہیں۔ آیت تو کہہ رہی ہے کہ گناہ ہے۔ تبھی اس کا تدارک فرمایا کہ ثُمَّ اِنَّ رَبَّکَ الخ . . . اگر یہ گناہ ہی نہ ہوتا تو تدارک بتلانے کی کیا ضرورت تھی؟ پس تقیہ جائز نہیں۔

مسئلۂ وراثت

یُوْصِیْکُمُ اللّٰہُ فِیْٓ اَوْلَادِکُمْ لِلذَّکَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ (نساء ع ۲)

استدلال شیعہ۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ایک اسلامی قانون پیش کیا ہے کہ ہر شخص کی وارث اس کی اولاد ہے۔ چونکہ تمام احکام قرآنی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسلمانوں کے ساتھ مساوی طور پر شریک ہیں۔ اس لئے اس مسئلہ میں بھی آپؐ کوئی استثناء نہیں۔ بدیں وجہ حضرت ابوبکر رضؓ نے فاطمہ رضؓ کو وراثت سے محروم کر کے ان کی حق تلفی کی۔

جواب - بیشک یہ آیت عام ہے۔ لیکن یہ ضروری نہیں کہ ہر عام میں رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم بھی شریک ہوں۔ جیسا کہ وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ میں باوجودیکہ خطاب عام ہے۔ پھر بھی رسول کریم صلعم کی بیویاں اس سے مستثنے ہیں۔ اسی طرح يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ والی آیت میں آنحضرت صلعم کا استثناء ہوسکتا ہے۔ اگر کوئی کہے کہ اَنْكِحُوا الْاَيَامٰى والی آیت میں اس واسطے استثنا مانتے ہیں کہ اس استثنا کا خود قرآن کریم میں دُوسری جگہ ذکر ہے جہاں فرمایا۔ وَلَا تَنْكِحُوْا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖۤ اَبَدًا۔ (احزاب) لیکن يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ والی آیت کا استثناء قرآن کریم میں کہیں مذکور نہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ضروری نہیں کہ قرآن کریم کی عمومیت میں استثناء ضرور قرآن ہی کے ذریعہ ہو۔ بلکہ حدیث یا تعامل کے ذریعہ سے بھی ہوسکتا ہے۔ جیسا کہ لَا تَقُلْ لَّهُمَاۤ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا۔ (یعنی اپنے والدین کو اُف تک نہ کہو اور نہ ان کو جھڑکو) کے حکم سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم عام ہے۔ مگر اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شامل نہیں اور یہ استثناء قرآن کریم میں کہیں مذکور نہیں۔ بلکہ واقعات سے ثابت ہے کیونکہ آپ کے والدین بچپن ہی میں فوت ہوچکے تھے۔ اسی طرح يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْۤ اَوْلَادِكُمْ والی آیت میں جو استثناء ہے۔ وہ آپکی اسی صحیح حدیث کی بنا پر ہے۔ جو بخاری اور مسلم بلکہ تمام صحاح میں موجود ہے۔ "نَحْنُ مَعَاشِرَ الْاَنْبِيَاءِ لَا نَرِثُ وَلَا نُوْرَثُ" جیسا کہ اوپر بیان ہوچکا ہے۔

حدیث القرطاس

شیعہ اور سنیوں کے درمیان ایک بحث قرطاس کے نام سے مشہور ہے اس کی بنا بخاری کی ایک حدیث پر ہے جو یہ ہے۔ (بخاری جلد ۲ صفحہ ۵۷ باب مرض النبی صلعم ووفاتہ) عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ قَالَ لَمَّا حضَرَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلعم وَفِي الْبَیْتِ رِجَالٌ فَقَالَ النَّبِیُّ صلعم ھَلُمُّوْا اَکْتُبْ لَکُمْ کِتَاباً لَنْ تَضِلُّوْ بَعْدَہٗ فَقَالَ بَعْضُھُمْ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلعم غَلَبَ عَلَیْہِ الْوَجَعُ وَعِنْدَکُمُ الْقُرْاٰنُ حَسْبُنَا کِتَابُ اللّٰہِ فَاخْتَلَفَ اَھْلُ الْبَیْتِ وَاخْتَصَمُوْا فَمِنْھُمْ مَنْ یَقُوْلُ قَرِّبُوْا یَکْتُبْ لَکُمْ کِتَاباً لَا تَضِلُّوْا بَعْدَہٗ وَمِنْھُمْ مَنْ یَقُوْلُ غَیْرَ ذَالِکَ فَلَمَّا کَثُرَ اللَّغْطُ وَالْاِخْتِلَافُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ قُوْمُوْا عَنِّیْ لَا یَنْبَغِیْ عِنْدَ النَّبِیِّ التَّنَازُعُ ۔

ترجمہ :۔ ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ جب حضرتؐ کی وفات قریب ہوئی آپؐ کے گھر میں بہت سے لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ تو آپؐ نے فرمایا کہ آؤ کہ میں تمہیں ایسی تحریر لکھوا دوں جس کے بعد تم ہرگز گمراہ نہ ہوگے۔ بعض لوگوں نے کہا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بیماری کا سخت غلبہ ہے۔ اور تمہارے پاس قرآن موجود ہے۔ جو اللہ کی کتاب ہے۔ اور ہمیں کافی ہے۔ اس پر حاضرین میں اختلاف پیدا ہوگیا۔ اور وہ آپس میں جھگڑنے لگے۔ کوئی کہتا تھا۔ قلم دوات۔ کاغذ لاؤ۔ تاکہ آپؐ وہ

بات لکھوا دیں۔ جس کے بعد تم کبھی گمراہ نہ ہو۔ اور بعض اس کے خلاف کہتے تھے۔ پس جب شور و شغب زیادہ ہوا۔ تو آپؐ نے فرمایا۔ کہ میرے پاس سے چلے جاؤ۔ نبی کے پاس باہم جھگڑنا نہیں چاہیئے۔

(۱) اس کے متعلق ایک بات یہ یاد رکھنی چاہیئے کہ یہ روایت حضرت ابن عباسؓ کی ہے جو عمر کے لحاظ سے صرف گیارہ برس کے تھے۔ اور بالغ نہیں تھے۔ اس لیئے بہت امکان ہے کہ واقعات میں اس قدر انضباط نہ ہو جتنا کہ ایک عاقل بالغ کی روایت میں ہو سکتا ہے۔

(۲) دوسری بات یہ کہ مخاطب حکم رسولؐ کا کوئی خاص شخص نہیں ہے اس واسطے حضرت علی کرم اللہ وجہ اور حضرت عمرؓ قلم دوات نہ لانے کے ایک جیسے مجرم ہیں۔ بلکہ اگر غور کیا جاوے تو وہ گروہ جو قلم دوات لانے کا حامی تھا۔ وہ بیشک مجرم ہیں کہ باوجود یہ سمجھنے کے کہ حضرتؐ حقیقتاً حکم دیتے ہیں۔ پھر انہوں نے قلم دوات لاکر تعمیل نہ کی۔

(۳) تیسری بات یہ ہے کہ نبی کریمؐ نے فرمایا کہ:۔ قُومُوْا عَنِّیْ لَا یَنْبَغِیْ عِنْدَ النَّبِیِّ التَّنَازُعُ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قلم دوات نہ لانا آنحضرتؐ کے نزدیک کوئی بری بات نہیں۔ بلکہ آپؐ کو یہ بات بُری لگی کہ یہ لوگ آپس میں میرے سامنے جھگڑتے ہیں۔

(۴) اگر رسول مقبولؐ واقعہ میں کچھ لکھوانا چاہتے تھے۔ تو کیوں نہیں آپؐ نے باوجود چار دن زندہ رہنے کے لکھوائی۔ اگر لکھوانے کا موقع نہیں ملا اور وہ بات نہایت ضروری تھی تو کم از کم زبانی طور پر آپؐ لوگوں کو وہ

بات بتا دیتے۔

(۵) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔ یَا اَیُّھَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَا اُنْزِلَ اِلَیْکَ وَ اِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَہٗ۔

یعنی کوئی ایک پیغام نہ پہنچانا بھی رسالت کے منافی ہے۔ پس اگر وہ قرطاس والی حدیث الٰہی منشاء کے ماتحت تھی۔ اور حضرتؐ اس کو پہلے نہیں پہنچا چکے تھے۔ تو اب آپ کا فرض تھا کہ آپ باوجود حضرت عمرؓ کے روکنے کے لکھوا دیتے۔ یا کم از کم زبانی یہ پیغام پہنچا دیتے۔ اگر کہو کہ حضرت عمرؓ کا ڈر تھا۔ تو قرآن مجید فرماتا ہے۔ وَاللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ۔ یعنی پیغام الٰہی کے پہنچانے میں تجھے کوئی ضرر نہیں پہنچا سکتا۔

(۶) قرطاس میں ایسی بات حضرتؐ نے لکھوانی تھی جس سے مسلمان گمراہی سے بچیں۔ تو اگر کسی جگہ قرآن میں لکھا ہے کہ قرآن مجید ہی ایسی کتاب ہے جس سے لوگ گمراہی سے بچ سکتے ہیں۔ تو ماننا پڑیگا کہ اس قرطاس میں حضرتؐ نے قرآن کریم ہی کیطرف لوگوں کو متوجہ کرنا تھا۔ تبھی حضرت عمرؓ نے کہا۔ حَسْبُنَا کِتَابُ اللّٰہِ۔ اور قرآن میں ہے کہ یُبَیِّنُ اللّٰہُ لَکُمْ اَنْ تَضِلُّوْا۔ کہ قرآن کریم کے ذریعہ سے لوگ گمراہی سے بچ سکتے ہیں۔

(۷) آنحضرتؐ اپنی وفات سے دو ماہ پیشتر حجۃ الوداع سے واپس آتے ہوئے خم غدیر کے مقام پر تمام مسلمانوں کو جمع کر کے فرماتے ہیں۔ اِنِّیْ تَارِکٌ فِیْکُمُ الثَّقَلَیْنِ کِتَابَ اللّٰہِ وَ عِتْرَتِیْ۔

یعنی میں تم میں وفات پاکر دو چیزیں چھوڑ جاؤنگا۔ ایک قرآن مجید اور

دُوسرے اپنے حقیقی منبع (خلفاء) اس سے معلوم ہُوا کہ رسول مقبول اپنی وفات کے بعد اگر کسی تحریر کے پکڑنے کا حکم دیتے ہیں تو وہ کتاب اللہ ہے۔

(۸) یہ عجیب بات ہے کہ کلام اللہ جو تیئیس سال تک نازل ہوتا رہا ہے جس میں اختتام پر یہ کہدیا۔ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ الخ اس سے تو گمراہی کا سدّ باب نہ ہُوا۔ مگر آپؐ کی تحریر سے گمراہی ہمیشہ کیلئے بند ہو جاتی۔

(۹) ہم تسلیم کر لیتے ہیں کہ رسُول مقبولؐ حضرت علی رضؓ کو خلیفہ بنانے لگے تھے مگر اس میں لَنْ تَضِلُّوْا کی نفی غلط ٹھہرتی ہے۔ کیونکہ سُنّی لوگ حضرت علی رضؓ کو خلیفہ اوّل نہیں سمجھتے۔ مگر شیعہ سمجھتے ہیں۔ باوجود اِس کے خود شیعوں کے آپس میں بیسیوں فرقے ہیں۔ مثلاً آغا خانی۔ بوہرے۔ زیدی۔ علی اللاھی نصیری اسمٰعیلی وغیرہ۔

(۱۰) اگر حضرت عمر رضؓ کا قلم دوات نہ لانا اس لئے کفر و فسق ہے کہ آپ کے حکم کی تعمیل نہ کی۔ تو حضرت علی رضؓ نے علاوہ اس حکم کی عدم تعمیل کے حدیبیہ کے موقع پر بھی ایک حکم کی قولاً و فعلاً عدم تعمیل کی ہے۔ جہاں انہوں نے قسم کھا کر کہا کہ میں ہرگز آپؐ کا نام نہیں مٹاؤنگا۔ باوجودیکہ رسُول اللہ نے حکم دیا تھا کہ "اُمْحُ اِسْمِیْ" مگر حضرت علی رضؓ نے کہا۔ وَاللّٰہِ لَا اَمْحُوْکَ اَبَدًا حَتّٰی مَحَاہُ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کہ خدا کی قسم میں آپؐ کا نام کبھی نہیں مٹاؤنگا۔ یہاں تک کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم نے اسے مٹا دیا۔

تردیدِ متعہ

جب رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مبعوث ہوئے۔ تو عرب میں
آٹھ دس قسم کے نکاح رائج تھے۔ جن میں سے ایک متعہ یعنی میعادی نکاح
بھی تھا۔ جس طرح باوجود اپنے نقائص کے شراب ایک مُدّت تک
حرام نہیں ہوئی۔ اسی طرح متعہ بھی جنگ خیبر تک حرام نہیں ہُوا حضرت
علی کرم اللہ وجہہٗ کی روایت بخاری میں پائی جاتی ہے کہ رسول کریم
صلعم نے اعلان کیا کہ متعہ حرام کر دیا گیا ہے۔ پھر جنگ اوطاس پر
جو فتح مکہ کے دنوں میں ہوئی تھی۔ رسُول مقبول صلعم نے متعہ کی اجازت
تین دن کیلئے دی تھی۔ اسکے بعد ابد تک کے لئے حرام ہو گیا۔ اس لئے
پہلی حرمت کے قبل کے واقعات یا تین دن کے واقعات حجت نہیں ہو سکتے
ورنہ شراب پینا بھی اس دلیل سے جائز ہو جائیگا۔ اگر کوئی شخص یہ کہے
کہ ابن عباس رضؓ یا ابن مسعود رضؓ یا بعض اور اصحاب اخیر تک حلت متعہ
کے قائل تھے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ صحابہ رضؓ کے دو گروہ ہیں۔ ایک
حرمت کا قائل اور ایک حلت کا قائل۔ چونکہ حرمت کا قائل گروہ بغیر حضرتؐ
سے حرمت کے سننے کے ایک حلت کو حرمت میں تبدیل نہیں کر سکتا۔ اور
حلت کا قائل گروہ حرمت کے فتویٰ کے نہ پہنچنے کی وجہ سے حلت کا
اظہار کر سکتا ہے۔ اس لئے حرمت کے گروہ کو حلت کے گروہ پر ترجیح
دیجاویگی۔ اور وہ احادیث جن میں لکھا ہے کہ حضرتؐ کے عہد میں متعہ

تھا۔ مگر ایک شخص نے اپنی رائے سے جو چاہا کر دیا۔ وہاں متعۃ الحج مُراد ہے۔ نہ کہ متعۃ النساء۔

اور حضرت عمرؓ کا یہ کہنا کہ مُتعَتَانِ کَانَتَا عَلیٰ عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰہ صلعم فَاَنَا اُحَرِّمُهُمَا۔ یہاں پر حرام سے مُراد اعلان اور اظہار حرمت ہے۔ جیساکہ حدیث اَنَا اُحَرِّمُ الْمَدِیْنَةَ کَمَا حَرَّمَ اِبْرَاهِیْمُ مَکَّةَ میں ہے۔ یعنی متعۃ الحج اور متعۃ النساء کو جو حضرتؐ کے زمانے میں ایک وقت تک ہوتے تھے مگر بعد میں وہ حرام ہو گئے۔ اور کئی لوگوں کو اس کی حرمت معلوم نہ ہوئی۔ اس لئے میں لوگوں پر ان دونوں کی حرمت ظاہر کرتا ہوں۔ اور وہ احادیث جن میں جنگ اوطاس کے تین دن کے متعہ کا ذکر ہے۔ شیعوں کی کتب میں اس کے پہلے ٹکڑے دئیے گئے ہیں۔ حالانکہ پُوری حدیثیں یُوں ہیں۔ کہ تین دن کے بعد متعہ حرام قرار دیا گیا ہے۔ فَهُوَ الْحَرَامُ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَةِ۔ اور یہ کہنا کہ اہل بیعت کا اتفاق ہے کہ متعہ حلال ہے صحیح نہیں۔ کیونکہ بارہ اماموں میں سے پہلے امام یعنی حضرت علی کرم اللّٰہ وجہہ کی حدیث بخاری شریف میں موجود ہے کہ متعہ حرام ہے۔ نیز حدیث میں ہے کہ خود آنحضرت صلی اللّٰہ علیہ وسلم نے خدا تعالےٰ کے خاص حکم سے متعہ کو حرام کر دیا۔ ملاحظہ ہو:۔

اِنِّیْ کُنْتُ اَحْلَلْتُ لَکُمُ الْمُتْعَةَ وَاِنَّ جِبْرِیْلَ اَتَانِیْ فَاَخْبَرَنِیْ اَنَّهَا حَرَامٌ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَةِ (فردوس الاخبار دیلمی صفحہ ۱۳ سطر ۳)

کہ آنحضرت صلی علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے تمہارے لیئے متعہ حلال کیا تھا۔ مگر جبرائیل ؑ میرے پاس آیا اور اس نے مجھے اطلاع دی کہ متعہ قیامت تک حرام ہے۔"

(نوٹ:۔ دیلمی کے صفحہ اور سطر کا حوالہ "فردوس الاخبار" کے اس نسخہ کیمطابق ہے۔ جو کتب خانہ آصفیہ حیدر آباد دکن میں موجود ہے۔ خادمؔ

پس حضرت عمرؓ پر کوئی الزام نہیں۔ انہوں نے جو کچھ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فتویٰ اور حکم کے مطابق کیا۔ اور یہ کہنا کہ اگر متعہ کا رواج ہو جاوے تو زنا مفقود ہو جاویگا۔ ایسی ہی بات ہے۔ جیسے کوئی کہے کہ اگر شریعت نہ اتاری جاتی تو کوئی شخص گنہگار نہ ہوتا۔

اب ہم قرآن مجید سے پہلے وہ مقام دیکھتے ہیں جہاں سے شیعہ لوگ متعہ نکالتے ہیں۔ اور وہ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً ۔ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا تَرَاضَيْتُمْ بِهٖ مِنْۢ بَعْدِ الْفَرِيْضَةِ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا کے الفاظ ہیں۔ لیکن اگر اس آیت کے ماقبل اور مابعد میں تدبر کیا جاوے تو یہ آیت متعہ کی تائید میں نہیں۔ بلکہ متعہ کے برخلاف ہے۔ اِس رکوع میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ الخ۔ یعنی ماؤں اور ان تمام عورتوں سے ہمبستر ہونا جن کا ماؤں کے بعد ذکر ہے حرام ہے۔ یعنی ان سے مجامعت حرام ہے۔ آگے فرمایا۔ وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ یعنی ان عورتوں کے سوا باقی تمام عورتوں سے مجامعت کرنا جائز ہے

مگر مجامعت کے لئے کچھ شرائط ہیں۔ پہلے وہ پوری کرو۔ پھر مجامعت کرو۔ یعنی (۱) اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِکُمْ۔ یعنی مہر مقرر کرو۔ (۲) مُحْصِنِیْنَ۔ اس عورت کو قید میں لانے والے ہوں۔ یعنی ایسا معاہدہ کریں کہ عورت پھر مرد سے چھوٹ نہ سکے۔ (۳) غَیْرَ مُسَافِحِیْنَ الخ۔ یعنی غرض اس معاہدہ کی شہوت فرو کرنا نہ ہو۔ اب ان تین شرطوں کے بعد جب مرد ہمبستر ہو جاوے۔ تو وہ جو پہلی شرط ہے یعنی مال مقرر کرنا۔ اب اُس کی پوری ادائیگی ضرور ہوگی۔ اسلئے فرمایا۔ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِہٖ مِنْھُنَّ الخ۔ یعنی چونکہ تم نے ان سے فائدہ اُٹھایا۔ اسلئے ان کے مہر ادا کرو۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ کسی عورت سے ہمبستر ہونے کے لئے تین شرطوں کا پورا کرنا ضروری ہے۔ چونکہ متعہ میں دُوسری شرط یعنی عورت کا قید ہو جانا مفقود ہے۔ اسلئے معلوم ہوا کہ متعہ کے ذریعہ ہمبستر ہونا حرام ہے آگے وَمَنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ مِنْکُمْ طَوْلًا اَنْ یَّنْکِحَ الْمُحْصَنٰتِ الخ اس کے بعد فرمایا ذٰالِکَ لِمَنْ خَشِیَ الْعَنَتَ مِنْکُمْ یعنی لونڈی کو بیوی بنانا زنا سے بچنے کے لئے ہم نے جائز قرار دیا۔ ورنہ وَاَنْ تَصْبِرُوْا خَیْرٌ لَّکُمْ۔ اس سے معلوم ہوا کہ نکاح کے مشکلات کا حل متعہ نہیں ہے۔ بلکہ لونڈیوں کو بیوی بنانا ہے۔ اب ہم غور کرتے ہیں کہ آیا میعادی نکاح عقلاً قابلِ عملدرآمد ہے یا کہ نہیں۔ غور کے بعد ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس میں بہت سے نقائص ہیں اور وہ یہ ہیں۔

(۱) جو وفاداری خدا تعالیٰ نے عورت اور مرد کی طبیعت میں پیدا

کی ہے۔ وہ اس فعل سے مفقود ہو جائے گی۔

(۲) شریعت کہتی ہے کہ اَبْغَضُ الْحَلَالِ عِنْدَ اللّٰہِ الطَّلَاقُ یعنی کہ طلاق اپنے موقعہ پر جائز ہے۔ مگر یہ سخت تکلیف دہ واقعہ ہے۔ اس سے معلوم ہوا۔ کہ شریعت مرد و عورت کے تعلق کے بعد جُدائیگی کو ناپسند کرتی ہے۔ حالانکہ متعہ میں پہلے ہی سے جدائیگی کی شرط کر لی جاتی ہے۔ پس معلوم ہوا کہ متعہ عقلاً جائز نہیں ہے۔

(۳) تیسرا نقص یہ ہے کہ قرآن کریم نے عدت کی صرف دو صورتیں کی ہیں مطلّقہ کی اور متوفی عنہا زوجہا کی تیسری کوئی عدّت اللہ تعالٰے نے قرآن مجید میں بیان نہیں فرمائی۔ اس سے معلوم ہوا کہ متعہ والی جُدائیگی کی کوئی صورت ہی نہیں ہے۔ اور جب کوئی صورت نہ ہوئی۔ تو یہی متعہ کے ناجائز ہونے کی دلیل ہے۔

(۴) متعہ میں اختلاط نسل کا ڈر ہے۔

(۵) ایک شخص ایک عورت سے سفر میں تین دن کے لئے متعہ کرتا ہے۔ اور تین دن کے بعد اپنے ملک میں واپس چلا جاتا ہے۔ بہت ممکن ہے کہ وہ عورت حاملہ ہو گئی ہو۔ ایسی صورت میں اولاد کے ضائع ہونے کا ڈر ہے

(۶) جو دلیل نیوگ کے خلاف پیش کی جاتی ہے کہ اگر یہ فطرت صحیحہ کے مطابق ہوتا تو اس کا اعلان ہوتا۔ کیونکہ ہر شخص یہ کہتا ہے کہ میں نکاح کے نتیجہ میں ہوں۔ یہی دلیل بعینہٖ متعہ کے خلاف پیش کی جا سکتی ہے۔ کہ اس ملک میں لاکھوں شیعہ ہیں مگر کوئی یہ نہیں کہتا کہ میں متعہ کے نتیجہ میں ہوں۔ اور

نہ یہ کبھی کسی سے سُنا ہے۔ کہ مَیں اپنی لڑکی کا متعہ کرانا چاہتا ہوں۔ پس معلوم ہُوا کہ متعہ فطرت صحیحہ کے خلاف ہے۔

(۷) آنحضرت صلعم نے گیارہ نکاح کئے۔ دوست اور دشمن آپکی بیویوں کے نام جانتے ہیں۔ مگر کوئی عورت ایسی نہیں۔ جس سے آپ نے متعہ کیا ہو۔ باوجودیکہ آپکو تعدد ازدواج کی دوسرے مسلمانوں سے زیادہ ضرورت تھی۔ پس آپؐ کا متعہ نہ کرنا اس امر کی دلیل ہے کہ متعہ مستحسن امر نہیں۔

(۸) تاریخ سے ثابت ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہٗ نے متعدد نکاح کئے ہیں۔ مگر کسی معتبر کتاب سے ثابت نہیں کہ آپنے کوئی متعہ کیا ہے۔ اگر کیا ہے تو عورت کا نام متعہ اور مہر وغیرہ پوری کیفیت کے ساتھ بیان کیجئے؟

(۹) ہمارے نزدیک ائمہ اثنی عشرہ میں سے کسی نے متعہ نہیں کیا اور ہم کسی مشتبہ مبہم یا عمومی روایت کے قائل نہیں۔ ہم اُسوقت ائمہ کے متعہ کو تسلیم کرینگے جبکہ شیعہ بالیقین کسی امام یا امام کی اولاد کو متعہ کی اولاد قرار دینگے۔

(۱۰) جو ماحصل زنا کا ہے۔ اور جو نقائص زنا میں ہیں۔ وہی متعہ کی صورت میں پیدا ہوتے ہیں۔ شیعہ جو نقص زنا میں نکالینگے۔ اگر غور کیا جائے تو وہی نقص متعہ میں بھی پایا جاویگا۔ پس بحث مباحثہ میں شیعوں سے نقائص زنا پوچھنے چاہئیں۔ پھر جب چھان بین کی جاوے تو لازماً وہی نقائص متعہ میں بھی ثابت ہونگے۔

(۱۱) ممتوعہ کی کوئی عدت شریعت میں نہیں۔ لہذا اختلاط النسل کا خطرہ ہے۔ عدت خاوند کے طلاق دینے یا مرجانے کیوجہ سے ہوتی ہے۔ مگر متعہ میں نہ خاوند مرتا ہے اور نہ وہ طلاق ہی دیتا ہے۔ اسلئے اسکی کوئی شرعی عدت نہیں۔ اور جب عدت نہیں۔ تو معلوم ہوا کہ متعہ جائز نکاحوں میں سے کوئی نکاح نہیں۔

قاتلین حضرت امام حسین رضؓ کون تھے؟

اہلِ کوفہ پکے شیعہ تھے۔

۱۔ "وبالجملہ تشیع اہلِ کوفہ حاجت باقامتِ دلیل ندارد۔ وسُنّی بودن کوفیُ الاصل خلافِ اصل محتاج بدلیل است۔" (مجالس المومنین مجلس اول ص۲۵ مطبوعہ ایران)

یعنی اہلِ کوفہ کا شیعہ ہونا محتاجِ دلیل نہیں۔ اور ایک ثابت شدہ حقیقت ہے ہاں کسی کوفی الاصل کو سُنّی قرار دینے کے لئے دلیل کی ضرورت ہے۔

۲۔ مجالس المومنین میں حضرت امام جعفر صادق سے روایت ہے:۔

اَلَا اِنَّ لِلّٰہِ حَرَمًا وَھُوَ مَکَّۃُ وَاَلَا اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ حَرَمًا وَھُوَ الْمَدِیْنَۃُ وَاَلَا اِنَّ لِاَمِیْرِ الْمُؤْمِنِیْنَ حَرَمًا وَھُوَ الْکُوْفَۃُ۔ (مجالس المومنین مجلس اوّل ص۳۶)

۳۔ کوفہ وہ زمین ہے جس نے حضرت علی رضؓ کی محبت ابتدائے آفرینش سے قبول کی تھی۔ (جلاء العیون ب۳ فصل ۲ ص۲۲۷)

۴۔ اہلِ کوفہ سلیمان بن خرد خزاعی کے گھر جمع ہوئے۔ تو ان کو مخاطب کر کے سلیمان بن خرد نے کہا:۔ "اَنْتُمْ شِیْعَتُہٗ وَشِیْعَۃُ اَبِیْہِ۔" (ناسخ التواریخ جلد ۶ کتاب دوم ص۱۳)

کہ اے اہلِ کوفہ تم امام حسین رضؓ اور ان کے باپ حضرت علی رضؓ کے شیعہ ہو۔

اہلِ کوفہ کا خط حضرت امام حسین رضؓ کے نام

جب حضرت امام حسین رضؓ نے یزید کی بیعت سے انکار کیا۔ تو پہلے مکہ کی طرف

ہجرت کرنے کا ارادہ فرمایا۔ (جلاء العیون مترجم اردو مطبوعہ لکھنؤ ص ۴۲۶)۔

مگر شیعان اہل کوفہ کی طرف سے مندرجہ ذیل عریضہ حضرت امام کو پہنچا۔

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یہ عریضہ شیعوں اور فدیوں اور مخلصوں کی طرف سے بخدمت امام حسین بن علی ابی طالب ہے۔

اما بعد:۔ بہت جلد آپ اپنے دوستوں، ہوا خواہوں کے پاس تشریف لائیے کہ جمیع مردمانِ ولایت منتظر قدوم میمنت لزوم ہیں۔ اور بغیر آپ کے دوسرے شخص کی طرف لوگوں کو رغبت نہیں ہے۔ البتہ بہ تعجیل تمام ہم مشتاقوں کے پاس تشریف لے آئیے۔" (جلاء العیون مترجم صفحہ ۴۳۱)۔

اہل کوفہ کی طرف سے دعوت کے بارہ ہزار خطوط امام حسین رض کو ملے تھے۔

(ناسخ التواریخ جلد ۶ کتاب ۲ صفحہ ۱۳۱)

حضرت امام حسین رض کا جواب "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم - یہ خط حسین بن علی رض کا مومنوں، مسلمانوں، شیعوں کی طرف ہے۔ اما بعد بہت سے قاصدوں اور خطوط بیشمار کے جو تم نے مجھے لکھے۔ ہانی و سعید بھی ایک خط تمہارا لائے۔ میں تمہارے سب خطوط کے مضامین سے مطلع ہوا۔ واضح ہو کہ میں بالفعل تمہارے پاس اپنے برادر پسرِ عم و محل اعتماد مسلم بن عقیل کو بھیجتا ہوں۔ اگر مسلم مجھے لکھیں کہ جو کچھ تم نے مجھے خطوط میں لکھا ہے۔ بمشورہ عقلاء و دانایان و اشراف و بزرگانِ قوم لکھا ہے۔ اسوقت میں انشاء اللہ بہت جلد تمہارے پاس چلا آؤنگا۔" (جلاء العیون ص ۴۳۱ و ناسخ التواریخ جلد ۶ کتاب دوم ص ۱۳۱)۔

امام مسلم کا کوفہ پہنچنا امام مسلم کی اہلِ کوفہ میں سے اسی ہزار آدمیوں نے

بیعت کی۔ (بروایت ابو مخنف۔ دیکھو ناسخ التواریخ جلد ۶ کتاب دوم صہ ۱۳۲)

"بروایت ابو مخنف ہشتاد ہزار کس با مسلم بیعت کرد"

امام مسلم کی شہادت اور وصیّت

شیعانِ اہلِ کوفہ نے امام مسلم کے ساتھ کس طرح غداری کر کے ان کو اور ان کے دونوں بچوں کو شہید کیا۔ بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ امام مسلم نے بوقت شہادت عمر بن سعد کو مخاطب کر کے مندرجہ ذیل وصیّت کی:۔

"میری وصیّت اوّل یہ ہے کہ اس شہر میں سات سو درہم کا قرضدار ہوں۔ لازم ہے کہ میری شمشیر و زرہ فروخت کر کے میرا قرض ادا کر دینا دوسری وصیّت یہ ہے کہ جب مجھے قتل کریں۔ ابن زیاد سے اجازت لے کر مجھے دفن کر دینا۔ تیسری وصیّت یہ ہے کہ امام حسین کو اس مضمون کا خط لکھیں کہ کوفیوں نے مجھ سے بیوفائی کی۔ اور آپ کے پسر عم کی نصرت و یاوری نہ کی۔ ان کے وعدوں پر اعتماد نہیں ہے۔ آپ اس طرف نہ آئیں" (جلاء العیون جلد ۲ صفحہ ۲۴۴ و ۲۴۳)

ناسخ التواریخ میں ہے:۔

"وَالثَّالِثَةُ اَنْ تَكْتُبُوْا اِلٰى سَيِّدِ الْحُسَيْنِ اَنْ يَّرْجِعَ عَنْكُمْ فَقَدْ بَلَغَنِيْ اِنَّهٗ خَرَجَ بِنِسَائِهٖ وَاَوْلَادِهٖ فَيُصِيْبُهٗ مَا اَصَابَنِيْ ثُمَّ يَقُوْلُ لَكَ اِرْجِعْ فِدَاكَ اَبِيْ وَاُمِّيْ بِاَهْلِبَيْتِكَ فَلَا يَغُرُّكَ اَهْلُ الْكُوْفَةِ فَاِنَّهُمْ اَصْحَابُ اَبِيْكَ الَّذِيْ تَمَنّٰى فِرَاقُهُمْ بِالْمَوْتِ" (جلد ۶ کتاب دوم صہ ۱۳۲)

کہ میری تیسری وصیت یہ ہے کہ تم میرے آقا حضرت امام حسین رضؓ کو لکھنا کہ وہ تمہارے پاس نہ آئیں۔ کیونکہ میں نے سنا ہے کہ وہ مع عورتوں اور بچوں کے تشریف لا رہے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ ان کو بھی وہی۔۔ مصیبت پہنچے۔ جو مجھے پہنچی ہے۔ پھر انہیں لکھنا کہ مسلم کہتا ہے کہ اے امام مین! (میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں) اپنے اہل بیعت سمیت واپس لوٹ جائیے اور اہل کوفہ کے وعدے آپ کو دھوکہ میں نہ ڈالیں۔ کیونکہ وہ آپ کے والد (حضرت علی رضؓ) کے وہی صحابی ہیں۔ جن سے جدائی کے لئے آپ کے باپ نے موت کی خواہش کی تھی۔

امام حسین رضؓ کی روانگی جانب کوفہ لیکن حضرت امام حسین رضؓ کوفہ کی طرف بڑھتے چلے آرہے تھے۔ اُن کو امام مسلم کی شہادت کی خبر مقام ثعلبیہ پر پہنچی۔ منزل زبالہ پر اپنے قاصد عبداللہ بن یقطر کی شہادت کی خبر بھی آپکو ملی۔ اسپر آپنے اپنے تمام اصحاب کو جمع کر کے فرمایا" خبر پہنچی ہے کہ مسلم بن عقیل اور ہانی بن عروہ اور عبداللہ بن یقطر کو شہید کیا گیا ہے۔ اور ہمارے شیعوں نے ہماری نصرت سے ہاتھ اُٹھالیا ہے جسے منظور ہو۔ مجھ سے جدا ہو جائے۔ کوئی حرج نہیں ہے۔ بس ایک گروہ جو بطمع مال و غنیمت و راحت و عزت دنیا حضرت کے رفیق ہوئے تھے۔ ان اخبار کے استماع سے متفرق ہو گئے۔ اور اہل بیعت و خویشان آنحضرت اور ایک جماعت کہ از روئے ایمان و یقین رفیق حضرت تھے۔ باقی رہ گئے" (جلاء العیون مترجم صفحہ ۴۵۲)

خلاصۃ المصائب میں ہے:۔

"بَلَغَنِیْ خَبَرُ قَتْلِ مُسْلِمٍ وَعَبْدِ اللہِ بْنِ یَقْطَرٍ وَ قَدْ خَذَلَنَا شِیْعَتُنَا۔" (خلاصۃ المصائب مطبوعہ نولکشور روایت ہفتم ص۵۶)

کہ مجھے مسلم اور عبداللہ بن یقطر کی شہادت کی خبر پہنچی ہے۔ اور ہم کو ہمارے شیعوں نے ہی ذلیل و بیکس کیا ہے۔

نوٹ:۔ اِس عبارت میں "قَدْ خَذَلَنَا شِیْعَتُنَا" کے الفاظ خاص طور پر یاد رکھنے کے قابل ہیں۔ کیونکہ حضرت امام حسین علیہ السلام نے اپنی زبان سے فرمایا ہے کہ ہماری اِن تمام مصیبتوں کا موجب ہمارے شیعوں کے سوا اور کوئی نہیں۔

حضرت امام حسینؓ کا خط اہلِ کوفہ کے نام

امام مسلم بن عقیل اور عبداللہ بن یقطر کی شہادت کی اطلاع ملنے سے قبل حضرت امام حسین علیہ السلام نے مندرجہ ذیل خط اہلِ کوفہ کو لکھا:۔

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یہ خط حسینؓ ابن علیؓ کی طرف سے برادران مومن مسلم کو ہے۔ تم پر سلام الٰہی ہو۔ اما بعد بدرستیکہ خط مسلم بن عقیل کا میرے پاس پہنچا۔ اس خط میں لکھا تھا کہ تم لوگوں نے میری نصرت اور دشمنوں سے میرا حق طلب کرنے پر اتفاق کیا ہے۔ میں خدا سے سوال کرتا ہوں کہ اپنا احسان مجھ پر تمام کرے اور تم کو تمہارے حُسنِ نیّت و کردار پر بہترین جزائے ابرار عطا فرمائے۔ بدرستیکہ میں آٹھویں ماہ ذی الحجہ روز سہ شنبہ کو مکّہ سے باہر آیا۔ اور تمہاری جانب آتا ہوں۔ جب میرا قاصد

تم تک پہنچے۔ تم پہ لازم ہے کہ کمر متابعت مضبوط باندھو۔ اور اسباب کارزار آمادہ رکھو۔ اور میری نصرت کے لئے مہیا رہو کہ میں اب بہت جلد آپ تک پہنچتا ہوں۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ" (جلاء العیون صہ ۴۴۹)

نوٹ :- اس خط سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں :-

۱- بقول شیعیان امام حسینؓ کی روانگی بجانب کوفہ لڑائی اور کارزار کے لئے تھی نہ کہ پُرامن رہنے کی نیت سے۔

۲- امام حسینؓ علیہ السلام کو علم غیب نہ تھا۔ نہ انہیں امام مسلم بن عقیل کی شہادت کا علم ہو سکا۔ اور نہ اہل کوفہ کی غداری کا علم ان کو ہوا۔ حالانکہ اس خط کی تحریر سے قبل امام مسلم بن عقیل اُنہی کوفیوں کے ہاتھوں شہید ہو چکے تھے۔

نزولِ کربلا اور اس کے بعد جب حضرت امام حسین علیہ السلام میدان کربلا میں اُترے تو ابن زیاد نے (جو یزید کی فوج کا سپہ سالار تھا۔) مندرجہ ذیل مکتوب حضرت امام حسینؓ کو لکھا :-

"میں نے سنا ہے کہ آپ کربلا میں اُترے۔ یزید بن معاویہ نے مجھے لکھا ہے کہ آپ کو مہلت نہ دُوں یا آپ کی بیعت لُوں۔ اور اگر انکار کیجئے تو یزید کے پاس بھیج دوں" (جلاء العیون صہ ۴۵۶)

نوٹ :- اس خط سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن زیاد کو یزید کی طرف سے حضرت امام حسین علیہ السلام کو شہید کرنے کی ہدایت یا اجازت نہ تھی۔ اس خط کو امام حسین علیہ السلام نے پھاڑ دیا۔ بعد ازاں جب قرۃ

بن قیس کوئی آپ سے ملنے کے لئے آیا۔ تو آپ نے فرمایا:-

"تمہارے شہر کے لوگوں نے نامہ ہائے بیشمار مجھے لکھے۔ اور بہت مبالغہ اور اصرار کر کے بُلایا۔ اگر میرا آنا اب منظور نہیں ہے تو مجھے واپس جانے دو" (ناسخ التواریخ صفحہ ۱۷۵)

فرشتے لیٹ ہو گئے حضرت امام حسینؓ کی تکلیف اور بے بسی کو دیکھ کر ملائکہ نے خدا تعالیٰ سے بصد اصرار عرض کیا کہ حضرت امام حسین رضؓ کی مدد کرنے کی اجازت دیجائے۔ بالآخر اللہ تعالیٰ نے اجازت دی لیکن جب فرشتے زمین پر جا پہنچے۔ اُس وقت حضرت امام حسین رضؓ شہید ہو چکے تھے" (جلاء العیون باب پنجم فصل ۱۵ صفحہ ۴۹۸ وصفحہ ۵۴۰)

ع
ہم نے مانا کہ تغافل نہ کرو گے لیکن
خاک ہو جائیں گے ہم تم کو خبر ہونے تک

پانی کا معجزہ ذاکرین عام طور پر کربلا میں پانی کا بند کیا جانا کئی کئی دن تک امام حسینؓ اور ان کے مصاحبین کی تشنگی اور اس کے ساتھ بیسیوں متعلقہ روایات بیان کر کے عوام کو رُلایا کرتے ہیں۔ لیکن مندرجہ ذیل روایت ان سب روایات کی حقیقت کو آشکارا کرنے کے لئے کافی ہے۔ جلاء العیون صفحہ ۴۵۹ پر ہے کہ امام حسین رضؓ نے ایک بیلچہ اپنے ہاتھ میں لیا اور پشتِ خیمہ حرم محترم سے سمتِ قبلہ ۹ قدم کے فاصلہ پر جا کر بیلچہ کو زمین پر مارا کہ بہ اعجاز آنحضرت چشمۂ آبِ شیریں ظاہر ہوا۔ اور امام حسین رضؓ نے معہ اصحاب وہ پانی نوش کیا اور

مشکیں وغیرہ بھرلیں۔ پس وہ چشمہ غائب ہوگیا۔ اور پھر اس کا اثر بھی کسی نے نہ دیکھا۔" (جلاء العیون مترجم صفحہ ۴۵۹)

پس ایسے اعجازی بیلچے کی موجودگی میں حضرت امام رضؓ کی تشنگی کی روایات گھڑ گھڑ کر بیان کرنا مضحکہ خیز ہے۔

کیا یزید حضرت امام حسین رضؓ کو شہید کرنا چاہتا تھا؟ اس سوال کا جواب مندرجہ ذیل روایات اہل شیعہ سے نفی میں ملتا ہے:۔

(۱) جلاء العیون ص۴۵۶ کی روایت جو "نزول کربلا اور اس کے بعد" کے عنوان کے نیچے اوپر درج ہو چکی ہے۔ (صفحہ ۳۰۹)

(۲) ناسخ التواریخ صفحہ ۲۶۹ پر درج ہے کہ یزید کو تین شخصوں نے باری باری حضرت امام حسین رضؓ کی شہادت کی اطلاع دی۔ اور ان تینوں کو یزید نے زجر و توبیخ اور تنبیہ کی۔ وہ اشخاص زجر بن قیس۔ محضر بن ثعلبہ اور شمر ذی الجوشن تھے۔

زجر بن قیس نے جب قتل حسین رضؓ کی اطلاع دی تو لکھا ہے:۔

"یزید لختے سر فرو داشت و سخن نہ کرد۔ و پس سر بر آورد و گفت قَدْ كُنْتُ أَرْضٰى مِنْ طَاعَتِكُمْ بِدُوْنِ قَتْلِ الْحُسَيْنِ۔ اَمَا لَوْ كُنْتُ صَاحِبَهٗ لَعَفَوْتُ عَنْهُ۔ اگر من حاضر بودم حسین معفو مے داشتم۔"

یعنی یزید دم بخود ہونے کے باعث سکتہ میں چلا گیا۔ اور بعد ازاں سر اٹھا کر کہنے لگا کہ میں اس بات پر زیادہ راضی تھا کہ تم میرے حکم کی اطاعت کرتے۔ اور امام حسین رضؓ کو قتل نہ کرتے۔ اور میں وہاں موجود ہوتا۔ تو انہیں چھوڑ دیتا۔

اسی طرح محضر بن ثعلبہ نے اطلاع دیتے ہوئے اہل بیت امام حسینؓ کی شان میں کچھ گستاخی کی تو یزید نے کہا :۔

مَا وَلَدَتْ اُمُّ مُحْضِرٍ اَشَدَّ وَ اَلْأَمَ وَلٰكِنْ قَبَّحَ اللّٰهُ اِبْنَ مَرْجَانَةَ۔ یعنی محضر کی ماں نے ایسا سخت ترین اور کمینہ بچہ نہ جنا ہوگا لیکن خدا ابن زیاد کا بھلا نہ کرے۔

اسی طرح شمر ذی الجوشن دربار یزید میں آیا۔ اور طالب انعام ہوا تو یزید نے اُسے بھی ناکام و نامُراد پھرایا۔ اور کہا۔ خدا تیری رکاب کو آگ اور ایندھن سے بھر دے۔ (ناسخ التواریخ صـ ۲۶۹)

پہلا ماتم کرنے اور کرانیوالا یزید تھا (۱) جب بعد از واقعۂ کربلا ممبران اہل بیت امام حسینؓ دمشق میں یزید کے ہاں لائے گئے تو اس نے حکم دیا کہ انکو فوراً حرم سرائے (زنان خانہ) میں لے جاؤ۔ یزید کے اپنے متعلق لکھا ہے :۔

"كَانَ بِيَدِهٖ مِنْدِيْلٌ فَجَعَلَ يَمْسَحُ دُمُوْعَهٗ فَاَمَرَهُمْ اَنْ يَحْوَّلْنَ اِلٰى هِنْدَ بِنْتِ عَامِرٍ فَاِذَا دَخَلْنَ عِنْدَهَا فَسَمِعَ عَنْ دَاخِلِ الْقَصْرِ بُكَاءً وَ نِدَاءً وَ عَوِيْلًا"۔ (خلاصۃ المصائب مطبوعہ نولکشور صـ ۳۰۲)

یعنی یزید کے ہاتھ میں رومال تھا جس سے وہ اپنے آنسو پونچھتا جاتا تھا یزید نے کہا کہ حرم محترم کو ہند بنت عامر کے ہاں ٹھہراؤ۔ چنانچہ جب وہ اندر داخل ہوئیں تو رونے اور چلانے کی صدا بلند ہوئی۔

(۲) جب مخدرات اہل بیت عصمت و طہارت اس ملعون (یزید) کے گھر

میں داخل ہوئے تو عورات ابوسفیان (خاندان یزید۔ ناقل) نے اپنے زیور اتار ڈالے۔ اور لباس ماتم پہن کے آواز بہ نوحہ و گریہ بلند کی۔ اور تین روز ماتم رہا۔" (جلاء العیون صفحہ ۵۲۶)

(۳) ہند بنت عامر جو یزید کی بیوی تھی کے متعلق لکھا ہے:۔
"اُس نے پردہ کا مطلق خیال نہ کیا۔ اور گھر سے نکل کر مجلس یزید ملعون میں جس وقت کہ مجمع عام تھا آکے کہا۔ اے یزید! تُو نے سر مبارک... امام حسین پسر فاطمہ زہرہ کا میرے گھر کے دروازہ پر آویزاں کیا ہے۔ یزید نے دوڑ کر کپڑا اس کے سر پر ڈال دیا۔ اور کہا کہ گھر میں چلی جا اور فرزند رسولِ خدا بزرگ قریش پر نوحہ و زاری کر کہ ابن زیاد نے ان کے بارے میں جلدی کی۔ میں ان کے قتل پر راضی نہ تھا" پس اہلِ بیت رسولِ خدا کو اپنے گھر میں رہنے کی جگہ دی۔ اور ہر صبح و شام امام زین العابدین کو دسترخوان پر بلاتا تھا۔" (جلاء العیون صفحہ ۵۲۷ و ناسخ التواریخ صفحہ ۲۷ و مہیج الاحزان صفحہ ۳۲۶)

نوٹ:۔ مندرجہ بالا حوالہ میں جو یہ ذکر آتا ہے کہ یزید نے حضرت امام حسینؓ کا کاسۂ سر اپنے محل کے دروازہ پر آویزاں کر دیا تھا۔ یہ اہلِ شیعہ کی دُوسری روایات کے پیشِ نظر محض غلط اور مبالغہ آمیزی ہے۔ کیونکہ دُوسری روایت میں ہے کہ امام حسین رضؓ کا سر مبارک کوفہ کے راستہ میں شام تک جانے سے پہلے ہی بذریعہ ایک مخلص و خیرخواہ کے نجف اشرف میں پہنچ گیا تھا۔ دمشق میں تو پہنچا ہی نہیں۔

(فروع کافی جلد ۱ صفحہ ۲۹۵ مطبع نولکشور باب موضع راس الحسین)

اس فروع کافی والی روایت کو صاحب ناسخ التواریخ نے بحوالہ کتاب کامل الزیارہ امام جعفر صادق سے تسلیم کیا ہے (ناسخ التواریخ ص۳۸۲)

(۴) "حضرت سکینہ دختر حضرت امام حسین رض نے ایک خواب دیکھا جو کہ یزید کے آگے بیان فرمایا۔ یزید نے جب یہ خواب سنا۔ تو اپنے منہ پر طمانچے مار کر گریہ کیا اور کہا۔ مجھے قتل حسین رض سے کیا مطلب تھا"؟ (جلاء العیون ص۵۲۸)

(۵) "آں ملعون طمانچہ بر روئے نحس خود زد وگفت مرا چہ کار با قتل حسین رض بود" (مہیج الاحزان صفحہ ۲۲۵)

کہ اس ملعون (یزید) نے اپنے منحوس چہرہ پر طمانچہ مارا اور کہا کہ مجھے قتل حسین رض سے کیا تعلق یا واسطہ تھا؟۔

(۶) یزید نے اہل بیت رسالت کو طلب کر کے انکو نہایت عزت وحرمت سے شام میں رہنے یا مدینہ منورہ کی طرف چلے جانے پر اختیار دیا۔ اور انہوں نے ماتم برپا کرنے کی اجازت چاہی جو منظور ہوئی۔ اور ملک شام میں جس قدر قریش وبنی ہاشم تھے۔ وہ ماتم وگریہ زاری میں شریک ہوئے اور سات روز تک آنحضرت پر نوحہ وزاری کی۔ روز ہشتم یزید نے ان کو طلب کیا اور عذر خواہی کر کے شام میں رہنے کی ان کو تکلیف دی۔ جب انہوں نے قبول نہ کیا۔ تو محملہائے مزین اُن کے واسطے آراستہ کئے۔ اور خرچ کے لئے مال حاضر کیا۔ اور اُن سے کہا۔ یہ اس ظلم کا عوض ہے۔ جو تم پر ہوا۔ (جلاء العیون ص۵۲۱ و مہیج الاحزان ص۲۲۵)۔

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یزید نے خود امام حسینؓ کے ماتم کی اجازت دی۔ اور ملک شام میں جو ماتم ہوا وہ خود یزید کی اجازت سے ہوا تھا۔ دوسرے یہ کہ امام حسینؓ کے ساتھ جو سلوک ہوا۔ اس کو یزید ظلم سمجھتا تھا۔ پس یہ کس طرح ممکن ہے کہ یزید باوجود اس کو "ظلم" قرار دینے اور سمجھنے کے خود اسے روا رکھتا تھا؟۔

(۷) "یزید نے امام زین العابدین کو طلب کیا اور بخیال رفع تشنیع کہا خدا ابن مرجانہ "ابن زیاد" پر لعنت کرے۔ اگر میں اسکی جگہ ہوتا تو امام حسین رضؓ جو کچھ وہ مجھ سے طلب کرتے۔ میں ان کو دیتا۔ اور انکے قتل پر راضی نہ ہوتا۔ آپ ہمیشہ مجھ کو خط لکھا کریں اور جو حاجت ہو مجھ سے طلب فرمائیں کہ میں بجالاؤنگا۔ (جلاء العیون ص۳۳۲)

ایک سوال خلاصۃ المصائب وغیرہ کتب کی روایات کی بنا پر یزید کا امام حسین رضؓ کے قتل پر آنسو بہانا ثابت ہے۔ مگر جلاء العیون ج فصل ۵ صفحہ ۲۷۰ پر درج ہے کہ جو امام حسین رضؓ کو یاد کرے اور اس کی آنکھ سے بقدر پر مگس آنسو نکلے۔ ثواب اس کا خدا پر ہے۔ اور خدا اس کے لئے کسی ثواب پر راضی نہیں ہے۔ بغیر بہشت عطاء کرنے کے"!

قرار دریں صورت یزید کے انجام کے متعلق کیا فتویٰ ہے؟۔

خود شیعہ ہی قاتلین امام حسینؓ ہیں ناسخ التواریخ میں لکھا ہے کہ ابن زیاد سپہ سالار لشکر یزید جس نے امام حسین رضؓ کو شہید کیا۔ اسی ہزار کوفیوں پر مشتمل تھا۔ ملاحظہ ہو:۔

"دانی مخنف لشکر ابن زیاد را ہشتاد ہزار سوار نگاشتہ وگوید
ہمگاں کوفی بودند و حجازی و شامی با ایشاں نہ بود"
(ناسخ التواریخ جلد ۱ کتاب دوئم ص ۱۰۴)

اور ابومخنف نے ابن زیاد کے لشکر کو اسی ہزار بتایا ہے۔ اور کہا ہے کہ
وہ سب کے سب کوفی تھے۔ ان میں نہ کوئی حجازی تھا نہ شامی۔

(۲) "فتکمل العسکر ثمانون الفاً فارس من اہل الکوفۃ
لیس شامی ولا حجازی" (مرقع کربلا مطبوعہ ریاضی پریس امروہہ ص ۲)
کہ ابن زیاد کا لشکر سب کا سب ۸۰۰۰۰ کوفی سواروں پر مشتمل
تھا۔ ان میں نہ کوئی شامی تھا نہ حجازی۔

اب دیکھئے اسی ابومخنف کی دوسری روایت جس میں وہ کہتا ہے کہ امام مسلم
بن عقیل کے ہاتھ پر بیعت کرنے والے اسی ہزار کوفی تھے۔

"بروایت ابومخنف ہشتاد ہزار کس با مسلم بیعت کرد"
(ناسخ التواریخ صفحہ ۱۲۳)

(۳) علامہ مجلسی تحریر فرماتے ہیں کہ کربلا میں جب وقت ظہر ہوا تو حضرت
امام حسین علیہ السلام اپنے خیمہ سے باہر تشریف لائے۔ اور اپنے اور ابن
زیاد کے لشکر کے درمیان کھڑے ہو کر ابن زیاد کے لشکر کو مخاطب کر کے
فرمایا "ایھا الناس" میں تمہاری طرف نہیں آیا۔ مگر جبکہ تمہارے
خطوط متواتر اور تمہارے قاصد پے در پے میرے پاس پہنچے۔ تم نے
لکھا ہے کہ آپ ہمارے پاس تشریف لائیے۔ کہ ہمارا امام پیشوا کوئی

نہیں ہے۔ شاید خدا ہم کو اور آپ کو حق وہدایت پر متفق کرے۔ اگر تم اپنے عہد و گفتار پہ برقرار ہو تو مجھ سے پیمان تازہ کر کے میرا دل مطمئن کرو۔ اور اگر اپنے گفتار سے پھر گئے۔ اور عہد و پیمان کو شکستہ کر دیا ہے اور میرے آنے سے بیزار ہو۔ تو میں اپنے وطن کو واپس جاتا ہوں۔"

(جلاء العیون باب ۵ فصل ۱۴ صفحہ ۴۵۳)

اس روایت سے ظاہر ہے کہ حضرت امام حسین رضؓ کے نزدیک بھی آپ کے قاتلین وہی تھے جنہوں نے کوفہ سے آپ کو بیشمار خطوط بھیجکر اور بیعت مسلم کر کے بُلایا تھا۔

(۴) ناسخ التواریخ میں ہے کہ امام حسین رضؓ نے لشکر یزید کے قاصد قُرۃ بن قیس کو مخاطب کر کے فرمایا "تمہارے شہر کے لوگوں نے نامہ ہائے بلیشمار مجھے لکھے۔ بہت مبالغہ اور اصرار کر کے بُلایا۔ اگر میرا آنا اب منظور نہیں ہے۔ تو مجھے واپس جانے دو۔" (ناسخ التواریخ صفحہ ۱۷۵)

(۵) جب حضرت امام حسین رضؓ دشتِ کربلا میں خیمہ زن تھے۔ ایک عراقی مکہ کو جا رہا تھا۔ دیکھا کہ خیمہ کے باہر کرسی پہ بیٹھ کر خطوط کا مطالعہ فرما رہے تھے۔ جب اس نے وجہ بیکسی و بیوطنی کی دریافت کی۔ تو امام نے فرمایا:-

"بنی امیہ مرا بیم قتل دادند و مردم کوفہ مرا دعوت کردند۔ اینک مکاتیب ایشاں است۔ وحالانکہ کشندہ من ایشانمند۔"

(ناسخ التواریخ صفحہ ۱۵۹)

کہ بنو امیہ نے مجھے قتل کی دھمکی دی۔ اور کوفہ والوں نے مجھے بُلایا۔

یہ سب خطوط اُنہی کے ہیں۔ اور حالانکہ میرے قاتل یہی لوگ ہیں۔"

نوٹ :۔ اس روایت میں تو خود حضرت امام حسین علیہ السلام نے اپنے قتل اور واقعات کربلا کی تمام ذمہ داری یزید سے ہٹا کر اہلِ کوفہ پر رکھی ہے۔

(۶) ناسخ التواریخ میں بحوالہ کتاب نور العین مرقوم ہے۔ حضرت سکینہؓ دختر حضرت امام حسینؓ سے روایت ہے کہ مَیں اپنے خیمہ میں تھی ناگاہ رونے کی آواز سُنائی دی۔ میں چُپکے سے اپنے پدر بزرگوار کے پاس چلی گئی۔ وُہ رو رہے تھے۔ اور اپنے اصحاب سے فرماتے تھے :۔

"اے جماعت! جس وقت تم میرے ساتھ باہر نکلے۔ تم نے ایسا جانا کہ مَیں ایسی قوم میں جاتا ہوں جس نے دِل وزبان سے میری بیعت کر لی ہے۔ اب وہ خیال دگرگوں ہوگیا ہے۔ شیطان نے ان کو فریفتہ کر لیا۔ یہانتک کہ خدا کو بھول گئے۔ ان کی ہمت اب اس پر لگی ہے کہ مجھ کو قتل کریں۔ اور میرے مجاہدین کو قتل کریں۔" (ناسخ التواریخ صفحہ ۱۶۶)

حضرت زینبؓ و دیگر اہل بیت امامؑ کی تقریریں بعد از واقعہ کربلا

جب خاندان حضرت امام حسینؓ کے بقیہ ممبران کو دمشق کی طرف لے جایا جارہا تھا تو جب یہ قافلہ کوفہ کے پاس سے گذرا تو کوفہ کے بہت سے لوگ دیکھنے کیلئے آئے اور ممبران اہل بیت امام حسین رضؓ کو دیکھکر رونے اور ماتم کرنے لگے۔ اسپر حضرت زینبؓ ہمشیرہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے حسب ذیل تقریر فرمائی :۔

"امابعد! اے اہل کوفہ! اے اہل عذر و مکر و حیلہ۔ تم ہم پر گریہ کرتے ہو۔ اور خود تم نے ہم کو قتل کیا۔ ابھی تمہارے ظلم سے ہمارا

رونا موقوف نہیں ہوا۔ اور تمہارے ستم سے ہمارا فریاد ونالہ ساکن نہیں ہوا۔ اور تمہاری مثال اس عورت کی ہے۔ جو اپنے رسّے کو مضبوط بٹتی ہے اور پھر کھول ڈالتی ہے۔۔۔۔۔ تم ہم پر گریہ ونالہ کرتے ہو۔ حالانکہ خود تم نے ہی ہم کو قتل کیا ہے۔ سچ ہے واللہ! لازم ہے کہ تم بہت گریہ کرو اور کم خندہ ہو۔ تم نے عیب و عارِ ابدی خود خرید کیا اس عار کا دھبہ کسی پانی سے تمہارے جامے سے زائل نہ ہوگا۔ جگر گوشہ خاتم پیغمبراں و سید جوانانِ بہشت کے قتل کرنے کا کس چیز سے تدارک کر سکتے ہو؟ اے اہلِ کوفہ! تم پر وائے ہو! تم نے کن جگر گوشہ ہائے رسول کو قتل کیا۔ اور کن پردگیانِ اہلِ بیتِ رسول کو بے پردہ کیا کس قدر فرزندانِ رسول کی تم نے خونریزی کی۔ انکی حرمت کو ضائع کیا۔ تم نے ایسے بُرے کام کئے جن کی تاریکیوں سے زمین و آسمان گھر گیا۔" (جلاء العیون باب ۵ فصل ۵، ص۵۰۳ و نیز ناسخ التواریخ جلد ۶ کتاب دوئم ص۲۴۲ مطبوعہ ایران)

(۲)۔ بعد ازاں حضرت فاطمہ بنت حضرت امام حسین رضؓ نے بھی اہل کوفہ کو لعن طعن کی۔ تو لکھا ہے:۔

"در و دیوار سے صدائے نوحہ بلند ہوئی۔ اور سامعین نے کہا اے دخترِ پاکان و معصومان! بس کرو کہ ہمارے دلوں کو تم نے جلا دیا اور ہمارے سینہ میں آتشِ حسرت روشن کر دی۔ اور ہمارے دلوں کو کباب کر دیا۔"

(جلاء العیون باب ۵ فصل ۱۵ صفحہ ۵۰۵)

(۳) اس کے بعد حضرت اُمِ کلثوم خواہر امام حسینؑ نے ہودج میں سے مندرجہ ذیل تقریر فرمائی :۔

"اے اہلِ کوفہ! تمہارا حال بد ہو۔ اور تمہارے مُنہ سیاہ ہوں۔ تم نے کس سبب سے میرے بھائی حسینؑ کو بلایا اور ان کی مدد نہ کی۔ اور اُنہیں قتل کر کے مال و اسباب اُن کا لوٹ لیا۔ اور ان کی پردگیانِ عصمت و طہارت کو اسیر کیا۔ وائے ہو تم پر۔ اور لعنت ہو تم پر۔ کیا تم نہیں جانتے کہ تم نے کیا ظلم و ستم کیا ہے اور کن گناہوں کا اپنی پشت پر انبار لگایا۔ اور کیسے خون ہائے محترم کو بہایا۔ اور دخترانِ رسُول مکرم کو نالاں کیا۔ بعد اسکے مرثیہ سید الشہداء میں چند شعر انشاء فرمائے جن کے سننے سے اہلِ کوفہ نے خروش و واویلاہ احسرتا بلند کیا۔ انکی عورتوں نے بال اپنے پریشان کئے۔ خاکِ حسرت اپنے سر پہ ڈال کے اپنے مُنہ پر طمانچے مارتی تھیں اور واویلا واثبورا کہتی تھیں۔ اور ایسا ماتم برپا تھا کہ دیدۂ روزگار نے نہ دیکھا تھا۔" (جلاء العیون باب۵ فصل ۱۵ صفحہ ۵۰۶ و ناسخ التواریخ صفحہ ۲۴۶)۔

(۴) **امام زین العابدین کی تقریر** پھر امام زین العابدین نے اہلِ کوفہ سے خطاب کیا۔ اور فرمایا :۔

"میں تم کو خدا کی قسم دیتا ہوں۔ تم جانتے ہو کہ میرے پدر بزرگوار کو خطوط لکھے اور ان کو فریب دیا۔ اور ان سے عہد و پیمان کیا اور ان سے بیعت کی۔ آخر کار ان سے جنگ کی۔ اور دشمن کو ان پر مسلط کیا۔ پس لعنت ہو تم پر۔ تم نے اپنے پاؤں سے جہنم کی راہ اختیار کی۔ اور راہِ بد اپنے واسطے

پسند کی۔ اب کن آنکھوں سے حضرت رسول صلعم کی طرف دیکھو گے جس روز وہ تم سے فرمائینگے۔ کہ تم نے میری عزت کو قتل کیا۔ اور میری ہتک کی ہے کیا تم میری اُمت میں سے نہ تھے؟" پس دوبارہ صدائے گریہ بلند ہوئی۔ آپس میں ایک دوسرے سے کہتا تھا "ہم لوگ ہلاک ہوئے" جب صدائے فغاں کم ہوئی۔ حضرت نے فرمایا:۔ "خدا اُسپر رحمت کرے۔ جو میری نصیحت قبول کرے"۔ سب نے فریاد کی۔ یا ابن رسول اللہ! ہم نے آپکا کلام سُنا۔ ہم آپ کی اطاعت کرینگے۔ جو آپ سے جنگ کرے۔ ہم اُس سے جنگ کرینگے۔ اور جو آپ سے صلح کرے اُس سے صلح کرینگے۔ اگر آپ کہیئے۔ آپکے ستمگاروں سے آپکا طلب خون کریں"۔ حضرت نے فرمایا:۔ "ہیہات! ہیہات!! اے غدارو! اے مکارو!! اب پھر دوبارہ میں تمہارے فریب میں نہ آؤنگا۔ اور تمہارے جھوٹ کو باور نہ کرونگا۔ تم چاہتے ہو۔ کہ مجھ سے بھی وہ سلوک کرو جو میرے بزرگوں سے کیا؟ بحق خداوند آسمان ہائے دوار! میں تمہارے قول و قرار پر اعتماد نہیں کرتا۔ اور کیونکر تمہارے دروغ بے فروغ کو باور کروں۔ حالانکہ ہمارے زخمہائے دل ہنوز تازہ ہیں میرے پدر اور ان کے اہل بیت کل کے روز تمہارے مکر سے قتل ہوئے! اور ہنوز مصیبت حضرت رسول و پدر و برادر و عزیز و اقرباء میں نہیں بھولا۔ اور اب تک ان مصیبتوں کی تلخی میری زبان پر ہے۔ اور میرے سینے میں ان محنتوں کی آگ بھڑک رہی ہے۔" (جلاء العیون باب ۵ فصل ۱۵ صفحہ ۵۰۷)

(۵) ایک دوسری روایت میں ہے کہ:۔

"فَقَالَ عَلِیُّ ابْنُ الْحُسَیْنِ بِصَوْتٍ ضَعِیْفٍ: تَنُوْحُوْنَ وَ تَبْکُوْنَ لِاَجْلِنَا فَمَنْ قَتَلَنَا؟ سید سجاد بآواز ضعیف فرمود: ہاں۔ اے مردم بر ما گریند و بر ما نوحہ مے کنند۔ پس کشندۂ ما کیست؟ مارا کہ کشت و کہ اسیر کرد؟" (ناسخ التواریخ جلد ۶ کتاب دوم صـ۲۴۳)

کہ امام زین العابدین رضؓ نے کمزور آواز سے کہا۔ تم ہم پر نوحہ و ماتم کرتے اور روتے ہو۔ تو پھر ہم کو قتل کس نے کیا ہے؟

(۶) حضرت اُم کلثوم نے اہلِ کوفہ کی عورتوں کے رونے پر محمل پر سے کہا:۔

"اے اہل کوفہ! تمہارے مردوں نے ہم کو قتل کیا۔ اور اب تمہاری عورتیں روتی ہیں؟ خداوند عالم بروز قیامت ہمارا تمہارا حاکم ہے۔"

(جلاء العیون باب ۵ فصل ۱۵ صـ۵۰۷ وناسخ التواریخ کتاب دوم صـ۲۴۸)

نوٹ:۔ ان سب تقاریر سے تین باتیں ثابت ہیں۔ اوّلؔ۔ قاتلین امام حسین رضؓ شیعہ تھے۔ اور حضرت امام حسین رضؓ کے مبایعین تھے۔ جیسا کہ حضرت امام زین العابدین کی تقریر میں "بیعت" کا لفظ بھی موجود ہے۔ دوّمؔ۔ سب سے پہلے عالمگیر ماتم کرنے والے (یزید کے بعد) خود اہل کوفہ قاتلین امام حسین رضؓ ہی تھے جیسا کہ الفاظ "ایسا ماتم برپا تھا کہ دیدۂ روزگار نے نہ دیکھا تھا" سے ظاہر ہے۔ سوّمؔ۔ موجودہ ماتم محض حضرت زینب رضؓ کی بددعا کا نتیجہ ہے:۔

"واللہ لازم ہے کہ تم بہت گریہ کرو۔ اور مت خندہ ہو" سچ ہے۔ ؎

قریب ہے یار روزِ محشر چھپیگا کشتوں کا قتل کیونکر؟
جو چُپ رہے گی زبانِ خنجر لہو پکارے گا آستیں کا!

چار سوال چکڑالویوں سے!

قرآن مجید کے علاوہ بھی وحی ہے

اہل قرآن حضرات ہم سے قرآن مجید میں مندرجہ وحی الہٰی کے علاوہ کسی اور وحی کے ہونے کا ثبوت طلب کیا کرتے ہیں۔ اور ان کا یہ دعوٰی ہے کہ تمام وحی الہٰی جو آنحضرت صلعم پر نازل ہوئی۔ وہ صرف قرآن مجید ہی ہے۔ اس کے متعلق ہم ان سے مندرجہ ذیل چار سوالات کرتے ہیں:۔

(۱) وَاِذْ یَعِدُکُمُ اللّٰہُ اِحْدَی الطَّآئِفَتَیْنِ اَنَّھَا لَکُمْ (انفال ع۱)

یعنی اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے دو گروہوں میں سے ایک گروہ کا وعدہ کیا کہ وہ مسلمانوں کے لئے ہے۔ ہم پوچھتے ہیں کہ وہ وعدہ الہٰی جو مسلمانوں سے ہوا۔ قرآن پاک میں کہیں درج ہے؟ اگر درج ہے تو کہاں؟ اور اگر درج نہیں۔ تو ماننا پڑیگا۔ کہ ایسی وحی الہٰی بھی ہے۔ جو قرآن کریم میں درج نہیں۔

(۲) مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّیْنَۃٍ اَوْ تَرَکْتُمُوْھَا قَآئِمَۃً عَلٰٓی اُصُوْلِھَا فَبِاِذْنِ اللّٰہِ۔ یعنی اے مسلمانوں تم نے جو کھجور کے تنے کاٹے۔ یا ان کو اپنی جڑوں پر قائم کھڑا رہنے دیا۔ یہ خدا کے ہی حکم سے تھا۔ اب سوال یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے جو کھجور کے تنوں کو کاٹنے یا چھوڑنے کا حکم دیا تھا۔ جس کا ذکر فَبِاِذْنِ اللّٰہِ میں ہے۔ کیا وہ قرآن میں درج ہے؟ اگر درج ہے تو کہاں؟ اگر درج نہیں تو ثابت ہوا کہ ایسی وحی بھی ہے جو قرآن میں درج نہیں۔

(۳) وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِیُّ اِلٰی بَعْضِ اَزْوَاجِہٖ حَدِیْثًا فَلَمَّا نَبَّاَتْ

بِهٖ وَاَظْهَرَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ عَرَّفَ بَعْضَهٗ وَاَعْرَضَ عَنْۢ بَعْضٍ فَلَمَّا نَبَّاَهَا بِهٖ قَالَتْ مَنْ اَنْۢبَاَكَ هٰذَا قَالَ نَبَّاَنِيَ الْعَلِيْمُ الْخَبِيْرُ (تحریم ع۱)

یعنی جب رسول کریم صلعم نے کوئی بھید اپنی بیوی کو بتایا۔ تو اس نے راز فاش کر دیا۔ خدا تعالیٰ نے آپؐ کو بھید کا فاش ہونا بتا دیا۔ تو آپؐ نے بیوی سے پُوچھا۔ کچھ بات تو بتا دی۔ اور کچھ چھپائی۔ اس بیوی نے پوچھا۔ کہ آپؐ کو کس نے بتایا۔ آپؐ نے فرمایا۔ مجھے خدا تعالیٰ نے بتایا ہے۔ اس آیت سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ خدا تعالےٰ نے رسول کریم صلعم کو واقعہ کی خبر دی تھی۔ اب سوال یہ ہے کہ وہ اظہار الٰہی کیا قرآن میں ہے؟ اگر ہے تو کہاں؟ اگر نہیں۔ تو کیا یہ ثابت نہیں ہوتا۔ کہ ایسی وحی بھی ہے۔ جو رسول کریم صلعم پر نازل ہوئی۔ مگر قرآن میں درج نہیں؟

(۴) اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے۔ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ رَاَيْتَ الْمُنٰفِقِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًا۔ (نساء ع۹) یعنی جب ان کو کہا جاتا ہے کہ آؤ اس چیز کی طرف جسے خدا نے نازل کیا (قرآن) اور رسُول کی طرف تو تُو منافقوں کو دیکھے گا کہ وُہ تجھ سے (رسُول سے) رُکتے ہیں۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ دو۲ چیزیں منوانا چاہتا ہے (۱) مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ یعنی قرآن۔ (۲) الرَّسُوْلِ یعنی رسُول صلعم۔ مگر فرمایا۔ کہ منافق قرآن تو مان لیتے ہیں۔ مگر رسُول سے بھاگتے ہیں۔ اب حل طلب سوال یہ ہے کہ وہ کون لوگ منافق ہیں۔ ظاہر ہے کہ وہی جو احادیث کے منکر ہوں۔ اور صرف قرآن کے ماننے کے مُدعی ہیں۔ خادمؔ۔

وفاتِ مسیح ناصری علیہ السلام

از رُوئے قرآن کریم

پہلی دلیل :- وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَّا دُمْتُ فِيهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنْتَ أَنْتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ وَأَنْتَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ۔ (سورہ مائدہ آخری رکوع)۔

مطلب :- اللہ تعالےٰ کے اِس سوال کے جواب میں کہ اے عیسیٰ! کیا تُونے نصاریٰ کو تثلیث کی تعلیم دی تھی؟ آپ انکار کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ کہ میں نے تعلیم تو کیا دینی تھی۔

میری زندگی میں اور میرے سامنے یہ عقیدہ ظاہر نہیں ہوا۔ میں انکا نگران تھا۔ مَادُمْتُ فِيهِمْ۔ جب تک ان میں تھا۔ پھر جب تُونے میری توفّی کرلی۔ تو تُو ہی ان کا نگہبان تھا۔ اور تُو ہر چیز کا محافظ ہے۔

استدلال ملا :- اِس آیت میں عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے دو زمانے بتائے ہیں۔ پہلا اپنی قوم میں حاضری کا (مَادُمْتُ فِيهِمْ) اور دُوسرا غیر حاضری کا (كُنْتَ أَنْتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ) اور اِن دونوں زمانوں کے درمیان حدِ فاصل "تَوَفَّيْتَنِي" ہے۔ گویا ان کی اپنی قوم سے غیر حاضری سے پہلے "وفات" ہے کیونکہ غیر حاضری کی وجہ "تَوَفَّيْتَنِي" ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنی قوم میں حاضر ہیں یا غیر حاضر؟ چونکہ غیر حاضر ہیں۔ لہذا

ان کی توفی ہو چکی ہے۔

استدلال ۲:۔ اس آیت میں حضرت عیسےٰ علیہ السلام اقرار فرماتے ہیں۔ کہ تثلیث پرستی کا عقیدہ میری زندگی میں نہیں پھیلا بلکہ میری توفی کے بعد پھیلا ہے۔ اور اس زمانہ میں عیسائیوں کی تثلیث پرستی ایک کھلی حقیقت ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے" لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ " (مائدہ ع۱۰) " لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ " ( ) کہ ان لوگوں نے کفر کیا جنہوں نے کہا کہ خدا تین میں سے ایک ہے۔ اور ان لوگوں نے کفر کیا جنہوں نے کہا کہ مسیح ابن مریم ہی خدا ہے + پس صاف نتیجہ نکلا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی توفی ہو چکی ہے۔ یعنی وہ فوت ہو چکے ہیں ⁂

غیر احمدی:۔ حضرت مرزا صاحب نے چشمہ معرفت ص۲۵۴ پر لکھا ہے:۔

" انجیل پر ابھی تیس برس پورے نہیں گذرے تھے کہ بجائے خدا کی پرستش کے ایک عاجز انسان کی پرستش نے جگہ لے لی۔" (محمدیہ پاکٹ بک ص۵۳۹)

جواب:۔ اس حوالہ میں "انجیل" کا ذکر ہے مسیح کی "ہجرت" کا ذکر نہیں۔ اور " انجیل " اس وحی کے مجموعہ کا نام ہے جو حضرت مسیح علیہ السلام پر ان کی وفات تک نازل ہوتی رہی۔ جس طرح قرآن مجید آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے قریب زمانہ تک نازل ہوتا رہا۔ قرآن مجید میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔" اِنَّآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ كَمَآ اَوْحَيْنَآ اِلٰى نُوْحٍ وَّ ... عِيْسٰى " (نساء ع۲۳) ۔ یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! ہم نے

آپ پر اُسی طرح وحی نازل کی ہے۔ جس طرح نوح اور عیسیٰ علیہما السلام اور دیگر انبیاءؑ پر۔ پس چشمہ معرفت کی عبارت کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات پر (جو ۱۲۰ برس کی عمر میں ہوئی) کے تیس برس کے قریب گذرنے پر عیسائی بگڑ گئے۔ نہ یہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی ہی میں مسیحؑ کی پرستش شروع ہو گئی تھی۔

توفّی کے معنے

حضرت امام بخاریؒ نے فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا ارشاد نقل کیا ہے۔

" قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ مُتَوَفِّیْكَ مُمِیْتُكَ (بخاری کتاب التفسیر تفسیر سورۂ مائدہ زیر آیت فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ آخری رکوع)

کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ " تَوَفِّیْ " کے معنے موت کے ہیں۔ لہذا بخاری اور حضرت ابن عباسؓ کے فیصلہ کے بعد کسی دوسرے شخص کی بات قابل قبول نہیں۔ اس حالت میں کہ جب قرآن مجید و احادیث و لغت و تفاسیر کے مندرجہ ذیل حوالجات ان کی تائید میں ہوں۔ (تفسیر ابن عباسؓ کے متعلق نوٹ آگے ملاحظہ فرمائیں ص۳۳۰)

لفظ توفی باب تفعل کا مصدر ہے۔ سو قرآن کریم میں جہاں کہیں بھی اس کا کوئی مشتق استعمال ہوا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ یا ملائکہ اس کا فاعل ہوں یا صیغہ مجہول ہو۔ اور نائب فاعل اس کا انسان ہو۔ تو سوائے قبض رُوح کے اور کوئی معنے نہیں۔ اور وہ قبض رُوح بذریعہ موت ہے سوائے

اس مقام کے کہ جہاں لیل یا منام کا قرینہ موجود ہو۔ وہاں قبض روح کو نیند ہی قرار دیا گیا ہے۔ بہر حال قبض جسم کسی جگہ بھی مراد نہیں۔ چنانچہ قرآن کریم میں علاوہ متنازعہ فیہ جگہ کے ۲۳ جگہ لفظ توفّی کا مشتق استعمال ہوا ہے۔

(۱) وَالَّذِیْنَ یُتَوَفَّوْنَ مِنْکُمْ (بقرہ رکوع ۳۰ و ۳۱ دو مرتبہ) (۳) تَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ (آل عمران رکوع ۲۰)۔ (۴) حَتّٰی یَتَوَفّٰھُنَّ الْمَوْتُ (نساء رکوع ۳)۔ (۵) اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَفّٰھُمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ (نساء رکوع ۱۴)۔ (۶) تَوَفَّتْہُ رُسُلُنَا (انعام رکوع ۸)۔ (۷) یَتَوَفَّوْنَھُمْ (اعراف رکوع ۴)۔ (۸) تَوَفَّنَا مُسْلِمِیْنَ (اعراف رکوع ۱۴)۔ (۹) اَوْ نَتَوَفَّیَنَّکَ (رعد رکوع ۶) (۱۰) نَتَوَفَّیَنَّکَ (یونس رکوع ۵)۔ (۱۱) تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا (یوسف رکوع ۱۱)۔ (۱۲) تَتَوَفّٰھُمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ دو مرتبہ (نحل رکوع ۴)۔ (۱۳) ثُمَّ یَتَوَفّٰکُمْ (نحل ع ۹) (۱۴) مَنْ یُّتَوَفّٰی (حج ع ۱)۔ (۱۵) قُلْ یَتَوَفّٰکُمْ (سجدہ ع ۱)۔ (۱۶) یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِھَا (زمر ع ۵)۔ (۱۷) وَمِنْکُمْ مَّنْ یُّتَوَفّٰی (مومن ع ۷) (۱۸) نَتَوَفَّیَنَّکَ (مومن رکوع ۸)۔ (۱۹) فَکَیْفَ اِذَا تَوَفَّتْھُمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ (محمد رکوع ۳)۔ (۲۰) یَتَوَفَّی الَّذِیْنَ کَفَرُوا الْمَلٰٓئِکَۃُ (انفال ع ۷)۔ (۲۱) یَتَوَفّٰکُمْ بِالَّیْلِ (انعام ع ۷)۔ (۲۲) وَلٰکِنْ اَعْبُدُ اللّٰہَ الَّذِیْ یَتَوَفّٰکُمْ (یونس آخر ع)

کتب احادیث سے اسکی مثالیں

بخاری میں ایک باب ہی ہے "باب توفی رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم" پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صاف فرمادیا کہ عیسیٰ علیہ السلام کی

توفّی کے وہی معنے ہیں جو میری توفی کے ہیں۔ فرمایا :" عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رض اِنَّہٗ یُجَاءُ بِرِجَالٍ مِنْ اُمَّتِیْ فَیُؤْخَذُ بِھِمْ ذَاتَ الشِّمَالِ فَاَقُوْلُ یَارَبِّ اُصَیْحَابِیْ فَیُقَالُ اِنَّکَ لَا تَدْرِیْ مَا اَحْدَثُوْا بَعْدَکَ فَاَقُوْلُ کَمَا قَالَ الْعَبْدُ الصَّالِحُ وَکُنْتُ عَلَیْھِمْ شَھِیْدًا مَّادُمْتُ فِیْھِمْ فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ کُنْتَ اَنْتَ الرَّقِیْبَ عَلَیْھِمْ فَیُقَالُ اِنَّ ھٰؤُلَاءِ لَمْ یَزَالُوْا مُرْتَدِّیْنَ عَلٰی اَعْقَابِھِمْ مُنْذُ فَارَقْتَھُمْ ۔"

(بخاری کتاب التفسیر جلد ۳ صـ ۷۹ وجلد ۲ صـ ۱۵۹ باب بدء الخلق)

ترجمہ :۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ قیامت کے دن میری امت کے کچھ لوگ دوزخ کیطرف لیجائے جائینگے تو میں کہونگا۔ یہ تو میرے صحابہ ہیں۔ جواب ملیگا۔ تو نہیں جانتا کہ تیرے پیچھے انہوں نے کیا کیا۔ اسوقت میں وہی کہونگا جو اللہ تعالیٰ کے صالح بندے عیلسےؑ نے کہا تھا کہ میں ان کا اسی وقت تک نگران تھا۔ جبتک ان میں تھا اور جب تو نے مجھے وفات دیدی تو تو ہی ان کا نگہبان تھا۔

نتیجہ :۔ اس حدیث سے صاف نتیجہ نکلا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی توفّی کی صورت وہی ہے جو آنحضرت صلعم کی توفی کی ہے۔ ورنہ آپؐ کا یہ فرمانا فَاَقُوْلُ کَمَا قَالَ درست نہیں رہتا۔

اب دیکھو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعینہٖ وہی لفظ توفیتنی جو مسیح کے لئے استعمال ہوا ہے۔ اپنے لیے استعمال فرمایا ہے۔ پس تعجب ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے جب لفظ توفی آئے تو اس کے معنے "موت" لیے جائیں۔ مگر جب وہی لفظ حضرت مسیح کے متعلق استعمال ہو تو اس کے معنے

آسمان پر اُٹھا لئے جائیں۔

ایک لطیفہ

اِس کے جواب میں مؤلف محمدیہ پاکٹ بک لکھتا ہے:۔

"ایک ہی لفظ جب دو مختلف اشخاص پر بولا جائے۔ تو حسب حیثیت و شخصیت اس کے جدا جدا معنے ہو سکتے ہیں۔ دیکھیئے حضرت مسیح اپنے حق میں نفس کا لفظ بولتے ہیں اور خدائے پاک بھی۔۔۔ اب کیا خدا کا نفس اور مسیح کا نفس ایک جیسا ہے۔"

جواب:۔ گویا آپ کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مثال حضرت مسیح علیہ السلام کے بالمقابل ویسی ہی ہے جیسی حضرت مسیح علیہ السلام کی اللہ تعالیٰ کے بالمقابل! اور گویا آپ کے نزدیک آنحضرتؐ کی "حیثیت" اور "شخصیت" مسیح کی حیثیت اور شخصیت سے مختلف نوعیت کی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ مؤلف محمدیہ پاکٹ بک بھی درپردہ الوہیتِ مسیح کا قائل ہے۔ ورنہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور حضرت مسیحؑ کی حیثیت نبوت اور بشریت کے لحاظ سے بلحاظ نوع ہرگز مختلف نہیں۔ اور نہ خدا کی مثال پر حضرت مسیح علیہ السلام کا قیاس کیا جا سکتا ہے۔ پس غیر احمدی کا جواب محض نفس کا دھوکہ اور قیاس مع الفارق ہے۔ کیونکہ یہ تو درست ہے کہ انسان کا قیاس خدا پر نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن نبی کا قیاس نبی پر۔ اور انسان کا قیاس انسان پر تو کیا جا سکتا ہے۔ خود قرآن مجید میں ہے:۔

"مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ" کہ اے محمد رسول اللہ! کہدے کہ

میں بھی پہلے انبیاء کی طرح ایک نبی ہوں۔ نیز "وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ"۔ پس جو معنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی توفی کے ہیں بعینہٖ وہی معنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی توفی کے بھی لینے پڑینگے۔

پھر بخاری میں ہے "قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ مُتَوَفِّيْكَ مُمِيْتُكَ"۔ کہ حضرت ابن عباسؓ نے مُتَوَفِّيْكَ کے معنی موت کئے ہیں۔

(بخاری کتاب التفسیر تفسیر سورہ مائدہ زیر آیت فلما توفیتنی)

تفسیر ابن عباسؓ

نوٹ:۔ بعض غیر احمدی مولوی "تفسیر ابن عباس" کے حوالہ سے یہ کہدیا کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ تو حیات مسیح کے قائل تھے۔ اور وہ آیت یَا عِیْسٰٓی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ وَرَافِعُكَ اِلَیَّ الخ میں تقدیم تاخیر کے قائل تھے۔ تو اسکے جواب میں یاد رکھنا چاہیئے کہ ہم نے حضرت ابن عباس کا جو مذہب پیش کیا ہے۔ وہ اصح الکتب بعد کتاب اللہ یعنی صحیح بخاری میں درج ہے۔ جس کی صحت اور اصالت میں کوئی شبہ نہیں ہو سکتا۔ مگر وہ مختلف اقوال جو دوسری تفاسیر یا "تفسیر ابن عباس" کے نام سے مشہور کتاب میں درج ہیں وہ قابل استناد نہیں کیونکہ ان تمام تفاسیر کے متعلق محققین کی رائے ہے کہ وہ جعلی اور جھوٹی تفسیریں ہیں جو حضرت ابن عباس کیطرف منسوب کر دی گئی ہیں۔ چنانچہ لکھا ہے:۔

(۱) وَمِنْ جُمْلَةِ التَّفَاسِيْرِ الَّتِيْ لَا يُوْثَقُ بِهَا تَفْسِيْرُ ابْنِ عَبَّاسٍ فَاِنَّهٗ مَرْوِيٌّ مِنْ طَرِيْقِ الْكَذَّابِيْنَ (فوائد المجموعہ فی الاحادیث الموضوعہ

مصنفہ علامہ شوکانی صفحہ ۱۱۱ و مطبوعہ مطبع محمدی لاہور ۱۳۰۲ھ ص ۱۰۴)
یعنی ناقابل اعتبار اور غیر معتبر تفسیروں میں سے ایک تفسیر ابن عباسؓ
بھی ہے۔ کیونکہ وہ کذاب راویوں سے مروی ہے۔
(۲) حضرت امام سیوطی فرماتے ہیں۔ هٰذِهِ التَّفَاسِيْرُ الطِّوَالُ الَّتِيْ
اَسْنَدُوْهَا اِلَى ابْنِ عَبَّاسٍ غَيْرُ مَرْضِيَّةٍ وَرُوَاتُهَا مَجَاهِيْلُ۔
(تفسیر اتقان جلد ۲ ص ۱۸۸)۔ یہ لمبی لمبی تفسیریں جنکو مفسرین نے ابن عباس کی
طرف منسوب کیا ہے ناپسندیدہ ہیں اور ان کے راوی غیر معتبر ہیں (خادم)

توفی کے معنے عرف عام میں !:- قرآن مجید اور احادیث کے علاوہ
اگر عرف کو بھی دیکھا جائے تو بھی متوفی کے معنے میت کے ہی ہوتے
ہیں۔ مثال کے طور پر پٹواری کے رجسٹر اور دیگر دفاتر کو دیکھ لو۔
اور جنازہ کی دعا میں وَمَنْ تَوَفَّيْتَهٗ مِنَّا فَتَوَفَّهٗ عَلَى الْاِسْلَامِ
اور جس کو تو ہم میں سے وفات دے تو اس کو اسلام پر ہی وفات دے۔

توفی کے معنے لغت سے۔ صراح میں لفظ توفی کے نیچے ہے تَوَفَّاهُ
اللّٰہ اے قَبَضَ رُوْحَهٗ پھر لکھا ہے۔ تُوُفِّيَ فُلَانٌ وَتَوَفَّاهُ اللّٰهُ
اَدْرَكَتْهُ الْوَفَاتُ۔ پالیا اس کو موت نے (اساس البلاغۃ جلد ۲ ص ۳۲۱)
اَلْوَفَاةُ الْمَوْتُ وَتَوَفَّاهُ اللّٰهُ قَبَضَ رُوْحَهٗ (قاموس جلد ۴ ص ۲۰۳)۔
تَوَفَّاهُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ اِذَا قَبَضَ نَفْسَهٗ (تاج العروس جلد ۱۰ ص ۳۹۴)
اَلْوَفَاةُ الْمَنِيَّةُ وَالْوَفَاةُ الْمَوْتُ وَتُوُفِّيَ فُلَانٌ وَتَوَفَّاهُ اللّٰهُ
اِذَا قَبَضَ نَفْسَهٗ وَفِي الصِّحَاحِ اِذَا قَبَضَ رُوْحَهٗ (لسان العرب

جلد ۲۰ صـ ۲۸) - جب اس کے نفس کو اللہ تعالیٰ قبض کرے - اور صحاح جوہری میں بجائے نفس کے رُوح کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔

تَوَفَّی اللّٰہُ فُلَانًا اے قَبَضَ رُوْحَہ (صحاح جوزی) متوفی - وفات یافتہ مرا ہوا - انتقال کردہ شدہ - جہان سے گذرا ہوا (فرہنگ آصفیہ جلد ۴ صـ ۲۸۲)

بعض تراجم میں توفی کے معنے بھر لینے کے لکھے ہیں اور اس کا مطلب بھی موت دینا ہے - (فرہنگ آصفیہ) -

توفی کا مادہ - کلیات ابوالبقا صـ ۱۲۹ پر لکھا ہے۔ اَلتَّوَفِّی اَلْاِمَاتَۃُ وَقَبْضُ الرُّوْحِ وَعَلَیْہِ اِسْتِعْمَالُ الْعَامَّۃِ ... وَالْفِعْلُ مِنَ الْوَفَاۃِ تُوُفِّیَ عَلٰی مَالَمْ یُسَمَّ فَاعِلُہٗ، لِاَنَّ الْاِنْسَانَ لَا یَتَوَفّٰی نَفْسَہٗ، فَالْمُتَوَفِّی ھُوَ اللّٰہُ تَعَالٰی اَوْ اَحَدٌ مِنَ الْمَلَائِکَۃِ وَ زَیْدٌ ھُوَ الْمُتَوَفّٰی۔

یعنی توفی کے معنے مارنے اور قبض رُوح کرنے کے ہیں۔ اور عام لوگوں کا استعمال اسی معنی پہ ہے ۔اور اشتقاق اس کا وفات سے ہے۔ توفی مجہول استعمال کیا جاتا ہے۔ کیونکہ انسان خود اپنی جان کو قبض نہیں کرتا۔ کیونکہ مارنے والا اللہ تعالےٰ ہے یا کوئی اس کا فرشتہ ہے اور انسان وہ ہے۔ جس کو موت دی جاتی ہے۔

توفّی کے معنے احادیث سے

(۱) قَالَ اِنَّہٗ سَیَکُوْنُ مِنْ ذٰلِکَ مَاشَاءَ اللّٰہُ عَزَّ وَجَلَّ ثُمَّ یَبْعَثُ اللّٰہُ رِیْحًا طَیِّبَۃً فَیَتَوَفّٰی کُلُّ مَنْ کَانَ فِیْ قَلْبِہٖ مِثْقَالُ

حَبَّةِ خَرْدَلٍ مِنْ اِيْمَانٍ فَيَبْقٰى مَنْ لَا خَيْرَ فِيْهِ فَيَرْجِعُوْنَ
اِلٰى دِيْنِ اٰبَائِهِمْ (تفسیر ابن کثیر جلد ۴ صـ ۳۸۴ و صـ ۳۸۶)۔

(۲) عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ قَالَ الْمُتَوَفّٰى
عَنْهَا زَوْجُهَا لَا تَلْبِسُ الْمُعَصْفَرَةَ مِنَ الثِّيَابِ۔ الخ۔
(مسند امام احمد بن حنبل مطبوعہ جلد ۶ صـ ۳۰۲)

(۳) عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ
بَكٰى وَبَكٰى اَصْحَابُهٗ حِيْنَ تُوُفِّيَ سَعْدُ ابْنُ مُعَاذٍ اِلٰى
اٰخِرِهٖ۔ (رواہ ابن جریر کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۴۲)۔

(۴) اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا
اشْتَكٰى نَفَثَ عَلٰى نَفْسِهٖ بِالْمُعَوِّذَاتِ وَمَسَحَ عَنْهُ بِيَدِهٖ
فَلَمَّا اشْتَكٰى وَجَعَهُ الَّذِيْ تُوُفِّيَ فِيْهِ طَفِقْتُ اَنْفُثُ
عَلٰى نَفْسِهٖ بِالْمُعَوِّذَاتِ الخ۔ (بخاری جلد ۲ صـ ۶۳۹)۔

(۵) اِنَّ عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ قَالَتْ
رَاَيْتُ ثَلَاثَةَ اَقْمَارٍ سَقَطْنَ فِيْ حُجْرَتِيْ فَقَصَصْتُ رُؤْيَا
عَلٰى اَبِيْ بَكْرِ الصِّدِّيْقِ قَالَتْ فَلَمَّا تُوُفِّيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَدُفِنَ فِيْ بَيْتِهَا قَالَ لَهَا اَبُوْ بَكْرٍ هٰذَا اَحَدُ
اَقْمَارِكِ وَهُوَ خَيْرُهَا (موطا امام مالک جلد ۱ صفحہ ۱۲۱ مطبوعہ ...)

(۶) عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ وَالَّذِيْ تُوُفِّيَ نَفْسُهٗ تَعْنِي النَّبِيَّ
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا تُوُفِّيَ حَتّٰى كَانَتْ اَكْثَرُ صَلَاتِهٖ

قَاعِدًا اِلَّا الْمَكْتُوْبَةَ۔ الخ (مسند امام احمد جلد ۶ صفحہ ۳۰۴)۔

(۷) عَنْ عَائِشَةَ اَنَّهَا قَالَتْ اِنَّ اَبَا بَكْرٍ قَالَ لَهَا يَا بُنَيَّةُ اَيُّ يَوْمٍ تُوُفِّيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الخ (مسند احمد جلد ۶ صفحہ ۱۱۸)

(۸) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ سَمِعْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يَقُوْلُ رَقِيَهُ بِطَلْحَةَ بْنِ عُبَيْدِ اللّٰهِ مَالِيْ اَرَاكَ قَدْ شَعِثْتَ وَ اغْبَرَرْتَ مُنْذُ تُوُفِّيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ اٰلِهٖ وَسَلَّمَ الخ (مسند احمد جلد ۱ صفحہ ۲۸)

(۹) عَنْ عُثْمَانَ اَنَّ رِجَالًا مِنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ تُوُفِّيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ وَ اٰلِهٖ وَسَلَّمَ حَزِنُوْا عَلَيْهِ حَتّٰى كَادَ بَعْضُهُمْ يُوَسْوِسُ وَكُنْتُ مِنْهُمْ فَقُلْتُ لِاَبِيْ بَكْرٍ تُوُفِّيَ اللّٰهُ نَبِيَّهُ الخ (کنز العمال جلد ۷ صفحہ ۲۳)

توفّی کے لئے انعامی اشتہار

چونکہ متنازعہ فیہ جگہ میں توفّی باب تفعل سے ہے۔ اور اللہ تعالیٰ فاعل ہے۔ اور ذی رُوح یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام مفعول ہیں۔ اس لئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام نے ایسی صورت میں توفی کے معنے سوائے قبض رُوح کے دکھانے والے کو ایک ہزار روپیہ انعام مقرر فرمایا ہے۔ مگر آجتک کوئی مردِ میدان نہیں بنا۔ جو انعام حاصل کرتا۔ اور نہ ہی ہوگا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

بعض غیر احمدی مولوی کہا کرتے ہیں کہ تم نے توفّی کے متعلق یہ قاعدہ کہاں

سے لیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ فاعل اور کوئی ذی رُوح مفعول ہو۔ تو اسکے معنے قبض رُوح یا مَوت کے ہوتے ہیں۔ تو اس کے جواب میں یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ قاعدہ کوئی من گھڑت قاعدہ نہیں ہے۔ بلکہ کتب لغت میں مذکور ہے جیساکہ قاموس تاج العروس اور لسان العرب میں ہے۔

(۱) تَوَفَّاهُ اللّٰہُ قَبَضَ رُوْحَهٗ (قاموس جلد ۴ صفحہ ۴۰۳) یعنی اللہ تعالیٰ نے اس ذی رُوح کو توفّی کی۔ یعنی اس کی رُوح قبض کر لی۔ اس حوالہ میں لفظ "توفّی" باب تفعل سے ہے۔ اللہ فاعل مذکور ہے اور "ہٗ" کی ضمیر بھی جو ذی رُوح کیطرف پھرتی ہے موجود ہے۔ اس کے معنے قبض رُوح صاف طور پر لکھے ہیں۔

اسی طرح تاج العروس جلد ۱۰ صفحہ ۳۹۴ اور لسان العرب جلد ۲۰ صفحہ ۲۸۰ کے حوالے اُوپر درج ہو چکے ہیں۔

(۲) "تَوَفَّی اللّٰہُ فُلَانًا اے قَبَضَ رُوْحَهٗ" اللہ نے فلاں شخص کی توفّی کی۔ یعنی اس کی رُوح کو قبض کیا۔ (صحاح جوزی)۔

(۳) استقراء کے طور پر یہ قاعدہ ہے۔ اِس کے خلاف ایک مثال ہی بموجب شرائط پیش کرد۔ جو یقیناً ناممکن ہے۔ خادمؔ

غیر احمدیوں کے عذر کا جواب

محمدیہ پاکٹ بک صفحہ ۵۱۴ پر ہو "توفّی" کے معنی تفسیر بیضاوی اور تفسیر کبیر کے حوالہ سے "اَلتَّوَفِّیْ اَخْذُ الشَّیْءِ وَافِیًا" اور "تَوَفَّیْتُ مِنْهُ دَرَاهِمِیْ" مذکور ہیں۔ ان ہر دو مثالوں میں "توفّی" کا مفعول ذی رُوح نہیں بلکہ پہلی مثال میں "شیءٌ" اور دُوسری میں

دَرَاهِمَ" غیر ذی رُوح مفعول ہے۔ مگر "یَا عِیْسٰی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ" اور "فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ" میں مفعول حضرت عیسٰیؑ ذی رُوح ہیں۔

براہین احمدیہ کے حوالہ کا جواب

اِسی طرح محمدیہ پاکٹ بک صفحہ ۵۱۰ پر جو براہین احمدیہ صفحہ ۵۱۹ حاشیہ کے حوالہ سے جو ترجمہ آیت "اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ" کا بدیں الفاظ درج کیا گیا ہے کہ "میں تجھ کو پُوری نعمت دُونگا" وہ حجت نہیں۔ کیونکہ اسی براہین احمدیہ کے صفحہ ۵۵۷ پر "اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ" کا ترجمہ "وفات دُونگا" بھی درج ہے جو درست ہے۔ "نعمت دُونگا" والا ترجمہ لائق استناد نہیں۔ کیونکہ خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تحریر فرمایا ہے کہ وہ ترجمہ مستند نہیں ہے۔ ملاحظہ ہو۔ فرماتے ہیں:-

(الف) "یاد رہے کہ براہین احمدیہ میں کلمات الٰہیہ کا ترجمہ ہے۔ وہ بباعث قبل از وقت ہونے کے کسی جگہ مجمل ہے اور کسی جگہ معقولی رنگ کے لحاظ سے کوئی لفظ حقیقت سے پھیر اگیا ہے۔ یعنی صرف عن الظاہر کیا گیا ہے.... پڑھنے والوں کو چاہیئے۔ کہ کسی ایسی تاویل کی پرواہ نہ کریں" (براہین احمدیہ حصہ پنجم صفحہ ۵۱ بشیہ)

(ب) "میں نے براہین احمدیہ میں غلطی سے توفّی کے معنی ایک جگہ پُورا دینے کے کئے ہیں۔ جس کو بعض مولوی صاحبان بطور اعتراض پیش کیا کرتے ہیں مگر یہ امر جائے اعتراض نہیں۔ میں مانتا ہوں کہ وہ میری غلطی ہے الہامی غلطی نہیں۔ میں بشر ہوں۔ اور بشریت کے عوارض مثلاً جیسا کہ سہو اور نسیان اور غلطی یہ تمام انسانوں کی طرح مجھ میں بھی ہیں۔ گو میں جانتا ہوں کہ کسی غلطی پر مجھے خدا تعالیٰ قائم نہیں رکھتا۔ مگر یہ دعوٰی نہیں کرتا کہ میں اپنے اجتہاد میں غلطی نہیں کر سکتا

خدا کا الہام غلطی سے پاک ہوتا ہے۔ مگر انسان کا کلام غلطی کا احتمال رکھتا ہے کیونکہ سہو و نسیان لازمۂ بشریت ہے۔" (ایام الصلح صفحہ ۱۴۱)

(ج) حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جو کچھ ایام الصلح کی عبارت میں تحریر فرمایا ہے وہ قرآن مجید اور احادیثِ نبوی کے عین مطابق ہے۔ کیونکہ یہی بات خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمائی ہے۔ جیسا کہ حضور فرماتے ہیں:۔

"مَا حَدَّثْتُكُمْ عَنِ اللّٰهِ سُبْحَانَهٗ فَهُوَ حَقٌّ وَمَا قُلْتُ فِيْهِ مِنْ قِبَلِ نَفْسِيْ فَإِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ أُخْطِئُ وَأُصِيْبُ"

(نبراس شرح الشرح لعقائد نسفی ص۳۹۲)

"کہ جو بات میں اللہ تعالیٰ کی وحی سے کہوں تو وہ درست ہوتی ہے۔ (یعنی اس میں غلطی کا امکان نہیں) لیکن جو بات میں اس وحی الٰہی کے ترجمہ اور تشریح کے طور پر اپنی طرف سے کہوں۔ تو یاد رکھو کہ میں بھی انسان ہوں میں اپنے خیال میں غلطی بھی کر سکتا ہوں (تفصیل کیلئے دیکھو پاکٹ بک ہذا الہامات پر اعتراضات کا جواب صفحہ ۶۶۷)

اسی طرح بخاری میں بھی ہے:۔

"إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ أَنْسٰى كَمَا تَنْسَوْنَ" (بخاری جلد ۱ ص۵۳)

کہ میں بھی انسان ہوں۔ تمہاری طرح مجھ سے بھی نسیان ہو جاتا ہے۔

توفی کے معنے تفاسیر سے۔ تفسیر خازن جلد ۱ ص۲۸۵ پر ہے:۔

(۱) اَلْمُرَادُ بِالتَّوَفِّيْ حَقِيْقَةُ الْمَوْتِ۔ یعنی توفی سے مراد موت کی حقیقت ہے۔

(۲) تفسیر کبیر جلد ۲ ص۴۸۹ پر لکھا ہے۔ مُتَوَفِّيْكَ کے معنی ہیں مُمِيْتُكَ

عُمْرَكَ فَحِيْنَئِذٍ اَتَوَفَّاكَ فَلَا اَتْرُكُهُمْ حَتّٰى يَقْتُلُوْكَ ۔

(۳) تفسیر در منثور جلد ۲ صـ۳۶ طبع مصر پر لکھا ہے:۔

"اَخْرَجَ ابْنُ جَرِيْرٍ وَابْنُ الْمُنْذِرِ وَابْنُ اَبِیْ حَاتِمٍ مِنْ طَرِيْقِ عَلِیٍّ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ فِیْ قَوْلِهٖ اِنِّیْ مُتَوَفِّيْكَ يَقُوْلُ اِنِّیْ مُمِيْتُكَ"

یعنی ابن عباسؓ مُتَوَفِّيْكَ کے معنے مارنے والا کرتے تھے۔

(۴) تفسیر فتح البیان جلد ۳ صفحہ ۱۲۳ پر لکھا ہے۔ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِیْ کے نیچے قِيْلَ هٰذَا يَدُلُّ عَلٰى اِنَّ اللّٰهَ سُبْحَانَهٗ تَوَفَّاهُ قَبْلَ اَنْ يَّرْفَعَهٗ"

یعنی خداتعالیٰ نے عیسیٰؑ کو اٹھانے سے پہلے وفات دے دی تھی۔

(۵) تفسیر کشاف جلد ۱ صفحہ ۳۰۶ پر مُتَوَفِّيْكَ کے معنے لکھے ہیں۔ وَمُمِيْتُكَ حَتْفَ اَنْفِكَ۔ یعنی طبعی موت سے مارنے والا ہوں۔

(۶) تفسیر مدارک بر حاشیہ خازن جلد ۱ صفحہ ۳۸۴ ایضاً۔

(۷) تفسیر سر سید احمد خاں صاحب جلد ۲ صفحہ ۲۵۵۔

"پھر جب تو نے مجھ کو فوت کیا۔ تو تو ہی ان پر نگہبان تھا"

(۸) تفسیر فتح البیان جلد ۲ صفحہ ۴۹ پر ہے۔ زیر آیت متوفیک۔

"قَالَ اَبُوْ زَيْدٍ مُتَوَفِّيْكَ قَابِضُكَ ۔۔۔۔ وَالْمَعْنٰى كَمَا قَالَ فِی الْكَشَّافِ الخ" اس نے بھی کشاف کے معنوں کو قبول کیا ہے اور وہ گذر چکے ہیں۔

(۹) تاج التفاسیر جلد ۱ صـ۴۶ زیر آیت يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ (بقرہ ع ۲) سے يَمُوْتُوْنَ مِنْكُمْ۔

(۱۰) سراج التفاسیر جلد ۱ صفحہ ۱۲۵ يُتَوَفَّوْنَ سے يَمُوْتُوْنَ۔

(۱۱) مجمع البیان جلد ۱ صـ۲۳۴ ۔ یُتَوَفَّوْنَ مِنْکُمْ اے یُقْبَضُوْنَ وَیَمُوْتُوْنَ۔

(۱۲) فتح البیان جلد ۱ صـ۳۰۷ ۔ یُتَوَفَّوْنَ مِنْکُمْ وَالْمَعْنٰی الَّذِیْنَ یَمُوْتُوْنَ۔

(۱۳) دُرالاسرار جلد ۱ صفحہ ۴۰ ۔ یُتَوَفَّوْنَ لِیَرُدُّوْا حِمَامَہُمْ ۔

(۱۴) ترجمۃ القرآن تفسیر عبداللہ چکڑالوی صـ۲۰۲ "وَالَّذِیْنَ یُتَوَفَّوْنَ مِنْکُمْ اور جو لوگ مرجاوینگے تم میں سے"۔

(۱۵) رُوح البیان جلد ۱ صفحہ ۲۴۸ ۔ وَالَّذِیْنَ یُتَوَفَّوْنَ مِنْکُمْ ۔ اے یَمُوْتُوْنَ وَیُقْبَضُ اَرْوَاحُہُمْ بِالْمَوْتِ ۔

(۱۶) فتح البیان جلد ۸ صـ۲۳۷ ۔ اَلَّذِیْنَ یَتَوَفَّاھُمْ اے نَقْبَضُ اَرْوَاحُہُمْ

(۱۷) فتح البیان جلد ۸ صـ۱۶۰ ۔ اَللّٰہُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِہَا اے یَقْبِضُ الْاَرْوَاحَ عِنْدَ حُضُوْرِ اٰجَالِہَا ۔

(۱۸) رُوح المعانی جلد ۵ صـ۲۰۹ ۔ وَمِنْکُمْ مَنْ یُتَوَفّٰی اے مِنْکُمْ مَنْ یَمُوْتُ قَبْلَ بُلُوْغِ الْاَشُدِّ ۔

(۱۹) رُوح البیان جلد ۳ صـ۴۰۳ وصـ۴۰۴ ۔ اَللّٰہُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِہَا یُقَالُ تَوَفَّاہُ اللّٰہُ قَبَضَ رُوْحَہٗ کَمَا فِی الْقَامُوْسِ .... وَمَعْنَی الْاٰیَۃِ یَقْبِضُ اللّٰہُ الْاَرْوَاحَ الْاِنْسَانِیَّۃَ عَنِ الْاَبْدَانِ الخ ۔

(۲۰) رُوح البیان جلد ۳ صفحہ ۷۴ ۔ یَتَوَفّٰکُمْ مَلَکُ الْمَوْتِ قَالَ فِی الصِّحَاحِ تَوَفَّاہُ قَبَضَ رُوْحَہٗ وَالْوَفَاۃُ اَلْمَوْتُ ۔

(۲۱) رُوح البیان جلد ۳ صفحہ ۲۶۵ ۔ وَمِنْکُمْ مَنْ یُتَوَفّٰی یُقْبَضُ رُوْحُہٗ وَیَمُوْتُ ۔

(۲۲) رُوح البیان جلد ۲ صفحہ ۲۶۹ - اَوْ نَتَوَفَّیَنَّكَ - اگر بمیرانیم ترا پیش از ظہور آں عذاب -

(۲۳) رُوح البیان جلد ۲ صہ ۳۴۱ - تَتَوَفَّاهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اے تقبضُ اَرْوَاحَهُمْ مَلَكُ الْمَوْتِ وَ اَعْوَانُهٗ -

(۲۴) رُوح البیان جلد ۲ صفحہ ۲۵۳ - اَوْ نَتَوَفَّیَنَّكَ اے نقبضُ رُوْحَكَ الطَّاهِرَةَ قَبْلَ اِرَاءَةِ ذَالِكَ -

(۲۵) رُوح البیان جلد ۲ صہ ۶۲۳ - وَمِنْكُمْ مَنْ يُتَوَفّٰى اے يُقبضُ رُوْحُهٗ وَ يَمُوْتُ بَعْدَ بُلُوْغِ الْاَشُدِّ اَوْ قَبْلَهٗ . . . وَالتَّوَفِّيْ عِبَارَةٌ عَنِ الْمَوْتِ وَ تَوَفَّاهُ اللّٰهُ قَبَضَ رُوْحَهٗ -

(۲۶) رُوح البیان جلد ۲ صہ ۲۱۲ - تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا اے اقْبِضْنِيْ اِلَيْكَ مُخْلِصًا بِتَوْحِيْدِكَ -

(۲۷) انوار التنزیل - تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا اقْبِضْنِيْ -

مفسّرین کو غلطی لگی ہے

فتح البیان جلد ۲ صہ ۴۹ زیر آیت متوفیک لکھا ہے -

وَ اِنَّمَا احْتَاجَ الْمُفَسِّرُوْنَ اِلٰى تَاوِيْلِ الْوَفَاةِ بِمَا ذُكِرَ لِاَنَّ الصَّحِيْحَ اَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى رَفَعَهٗ اِلَى السَّمَاءِ مِنْ غَيْرِ وَفَاةٍ كَمَا رَجَّحَهٗ كَثِيْرٌ مِّنَ الْمُفَسِّرِيْنَ وَ اخْتَارَهٗ ابْنُ جَرِيْرِ الطَّبَرِيُّ وَوَجْهُ ذَالِكَ اَنَّهٗ قَدْ صَحَّ فِي الْاَخْبَارِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ نُزُوْلُهٗ وَ قَتْلُهُ الدَّجَّالَ - یعنی کہتے ہیں کہ

مفسرین نے جو وفات عیسیٰ علیہ السلام کی نص کی تاویلیں کی ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے حدیثوں میں ان کیلئے نزول کا لفظ دیکھا۔ اور ان کے قتل دجال کا بیان پڑھا۔ حالانکہ نزول سے آسمان پر جانا اور قتل دجال کے ذکر سے بجسمہ ان کا زندہ رہنا ثابت نہیں ہوتا۔ (تفصیل اپنی جگہ پر دیکھیں)۔

دوسری دلیل۔ اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰٓى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَىَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ۔ (آل عمران رکوع ۶)

ترجمہ:۔ جب فرمایا اللہ تعالیٰ نے اے عیسیٰ میں ہی تجھے وفات دینے والا ہوں اور عزت دینے والا ہوں تجھ کو۔ اور یہود نامسعود کے اعتراضات سے تجھے بری الذمہ کرنے والا ہوں۔ اور تیرے ماننے والوں کو قیامت تک نہ ماننے والوں پر غالب کرنے والا ہوں۔

استدلال۔ اللہ تعالیٰ نے متوفیک کو پہلے رکھا ہے۔ ہمارا کوئی حق نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ترتیب کو بدلیں۔ ورنہ اس کی حکمت پر الزام آئیگا کہ اس نے اس چیز کو جو پیچھے تھی بلا وجہ آگے کر دیا۔ (نعوذ باللہ)

دوم۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا کہ حضورؐ پہلے صفا کا طواف کرینگے یا مروہ کا۔ آپؐ نے فرمایا۔ اَبْدَءُ بِمَا بَدَءَ اللّٰهُ۔ اس سے شروع کرتا ہوں جسے اللہ تعالیٰ نے شروع کیا ہے۔ پس ہمیں بھی پہلے وہی رکھنا چاہیئے۔ جسکو اللہ تعالیٰ نے پہلے رکھا ہے (نیز دیکھو محمدیہ پاکٹ بک ص۵۶۱ بحوالہ مسلم وجلالین)

سوم۔ اگر متوفیک کو پیچھے کیا جائے۔ تو ساری ترکیب ہی درہم برہم ہو جائیگی اور

صحیح طور پر متوفیک کی کوئی جگہ نہ ہوگی۔ کیونکہ وعدہ نمبر۲ اب شروع ہے۔ اور الیٰ یوم القیامۃ رہیگا۔ توفی کے معنے اوپر گذر چکے ہیں۔ اور رفع کے معنے بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ کی بحث میں ملاحظہ کریں۔

غیر احمدی۔ واؤ ترکیب کے لئے نہیں ہوتی۔ جیساکہ قرآن مجید کی آیت "وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْئِدَةَ (نحل ع ۱۱) میں ہے۔

جواب آیت محولہ میں تو نہایت پُر معارف ترتیب ہے کیونکہ جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو اسوقت اُسکی آنکھیں بند ہوتی ہیں۔ ہاں کان کھلے ہوتے ہیں۔ سُن سکتا ہے۔ اسی لئے سب سے پہلے اسکے کان میں اذان دینے کا حکم ہے۔ پس اس وجہ سے قرآن مجید میں "سمع" (سُننے کو) پہلے رکھا گیا ہے۔ دیکھنے کی قوت بعد میں ظاہر ہوتی ہے اس لئے ابصار کو بعد میں بیان کیا گیا۔ اور چونکہ عقل اور سمجھ بہت بعد میں آتی ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے "افئدہ" (دل) کو سب سے پیچھے رکھا۔ "دِل" عقل کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے جیساکہ قرآن مجید میں ہے۔ "لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا" (اعراف ع ۲۲ پ ۹ ع ۱۲) کہ ان کے دِل ہیں مگر ان دلوں سے یہ سمجھتے نہیں۔ پس آیت قرآنی میں حد درجہ ایمان افروز ترتیب ہے۔ اسی طرح ادخلوا الباب سجدًا و قولوا حطۃ میں بھی ہر دو مقامات پر عدم ترتیب نہیں کیونکہ حطۃ کہنا دروازے میں داخل ہونے کے ساتھ ہی ہر دو مقامات پر بیان ہوا ہے یعنی دروازہ میں داخل ہونا اور حطہ کہنا قرآن مجید کی دونوں آیات "ادخلوا الباب سجدًا و قولوا حطۃ" اور قولوا حِطَّةٌ وادخلوا الباب سجدًا

میں بیک وقت وقوع میں آنا بیان ہوا ہے۔ پس اس میں بھی تقدیم تاخیر کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔ پس حق اور سچ بات یہی ہے کہ انسان کے کلام میں تو واؤ حالیہ اگر بغیر صحیح ترتیب کے مستعمل ہو تو ممکن ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ کا کلام بغیر ترتیب کے نہیں ہو سکتا۔ تعجب ہے کہ حیات مسیح کے باطل عقیدہ نے تم کو قرآن مجید کے مرتب اور مسلسل کتاب ہونے کا بھی منکر بنا دیا۔ سچ ہے ؎ خشتِ اول چوں نہد معمار کج

تا ثریا مے رود دیوار کج

تیسری دلیل۔ مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ط وَاُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ ط كَانَا يَاْكُلَانِ الطَّعَامَ ط (مائدہ ع ۱۰)

ترجمہ۔ نہیں مسیح ابن مریم مگر ایک رسول البتہ آپ سے پہلے سب رسول فوت ہو چکے اور آپ کی والدہ راستباز تھی۔ وہ دونوں ماں بیٹا کھانا کھایا کرتے تھے۔

استدلال۔ اللہ تعالیٰ نے عیسےٰؑ اور مریم کے ترک طعام کو ایک جگہ بیان فرما کر ظاہر کر دیا کہ دونوں کے یکساں واقعات ہیں۔ اب مریم کے ترک طعام کی وجہ موت مسلّم ہے تو ماننا پڑیگا کہ حضرت مسیحؑ کے ترک طعام کی بھی یہی وجہ تھی۔ کیونکہ کَانَا یَاْکُلَانِ الطَّعَامَ ماضی استمراری ہے۔ گویا اب نہیں کھاتے۔ لیکن خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا يَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوْا خٰلِدِيْنَ (انبیاء ع ۱) یعنی ان کو (انبیا کو) ہم نے ایسا جسم نہیں بنایا جو کھانا نہ کھاتا ہو یا ہمیشہ رہنے والا ہو۔ حدیث میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔ وَلَا مُسْتَغْنِىْ عَنْهُ

رَبَّنَا (بخاری) - اے ہمارے رب ہمارے لئے اس سے استغنا نہیں ہو سکتا۔ پس بشر بصورت زندگی تو محتاج طعام ہے۔ پس مسیح علیہ السلام کا اس احتیاج سے بری ہونا سوائے موت کے کیونکر ممکن ہے۔ فتدبروا۔

چوتھی دلیل - وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَاِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ (آل عمران رکوع ۱۵)

ترجمہ۔ آنحضرت صلعم صرف ایک رسول ہیں۔ آپ سے پہلے کے سب رسول گذر چکے ہیں پس اگر یہ مرجائے یا قتل کیا جائے تو تم اپنی ایڑیوں پر پھر جاؤ گے؟

استدلال - اس آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے تمام رسولوں کی نسبت گذر جانے کی خبر دی ہے اور گذر جانے کے طریق صرف دو قرار دئے ہیں۔ موت اور قتل۔ یعنی بعض بذریعہ موت طبعی گذر ے اور بعض بذریعہ قتل۔ اگر کوئی تیسری صورت گذرنے کی ہوتی تو اس کا بھی آیت میں ذکر ہوتا مثلاً آسمان پر زندہ اٹھائے جانے کی صورت جو مسیح کے متعلق خیال کی جاتی ہے۔ چنانچہ اس کی تائید تفسیروں کے ان حوالجات سے بھی ہوتی ہے۔ جو زیر عنوان "خلا کے معنے تفسیر میں" درج ہیں۔ (دیکھو صفحہ ۳۴۸ و ۳۴۹)۔

اس آیت میں صاف لکھا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے سب رسول گذر چکے ہیں یعنی فوت ہو چکے ہیں جن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی شامل ہیں۔ بلکہ یوں کہنا چاہیئے۔ کہ چونکہ آیت مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ میں سے بظاہر حضرت مسیح باہر رہ جاتے تھے اللہ تعالیٰ نے انکی وفات کا بالتخصیص ذکر فرمانے کیلئے یہ آیت نازل فرمائی

غیر احمدی عذرات کا جواب

مصنف محمدیہ پاکٹ بک نے اس ضمن میں ص۵۷۶ و ۵۷۵ پر جو ترجمہ حضرت مسیح موعودؑ اور حضرت خلیفہ اول رضؓ کا جنگ مقدس۔ شہادۃ القرآن اور فصل الخطاب کے حوالہ سے دیا ہے کہ "کئی رسول" یا "بہت سے رسول"۔ یہ غیر احمدیوں کے چنداں مفید مطلب نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اس ترجمہ سے باقی رسولوں کی نفی نہیں ہوتی۔ البتہ اگر "چند رسول" یا "بعض رسول" ہوتا تو کوئی بات بھی تھی۔ ورنہ جس قدر رسول آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل گذر چکے تھے اس میں کیا شک ہے کہ وہ "کئی" اور "بہت سے" تھے۔

غیر احمدی۔ قرآن مجید میں آتا ہے کہ "قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمُ الْمَثُلٰتُ" (رعد) اس سے پہلے بہت سے عذاب گذر چکے ہیں۔ کیا یہاں خلا کے معنی موت ہیں؟

(محمدیہ پاکٹ بک صفحہ ۵۷۷)

جواب۔ ہمارا دعویٰ تو یہ ہے کہ خلا کا لفظ بصیغہ ماضی جب انسانوں کے متعلق استعمال ہو تو ہمیشہ وفات یافتہ انسانوں ہی کے متعلق آتا ہے مگر کیا تمہاری پیش کردہ آیت میں "مثلٰت" (عذاب) ذی روح یا انسان ہیں؟

محمدیہ پاکٹ بک کی پیش کردہ دوسری آیت "قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهَا اُمَمٌ" میں ہلاک شدہ قومیں ہی مراد ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ سورۃ رعد میں فرماتا ہے:۔

"اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّ عَادٍ وَّ ثَمُوْدَ وَالَّذِيْنَ مِنْ بَعْدِهِمْ لَا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا اللّٰهُ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَرَدُّوْا اَيْدِيَهُمْ فِيْ اَفْوَاهِهِمْ" (ابراہیم ع ۲ پ ۱۳)

یعنی کیا تمہیں اُن قوموں کی خبر نہیں ملی جو تم سے پہلے تھیں یعنی قوم نوح۔ عاد۔ ثمود

اور وہ لوگ جو اُن کے بعد ہوئے جن کو سوائے خدا کے اور کوئی نہیں جانتا۔ اُن کے پاس رسُول آئے۔ تو اُنہوں نے ان کا انکار کیا۔

انہی اقوام کی تباہی اور ہلاکت کی تفصیل سورۂ ہود اور دُوسری سُورتوں میں متعدد مقامات پر قرآن مجید میں دی گئی ہے۔ پس تمہاری پیش کردہ سُورۃ رعد والی آیت میں بھی "خلت" کے معنے ہلاکت شدہ ہی ہے نہ کچھ اور۔

خلا کے معنی از رُوئے قرآن کریم

رُفِعَ اِلَی السَّمَآءِ۔ خلا کے اندر داخل نہیں فرمایا۔ جس سے معلوم ہوا کہ اس قسم کا خلا کسی کا نہیں ہوتا۔ اگر کوئی کہے کہ چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے آسمان پر نہ جانا تھا۔ اس لئے وہ ذکر نہ کیا گیا۔ تو ہم کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے قتل بھی تو نہ ہونا تھا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ وعدہ فرما چکا تھا۔ اَللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ۔ پھر قتل کا ذکر کیوں کیا؟ معلوم ہوا کہ رَفَعَ اِلَی السَّمَآء خلا میں شامل نہیں۔ دوم۔ بہت جگہ یہ لفظ قرآن کریم میں موت کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ ملاحظہ ہو:۔

۱۔ تِلْکَ اُمَّۃٌ قَدْ خَلَتْ۔ دو مرتبہ (سورۂ بقرہ رکوع ۱۶)۔

۲۔ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِہِ الرُّسُلُ (سورۂ مائدہ رکوع ۱۰)۔

۳۔ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِھَا اُمَمٌ (رعد رکوع ۴)۔

۴۔ فِیْ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِھِمْ

۵۔ وَقَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِیْ (احقاف رکوع ۲)۔

۶۔ فِیْ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ۔ (احقاف رکوع ۲)

۷- وَقَدْ خَلَتِ النُّذُرُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ (احقاف رکوع ۳)

۸- الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِهِمْ (یونس رکوع ۱۰)

۹- وَمَثَلًا مِّنَ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ (نور رکوع ۴)

۱۰- الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ - (احزاب رکوع ۵)

خلا کے معنے از لغتِ عرب

سوم - لغت سے خلا کے معنے مَاتَ کے ثابت ہیں۔ خَلَا فُلَانٌ اِذَا مَاتَ (لسان العرب) خَلَا الرَّجُلُ اے مَاتَ (اقرب الموارد جلد ۱ صـ ۲۹۹)۔ خَلَا فُلَانٌ اے مَاتَ (تاج العروس شرح قاموس جلد ۱۰ صـ ۱۱۹) شعر کی مثال:۔

ے اِذَا سَيِّدٌ مِّنَّا خَلَا قَامَ سَيِّدٌ قَؤُوْلٌ لِّمَا قَالَ الْكِرَامُ فَعُوْلُ

خلا کے معنے تفاسیر:۔ (۱) تفسیر مظہری جلد ۱ صفحہ ۴۸۵ :-
قَدْ خَلَتْ مَضَتْ وَمَاتَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ فَسَيَمُوْتُ هُوَ اَيْضًا۔

(۲) تفسیر جامع البیان صـ ۶۱ - قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ بِالْمَوْتِ اَوِ الْقَتْلِ فَيَخْلُوْا مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ اَيْضًا۔

(۳) تفسیر بحر مواج جلد ۱ صفحہ ۴۳۱ - معنی ایں است کہ بدرستی پیش از و پیغمبران گذشتہ اند وہمہ از جہاں رفتہ اند۔

(۴) تفسیر سراج منیر جلد ۱ صـ ۲۳۹ - فَيَخْلُوْا كَمَا خَلَوْا بِالْمَوْتِ اَوِ الْقَتْلِ یعنی پہلے رسول یا مر گئے یا قتل ہو گئے۔ اسی طرح آنحضرت ﷺ بھی ہونگے۔

(۵) تفسیر خازن جلد ۱ صـ ۳۴۳ - وَمَعْنَى الْاٰيَةِ فَسَيَخْلُوْا مُحَمَّدٌ كَمَا خَلَتِ الرُّسُلُ مِنْ قَبْلِهٖ۔

(۶) تفسیر مدارک بر حاشیہ خازن جلد ا صـ ۳۴۱ "خلت ۔ مضت ۔ فسیخلوا"

(۷) تفسیر کشاف جلد ا صـ ۳۲۵ "فسیخلو اکما خلوا" نبی کریم صلعم کا خلا ویسے ہی ہوگا جیسے پہلوں کا ہوچکا۔

(۸) تفسیر قنوی علی البیضاوی جلد ۳ صـ ۱۲۴ ۔ فَسَیَخْلُوْا کَمَا خَلَوْا بِالْمَوْتِ اَوِ الْقَتْلِ.... اِنَّهُمْ اعْتَقَدُوْا اِنَّهٗ رَسُوْلٌ کَسَائِرِ الرُّسُلِ فِیْ اِنَّهٗ یَخْلُوْا کَمَا خَلَوْا رُدَّ عَلَیْهِمْ اِنَّهٗ لَیْسَ اِلَّا رَسُوْلًا کَسَائِرِ الرُّسُلِ فَسَیَخْلُوْا کَمَا خَلَوْا۔

یعنی لوگوں نے اعتقاد کیا کہ آنحضرت صلعم فوت نہ ہونگے۔ تو اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ باقی رسول جب فوت ہوگئے تو یہ کیوں نہ فوت ہونگے۔

اس آیت سے وفاتِ مسیحؑ پر صحابہؓ کا اجماع

آنحضرت صلعم کی وفات صدمہ آفات نے صحابہؓ کی کمر ہمت کو توڑ دیا حتیٰ کہ حضرت عمرؓ نے کہنا شروع کیا کہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فوت شدہ کہیگا۔ اس کی گردن اڑا دونگا۔ چنانچہ بخاری کتاب النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم الی کسریٰ وقیصر میں مندرجہ ذیل حدیث ہے :۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ اَبَا بَکْرٍ خَرَجَ وَعُمَرُ یُکَلِّمُ النَّاسَ فَقَالَ اجْلِسْ یَا عُمَرُ فَاَبٰی عُمَرُ اَنْ یَّجْلِسَ فَاَقْبَلَ النَّاسُ اِلَیْهِ وَتَرَکُوْا عُمَرَ فَقَالَ اَبُوْ بَکْرٍ اَمَّا بَعْدُ مَنْ کَانَ مِنْکُمْ یَعْبُدُ مُحَمَّدًا صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ۔ فَاِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ مَاتَ وَمَنْ کَانَ مِنْکُمْ یَعْبُدُ اللّٰهَ فَاِنَّ اللّٰهَ حَیٌّ لَا یَمُوْتُ قَالَ اللّٰهُ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ

قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اِلٰی قَوْلِهٖ الشَّاکِرِیْنَ وَقَالَ وَاللّٰہِ کَانَ النَّاسُ لَمْ یَعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰہَ اَنْزَلَ ھٰذِہٖ الْاٰیَۃَ حَتّٰی تَلَاھَا اَبُوْبَکْرٍ فَتَلَقَّھَا مِنْہُ النَّاسُ کُلُّھُمْ فَمَا اَسْمَعُ بَشَرًا مِنَ النَّاسِ اِلَّا یَتْلُوْھَا۔

فَاَخْبَرَنِیْ سَعِیْدُ ابْنُ الْمُسَیِّبِ اَنَّ عُمَرَ قَالَ بِاللّٰہِ مَاھُوَ اِلَّا سَمِعْتُ اَبَابَکْرٍ تَلَاھَا فَعَقِرْتُ حَتّٰی مَاتُقِلُّنِیْ رِجْلَایَ وَحَتّٰی اَھْوَیْتُ اِلَی الْاَرْضِ حِیْنَ سَمِعْتُہٗ تَلَاھَا اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ قَدْ مَاتَ۔

یہ خطبہ مسند امام ابوحنیفہؒ صفحہ ۱۸۶ اور حمامۃ البشریٰ صفحہ ۵۴ پر بھی موجود ہے تو حضرت ابوبکرؓ نے خطبہ پڑھا جس میں بتایا کہ جس طرح اور رسول فوت ہو چکے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بھی فوت ہو گئے ہیں۔ جس پر صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کسی نے انکار نہ کیا۔ اور حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ مجھے اتنا صدمہ ہوا کہ میں کھڑا نہ ہو سکتا تھا۔ اور زمین پر گر گیا۔ اور میں نے سمجھ لیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فی الواقع فوت ہی ہو چکے ہیں۔ اس سے یوں استدلال ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ کے استدلال کو اس طرح توڑا ہے۔ کہ آپؐ ایک رسول ہیں۔ اور آپؐ سے پہلے سب رسول فوت ہو چکے ہیں۔ اگر حضرت عمرؓ یا کسی اور صحابی کے ذہن میں بھی یہ بات ہوتی کہ حضرت عیسٰیؑ زندہ بجسدہٖ العنصری ہیں تو وہ آگے سے فوراً کہدیتا کہ اجی عیسٰیؑ بھی تو رسول ہی تھے۔ وہ پھر کیوں زندہ ہیں۔ یہ آپ کا کلیہ غلط ہے کہ سب رسول فوت ہو چکے ہیں۔ کیونکہ حضرت عیسٰیؑ زندہ ہیں۔ لیکن کسی کا ایسا نہ کرنا اس بات کا بیّن ثبوت ہے کہ انکے ذہن میں بھی حیاتِ عیسٰیؑ کا عقیدہ نہ تھا۔ بلکہ وہ سب کو وفات یافتہ تسلیم کرتے

تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اُنہوں نے سرِ تسلیم خم کیا اور بالکل چون و چرا نہیں کی۔
اس اجماع سے اُن روایات کی بھی حقیقت کھل جاتی ہے جو بعض صحابہ کرام رضؓ کی طرف حیاتِ عیسیٰؑ کے بارہ میں منسوب کی جاتی ہیں کیونکہ اگر کوئی ایسی روایت ہو تو اس کی دو صورتیں ہیں (۱) یا تو وہ اس اجماع سے پہلے کی ہے۔ (۲) یا بعد کی۔ صورت اول میں وہ قابلِ استناد نہیں کیونکہ اجماع سے وہ گر جائیگی۔ اور صورت ثانی میں بہرحال قابلِ رد۔

اعتراض۔ اگر "الرسل" کا الف لام استغراقی مانا جائے تو لازم آتا ہے۔ کہ آنحضرت صلعم سے پہلے ہی تمام رسول فوت ہو جائیں۔ کیونکہ "مِنْ قَبْلِهِ" بوجہ مقدم ہونے کے "الرسل" کی صفت نہیں بن سکتی ہاں خلت فعل کے ساتھ متعلق ہو سکتی ہے۔ لہذا لازم آیا کہ آنحضرت صلعم سے پہلے ہی تمام رسول فوت ہوں۔ آنحضرت صلعم اور مرزا صاحب دونوں کی نفی ہوئی۔

جواب۔ "مِنْ قَبْلِهِ" "الرُّسُلُ" کی صفت ہی ہے جسکے معنی ہیں کہ تمام وہ رسول فوت ہو گئے۔ جو آنحضرت صلعم سے پہلے تھے اور صفت کا موصوف سے پہلے آنا جائز ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:۔

"صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ اللّٰهِ" (ابراہیم رکوع ۱)

عَزِیْز اور حَمِیْد اللہ کی صفات ہیں۔ جو اس پر اس آیت میں مقدم مذکور ہیں چنانچہ لکھا ہے۔ "وَيَجُوْزُ اَنْ يَّكُوْنَ الْعَزِيْزُ الْحَمِيْدُ صِفَتَيْنِ مُتَقَدِّمَتَيْنِ وَيُعْرَبُ الْاِسْمُ الْجَلِيْلُ مَوْصُوْفًا مُتَاَخِّرًا" (روح المعانی جلد ۱۳ صفحہ ۲۰۸)

(۲) اَتَدْعُوْنَ بَعْلًا وَّتَذَرُوْنَ اَحْسَنَ الْخَالِقِيْنَ ۝ اللّٰهَ

رَبَّکُمْ۔ (سپارہ ۲۳ رکوع ۸ سورۃ الصّٰفّٰت ع ۴)

کیا تم بعل بت کو پکارتے (پوجتے) ہو۔ اور "اَحْسَنَ الْخَالِقِیْنَ" (یعنی سب سے اچھا بنانے والے) خدا کو جو تمہارا رب ہے چھوڑتے ہو۔ اس آیت میں "اَحْسَنَ الْخَالِقِیْنَ" صاف طور پر اللہ کی صفت ہے۔ مگر موصوف (یعنی اللہ) بعد میں ہے۔ اور صفت (احسن الخالقین) اس پر مقدم مذکور ہے۔ اسی طرح مِنْ قَبْلِہٖ بھی "الرُّسُلُ" کی صفت ہے۔ اور اس پر مقدم مذکور ہے۔ فلا اعتراض۔

پانچویں دلیل۔ آیت وَالَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ لَا یَخْلُقُوْنَ شَیْئًا وَّھُمْ یُخْلَقُوْنَ اَمْوَاتٌ غَیْرُ اَحْیَآءٍ وَمَا یَشْعُرُوْنَ اَیَّانَ یُبْعَثُوْنَ۔ (نحل رکوع ۲)

ترجمہ۔ یہ مشرک جن لوگوں کو اللہ کے سوائے پکارتے ہیں۔ وہ ایسے ہیں کہ انہوں نے کچھ پیدا نہیں کیا۔ بلکہ وہ پیدا کئے گئے ہیں مردہ ہیں زندہ نہیں۔ اور نہیں جانتے کہ کب اٹھائے جائیں گے۔

استدلال۔ حضرت عیسٰے علیہ السلام بھی ان ہستیوں میں سے ہیں جن کو معبود مانا جاتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالٰے فرماتا ہے:۔

لَقَدْ کَفَرَ الَّذِیْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰہَ ھُوَ الْمَسِیْحُ ابْنُ مَرْیَمَ (مائدہ ع ۳ و ع ۱۰) پس وہ بھی وفات یافتہ ہیں۔ انکا کہیں استثنا نہیں۔

نوٹ:۔ بعض حیلہ ساز لوگ اس جگہ کہدیا کرتے ہیں کہ اموات میت کی جمع ہے۔ یعنی مرنے والے ہیں۔ کسی وقت ضرور مرینگے۔

جواب ۔ یہ بالکل غلط ہے کہ "اموات" "میت" کی جمع ہے۔ "اموات" تو "مَیْتٌ" کی جمع ہے۔ جس کے معنے ہیں "مرے ہوئے"۔ اور "مَیِّتٌ" کی جمع "مَیِّتُوْنَ" ہے دیکھو لغت کی کتاب المنجد "زیر لفظ موت"۔
اور آیت بھی اسی کی مؤید ہے۔ کیونکہ اس میں ہے اَمْوَاتٌ غَیْرُ اَحْیَاءٍ یعنی ایسے "اموات" جو زندہ نہیں ہیں۔ پس "اموات" کو "میت" کی جمع قرار دینا۔ زبان اور قرآن دونوں سے ناواقفیت کی دلیل ہے۔
اگر ملائکہ اور جنوں کا اعتراض کرو تو یاد رہے کہ وہ عالم امر سے ہیں۔ اور یُخْلَقُوْنَ میں عالم خلق کا بیان ہے اسلئے ان کا یہاں ذکر نہیں۔ ہاں حضرت عیسےٰ علیہ السلام کا ذکر ہے۔ ملائکہ اور جنوں کے متعلق نہ مرنے کا کیا ثبوت ہے۔ کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ کے کلیہ سے وہ کیونکر باہر رہتے ہیں۔

چھٹی دلیل ۔ آیت وَقَالَ فِیْهَا تَحْیَوْنَ وَفِیْهَا تَمُوْتُوْنَ وَمِنْهَا تُخْرَجُوْنَ ۔ (اعراف رکوع ۲)

ترجمہ :۔ اللہ تعالےٰ نے بنی آدم کو فرمایا۔ تم اسی زمین میں ہی زندگی بسر کروگے اور اسی میں مروگے۔ اور پھر اسی سے اٹھائے جاؤگے۔

استدلال ۔ یہ ایک عام قانون الٰہی ہر فرد بشر پر حاوی ہے تو کیونکر ہو سکتا ہے کہ فِیْهَا تَحْیَوْنَ کے صریح خلاف حضرت عیسےٰ علیہ السلام آسمان پر زندہ موجود ہوں۔ اس آیت میں "تَحْیَوْنَ" فعل پر "فِیْهَا" ظرف مقدم ہے۔ پس از روئے قواعد نحو اس میں حصر ہے۔ جس سے استثنا ممکن نہیں۔

نوٹ :۔ اس آیت کی تائید میں یہ آیتیں بھی ہیں ۔

(۱) اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ كِفَاتًا اَحْيَاءً وَّ اَمْوَاتًا (مرسلات ع ۱)

کیا ہم نے زمین کو زندوں اور مُردوں کو سمیٹنے والی نہیں بنایا؟

(۲) وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ (بقرہ ع ۴)

اور تمہارے لیئے زمین میں ٹھکانا ہے۔ اور فائدہ اٹھانا ایک مدت تک۔

ساتویں دلیل۔ آیت۔ وَاَوْصَانِيْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَيًّا۔ (مریم رکوع ۲)۔

ترجمہ:۔ (حضرت عیسٰے علیہ السلام کہتے ہیں) اللہ تعالیٰ نے مجھ کو تاکیدی حکم دیا ہے کہ جب تک میں زندہ رہوں۔ نماز پڑھتا اور زکوٰۃ ادا کرتا رہوں۔

استدلال۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو زکوٰۃ دینا ان کی تمام زندگی بھر فرض قرار دیا گیا ہے۔ اس سے لازم آتا ہے کہ اُن کے پاس زکوٰۃ دینے کے لائق روپیہ بھی ہو۔ اور مستحقین زکوٰۃ بھی زندہ رہیں۔ پس آسمان میں اگر وہ زندہ فرض کیئے جائیں تو وہاں روپیہ اور زکوٰۃ لینے والوں کا ایک گروہ بھی اُن کے ہمراہ ہونا ضرور ہے۔ جس کا کوئی ثبوت نہیں اگر کہو کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کے پاس وہاں مال نہیں اسلیئے اُن پر زکوٰۃ فرض نہیں۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر حضرت عیسٰے علیہ السلام کے آسمان پر اٹھائے جانے کے بعد ان کے پاس مال نہیں رہنا تھا تو مَا دُمْتُ حَيًّا کی بجائے مَا دُمْتُ عَلَى الْاَرْضِ" کہنا چاہیئے تھا جس کا مطلب یہ ہوتا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ "میں جب تک زمین پر رہوں" زکوٰۃ دیتا رہوں۔ پس حضرت عیسٰے کو خدا تعالیٰ کا خاص طور پر زکوٰۃ دینے کا حکم دینا بتاتا ہے کہ حضرت

عیسیٰؑ صاحب نصاب تھے اور جبتک زندہ رہے صاحبِ نصاب رہے۔

دُوسرا سوال اس آیت کے متعلق یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر جو نماز پڑھتے ہیں تو کس طرف مُنہ کر کے؟ اگر کہو کہ عرش خداوندی کی طرف مُنہ کر کے پڑھتے ہیں۔ تو اس پر سوال یہ ہے کہ قرآن مجید کی کونسی آیت کے ماتحت عرش خداوندی کو قبلہ بنانا جائز ہے؟

پھر سوال یہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کونسی نماز پڑھتے ہیں۔ اسرائیلی یا اسلامی؟ اگر کہو اسرائیلی۔ تو معلوم ہوا کہ ابھی تک اسرائیلی نماز آسمان پر منسوخ نہیں ہوئی۔ حالانکہ کوئی امر زمین پر نہیں ہو سکتا۔ جب تک کہ پہلے آسمان پر قرار نہ پائے۔ اگر کہو کہ اسلامی نماز پڑھتے ہیں۔ تو اس پر سوال یہ ہے کہ ان کو وہ کیسے معلوم ہوئی؟ اگر کہو کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو بذریعہ وحی بتا دی ہوگی۔ تو معلوم ہوا کہ حضرت مسیحؑ اسلامی نماز اس لیئے نہیں پڑھتے کہ یہ آنحضرت صلعم پر نازل ہوئی تھی۔ بلکہ اسلیئے کہ یہ خود ان پر نازل ہوئی ہے۔ پس ثابت ہوا کہ ابھی تک موسوی شریعت منسوخ نہیں ہوئی۔ اگر کہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو معراج کی رات عند الملاقات بتا دی ہوگی تو یہ غلط ہے۔ کیونکہ معراج کی رات جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملے ہیں۔ اس وقت تک ابھی نماز فرض ہی نہیں ہوئی تھی۔ بلکہ اس کے بعد فرض ہوئی اور نماز کے فرض ہونے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ان کی ملاقات ثابت نہیں۔

پھر سوال یہ ہے کہ حضرت عیسٰے علیہ السلام دار العمل میں ہیں یا دار الجزاء میں؟
اگر کہو دار العمل میں۔ تو پھر ان پر نماز و زکوٰۃ وغیرہ تمام اعمال کا بجالانا فرض ہے
اور اگر کہو۔ دار الجزاء میں۔ تو وہ ۲ قسم کا ہے۔ (۱) دوزخ۔ (۲) جنت
حضرت عیسٰی علیہ السلام اوّل الذکر میں تو جا نہیں سکتے۔ پس معلوم ہوا کہ وہ
جنّت میں ہیں۔ اور جنّت کے متعلق خداتعالیٰ فرماتا ہے:۔
"وَمَا هُمْ مِنْهَا بِمُخْرَجِيْنَ" (حجر رکوع ۴) کہ جنتی جنت سے نکالے
نہیں جائینگے پس حضرت عیسٰے علیہ السلام اب دنیا میں واپس نہیں آسکتے۔

آٹھویں دلیل - آیت۔ وَالسَّلَامُ عَلَیَّ یَوْمَ وُلِدْتُّ وَیَوْمَ اَمُوْتُ
وَیَوْمَ اُبْعَثُ حَیًّا (مریم ع ۲)۔ ترجمہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کہتے ہیں۔
سلامتی ہے مجھ پر جس دن میں پیدا ہوا۔ اور جس دن میں مرونگا۔ اور جس
دن میں دوبارہ اُٹھایا جاؤں گا۔

استدلال - سلامتی کے یہ تینوں اوقات بعینہٖ اس سورۃ میں حضرت یحیٰی
کے لئے بھی آئے ہیں۔ اور اگر بفرض محال حضرت عیسٰی علیہ السلام زندہ ہوں
اور یہود نامسعود کے نرغے سے بچ کر آسمان پر جا بیٹھے ہیں۔ تو اس
سلامتی کا کہاں ذکر ہے؟ وہ تو زیادہ اظہار امتنان کا موقع تھا۔ ان
مواقع مذکورہ میں تو سب نبی مورد سلامتی بنتے ہیں آپ کے شریک ہیں
لیکن جن ۲ اہم اور عظیم الشان واقعات کی مسیح علیہ السلام کے ساتھ
خصوصیت ہے۔ یعنی آسمان پہ جانا اور آسمان سے واپس آنا یہ سلامتی
کے ساتھ ذکر کرنے کے زیادہ قابل تھے۔ خصوصاً جب کہ یہ مسیح کا کلام

ان کے اختیار سے نہیں بلکہ وحی الٰہی کے ماتحت ہے۔

نویں دلیل۔ آیت۔ وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا۔ (بنی اسرائیل رکوع ۱۱) کفار نے آنحضرت صلعم سے جو نشانات طلب کئے۔ ان میں سے ایک یہ بھی نشان انہوں نے طلب کیا۔ اور سب سے اس کو آخر میں رکھا۔ اور اپنے ایمانی فیصلہ کو اس پر ٹھہرایا کہ آپ آسمان پر جائیں اور وہاں سے کتاب لائیں جس کو ہم پڑھ کر آپ پر ایمان لائیں۔ آپ کو اللہ تعالےٰ نے اس کے جواب میں یہ حکم دیا کہ کہو میرا رب پاک ہے۔ مَیں بندہ رسول ہوں۔ یعنی اللہ کی قدرت میں تو کسی قسم کا نقص نہیں۔ لیکن رسول کو آسمان پر لے جانا سُنّت اللہ نہیں۔

جائے غور ہے کہ کفار کا یہ کہنا کہ تو آسمان پر چڑھ جاوے۔ اور کتاب لادے۔ تب ہم ایمان لادیں گے۔ تو اس کے جواب میں اللہ تعالےٰ نے آنحضرت صلعم کو آسمان پر نہیں اُٹھالیا تا سب کفار ایمان لے آدیں۔ بلکہ یہ فرمایا کہ ایسا نہ ہوگا جس کی وجہ یہ ہے کہ تو ایک بشر رسول ہے اور بشر رسول آسمان پر نہیں جایا کرتے۔ بھائیو! غور کرو۔ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام بشر رسول ہیں۔ تو وہ کیونکر آسمان پر جا سکتے ہیں۔ ؎

غیرت کی جا ہے عیسیٰؑ زندہ ہوں آسماں پر

مدفون ہو زمیں میں شاہِ جہاںؐ ہمارا

دسویں دلیل۔ آیت۔ وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ

اَفَاۡئِنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ ۔ (انبیاء ع ۳)۔

ترجمہ:۔ اور ہم نے تجھ سے پہلے (اے محمد صلعم) کسی انسان کو ہمیشہ کی زندگی نہیں دی کیا ہو سکتا ہے کہ تُو تو فوت ہو جائے اور وہ زندہ رہیں۔

استدلال مسلمانو! دیکھو۔ اللہ تعالیٰ کس قدر غیرت سے فرماتا ہے۔ اَفَاۡئِنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ ط لیکن ایک تم ہو کہ عیسیٰ ؑ کو تو زندہ مانتے ہو۔ مگر اس سیّد المعصومین کو فوت شدہ تسلیم کرتے ہو۔ استدلال صاف ہے زیادہ وضاحت کی ضرورت نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے صاف فرما دیا کہ یہ ہو نہیں سکتا کہ تُو تو جو انفع الناس ہے دُنیا سے رحلت کر جائے۔ اور اور کوئی تجھ سے پہلے کا زندہ ہو۔ پس ثابت ہوا کہ مسیح علیہ السّلام فوت ہو گئے ہیں۔

گیارھویں دلیل ۔ آیت ۔ وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗۤ اَحْمَدُ ۔ (سورہ صف ع ۱)

حضرت عیسیٰ علیہ السّلام نے بشارت دی کہ میرے بعد ایک نبی آئے گا۔ اُس کا نام احمد ہوگا۔

تم کہتے ہو کہ آنحضرت صلعم "احمدؐ" ہیں۔ تو ثابت ہوا کہ عیسیٰ ؑ فوت ہو چکے ہیں۔ کیونکہ "احمدؐ" نے بہر حال مِنْۢ بَعْدِي ہی آنا ہے۔ اگر آج بقول تمہارے وہی عیسےٰ بن مریم واپس آ جائیں۔ تو آنحضرتؐ (احمدؐ) ان سے پہلے ہو جائینگے نہ کہ بعد۔ تو کیا اسوقت قرآن سے مِنْۢ بَعْدِي کاٹ کر اسکی جگہ مِنْ قَبْلِي کردو گے؟

پس ثابت ہوا کہ اب جبکہ "احمدؐ" آ چکا ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام واپس نہیں آ سکتے۔

بارھویں دلیل۔ آیت۔ وَیَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ نَقُولُ لِلَّذِينَ أَشْرَكُوا مَكَانَكُمْ أَنتُمْ وَشُرَكَاؤُكُمْ فَزَيَّلْنَا بَيْنَهُمْ وَقَالَ شُرَكَاؤُهُم مَّا كُنتُمْ إِيَّانَا تَعْبُدُونَ (یونس رکوع ۳)۔

اور جس دن ہم ان کو اکٹھا کریں گے۔ پھر ہم ان سے جنہوں نے شرک کیا۔ کہیں گے۔ کہ تم اور تمہارے شریک اپنی اپنی جگہ پر ٹھہرے رہو۔ پھر ہم ان کے درمیان جدائی ڈال دینگے۔ اور ان کے معبود مشرکوں سے کہینگے کہ تم ہماری عبادت نہیں کرتے تھے۔ اللہ ہمارے اور تمہارے درمیان کافی گواہ ہے ہم تو یقیناً تمہاری عبادت سے غافل ہیں۔

(فَكَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ إِن كُنَّا عَنْ عِبَادَتِكُمْ لَغَافِلِينَ)

ان آیات سے صاف طور پر ثابت ہوتا ہے کہ قیامت کے دن تمام معبودانِ باطلہ خدا کو گواہ رکھ کر کہینگے کہ ہم کو معلوم نہیں کہ لوگ ہماری عبادت کرتے تھے۔ ظاہر ہے کہ حضرت عیسٰے علیہ السلام بھی انہی معبودوں میں سے ہیں جن کی خدا کے سوا عبادت کی جاتی ہے۔ جیسا کہ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ۔ (مائدہ ع ۳)۔ سے ثابت ہے۔ اب اگر بقول غیر احمدیاں حضرت عیسٰی علیہ السلام دوبارہ دُنیا میں تشریف لائیں اور صلیبوں کو توڑ دیں۔ تو وہ کس طرح قیامت کے دن خدا تعالےٰ کو گواہ رکھ کر یہ کہینگے۔ کہ مجھے معلوم نہیں کہ عیسائی میری عبادت کرتے اور مجھے خدا بناتے تھے؟

یا تو یہ کہو کہ نعوذ باللہ حضرت عیسٰی علیہ السلام غلط بیانی کریں گے۔ یا یہ تسلیم کرو کہ اب وہ دوبارہ دُنیا میں تشریف نہیں لائیں گے۔ یہ تو ممکن نہیں

کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام (نعوذ باللہ) غلط بیانی سے کام لیں۔ پس دُوسری بات ہی درست ہے کہ وہ واپس دُنیا میں تشریف نہیں لائینگے۔ وَھٰذَا ھُوَ الْمُرَادُ۔

دیگر آیات۔ ان مندرجہ بالا آیات کے علاوہ اس مسئلہ پر روشنی ڈالنے والی اور بھی بہت سی آیات ہیں۔ جن میں سے چند یہ ہیں:۔

(۱) وَاللّٰہُ خَلَقَکُمْ ثُمَّ یَتَوَفّٰکُمْ وَمِنْکُمْ مَنْ یُّرَدُّ اِلٰۤی اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِکَیْلَا یَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَیْئًا۔ (نحل رکوع ۹)۔

ترجمہ:۔ اللہ وہ ذات ہے جس نے تم کو پیدا کیا۔ پھر تم کو وفات دیتا ہے۔ اور بعض تم میں سے رذیل ترین عمر (انتہائی بڑھاپا) کی طرف لوٹائے جاتے ہیں۔ جس کی وجہ سے وہ جاننے کے بعد نہ جاننے والا بن جاتا ہے۔

ہمارے دوست بتائیں کہ کیا حضرت عیسیٰ ؑ کے اس قانون سے مستثنا ہونے کا کوئی ثبوت اُن کے پاس ہے؟ ہرگز نہیں۔

(۲) وَمِنْکُمْ مَّنْ یُّتَوَفّٰی وَمِنْکُمْ مَّنْ یُّرَدُّ اِلٰۤی اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِکَیْلَا یَعْلَمَ مِنْۢ بَعْدِ عِلْمٍ شَیْئًا۔ (حج رکوع ۱) ترجمہ اُوپر گذر چکا ہے

(۳) وَمَنْ نُّعَمِّرْہُ نُنَکِّسْہُ فِی الْخَلْقِ۔ (یٰس رکوع ۵)۔

ترجمہ:۔ جس کو ہم عمر لمبی دیتے ہیں۔ ہم پھر اس کو خلقت میں اُلٹاتے ہیں یعنی وہ جوانی کے بعد بڑھاپے سے ہوتا ہُوا نادان بن جاتا ہے۔ کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر یہ قانون حاوی نہیں؟

(۴) اَللّٰہُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ ضُعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ ضُعْفٍ قُوَّۃً

ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ ضُعْفًا وَّ شَيْبَةً الخ (روم ع ۶)۔

ترجمہ:۔ اللہ وہ ذات ہے جس نے تم کو ضعف سے پیدا کیا۔ اور پھر کچھ عرصہ کیلئے قوت عطا فرمائی۔ اور پھر قوت کے بعد ضعف اور بڑھاپا بنایا۔

بقول مخالفین احمدیت بھی حضرت عیسیٰ ع نے آسمان پر جانے سے پیشتر قُوّت پائی تھی۔ اب اتنے عرصہ کے بعد ضرور ہے کہ آپ دوبارہ **ضعف** کا شکار ہو چکے ہوں اور دُنیا میں آکر بجائے خدمتِ دین کرنے کے اپنی ہی خدمت کرائیں۔

(۵) وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَيَمْشُوْنَ فِي الْاَسْوَاقِ (فرقان ع ۲)

ترجمہ:۔ ہم نے اے محمد صلعم تجھ سے پہلے رسُول نہیں بھیجے مگر وہ کھانا کھایا کرتے تھے۔ اور بازاروں میں پھرا کرتے تھے۔

صاف ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قبل مُحَمَّد صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے سب رسُولوں کو ایک ہی لڑی میں پرو دیا ہے۔ منجملہ انکے ایک حضرت عیسیٰ ع بھی ہیں۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ آپ بھی اس دار فانی سے رحلت فرما گئے ہیں۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔

وَفاتِ مسیح از احادیث

اِستدلال نونیتنی:۔ (۱) لَوْ كَانَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى حَيَّيْنِ لَمَا وَسِعَهُمَا اِلَّا اتِّبَاعِيْ۔ (ابن کثیر جلد ۲ صـ ۲۴۶ حاشیہ۔ الیواقیت والجواہر جلد ۲ صـ ۲۲۔ شرح مواہب اللدنیہ جلد ۶ صـ ۳۷۴۔ فتح البیان حاشیہ جلد ۲ صـ ۲۴۶ و طبرانی کبیر)

ترجمہ:۔ اگر موسیٰ ع اور عیسیٰ ع زندہ ہوتے تو ان کو میری پیروی کے بغیر کوئی چارہ

نہ ہوتا۔ (نیز بحر المحیط جلد ۶ صفحہ ۱۴۷ استدلال بر وفاتِ خضر)

(۲) لَوْ كَانَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى فِيْ حَيَاتِهِمَا لَكَانَ مِنْ اَتْبَاعِهٖ
(مدارج السالکین مصنفہ امام ابن قیم جلد ۲ صفحہ ۳۱۳۔ بشارات احمدیہ مصنفہ علی حائری شیعہ صفحہ ۲۴۔ براہین محمدیہ برحاشیہ بشارات احمدیہ صفحہ ۴۲)۔

ترجمہ:۔ اگر موسیٰؑ اور عیسیٰؑ زندہ ہوتے تو ضرور آنحضرت صلعم کے اتباع میں ہوتے۔

(۳) لَوْ كَانَ عِيْسٰى حَيًّا مَا وَسِعَهٗ اِلَّا اِتِّبَاعِيْ (شرح فقہ اکبر مصری)

ترجمہ:۔ اگر عیسیٰ زندہ ہوتا۔ تو اُسے میری پیروی کے بغیر کوئی چارہ نہ ہوتا

نوٹ:۔ غیر احمدی علماء نے اس حدیث میں یُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ کے مطابق یہودیانہ خصلت کو پورا کرنے کے تحریف کر دی ہے۔ شرح فقہ اکبر کا جو نسخہ ہندوستان میں چھپا ہے۔ اس میں انہوں نے بجائے "عِيْسٰى" کے "مُوْسٰى" کر دیا ہے۔ اور اس تحریف کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ شرح فقہ اکبر مصری ایڈیشن میں کتابت کی غلطی سے "مُوْسٰى" کی بجائے "عِيْسٰى" لکھا گیا تھا۔ ہم نے ہندوستانی ایڈیشن میں درست کر دیا ہے۔ لیکن یہ عذر کس قدر غیر معقول ہے۔ اس کا علم اس امر سے ہو سکتا ہے کہ شرح فقہ اکبر صفحہ ۹۹ و ۱۰۰ پر جہاں یہ حدیث ہے موسیٰ کا ذکر ہی نہیں۔ بلکہ بحث حضرت عیسیٰؑ اور امام مہدی کی آمد کی ہے۔ پھر موسیٰؑ کا نام اس موقعہ پر آنا قرینِ قیاس ہو ہی نہیں سکتا۔ چنانچہ ہم مکمل حوالہ نقل کر دیتے ہیں:۔

"يَجْتَمِعُ عِيْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ بِالْمَهْدِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَقَدْ اُقِيْمَتِ الصَّلٰوةُ فَيُشِيْرُ الْمَهْدِيُّ لِعِيْسٰى بِالتَّقَدُّمِ

فَيَمْتَنِعُ مُعَلِّلًا بِأَنَّ هٰذِهِ الصَّلٰوةَ أُقِيْمَتْ لَكَ فَأَنْتَ أَوْلٰى بِأَنْ تَكُوْنَ الْإِمَامَ فِيْ هٰذَا الْمَقَامِ وَيَقْتَدِيْ بِهٖ لِيُظْهِرَ مُتَابَعَتَهٗ لِنَبِيِّنَا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِقَوْلِهٖ لَوْ كَانَ عِيْسٰى حَيًّا مَا وَسِعَهٗ إِلَّا اتِّبَاعِيْ"۔

(شرح فقہ اکبر ملا علی قاری ص ۱۳۶ مطبوعہ مصر)

ترجمہ:۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مہدیؓ کے ساتھ ملینگے۔ نماز کی اقامت کہی جائیگی۔ تب مہدی آگے کھڑا ہونے کے لئے حضرت عیسیٰ کو اشارہ کرینگے۔ مگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس عذر پر انکار کرینگے کہ یہ نماز آپ کی خاطر قائم کی گئی ہے۔ پس اس وجہ سے آپ امامت کے زیادہ حقدار ہیں۔ پس حضرت عیسےٰؑ امام مہدی کے پیچھے کھڑے ہوکر نماز پڑھیں گے۔ تاکہ حضرت عیسےٰؑ اس بات کو ظاہر کردیں کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع ہیں۔ جیساکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "اگر عیسےٰ زندہ ہوتا تو اس کو میری پیروی کے سوا کوئی چارہ نہ ہوتا"۔

اب دیکھ لیں اس موقعہ پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آنحضرت صلعم کی متابعت کرنے کا ذکر ہے نہ کہ موسیٰ علیہ السلام کی متابعت کا؟ پس مصری ایڈیشن میں جو "عیسےٰ" کا لفظ ہے وہ "کاتب کی غلطی" نہیں۔ بلکہ ہندوستانی ایڈیشن میں "موسیٰ" کا لفظ یقیناً تمہاری خیانت کا نتیجہ ہے۔ خادم

(۴) "اَخْرَجَ الطَّبْرَانِيُّ فِي الْكَبِيْرِ بِسَنَدٍ رِجَالُهٗ ثِقَاتٌ عَنْ عَائِشَةَ رضؓ ... اِنَّ عِيْسَى بْنَ مَرْيَمَ عَاشَ عِشْرِيْنَ وَمِائَةَ سَنَةٍ رَوَاهُ الْحَاكِمُ فِي الْمُسْتَدْرَكِ۔ بحوالہ حجج الکرامہ صفحہ ۴۲۸

مواہب اللدینہ جلد ا صٓ۴۲ وجلالین زیر آیت یَا عِیْسٰی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ
راوی ابن عمرؓ حاشیہ - ترجمہ :- تحقیق عیسیٰ بن مریم ایک سو بیس سال تک
زندہ رہے - نیز دیکھو ابن کثیر بر حاشیہ فتح البیان جلد ۲ صٓ۲۴۶

(اِنَّ عِیْسٰی بْنَ مَرْیَمَ عَاشَ عِشْرِیْنَ وَمِائَةً وَاِنِّیْ لَا اَرَانِیْ اِلَّا ذَاهِبًا عَلٰی رَأْسِ السِّتِّیْنَ .

(کنز العمال جلد ۶ صٓ۱۶۰ راوی فاطمۃ الزہرا)

ترجمہ :- فرمایا نبی کریم صلعم نے کہ تحقیق عیسیٰ بن مریم ایک سو بیس سال تک زندہ رہا تھا اور میں غالباً ساٹھ سال کی عمر کے سر پر کوچ کرونگا -

غیر احمدی :- "اس روایت کا ایک راوی ابن لہیعہ سخت ضعیف ہے ۔"

(محمدیہ پاکٹ بک صفحہ ۵۹۱)

جواب - یہ حدیث ایک طریق سے نہیں بلکہ کم از کم تین طریقوں سے مروی ہے - یعنی حضرت عائشہؓ - حضرت ابن عمرؓ - اور حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا سے اور یہی امر اس حدیث کے صحیح ہونے کا ہے - ابن لہیعہ تو ایک طریق کا راوی ہے - مگر دوسرے طریقوں کے متعلق تمہارا کیا جواب ہے ؟ خصوصاً اس کا کیا جواب ہے جو لکھا ہے :-

" اَخْرَجَ الطَّبْرَانِیُّ فِی الْکَبِیْرِ بِسَنَدٍ رِجَالٍ ثِقَاتٍ ۔" (حجج الکرامہ صٓ۴۲۸) کہ اس حدیث کے راوی سب کے سب ثقہ ہیں -

(۲) باقی رہا ابن لہیعہ - سو اس کی نسبت اسی تہذیب التہذیب میں جس کا حوالہ تم نے دیا ہے - لکھا ہے :- " سَمِعْتُ الثَّوْرِیْ یَقُوْلُ عِنْدَ

ابنِ لُهيعَةَ الاُصُوْلُ وَعِنْدَنَا الفُرُوْعُ۔ قَالَ یعقوبُ بن عُثمانَ سَمِعْتُ اَحْمَدَ ابنَ صَالِحٍ وَکَانَ مِنْ خِیَارِ المتقین وَیُثْنِیْ عَلَیْہِ۔ ۔ ۔ وَقَالَ الحَاکِمُ اِسْتَشْھَدَ بِہٖ مُسْلِمٌ فِیْ مَوْضِعَیْنِ۔ ۔ ۔ وَحَکَی السَّاجِی عَنْ اَحْمَدَ بْنِ صَالِحٍ کَانَ ابْنُ لُھَیْعَۃَ مِنَ الثِّقَاتِ۔ ۔ ۔ قَالَ ابْنُ شَاھِیْنَ قَالَ اَحْمَدُ بن صَالِحٍ ابْنُ لُھَیْعَۃَ ثِقَۃٌ ۔ (تہذیب التہذیب جلد ۵ ص۳۷۴) یعنی ثوری نے کہا کہ ابن لہیعہ کے پاس اصول ہیں۔ اور ہمارے پاس فروع۔ اور بقول یعقوب بن عثمان ابن لہیعہ کی تعریف احمد بن صالح نے کی ہے۔ اور امام حاکم نے کہا ہے کہ ابن لہیعہ سے امام مسلم نے بھی دو۲ مواقع پر استشہاد کیا ہے۔ اور ساجی اور ابن شاہین کہتے ہیں کہ احمد بن صالح نے کہا کہ ابن لہیعہ ثقہ راوی ہے۔ نیز لکھا ہے:۔

"قَالَ اَبُوْدَاؤدَ عَنْ اَحْمَدَ وَمَنْ کَانَ مِثْلَ ابْنِ لُھَیْعَۃَ بِمِصْرَ فِیْ کَثْرَۃِ حَدِیْثِہٖ وَضَبْطِہٖ وَاِتْقَانِہٖ" (تہذیب جلد ۵ ص۳۷۵) کہ ابوداؤد نے احمد سے نقل کیا ہے کہ تمام مصر میں ابن لہیعہ کے برابر کوئی شخص بھی حدیث کی کثرت اور مضبوطیٔ روایت اور تقویٰ کے لحاظ سے نہ تھا۔ بانی مصنف محمدیہ پاکٹ بک نے جو قول احمد کا ابن لہیعہ کے غیر ثقہ ہونے کی تائید میں نقل کیا ہے۔ اس کے آگے ہی لکھا ہے: "وَھُوَ یُقَوِّیْ بَعْضُہٗ بِبَعْضٍ" (تہذیب جلد ۵ ص۳۷۵) کہ ابن لہیعہ کی ایک روایت کو دوسری روایت سے تقویت پہنچتی ہے۔ پس حدیث متنازعہ ایسی ہی ہے

جو صرف ایک طریقہ سے مروی نہیں بلکہ تین مختلف طرق سے مروی ہے پس نہایت ثقہ اور مضبوط ہے۔ وَھُوَ الْمُرَادُ ؂

(۶) مَا مِنْ نَفْسٍ مَنْفُوْسَةٍ فِي الْيَوْمِ يَأْتِيْ عَلَيْهَا مِائَةُ سَنَةٍ وَّهِيَ يَوْمَئِذٍ حَيَّةٌ (کنز العمال جلد ۷ صفحہ ۱۷۰ راوی جابر و مسلم کتاب ۱)

ترجمہ:۔ آج کوئی جاندار ایسا نہیں کہ اسپر سو سال آئے اور وہ فوت نہ ہو بلکہ زندہ ہو۔ یعنی سو سال کے اندر ہر جاندار انسان جانور وغیرہ مر جائیں گے۔ پس عیسیٰؑ بھی فوت ہو گئے ہیں۔

(۷) "قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ لِلّٰهِ رِيْحًا يَبْعَثُهَا عَلٰى رَأْسِ مِائَةِ سَنَةٍ تَقْبِضُ رُوْحَ كُلِّ مُؤْمِنٍ هٰذَا حَدِيْثٌ صَحِيْحُ الْاِسْنَادِ"۔ (مستدرک جلد ۴ صفحہ ۴۵۷)

ترجمہ:۔ "کہ رسول کریم صلعم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ہر سو سال کے بعد ایک ایسی ہوا بھیجتا ہے جو ہر مومن کی روح قبض کر لیتی ہے۔ اس حدیث کی سند صحیح ہے"۔ پس حضرت مسیح بھی بوجہ مومن ہونے کے اس "ہوا" کی زد سے بچ نہیں سکتے۔ یاد رہے کہ اس حدیث میں زمین یا آسمان کی کوئی قید نہیں ہے۔

(۸) ابن مردویہ نے ابوسعید سے روایت کیا کہ:۔

"اٰدَمُ فِي السَّمَاءِ الدُّنْيَا تُعْرَضُ عَلَيْهِ اَعْمَالُ ذُرِّيَّتِهٖ وَ يُوْسُفُ فِي السَّمَاءِ الثَّانِيَةِ وَابْنَا الْخَالَةِ يَحْيٰى وَعِيْسٰى فِي السَّمَاءِ الثَّالِثَةِ وَاِدْرِيْسُ فِي السَّمَاءِ الرَّابِعَةِ وَهَارُوْنُ فِي السَّمَاءِ الْخَامِسَةِ وَمُوْسٰى فِي السَّمَاءِ السَّادِسَةِ وَاِبْرَاهِيْمُ فِي السَّمَاءِ

السَّابِعَةِ"۔ (کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۱۲۰)۔

ترجمہ:۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ آدم پہلے آسمان پر ہے۔ اسپر اسکی اولاد کے اعمال پیش کیے جاتے ہیں۔ اور یوسف دوسرے آسمان پر ہے اور پھوپھی زاد بھائی یحیٰیؑ اور عیسیٰؑ دونوں تیسرے آسمان پر ہیں اور حضرت ادریسؑ چوتھے میں۔ اور ہارونؑ پانچویں میں۔ اور موسیٰؑ چھٹے میں۔ اور حضرت ابراہیمؑ ساتویں آسمان پر ہیں۔ اگر حضرت عیسیٰؑ بجسد عنصری زندہ ہیں۔ تو کیا باقی انبیاء کرام کو بھی اسی جسم سے زندہ ماننے کے لئے تیار ہو؟ جب نہیں اور ہرگز نہیں۔ تو اکیلے حضرت عیسیٰؑ کی کیا خصوصیت ہے۔ کہ آپ سب سے نرالے زندہ ہیں؟

(۹) اختلافِ حُلیتین:۔ آنحضرتؐ نے پہلے مسیح کا حُلیہ "فَاَمَّا عِیْسٰی فَاَحْمَرُ جَعْدٌ"۔ (بخاری جلد ۲ صفحہ ۱۵۸ مطبع الہیہ مصر)

ترجمہ:۔ سُرخ رنگ۔ گھنگھریالے بال۔

اور مسیح قاتلِ دجال کا حُلیہ:۔

"فَاِذَا رَجُلٌ اٰدَمُ كَاَحْسَنِ مَا يُرٰى مِنْ اُدْمِ الرِّجَالِ تَضْرِبُ لِمَّتُهٗ بَيْنَ مَنْكِبَيْهِ رَجِلُ الشَّعْرِ"۔ (ایضاً)

یعنی ایسا آدمی جو گندم گوں۔ آدمیوں میں سے خوبصورت تر۔ اس کے بال اس کے کندھوں پر پڑتے ہیں اور وہ سیدھے بالوں والا ہے۔ ایک آدمی کے دو حُلیے نہیں ہو سکتے۔ ثابت ہوا کہ یہ دو الگ الگ آدمی ہیں۔ مسیح ناصری اور مسیح موعود اور۔

پس پہلا مسیح فوت ہو چکا ہے۔ اور آنے والا مسیح اسی اُمّت میں سے ہے۔ جیسا کہ " اِمَامُکُمْ مِنْکُمْ " سے ثابت ہے۔

(۱۰) الف۔ " اوحی اللہ تعالیٰ الیٰ عیسیٰ ان یا عیسیٰ انتقل من مکان الیٰ مکان لئلا تعرف فتوذی " (کنز العمال جلد ۲ صفحہ ۳۴)

حضرت عیسیٰؑ کی طرف وحی کی کہ اے عیسیٰ! تو ایک جگہ سے دوسری جگہ چلا جا۔ تا ایسا نہ ہو کہ تو پہچانا جائے۔ اور تجھے تکلیف دی جائے۔

ب۔ (عن جابرؓ) " کَانَ عِیْسٰی ابْنُ مَرْیَمَ یَسِیْحُ فَاِذَا اَمْسٰی یَاْکُلُ بَقْلَ الصَّحْرَاءِ وَیَشْرَبُ مَاءَ الْقَرَاحِ " (کنز العمال جلد ۲ صفحہ ۷۱) کہ عیسیٰ بن مریم زمین کی سیاحت کیا کرتے تھے اور جنگل کی سبزیاں اور چشموں کا صاف پانی پیا کرتے تھے۔

وفاتِ مسیحؑ پر اقوالِ ائمہ سلف سے استنباط

(۱) امام بخاریؒ نے فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ والی مفصل حدیث اور حضرت ابو بکرؓ کی خطبہ اور حضرت ابن عباسؓ کے معنی مُمِیْتُکَ کو اپنی صحیح میں درج فرما کر اپنا عقیدہ دربارہ وفاتِ مسیحؑ وضاحت سے بیان کر دیا۔

(۲) امام مالکؒ کے متعلق صاف لکھا ہے۔ وَقَالَ مَالِکٌ مَاتَ (مجمع بحار الانوار جلد ۱ صفحہ ۲۸۶) یعنی حضرت امام مالکؒ نے فرمایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فوت ہو گئے ہیں۔ نیز لکھا ہے:۔

" فِی الْعُتْبِیَّۃِ قَالَ مَالِکٌ مَاتَ عِیْسٰی ابْنُ مَرْیَمَ "

(اکمال الاکمال شرح مسلم جلد ۱ صفحہ ۲۶۵)

(۳) امام ابو حنیفہ کا امام مالک پر انکار ثابت نہیں۔

(۴) صاحبین حضرت امام ابو یوسف و محمدؒ اور حضرت احمد بن حنبل اور امام شافعی نے اس مسئلہ میں سکوت اختیار کر کے بتا دیا کہ ہم اس مسئلہ میں امام مالک اور امام ابو حنیفہ کے ساتھ ہیں۔

(۵) جلالین مع کمالین ص ۱۰۹ مطبع مجتبائی کے حاشیہ بین السطور پر ہے۔ وَتَمَسَّكَ ابْنُ حَزْمٍ بِظَاهِرِ الْاٰيَةِ وَقَالَ بِمَوْتِهٖ۔ امام ابن حزم نے آیت اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ والی آیت کو ظاہر پر محمول کر کے عیسیٰؑ کے فوت ہو جانے کے عقیدہ کو بیان کیا۔ اور وفات کے قائل ہوئے۔

(۶) عبد الحق صاحب محدث دہلوی اپنے رسالہ ماثبت بالسنۃ ص ۴۹ و ص ۱۱۸ پر فرماتے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ ایک سو پچیس ۱۲۵ برس تک زندہ رہے۔

"قَدْ عَاشَ عِیْسٰی خَمْسًا وَعِشْرِیْنَ سَنَةً وَمِائَةً"

(۷) نواب صدیق حسن خانصاحب نے ترجمان القرآن جلد ۲ ص ۱۳۵ پر لکھا ہے کہ سب انبیاءؑ جو نبی کریم صلعم سے پہلے تھے مر چکے ہیں اور مسیح کی عمر ۱۲۰ برس تھی۔ (نیز عمر مسیح ۱۲۰ سال کے لئے دیکھو حجج الکرامہ ص ۴۲۸)۔

(۸) حافظ لکھو کے والا لکھتا ہے۔ ع

"یعنے جویں پیغمبر گذرے زندہ رہیا نہ کوئی"

(تفسیر محمدی جلد ۱ ص ۳۲۰)

(۹) حضرت محی الدین ابن عربی فرماتے ہیں۔ "وَجَبَ نُزُوْلُهٗ فِیْ اٰخِرِ الزَّمَانِ بِتَعَلُّقِهٖ بِبَدَنٍ اٰخَرَ۔ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آخری زمانہ میں کسی دوسرے

وجود میں نازل ہونگے۔ (تفسیر عرائس البیان مطبع نولکشور جلد ۱ صفحہ ۲۶۲)

(۱۰) بعض صوفیاء کا مذہب ہے کہ مسیح موعود کا بروز کے طور پر نزول ہوگا (اقتباس الانوار صفحہ ۵۲) عبارت یہ ہے:۔ "و بعضے بر آنند کہ روح عیسیٰ در مہدی بروز کند و نزول عبارت ازیں بروز است۔"

(۱۱) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے گواہی دی کہ حضرت مسیح کی عمر ایک سو بیس ۱۲۰ برس تھی۔ (زرقانی جلد ۱ صفحہ ۴۲)۔

(۱۲) تفسیر محمدی منزل اول صفحہ ۲۴۷ پر وفاتِ عیسیٰ علیہ السلام بزبان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بوقت بحث نجران یوں رقمطراز ہے۔ ؎

جو ہووے نال مشابہ بیٹھا ہوندا شک نہ کائی
زندہ رب ہمیش نہ مرسی موت عیسیٰ نوں آئی

(۱۳) قَدْ مَاتَ عِیْسٰی۔ عیسیٰ فوت ہوگیا ہے۔ (ابن جریر جلد ۳ صفحہ ۱۰۶)۔

(۱۴) امام جبائی۔ اللہ نے مسیح کو وفات دی۔ اور اپنی طرف بلایا۔ (تفسیر مجمع البیان زیر آیت فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ)۔

(۱۵) تاریخ طبری جلد ۲ صفحہ ۲۹ پر مسیح کی قبر کے کتبہ کی عبارت نقل کی گئی ہے
ھٰذَا قَبْرُ رَسُوْلِ اللّٰہِ عِیْسَی ابْنِ مَرْیَمَ۔

(۱۶) حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کی رات حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے خطبہ پڑھا۔ اور اس میں کہا۔ لَقَدْ قُبِضَ اللَّیْلَۃَ عَرَجَ فِیْہِ بِرُوْحِ عِیْسَی ابْنِ مَرْیَمَ لَیْلَۃَ سَبْعٍ وَّعِشْرِیْنَ مِنْ رَمَضَانَ (طبقات کبیر جلد ۳ صفحہ ۲۱) کہ آپ (حضرت علی رضی اللہ عنہ) اس رات فوت ہوئے ہیں۔ جس رات حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی

روح آسمان پر اٹھائی گئی تھی۔ یعنی ۲۷ رمضان کو۔ اِس حوالہ میں حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے صاف طور پر فیصلہ فرما دیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا جسم آسمان پر نہیں گیا۔ صرف روح اٹھائی گئی۔

(۱۷) حضرت خواجہ محمد پارسا اپنی کتاب فصل الخطاب کے ص۴۴۲ پر تحریر فرماتے ہیں:۔ "وموسیٰ وعیسیٰ علی نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام لو ادرکاہ لکن مھما الدخول فی شریعتہ" کہ اگر موسیٰ اور عیسیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کو پاتے تو ان پر آپ کی شریعت میں داخل ہونا لازم تھا۔

حیاتِ مسیح کا عقیدہ مسلمانوں میں کیونکر آیا

لکھا ہے۔ "فَفِی زَادِ الْمَعَادِ لِلْحَافِظِ ابْنِ قَیِّم رحمہ اللّٰہ تعالیٰ مَا یُذْکَرُ اَنَّ عِیْسٰی رُفِعَ وَھُوَ ابْنُ ثَلَاثٍ وَثَلَاثِیْنَ سَنَةً لَا یُعْرَفُ بِہٖ اَثَرٌ یَجِبُ الْمَصِیْرُ اِلَیْہِ قَالَ الشَّامِیُّ وَھُوَ کَمَا قَالَ فَاِنَّ ذَالِکَ اِنَّمَا یُرْوٰی عَنِ النَّصَارٰی۔" (فتح البیان جلد ۲ ص۴۹)

ترجمہ:۔ حافظ ابن قیم کی کتاب زاد المعاد میں لکھا ہے کہ یہ جو کہا جاتا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ ۳۳ سال کی عمر میں اٹھائے گئے۔ اس کی تائید کسی حدیث سے نہیں ہوتی۔ تا اس کا ماننا واجب ہو۔ شامی نے کہا ہے کہ جیسا کہ امام ابن قیم نے فرمایا ہے۔ فی الواقع ایسا ہی ہے۔ اس عقیدہ کی بناء احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر نہیں بلکہ یہ نصاریٰ کی روایات ہیں۔ اور ان سے ہی یہ عقیدہ آیا ہے۔

تردید حیاتِ مسیح ناصری علیہ السلام

پہلی دلیل اور اُس کی تردید:۔ وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ... بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ۔ (سورہ نساء رکوع ۲۳)۔

ترجمہ:۔ نہ انہوں نے (یہود نامسعود نے) مسیح کو قتل کیا۔ اور نہ صلیب پر مارا۔ بلکہ اللہ نے مسیح کو اٹھالیا۔

بل ابطالیہ کا ابطال

استدلال علماء:۔ "بل" اضرابیہ ابطالیہ ہے۔ جو ابطال جملہ اُولیٰ واثبات جملہ ثانیہ کی غرض سے آتا ہے۔ جب نہ قتل ہوئے اور نہ مصلوب ہوئے۔ تو یقیناً زندہ آسمان پر اُٹھائے گئے۔

الجواب۔ آسمان پر جانے اور مقتول و مصلوب ہونے میں کوئی ضدیت نہیں کیا جو نہ مقتول ہو نہ مصلوب وہ آسمان پر اُٹھایا جاتا ہے؟ کیا آنحضرت صلعم و حضرت موسیٰؑ کو زندہ آسمان پر مانتے ہو کیونکہ وہ نہ مقتول ہوئے نہ مصلوب!

جواب ۲۔ آیت مذکورہ میں "بل" کو ابطالیہ قرار دینا غلط ہے بوجوہات ذیل قرآن میں ہے۔ وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ بَلِ ادّٰرَكَ عِلْمُهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ۔ (نمل رکوع ۵)۔

(الف) اس آیت میں تین دفعہ "بل" آیا ہے اور تینوں جگہ ابطالیہ نہیں بلکہ ترقی (انتقال مِنْ غرضٍ اِلٰی اُخریٰ) کے لئے آیا ہے۔

بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ" والی آیت میں "بل" کا ماقبل اور مابعد کلام خدا ہے پس "بل" ابطالیہ نہیں ہو سکتا۔

(ب) نحویوں نے لکھا ہے کہ قرآن میں "بل" ابطالیہ نہیں آسکتا۔ ہاں جب خدا تعالیٰ کفار کا قول نقل کرے۔ تو بغرض تردید اس میں "بل ابطالیہ آسکتا ہے۔ ورنہ اصالتاً خدا تعالےٰ کے کلام میں ابطالیہ وارد نہیں ہو سکتا۔

ملاحظہ ہو:-

(۱) مشہور نحوی ابن مالک کہتا ہے۔ اِنَّھَا لَا تَقَعُ فِی التَّنْزِیْلِ اِلَّا عَلٰی ھٰذَا الْوَجْہِ (اَیْ لِلْاِنْتِقَالِ مِنْ غَرَضٍ اِلٰی اٰخَرَ) (القصر المبنی جلد ۱ صـ۵۸۲) کہ قرآن مجید میں "بل" سوائے ترقی کے اور کسی صورت میں (یعنی بغرض ابطال) نہیں آتا۔

(۲) "قَالَ السُّیُوْطِیْ بَعْدَ اَنْ نَقَلَ غَیْرَ ذَالِکَ اَیْضًا فَھٰذِہِ النُّقُوْلُ مُتَضَافِرَۃٌ عَلٰی مَا قَالَ ابْنُ مَالِکٍ مِنْ عَدَمِ وُقُوْعِ الْاِضْرَابِ الْاِبْطَالِیْ فِی الْقُرْاٰنِ" (القصر المبنی جلد ۱ صـ۵۸۲)۔

کہ سیوطی نے بہت سے اقوال اور مثالیں نقل کر کے کہا ہے کہ یہ تمام مثالیں ابن مالک کے اس قول کی تائید کرتی ہیں کہ قرآن میں "بل" ابطالیہ نہیں آتا۔

(۳) فَاِنَّ الَّذِیْ قَرَّرَہُ النَّاسُ فِیْ اِضْرَابِ الْاِبْطَالِ اِنَّہٗ الْوَاقِعُ بَعْدَ غَلَطٍ اَوْ نِسْیَانٍ اَوْ تَبَدُّلِ رَاْیٍ وَ الْقُرْاٰنُ مُنَزَّہٌ عَنْ ذَالِکَ" (القصر المبنی جلد ۱ صـ۵۸۳)

کہ نحویوں نے لکھا ہے کہ "بل" ابطالیہ یا تو غلطی یا نسیان کے بعد آتا ہے۔ اور یا تبدیلیٔ رائے کے موقع پر۔ اور قرآن مجید میں یہ تینوں باتیں نہیں پائی جا سکتیں۔ اس لئے قرآن میں ابطالیہ نہیں آسکتا۔

فجوابٌ انّہٗ یحکٰی۔ (برحاشیہ مغنی اللبیب)
کہ ابن مالک کے قول کا مطلب یہ ہے کہ حکایتاً عن الخبر "بل" ابطالیہ آسکتا ہے ورنہ نہیں۔

استدلال ۲۔ قتلوہٗ کی ضمیر کا مرجع حضرت عیسٰےؑ مع الجسم ہیں۔ تو رفعہٗ میں بھی حضرت عیسٰےؑ مع الجسم اُٹھائے گئے ہیں۔

جواب ۱۔ اوّل تو رفع کے معنی ہی یہ نہیں۔ لیکن اگر ہوں بھی تب بھی یہ ضروری نہیں کہ رفعہٗ والی ضمیر کا مرجع حضرت عیسٰیؑ مع الجسم ہی ہوں۔ چنانچہ دیکھیئے قرآن مجید میں ہے۔ لَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْیَآءٌ عِنْدَ رَبِّہِمْ (بقرہ رکوع ۱۹) نہ کہو اُن لوگوں کو مُردہ جو خدا کی راہ میں شہید کیئے گئے ہیں۔ بلکہ وُہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس۔ اب اَحْیَآءٌ کا مبتدا محذوف ھُمْ ہے۔ اس کا مرجع مَنْ یُّقْتَلُ ہے۔ مگر کوئی نہیں کہتا کہ وہ اسی جسم کے ساتھ زندہ ہیں۔ حالانکہ لفظ مَنْ میں بھی جسم مُراد ہے۔ پس کیا ضرور ہے کہ ہم رفع میں جسم بھی مُراد لیں۔

پھر سورۃ عبس میں ہے۔ قُتِلَ الْاِنْسَانُ مَا اَکْفَرَہٗ مِنْ اَیِّ شَیْءٍ خَلَقَہٗ . . . ثُمَّ اَمَاتَہٗ فَاَقْبَرَہٗ۔ (عبس رکوع ۱)۔

اَمَاتَہٗ اور فَاَقْبَرَہٗ کی ضمائر کا مرجع "الانسان" ہے جو رُوح اور جسم سے مرکب ہے۔ مگر کیا قبر میں رُوح اور جسم دونوں اکٹھے رکھے جاتے ہیں؟ "موت" تو نام ہی "اِخْرَاجُ الرُّوْحِ مِنَ الْجَسَدِ" کا ہے۔ اگر "رُوح مع الجسم" مدفون ہو تو پھر زندہ دفن ہوا جو محال ہے۔ پس یہاں

اَقْبَرَہٗ کی ضمیر کا مرجع "انسان" بمعنی مجرد جسم ہوگا۔

(ب) علم بدیع کی اصطلاح میں اسے صنعتِ استخدام کہتے ہیں:۔
"وَمِنْهُ الْاِسْتِخْدَامُ وَهُوَ اَنْ تُرَادَ بِلَفْظٍ لَهٗ مَعْنَيَانِ اَحَدُهُمَا ثُمَّ بِضَمِيْرِهٖ الْآخَرُ اَوْ يُرَادُ بِاَحَدِ ضَمِيْرَيْهِ اَحَدُهُمَا ثُمَّ بِالْآخَرِ الْآخَرُ" (تلخیص المفتاح صفحہ ۱۷)۔

کہ ایک لفظ جو ذو معنی ہو۔ اس کی طرف دو ضمیریں پھیر کر اُس سے دو الگ الگ مفہوم مُراد لینا۔ مثالیں اُوپر درج ہیں۔

پھر بھی اگر کوئی کہے کہ عیسےٰؑ تو جسم اور رُوح دونوں کے مجموعہ کا نام ہے پھر تم اکیلی رُوح کا رفع کیوں مُراد لیتے ہو۔ تو اوّل تو اُسے کہنا چاہیے کہ کسی کا نام مختلف حیثیتوں سے ہوتا ہے۔ مثلاً کہیں زید سیاہ ہے تو صرف جسم مُراد ہوگا۔ حالانکہ ہم نے لفظ زید بولا تھا۔ جو جسم اور رُوح دونو کا نام تھا مگر قرینہ حالیہ نے اس جگہ اس معنی کو روک دیا۔ یا کہیں زید نیک ہے۔ تو صرف رُوح مُراد ہوگی۔ اسی طرح رفع ہمیشہ رُوح کا ہوتا ہے۔ اس تما کی جسم کے متعلق تو ازل سے یہی قانونِ الٰہی ہے۔ فِيْهَا تَحْيَوْنَ وَفِيْهَا تَمُوْتُوْنَ وَمِنْهَا تُخْرَجُوْنَ۔

لفظ رفع کی بحث

دوم۔ ہم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع کے قائل ہیں مگر وہ رفع تھا رُوحانی جو کہ جسم سے اعلیٰ ہے جس طرح کہ رُوح جسم سے اعلیٰ ہے۔

جواب۔ بندہ کے لئے جب لفظ رفع استعمال ہو۔ تو ہر جگہ درجات کا

رفع مُراد ہوتا ہے خصوصاً جب رفع اللہ تعالیٰ کیطرف ہو۔ کیونکہ اسکی شان ہے۔

قرآن مجید اور لفظ رفع

(۱) وَھُوَ اللّٰہُ فِی السَّمٰوٰتِ وَفِی الْاَرْضِ" (انعام ع۱) کہ وُہ خدا آسمان میں بھی ہے اور زمین میں بھی۔ (۲) اَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْہُ اللّٰہِ (بقرہ ع۱۴) جدھر تم مُنہ کرو۔ اُدھر ہی اللہ ہے۔ (۳) نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْہِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ (ق ع۲) کہ ہم انسان کی شاہ رگ سے زیادہ قریب ہیں۔ تو اس کی طرف رفع کے لئے آسمان وغیرہ پر جانا ضروری نہیں بلکہ وہ رفع اسی زمین پر ہوتے ہوئے ہو جاتا ہے۔ چنانچہ سب مسلمان جانتے ہیں کہ آنحضرت صلعم بَیْنَ السَّجْدَتَیْنِ (دو سجدوں کے درمیان) جو دُعا پڑھا کرتے تھے۔ اس میں ایک لفظ وَارْفَعْنِیْ بھی ہے۔ یعنی اے اللہ میرا رفع کر۔ (کتاب ابن ماجہ)۔

سب مومن مانتے ہیں کہ آپ کا رفع ہوا۔ مگر زمین پر ہی رہ کر۔ بھائیو جب وہی لفظ رفع آنحضرت صلعم کیلئے آتا ہے تو آسمان پر جانا مُراد نہیں لیتے۔ اور جب عیسیٰ ؑ کے لئے آوے تو وہاں مُراد لیتے ہو۔ ایں چہ بوالعجبی است!

پھر طرفہ یہ کہ تمام قرآن اور احادیث میں کہیں بھی اس لفظ رفع کے معنی آسمان پر جانا نہیں۔ چنانچہ دیکھئے فرمایا:۔

(۱) وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِھَا وَلٰکِنَّهٗ اَخْلَدَ اِلَی الْاَرْضِ (اعراف ع۲۲) اور اگر ہم چاہتے تو ہم اس کا رفع کر دیتے۔ لیکن وُہ جھک گیا زمین کی طرف۔ اِس جگہ بالاتفاق درجات کی ترقّی مُراد ہے آسمان پر لے جانے کا ارادہ بتانا مدِنظر نہیں۔ (۲) وَرَفَعْنٰهُ مَکَانًا عَلِیًّا (مریم ع۴) یعنی ہم نے ادریس ؑ کا رفع بلند مکان پر کیا۔

(۳) فِیْ بُیُوْتٍ اَذِنَ اللّٰہُ اَنْ تُرْفَعَ (نور رکوع ۵)۔

(۴) فِیْ صُحُفٍ مُّکَرَّمَۃٍ مَّرْفُوْعَۃٍ (سورہ عبس)

(۵) وَفُرُشٍ مَّرْفُوْعَۃٍ (واقعہ رکوع ۱)۔

(۶) یَرْفَعِ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ۔۔۔۔ درجات (مجادلہ رکوع ۲)

گویا جب بھی کسی مومن اور عالم کے متعلق اللہ یہ کہے کہ میں نے اس کا رفع کیا ہے تو اس سے مراد آسمان پر جانا نہیں ہوتا بلکہ "درجات" کا بلند ہونا ہوتا ہے۔ عیسیٰؑ سے زیادہ ان کے زمانہ میں کون مومن اور عالم تھا؟ پس آپ کے رفع سے مراد بھی ترقی درجات ہے۔

احادیث اور لفظ "رفع"

(۱) اِذَا تَوَاضَعَ الْعَبْدُ رَفَعَہُ اللّٰہُ اِلَی السَّمَآءِ السَّابِعَۃِ۔ (کنز العمال جلد ۲ صفحہ ۵۳) جب بندہ فروتنی کرتا ہے (خدا کے آگے گرتا ہے) تو اللہ تعالیٰ اس کا ساتویں آسمان پر رفع کر لیتا ہے۔

نوٹ:۔ یہ حدیث محاورہ زبان کے لحاظ سے بَلْ رَّفَعَہُ اللّٰہُ اِلَیْہِ کے معنی کرنے کیلئے واضح نص ہے۔ کیونکہ اس میں لفظ "رفع" بھی موجود ہے۔ "رفع" کرنیوالا بھی اللہ ہے۔ اور خاص بات جو اس میں موجود ہے وہ یہ کہ "رفع" کے فعل کا صلہ بھی "اِلیٰ" ہی آیا ہے۔ جیسا کہ آیت بَلْ رَّفَعَہُ اللّٰہُ اِلَیْہِ میں ہے اور زاید بات یہ کہ اس میں "ساتویں آسمان" کا لفظ بھی موجود ہے۔ (اَلسَّمَآءِ السَّابِعَۃِ) حالانکہ آیت بَلْ رَّفَعَہُ اللّٰہُ اِلَیْہِ میں "آسمان" کا لفظ موجود نہیں ہے۔ وہاں "رفع" "اللہ" کیطرف ہے۔ اور ہم ثابت کر چکے ہیں کہ "وَھُوَ اللّٰہُ فِی السَّمٰوٰتِ

وَفِي الْاَرْضِ"۔ (انعام ع ۱) کہ اللہ تعالیٰ زمین میں بھی ہے اور آسمان میں بھی مگر مندرجہ بالا حدیث میں تو لفظ "آسمان" بھی موجود ہے۔ مگر پھر بھی مولوی صاحبان اس کا ترجمہ رُوحانی رفع یعنی بلندی درجات ہی لیتے ہیں۔ پس ثابت ہُوا کہ حضرت عیسےٰؑ کیلئے جو لفظ "رفع" استعمال ہُوا ہے۔ اس میں بھی "رفع" کے معنی "بلندی درجات" ہی کے ہیں نہ کہ آسمان پر چڑھ جانے کے۔

(۲) مَا تَوَاضَعَ اَحَدٌ لِلّٰہِ اِلَّا رَفَعَہُ اللّٰہُ (مسلم جلد ۲ صـ۳۲۱ مصری) کوئی ایسا شخص نہیں کہ وہ اللہ کے آگے گرا ہو۔ اور پھر اللہ نے اس کا "رفع" نہ کیا ہو۔ (یعنی جو اللہ کے آگے گرے۔ اللہ اس کا رفع کرلیتا ہے)۔

(۳) آنحضرت صلعم اپنے چچا حضرت عباسؓ کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں:۔ "رَفَعَكَ اللّٰہُ یَا عَمِّ" (کنز العمال جلد ۷ صـ۶۸) ۔ اے میرے چچا۔ اللہ تعالیٰ آپ کا "رفع" کرے۔

(۴) "اَلتَّوَاضُعُ لَا یَزِیْدُ الْعَبْدَ اِلَّا رِفْعَةً فَتَوَاضَعُوْا یَرْفَعُكُمُ اللّٰہُ" (کنز العمال جلد ۲ صفحہ ۲۶)
خاکساری انسان کو رفعت میں بڑھاتی ہے۔ پس تم انکساری کرو۔ اللہ تعالیٰ تمہارا رفع کریگا۔

(۵) مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰہِ رَفَعَہُ اللّٰہُ (کنز العمال جلد ۲ صفحہ ۲۵)۔ جو شخص اللہ کے آگے گر جائے۔ اللہ اُس کا رفع کرتا ہے۔

(۶) "مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰہِ تَخَشُّعًا لِلّٰہِ رَفَعَہُ اللّٰہُ"۔ جو انکساری کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے آگے گرے۔ اللہ تعالیٰ اس کا رفع کرتا ہے۔

لغاتِ عرب اور لفظ "رفع"

(۱) صحاح جوہری جلد ۱ ص۵۹۴ :- الرَّفْعُ تَقْرِیْبُکَ الشَّیْءَ - رفع سے مُراد کسی چیز کو قریب کرنا ہے۔

(۲) اقرب الموارد جلد ۱ ص۴۱۸ :- رَفَعَہٗ اِلَی السُّلْطَانِ اے قَرَّبَہٗ قریب کیا اس کو بادشاہ کے۔ یعنی اس کا مقرب بنایا۔

(۳) لسان العرب جلد ۹ ص۴۸۸ :- فِی اَسْمَاءِ اللّٰہِ تعالیٰ الرَّافِعُ ھُوَ الَّذِیْ یَرْفَعُ الْمُؤْمِنِیْنَ بِالْاِسْعَادِ وَاَوْلِیَاءَہٗ بِالتَّقْرِیْبِ وَالرَّفْعُ تَقْرِیْبُکَ الشَّیْءَ مِنَ الشَّیْءِ وَفِی التَّنْزِیْلِ وَفُرُشٍ مَّرْفُوْعَۃٍ مُقَرَّبَۃٍ لَھُمْ وَیُقَالُ نِسَاءٌ مَّرْفُوْعَاتٌ اے مُکَرَّمَاتٌ مِنْ قَوْلِکَ اِنَّ اللّٰہَ یَرْفَعُ مَنْ یَّشَاءُ وَقَوْلُہٗ تَعَالیٰ فِیْ بُیُوْتٍ اَذِنَ اللّٰہُ اَنْ تُرْفَعَ قَالَ الزَّجَاجُ قَالَ الْحَسَنُ تَاوِیْلُ اَنْ تُرْفَعَ اَنْ تُعَظَّمَ۔ اللہ تعالیٰ کے ناموں میں رافع کا لفظ ہے۔ کیونکہ وہ بلند کرتا ہے۔ مومن کو سعادت کے ساتھ اور اپنے دوستوں کو قرب کے ساتھ اور رفع کسی چیز کو کسی چیز کے قریب کرنا۔ در قرآن شریف میں ہے یعنی انکی عزت کی جائے گی۔

(۴) تاج العروس جلد ۵ ص۳۵۷ :- اَلرَّفْعُ ضِدُّ الْوَضْعِ وَمِنْہُ حَدِیْثُ الدُّعَاءِ اَللّٰھُمَّ ارْفَعْنِیْ۔ کہ رفع "وضع" کی ضد ہے جیسا کہ حدیث دُعا میں ہے کہ اے میرے رب میرا رفع کر۔

(۵) منتہی الارب جلد ۱ ص۱۷۷ :- رَفَعْتُہٗ اِلَی السُّلْطَانِ رَفْعًا اے

قُرْبَتُهٗ (۶) بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَیْہِ یُحْتَمِلُ رَفْعَهٗ اِلَی السَّمَآءِ وَ رَفْعَهٗ مِنْ حَیْثُ التَّشْرِیْفِ"۔ (مفردات راغب حاشیہ نہایہ ابن الاثیر جلد ۲ صفحہ ۸۱)

تفاسیر سے "رفع" کے معنے

آنحضرت صلعم کیلئے رَفَعَهٗ اِلَیْہِ کا استعمال (۱) یہ عجیب بات ہے کہ رَفَعَهٗ اِلَیْہِ کے الفاظ بعینہٖ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے متعلق بھی استعمال ہوئے ہیں۔ اور اس استعمال سے آیت متنازعہ فیہ کے معنی بالکل واضح ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ تفسیر صافی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا ہے:۔ "حَتّٰی اِذَا دَعَا اللّٰہُ نَبِیَّهٗ وَرَفَعَهٗ اِلَیْہِ"۔ (تفسیر صافی صفحہ ۱۱۳ زیر آیت وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِہِ الرُّسُلُ) یعنی حتّٰی کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو اپنے پاس بلایا اور آپ کا اپنی طرف رفع کیا۔ (یعنی آپ کو وفات دی)۔ بعینہٖ اسی طرح آنحضرت صلعم کے لئے "رَفَعَهٗ اِلَیْہِ" کا لفظ بمعنی وفات کتاب وَمَا ثَبَتَ بِالسُّنَّةِ صفحہ ۹۲ پر بھی ہے۔ ان ہر دو حوالوں میں لفظ رفع بھی ہے۔ اللّٰہ فاعل مذکور ہے اور صلہ اِلٰی ہے۔ مگر معنی موت کے ہیں۔

(۲) تفسیر سرسید احمد خاں جلد ۲ صفحہ ۴۷:۔ "پہلی آیت میں اور چوتھی آیت میں لفظ رفع کا بھی آیا ہے۔ جس سے عیسیٰ کی قدر و منزلت کا اظہار مقصود ہے۔ نہ یہ کہ ان کے جسم کو اٹھا لینے کا"۔

(۳) تفسیر کبیر جلد ۲ صفحہ ۶۹۰:۔ "وَرَافِعُكَ اِلَیَّ اے دراہ رفع عملک"۔

اِلَیَّ وَھُوَ کَقَوْلِہٖ اِلَیْہِ یَصْعَدُ الْکَلِمُ الطَّیِّبُ وَالْمُرَادُ مِنْ ھٰذِہِ الْاٰیَۃِ اَنَّہٗ تَعَالٰی بَشَّرَہٗ بِقَبُوْلِ طَاعَتِہٖ وَاَعْمَالِہٖ .... الخ کہ رَافِعُکَ اِلَیَّ کے معنے ہیں کہ میں تیرے اعمال کو اٹھانیوالا ہوں۔ یہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کیطرح ہے کہ "اِلَیْہِ یَصْعَدُ الْکَلِمُ الطَّیِّبُ"۔ اور اس آیت سے مُراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسےٰؑ کو انکی نیکیوں کے قبول کرنے کی بشارت دی۔ وَاعْلَمْ اَنَّ ھٰذِہِ الْاٰیَۃَ تَدُلُّ عَلٰی اَنَّ رَفْعَہٗ فِیْ قَوْلِہٖ وَرَافِعُکَ اِلَیَّ ھُوَ الرَّفْعَۃُ بِالدَّرَجَۃِ وَالْمُنْقَبَۃِ لَا بِالْمَکَانِ وَالْجِھَۃِ۔ (تفسیر کبیر جلد ۲ صـ ۶۹۱)

یعنی اس آیت سے جو مسیح کا رفع ثابت ہوتا ہے۔ یہ درجات کی ترقی اور عزت کا رفع مراد ہے۔ رفع مکانی (جیسا کہ غیر احمدی مانتے ہیں) اور جہت والا مُراد نہیں۔

(۴) تفسیر جامع البیان صـ ۵۲ :۔ رَافِعُکَ اِلَیَّ اے اِلٰی مَحَلِّ کَرَامَتِیْ یعنی اپنے عزت کے مقام کیطرف تیرا رفع کرنیوالا ہوں۔ گویا جنت میں داخل کرونگا۔ بمعروف یٰۤاَیَّتُھَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّۃُ ارْجِعِیْۤ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَۃً مَّرْضِیَّۃً فَادْخُلِیْ فِیْ عِبَادِیْ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ۔

(۵) تفسیر روح البیان جلد ا صـ ۳۳۱ :۔ رَافِعُکَ اِلَیَّ اے اِلٰی مَحَلِّ کَرَامَتِیْ وَمَقَرِّ مَلٰئِکَتِیْ وَجَعَلَ ذَالِکَ رَفْعًا اِلَیْہِ لِلتَّعْظِیْمِ مِثْلُہٗ قَوْلُہٗ اِنِّیْ ذَاھِبٌ اِلٰی رَبِّیْ وَاِنَّمَا ذَھَبَ اِبْرَاھِیْمُ عَلَیْہِ السَّلَامُ مِنَ الْعِرَاقِ اِلَی الشَّامِ یعنی اللہ تعالےٰ کا اپنی طرف رفع فرمانا صرف تعظیم کیلئے

ہے جیسا کہ اس قول میں ہے۔ اِنِّیْ ذَاهِبٌ اِلٰی رَبِّیْ۔ حالانکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام صرف عراق سے شام کی طرف گئے تھے۔

لفظ "رفع" کے متعلق چیلنج

مندرجہ بالا تحقیق سے ثابت ہے۔ کہ قرآن مجید۔ احادیث۔ تفاسیر اور عرب کے محاورہ کے رُو سے لفظ "رفع" جب بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی انسان کی نسبت بولا جائے۔ تو اس کے معنی ہمیشہ ہی بلندی درجات اور قربِ رُوحانی کے ہوتے ہیں۔ ہم نے غیر احمدی علماء کو بارہا یہ چیلنج دیا ہے۔ کہ وہ کلام عرب سے ایک ہی مثال اس امر کی پیش کریں۔ کہ لفظ "رفع" کا فاعل اللہ تعالیٰ مذکور ہو۔ اور کوئی انسان اس کا مفعول ہو۔ اور رفع کے معنی جسم سمیت آسمان پر اُٹھا لینے کے ہوں۔ مگر آج تک اس کی ایک مثال بھی پیش نہیں کی جاسکی۔ اور نہ آئندہ پیش کی جاسکے گی۔

غیر احمدی علماء کے مطالبہ کا جواب

ہمارے مندرجہ بالا چیلنج کا مُنہ چڑانے کے لئے مؤلف محمدیہ پاکٹ بک نے بھی اپنی پاکٹ بک کے صفحہ ۵۱۶ پر یہ لکھ کر اپنی جہالت کا مظاہرہ کیا ہے۔ کہ

"جب رَفَعَ۔ یَرْفَعُ رَفْعًا فَهُوَ رَافِعٌ میں سے کوئی بولا جائے۔ جہاں اللہ تعالےٰ فاعل ہو۔ اور مفعول جوہر ہو۔

(عوض نہ ہو) اور صلہ اِلیٰ مذکور ہو۔ اور مجرور اس کا ضمیر ہو۔ اسمِ ظاہر نہ ہو۔ اور وہ ضمیر فاعل کی طرف راجع ہو۔ وہاں سوائے آسمان پر اُٹھانے کے دُوسرے معنی ہوتے ہی نہیں"۔

جواب ملا:۔ تم نے یہ من گھڑت قاعدہ کہاں سے اخذ کیا ہے؟ اگر کہو کہ جس طرح تم نے "رفع" کے متعلق اپنے چیلنج میں ایک قاعدہ خود ہی بنالیا ہے۔ اسی طرح ہم نے بھی بنالیا ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے۔ کہ ہم لفظ "رفع" کے متعلق چیلنج مندرجہ بالا میں جو شرائط درج کی ہیں۔ وہ ہمارے خود ساختہ قاعدہ کی بناء پر نہیں۔ بلکہ لغتِ عرب میں درج ہیں۔ چنانچہ لسان العرب میں لکھا ہے:۔

"فِي اسْمَاءِ اللّٰهِ تَعَالیٰ الرَّافِعُ هُوَ الَّذِیْ یَرْفَعُ الْمُؤْمِنِیْنَ بِالْاِسْعَادِ وَاَوْلِیَاءَهٗ بِالتَّقْرِیْبِ"۔

کہ رافع اللہ تعالیٰ کا نام ہے۔ جس کے معنے یہ ہیں۔ کہ وُہ مومنوں کا رفع اِن معنوں میں کرتا ہے۔ کہ ان کو سعادت بخشتا ہے۔ اور اپنے دوستوں کا رفع اِن معنوں میں کرتا ہے کہ ان کو اپنا مقرب بنالیتا ہے۔

گویا اللہ کے رفع کا فاعل اور انسان (مومن اولیاء) کے مفعول ہونے کی صورت میں لفظ "رفع" کے معنی بلندی درجات و حصولِ قربِ الٰہی ہے۔ پس ہمارے چیلنج کی شرائط

تو مندرجہ بالا حوالۂ لغت پر مبنی ہیں۔ مگر تم بتاؤ کہ تم نے جو قاعدہ درج کیا ہے۔ اس کی سند محاورۂ عرب میں کہاں ہے؟ یعنی تم نے کس محاورۂ عرب کی بناء پر یہ قاعدہ وضع کیا ہے؟

جواب نمبر ۲:۔ تمہارے من گھڑت قاعدہ کی تغلیط کے لئے مندرجہ ذیل دو۲ مثالیں کافی ہیں:۔

(۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:۔ "حَتّٰی اِذَا دَعَی اللّٰہُ نَبِیَّہٗ وَرَفَعَہٗ اِلَیْہِ" (تفسیر صافی ص۱۱۳ زیر آیت وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ)۔ یعنی حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے پاس بلا لیا۔ اور ان کا اپنی طرف رفع کر لیا۔

(۲) حضرت شیخ عبدالحق صاحب محدث دہلوی حافظ ابن عبدالبرؒ کا مندرجہ ذیل قول آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کی نسبت نقل کرتے ہیں:۔

"کَانَ الْحِکْمَۃُ فِیْ بَعْثَتِہٖ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ھِدَایَۃُ الْخَلْقِ وَتَتْمِیْمُ مَکَارِمِ الْاَخْلَاقِ وَتَکْمِیْلُ مَبَانِی الدِّیْنِ فَحِیْنَ حَصَلَ ھٰذَا الْاَمْرُ وَتَمَّ ھٰذَا الْمَقْصُوْدُ رَفَعَہُ اللّٰہُ اِلَیْہِ" (ماثبت بالسنۃ ص۹۲ و مطبع محمدی لاہور ص۳۹)

یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت میں حکمت محض یہ تھی کہ مخلوق کو ہدایت ہو۔ اور اخلاق اور دین کی تکمیل ہو

پس جب یہ مقصود حاصل ہو گیا۔ تو اللہ تعالےٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی طرف رفع فرما لیا۔

ان ہر دو حوالجات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت رفعہ اللہ الیہ کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ جن میں اللہ فاعل۔ مفعول جوہر ہے عرض نہیں۔ صلہ بھی اِلیٰ مذکور ہے۔ اور مجرور اسم ظاہر نہیں۔ بلکہ "ہ" کی ضمیر ہے اور یہ ضمیر فاعل کی طرف راجع ہے۔ مگر یہاں معنی آسمان پر مع جسم عنصری اٹھائے جانے کے نہیں بلکہ متفقہ طور پر فوت ہو جانے کے معنی ہیں۔

(لفظ رفع کی دوسری مثالیں پہلے گذر چکی ہیں)

قرآن کریم اور لفظ اِلیٰ (۱) انی ذاھبٌ الیٰ ربی (صفّت ع ۳) (۲) انی مھاجر الیٰ ربی (عنکبوت رکوع ۳) (۳) الیہ مرجعکم (انعام ع ۷، یونس ع ۱) (۴) ففرّوا الی اللہ (الذاریٰت ع ۳) (۵) انا للہ وانا الیہ راجعون (بقرہ ع ۹) (۶) الیہ ترجعون (یوسف ع ۷)

اس استدلال پر چند اعتراضات۔ اس آیت سے اگر حضرت عیسےٰ کا آسمان پر جانا مراد ہو سکتا ہے۔ تو ماننا پڑے گا۔ کہ اللہ تعالےٰ آسمان پر محدود ہے۔ اور وہ بھی دوسرے آسمان پر۔ حالانکہ محدودیت باری محال ہے۔ پس عقیدہ حیات مسیح بھی محال ہے۔

دوم۔ کتب نحو میں اِلیٰ کے معنے لکھے ہیں۔ کہ یہ انتہا غایت کے لئے آتا ہے تو اب اگر آسمان پر جانے کے معنے درست ہوں۔ تو ماننا پڑے گا۔ کہ (نعوذ باللہ) حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے ساتھ پہلو بہ پہلو بیٹھے

ہیں۔ درمیان میں کچھ بھی فاصلہ نہیں۔ ورنہ پورے طور پر الیٰ کے معنی تحقق نہیں ہو سکتے۔ پس ان معنوں پر ضد کرنا سراسر جہالت ہے

استدلال ۳ - کَانَ اللّٰہُ عَزِیزًا حَکِیمًا - خدا تعالیٰ نے خود اپنی طاقت اور قدرت کا ذکر کر کے بتا دیا ہے۔ کہ یہاں آسمان پر ہی جانا مراد ہے۔

جواب ۔ آنحضرت صلعم کی ہجرت کے موقعہ پر غار ثور میں جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو دشمنوں سے بچایا تھا۔ تو اس کا ذکر سورہ توبہ ع ۶ میں کر کے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ کہ اللّٰہُ عَزِیزٌ حَکِیمٌ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اس موقعہ پر آسمان پر اٹھائے گئے تھے۔ یا زمین پر ہی رکھ کر خدا تعالیٰ نے انہیں محفوظ رکھا۔ اور اپنی قدرت کا ثبوت دیا تھا۔ کیونکہ قدرت کسی چیز کو چھپانے میں نہیں بلکہ دشمن کے سامنے رکھ کر محفوظ رکھنے میں ہے۔ لہٰذا تمہارے اعتقاد کی رو سے خدا تعالیٰ بزدل ٹھہرتا ہے۔ کیا زمین پر عیسیٰ کو رکھتے ہوئے یہودیوں سے ڈرتا تھا؟ (نعوذ باللہ)

حیات مسیح کی دوسری دلیل - وَإِنَّهُ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا (زخرف ع ۶) ترجمہ :- بقول غیر احمدیان حضرت عیسےٰ علیہ السلام قیامت کی نشانی ہیں۔ پس تم اس میں مت شک کرو۔ بلکہ اس پر ایمان لاؤ۔

جواب ۱ - إِنَّهُ کی ضمیر کا مرجع حضرت عیسےٰ علیہ السلام کا ہونا ضروری نہیں۔ بلکہ اس کا مرجع قرآن کریم یا آنحضرت صلعم ماننے چاہئیں۔ چنانچہ تفسیر معالم التنزیل میں زیر آیت ہذا لکھا ہے۔

قَالَ الْحَسَنُ وَجَمَاعَةٌ إِنَّهُ يَعْنِي أَنَّ الْقُرْآنَ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ

امام حسنؓ اور ایک جماعت کا قول ہے۔ کہ اِنَّہٗ کی ضمیر کا مرجع قرآن کریم ہے۔ پھر تفسیر جامع البیان میں بھی اس آیت کے نیچے لکھا ہے وَقِیْلَ الضَّمِیْرُ لِلْقُرْاٰنِ۔ کہ بعض نے اس ضمیر کا مرجع قرآن کریم کو ٹھہرایا ہے۔

پھر تفسیر مجمع البیان میں اس آیت کے ماتحت لکھا ہے وَقِیْلَ اَنَّ مَعْنٰہُ اَنَّ الْقُرْاٰنَ لَدَلِیْلٌ لِلسَّاعَۃِ لِاَنَّہٗ اٰخِرُ الْکُتُبِ۔ کہ بعض نے اس کے یہ معنے کئے ہیں۔ کہ قرآن کریم قیامت کی دلیل ہے کیونکہ وہ آخری کتاب ہے۔ اگر تمہاری بات ہی کو درست فرض کر لیا جائے۔ تو اس صورت میں اِنَّہٗ کی ضمیر کا مرجع "ابن مریم مثلاً" (یعنی مثیل مسیح) کی طرف ہو گا۔ "مثل" کے معنے لغت میں "اَلشِّبْہُ وَالنَّظِیْرُ" (المنجد) مانند اور نظیر کے ہیں یعنی "مثیل"۔ وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْیَمَ مَثَلًا اِذَا قَوْمُکَ مِنْہُ یَصِدُّوْنَ" کہ جب ابن مریم کا مثیل بھیجا جائے گا۔ تو خود آنحضرت صلعم کی قوم کہلانے والے لوگ اس پہ تالیاں بجائیں گے۔

نیز منتہی الارب فی لغات العرب میں بھی "مثل" کے معنی مانند اور نظیر کے لکھے ہیں چنانچہ ہمارے بیان کردہ ان معنوں کی تائید نبراس شرح عقاید نسفی (جو اہل سنت کے عقائد کی معتبر کتاب ہے) کے حاشیہ کی مندرجہ ذیل عبارت سے ہوتی ہے "قَالَ مُقَاتِلُ بْنُ سُلَیْمَانَ وَمَنْ تَابَعَہٗ مِنَ الْمُفَسِّرِیْنَ فِیْ تَفْسِیْرِ قَوْلِہٖ تَعَالٰی وَاِنَّہٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَۃِ قَالَ ھُوَ الْمَھْدِیُّ یَکُوْنُ فِیْ اٰخِرِ الزَّمَانِ وَبَعْدَ خُرُوْجِہٖ تَکُوْنُ اَمَارَاتُ السَّاعَۃِ" (نبراس صفحہ ۔ حاشیہ) کہ مقاتل بن سلیمان اور اس کے ہم خیال مفسرین نے لکھا ہے کہ اِنَّہٗ

اَعْلَمٌ لِّلسَّاعَةِ سے مراد مہدی ہے۔ جس کی آمد کے بعد قیامت کی شرائط ظاہر ہوں گی۔

نوٹ:۔ تالیاں بجانے کی قرآنی پیشگوئی کو غیر احمدی قریباً ہر مناظرہ کے موقعہ پر پورا کیا کرتے ہیں۔ حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔ "اِنَّمَا التَّصْفِیْقُ لِلنِّسَاءِ" (بخاری کتاب الصلوٰۃ جلد ا صفحہ ۸۶ مصری و تجرید بخاری مترجم حدیث نمبر ۳۸۷) یعنے تالیاں بجانا صرف عورتوں کا کام ہے۔ خادم

غیر احمدی:۔ اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابن عباس سے مسند احمد جلد ا صفحہ ۳۱۸ و درمنثور جلد ۶ صفحہ ۲۰۔ فتح البیان جلد ۸ صفحہ ۳۱۱ و ابن کثیر جلد ۹ صفحہ ۱۱۱ میں مروی ہے۔ کہ اس آیت میں نزول مسیح قبل از قیامت مراد ہے ایسا ہی ابن جریر جلد ۲۵ صفحہ ۴۸ میں ہے۔ (محمدیہ پاکٹ بک صفحہ ۵۳۲)

جواب:۔ فتح البیان اور درمنثور میں تو تمہاری پیش کردہ روایت کی سند درج نہیں ہے۔ البتہ ابن کثیر اور ابن جریر میں جسقدر سندوں سے یہ تفسیر مروی ہے وہ سب کی سب موضوع ہیں۔ ابن کثیر میں یہ روایت دو طریقوں سے مروی ہے۔ اور دونوں کا راوی عاصم بن ابی النجود ہے جو ضعیف ہے۔ اس کے متعلق لکھا ہے:۔

" ثِقَةٌ بِنَ الْقِرَاءَةِ وَهُوَ فِي الْحَدِيْثِ دُوْنَ الثَّبْتِ.... قَالَ يَحْيَى الْقَطَّانُ مَا وَجَدْتُ رَجُلًا اِسْمُهٗ عَاصِمٌ اِلَّا وَجَدْتُهٗ رَدِيَّ الْحِفْظِ وَقَالَ النَّسَائِيُّ لَيْسَ بِحَافِظٍ وَقَالَ الدَّارُقُطْنِيُّ فِي حِفْظِ عَا

شيءٌ..... وقال ابن خراش فی حدیثہ نکرۃ..... وقال

ابو حاتم لیس محلہ ان یقال ثقۃ" (میزان الاعتدال جلد ۲ ص۶)

کہ یہ راوی قران مجید اچھا پڑھتا تھا۔ لیکن حدیث میں مضبوط راوی نہ

تھا۔ یحی کہتے ہیں کہ عاصم نام کا میں نے کوئی راوی اچھے حافظہ والا نہیں

دیکھا۔ امام نسائی نے بھی اس راوی کے متعلق کہا ہے۔ کہ یہ اچھا راوی

نہ تھا۔ ابن خراش نے کہا ہے کہ یہ منکر الحدیث تھا۔ اور ابو حاتم نے کہا

ہے کہ ثقہ نہ تھا۔

ابن جریر کے طریقوں میں سے پہلے تین میں تو یہی عاصم بن ابی النجود راوی ہے

جو منکر الحدیث اور غیر ثقہ ہے۔ علاوہ ازیں پہلے طریقہ میں اس عاصم کے

علاوہ ایک راوی ابو یحی مصدع بھی ہے۔ جس کے متعلق لکھا ہے کہ وہ شیعہ تھا۔

نیز لکھا ہے کہ "تذکرہ الجوزجانی فی الضعفاء..... وقال ابن حبان

فی الضعفاء کان یخالف الاثبات فی الروایات وینفرد بالمناکیر"

(تہذیب التہذیب جلد ۱۰ ص۱۵۸) کہ یہ راوی ضعیف اور ناقابل اعتبار ہے

ابن جریر کے دوسرے طریقہ میں عاصم کے علاوہ ایک راوی غالب بن قائد ہے

اس کے متعلق علامہ ذہبی لکھتے ہیں:۔ "قال الازدی یتکلمون فیہ

وقال العقیلی یخالف فی حدیثہ" (میزان الاعتدال جلد ۲ ص۳۲۹)

کہ اس راوی کے ثقہ ہونے میں محدثین کو کلام ہے۔ اور عقیلی نے کہا

ہے۔ کہ اس کی حدیث کو قبول نہیں کیا جاتا۔ اسی طرح حافظ ابن حجر نے

لسان المیزان جلد ۴ ص۳۸۹ پر عقیلی کا قول اس راوی کی نسبت نقل کیا ہے

کہ "صاحِبُ وَھْمٍ" کہ یہ وہمی آدمی تھا۔ اسی طرح ابن جریر کی چوتھی روایت کا ایک راوی فُضَیل بن مرزوق الرقاشی ہے۔ جو شیعہ تھا۔ اس کے متعلق ابو حاتم کا قول نقل کیا گیا ہے۔ کہ اس راوی کی روایت حجت نہیں اور "قَالَ النَّسَائِیُّ ضَعِیْفٌ" نیز ابن حبان نے اسے خطا کار اور ضعیف قرار دیا ہے۔ نیز ابن معین نے بھی ضعفاء میں شمار کیا ہے۔

(تہذیب التہذیب جلد ۸ صفحہ ۲۹۹)

پس یہ ہے تمہاری پیش کردہ "تفسیر ابن عباس" کی حقیقت! باقی رہی تمہاری شب معراج میں انبیاء کی چار کونسل والی ابن ماجہ کی روایت سو اس کی حقیقت حیاتِ مسیح کی چودھویں دلیل کے جواب میں دیکھو۔

غیر احمدی:۔ حضرت مرزا صاحب نے اعجاز احمدی صفحہ ۲۱ اور حمامۃ البشریٰ صفحہ ۹۰ پر "اِنَّهٗ" کی ضمیر کا مرجع مسیح کو مانا ہے۔ (محمدیہ پاکٹ بک صفحہ ۵۳۵)

جواب ۱:۔ حضور نے بھی اسی صورت میں مانا ہے۔ جس صورت میں ہم نے ویسا ہی مان کر جواب نمبر ۳ و ۴ میں اس کا مفہوم بیان کیا ہے۔ یعنی اس رنگ میں کہ اگر "اِنَّهٗ" کی ضمیر کا مرجع مسیح بھی تسلیم کر لیا جائے۔ تو پھر بھی اس سے حیاتِ مسیح ثابت نہیں ہوتی۔ کیونکہ اس صورت میں اس سے مراد مسیح کے بن باپ پیدا ہونے کی یا ہلاکت بنی اسرائیل کی پیشگوئی لی جائے گی۔

جواب ۲:۔ علم کے معنی ہیں جاننا۔ یہ مصدر ہے۔ اور مصدر کبھی کبھی مبالغہ کے لئے بھی آجاتا ہے۔ جیسے کہتے ہیں زَیْدٌ عَدْلٌ زید بہت عادل ہے۔ اسی طرح یہاں ہے کہ مسیح قیامت کا اچھی طرح جاننے والا تھا۔ یعنی اس کو یقین تھا

کہ قیامت ہو گی۔ اور وہاں وہ اپنے دشمنوں کو پابہ زنجیر دیکھے گا۔ اس میں یہود پر بھی ایک حجت ہے۔ کیونکہ ان کا ایک گروہ منکر قیامت تھا۔ یا وہ یہود نامسعود کی ہلاکت کے وقت کو جانتا تھا۔

اگر "نشانی" بھی تسلیم کر لیا جائے۔ تو ساعت سے مراد قیامت کبریٰ تو ہو نہیں سکتا۔ جیسا کہ جواب ۱ میں گذر چکا ہے ہاں یہود کی ہلاکت کی گھڑی مراد ہو سکتی ہے۔ اور مطلب یہ بن جائے گا۔ کہ عیسےٰ بن مریم کا بے باپ پیدا ہونا اس بات کا بدیہی نشان تھا کہ سب بنی اسرائیل گندے ہو چکے ہیں۔ اور ان کی ہلاکت دروازہ پر کھڑی ہے۔

جواب ۳: ساعت سے مراد ہلاکت بنی اسرائیل کی گھڑی بھی ہو سکتی ہے!

جواب ۴: اگر فی الواقع یہ معنے درست ہوتے جو ہمارے دوست کرتے ہیں۔ تو اگلے حصے فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا کا لانا لغو بن جاتا ہے۔ کیونکہ یہ بات عقلمندی سے بعید ہے۔ کہ ابھی وہ نشانی آئی بھی نہیں۔ مگر خدا تعالیٰ آنحضرت صلعم کے منکروں کو فرماتا ہے۔ کہ تم اس میں شک نہ کرو۔ بھلا جبکہ ابھی نشانی نے ایک نامعلوم مدت کے بعد آنا ہے۔ تو ان کو شک سے کس مرتبے پر روکا جاتا ہے۔ پس معلوم ہوا۔ کہ اس جگہ مسیح کا قیامت کی نشانی ہونے کا تذکرہ نہیں۔ بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن مجید کو قیامت کی نشانی ٹھہرایا گیا ہے۔ ورنہ یہ حصہ بے معنی بنتا ہے۔

جواب ۵: فَلَا تَمْتَرُنَّ کے بعد ہے وَاتَّبِعُونِ کہ میری پیروی کرو اگر قیامت کی نشانی حضرت مسیح تھے۔ تو اس کی مناسبت میں یہ فرمانا چاہیئے

تھا کہ تم اس کی پیروی کرنا۔ یہ کہنے کے کیا معنی کہ میری اتباع کرو۔ اس بیچ کہ گر کہ میری پیروی کرو۔ صاف بتا دیا۔ کہ کوئی مسیح ناصری نہ آئے گا۔ بلکہ تم اے مسلمانو! خود مسیح ہو۔ اور اس کا طریق یہ ہے۔ کہ تم میری اتباع کرو۔

لطیفہ:۔ یہ متنازعہ فیہا آیت سورہ زخرف کی ہے۔ جس سے استدلال کیا جاتا ہے۔ کہ مسیح چونکہ علم للساعۃ ہیں۔ اس لئے وہ ضرور قیامت سے پیشتر تشریف لائیں گے لیکن اگر حضرت مسیح کو علم للساعۃ مان بھی لیا جائے۔ تب بھی آپ اُمت محمدیہ میں نہیں آسکتے۔ کیونکہ اس سورۃ کے آخری رکوع میں اللہ تعالےٰ نے صاف فرما دیا ہے۔

وَعِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ کہ وہ علم الساعۃ جسے تم دوبارہ زمین پر اتار رہے ہو۔ وہ اب اللہ کے پاس بیٹھا ہے۔ وہ تو تمہارے پاس ہرگز نہ آئے گا۔ ہاں تم ہی اس کی طرف لوٹائے جاؤ گے پس اس کی انتظار فضول ترک کر دو۔

حیات مسیح کی تیسری دلیل:۔ وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ (پ ۶ ع ۲۲) ترجمہ:۔ اور کوئی اہل کتاب (یہودی) نہیں مگر وہ حضرت عیسےٰؑ پر ضرور ایمان لائیگا۔ اس کی موت سے پیشتر یعنی عیسےٰؑ کے مرنے سے پہلے سب یہود ایمان لائیں گے۔ چونکہ فی زمانا وہ سب ایمان نہیں لا رہے۔ اس لئے ماننا پڑے گا۔ کہ آپ اسی جسم کے ساتھ آسمان پر زندہ موجود ہیں۔ اور آخری زمانہ میں تشریف لاکر کفار سے منوائیں گے

الجواب۔ غیر احمدیوں کا مندرجہ بالا استدلال بایں وجوہ باطل ہے۔

وجہ اول یہ وہ ایمان ہے جس میں اہل کتاب کا ہر فرد شامل ہے۔ کیونکہ لفظ "اِنْ"

مِنْ" حصر کے لئے آتے ہیں۔ اور جو ایمان غیر احمدی مراد لیتے ہیں۔ وہ ہزار ہا مرنے والے اہل کتاب میں نہیں پایا جاتا۔ پس اگر یہ معنے ہیں تو اللہ تعالےٰ ضرور ان سب اہل کتاب کو حضرت عیسےٰؑ کی آمد ثانی تک زندہ رکھتا تا وہ ایمان لے آویں۔ اور خدا کا فرمودہ سچ ثابت ہو۔ لیکن جب ایسا نہیں ہوا تو معلوم ہوا کہ یہ معنے ہی غلط ہیں۔

اس جگہ اگر کوئی یہ کہے۔ کہ وہ سب یہودی ایمان لائیں گے جو اس وقت موجود ہوں گے تو اوّل تو آیت میں اس کا ذکر نہیں۔ دوم احادیث میں تو لکھا ہے کہ اصفہان کے ستر ہزار یہود دجال کے ساتھ ہوں گے جو مارے جائیں گے۔ اور کنز العمال جلد ۷ صـ۱۷ پر لکھا ہے۔ کہ تیرہ ہزار یہودی عورتیں مسیح کا اتباع کریں گی۔ پس یہ معنی بھی غلط ہیں۔

وجہ دوئم۔ یہ معنی اس لئے غلط ہیں کہ آگے پیچھے اس کے سب بدیاں بھری ہوئی ہیں اور جو ان میں سے نیک ہیں۔ ان کی نیکیوں کا ذکر لٰکِنِ الرَّاسِخُوْنَ سے شروع ہوتا ہے۔ تو اب یہ طریق حکمت کے خلاف ہے۔ کہ ایسی عظیم الشان نیکی کے بعد بھی ان کی بدیاں مذکور ہوں۔ اور معاف نہ کی جائیں۔ پھر جس طرح یہ بات حکمت کے بر خلاف ہے۔ اسی طرح یہ قرآن کریم کے طرز بیان کے بھی برعکس ہے۔ اس لئے یہ ماننا پڑے گا۔ کہ یہ معنی ہی غلط ہیں۔

وجہ سوم۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے۔ لَوْ کَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰہِ لَوَجَدُوْا فِیْہِ اخْتِلَافًا کَثِیْرًا۔ کہ اگر یہ قرآن اللہ کے سوائے کسی اور کی طرف سے ہوتا۔ تو اتنی بڑی کتاب میں ضرور کوئی اختلاف (توانین قدرت کے مضامین

وغیرہ میں) ہوتا۔ ایسا نہ ہونے کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی صداقت پر دلیل بیان فرمایا ہے۔ لیکن اگر غیر احمدیوں کے معنے صحیح تسلیم کیے جائیں تو قرآن کریم میں اختلاف پڑ جاتا ہے۔ کیونکہ اس آیت سے ماقبل فرمایا ہے فَلَا یُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِیْلًا۔ کہ یہ تھوڑا مانیں گے۔ بلکہ مانیں گے ہی نہیں لیکن یہاں کہہ دیا۔ کہ سب ایمان لے آئیں گے۔ (بقول غیر احمدی صاحبان)

وجہ چہارم۔ خدا تعالیٰ حضرت عیسےٰؑ کو فرماتا ہے۔ وَجَاعِلُ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَةِ (آل عمران) میں تیرے متبعین کو یہود پر قیامت تک غلبہ دوں گا۔ اور پھر فرماتا ہے۔ وَاَغْرَیْنَا بَیْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَةِ۔ کہ ہم نے ان میں قیامت تک بغض اور عداوت ڈال دی ہے۔ (مائدہ ۳۶) اور مائدہ رکوع ۹ میں ہے۔ وَاَلْقَیْنَا بَیْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ۔ اب ذرا سوچو۔ کہ سب اہل کتاب ایمان لے آئیں اور سب یہودی حضرت عیسےٰؑ کے متبع ہو جائیں۔ تو ان پر قیامت تک غلبہ کیونکر؟ اور ان میں بغض و عداوت کیسا؟ پس ماننا پڑے گا کہ یہ معنی ہی غلط ہیں۔

وجہ پنجم۔ مَوْتِهٖ میں ہ کی ضمیر کی بجائے دوسری قرأت میں هُمْ کا لفظ آیا ہے جو جمع ہے۔ اور جس سے صرف اہل کتاب ہی مراد لیے جا سکتے ہیں هُمْ کے لیے دیکھیں عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتَابِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ قَالَ هِیَ فِیْ قِرَاءَةِ اُبَیٍّ قَبْلَ مَوْتِهِمْ (ابن جریر جلد ۶ صفحہ ۱۵) یعنی حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا۔ کہ ابی بن کعب کی قرأت میں مَوْتِهٖ کی جگہ مَوْتِهِمْ آیا ہے۔

قَبْلَ مَوْتِہِمْ کے راوی

غیر احمدی:- قَبْلَ مَوْتِہِمْ والی قرأت جو ابن عباس سے مروی ہے کذب محض ہے۔ اس میں دو راوی خصیف اور عتاب بن بشیر مجروح ہیں۔ (محمدیہ پاکٹ بک صفحہ ۵۳۰ بار دوم)

جواب:- ابن جریر نے ابن عباس سے پانچ روایات "قَبْلَ مَوْتِہِمْ" والی قرأت کی نقل کی ہیں۔ جن میں سے چار روایات ایسی ہیں جن میں یہ دونوں راوی نہیں ہیں۔ پس دوسری روایات تو تمہارے نزدیک بھی قابل اعتراض نہ ٹھہریں۔ تو ابن عباس سے "مَوْتِہِمْ" والی قرأت تو ثابت ہو گئی اعتراض کیا رہا؟

(۲) باقی رہی پانچویں روایت۔ جس کے راوی خصیف اور عتاب بن بشیر ہیں۔ تو یہ روایت بھی درست ہے۔ خصیف بن عبد الرحمٰن کے متعلق لکھا ہے "قَالَ ابْنُ مَعِیْنٍ لَیْسَ بِہٖ بَأْسٌ وَقَالَ مَرَّۃً ثِقَۃٌ ...... قَالَ ابْنُ سَعْدٍ کَانَ ثِقَۃً ...... قَالَ السَّاجِیْ صَدُوْقٌ" (تہذیب التہذیب جلد ۳ صفحہ $\frac{143}{144}$) کہ خصیف ثقہ راوی تھا۔ جن لوگوں نے خصیف پر اعتراض کیا ہے۔ ان کے نزدیک وہ روایت جو خصیف سے عبد العزیز بن عبد الرحمٰن روایت کرے۔ وہ ناقابل اعتبار ہوتی ہے کیونکہ لکھا ہے کہ "وَالْبَلَاءُ مِنْ عَبْدِ الْعَزِیْزِ لَا مِنْ خَصِیْفٍ" (تہذیب حوالہ مذکور) (یعنی نقص عبد العزیز میں ہے نہ کہ خصیف میں) لیکن روایت متنازعہ میں عبد العزیز راوی نہیں ہے۔ اسی طرح سے اس

روایت کا دوسرا راوی "عتاب بن بشیر" بھی قابل اعتبار اور ثقہ ہے جیسا کہ لکھا ہے :- "قَالَ عُثْمَانُ الدَّارِمِيُّ عَنْ ابْنِ مَعِينٍ ثِقَةٌ.... كذا اَرَّخَهُ ابْنُ حِبّانَ فِي الثقات قال الحاكم عن الدارقطني ثقة" (تہذیب جلد ٧، صـ٩١) یعنی عتاب بن بشیر کو ابن معین اور ابن حبان اور دار قطنی نے ثقہ قرار دیا ہے -

غیر احمدی :- ابن جریر میں ابن عباس کا قول "قَبْلَ مَوْتِ عِيْسٰى" سعید بن جبیر کے طریق سے باسنادِ صحیح درج ہے - بحوالہ ارشاد الساری شرح صحیح بخاری " (محمدیہ پاکٹ بک صـ٥٢٨)

جواب :- ابن جریر میں سعید بن جبیر کے طریق سے صرف دو روایات درج ہیں - پہلی روایت محمد بن بشار نے ابن مہدی عبد الرحمٰن سے اور اس نے سفیان سے اور اس نے ابی حصین سے اور اس نے سعید بن جبیر سے سو یہ روایت ضعیف ہے - کیونکہ لکھا ہے :- "قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بن محمد بن سیار سمعت عَمْرو بن عَلِيٍّ يَحْلِفُ ان بندارا يَكْذِبُ فيما يروي عَنْ يحيى.... قَالَ عَبْدُ الله بن علي بن المديني سَمِعْتُ ابي وَسَأَلْتُهُ عَنْ حَدِيْثٍ رَوَاهُ بندارٌ عن ابن مهدي.... فَقَالَ هٰذَا كَذِبٌ... فرأيتُ يحيى لا يعبأ به ويستضعفه ورأيتُ القواريري لا يرضاه (تہذیب التہذیب جلد ٩ صـ٧١) کہ عبد اللہ بن محمد کہتے ہیں - کہ عمرو بن علی نے حلف اٹھا کر کہا کہ محمد بن بشار بندار جھوٹ بولتا تھا - ان روایات میں جو اس نے یحیٰی سے روایت کی ہیں - اسی طرح سے علی بن المدینی سے محمد بن بشار کی ایک روایت جو

ابن مہدی سے لی ہے پوچھی گئی۔ تو انہوں نے اس روایت کو کذب محض قرار دیا۔ اسی طرح یحییٰ بن معین، محمد بن بشار کو اچھا نہیں سمجھتے تھے (اس کی پرواہ نہ کرتے تھے) بلکہ اسے ضعیف قرار دیتے تھے۔ اسی طرح قواریری بھی اسے پسند نہ کرتا تھا۔ یہ تو حال ہے پہلی روایت کا (یاد رہے کہ یہ روایت بھی محمد بن بشار نے ابن مہدی سے روایت کی ہے) دوسری روایت کا ایک راوی ابی بن العباس بن سہل الانصاری ہے۔ جس کے متعلق لکھا ہے "وَقَالَ اَبُوبشر الدَّولَابِی لَیْسَ بِالْقَوِیِّ قلت وَقَالَ ابْنُ معین ضَعِیْفٌ وَقَالَ اَحْمَدُ مُنکر الحدیث وقال النسائی لیس بالقوی وَقَالَ العقیلی لَهٗ اَحَادِیْثُ لَا یُتَابَعُ عَلٰی شَیْءٍ مِنْهَا ... قال البخاری لیس بالقوی" (تہذیب التہذیب جلد ا ص ۱۸۶) کہ ابو بشر الدولابی نے کہا ہے کہ یہ راوی ثقہ نہیں ابن معین نے بھی اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ اور امام احمد کے نزدیک منکر الحدیث تھا۔ اور نسائی نے بھی غیر قوی قرار دیا ہے عقیلی نے لکھا ہے کہ اس راوی کی حدیث قابل اتباع نہیں ہوتی۔ امام بخاری کے نزدیک بھی یہ راوی قوی نہیں ہے۔

ابن جریر میں "موتہ عیسیٰ" والی ابن عباس سے صرف ایک ہی اور روایت ہے۔ اگرچہ وہ سعید بن جبیر کے طریق سے تو نہیں۔ لیکن پھر بھی ضعیف ہے کیونکہ اس میں بھی یہی ابی بن العباس راوی ہے جو ضعیف ہے۔

پھر لکھا ہے۔ "وَیَدُلُّ عَلَیْهِ قِرَاءَةُ اُبَیٍّ اِلَّا لَیُؤْمِنُنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهِمْ عَلٰی مَعْنٰی وَاِنْ مِنْهُمْ اَحَدٌ اِلَّا لَیُؤْمِنُنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهِمْ (تفسیر

کشاف جلد ا صفحہ ۳۹۶) یعنی ان معنوں پر حضرت ابی ابن کعب کی یہ قرأت دلالت کرتی ہے "اِلَّا لَیُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهِمْ" جس کا مطلب یہ ہے کہ ان میں سے کوئی ایک بھی ایسا نہیں ہوگا۔ جو اپنی موت سے پہلے اس پر ایمان لائے

حضرت ابی ابن کعب کی قرأت کی اہمیت بخاری کی اس حدیث سے ظاہر ہے سَمِعْتُ النَّبِیَّ صلعم یَقُوْلُ خُذُوْا الْقُرْاٰنَ مِنْ اَرْبَعَةٍ مِنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ فَبَدَءَ بِهٖ وَسَالِمٍ مَوْلٰی اَبِیْ حُذَیْفَةَ وَمُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ وَاُبَیِّ بْنِ کَعْبٍ (بخاری کتاب المناقب باب مناقب ابی بن کعب رضی اللہ عنہ جلد ۲ صفحہ ۱۹۴ مصری)

کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ قرآن شریف حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی حضرت سالم رضی اور حضرت معاذ بن جبل رضی اور حضرت ابی ابن کعب رضی سے سیکھو اب منتقی مومن کا فرض ہے کہ وہ دونوں قرأتوں کو مد نظر رکھ کر معنے کرے اور وہ یہی ہوں گے کہ یہود کا ہر فرد حضرت عیسیٰ ؑ کے مصلوب ہونے پر ایمان لائیگا اور لاتا ہے۔ ورنہ وہ یہودیت کو ترک کر کے صداقت عیسیٰ ؑ کا قائل ہو جائیگا جو باطل ہے۔ شم۔ وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ قَبْلَ مَوْتِ عِیْسٰی وَعَنْهُ اَیْضًا قَالَ قَبْلَ مَوْتِ الْیَهُوْدِیِّ .... وَقِیْلَ الضَّمِیْرُ الْاَوَّلُ لِلّٰهِ وَقِیْلَ اِلٰی مُحَمَّدٍ صلعم وَبِهٖ قَالَ عِکْرِمَةُ (فتح البیان جلد ۲ صفحہ ۳۴۴)

کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا۔ کہ عیسیٰ ؑ کی موت سے پہلے اور انہی حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ یہودی کی موت سے پہلے..... اور کہا گیا ہے کہ پہلی ضمیر اللہ کی طرف پھرتی ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ آنحضرت صلعم کی طرف پھرتی ہے۔ اور حضرت عکرمہ رضی کا بھی یہی مذہب ہے۔

اس آیت میں دو ضمیریں ہیں۔ ایک بِہٖ اور دوسری بِھِمْ۔ ان دونوں ضمیروں کے مرجع کی تعیین میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ پہلی ضمیر کا مرجع عیسیٰ ع، اللہ یعنی قرآن بتاتے ہیں۔ اور دوسری ضمیر کا مرجع عیسیٰ ع اور کتابی بتاتے ہیں۔ پس دلیل غیر احمدیوں کی تب صحیح ہوسکتی کہ تعیین مرجع میں مسیح ع پر اتفاق ہوتا۔ اور وہ نہیں۔ پس اس قرأۃ کے ہوتے ہوئے غیر احمدیوں کے معنے بالکل نہیں بن سکتے۔

وجہ سوئم۔ اس کے بعد فرمایا ہے وَیَوْمَ الْقِیَامَةِ یَکُوْنُ عَلَیْھِمْ شَھِیْدًا کہ وہ قیامت کے دن ان پر گواہ ہوگا یعنی ان کے خلاف گواہی دیگا۔ اب اگر اس آیت کے معنی ہیں کہ وہ سب مان جائینگے تو گواہی کیسی؟ اس گواہی کی کیا ضرورت کیونکہ گواہی کی ضرورت تو ہمیشہ انکار کے بعد ہوتی ہے۔ قیامت کیا گواہی کو مخصوص کرنا بتاتا ہے کہ مسیح دنیا میں نہیں آئیگا۔ ورنہ کہنا چاہئیے تھا کہ وہ دنیا میں آکر گواہی دیگا۔ مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری نے قبل موتہ کے معنی حال کے بھی کئے ہیں: اِنْ مِّنْکُمْ لَمَنْ لَّیُبَطِّئَنَّ کا ترجمہ کوئی تم میں سے سستی کرتا ہے۔ (تفسیر ثنائی سورۃ نساء ع ۱۰)

نوٹ:۔ بعض غیر احمدی کہا کرتے ہیں کہ حضرت خلیفۃ المسیح اول رضی اللہ عنہ نے جو اس آیت کا ترجمہ کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ قَبْلَ مَوْتِهٖ سے مراد حضرت مسیح علیہ السلام کی وفات لیتے تھے۔ لیکن یہ صریحاً مغالطہ ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح اول رض مَوْتِهٖ کی ضمیر کا مرجع "کتابی" ہی لیتے تھے۔ اور یہ ترجمہ غیر احمدی فصل الخطاب جلد ۲ صفحہ ۸ کے حوالہ سے پیش کرتے ہیں۔ اسمیں "اس میں اس کی موت سے پہلے کے الفاظ ہیں۔ یہ تصریح موجود نہیں ہے۔ کہ اس سے مراد کتابی ہے۔ یا حضرت مسیح ع؟ ورنہ حضرت خلیفۃ المسیح اول رض کا مذہب وہی ہے

جو ہم نے اوپر بیان کیا۔ چنانچہ آپ تحریر فرماتے ہیں:۔ "وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتَابِ الخ کا ترجمہ یہ ہے اور نہیں کوئی اہل کتاب مگر ضرور ایمان لائیگا ساتھ اس قتل کے قبل موت اپنی کے" (الحکم جلد ۵ نمبر ۳۳۔ ۱۰ ستمبر سنہ ۱۹۰۱ء صفحہ ۱۱ کالم ۳)

حضرت ابوہریرہؓ کا اجتہاد

بعض غیر احمدی مولوی حضرت ابوہریرہؓ کا اجتہاد بخاری کے حوالے سے پیش کیا کرتے ہیں کہ انہوں نے نزول مسیح کی حدیث کو وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتَابِ والی آیت کے ساتھ منطبق کیا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت سے نزول مسیح ہی مراد ہے نہ کچھ اور۔

جواب اس کا یہ ہے کہ یہ حضرت ابوہریرہؓ کا اپنا اجتہاد ہے۔ جو حجت نہیں کیونکہ حضرت ابوہریرہؓ راوی تو اعلیٰ درجہ کے ہیں مگر مجتہد نہیں ملاحظہ ہو:۔ "اَلْقِسْمُ الثَّانِيْ مِنَ الرُّوَاةِ هُمُ الْمَعْرُوْفُوْنَ بِالْحِفْظِ وَالْعَدَالَةِ دُوْنَ الْاِجْتِهَادِ وَالْفَتْوٰى كَاَبِيْ هُرَيْرَةَ وَاَنَسِ بْنِ مَالِكٍ" (اصول شاشی) کہ راویوں میں سے دوسری قسم کے راوی وہ ہیں جو حافظہ اور دیانتداری کے لحاظ سے تو مشہور ہیں۔ مگر اجتہاد اور فتویٰ کے اعتبار سے قابل اعتبار نہیں جیسے ابوہریرہؓ۔ و انس بن مالک۔"

(ب) مولنا ثناء اللہ صاحب پانی پتی اپنی تفسیر بنام تفسیر مظہری میں تحریر فرماتے ہیں: "تَاْوِيْلُ الْاٰيَةِ بِاِرْجَاعِ الضَّمِيْرِ الثَّانِيْ اِلٰى عِيْسٰى مَمْنُوْعٌ اِنَّمَا هُوَ زَعْمٌ مِنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ لَيْسَ ذٰلِكَ فِيْ شَيْءٍ فِي الْاَحَادِيْثِ" (تفسیر مظہری زیر آیت وان من اھل الکتاب)

یعنی آیت زیر بحث میں ضمیر ثانی (یعنی مَوْتِہٖ کی ضمیر) کو عیسیٰ کی طرف پھیر کر آیت کے معنی کرنا غلط ہے جائز نہیں۔ یہ تو محض ابو ہریرہؓ کا اپنا زعم ہے جو احادیث کے بالمقابل وقعت نہیں رکھتا۔ کیونکہ حدیث سے ایسا ثابت نہیں ہوتا پس اہلِ اصول اور محدثین کے نزدیک حضرت ابوہریرہؓ ثقہ راوی ہیں۔ اور ان کی روایت درست مگر انکا اپنا خیال اور قول ہرگز حجت نہیں۔ خصوصاً جب کہ قرآن مجید کی مبین آیات۔ متعدد احادیث اور راہبرانِ اُمت کے بیسیوں اقوال کے خلاف ہوں۔ چنانچہ اسی بخاری شریف میں حضرت ابوہریرہؓ کا ایک اور اجتہاد درج ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حدیث "مَا مِنْ مَوْلُوْدٍ یُوْلَدُ وَالشَّیْطَانُ یَمَسُّہٗ حِیْنَ یُوْلَدُ" الخ (کہ ہر بچہ کو بوقت پیدائش شیطان مس کرتا ہے بجز مریم اور ابن مریم کے کہ وہ دونوں مسِ شیطان سے پاک ہیں) کے متعلق حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں فَاقْرَءُوْا اِنْ شِئْتُمْ "اِنِّیْ اُعِیْذُھَا بِکَ وَذُرِّیَّتَھَا مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ" (بخاری کتاب التفسیر تفسیر سورۂ آل عمران جلد ۳ مطبع البہیہ مصر) کہ آنحضرت صلعم کی اس حدیث کے سمجھنے کیلئے قرآن مجید کی یہ آیت پڑھو کہ حضرت مریم کی والدہ نے کہا کہ میں مریم اور اسکی ذریت کے لئے شیطان الرجیم سے خدا کی پناہ مانگتی ہوں۔ [illegible] حضرت ابوہریرہؓ کا یہ اجتہاد قطعی طور پر غلط ہے۔ کیونکہ حضرت مریم رضی اللہ عنہا کی والدہ کی مندرجہ بالا دعا حضرت مریمؓ کی ولادت کے بعد کی ہے اور حدیث میں جس مسِ شیطان کی نفی ہے وہ وقتِ ولادت کی ہے پس جس طرح حضرت ابوہریرہؓ کا اس آیت کے متعلق اجتہاد مندرجہ بالا قطعی غلط

ہے۔ اسی طرح ان کا "وَاِنْ مِّنْ اَھْلِ الْکِتٰبِ الخ" والی آیت کے متعلق اجتہاد مندرجہ بخاری بھی غلط ہے اور ناقابل استناد۔

اگر انکا یہ قول اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِیْحَ ... الخ اس ضمیر کا مرجع ہو تو مطلب ہوگا کہ باوجود اسکے کہ خدا نے یہودیوں کے اس قول کی تردید پوری طرح کردی ہے۔ پھر بھی وہ اپنے اس قول پر ایمان رکھینگے کہ ہم نے مسیح کو قتل کردیا۔ ورنہ انکا مذہب ہی درہم برہم ہوجاتا ہے مثلاً دیکھ لو۔ اگر ایک یہودی حضرت عیسےٰ کو غیر مصلوب تسلیم کرلے تو پھر وہ آپ پر ایمان لائیگا۔ اور اسی طرح اگر ایک عیسائی مصلوبیت مسیح چھوڑ دے تو پھر انکے مذہب کا بھی کچھ نہیں رہتا اور کفارہ معہ دیگر اصولوں کے رخصت ہوجاتا ہے۔ بس یہی معنی ہیں۔ انکے ایمان سے حقیقی اور قابل قبول ایمان مراد نہیں۔

حیات مسیح کی چوتھی دلیل۔ "مَنْ یَّمْلِکُ مِنَ اللّٰہِ شَیْئًا اِنْ اَرَادَ اَنْ یُّھْلِکَ الْمَسِیْحَ ابْنَ مَرْیَمَ" کہ خدا کو کون روک سکتا ہے۔ اگر وہ عیسیٰ بن مریم کو مارنے کا ارادہ کرے۔ ثابت ہوا۔ ابھی تک خدا تعالیٰ نے ان کو مارنے کا ارادہ نہیں کیا۔

جواب۔ اس کے آگے وَاُمَّہٗ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا بھی پڑھ دو۔ کہ اگر خدا چاہے عیسیٰؑ ان کی والدہ اور موجودات ارضی کو ہلاک کرنا۔ کیا حضرت مریم بھی زندہ ہیں؟ اور کیا دنیا کی کوئی چیز ہلاک نہیں ہوتی حالانکہ کوئی سیکنڈ اور سیکنڈ کا کوئی حصہ نہیں گذرتا جب دنیا میں کوئی جاندار نہیں مرتا۔ اصل مطلب یہ ہے کہ اگر خدا تعالیٰ چاہتا تو مسیح۔ مریم اور موجودات ارضی کو جمیعاً (یکدم) ہلاک کردیتا۔ مگر خدا تعالیٰ آہستہ آہستہ دنیا کو ہلاک

کرتا ہے۔ اَفَلَا یَرَوْنَ اَنَّا نَاْتِی الْاَرْضَ نَنْقُصُھَا مِنْ اَطْرَافِھَا۔

حیاتِ مسیح کی پانچویں دلیل۔ یُکَلِّمُ النَّاسَ فِی الْمَھْدِ وَکَھْلًا۔

کہ عیسیٰ مہد اور چالیس سال کی عمر میں کلام کرینگے۔ انہوں نے مہد میں تو کلام کیا۔ مگر ۳۳ سال کی عمر میں چونکہ آسمان پر اُٹھائے گئے۔ اِس لئے ابھی تک انہوں نے کہل کی عمر میں کلام نہیں کیا۔ لہذا آسمان سے واپس آکر وہ کہل میں بھی کلام کریں گے۔

جواب۔ "کہل" کے معنی لغت میں تیس سال سے چالیس سال کی عمر ہے۔ (مجمع البحار) بقول تمہارے جب وہ ۳۳ سال کی عمر میں اٹھائے گئے۔ تو تین سال انہوں نے "کہل" میں بھی کلام کرلیا۔ واپس لانے کی کیا ضرورت ہے۔

(۲) ہم تو احادیث صحیح کی بناپر ایمان رکھتے ہیں کہ وہ ۱۲۰ سال تک زندہ رہے۔ لہذا ان کا "کہل" کی عمر میں بھی کلام کرنا ثابت ہوگیا۔

حیاتِ مسیح کی چھٹی دلیل:۔ وَیُعَلِّمُہُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ۔ (آل عمران)

"اَلْکِتَاب اور اَلْحِکْمَۃ" سے قرآن میں ہر جگہ قرآن اور حدیث مراد ہے۔ ثابت ہوا کہ خدا تعالیٰ عیسےٰ کو قرآن وحدیث سکھائے گا۔ آمدِ ثانی ثابت۔

جواب۔ یہ قاعدہ غلط ہے۔ قرآن میں ہے۔ وَلَقَدْ اٰتَیْنَآ اٰلَ اِبْرَاھِیْمَ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ (نساء ع ۸) لہذا تمہارا خود ساختہ قاعدہ غلط ہے۔

حیاتِ مسیح کی ساتویں دلیل۔ اِذْ کَفَفْتُ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ عَنْکَ۔

یعنی اے عیسیٰ! جب میں نے بنی اسرائیل کا ہاتھ تجھ سے روک لیا۔ اس آیت سے تو معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام کو یہودیوں کے ہاتھ لگے ہی نہیں۔

اگر یہ مانا جائے کہ وہ صلیب پر لٹکائے گئے۔ اور ان کے ہاتھوں سے خون بہا اور پھر اس قدر مصیبتیں جھیلنے کے بعد صلیب پر سے زندہ اُتار ے گئے۔ تو اس سے اس آیت کی تکذیب لازم آتی ہے۔

الجواب: "کَفَّ۔ عَنْ" کا جو ترجمہ کیا گیا ہے وہ سراسر غلط ہے۔ قرآن مجید میں ہے۔ (مائدہ رکوع آخری آیت) "یَاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْکُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ اِذْ ھَمَّ قَوْمٌ اَنْ یَّبْسُطُوْٓا اِلَیْکُمْ اَیْدِیَھُمْ فَکَفَّ اَیْدِیَھُمْ عَنْکُمْ" کہ اے مسلمانو! تم خدا کی اس نعمت کو یاد کرو۔ جبکہ قوم (کافرین) نے تمہاری طرف اپنے ہاتھ دراز کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ پس خدا نے ان کے ہاتھوں کو تم سے روک دیا۔ کیا جنگوں کے موقعہ پر کبھی کوئی مسلمان زخمی یا شہید نہیں ہوتا تھا؟ پس درحقیقت "کَفِّ یَدْ" سے مراد حقیقی فتح سے کافروں کو روکنا ہے یعنی یہ کہ کافر مسلمانوں پر حقیقی فتح نہیں پا سکتے۔

حیاتِ مسیح کی آٹھویں دلیل:۔ "وَمُطَھِّرُکَ مِنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا"

خدا تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے وعدہ کیا تھا کہ میں تم کو کافروں سے پاک کرونگا یعنی کامل طور پر یہودیوں کے ہاتھوں سے بچاؤنگا۔ اگر احمدیوں کا مذہب مانا جائے۔ کہ حضرت عیسےٰ صلیب پر لٹکائے گئے۔ مگر زندہ اُتر آئے۔ تو اس سے اس وعدہ کی تکذیب ہوتی ہے۔

الجواب: "تطہیر" سے مراد اس آیت میں کافروں کے الزامات سے بری کرنا ہے نہ کہ اُن کے ہاتھوں سے زخمی ہونے سے بچانا۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَیُطَھِّرَکُمْ

تَطۡهِيۡرًا ۔" (احزاب ع ۴) کہ لے اہلبیت! اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تم سے پلیدی کو دور کرے۔ اور تم کو اچھی طرح پاک کرے۔

اب یہ تو ظاہر ہے کہ ازواج نبوی کے علاوہ حضرت امام حسین رض بھی اہل بیت میں سے ہیں۔ ان کی بھی تطہیر ہوئی۔ کیا انکو یزیدیوں کے ہاتھ سے جسمانی طور پر کوئی گزند نہیں پہنچا؟ پس حضرت عیسےٰ ؑ کے لئے تطہیر کے اور معنی لینا خلاف اسلوب قرآن ہے۔

حیاتِ مسیح کی نویں دلیل۔ "لَنۡ یَّسۡتَنۡکِفَ الۡمَسِیۡحُ اَنۡ یَّکُوۡنَ عَبۡدًا لِّلّٰهِ وَلَا الۡمَلٰٓئِکَةُ الۡمُقَرَّبُوۡنَ" (نساء رکوع ۲۴)۔

کہ مسیح خدا کی عبادت سے انکار نہیں کریگا۔

جواب۔ ہاں بیشک حضرت مسیح نے خدا تعالیٰ کا "عبد" ہونے سے نہ کبھی پہلے انکار کیا، اور نہ خدا کی عبادت کرنے اور کرانے سے قیامت کے دن منکر ہونگے چنانچہ دوسری جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

" وَاِذۡ قَالَ اللّٰهُ یٰعِیۡسَی ابۡنَ مَرۡیَمَ ءَاَنۡتَ قُلۡتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوۡنِیۡ وَاُمِّیَ اِلٰهَیۡنِ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ " کہ جب اللہ تعالیٰ قیامت کے دن حضرت مسیح سے پوچھے گا کہ کیا آپ نے لوگوں کو کہا تھا کہ مجھ کو اور میری ماں کو معبود بنا کر ہماری عبادت کیا کرو؟ تو مسیح اس کے جواب میں کہیں گے " مَا قُلۡتُ لَهُمۡ اِلَّا مَاۤ اَمَرۡتَنِیۡ بِهٖۤ اَنِ اعۡبُدُوا اللّٰهَ رَبِّیۡ وَرَبَّکُمۡ " کہ میں نے ان سے وہی کچھ کہا جس کا آپ نے مجھے حکم دیا۔ یعنی یہ کہ تم بھی اسی اللہ کی عبادت کرو جو میرا اور تمہارا سب کا رب ہے۔ غرضیکہ "لَنۡ یَّسۡتَنۡکِفَ" والی آیت میں

جس علامِ انکار از عبادت کا ذکر ہے نہ قیامت کے دن ہوگا۔ جیسا کہ قرآن مجید نے دوسری جگہ خود اس کا ذکر بالتفصیل کر دیا ہے۔ یعنی سورہ مائدہ آخری رکوع میں جس کا حوالہ اُوپر دیا گیا ہے۔

لطیفہ

مصنف محمدیہ پاکٹ بک نے حیاتِ مسیح کی نویں دلیل یہ لکھی ہے :-

"قرآن مجید میں جہاں کہیں کسی شخص کو مقرب فرمایا ہے۔ سب جگہ مذکور ساکنین آسمان ہیں۔ چنانچہ سورۂ واقعہ میں جنتیوں کے حق میں لفظ مقرب وارد ہے۔ اور قرآن و حدیث سے ظاہر ہے کہ جنت آسمان پر ہے۔ دُوسرے موقعہ پر حضرت مسیح کے لئے "ومن المقربین" آیا ہے۔ مطلب ظاہر ہے کہ حضرت مسیح آسمان پر ہیں۔" (محمدیہ پاکٹ بک صفحہ ۵۴۰ بار دوم)

احمدی - جنت زمین پر ہو یا آسمان پر لیکن ہم یہ ضرور تسلیم کرتے ہیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام فی الواقعہ "جنتیوں" میں سے ہیں۔ کیونکہ بقول تمہارے لفظ "مقرب" جہاں کہیں قرآن مجید میں آیا ہے وہاں یا تو اس سے مراد فرشتے ہیں یا جنتی۔ حضرت مسیح فرشتے تو تھے نہیں۔ لہذا جنتی ضرور ہیں۔ بہرحال انکی وفات ثابت ہے۔ کیونکہ جنت کے متعلق خدا تعالیٰ فرماتا ہے: "مَا ھُمْ مِنْھَا بِمُخْرَجِیْن"

۲۔ باقی رہا تمہارا یہ لکھنا کہ "قرآن مجید میں مقرب کا لفظ صرف ساکنین آسمان کے متعلق آیا ہے"۔ تمہاری قرآن دانی کی دلیل ہے۔ سُورۃ اعراف ع ۱۴۔ اور سُورۃ شعراء ع ۳ میں فرعون کے جادوگروں کی نسبت "لَمِنَ الْمُقَرَّبِیْن" کا لفظ آیا ہے۔ تمہارے نزدیک کیا فرعون کا دربار "آسمان پر" منعقد ہوتا تھا؟

۳۔ ذرا یہ بھی بتا دینا کہ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم بھی تمہارے نزدیک اپنی وفات تک اللہ تعالیٰ کے "مقرب" تھے یا نہیں؟

۴۔ مسیح کیلئے جہاں مقرب کا لفظ آیا ہے۔ اُس کے الفاظ یہ ہیں:۔

"وَجِیْهًا فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِیْنَ" (آل عمران ع۵)

کہ وہ دُنیا میں بھی وجیہ ہوگا اور آخرۃ میں بھی وجیہ اور مقرب ہوگا۔ پس حضرت مسیح کا مقرب ہونا "اَلْاٰخِرَة" کے بعد ہے نہ کہ پہلے۔ لہٰذا اگر تمہارا خود ساختہ قاعدہ مان بھی لیا جائے تب بھی مسیح علیہ السلام کی وفات ہی اس سے ثابت ہوتی ہے۔ معلوم نہیں کس طرح تم نے اسے حیاتِ مسیح کی دلیل ٹھہرا لیا ہے؟

غیر احمدی۔ حضرت مسیحؑ کا صلیب پر لٹکایا جانا ان کے "وجیہ" ہونے کے منافی ہے۔

جواب:۔ جی نہیں! صلیب پر اپنے دشمنوں کے ہاتھوں مارا جانا بیشک وجاہت کے خلاف تھا کیونکہ عہد نامہ قدیم میں صلیب پر مارے جانے والے کو لعنتی کہا گیا ہے نہ کہ صلیب پر لٹکائے جانے والے کو۔ پس مسیح کا محض صلیب پر لٹکنا اور زخمی ہونا اُن کے وجیہ ہونے کی نفی نہیں کرتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا دانت اُحد میں شہید ہوگیا۔ حضورؐ دشمنوں کے ہاتھوں زخمی ہو کر بیہوش ہوگئے۔ لیکن کیا تمہارے نزدیک حضورؐ "وجیہ" نہ تھے؟

حیاتِ مسیح کی دسویں دلیل۔ کَیْفَ اَنْتُمْ اِذَا نَزَلَ فِیْکُمْ اِبْنُ مَرْیَمَ (رواہ بخاری)۔ اے مسلمانو! تمہاری کیسی خوش قسمتی ہوگی۔ جب تم میں ابن مریم نزول فرما ہوں گے۔

اس حدیث میں مِنَ السَّمَاءِ کا لفظ تو آیا نہیں۔ ہاں دو لفظ ہیں جن سے ہمارے دوستوں کو مغالطہ لگا ہے۔ ایک نَزَلَ۔ ایک ابن مریم۔ نزول کے متعلق یاد رہے کہ اس کیلئے آسمان سے اُترنا ضروری نہیں۔ ملاحظہ ہو۔

لفظ نزول قرآن میں

(۱) قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكُمْ ذِكْرًا رَّسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْكُمْ ... الخ (طلاق رکوع ۲)۔ اللہ تعالیٰ نے تمہاری طرف محمد رسول اللہ صلعم کو نازل فرمایا ہے جو تم پر اللہ کی نشانیاں پڑھتا ہے۔ کیا آپ آسمان سے آئے تھے؟۔

(۲) اَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ الْاَنْعَامِ (زمرع) اللہ تعالیٰ نے تمہارے واسطے جانور نازل کئے

(۳) اَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ (حدید ع ۳) - ہم نے لوہا نازل کیا۔

(۴) وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ وَمَا نُنَزِّلُهٗٓ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ - اور کوئی چیز بھی نہیں۔ مگر ہمارے پاس اس کے خزانے ہیں۔ اور نہیں اُتارتے ہم اس کو مگر ایک مقرر اندازہ پر۔

(۵) قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا۔ (اعراف ع ۳) ہم نے لباس نازل کیا۔

لفظ نزول اور احادیث۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے

(۱) اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ نَزَلَ تَحْتَ شَجَرَةٍ۔ (کنز العمال جلد ۶ ص ۵۹) آنحضرت ؐ ایک درخت کے نیچے اُترے۔

(۲) كَانَ اِذَا نَزَلَ مَنْزِلًا فِيْ سَفَرٍ لَمْ يَرْتَحِلْ حَتّٰى يُصَلِّيَ فِيْهِ رَكْعَتَيْنِ (کنز العمال جلد ۱ ص ۱۹)۔ آنحضرت ؐ سفر میں مقام کرنے کے بعد ۲ دو رکعتیں پڑھ کے کوچ کرتے تھے۔

(۲) لَمَّا نَزَلَ الْحِجْرَ۔ (فتح الباری شرح بخاری جلد ۸ صفحہ ۹۶۵)۔

جب آنحضرت ؐ حجر کی زمین میں اترے۔

اُمتِ محمدیہ کیلئے نزول کا لفظ۔ لَتَنْزِلَنَّ طَائِفَۃٌ مِّنْ اُمَّتِیْ اَرْضًا یُقَالُ لَھَا الْبَصْرَۃُ۔ (کنز العمال جلد ۷ صفحہ ۱۸۱)۔ میری اُمت کا ایک گروہ ایک ایسی زمین میں اُتریگا جس کا نام بصرہ ہوگا۔

دجّال کیلئے لفظ نزول۔ یَاْتِی الْمَسِیْحُ مِنْ قِبَلِ الْمَشْرِقِ ھِمَّتُہُ الْمَدِیْنَۃُ حَتّٰی یَنْزِلَ دُبُرَ اُحُدٍ (کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۲۵) فَیَنْزِلُ بَعْضَ السِّبَاخِ (بخاری کتاب الفتن باب لا یدخل الدجال المدینہ جلد ۴ صفحہ ۱۲۳ مصری)۔

ترجمہ:۔ کہ مسیح الدجال مشرق کی طرف سے مدینہ کا قصد کرکے آئیگا یہانتک کہ احد کی پیٹھ کی طرف اُتریگا۔ (۲) مدینہ کی ایک شور زمین میں اُتریگا۔

پس لفظ نزول سے دھوکہ نہ کھانا چاہیئے کہ ضرور حضرت مسیح علیہ السلام آسمان سے ہی آویں۔

بیہقی کا من السماء

نوٹ:۔ اس جگہ بعض جاہل امام بیہقی کی کتاب الاسماء والصفات صفحہ ۳۰۱ سے یہ حدیث پیش کردیا کرتے ہیں۔ کَیْفَ اِذَا نَزَلَ ابْنُ مَرْیَمَ مِنَ السَّمَاءِ فِیْکُمْ وَاِمَامُکُمْ مِنْکُمْ۔

اوّل۔ یاد رہے کہ امام موصوف اس کے بعد لکھتے ہیں:۔ (رواہ البخاری فی الصحیح عن یحیی بن بکیر، واخرجہ مسلم من وجہ اٰخر عن یونس وانما اراد نزولہ من السماء بعد الرفع الیہ۔ صفحہ ۳۰۱

کہ اس حدیث کو بخاری نے روایت کیا ہے اور امام مسلم نے ایک اور وجہ سے یونس سے لیا ہے۔ اور اس نے ارادہ نزول من السماء کا ہی کیا ہے۔

امام کہتا ہے۔ رواہ البخاری۔ بخاری میں راوی اور الفاظ سب موجود ہیں مگر من السماء نہیں ہے۔ پس معلوم ہوا۔ یہ حدیث کا حصہ نہیں۔

دوم۔ اس روایت کا ایک راوی ابوبکر بن اسحاق بن محمد الناقد ہے جس کے متعلق لکھا ہے "کَانَ فِیْہِ بَعْضُ التَّسَاھُلِ" (لسان المیزان ابن حجر جلد ۵ صفحہ ۶۹) کہ اس راوی میں تساہل پایا جاتا ہے۔ پس "من السماء" کے الفاظ کا اضافہ بھی اسی راوی کا تساہل ہے۔ اصل حدیث کے الفاظ نہیں۔ اسی طرح اس روایت کا ایک اور راوی احمد بن ابراہیم بھی ضعیف ہے (دیکھو لسان المیزان جلد ا) پس "مِنَ السَّمَاءِ" حجت نہیں۔ علاوہ ازیں اس روایت کا راوی یحیی بن عبد اللہ ہے۔ اس کے متعلق لکھا ہے "قَالَ اَبُوْحَاتِمٍ ... لَا یُحْتَجُّ بِہٖ ... وَقَالَ النِّسَائِیُّ ضَعِیْفٌ ... لَیْسَ بِثِقَۃٍ قَالَ یَحْیٰی ... لَیْسَ بِشَیْءٍ" (تہذیب جلد ۱۱ صفحہ ۲۳۷ و میزان الاعتدال جلد ۲ صفحہ ۵۸۵ مطبع انوار محمدی)۔ اس طرح اس روایت کا ایک اور راوی یونس بن یزید بھی ضعیف ہے۔ یہ روایت یونس بن یزید نے ابن شہاب الزہری سے روایت کی ہے۔ اور اس کے متعلق لکھا ہے کہ:-

"قَالَ اَبُوْ زُرْعَۃَ الدِّمَشْقِیُّ سَمِعْتُ اَبَا عَبْدِ اللّٰہِ اَحْمَدَ بْنَ حَنْبَلٍ یَقُوْلُ فِیْ حَدِیْثِ یُوْنُسَ عَنِ الزُّھْرِیِّ مُنْکَرَاتٌ ... قَالَ ابْنُ سَعْدٍ ... لَیْسَ بِحُجَّۃٍ ... کَانَ سَیِّءُ الْحِفْظِ" (تہذیب جلد ۱۱ صفحہ ۴۵۱)

کہ امام احمد بن حنبل نے فرمایا ہے کہ یونس کی اُن روایات میں جو زہری سے اُس نے روایت کی ہیں منکرات ہیں۔ ابن سعد کہتے ہیں کہ یونس۔ قابلِ حجت نہیں ہے۔ اور وکیع کہتے ہیں کہ اس کا حافظہ خراب تھا۔

اس کے متعلق میزان الاعتدال میں لکھا ہے کہ: "کَانَ یُدَلِّسُ فِی النَّادِرِ" (میزان جلد ۲ صفحہ ۳۴۴ مطبع انوار محمدی) کہ کبھی کبھی یہ تدلیس سے بھی کام لیا کرتا تھا۔ پس اس روایت میں بھی "مِنَ السَّمَآءِ" کے لفظ کی ایزاد بھی اسکے حافظہ کی غلطی یا تدلیس کا نتیجہ ہو سکتی ہے۔

سوم۔ بیہقی کا قلمی نسخہ پہلی مرتبہ ۱۳۲۸ھ میں چھپا ہے۔ یعنی حضرت مسیح موعودؑ کے دعوٰی بلکہ وفات کے بعد۔ اس لئے مولویوں نے اس میں مِنَ السَّمَآءِ کا لفظ اپنے پاس سے ازراہِ تحریف اور الحاق زائد کر دیا ہے۔ چنانچہ اس کا ثبوت یہ ہے کہ حضرت امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے بیہقی سے اس حدیث کو نقل کیا ہے مگر اس میں "مِنَ السَّمَآءِ" کا لفظ نہیں۔ چنانچہ وہ اپنی تفسیر درمنثور جلد ۲ صفحہ ۲۴۲ پر اس حدیث کو یوں بیان کرتے ہیں: وَاَخْرَجَ اَحْمَدُ وَالْبُخَارِیُّ وَمُسْلِمٌ وَالْبَیْهَقِیُّ فِی الْاَسْمَاءِ وَالصِّفَاتِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کَیْفَ اَنْتُمْ اِذَا نَزَلَ ابْنُ مَرْیَمَ فِیْکُمْ وَاِمَامُکُمْ مِنْکُمْ۔

امام مذکور کا باوجود اس محولہ بالا روایت کو دیکھنے کے مِنَ السَّمَآءِ چھوڑ دینا بتاتا ہے۔ کہ یہ حدیث کا حصہ نہیں۔ بعد کی ایزاد ہے۔ بہرحال حدیث نہیں۔ فاندفع الشک منہ۔

حیاتِ مسیح کی گیارھویں دلیل۔ حدیث میں ہے کہ "اِنَّ عِیْسٰی لَمْ

بہتمت ۔" (ابن جریر) کہ یقیناً عیسیٰ نہیں مرے۔

جواب۔ ابن جریر بلحاظ حوالۂ حدیث قابل اسناد نہیں بوجوہ ذیل:۔

شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی اپنی ۔۔ تصنیف عجالۂ نافعہ میں تحریر فرماتے ہیں۔" اور طبقۂ رابعہ وہ حدیثیں ہیں جن کا نام ونشان پہلے قرنوں میں معلوم نہیں تھا۔ اور متاخرین نے روایت کی ہیں۔ تو ان کا حال دو شقوں سے خالی نہیں۔ یا سلف نے تفحص کیا اور ان کی اصل نہ پائی کہ ان کی روایت سے مشغول ہوتے۔ یا ان کی اصل پائی۔ اور ان میں قدح وعلت دیکھی کہ روایت نہ کیا۔ اور دونوں طرح یہ حدیثیں قابل اعتماد نہیں کہ کسی عقیدہ کے اثبات پر یا عمل کرنے کو ان سے سند لیں ۔۔۔ اس قسم کی حدیثوں نے بہت سے محدثین کی راہزنی کی ہے ۔۔۔ اس قسم کی حدیثوں کی کتابیں بہت تصنیف ہوئی ہیں۔ تھوڑی سی ہم بیان کرتے ہیں "کتاب الضعفاء لابن حبان۔ تصانیف الحاکم۔ کتاب الضعفاء للعقیلی۔ کتاب الکامل لابن عدی۔ تصانیفِ خطیب تصانیفِ ابن شاہین۔ تفسیر ابن جریر۔" (عجالۂ نافعہ صٓ)

مراسیل حسن بصری ۔ (۲) یہ روایت مرفوع متصل نہیں بلکہ مرسل ہے۔ اور حضرت حسن بصریؒ سے مروی ہے۔ جو تابعی تھے صحابی نہ تھے۔ مراسیل حسن بصری کے متعلق لکھا ہے :۔

"مَا اَرْسَلَ فَلَیْسَ بِحُجَّۃٍ" (تہذیب التہذیب جلد ۲ صٓ۲۶۶)

یعنی حسن کی مرسل روایت حجت نہیں ہوتی۔ لہٰذا "قسم بہتمت"

والی روایت بھی حجت نہیں۔

غیراحمدی :- "حضرت حسن بصری کی مرسل میں تو وہی کلام کریگا جس کو اُنکے اقوال کا پورا علم نہ ہو۔ کیونکہ حسن بصری نے جس قدر روایات صحابی کا نام لئے بغیر آنحضرت صلعم سے کی ہیں وہ سب کی سب انہوں نے حضرت علیؓ سے لی ہیں۔ لیکن حجاج بن یوسف کے خوف سے انہوں نے حضرت علیؓ کا نام نہیں لیا۔

جواب۔ (أ) یہ تو حضرت حسن پر کسی انسان کے خوف سے حق نہ کہنے کا الزام ہے۔

(ب) یہ ثابت ہے کہ حضرت حسن بصری نے حضرت علیؓ سے ایک حدیث بھی نہیں سنی۔ ملاحظہ ہو :- " سُئِلَ اَبُوْ زُرْعَةَ هَلْ سَمِعَ الْحَسَنُ اَحَدًا مِنَ الْبَدْرِيِّيْنَ قَالَ رَاٰهُمْ رُؤْيَةً رَاٰي عُثْمَانَ وَعَلِيًّا قِيْلَ هَلْ سَمِعَ مِنْهُمَا حَدِيْثًا قَالَ لَا " (تہذیب التہذیب جلد ۲ صفحہ ۲۶۶-۲۶۷)

یعنی ابو زرعہ سے دریافت کیا گیا کہ کیا حسن بصری نے کسی بدری صحابیؓ کو دیکھا ہے ؟ انہوں نے کہا۔ ہاں حضرت عثمانؓ اور علیؓ کو صرف ایک نظر دیکھا ہے۔ پوچھا گیا کہ انہوں نے حضرت عثمانؓ یا حضرت علیؓ سے کوئی حدیث بھی سنی تھی ؟ انہوں نے جواب دیا کہ "نہیں"۔ اسی طرح لکھا ہے :-

"مَا حَدَّثَنَا الْحَسَنُ عَنْ اَحَدٍ مِنْ اَهْلِ بَدْرٍ مُشَافَهَةً .... قَالَ التِّرْمِذِيُّ لَا يُعْرَفُ لَهٗ سَمَاعٌ مِنْ عَلِيٍّ" (تہذیب جلد ۲ صفحہ ۲۶۶-۲۷۰)

کہ حضرت حسن بصری نے کسی بدری صحابی سے کبھی کوئی حدیث نہیں سُنی۔ امام ترمذی نے کہا ہے کہ حسن بصری کا حضرت علیؓ سے کوئی حدیث سُننا ثابت نہیں ہے۔

(۳) علامہ شوکانی لکھتے ہیں :۔ "فَاِنَّ اَئِمَّةَ الْحَدِیْثِ لَمْ یُثْبِتُوْا لِلْحَسَنِ مِنْ عَلِیٍّ سَمَاعًا" (کتاب فوائد المجموعہ فی احادیث الموضوعہ صفحہ ۸۳ مطبع محمدی لاہور) کہ آئمہ حدیث کے نزدیک حضرت علیؓ سے حسن بصری کا کوئی حدیث سُننا ثابت نہیں ہے۔ (نیز دیکھو خاتمہ مجمع البحار جلد ۳ صفحہ ۵۱۸)۔

(۴) اس روایت کے چار راوی ضعیف ہیں :۔

۱۔ اسحٰق بن ابراہیم بن سعید المدنی اس کے متعلق لکھا ہے :۔

"قَالَ اَبُوْ زُرْعَةَ مُنْكَرُ الْحَدِیْثِ لَیْسَ بِالْقَوِیِّ وَ قَالَ اَبُوْ حَاتِمٍ لَیِّنُ الْحَدِیْثِ" (تہذیب التہذیب جلد ۱ صفحہ ۲۱۴ و میزان الاعتدال جلد ۱ صفحہ ۸۲) کہ ابو زرعہ نے کہا کہ یہ راوی کی حدیث قابل انکار ہے اور قوی راوی نہیں ہے ابو حاتم نے کہا کہ اسکی روایت کمزور ہوتی ہے۔

۲۔ دوسرا راوی عبد اللہ بن ابی جعفر عیسیٰ بن ماہان ہے۔ اسکی نسبت لکھا ہے :۔ "قَالَ عَبْدُ الْعَزِیْزِ بْنُ سَلَامٍ سَمِعْتُ مُحَمَّدَ بْنَ حُمَیْدٍ یَقُوْلُ عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ اَبِیْ جَعْفَرٍ كَانَ فَاسِقًا ۔ ۔ ۔ ۔ یُعْتَبَرُ حَدِیْثُهٗ مِنْ غَیْرِ رِوَایَتِهٖ عَنْ اَبِیْهِ وَ قَالَ السَّاجِیُّ فِیْهِ ضُعْفٌ"

(تہذیب التہذیب جلد ۵ صفحہ ۱۷۶ و میزان الاعتدال جلد ۲ صفحہ ۲۶)

یعنی عبد العزیز بن سلام کہتے ہیں کہ یہ راوی فاسق تھا اور جو روایت یہ اپنے باپ سے کرے۔ وہ قابل اعتبار نہیں ہوتی۔ اور ساجی نے کہا ہے کہ اس راوی کی روایت کمزور ہے۔ یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ "لم یبعث" والی روایت اس راوی نے اپنے باپ ہی کی ہے۔ لہذا یہ روایت تو بہرحال مردود ہے

۳- تیسرا راوی اس دوسرے راوی عبد اللہ کا باپ ابو جعفر عیسیٰ بن ماہان ہے۔ اس کے متعلق لکھا ہے:-

"قَالَ عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ اَحْمَدَ عَنْ اَبِیْہِ لَیْسَ بِقَوِیٍّ فِی الْحَدِیْثِ . . . قَالَ عُمَرُ بْنُ عَلِیٍّ فِیْہِ ضُعْفٌ . . . قَالَ النَّسَائِیُّ لَیْسَ بِالْقَوِیِّ" (تہذیب التہذیب جلد ۱۲ صفحہ ۵۷ نیز دیکھو میزان الاعتدال جلد ۲ صفحہ ۲۸۵)۔

یعنی امام احمد کے نزدیک یہ راوی قوی نہیں۔ عمر بن علی کے نزدیک ضعیف ہے۔ اور نسائی اور عجلی کے نزدیک بھی قوی نہیں۔ نیز اس راوی کو خطا کار اور سیئ الحفظ بھی کہا گیا ہے۔

۴- چوتھا راوی ربیع بن انس البکری المصری ہے۔ اس کے متعلق لکھا ہے:- "قَالَ ابْنُ معین کَانَ یَتَشَیَّعُ فَیُفْرِطُ اَلنَّاسُ یَتَّقُوْنَ مِنْ حَدِیْثِہٖ مَا کَانَ رِوَایَۃَ اَبِیْ جَعْفَرٍ عَنْہُ لِاَنَّ فِیْ حَدِیْثِہٖ عَنْہُ اِضْطِرَابًا کَثِیْرًا" (تہذیب التہذیب جلد ۳ صفحہ ۲۳۹) کہ یہ راوی غالی شیعہ تھا۔ اور جو روایت اس سے ابو جعفر عیسیٰ بن ماہان کرے۔ اس روایت سے لوگ بچتے ہیں۔ کیونکہ ایسی روایت سخت مخدوش ہوتی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ "لَمْ یَمُتْ" والی روایت وہ ہے۔ جو اس راوی سے ابو جعفر عیسیٰ بن ماہان نے کی ہے۔ لہٰذا قابلِ حجت نہیں۔

پس اول تو یہ روایت مرسلاتِ حسن سے ہے۔ اور اس وجہ سے

حدیث مرفوع متصل نہیں۔ دُوسرے اِس کے پانچ میں سے چار راوی ضعیف اور غیر ثقہ ہیں۔ اور بعض شیعہ بھی۔ پس سخت جھوٹی اور جعلی ہے۔

حیاتِ مسیح کی بارھویں دلیل۔ "اِنَّ عِیْسٰی یَاْتِیْ عَلَیْهِ الْفَنَاءُ"

(ابن جریر جلد ۳ صفحہ ۱۰۱)

جواب۔ اِس روایت کے راوی وہی ہیں جو "اِنَّ عِیْسٰی لَمْ یَمُتْ" والی روایت کے۔ یعنی اسحٰق بن ابراہیم بن سعید۔ عبداللہ بن ابی جعفر۔ ابو جعفر عیسیٰ بن ماہان اور ربیع بن انس۔ جن پر جرح پچھلی روایت پر بحث کے دوران میں درج ہو چکی ہے۔

حیاتِ مسیح کی تیرھویں دلیل۔ یُدْفَنُ مَعِیْ فِیْ قَبْرِیْ۔

جواب۔ اس کے دس جواب ہیں۔ (۱) فرض کرو کہ آج حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے نازل ہو کر مدینہ میں تشریف لے جا کر فوت ہو جائیں۔ آنحضرت صلعم کی قبر مبارک کو کونسا سعید الفطرت مسلمان اکھاڑیگا؟

(۲) حضرت عائشہؓ کا خواب اس حدیث کے ظاہری معنے لینے سے روکتا ہے:۔

"اِنَّ عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِیِّ صلعم قَالَتْ رَأَیْتُ ثَلَاثَةَ اَقْمَارٍ سَقَطْنَ فِیْ حُجْرَتِیْ فَقَصَصْتُ رُؤْیَایَ عَلٰی اَبِیْ بَکْرٍ الصِّدِّیْقِ قَالَتْ فَلَمَّا تُوُفِّیَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَدُفِنَ فِیْ بَیْتِهَا قَالَ لَهَا اَبُوْ بَکْرٍ هٰذَا اَحَدُ اَقْمَارِكِ وَهُوَ خَیْرُهَا" (مؤطا امام مالک جلد ۱ صفحہ ۲۱ مصری)

کہ حضرت ام المومنین عائشہؓ نے فرمایا کہ میں نے خواب میں دیکھا۔ کہ تین چاند میرے حجرہ میں گرے ہیں۔ میں نے اپنا یہ خواب اپنے ابا حضرت ابوبکر صدیقؓ سے بیان کیا پس جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہوئے۔ اور حضرت عائشہؓ کے حجرہ میں مدفون ہوئے۔ تو حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عائشہؓ سے کہا۔ کہ یہ تیرے تین چاندوں میں سے ایک ہے جو سب سے بڑا ہے۔ آنحضرت صلعم کی وفات کے بعد حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ فوت ہوئے۔ اور اسی حجرہ میں مدفون ہوئے۔ گویا حضرت عائشہؓ کی خواب کے مطابق تین چاند ان کے حجرہ میں گر چکے۔ اب اگر حضرت عیسےٰؑ بھی اس میں مدفون ہوں تو حضرت عائشہؓ کا خواب غلط ہوتا ہے۔

(۳) آنحضرتؐ نے فرمایا ہے کہ "اَنَا اَوَّلُ مَنْ یَّنْشَقُّ عَنْہُ الْقَبْرُ" (مسلم جلد ۲ ص۲۴۵ مصری)، کہ میری خصوصیت یہ ہے کہ میں پہلا انسان ہوں گا جس کی قیامت کے دن قبر پھاڑی جائے گی۔ اب اگر حضرت عیسےٰؑ بھی آنحضرتؐ کی قبر میں ساتھ ہی مدفون ہوں۔ تو جس وقت آنحضرت صلعم کی قبر پھاڑی جائے گی۔ تو وہ بھی اس خصوصیت میں شامل ہو جائیں گے۔

(ب) ترمذی میں ہے:- عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَا اَوَّلُ مَنْ تَنْشَقُّ عَنْہُ الْاَرْضُ ثُمَّ اَبُوْبَکْرٍ ثُمَّ عُمَرُ ثُمَّ اٰتِیْ اَھْلَ الْبَقِیْعِ فَیُحْشَرُوْنَ (ترمذی جلد ۲۔ ابواب المناقب مناقب عمرؓ) کہ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے مروی ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ میں پہلا انسان ہوں جس کی زمین (قبر) پھاڑی جائے گی۔ پھر میرے بعد ابوبکرؓ اور ابوبکرؓ کے بعد عمرؓ اور عمرؓ کے بعد جنت البقیع کے باقی مومن۔ پس جب

اکٹھے کئے جائیں گے؛

اگر حضرت عیسےٰ علیہ السلام نے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر میں یا بقول شما حضور کے "روضہ" میں دفن ہونا ہوتا۔ تو دوسرے تیسرے یا کم از کم چوتھے نمبر پر ہی ان کا نام آجاتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے روضہ (حجرہ عائشہ رضی) میں مدفون ہونے والے اپنے سمیت "تینوں چاندوں" کا ذکر فرمایا ہے۔ اور ان کے بعد جنت البقیع (قبرستان) میں مدفون صحابہ رضی کا ذکر فرمایا ہے۔ حضرت عیسےٰ علیہ السلام کا نام نہیں لیا پس یہ اس بات کی قطعی شہادت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ والی قبر میں یا حضور کے روضہ میں حضرت مسیح علیہ السلام کے دفن ہونے کی کوئی صورت نہیں۔

(۴) ایک حدیث میں یہ بھی آتا ہے کہ میں تیسرے دن کے بعد اپنی قبر میں نہ رہونگا۔ تو جب حضرت عیسےٰ علیہ السلام آنحضرت صلعم کی قبر میں بقول تمہارے مدفون ہوں گے اسوقت تو آنحضرت صلعم وہاں موجود نہ ہوں گے۔ تو پھر معیّ کی شرط پوری نہ ہوئی۔

(۵) تم لوگ کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۱۱۹ کی روایت پیش کیا کرتے ہو کہ "مَا تُوُفِّيَ اللّٰهُ نَبِيًّا اِلَّا دُفِنَ حَيْثُ يُقْبَضُ" کہ نبی جہاں مرتا ہے وہیں دفن بھی ہوتا ہے (اور اسی وجہ سے تم حضرت مرزا صاحب پر اعتراض کیا کرتے ہو۔ اور اُس کا جواب دوسری جگہ دیا ہے) اور تم مانتے ہو۔ کہ اسی بنا پر آنحضرت صلعم چونکہ حجرہ عائشہ رضی میں فوت ہوئے لہٰذا اسی میں مدفون بھی ہوئے۔ تو اب اگر حضرت عیسےٰ علیہ السلام واقعی آسمان سے آجائیں۔ تو کیا وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے اندر جا کر فوت ہوں گے۔

(۶) اسی حدیث میں ہے "فَاَقُوْمُ اَنَا وَعِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ فِیْ قَبْرٍ وَاحِدٍ بَیْنَ اَبِیْ بَکْرٍ وَّعُمَرَ" کہ پھر میں اور عیسےٰ ابن مریم ایک ہی قبر میں جو ابوبکر رضؓ اور عمر رضؓ کے درمیان ہوگی کھڑے ہوں گے۔ تو گویا اس کے مطابق حضرت عیسےٰؑ جس قبر میں مدفون ہوں گے۔ وہ ابوبکرؓ اور عمرؓ کی قبروں کے درمیان ہونی چاہیئے۔ اور ظاہر ہے کہ حضرت ابوبکرؓ و عمر رضؓ کی قبروں کے درمیان کوئی جگہ موجود نہیں ہے۔

(۷) اگر کہو کہ قبر سے مراد مقبرہ ہے۔ تو کسی لغت کی کتاب سے دکھاؤ اور انعام لو۔

(ب) اندریں صورت فَاَقُوْمُ اَنَا وَعِیْسٰی ابْنُ مَرْیَمَ فِیْ قَبْرٍ وَّاحِدٍ بَیْنَ اَبِیْ بَکْرٍ وَّعُمَرَ میں "قبر" کا ترجمہ "مقبرہ" کرو گے؟ کیا حضرت ابوبکر رضؓ و حضرت عمر رضؓ کے درمیان ایک مقبرہ ہوگا؟

(ج) مقبرہ تو کہتے ہی "موضع القبور" کو ہیں۔ پھر قبر کس طرح مقبرہ بن سکتی ہے؟

(د) جب تم خود اس حدیث کے لفظی معنی نہیں کرتے بلکہ غلط تاویل کرتے ہو۔ تو ہمارے لئے کیوں ناجائز ہے کہ ہم قرآن و حدیث اور واقعات کی روشنی میں اس کے صحیح معنے بیان کریں؟

(۸) قرآن مجید میں ہے "قُتِلَ الْاِنْسَانُ مَا اَکْفَرَهٗ مِنْ اَیِّ شَیْءٍ خَلَقَهٗ..... ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ (عبس ۱۶) گویا ہر انسان خواہ وہ ہندو ہو خواہ وہ پارسی مر کر "قبر" ہی میں جاتا ہے۔ پھر بتاؤ کہ وہ لوگ جن کی لاشیں جلا دی جاتی ہیں۔ یا جن کو درندے کھا جاتے ہیں۔ یا جن کو مچھلیاں سمندر میں کھا جاتی ہیں وہ بھی اس آیت کے مطابق "قبر" میں جاتے ہیں یا نہیں۔ اگر نہیں جاتے تو ثابت ہوا

(۱) وہ انسان نہیں (۲) ان کو (غیر مسلموں کو) عذاب قبر نہیں ہوگا۔ اور اگر کہو کہ "قبر" میں جاتے ہیں۔ تو ثابت ہوا کہ قبر سے مراد ظاہری قبر کی مٹی نہ رہی۔ بلکہ کوئی روحانی حالت "قبر" کے نام سے موسوم ہوئی۔ پس کیوں "قبر" کے وہی معنے "یُدْفَنُ مَعِي فِي قَبْرِي" والی حدیث میں نہ لیئے جائیں؟ اسی طرح حدیث میں بھی آتا ہے۔ "اَلْقَبْرُ رَوْضَةٌ مِنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ اَوْحُفْرَةٌ مِنْ حُفَرِ النِّيْرَانِ" (ترمذی) کہ قبر جنت کے باغوں میں سے ایک باغیچہ یا جہنم کے کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے۔

(۹) اگر آج حضرت عیسٰی علیہ السلام آجائیں۔ تو کیا تم اس وقت تک ایمان نہ لاؤ گے جب تک کہ وہ مر کر آنحضرت صلعم کی قبر میں مدفون نہ ہو جائیں؟

(۱۰) اگر اس حدیث میں عیسٰے ابن مریم سے مسیح ناصری مراد لیتے ہو۔ تو پھر اسی حدیث سے ثابت ہوا کہ وہ فوت ہو چکے ہیں۔ کیونکہ آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ "یُدْفَنُ مَعِي" کہ وہ آنحضرت صلعم کے ساتھ ہی دفن کر دیئے گئے۔ گویا آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ دنیا میں اگر کسی انسان کو خدا تعالیٰ اتنا لمبا زمانہ زندہ رکھتا تو یقیناً ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہوتے۔ آپؐ سے زیادہ خدا کو اور کون پیارا ہے۔ جیسا کہ خدا تعالےٰ نے فرمایا۔ "اَفَاِنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخَالِدُوْنَ" کہ خدا تعالیٰ کی غیرت یہ برداشت نہیں کر سکتی کہ آنحضرت صلعم تو فوت ہو جائیں۔ اور آپؐ سے پہلے انبیاء اتنا عرصہ زندہ رہیں۔ پس آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ یاد رکھو۔ جب تم مجھ کو دفن کر رہے ہو گے تو اسی وقت یہ ثابت ہو جائیگا کہ پہلا کوئی نبی زندہ نہیں رہا۔ "قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ" کم از کم اس

وقت تو مانو گے کہ عیسےٰ ابھی زندہ نہیں۔ گویا عیسےٰ میرے ساتھ ہی دفن ہو جائیں گے (فَافْہَمُوْا اَیُّہَا الْعَاقِلُوْنَ)۔

حیاتِ مسیح کی چودھویں دلیل:۔ ترمذی جلد ۲ صفحہ ۲۰۶ پر ایک روایت ہے جس میں عبداللہ بن سلام نے اپنے دادا سے یہ روایت کیا ہے کہ "قال مکتوب فی التوراۃ صفۃ محمد و عیسٰی بن مریم یدفن معہ۔ قال ابو مودود قد بقی فی البیت موضع قبر ھذا حدیث حسن غریب"

الجواب:۔ (۱) یہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول نہیں اس لئے حجت نہیں۔

(۲) خود ترمذی نے اسے "غریب" قرار دیا ہے۔

(۳) اس کا ایک راوی مسلم بن قتیبۃ ہے۔ اس کے متعلق علامہ ذہبی فرماتے ہیں "قال ابو حاتم کثیر الوہم" (میزان الاعتدال جلد ۳ صفحہ ۱۶۲) یہ بڑا وہمی آدمی تھا۔ اس روایت کا دوسرا راوی عثمان بن الضحاک ہے اس کے متعلق لکھا ہے کہ قال الاجری سألت ابا داؤد عن الضحاک بن عثمان الخ امی فقال ثقۃ وابنہ عثمان ضعیف (تہذیب التہذیب جلد ۷ صفحہ ۱۲۳) کہ ابو داؤد کہتے ہیں۔ کہ عثمان بن ضحاک خود ضعیف ہے لیکن اس کا باپ ثقہ تھا۔ نیز دیکھو میزان الاعتدال جلد ۲ صفحہ ۱۶۴ "ضعفہ ابو داؤد" کہ اسے ابو داؤد نے ضعیف قرار دیا ہے۔

نوٹ:۔ اس راوی کا باپ بھی بعض محدثین کے نزدیک ثقہ نہ تھا۔ چنانچہ ملاحظہ ہو میزان الاعتدال جلد ا صفحہ ۴۴۲ "فی حدیثہ ضعف ..... قال ابو حاتم لا یحتج بہ وقال ابو زرعۃ لیس بالقوی"۔ اسی طرح ملاحظہ تہذیب التہذیب

جلد ۴ ص۴۷۷ جہاں لکھا ہے: "قال ابن عبد البرّ كان كثير الخطأ ليس بحجة" - اسی طرح اس روایت کا تیسرا راوی محمد بن یوسف بن عبد اللہ بن سلام ہے۔ اس کے متعلق لکھا ہے "ذكر له البخاري حديثاً وقال لا يتابع عليه ولا يصح" (تہذیب التہذیب جلد ۹ ص۵۳۴) کہ اس راوی سے امام بخاری نے ایک حدیث نقل کی ہے۔ اور امام بخاری نے اس کے متعلق کہا ہے کہ یہ راوی قابل اتباع نہیں اور نہ ثقہ ہے۔

پس اس روایت کے تین راوی غیر معتبر ہیں۔ لہٰذا حجت نہیں۔

حیات مسیحؑ کی پندرھویں دلیل:۔ ابن ماجہ میں موقوفاً اور مسند احمد میں مرفوعاً مروی ہے۔ کہ معراج کی رات انبیاء کی چار کونسل میں جب قیامت کا ذکر ہوا تو حضرت عیسےٰ علیہ السلام نے فرمایا "فذكر خروج الدجال قال فانزل فاقتله" (ابن ماجہ باب فتنۃ الدجال وخروج عیسےٰ ابن مریم عن عبد اللہ بن مسعود) (محمدیہ پاکٹ بک ص۵۳۳)

جواب:۔ (۱) یہ عبد اللہ بن مسعود کا قول ہے۔ حدیث نبوی نہیں ہے۔

(۲) اس روایت کا پہلا راوی محمد بن بشار بن عثمان البصری بندار ہے۔ جس کے متعلق لکھا ہے:۔ "قال عبد الله بن محمد بن سيار سمعت عمرو بن علي يحلف ان بندارا يكذب فيما يروي عن يحيى ... قال عبد الله بن علي ابن المديني سمعت ابي وسألته عن حديث رواه بندار عن ابن المهدي ... فقال هذا كذب وانكره اشد الانكار قال عبد الله بن الدورقي ... فرأيت يحيى لا يعبأ به ويستضعفه قال ورأيت

الْقَوَارِيْرِيُّ لَا يَرْضَاهُ بِهٖ" (تہذیب التہذیب جلد ۹ صفحہ)

یعنی عمر بن علی نے حلف اٹھا کر کہا کہ یہ راوی ہر اس روایت میں جو وہ یحی سے روایت کرتا تھا۔ جھوٹ بولتا تھا۔ علی ابن المدینی نے اس راوی کی اس روایت کو جو اس نے ابن مہدی سے لی ہے کذب قرار دیا۔ یحی ابن معین نے اس راوی کو بے وقعت اور ضعیف قرار دیا ہے۔ اور اسے قواریری نے بھی پسندیدہ راوی قرار نہیں دیا۔ اسی طرح اس روایت کا دوسرا راوی یزید بن ہارون ہے۔ اس کے متعلق یحی ابن معین کا قول یہ ہے کہ:۔ "یَزِیْدُ لَیْسَ مِنْ اَصْحَابِ الْحَدِیْثِ لِاَنَّہٗ لَا یُمَیِّزُ وَلَا یُبَالِیْ عَمَّنْ رَوٰی" (تہذیب التہذیب ابن حجر العسقلانی جلد ۱۱ صفحہ ۳۶۹) کہ یہ راوی تو حدیث کے جاننے والوں میں سے بھی نہیں۔ کیونکہ نہ یہ تمیز کرتا تھا۔ اور نہ پرواہ کرتا تھا کہ کس سے روایت لے رہا ہے۔ پس یہ "چار کونسل" والی روایت بھی ناقابل اعتبار ہے۔

حیاتِ مسیح کی سولہویں دلیل:۔ یَنْزِلُ اَخِیْ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ مِنَ السَّمَآءِ عَلٰی جَبَلِ اَفِیْقَ (کنز العمال جلد ۷ صفحہ ۲۶۸)

جواب:۔ یہ بے سند قول ہے۔

(۱) صاحب کنز العمال نے اسے ابن عساکر کی طرف منسوب کیا ہے کیونکہ اس کے آگے "کر" کے حروف درج ہیں۔ اور ابن عساکر کے متعلق شاہ عبد العزیز صاحب دہلوی اپنے رسالہ عجالۂ نافعہ صفحہ ۸۶ پر تحریر فرماتے ہیں:۔ "وطبقۂ رابعہ احادیثے کہ نام ونشان آنہا در قرونِ سابقہ معلوم نبود۔ ومتاخران آں را روایت کردہ اند۔ پس حال آنہا از دو شق خالی نیست یا سلف تفحص کردند

و آنہا را اصلے نیافتہ اند تا مشغول - بہ روایت آنہا مے شدند - یا یافتند
و دراں قدحے و علتے دیدند کہ باعث شد ہمہ آنہا را بہ ترکِ روایت آنہا وعلیٰ
کل تقدیر ایں احادیث قابل اعتماد نیستند کہ در اثباتِ عقیدہ یا عملے بآنہا
تمسک کردہ شود - ولنعم ما قال بعض الشیوخ فی امثال ھذا اسہ
فَاِنْ کُنْتَ لَا تَدْرِیْ فَتِلْکَ مُصِیْبَۃٌ - وَاِنْ کُنْتَ تَدْرِیْ فَالْمُصِیْبَۃُ اَعْظَمُ
وایں قسم احادیث راہ بسیارے از محدثین زدہ است ..... دریں قسم احادیث
کتبِ بسیار مصنفہ شدہ اند بجے را بشماریم کتاب الضعفاء لابن حبان ..... تفسیر
ابن جریر ..... تصانیف ابن عساکرؒ (عجالہ نافعہ صہ)

یعنی طبقہء رابعہ وہ حدیثیں ہیں - جن کا نام و نشان پہلے قرنوں میں معلوم
نہیں تھا - اور متاخرین نے روایت کی ہیں - تو ان کا حال دو شقوں سے خالی
نہیں - یا سلف نے تفحص کیا - اور ان کی اصل نہ پائی - کہ ان کی روایت سے مشغول
ہوتے - یا ان کی اصل پائی - اور ان میں قدح اور علت دیکھی کہ روایت نہ کیا -
اور دونوں طرح یہ حدیثیں قابل اعتبار نہیں - کہ کسی عقیدہ کے اثبات پر یا
عمل کرنے کو ان سے سند لیں - اور کسی بزرگ نے ان جیسوں کے متعلق کیا خوب
شعر فرمایا ہے کہ - اگر تو تجھے علم نہ ہو تو یہ مصیبت ہے - لیکن اگر تجھے علم ہو تو یہ
مصیبت اور بھی بڑھ جاتی ہے - اس قسم کی حدیثوں نے بہت سے محدثین
کی راہزنی کی ہے - اس قسم کی حدیثوں کی کتابیں بہت تصنیف ہوئی ہیں -
تھوڑی سی ہم بیان کرتے ہیں - کتاب الضعفاء لابن حبان ..... تفسیر ابن جریر
..... ابن عساکر کی جملہ تصانیف ؛ پس یہ روایت ابن عساکر میں ہونیکے باعث ہی کر رہی ہے

(۴) تمہاری وہ منارہ دمشق کے پاس نازل ہونے والی روایت مندرجہ ترمذی مسلم۔ ابوداؤد وغیرہ کہاں گئی؟

حیاتِ مسیح کی سترھویں دلیل:۔ معراج کی رات آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ نے حضرت عیسےٰ علیہ السلام کو دیکھا۔ تو ان کا حلیہ عروہ بن مسعود کی طرح بیان فرمایا (رواہ مسلم بحوالہ مشکوٰۃ باب بدء الخلق فصل اوّل) اور مسلم میں دوسری جگہ جہاں آخری زمانہ میں نزول مسیح کا ذکر کیا ہے وہاں بھی اس کا حلیہ "کانّہٗ عُرْوَۃُ بْنُ مَسْعُوْدٍ" (عروہ بن مسعود کی طرح) بیان فرمایا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ مسیح ایک ہی ہے۔ (محمدیہ پاکٹ بک۔ بار دوم ص۵۵۲)

الجواب:۔ تمہاری پیش کردہ دونوں روایتیں ضعیف ہیں:۔

پہلی روایت:۔ یہ روایت مسلم جلد ۲ ص۵۱۸ مصری پر ہے۔ اس کا ایک راوی ابوالزبیر محمد بن مسلم مکی ہے۔ جو ضعیف ہے۔ اس کے متعلق لکھا ہے:۔

"کَانَ اَیُّوْبُ یَقُوْلُ حَدَّثَنَا اَبُوالزُّبَیْرِ وَ اَبُوالزُّبَیْرِ اَبُوالزُّبَیْرِ ..... کَانَ یُضَعِّفُہٗ ..... قُلْتُ لِشُعْبَۃَ مَالَکَ تَرَکْتَ حَدِیْثَ اَبِی الزُّبَیْرِ؟ قَالَ رَأَیْتُہٗ یَزِنُ ..... قَالَ شُعْبَۃُ ..... قَدِمْتُ مَکَّۃَ فَسَمِعْتُ مِنْ اَبِی الزُّبَیْرِ فَبَیْنَا اَنَا جَالِسٌ عِنْدَہٗ اِذْ جَاءَہٗ رَجُلٌ فَسَأَلَہٗ عَنْ مَسْئَلَۃٍ فَرَدَّ عَلَیْہِ فَافْتَرٰی عَلَیْہِ فَقَالَ لَہٗ یَا اَبَا الزُّبَیْرِ اَتَفْتَرِیْ عَلٰی رَجُلٍ مُسْلِمٍ قَالَ اَغْضَبَنِیْ قُلْتُ وَمَنْ یُغْضِبُکَ تَفْتَرِیْ عَلَیْہِ"

(تہذیب التہذیب جلد ۹ صفحہ ۴۴۱ نیز میزان الاعتدال جلد ۲ صفحہ ۴۲۶/۴۴۴)

کہ ایوب اور ابوعیینہ کہا کرتے تھے کہ ہم سے ابوزبیر نے روایت کی ہے

اور "ابو زبیر بس ابو زبیر ہی ہے۔" یعنی وہ اسے ضعیف قرار دیتے تھے۔ ورقاء کہتے ہیں کہ میں نے شعبہ سے پوچھا۔ کہ آپ نے ابو زبیر کی روایت کو ترک کیوں کیا ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا۔ کہ کیونکہ میں نے اسے زنا کرتے دیکھا ہے ...... ایک دفعہ میں مکہ میں ابو زبیر کی مجلس میں بیٹھا ہوا تھا۔ کہ میرے سامنے ابو زبیر نے ایک شخص پر افترا کیا۔ اس سے پوچھا گیا۔ کہ کیا تم ایک مسلمان پر افترا کرنے کی جرأت کرتے ہو؟ تو اس نے جواب دیا۔ کہ میں نے اس پر افتراء اس لئے کیا ہے کیونکہ اس نے مجھے غصہ دلایا تھا۔ میں نے کہا کہ کیا جو شخص تم کو ناراض کرے گا تو اس پر افتراء کرے گا؟

(۲) اس روایت کا دوسرا راوی قتیبہ بن سعید التیمی ہے یہ بھی ضعیف ہے چنانچہ لکھا ہے:۔ "قَالَ العقیلی حَدِیثُہٗ غَیْرُ مَحفُوظٍ مَجْھُولٌ فِی النَّسَبِ وَالرِّوَایَةِ وَاِسنَادُہٗ لَایَصِحُّ" (تہذیب التہذیب ابن حجر۔ جلد ۴ صـ۴۷ و میزان الاعتدال جلد ۲ صـ۲۱۱)

یعنی عقیلی نے کہا ہے کہ اس راوی کی روایت بالکل غیر محفوظ ہوتی ہے۔ یہ اپنے نسب اور روایت کرنے اور سند دینے میں مجہول تھا۔ اور اس کی حدیث نہ مستند ہوتی ہے نہ درست! یہ تو تمہاری پہلی حدیث کا حال ہے۔ باقی رہی دوسری روایت (حلیہ بوقتِ نزول) سو وہ بھی ضعیف ہے کیونکہ اسکا ایک راوی "شعبۃ بن الحجاج الواسطی البصری" ہے۔ اس کے متعلق لکھا ہے: "کَانَ یُخْطِئُ فِی اَسْمَاءِ الرِّجَالِ .... قَالَ الدَّارَقُطْنِیُّ فِی العِلَلِ کَانَ یُخْطِئُ فِی اَسْمَاءِ الرِّجَالِ کَثِیْرًا" (تہذیب التہذیب جلد ۴ صـ۳۴۵-۳۴۶)

کہ عجلی کے نزدیک یہ راوی اسماء الرجال میں غلطی کیا کرتا تھا۔ اور یہی خیال دار قطنی کا ہے۔

اس دوسری روایت کا دوسرا راوی عبید اللہ بن معاذ العنبری ہے۔ سو اس کے متعلق ابن معین کہتے ہیں:۔ "ابنُ عیینة وشبابُ وعبیدُ اللهِ بنُ مُعاذٍ لیسوا اصحابَ حدیثٍ لیسوا بشیئٍ" کہ ابن عیینہ اور شہاب اور عبید اللہ بن معاذ تینوں علم حدیث نہ جانتے تھے۔ اور نہ یہ راوی کسی حیثیت کے ہیں۔ پس جب سابقہ مسیح کا حُلیہ جس حدیث میں بتایا گیا ہے وہی ضعیف ہے۔ اور اسی طرح نزول والی حدیث بھی۔ تو اندریں حالات اس مزعومہ یگانگت کو دلیل ٹھہرانا عبث ہے۔

حیاتِ مسیحؑ کی اٹھارھویں دلیل:۔ کیا حضرت موسیٰ زندہ ہیں؟

غیر احمدی:۔ حضرت مرزا صاحب نے نور الحق ۵۰ پر تحریر فرمایا ہے۔ کہ "حضرت موسیٰؑ کی نسبت قرآن مجید میں اشارہ ہے کہ وہ زندہ ہے۔ پس ہم پر فرض ہے کہ ہم ان کے آسمان پر زندہ ہونے پر ایمان لائیں۔" (محمدیہ پاکٹ بک ص)

جواب:۔ اُسی نور الحق میں تمہاری محولہ عبارت سے سات ہی سطریں آگے لکھا ہے۔ "وَمَا مِنْ رَسُوْلٍ اِلَّا تُوُفِّیَ وَقَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِ عِیْسَی الرُّسُلُ"۔ اور اس کا ترجمہ بھی اسی جگہ یہ درج ہے کہ "اور کوئی ایسا نبی نہیں جو فوت نہ ہوا ہو۔ اور حضرت عیسےٰؑ سے پہلے جو نبی آئے وہ فوت ہو چکے ہیں۔" (نور الحق ص ۵۱)

پس جہانتک حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جسمانی وفات کا تعلق ہے

اس کا فیصلہ تو اسی جگہ پر موجود ہے۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور جماعت احمدیہ کا یہی مذہب ہے۔ کہ سب کے سب نبی بلا استثناء جسمانی طور پر فوت ہو چکے ہیں۔ ایک بھی زندہ نہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حیات کا ذکر فرمایا ہے۔ تو وہ الزامی طور پر ہے۔ یعنی یہ کہ اگر نصوص صریحہ قرآنیہ و حدیثیہ و عقلیہ کے باوجود حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی وفات ثابت نہیں۔ تو پھر کسی نبی کی بھی وفات ثابت نہیں ہوتی۔ خصوصاً حضرت موسیٰ ؑ کی۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بعینہٖ یہی مضمون دوسری جگہ بالتفصیل تحریر فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں :۔

"اب بتلاؤ کہ اس قدر تحقیقات کے بعد حضرت عیسےٰ ؑ کے مرنے میں کسر کیا رہ گئی؟ اور اگر باوجود اس بات کے کہ اتنی شہادتیں قرآن اور حدیث اور اجماع اور تاریخ اور نسخۂ مرہم عیسےٰ اور وجود قبر سری نگر ہیں۔ اور معراج میں بزمرۂ اموات دیکھے جانا۔ اور عمر ۱۲۰ سال مقرر ہونا۔ اور حدیث سے ثابت ہونا۔ کہ واقعہ صلیب کے بعد وہ کسی اور ملک کی طرف چلے گئے تھے۔ اور اسی سیاحت کی وجہ سے ان کا نام نبی سیاح مشہور تھا۔ یہ تمام شہادتیں اگر ان کے مرنے کو ثابت نہیں کرتیں تو پھر ہم کہہ سکتے ہیں۔ کہ کوئی نبی بھی فوت نہیں ہوا۔ سب بجسم عنصری آسمان پر جا بیٹھے ہیں۔ کیونکہ اسقدر شہادتیں ان کی موت پر ہمارے پاس موجود نہیں۔ بلکہ حضرت موسیٰ ؑ کی موت خود

مشتبہ معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ ان کی زندگی پر یہ آیت قرآنی گواہ ہے یعنی یہ کہ فَلَا تَكُنْ فِي مِرْيَةٍ مِنْ لِقَائِهِ" (تحفہ گولڑویہ صـ۱۵ بار سوم)

(ب) ایک اور مقام پر تحریر فرماتے ہیں:۔ "انہی مولویوں کی ایسی ہی کئی مفسدانہ باتوں سے عیسائیوں کو بہت مدد پہنچ گئی۔ مثلاً جب مولویوں نے اپنے مونہہ سے اقرار کیا۔ کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تو نعوذ باللہ مردہ ہیں۔ مگر حضرت عیسےٰؑ قیامت تک زندہ ہیں تو وہ لوگ اہل اسلام پر سوار ہو گئے۔ اور ہزارہا سادہ لوحوں کو انہوں نے انہی باتوں سے گمراہ کیا۔ اور ان بے تمیزوں نے یہ نہیں سمجھا کہ انبیاء تو سب زندہ ہیں مُردہ تو ان میں سے کوئی بھی نہیں معراج کی رات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی کی لاش نظر نہ آئی سب زندہ تھے۔ دیکھئے اللہ جلشانہ اپنے نبی کریمؐ کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی کی قرآن مجید میں خبر دیتا ہے۔ اور فرماتا ہے فَلَا تَكُنْ فِي مِرْيَةٍ مِنْ لِقَاءِهِ۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہونے کے بعد اپنا زندہ ہو جانا۔ اور آسمان پر اٹھائے جانا۔ اور رفیق اعلےٰ کو جا ملنا بیان فرماتے ہیں۔ پھر حضرت مسیحؑ کی زندگی میں کونسی انوکھی بات ہے جو دوسروں میں نہیں۔ معراج کی رات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام نبیوں کو برابر زندہ دیکھا۔ اور حضرت عیسےٰؑ کو حضرت یحییٰؑ کے ساتھ بیٹھا ہوا دیکھا۔ خدا تعالیٰ مولوی عبدالحق صاحب محدث دہلوی پر رحم کرے وہ ایک

محدث وقت کا قول لکھتے ہیں۔ کہ ان کا یہی مذہب ہے۔ کہ اگر کوئی مسلمان ہو کر کسی دوسرے نبی کی حیات کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات سے قوی تر سمجھے۔ تو وہ دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ یا شاید یہ لکھا ہے کہ قریب ہے کہ وہ کافر ہو جائے۔ لیکن یہ مولوی ایسے فتنوں سے باز نہیں آتے۔ اور محض اس عاجز سے مخالفت ظاہر کرنے کے لئے دین سے نکلتے جاتے ہیں۔ خدا تعالےٰ ان سب کو صفحۂ زمین پر سے اٹھالے تو بہتر ہے۔ تا دین اسلام ان کی تحریفوں سے بچ جائے" (اشتہار مشمولہ آئینہ کمالات اسلام مورخہ ۱۲ دسمبر ۱۸۹۲ء صفحہ و نیز تبلیغ رسالت جلد ۲ صفحہ ۱۳۹)

(ج) اسی مضمون کو ایک اور جگہ اس طرح بیان فرماتے ہیں:-

"ہاں اگر نص صریح سے ثابت ہو کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام باوجود جسمانی حیات کے جسمانی تحلیلوں اور تنزل حالات اور فقدان قوی سے منزہ ہیں۔ تو وہ نص پیش کریں۔ اور یونہی کہہ دینا کہ خدا ہر ایک بات پر قادر ہے۔ ایک فضول گوئی ہے۔ اور اگر بغیر سند صریح کے اپنا خیال ہی بطور دلیل مستعمل ہو سکتا ہے۔ تو ہم بھی کہہ سکتے ہیں۔ کہ ہمارے سید و مولیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بعد وفات پھر زندہ ہو کر مع جسم عنصری آسمان پر اٹھائے گئے ہیں اور پیرانہ سالی کے لوازم سے مستثنیٰ ہیں۔ اور حضرت عیسےٰ سے بدرجہا بڑھ کر تمام جسمانی قویٰ اور لوازم کاملۂ حیات اپنی ذات

میں جمع رکھتے ہیں۔ اور آخری زمانہ میں پھر نازل ہوں گے۔ اب بتلاؤ ہمارے اس دعویٰ اور تمہارے دعوٰی میں کیا فرق ہے؟" (ایام الصلح اردو طبع اوّل صفہ ۱۴۱ و طبع ثانی صفہ ۱۶۰)

پس یہ تینوں مفصل حوالہ جات نور الحق صفہ ۵ کی مختصر عبارت کی تشریح ہیں۔ اور مطلب یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام بھی دوسرے انبیاء کی طرح جنت میں زندہ ہیں۔ اور ان کے ساتھ ہی حضرت عیسےٰؑ بھی ہیں۔ نیز یہ جواب غیر احمدی مولویوں کو ملزم کرنے کے لئے دیا گیا ہے ❊

حیات مسیحؑ کی انیسویں دلیل:- غیر احمدی:- حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ اِنَّہٗ رُفِعَ بِجَسَدِہٖ وَ اِنَّہٗ حَیٌّ الْاٰنَ" (طبقات کبیر جلد ۱ صفحہ ۲۶)

جواب:- یہ ایک جھوٹی اور جعلی روایت ہے۔ چنانچہ اس کے سارے ہی راوی ضعیف ہیں۔ پس یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول نہیں ہو سکتا۔ خصوصاً جبکہ بخاری شریف کی مستند روایات سے ان کا مذہب "متوفیک ممیتک" ثابت ہے۔ تو اس کے بالمقابل یہ سراپا جعلی روایت کیا حقیقت رکھتی ہے! اس روایت کا پہلا راوی ہشام بن محمد بن السائب ہے "قَالَ ابْنُ عَسَاکِر رَافِضِیٌّ لَیْسَ بِثِقَۃٍ عَنْ اَبِیْہِ عَنْ اَبِیْ صَالِحٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ" (میزان الاعتدال جلد ۲ صفہ ۵۵) یعنی اس راوی کی تمام وہ روایات

جو اس نے اپنے باپ سے ابو صالح کی معرفت ابن عباس سے روایت کی ہیں سب ضعیف ہیں۔ اور روایت متنازعہ بھی اسناد کے لحاظ سے بعینہٖ "عن ابیہ عن ابی صالح عن ابن عباس" ہے لہذا جھوٹی ہے۔

(۲) دوسرا راوی محمد بن السائب الکلبی ہے۔ یہ تو کذاب سبائی جماعت میں سے تھا۔ جنہوں نے حضرت عثمانؓ کو شہید کیا تھا۔ اس کے متعلق عبد الواحد بن غیاث کا قول عبد مہدی منقول ہے کہ یہ راوی کلبی کافر تھا۔ معمر بن سلیمان کے باپ اور لیث بن ابی سلیم کا قول ہے کہ کان من کوفۃ کذابان احدھما الکلبی والآخر السدی" کہ کوفہ میں دو کذاب تھے۔ ایک یہی راوی کلبی اور دوسرا اسدی (تہذیب التہذیب جلد ۹ صفحہ ۱۷۸/۱۸۰)

(۳) ابو صالح بھی اس کے متعلق لکھا ہے کہ "ابو صالح لم یسمع من ابن عباس" (تہذیب التہذیب جلد ۹ صفحہ ۱۸۰ و میزان الاعتدال جلد ۲ صفحہ ۳۸۲) کہ ابو صالح نے نہ حضرت ابن عباس کو دیکھا۔ اور نہ ان سے کوئی حدیث سنی۔ پس یہ روایت از سر تا پا جعلی ہے۔

حضرت مسیح ناصریؑ امت محمدیہؐ کا موعود نہیں ہو سکتے

حدیث نزول میں سے جس لفظ سے غلطی لگتی ہے وہ "ابن مریم" ہے۔ "ابن مریم" کے لفظ سے کیا مراد ہے؟ سو اس کی تشریح حضرت مسیح موعودؑ نے اعتراضات کے جواب میں "ابن مریم بننے کی حقیقت" صداقت

کے ذیل میں کی گئی ہے۔ وہاں سے دیکھا جائے۔ علاوہ ازیں حضرت مسیح ناصری علیہ السلام امتِ محمدؐ کے موعود بایں وجوہ نہیں ہو سکتے:۔

اوّل:۔ قرآن و حدیث سے مسیح علیہ السلام کی وفات بالصراحت ثابت ہو چکی ہے۔ اور وفات یافتہ ہستیوں کے متعلق فرمانِ الٰہی ہے۔ "فَیُمْسِکُ الَّتِیْ قَضٰی عَلَیْهَا الْمَوْتَ" (زمر رکوع ۵) کہ جس پر ایک دفعہ موت وارد ہو جائے وہ دوبارہ دُنیا میں نہیں آسکتا۔

دوم۔ اگر مسیح ناصریؑ اُمتِ محمدؐیہ یا ساری دُنیا کے لئے رسُول ہو کر آئیں تو پھر قرآن مجید میں سے "رَسُوْلًا اِلٰی بَنِیْ اِسْرَآءِیْلَ" کے الفاظ کاٹ دینے چاہئیں۔ کیا ایسی صورت میں قرآن مجید کی نعوذ باللہ اصلاح کرو گے؟ پس جس صورت میں قرآن مجید قیامت تک واجب العمل ہے تو پھر حضرت مسیح ناصری علیہ السلام امتِ محمدیہ یا غیر اسرائیلی دنیا کی طرف نہیں آسکتے:

سوم۔ اُمتِ محمدیہ کو ارشاد ہوتا ہے۔ کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ۔ کہ تم سب اُمتوں سے بہتر ہو۔ اب اگر اُمت محمدیہ میں سے کوئی عیسیٰ ابن مریم نہ ہے۔ تو یہ فرمان بے معنی بن جاتا ہے۔ نیز آنحضرت صلعم کی رُوحانیت کو بھی ناقص ٹھہرانا پڑیگا۔ کیونکہ آپ کی قدوسیت:۔ ایک مسیح بھی نہ بنا سکی۔ بلکہ جب اُمت، اصلاح محتاج ہوئی تو بنی اسرائیل کے ایک نبی کے زیر بار احسان ہونا پڑا (نعوذ باللہ منہ)۔

چہارم۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آنے والے مسیح اور مسیح ناصری کا جو حلیہ بیان فرمایا ہے۔ وہ بالکل متضاد اور مبائن ہے۔

جس سے صاف ظاہر ہے کہ آنے والا اور مسیح ہے۔ اور مسیح ناصری ؑ اور ہے۔ چنانچہ آنحضرت صلعم فرماتے ہیں:۔

"فَأَمَّا عِيسَى فَأَحْمَرُ جَعْدٌ عَرِيضُ الصَّدْرِ (بخاری جلد ۲ صـ۱۶۲)

کہ مسیح ناصری سرخ رنگ، گھنگھریالے بالوں اور چوڑے سینے والا تھا۔

پھر آنے والے موعود کے متعلق فرمایا۔ فَإِذَا رَجُلٌ آدَمُ كَأَحْسَنِ مَا يُرَى مِنْ آدَمِ الرِّجَالِ تَضْرِبُ لِمَّتُهُ بَيْنَ مَنْكِبَيْهِ رَجِلُ الشَّعْرِ (بخاری جلد ۲ صـ۱۶۷)۔

کہ اس کا رنگ گندمی ہوگا۔ اور خوبصورت ہوگا۔ اس کے سر کے بال پیٹھ پر پڑتے ہوں گے۔ درمیانہ قد کا آدمی ہوگا۔

پس معلوم ہوا کہ علیحدہ علیحدہ دو ۲ مسیح ہیں۔

مسیح اور مہدی ایک ہیں۔ اب اس بات کو ثابت کرنے کے بعد کہ آنے والا مسیح ناصری نہیں۔ یہ بتا دینا بھی مناسب ہے کہ بعض مسلمانوں کا یہ خیال کہ مسیح و مہدی دو اشخاص ہیں۔ نادرست ہے۔

اوّل۔ اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جہاں آخری زمانہ کے مسیح کا ذکر فرمایا ہے۔ وہاں پر صرف مسیح کا نام لکھا ہے اور مہدی کا ذکر تک نہیں۔ فرماتے ہیں۔ كَيْفَ تَهْلِكُ أُمَّةٌ أَنَا أَوَّلُهَا وَعِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ آخِرُهَا۔ (ابن ماجہ) وہ اُمت کیسے ہلاک ہو سکتی ہے جس کا اول میں اور آخر مسیح ہے۔ اگر حضرت امام مہدی کوئی علیحدہ وجود ہوتے تو ان کا بھی ذکر فرماتے۔ پس معلوم ہوا کہ دونوں ایک وجود ہیں۔

دوم - آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسیح موعود کو مہدی بھی قرار دیا ہے جیسے فرمایا - یُوْشِکُ مَنْ عَاشَ مِنْکُمْ اَنْ یَّلْقٰی عِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ اِمَامًا مَهْدِیًّا وَّحَکَمًا عَدْلًا - (مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ صـ ۴۱۱)

عیسیٰ بن مریم جو اُمت کے موعود ہیں - وہ امام مہدی بھی ہوں گے - اور حَکَم (عادل بھی ہوں گے - مہدی کی پیشگوئی کے لئے جو لفظ رکھے تھے - وہی یہاں رکھ کر بتا دیا کہ ہماری مُراد وہی مہدی ہے -

سوم - محدثین نے باب مہدی کی سب احادیث کو مجروح قرار دیا ہے - ملاحظہ ہو - مقدمہ ابن خلدون -

لیکن اس ضمن میں یہ حدیث صحیح ہے لَا مَهْدِیْ اِلَّا عِیْسٰی (ابن ماجہ باب شدۃ الزمان) کیونکہ اس کا راوی محمد بن خالد الجندی ہے اور اس سے امام شافعیؒ جیسے نقاد نے روایت لی ہے - اور ابن معین نے اس راوی کو ثقہ قرار دیا ہے - (تہذیب التہذیب صـ ۱۴۴) - اور پھر یحییٰ ابن معین کوئی معمولی انسان نہیں بلکہ ھُوَ اِمَامُ الْجَرْحِ وَالتَّعْدِیْلِ ہے - اور یہاں تک کہا گیا ہے کہ کُلُّ حَدِیْثٍ لَا یَعْرِفُهٗ ابْنُ مُعِیْنٍ فَلَیْسَ هُوَ بِحَدِیْثٍ (تہذیب التہذیب صفحہ ۱۸۰ تا ۱۸۸) کہ جس حدیث کو ابن معین نہیں جانتا وہ حدیث ہی نہیں - پس ایسا شخص جس راوی کو ثقہ قرار دیتا ہو - اس کی روایت میں کیونکر اشتباہ ہو سکتا ہے - پس معلوم ہوا کہ مسیح ہی مہدی ہے - اور کوئی مہدی نہیں -

چہارم - مسیح موعود اور مہدی معہود کے حُلیہ - کام اور حالت نزول کے ایک ہونے سے صاف ظاہر ہے کہ دراصل ایک ہی وجود ہے - لیکن

مختلف حیثیتوں سے جدا جدا ناموں سے پکارا گیا ہے۔

مسیح موعود کا حلیہ۔ فَاِذَا رَجُلٌ اٰدَمُ کَاَحْسَنِ مَا یُرٰی مِنْ اُدْمِ الرِّجَالِ۔ (بخاری جلد ۲۰ صفحہ ۱)۔

مہدی معہود کا حلیہ۔ اٰدَمُ ضَرْبٌ مِنَ الرِّجَالِ۔ (نعیم بن حماد)

یعنی آنے والا موعود مسیح اور مہدی گندمی رنگ اور درمیانہ قد کا ہوگا۔

مسیح کی حالتِ نزول۔ یَنْزِلُ بَیْنَ مَهْرُوْذَتَیْنِ۔ (ترمذی)۔

مہدی کی حالتِ نزول۔ عَلَیْهِ عَبَاءَتَانِ قَطْوَانِیَّتَانِ کَاَنَّهٗ مِنْ رِجَالِ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ (ابوداؤد) یعنی اس پر دو زرد چادریں ہونگی۔

مسیح کا کام۔ یُفِیْضُ الْمَالَ (مسلم) وَلَیُدْعَوُنَّ اِلَی الْمَالِ (بخاری)

مہدی کا کام۔ تَقْسِیْمُ الْمَالِ وَیَعْمَلُ فِی النَّاسِ بِسُنَّۃِ نَبِیِّهِمْ (ابوداؤد)

یعنی مسیح اور مہدی مال تقسیم کریں گے۔ پس معلوم ہوا کہ مسیح اور مہدی ایک ہی وجود ہے۔

اب جب مسیح ناصری اُمّت مرحومہ کا موعود نہیں تو سوال ہوگا کہ پھر ابن مریم کیوں فرمایا۔ تو یاد رہے کہ تشابہ صفات کی وجہ سے ایک شخص کا نام دوسرے کو دیا جاتا ہے۔ جیسے بخاری مطبوعہ مصر جلد اصفحہ ۸۷ و صفحہ ۹۲ صفحہ ۹۳ و صفحہ ۸ پر یہ حدیث ہے کہ آنحضرت صلعم نے اپنی بیویوں کو فرمایا۔ اِنَّکُنَّ لَاَنْتُنَّ صَوَاحِبُ یُوْسُفَ کہ تم یوسف والیاں ہو۔ اس میں آپ نے اپنے آپکو یوسف اور اپنی ازواج مطہرات کو یوسف والیاں ٹھہرایا ہے۔ حالانکہ آپ یوسف نہ تھے۔ پس معلوم ہوا کہ مشابہت اور مماثلت

کی وجہ سے ایک کا نام دوسرے کو دیدیا جاتا ہے۔ جیسے کہتے ہیں کہ فلاں شخص حاتم ہے۔ یا بولتے ہیں۔ ابو یوسف۔ ابو حنیفہ کیا ابو یوسف ابو حنیفہ ہے۔ کیونکہ ان میں غائیت درجہ کی مماثلت تھی۔ اسی طرح مسیح موعود کا نام مثیل بن مریم ہونے کی وجہ سے ابن مریم ہوگیا۔ ؎

چوں مرا نورے پئے قوم مسیحی دادہ اند
مصلحت را ابنِ مریم نام من بنہادہ اند

عقیدہ حیاتِ مسیحؑ اور حضرت مسیح موعودؑ

آجکل غیر احمدی خصوصیت سے براہین احمدیہ کی وہ عبارت پیش کیا کرتے ہیں جس میں حضرت اقدسؑ نے مسیح ناصری کو زندہ تسلیم کیا ہے۔ انکا اعتراض یہ ہے کہ کیا براہین احمدیہ کی تحریر کے وقت اللہ تعالیٰ نے آپ کو قرآن مجید کا علم صحیح نہیں دیا تھا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ دیا تھا۔ چنانچہ براہین احمدیہ کی محولہ عبارت نکال کر دیکھ لو۔ اس میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مسلمانوں کا رسمی عقیدہ دربارہ حیاتِ مسیح درج فرمایا ہے۔ مگر اس کے ساتھ ہی جو علم آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس بارہ میں دیا گیا تھا۔ وہ بھی درج فرما دیا ہے۔ اس جگہ ہم وہ عبارت درج کرتے ہیں:۔

"جس غلبہ کاملہ دین اسلام کا وعدہ دیا گیا ہے وہ غلبہ مسیح کے ذریعہ سے ظہور میں آئیگا۔ اور جب حضرت مسیح علیہ السلام دوبارہ اس دُنیا میں تشریف لائیں گے تو اُن کے ہاتھ سے دین اسلام جمیع آفاق و اقطار میں پھیل جائے گا لیکن اس عاجز پر ظاہر کیا گیا ہے کہ یہ خاکسار اپنی غربت

اور انکسار اور توکّل اور ایثار اور آیات اور انوار کے رُو سے مسیح کی پہلی زندگی کا نمونہ ہے۔ اور اس عاجز کی فطرت اور مسیح کی فطرت باہم نہایت ہی متشابہ واقع ہوئی ہے۔ گویا ایک ہی جوہر کے دو ٹکڑے ہیں یا ایک ہی درخت کے دو پھل ہیں۔ اور بحدّے اتحاد ہے کہ نظر کشفی میں نہایت ہی باریک امتیاز ہے۔ اور نیز ظاہری طور پر بھی ایک مشابہت ہے اور وہ یوں کہ مسیح ایک کامل اور عظیم الشان نبی یعنی موسیٰؑ کا تابع اور خادم دین تھا۔ اور اس کی انجیل توریت کی فرع ہے۔ اور یہ عاجز بھی اس جلیل الشان نبیؐ کے احقر خادمین میں سے ہے۔ کہ جو سیّد الرسل اور سب رسولوں کا سرتاج ہے۔ اگر وہ حامد ہیں تو وہ احمدؐ ہے۔ اور اگر وہ محمود ہیں۔ تو وہ محمدؐ ہے۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ سو چونکہ اس عاجز کو مسیح سے مشابہت تامہ ہے۔ اس لئے خداوند کریم نے مسیح کی پیشگوئی میں ابتدا سے اس عاجز کو بھی شریک کر رکھا ہے۔" (براہین احمدیہ ص۴۹۹)

اب دیکھ لو۔ حضرت اقدسؑ نے کس صفائی سے اپنے خیال کو جو دوسرے مسلمانوں کے رسمی عقیدہ پر مبنی تھا نہایت سادگی سے بیان فرما دیا ہے۔ لیکن جو علم اس کے خلاف اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپؑ کو دیا گیا۔ اس کو بھی نہایت صفائی سے بیان فرما دیا ہے۔ منقولہ بالا عبارات میں "لیکن اِس عاجز پر ظاہر کیا گیا ہے۔" کے الفاظ خصوصیت سے قابلِ غور ہیں۔ کیونکہ "لیکن" کا لفظ بتاتا ہے کہ اس سے پہلے جو لکھا گیا۔ اس کے خلاف اب کچھ لکھا جانے لگا ہے۔ "ظاہر کیا گیا ہے" کے

الفاظ بتاتے ہیں کہ جو اس سے پہلے لکھا گیا۔ وہ اللہ تعالےٰ کے بتائے ہوئے علم کی بناء پر نہیں۔ بلکہ عام انسانی خیال کی بناء پر ہے۔ لیکن مابعد جس مشابہت تامہ اور پیشگوئی مسیح موعود کا مصداق ہونے کا جو مذکور ہے وہ صحیح علم ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کشتی نوح میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"اسی واسطے میں نے مسلمانوں کا رسمی عقیدہ براہین احمدیہ میں لکھ دیا تا میری سادگی اور عدم بناوٹ پر گواہ ہو۔ وہ میرا لکھنا جو الہامی نہ تھا محض رسمی تھا۔ مخالفوں کے لئے قابل استناد نہیں۔ کیونکہ مجھے خود بخود غیب کا دعویٰ نہیں" (کشتی نوح ص ۴۷)۔

پس براہین احمدیہ کے حوالے حیات مسیح کی سند میں پیش کرنا تو ایسا ہی ہے۔ جیسے کوئی یہودی اپنے قبلہ کی تائید میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور آپؐ کے صحابہ کا بیت المقدس کی طرف منہ کرکے نماز پڑھنا بطور سند کے پیش کرے۔ حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا وہ فعل محض رسمی تھا۔ کیونکہ سُنّت انبیاء یہی ہے۔ کہ وہ پہلے نبی کی اُمّت کے عام عقائد اور اصولی اعمال پر گامزن رہتے ہیں۔ جب تک کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے خاص حکم کے ذریعہ اُن کو روکا نہ جائے۔ یہی حال یہاں ہے۔

خادم

عَدَمِ رجُوعِ موتےٰ

مُردوں کا اِس دُنیا میں دوبارہ نہ آنا

از رُوئے قرآن

پہلی آیت ۔ وَحَرَامٌ عَلٰی قَرْیَةٍ اَھْلَکْنٰھَا اَنَّھُمْ لَا یَرْجِعُوْنَ ۔ (انبیاء رکوع ۷) ۔ یعنی ہر ایک فوت شدہ بستی پر واجب ہے کہ وہ اس دُنیا کی طرف واپس نہ آئیں گے ۔

دُوسری آیت ۔ اَلَمْ یَرَوْا کَمْ اَھْلَکْنَا قَبْلَھُمْ مِنَ الْقُرُوْنِ اَنَّھُمْ اِلَیْھِمْ لَا یَرْجِعُوْنَ ۔ (یٰس رکوع ۲)

کیا ان کو معلوم نہیں کہ ہم نے کس قدر لوگ ان سے پہلے ہلاک کئے ۔ اور پھر وہ دوبارہ ان کی طرف نہیں آتے ۔

تیسری آیت ۔ فَلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ تَوْصِیَةً وَّلَا اِلٰی اَھْلِھِمْ یَرْجِعُوْنَ ۔ (یٰس رکوع ۳) جب موت آجاتی ہے ۔ تو نہ وصیت کر سکتے ہیں اور نہ ہی دوبارہ اپنے اہل و عیال کی طرف آسکتے ہیں ۔

چوتھی آیت ۔ حَتّٰی اِذَا جَآءَ اَحَدَھُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ لَعَلِّیْ اَعْمَلُ صَالِحًا فِیْمَا تَرَکْتُ کَلَّا ؕ اِنَّھَا کَلِمَةٌ ھُوَ قَآئِلُھَا وَمِنْ وَّرَآئِھِمْ بَرْزَخٌ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ۔ (مومنون ع ۶)

یہاں تک کہ ان میں سے جب ایک مر جاتا ہے۔ تو وہ کہتا ہے کہ میرے رب مجھے واپس لوٹا۔ تاکہ میں اعمال صالحہ بجالاؤں۔ یہ بات ہرگز نہ ہوگی۔ یہ صرف ایک بات ہے۔ جو وہ منہ سے کہہ رہا ہے۔ اور ان کے پیچھے ایک روک ہے قیامت کے دن تک۔ یعنی وہ دُنیا میں ہرگز نہیں آسکتے۔

پانچویں آیت۔ فَيُمْسِكُ الَّتِي قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْاُخْرٰى (زمر ع ۵)۔ اللہ تعالیٰ روکے رکھتا ہے۔ اس نفس کو جس پر موت کو وارد کرتا ہے۔ اور سونے والے نفس کو واپس بھیجتا ہے۔ یعنی مُردہ نفس دوبارہ کبھی نہیں آتا۔

چھٹی آیت۔ وَقَالَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا لَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّاَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوْا مِنَّا۔ (بقرہ رکوع ۲۰)

اور کہیں گے وہ جنہوں نے پیروی کی بُتوں کی کاش! ہمارے لئے بھی دُنیا میں لوٹنا ہوتا۔ تو ہم بھی اُن سے ایسے ہی بیزار ہو جاتے جیسے یہ ہم سے بیزار ہوئے۔ یعنی افسوس دُنیا میں ہمیں دوبارہ لوٹایا نہ گیا۔

ساتویں آیت۔ ثُمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ لَمَيِّتُوْنَ ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ۔ (مومنون رکوع ۱)۔

پھر پیدائش کے بعد تم مرو گے۔ اور مرکر پھر قیامت کے دن ہی اٹھائے جاؤ گے اس سے پہلے ہرگز نہ اُٹھائے جاؤ گے۔

آٹھویں آیت۔ وَلَوْ تَرٰى اِذْ وُقِفُوْا عَلَى النَّارِ فَقَالُوْا يٰلَيْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ بِاٰيٰتِ رَبِّنَا وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ (انعام ع ۳)

جب کفار آگ پر کھڑے کیئے جائینگے تو وہ کہینگے۔ کاش ہم دوبارہ دُنیا میں لوٹائے جاتے۔ تو نہ اللہ کی آیات کا انکار کرتے۔ بلکہ مومنوں میں سے ہوتے۔

نوٹ:۔ اس جگہ کوئی یہ نہ کہے کہ یہ تو کفار کے لیئے ہے۔ مومن لوٹائے جاسکتے ہیں۔ تو یاد رہے کہ عقلاً اگر دُنیا میں کوئی لوٹایا جانا چاہیئے۔ تو وہ کفار ہی ہیں۔ تاکہ وہ اپنی اصلاح کرلیں۔ مومنوں کو تو آنے کی ضرورت ہی نہیں۔ پس جب کفار بھی لوٹائے نہ جائیں گے۔ تو ماننا پڑیگا۔ کہ کوئی بھی اس دُنیا میں نہ آئے گا۔

ایک اور طرح سے استدلال:۔ قرآن کریم سے ثابت ہے کہ مرنے والے انسان کی رُوح بعد از مرگ فوراً اپنے اعمال کے مطابق جزا سزا پانے لگ جاتی ہے۔ مومنوں کی ارواح اعلیٰ علیین میں اور منکرین کی اسفل السافلین میں بھیجدیجاتی ہیں +

ضرورت:۔ اس مضمون کی دو جگہ ضرورت ہوتی ہے۔ ایک تو تب جب وفاتِ مسیح عقلاً نقلاً ثابت ہونے پر لوگ کہدیتے ہیں کہ کیا ہوا اگر مر گئے تو خدا تعالیٰ پھر زندہ کردیگا۔ دوسرے عجوبہ پسند لوگ حضرت عیسیٰ ؑ کو محی الاموات حقیقی معنوں میں مانتے ہیں۔ تو اس مضمون سے دونوں کی تردید ہو جاتی ہے۔

عدم رجوعِ موتیٰ از رُوئے احادیث

(۱) قَالَ یَا عَبْدِیْ تَمَنَّ عَلَیَّ اُعْطِکَ قَالَ یَا رَبِّ تُحْیِیْنِیْ فَاُقْتَلُ فِیْکَ ثَانِیَۃً قَالَ الرَّبُّ تَبَارَکَ وَ تَعَالٰی اِنَّہٗ سَبَقَ مِنِّیْ اِنَّھُمْ لَا یَرْجِعُوْنَ۔ فَنَزَلَتْ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتًا (الآیۃ رواہ ترمذی) مشکوٰۃ مجتبائی صـ ۵۷۹ باب جامع المناقب

اللہ تعالےٰ نے شہید جابرؓ کے باپ کو فرمایا کہ کوئی آرزو کر۔ اس نے کہا مجھے دُنیاوی زندگی بخش کہ تیرے رستہ میں دوبارہ قتل کیا جاؤں فرمایا کہ یہ تو میرا قانون ہو چکا ہے کہ یہاں سے دُنیا کی طرف نہیں لوٹیں گے۔

(۲) وَ قُلْنَا ادْعُ اللّٰهَ يُحْيِيهِ لَنَا فَقَالَ اسْتَغْفِرُوا لِصَاحِبِكُمْ... اِذْهَبُوْا فَادْفِنُوْا صَاحِبَكُمْ (رواہ مسلم مشکوٰۃ مجتبائی صفحہ ۳۶ باب مَا يَحِلّ الكلمه و ما يحرم)۔

ایک آدمی فوت شدہ کے متعلق صحابہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت مُبارک میں عرض کی کہ حضورؐ دُعا فرمائیں کہ یہ زندہ ہو جائے۔ تو آپؐ نے فرمایا۔ اس کے لئے دُعائے مغفرت کرو۔ اور دفن کرو۔

اس حدیث سے صاف ہو جاتا ہے کہ جس طرح اللہ تعالےٰ مُردوں کو دوبارہ اس دُنیا میں زندہ کر کے نہیں بھیجتا۔ انبیاء بھی ایسا نہیں کر سکتے۔ احباب غور کریں کہ اگر حضرت عیسیٰؑ فی الواقع مُردوں کو زندہ کیا کرتے تھے۔ تو سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیوں نہ کیا؟

محض اس لئے کہ خدا کے قانون کے بر خلاف ہے۔ لہٰذا ہو المراد۔ عدم رجوع موتیٰ پر اجماعِ اُمّت ہے۔ کیونکہ کسی حدیث اور تفسیر اور فقہ وغیرہ میں کسی مسلمان نے ایسے احکام بیان نہیں کئے کہ اگر مُردہ دوبارہ لوٹ آئے۔ تو اس کا کیا حکم ہے۔ بیوی مال وغیرہ اس کو ملیگا یا نہیں۔ پس شریعت کے باوجود مکمل ہونے کے اور فقہا کا بھی اس کو ذکر نہ کرنا صاف بتاتا ہے کہ یہ عقیدہ ہی باطل ہے۔ وہو المقصود +

مسئلہ امکانِ نبوّت

دلائل امکانِ نبوت از روئے قرآن مجید

پہلی آیت۔ اَللّٰہُ یَصْطَفِیْ مِنَ الْمَلٰٓئِکَۃِ رُسُلًا وَّ مِنَ النَّاسِ (حج آخری کوع) اللہ تعالیٰ چُنتا ہے اور چُنیگا فرشتوں میں سے رسول اور انسانوں میں سے بھی۔ اس آیت میں "یَصْطَفِیْ" مضارع کا صیغہ ہے جو حال اور مستقبل دونوں زمانوں کیلئے آتا ہے۔ پس "یَصْطَفِیْ" کے معنی ہوئے "چُنتا ہے اور چُنیگا"۔ اس آیت میں یصطفی سے مراد صرف حال نہیں لیا جا سکتا۔ کیونکہ (الف) آیت کی ترکیب "اصل اس طرح ہے۔ اَللّٰہُ یَصْطَفِیْ مِنَ الْمَلٰٓئِکَۃِ رُسُلًا وَ اللّٰہُ یَصْطَفِیْ مِنَ النَّاسِ رُسُلًا۔ کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں میں سے بھی رُسُل چنتا ہے اور انسانوں میں سے بھی رسل" چنتا ہے۔ لفظ "رسل" جمع ہے۔ اس سے مراد آنحضرت (واحد) نہیں ہو سکتے۔ پس ماننا پڑیگا کہ آنحضرت صلعم کے بعد رسالت کا سلسلہ جاری ہے اور یَصْطَفِیْ مستقبل کے لئے ہے۔

نوٹ:۔ بعض غیر احمدی "رسل" بصیغہ جمع کا اطلاق واحد پر ثابت کرنے کیلئے وَاِذَا الرُّسُلُ اُقِّتَتْ والی آیت پیش کیا کرتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یہاں "رسل" کو بمعنی رسُول واحد لیا ہے۔ سو اسکے جواب میں یاد رکھنا چاہیئے کہ شہادۃ القرآن کی عبارت محوّلہ میں حضرت مسیح موعودؑ نے جمع کا ترجمہ واحد نہیں کیا بلکہ جمع ہی رکھا ہے۔ چنانچہ حضرتؑ نے تحفہ گولڑویہ صفحہ ۱۴۸ و ۱۴۹ پر اس آیت کا

الہامی ترجمہ رقم فرمایا ہے۔ "وہ آخری زمانہ جس سے رسولوں کے عدد کی تعیین کی جائیگی۔ یعنی آخری خلیفہ کے ظہور سے قضاء قدر کا اندازہ جو مرسلین کی تعداد کی نسبت مخفی تھا۔ ظہور میں آجائیگا۔ پس یہی معنے آیت وَاِذَا الرُّسُلُ اُقِّتَتْ کے ہیں۔ جن کو خدا تعالیٰ نے میرے پر ظاہر کیا اور یہ آیت اس بات کیطرف اشارہ ہے کہ رسولوں کی آخری میزان ظاہر کرنے والا مسیح موعود ہے۔" (تحفہ گولڑویہ صفحہ ۱۴۹)

پس عبارت صاف طور پر بتا رہی ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اسی آیت میں "رسل" سے مراد "مرسلین" اور "رسولوں" بصیغہ جمع ہی لیا ہے۔ ہاں اُقِّتَتْ کے لفظ سے میزان کنندہ (میزان ظاہر کرنیوالا) کا وجود نکالا ہے۔ پس مخالفین کا شہادۃ القرآن کا حوالہ پیش کرنا سراسر دھوکہ ہے (ب) یَصْطَفِیْ مضارع منسوب بذاتِ خداوندی ہے۔ اور اس آیت کی اگلی آیت ہے یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْھِمْ۔ خدا تعالےٰ جانتا ہے جو کچھ ان کے آگے ہے۔ کیا خدا تعالیٰ اس آیت کے نزول کے وقت جانتا تھا۔ اب یہ نہیں جانتا۔ یعلم بھی مضارع ہے۔

غیر احمدی:- "اس آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم خود . . . . خدا کی اس قدیم سنت سے ماہر ہو کہ وہ انسانوں میں سے رسول چُنتا ہے جو اسکی تبلیغ کرتے ہیں۔ اسی سنتِ قدیمہ کی رُو سے اب بھی یہ رسول بھیجا گیا ہے۔ بجائے اس کے کہ ارسال رسل کی سُنتِ الٰہیہ سے موجودہ نبوت کا استدلالی کیا جاتا۔ آئندہ نبوت کا خواہ مخواہ ذکر چھیڑ دیا۔ کیا بیہودہ ترجمہ ہے۔"

(محمدیہ پاکٹ بک صفحہ ۲۲۸)

جواب:- جب سُنتِ قدیمہ یہی ہے کہ وہ "تبلیغ" کے لئے رسول بھیجا کرتا

ہے۔ تو پھر اب بھی نبوت جاری ہے۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے :۔
"لَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا" کہ اللہ تعالیٰ کی سنت کبھی بدلا نہیں کرتی۔ (احزاب رکوع ۸۔ فاطر رکوع ۵)۔ اندریں حالات تمہارا "سلسلۂ ارسالِ رسل" کا انکار کرنا "بیہودہ ہے" یا ہمارا اقرار؟۔

غیر احمدی۔ شرعی نبی بھیجنا بھی تو خدا کی سنت ہے۔ وہ کیوں بدل گئی؟۔

جواب۔ یہ کس نے کہا ہے کہ شرعی نبی بھیجنے کی سُنت بدل گئی ہے؟ شرعی نبی بھیجنے کے لیۓ تو اللہ تعالےٰ کی سُنّت یہ ہے کہ جب سابقہ شریعت ناقص یا نامکمل ہو یا ناقص تو نہ ہو مگر محرّف و مبدّل ہو گئی ہو تو نئی شریعت نازل فرماتا ہے۔ اور غیر شرعی نبی بھیجنے کے لیۓ اللہ تعالیٰ کی سنت یہ ہے کہ جس وقت ضرورتِ زمانہ کے لحاظ سے نہ سابقہ شریعت ناقص ہو۔ اور نہ محرّف ہوئی ہو۔ بلکہ لوگوں میں بدعملی اور ضلالت و گمراہی پیدا ہو گئی ہو تو اللہ تعالیٰ ان میں "تبلیغ" اور اصلاح کے لیۓ غیر شرعی نبی بھیجا کرتا ہے۔ پس چونکہ قرآن مجید مکمل شریعت ہے۔ اور اس میں تحریف بھی نہیں ہوئی بلکہ یہ اپنی اصلی حالت پر قائم ہے۔ اس لیۓ اللہ تعالیٰ کی سُنّتِ قدیمہ کے عین مطابق یہ ضروری ہے کہ کوئی شرعی نبی نہ آئے۔ بلکہ غیر شرعی نبی آئے۔ پس جب تک قرآن مجید میں تحریف ثابت نہ کرو۔ یا یہ ثابت نہ کرو۔ کہ قرآن مجید (نعوذ باللہ) ناقص کتاب ہے۔ اس وقت تک تم یہ نہیں کہہ سکتے کہ قرآن مجید کے بعد شرعی نبی کا نہ آنا سُنّتِ قدیمہ کے خلاف ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ مکمل اور غیر محرّف شریعت کی

موجودگی میں نئی شریعت کا نہ بھیجنا ہی خدا کی سُنّت ہے۔ جو اسوقت بھی جاری ہے۔ لیکن کیا تم انکار کر سکتے ہو۔ کہ اِس وقت دُنیا میں ضلالت و گمراہی اور بدعملی کا دَور دَورہ نہیں؟ اگر ہے۔ اور ضرور ہے۔ تو پھر تمہاری اپنی تسلیم کردہ "سُنّت ارسال رسل" کے مطابق اس زمانہ میں کوئی غیر شرعی نبی کیوں نہیں آسکتا؟

غیر احمدی۔ "رسل" بصیغۂ جمع ہونے کا کیا یہ مطلب ہے۔ کہ دس دس بیس بیس اکٹھے رسُول آئیں؟

جواب۔ نہیں! بلکہ صیغۂ جمع کا مفاد صرف یہ ہے۔ کہ آنحضرتؐ کے بعد اللہ تعالیٰ صرف ایک ہی رسُول نہیں بھیجے گا۔ بلکہ وقتاً فوقتاً نبی بھیجتا رہیگا۔ اور وہ رسُول من حیث المجموع اتنے ہوں گے کہ اُن پر صیغۂ جمع اطلاق پا سکے۔

غیر احمدی۔ "صیغۂ مضارع کبھی حال کے لئے اور کبھی استقبال کے لئے ہوتا ہے" (محمدیہ پاکٹ بُک صفحہ ۴۳۱)

جواب۔ اس آیت میں استقبال ہی کے لئے ہے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تو رسولِ واحد تھے۔ ان پر "رسل" صیغۂ جمع کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ نیز اُن کا اصطفاد تو اس آیت کے نزول سے کئی سال پہلے ہو چکا تھا۔ نزول کے وقت تو نہیں ہو رہا تھا۔ اسلئے یہاں مضارع حال کے لئے ہو ہی نہیں سکتا۔ بلکہ بہرحال مستقبل ہی کے لئے ہے۔

اگر "حالِ ماضی" کے لئے ہوتا۔ تو اس سے پہلے یا مابعد کسی واقعۂ ماضی کا ذکر ہوتا۔ لیکن اس آیت سے پہلے بھی اور بعد بھی آخر سورۃ تک کسی واقعۂ ماضی کی طرف اشارہ تک نہیں۔ بلکہ سب جگہ موجودہ مخالفین ہی سے خطاب ہے۔ پس اگر واقعۂ ماضی ہو۔ تو "إِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى" فرمایا جاتا۔ جیسے "إِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى اٰدَمَ" وغیرہ آیات میں ہے۔ پس یہ آیت امکانِ نبوت کے لئے نصِّ قطعی ہے۔ جس کا تمہارے پاس کوئی جواب نہیں ؏

نوٹ: بعض دفعہ مخالفین کہا کرتے ہیں کہ آیت ہٰذا میں ایک عام قاعدہ بیان کیا گیا ہے کہ خدا ہمیشہ اپنے رسول بھیجا کرتا ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ لفظ مضارع سے عام قاعدہ صرف ایک ہی صورت میں مُراد لیا جا سکتا ہے۔ اور وہ یہ کہ مضارع استمرار تجددی کے طور پر استعمال کیا جائے۔ لیکن استمرار تجددی کے لئے ضروری ہے کہ اس میں زمانۂ مستقبل بھی ضرور پایا جائے۔ ہم مخالفین کو چیلنج کرتے ہیں کہ وہ کوئی ایسا استمرار تجددی دکھائیں جس میں زمانۂ مستقبل شامل نہ ہو۔ صرف ماضی اور حال مُراد ہو۔ استمرار تجددی کے لئے مندرجہ ذیل حوالجات ملاحظہ ہوں:۔

(۱) وَقَدْ تُفِيْدُ الْاِسْتِمْرَارَ التَّجَدُّدِيَّ بِالْقَرَائِنِ اِذَا كَانَ الْفِعْلُ مُضَارِعًا كَقَوْلِ طَرِيْفٍ ؎

أَوَ كُلَّمَا وَرَدَتْ عُكَاظَ قَبِيْلَةٌ ۔ بَعَثُوْا اِلَيَّ عَرِيْفَهُمْ يَتَوَسَّمُ

(کتاب قواعد اللغۃ العربیۃ ص۱۰۱ علم المعانی مطبوعہ قاہرہ)

اور کبھی جب فعل مضارع ہو۔ بعض قرائن سے استمرار تجددی کا بھی فائدہ دیتا ہے جیسا طریف شاعر کا یہ شعر ہے

جب کبھی عکاظ کے میدان میں کوئی قبیلہ آکر اترتا ہے تو وہ اپنے بڑے آدمی کو میری طرف بھیجتے ہیں۔ جو گھاس کی تلاش کرتا رہتا ہے۔ یا جو میری طرف دیکھتا رہتا ہے۔ یہاں یتوسّم مضارع ہے۔ جس نے استمرار تجددی کا کام دیا (یہی مضمون بتغیر الفاظ تلخیص المفتاح صنہ سطر تین پر ہے)

(۲) تفسیر بیضاوی تفسیر سورۃ آل عمران ع ۴ زیر آیت اِنِّیْ اُعِیْذُھَا بِكَ وَذُرِّیَّتَھَا مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ۔ لکھا ہے اُعِیْذُھَا فِیْ كُلِّ زَمَانٍ مُّسْتَقْبِلٍ "یعنی اُعِیْذُھَا میں استمرار تجددی ہے۔ اور آیت کے معنے یہ ہیں کہ میں اس کے لئے پناہ مانگتی ہوں ہر آنے والے زمانے کے لئے" گویا استمرار تجددی میں زمانہ مستقبل بالخصوص پایا جاتا ہے۔

اسی طرح آیت " اَللّٰهُ یَصْطَفِیْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ " میں استمرار تجددی ہو سکتا ہے۔ اور اس کے لئے قرینہ "الرسل" بصیغہ جمع اور فعل مضارع کا خدا کی طرف منسوب ہونا ہے (استمرار میں تینوں زمانے شامل ہوتے ہیں۔ کوئی زمانہ مستثنا نہیں ہو سکتا ہے۔ خصوصاً زمانہ مستقبل جس کا ہونا اس میں لازمی ہے)

نوٹ ۱:۔ اگر کوئی کہے۔ اگر استمرار تجددی تسلیم کر لیا جائے۔ تو لازم آئیگا کہ ہر ایک سیکنڈ میں نبی اور رسول آتے رہیں۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ استمرار کیلئے وقت اور ضرورت کی قید ہوتی ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ہے " كَانَا یَاْكُلَانِ الطَّعَامَ۔ کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام اور ان کی والدہ کھانا کھایا کرتے تھے " كَانَ یَاْكُلَانِ

ماضی استمراری ہے (کیونکہ یا کان مضارع پر کانا داخل ہوا) تو کیا حضرت عیسٰی علیہ السلام اور ان کی والدہ تمام دن رات کھانا ہی کھاتے رہتے تھے۔ یہاں استمرار کا مطلب یہ ہے کہ عند الضرورت کھانا کھاتے تھے۔ اسی طرح اللہ یصطفی کا مطلب ہے کہ عند الضرورت خدا تعالیٰ رسول بھیجتا رہیگا۔ پس خدا تعالیٰ نے اس آیت میں بتایا ہے۔ کہ میں انسانوں کو بھی نبوت کے لئے چنتا رہوں گا۔ اور فرشتوں کو بھی مختلف ڈیوٹیوں کے لئے بھیجتا رہونگا گویا سلسلہ نبوت جاری رہیگا۔ یاد رہے کہ ملائکہ صرف وحی لانے ہی کے لئے نہیں ہوتے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کے جسقدر احکام ہیں ان کے نفاذ کیلئے لاتعداد ملائکہ ہیں۔ جن کو اللہ تعالیٰ چن کر ہمیشہ بھیجتا رہتا ہے۔ پس منکرین نبوت کا یہ کہنا کہ انبیاء کی طرف ایک ہی فرشتہ وحی لایا کرتا ہے بے اثر ہے۔ یہاں صرف وحی لانے کا ذکر نہیں۔ بلکہ عام طور پر احکام الٰہی کے نفاذ کے لئے فرشتوں کے چننے کا ذکر ہے۔

دوسری آیت:۔ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَلَكُمْ اَجْرٌ عَظِيْمٌ (آل عمران ع ۱۸)

خدا تعالیٰ مومنوں کو اس حالت پر نہیں چھوڑے گا۔ جس پر کہ اے مومنو! تم اسوقت ہو۔ یہانتک کہ پاک اور ناپاک میں تمیز کر دے گا۔ خدا تعالیٰ ہر ایک مومن کو غیب پر اطلاع نہیں دیگا (فلاں پاک ہے یا فلاں ناپاک)

بلکہ اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہیگا بھیجے گا۔ (اور ان کے ذریعہ سے پاک اور

ناپاک میں تمیز ہوگی)۔ پس اے مسلمانو! اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ۔

اور اگر تم ایمان لاؤ۔ اور تقویٰ اختیار کرو۔ تو تم کو بہت بڑا اجر ملے گا۔

سورہ آل عمران مدنی سورۃ ہے۔ اور آنحضرت صلعم کی نبوت کے کم از کم تیرہ

سال بعد نازل ہوئی۔ جب کہ پاک اور ناپاک میں ابوبکرؓ و ابوجہل میں عمرؓ اور

ابولہب۔ عثمانؓ و علیؓ اور عتبہ اور شیبہ میں کافی تمیز ہو چکی تھی۔ مگر خدا تعالیٰ اس کے

بعد فرماتا ہے۔ کہ خدا تعالیٰ مومنوں میں پھر ایک دفعہ تمیز کرے گا۔ مگر اس طور

نہیں۔ کہ ہر مومن کو الہاماً بتا دے کہ فلاں مومن اور فلاں منافق ہے۔ بلکہ فرمایا

کہ رسول بھیج کر ہم پھر ایک دفعہ یہ تمیز کر دیں گے۔

آنحضرت صلعم کی آمد سے ایک دفعہ یہ تمیز ہو گئی۔ اس آیت میں یہ آنحضرت

صلعم کے بعد ایک اور تمیز کرے گا۔ پس سلسلہ نبوت ثابت ہے۔

تیسری آیت:۔ وَمَنْ يُطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ

اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصّٰلِحِيْنَ

وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا (نساء ۹۶) جو اطاعت کریں گے اللہ کی اور اس کے

رسول (محمد صلعم) کی پس وہ ان میں شامل ہو جائیں گے۔ جن پر اللہ نے انعام کیا۔

یعنی نبی صدیق شہید اور صالح۔ اور یہ ان کے اچھے ساتھی ہوں گے۔

اس آیت میں خدا تعالیٰ نے امت محمدیہ میں طریق حصول نعمت اور تکمیل

نعمت کو بیان کیا ہے۔ اس آیت میں بتایا گیا ہے۔ کہ آنحضرت صلعم کی پیروی سے

ایک انسان صالحیت کے مقام سے ترقی کر کے نبوت کے مقام تک پہنچتا ہے

دوسری جگہ جہاں پہلے انبیاء کی اتباع کا ذکر کیا ہے۔ وہاں اس کے نتیجہ میں انعام نبوت نہیں دیا گیا۔ جیسا کہ فرمایا۔ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰہِ وَ رُسُلِہٖ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الصِّدِّیْقُوْنَ وَالشُّھَدَاءُ (الحدید ۲۰)

یعنی وہ لوگ جو ایمان لائے اللہ تعالےٰ پر اور باقی تمام انبیاء پر وہ صدیق اور شہید ہوئے۔" یاد رہے کہ یہاں " اٰمَنُوْا" صیغہ ماضی اور "رسل" صیغہ جمع ہے۔ بخلاف مَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ والی آیت کے کہ اس میں "یطع" مضارع ہے اور الرسول خاص آنحضرت کے لئے ہے۔

گویا پہلے انبیاء کی اطاعت زیادہ سے زیادہ کسی انسان کو صدیقیت کے مقام تک پہنچا سکتی تھی۔ مگر ہمارے نبی کریم صلعم کی اطاعت ایک انسان کو مقام نبوت پر بھی فائز کر سکتی ہے۔ اگر کہا جائے کہ مَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ والی آیت میں لفظ "مع" ہے "مِنْ" نہیں۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ آنحضرت صلعم کی اطاعت کریں گے۔ وہ نبیوں کے ساتھ ہوں گے۔ خود نبی نہ ہوں گے تو اس کا جواب یہ ہے کہ :۔

(۱) اگر تمہارے معنی تسلیم کر لئے جائیں۔ تو ساری آیت کا ترجمہ یوں بنے گا۔ کہ آنحضرت صلعم کی اطاعت کرنے والے نبیوں کے ساتھ ہوں گے۔ مگر خود نبی نہ ہوں گے۔ وہ صدیقوں کے ساتھ ہوں گے۔ مگر خود صدیق نہ ہوں گے۔ وہ شہیدوں کے ساتھ ہوں گے مگر خود شہید نہ ہوں گے۔ تو گویا نہ حضرت ابوبکرؓ صدیق ہوئے۔ نہ حضرت عمرؓ و حضرت حسینؓ شہید ہوئے۔ اور نہ امت محمدیہ میں کوئی نیک آدمی ہوا۔ تو پھر یہ اُمت خیر اُمت نہیں بلکہ شر امت ہوئی۔

لہذا اس آیت میں "مع" بمعنے ساتھ نہیں ہو سکتا۔ بلکہ "مع" بمعنی "مِن" ہے

(۲) جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:۔ اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَاعْتَصَمُوْا بِاللّٰہِ وَاَخْلَصُوْا دِیْنَھُمْ لِلّٰہِ فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَسَوْفَ یُؤْتِ اللّٰہُ الْمُؤْمِنِیْنَ

(نساء رکوع ۲۰) مگر وہ لوگ جنہوں نے توبہ کی اور اصلاح کی۔ اور خدا کی (رسی) کو مضبوطی سے پکڑا۔ اور اللہ کے لئے اپنے دین کو خالص کیا۔ پس وہ لوگ مومنوں کے ساتھ ہیں۔ اور خدا تعالےٰ مومنوں کو عنقریب بڑا اجر دیگا

کیا یہ صفات رکھنے والے لوگ مومن نہیں۔ صرف مومنوں کے ساتھ ہی ہیں۔ اور کیا ان کو "اجر عظیم" عطا نہیں ہو گا؟

(۳) وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ (آل عمران ع ۲۰) کہ (مومن یہ دعا کیا کرتے ہیں) اے اللہ! ہم کو نیک لوگوں کے ساتھ وفات دے۔ اس آیت کا کیا یہ مطلب ہے۔ اے اللہ! جب نیک لوگوں کی جان نکلے ہماری جان بھی ساتھ ہی نکال لے؟ نہیں بلکہ یہ ہے کہ اے اللہ! ہم کو بھی نیک بنا کر مار۔

(۴) ایک جگہ شیطان کے متعلق آتا ہے۔ لَمْ یَکُنْ مَعَ السّٰجِدِیْنَ (حجر ع ۳) کہ وہ سجدہ کرنے والوں کے ساتھ نہ ہوا۔ اور دوسری جگہ مِنَ السّٰجِدِیْنَ آتا ہے۔ (اعراف ع ۲)

نوٹ:۔ مَعَ کے معنی معیت (ساتھ) کے بھی ہوتے ہیں۔ جیسا کہ آیت اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الْمُتَّقِیْنَ الآ کہ خدا نیک لوگوں کے ساتھ ہے .....) میں۔ اور مَعَ کے معنی "مِن" کے بھی ہوتے ہیں۔ جیسا کہ اوپر تین مثالیں دی گئی ہیں اور "مَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ" والی آیت میں تو اس کے معنی سوائے مِن کے اور کوئی ہو ہی نہیں سکتے

کیونکہ اگر یہ معنی نہ کئے جائیں تو "امت محمدیہ" نعوذ باللہ شر الامت قرار پاتی ہے۔ جو بالبداہت باطل ہے۔ لہٰذا ہمارے جواب میں "اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا" اور "اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الْمُتَّقِیْنَ" پیش کرنا غیر احمدیوں کے لئے مفید نہیں۔

نبوّت موہبت ہے

بعض غیر احمدی کہا کرتے ہیں۔ کہ اگر یہ تسلیم کر لیا جائے۔ کہ آنحضرت صلعم کی پیروی میں نبوت ملے گی۔ تو اس سے یہ ماننا لازم آئے گا۔ کہ نبوّت ایک کسبی چیز ہے۔ حالانکہ نبوت موہبت الٰہی ہے نہ کہ کسبی! اور نبی تو ماں کے پیٹ ہی سے پیدا ہوتا ہے۔

جواب:۔ اس کا جواب یہ ہے کہ بے شک نبوّت وہبی ہے۔ لیکن قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ کوئی موہبت نازل نہیں ہوتی جب تک کہ انسان کی طرف سے بعض اعمال ایسے سرزد نہ ہوئے ہوں جو اس موہبت کے لئے جاذب بن جائیں۔ چنانچہ قرآن مجید میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے "یَھَبُ لِمَنْ یَّشَآءُ اِنَاثًا وَّ یَھَبُ لِمَنْ یَّشَآءُ الذُّکُوْرَ" (شوریٰ آخری رکوع) کہ اللہ تعالےٰ جسے چاہتا ہے اس کو لڑکیاں موہبت کرتا ہے۔ اور جس کو چاہتا ہے لڑکے موہبت کرتا ہے۔ دوسری جگہ فرمایا "وَ وَھَبْنَا لَہٗٓ اِسْحٰقَ وَ یَعْقُوْبَ" (مریم رکوع ۴) کہ ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو اسحاقؑ اور یعقوبؑ موہبت کئے" ان آیات سے معلوم ہوگا کہ اولاد موہبت ہے۔ لیکن کیا حصول اولاد کے لئے کسی انسانی عمل کی ضرورت نہیں؟

بیشک نبوت کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع اور

اطاعت اور اعمال صالح شرط ہیں۔ لیکن اعمال صالح بھی تو خدا تعالےٰ کی طرف سے توفیق کے بغیر بجا لائے نہیں جا سکتے۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام تحریر فرماتے ہیں۔ یہ نعمت میری کوشش سے نہیں۔ بلکہ شکم مادری میں مجھے عطا کی گئی۔" (حقیقۃ الوحی ص۶۷) " اعمال صالحہ کا صادر ہونا خدا تعالےٰ کی توفیق پر موقوف ہے۔" (حقیقۃ الوحی ص۶۵ حاشیہ۔ ص۱۳۱ حاشیہ)

"عورتیں کیوں نبی نہیں بنتیں"؟

بعض غیر احمدی " وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ الخ والی آیت۔ نیز " صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ والی آیت پر (جب یہ امکان نبوت کی تائید میں پیش کی جائیں) یہ اعتراض کیا کرتے ہیں۔ کہ اگر نبوت کا ملنا " اطاعت نبوی" پر موقوف ہے۔ تو پھر کیا وجہ ہے کہ عورتوں میں سے کسی کو نبوت نہیں ملتی۔ حالانکہ اطاعت نبوی تو عورتیں بھی کرتی ہیں۔ اسی طرح صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ کی دعا اگر حصولِ نبوّت کو مستلزم ہے۔ تو یہ دعا تو عورتیں بھی کرتی ہیں۔ پھر کیا وجہ ہے کہ عورتیں نبی نہیں بنتیں؟ تو اس اعتراض کا جواب یہ ہے۔ کہ یہ اعتراض محض آیات مذکورہ بالا پر غور نہ کرنے کے نتیجہ میں پیدا ہوا ہے۔ حالانکہ اس کا جواب بھی خود انہی آیات میں موجود ہے۔ اور وہ یہ کہ مَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ والی آیت میں یوں نہیں فرمایا۔ کہ جو لوگ اللہ تعالےٰ اور آنحضرت صلعم کی اطاعت کریں گے ہم ان کو نبی بنا دیں گے۔ بلکہ فرمایا جو لوگ اطاعت کریں گے ہم ان کو ان لوگوں میں شامل کر دیں گے۔ جن پر ہم نے انعام کیا" (اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ بصیغہ ماضی یعنی نبی۔ صدیق اور صالح جس کا مطلب

یہ بنتا ہے کہ زمانہ ماضی میں جس جس طرح ہم نے مندرجہ بالا انعامات تقسیم کئے تھے۔ اب ہم اطاعت نبوی کے نتیجہ میں وہی انعام اسی طریق پر اُمّتِ محمدیہ کے افراد میں تقسیم کریں گے۔

اب سوال یہ ہے کہ کیا "انعم اللّٰہ علیہم" میں جو لوگ شامل ہیں ان میں سے کوئی عورت بھی کبھی "نبی" ہوئی۔ تو اس کا جواب اللہ تعالےٰ خود دیتا ہے کہ "وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ" (انبیاء ع ۱) یعنے اے نبی! ہم نے آجتک کسی عورت کو نبی نہیں بنایا۔ پس جب کبھی کوئی عورت نبوت کا انعام پانے والی کبھی ہوئی ہی نہیں۔ تو پھر امت محمدیہ میں کس طرح ہو سکتی ہے؟ کیونکہ اس امت کو تو وعدہ ہی وہ دیا گیا ہے کہ "فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَاۗءِ وَالصّٰلِحِيْنَ" کہ تم کو بھی وہی انعامات ملیں گے۔ جو پہلی امتوں کو ملے۔ مردوں کو نبوت ملی۔ اور عورتیں زیادہ سے زیادہ صدیقیت کے مقام تک پہنچ سکیں۔ چنانچہ اس امت میں بھی انتہائی مقام مردوں کے لئے نبوّت اور عورتوں کے لئے صدیقیت مقرر ہوا۔

اسی طرح "صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ" کی دعا میں بھی اَنْعَمْتَ [illegible] ہے۔ جس کے معنے یہ ہیں کہ اے خدا! جو جو انعامات تو پہلی امتوں کے افراد پہ نازل کرتا رہا ہے وہ ہم پر بھی نازل کر۔ پس چونکہ پہلی اُمتوں میں کبھی کوئی عورت نبی نہیں ہوئی۔ اس لئے اب بھی کوئی عورت نبی نہیں ہوگی۔ جب اُمت محمدیہ کا کوئی مرد صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کی ب

کرتا ہے۔ تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے۔ کہ اے خدا! مجھ پر بھی وہ انعام نازل فرما جو تو نے پہلی امتوں کے مردوں پر کئے۔ اور جب کوئی امت محمدیہ کی عورت یہ دعا کرتی ہے۔ تو اس کی مراد یہ ہوتی ہے۔ کہ اے خدا! تو نے جو انعام پہلی امتوں کی عورتوں پر نازل کئے وہ مجھ پر بھی نازل فرمائیں اللہ تعالےٰ نے اپنے پر حکمت کلام میں ماضی کا صیغہ رکھ کر اس اعتراض کو بیخ و بن سے اکھاڑ دیا ہے۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک

ہر اطاعت کرنیوالا نبی کیوں نہیں بنتا

بعض لوگ کہا کرتے ہیں کہ صِرَاطَ الَّذِينَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ والی دعا تو امت محمدیہ کے تمام افراد کرتے رہتے ہیں۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت تو صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے بھی کی۔ پھر مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ والی آیت کے ماتحت ان سب کو نبوت ملنی چاہیئے تھی؟

الجواب ۱:۔ اس کا جواب یہ ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ (انعام ع ۱۵) کہ یہ اللہ تعالےٰ ہی سب سے بہتر جانتا ہے۔ کہ کس کو نبی بنائے۔ کب نبی بنائے۔ اور کہاں نبی بنائے۔

الجواب ۲:۔ اللہ تعالےٰ سورہ نور میں فرماتا ہے:۔ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِى الْاَرْضِ (نور ع ۷) کہ اللہ تعالےٰ ایمان لانے۔ اور اعمال صالحہ بجالانے پر مسلمانوں کے ساتھ وعدہ کرتا ہے۔ کہ ان سب کو زمین میں خلیفہ بنائے گا۔

اب ظاہر ہے کہ آیت استخلاف مندرجہ بالا کی رو سے خلیفہ صرف

حضرت ابوبکرؓ ۔ عمرؓ ۔ عثمانؓ و علی رضی اللہ عنہم ہی ہوئے ۔ کیا تمام صحابہؓ میں صرف یہ چار مومن باعمل تھے؟ کیا حضرت عائشہ ۔ حضرت بلال ۔ حضرت عبداللہ بن عمر ۔ طلحہ ۔ زبیر وغیرہ صحابہ رضی اللہ عنہم نعوذ باللہ مومن نہ تھے ۔ اس کا جواب یہی ہے ۔ کہ بیشک یہ سب مومن تھے لیکن خلافت اللہ تعالےٰ کی دین ہے ۔ جس کو چاہے دے ۔ لیکن وعدہ عام ہے ۔ جس کا مطلب صرف یہ ہے کہ اب نبوت و خلافت صرف انہی لوگوں کو مل سکتی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانبردار ہوں ۔ اس کے بغیر نہیں مل سکتی ۔ علاوہ ازیں جب کسی قوم میں سے ایک شخص نبی ہو جائے تو وہ انعام نبوت سب قوم پر ہی سمجھا جاتا ہے ۔ جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قول قرآن مجید میں ہے :-

"یٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْبِيَآءَ" (مائدہ ع ۴) کہ اے قوم! تم اس نعمت کو یاد کرو جو خدا نے تم پر نازل کی جب کہ اس نے تم میں سے نبی بنائے ۔

گویا کسی قوم میں سے کسی شخص کا نبی ہونا اس تمام قوم پر خدا کی نعمت سمجھا جاتا ہے ۔ پس "صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ" اور "مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ" والی آیات میں جس نعمت نبوت کا وعدہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد دیا گیا ہے ۔ اس کا تقاضا یہ نہیں کہ ہر کوئی نبی بنے ۔ بلکہ صرف اس قدر ضروری ہے ۔ کہ اس امت میں سے بھی ضرور نبوت کی نعمت کسی فرد پر نازل کی جائے ۔

ہمارے ترجمہ کی تائید

حضرت امام راغب رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کے وہی معنی بیان کئے ہیں جو اوپر بیان ہوئے۔ چنانچہ تفسیر بحر المحیط (مؤلفہ محمد بن یونس اندلسی) میں لکھا ہے:۔ "وَقَوْلُهٗ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ تَفْسِيْرٌ لِقَوْلِهٖ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ..... وَالظَّاهِرُ اَنَّ قَوْلَهٗ مِنَ النَّبِيِّيْنَ تَفْسِيْرٌ لِلَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ فَكَاَنَّهٗ قِيْلَ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ مِنْكُمْ اَلْحَقَهُ اللّٰهُ بِالَّذِيْنَ تَقَدَّمَهُمْ مِمَّنْ اَنْعَمَ عَلَيْهِمْ قَالَ الرَّاغِبُ مِمَّنْ اَنْعَمَ عَلَيْهِمْ مِنَ الْفِرَقِ الْاَرْبَعِ فِي الْمَنْزِلَةِ وَالثَّوَابِ النَّبِيُّ بِالنَّبِيِّ وَالصِّدِّيْقُ بِالصِّدِّيْقِ وَالشَّهِيْدُ بِالشَّهِيْدِ وَالصَّالِحُ بِالصَّالِحِ وَاَجَازَ الرَّاغِبُ اَنْ يَّتَعَلَّقَ مِنَ النَّبِيِّيْنَ بِقَوْلِهٖ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ۔ اَيْ مِنَ النَّبِيِّيْنَ وَمَنْ بَعْدَهُمْ" (تفسیر بحر المحیط جلد ۳ صفحہ ۲۸۷ مطبوعہ مصر) یعنی خدا کا فرمانا کہ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ یہ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کی تفسیر ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ خدا کا قول مِنَ النَّبِيِّيْنَ تفسیر ہے اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ کی۔ گویا یہ بیان کیا گیا ہے۔ کہ تم میں سے جو شخص اللہ اور اس کے رسول صلعم کی اطاعت کرے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کو ان لوگوں میں شامل کر دے گا۔ جن پر قبل ازیں انعامات ہوئے اور امام راغب نے کہا ہے کہ ان چار گروہوں میں شامل کرے گا۔ مقام اور نیکی کے لحاظ سے نبی کو نبی کے ساتھ۔ اور صدیق کو صدیق کے

ساتھ ۔ شہید کو شہید کے ساتھ ۔ اور صالح کو صالح کے ساتھ ۔ اور راغب نے جائز قرار دیا ہے ۔ کہ اس امت کے نبی بھی نبیوں میں شامل ہوں ۔ جیسا کہ خدا نے فرمایا ۔ وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ " یعنی مِنَ النَّبِیّٖنَ " (نبیوں میں سے)

اس حوالہ سے صاف طور پر حضرت امام راغبؒ کا مذہب ثابت ہوتا ہے ۔ کہ وہ اس امت میں بھی انبیاء کی آمد کے قائل تھے ۔ چنانچہ اس عبارت کے آگے مؤلف بحر المحیط (محمد بن یوسف بن علی بن حیان الاندلسی جو ۷۵۴ھ میں فوت ہوئے) نے حضرت امام راغبؒ کے مندرجہ بالا قول کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ راغبؒ کے اس قول سے تو یہ ثابت ہوتا ہے ۔ کہ کہ گویا آنحضرت صلعم کے بعد بھی آپ کی امت میں سے بعض غیر تشریعی نبی پیدا ہوں گے ۔ جو آنحضرت صلعم کی اطاعت کریں گے ۔ اس پر مصنّف اپنا مذہب لکھتا ہے اور کہتا ہے ۔ کہ یہ درست نہیں ۔ کیونکہ آنحضرت صلعم کے بعد نبوت کا دروازہ بند ہے ۔ لیکن ہمیں مؤلف بحر المحیط یعنی محمد بن یوسف اندلسی کے اپنے عقیدہ سے سروکار نہیں ۔ ہمیں تو یہ دکھانا مقصود ہے کہ آیت مَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ کا جو مفہوم آج جماعت احمدیہ بیان کرتی ہے وہ نیا نہیں ۔ بلکہ آج سے سینکڑوں سال قبل امام راغب رحمۃ اللہ علیہ بھی اس کا وہی ترجمہ کرتے ہیں ۔ جو آج جماعت احمدیہ کی طرف سے کیا جاتا ہے ۔

غیر احمدی :- ترمذی میں حدیث ہے کہ التَّاجِرُ الصَّدُوْقُ الْاَمِیْنُ

مَعَ النَّبِیِّیْنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّھَدَاءِ" آج تک کتنے لوگ تجارت کی وجہ سے نبوت حاصل کر چکے ہیں"؟ (محمدیہ پاکٹ بک صفحہ ۳۹۴)

جواب :- یہ روایت ضعیف ہے۔ کیونکہ اسے قبیصہ ابن عقبۃ الکوفی نے سفیان ثوری سے۔ اور سفیان ثوری نے ابوحمزہ عبداللہ بن جابر سے اس نے حسن سے اور اس نے ابوسعید سے روایت کیا ہے۔

قبیصہ کے متعلق لکھا ہے :- قَالَ ابْنُ مَعِیْنٍ ھُوَ ثِقَةٌ اِلَّا فِیْ حَدِیْثِ الثَّوْرِیْ وَقَالَ اَحْمَدُ کَثِیْرَ الْغَلَطِ ..... قَالَ ابْنُ مَعِیْنٍ لَیْسَ بِذَاکَ الْقَوِیْ" (میزان الاعتدال جلد ۲ صفحہ ۳۱) کہ ابن معین فرماتے ہیں کہ قبیصہ کی وہ روایت جو یہ سفیان ثوری سے روایت کرے کبھی قبول نہ کرنا۔ احمد کے نزدیک یہ راوی کثرت سے غلط روایت کرتا تھا۔ اور ابن معین کے خیال میں یہ قوی راوی نہ تھا۔ یہ روایت بھی اس راوی کی سفیان ثوری ہی سے ہے۔ لہذا جھوٹی ہے۔

(۲) اگر درست بھی ہوتی تو بھی حرج نہ تھا۔ کیونکہ " التاجر الصدوق الامین " تو خود ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے اسمائے مبارک ہیں لہذا آپؐ ہی وہ خاص تاجر اور وہ سچ بولنے والے امین انسان تھے۔ جن کی تعریف اس قول میں کی گئی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ حضور نبی تھے۔

چوتھی آیت :- یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ اِمَّا یَاْتِیَنَّکُمْ رُسُلٌ مِّنْکُمْ یَقُصُّوْنَ عَلَیْکُمْ اٰیٰتِیْ فَمَنِ اتَّقٰی وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ (اعراف ع ۴) اے بنی آدم (انسانو!) البتہ ضرور آئیں گے

تمہارے پاس رسول تم میں سے جو بیان کریں گے۔ تمہارے سامنے میری آیتیں۔ پس جو لوگ پرہیزگاری اختیار کریں گے۔ اور اپنی اصلاح کریں گے ان کو کوئی غم اور ڈر نہ ہوگا۔

"اِمَّا یَاْتِیَنَّ" کا ترجمہ ہے۔ "البتہ ضرور آئیں گے" کیونکہ یاتین مضارع مؤکد بہ نون ثقیلہ ہے۔ جو مضارع میں تاکید مع خصوصیت زمانہ مستقبل کرتا ہے۔ جیسا کہ کتاب الصرف مؤلفہ حافظ عبدالرحمن امرتسری میں لکھا ہے

"نون تاکید۔ یہ حرف آخر مضارع میں آتا ہے۔ اور اس کے آنے سے مضارع کے پہلے لام مفتوح کا آنا ضروری ہوتا ہے۔ یہ نون مضارع کے آخر حرف پر فتحہ اور معنی تاکید مع خصوصیت زمانہ مستقبل کے دیتا ہے جیسے لَیَفْعَلَنَّ (وہ البتہ ضرور کرے گا) اس کو مضارع مؤکد بلام تاکید و نون تاکید کہتے ہیں۔" اور اس پر حاشیہ میں لکھا ہے:۔

"اکثر تو لام مفتوح آتا ہے۔ مگر کبھی اِمَّا بھی آجاتا ہے جیسے اِمَّا یَبْلُغَنَّ" (دیکھو کتاب الصرف ص۱۵)

پس یَاْتِیَ (آئے گا) مضارع کے آخر میں "نون تاکید" آیا۔ اور اس کے شروع میں اِمَّا آیا۔ پس اس کے معنے ہوئے "البتہ ضرور آئیں گے رُسُلٌ" (رسول)

نوٹ:۔ یہ آیت آنحضرت صلعم پر نازل ہوئی۔ اور اس میں تمام انسانوں کو مخاطب کیا گیا ہے۔ یہاں یہ نہیں لکھا ہوا۔ کہ ہم نے گذشتہ زمانہ میں یہ کہا تھا۔ نیز اس آیت سے پہلے کئی مرتبہ "یَا بَنِیْ آدَمَ" آیا ہے۔ اور اس

ہیں۔ سب جگہ آنحضرتؐ اور آپ کے بعد کے زمانہ کے لوگ مخاطب ہیں۔ جیسا کہ
یَا بَنِیْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِیْنَتَکُمْ عِنْدَ کُلِّ مَسْجِدٍ (اعراف ع۳) اے
انسانو! ہر مسجد (یا نماز) میں اپنی زینت قائم رکھو۔

چنانچہ علامہ جلال الدین سیوطی لکھتے ہیں:۔ "فَاِنَّہٗ خِطَابٌ
لِاَھْلِ ذٰلِکَ الزَّمَانِ وَلِکُلِّ مَنْ بَعْدَھُمْ" (تفسیر اتقان جلد ۲
صہ۳ مصری) کہ یہ خطاب اس زمانہ اور اگلے زمانہ کے تمام لوگوں کو ہے
(ب) تفسیر حسینی موسومہ بہ تفسیر قادری میں ہے "یہ خطاب عرب کے
مشرکوں کی طرف ہے۔ اور صحیح بات یہ ہے کہ خطاب عام ہے"۔ (تفسیر حسینی
جلد ۱ صفحہ آخری سطر مطبوعہ نولکشور زیر آیت یا بنی آدم امّا یاتینکم رسل منکم)
غیر احمدی:۔ یا بنی آدم خذوا زینتکم عند کل مسجد" میں "مسجد"
کا لفظ غیر مذاہب کے معبدوں کیلئے استعمال ہوا ہے۔ نہ کہ مسلمانوں کی مسجدوں کیلئے

جواب:۔ آیت زیر بحث کے سیاق وسباق میں سوائے مسلمانوں کے کسی اور
قوم کا ذکر ہی نہیں۔ اور یہ سب نصائح صرف مسلمانوں کو کی گئی ہیں۔ چنانچہ یا بنی
آدم اِمَّا یَاْتِیَنَّکُمْ رُسُلٌ مِّنْکُمْ" سے پہلی دو آیات یہ ہیں:۔ قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ
رَبِّیَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَھَرَ مِنْھَا وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْیَ بِغَیْرِ الْحَقِّ
وَاَنْ تُشْرِکُوْا بِاللّٰہِ مَا لَمْ یُنَزِّلْ بِہٖ سُلْطَانًا وَّاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَی اللّٰہِ
مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ وَلِکُلِّ اُمَّۃٍ اَجَلٌ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُھُمْ لَا یَسْتَاْخِرُوْنَ
سَاعَۃً وَّلَا یَسْتَقْدِمُوْنَ ۝ یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ اِمَّا یَاْتِیَنَّکُمْ رُسُلٌ مِّنْکُمْ الخ
(اعراف ع۴) ان آیات کا ترجمہ تفسیر حسینی سے نقل کیا جاتا ہے:۔

"کہہ اے محمد صلے اللہ علیہ وسلم! سوا اس کے نہیں کہ حرام کئے رب میرے نے گناہ کبیرہ کہ بڑے عذاب کے سبب ہیں۔ جو ظاہر ہے ان میں سے جیسے کفر اور جو پوشیدہ ہے جیسے نفاق۔ اور حرام کیا وہ گناہ جس پر حد مقرر نہیں ہے جیسے گناہ صغیرہ۔ اور حرام کیا ظلم یا تکبر ساتھ ناحق کے ..... اور حرام کیا یہ کہ شرک لاؤ تم ساتھ اللہ کے۔ اور شریک پکڑو اس کی عبادت میں اس چیز کو کہ خدا نے نہیں بھیجی ..... کوئی دلیل۔ اور یہ بھی حرام کیا ہے کہ کہو تم جھوٹ اور افتراء کرو خدا پر جو کچھ تم نہیں جانتے ہو۔ کھیتوں اور چارپائیوں کی تحریم اور بیت الحرام کے طواف میں برہنہ ہونا۔ اور واسطے ہر گروہ کے ایک مدت ہے جو خدا نے مقرر کر دی ہے ان کی زندگی کے واسطے" (تفسیر حسینی جلد ۱ صفحہ ۳۰۵)

صاف ظاہر ہے کہ "قُلْ" کہہ کر خطاب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے ہے اور پھر حضور کے ذریعہ سے یہ پیغام تمام بنی نوع انسان کو پہنچایا گیا ہے کہ "اِمَّا یَاْتِیَنَّکُمْ رُسُلٌ"۔

باقی رہا "تمہارا کہنا کہ "مسجد" سے مراد "اصحابِ کہف" (عیسائیوں) کی مسجد ہے تو یہ محض مغالطہ آفرینی ہے۔ کیونکہ یہ آیت عیسائیوں کے گرجوں کے اندر اچھے اچھے کپڑے پہن کر جانے کی ہدایت نہیں دیتی۔ بلکہ کعبہ شریف خصوصاً اور دوسری اسلامی مساجد میں عموماً نماز پڑھنے کے لئے جانیوالوں کو مخاطب کرتی ہے۔ چنانچہ تفسیر حسینی میں "خُذُوْا زِیْنَتَکُمْ عِنْدَ کُلِّ مَسْجِدٍ" کی مندرجہ ذیل تشریح کی گئی ہے:-

"بعض مفسر اس بات پر ہیں کہ یہ خطاب عام ہے۔ اور اکثر مفسر

کہتے ہیں کہ مسلمانوں کے ساتھ خاص ہے۔ اس واسطے کہ بنو ثقیف اور دوسری ایک جماعت عرب مشرکوں کی تھی۔ کہ ان کے مرد اور عورتیں برہنہ طواف کرتی تھیں۔ اور کپڑے اتار ڈالنے سے یہ فال لیتے تھے کہ گناہوں سے ہم بری ہو گئے۔ اور بنو عامر احرام کے دنوں میں حیوان کھانے سے پرہیز کرتے تھے۔ اور تھوڑے سے کھانے پر قناعت کر کے اس فعل کو اطاعت جانتے تھے۔ اور کعبہ کی تعظیم کا خیال باندھتے تھے۔ مسلمانوں نے کہا کہ یہ تعظیم و تکریم کرنا ہم کو بہت سزاوار اور لائق ہے۔ حق تعالےٰ نے انہیں منع فرمایا۔ اور ارشاد کیا کہ خُذُوا زِیْنَتَکُمْ اپنے کپڑے کہ ان کے سبب سے تمہاری زینت ہے عِنْدَ کُلِّ مَسْجِدٍ نزدیک ہر مسجد کے جس کا تم طواف کرتے ہو۔ یا جس میں نماز پڑھتے ہو۔ (تفسیر حسینی جلد ا صفحہ ۳۰۵)

پس ثابت ہوا کہ یہاں "مسجد" سے مراد عیسائیوں کے گرجے نہیں بلکہ کعبۃ اللہ اور مسلمانوں کی دوسری مسجدیں مراد ہیں۔ نیز یہ کہ حضرت آدمؑ کے زمانے کا واقعہ بیان نہیں کیا جا رہا۔ بلکہ مسلمانوں کو مخاطب کیا گیا ہے۔

غیر احمدی:۔ لفظ "رسول" نبی۔ رسول اور محدث تینوں معنوں پر مشتمل ہے۔ جیسا کہ حضرت مرزا صاحب نے فرمایا ہے۔

جواب:۔ حضرت مسیح موعودؑ کی اصطلاح تو خاص تھی جس کے رو سے لفظ "محدث" بالواسطہ غیر تشریعی نبی کا ہم معنی اور قائم مقام ہے۔ اس لحاظ سے اگر لفظ رسول میں غیر تشریعی نبوت کا حامل شامل ہو۔ تو پھر بھی امکان نبوت ثابت ہے۔

غیر احمدی:۔ لفظ "رسول" تو تشریعی و غیر تشریعی دونوں قسم کی نبوت پر مشتمل ہے۔ پھر اس آیت سے تشریعی نبوت کا امکان بھی ثابت ہوا۔

جواب:۔ جی نہیں! بلکہ اس آیت میں تو اس کے بھی برعکس یہ بتایا گیا ہے۔ کہ اب جن رسولوں کی آمد کا وعدہ دیا جا رہا ہے۔ وہ سب غیر تشریعی نبی ہوں گے۔ اور صرف یَقُصُّوْنَ عَلَیْکُمْ اٰیٰتِیْ وہ سابقہ نازل شدہ آیات قرآنی ہی کو پڑھ پڑھ کر سنایا کریں گے۔ (یقصون) نیز یہ بھی بتایا گیا ہے کہ ان موعودہ رسولوں کی بعثت کی غرض تقویٰ پیدا کرنا اور اصلاح کرنا ہوگی۔ جیسا کہ فرمایا فَمَنِ اتَّقٰی وَ اَصْلَحَ "یعنی جو تقویٰ اختیار کریگا۔ اور اپنی اصلاح کریگا۔ وہی امن میں ہوگا۔ دوسرا نہیں۔

پانچویں آیت:۔ اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ۔ کہ اے اللہ ہم کو سیدھا رستہ دکھا ان لوگوں کا رستہ جن پر تو نے اپنی نعمت نازل کی۔ گویا ہم کو بھی وہ نعمتیں عطا فرما جو پہلے لوگوں کو تو نے عطا فرمائیں۔ اب سوال ہوتا ہے۔ کہ وہ نعمتیں کیا تھیں؟ قرآن مجید میں ہے

یٰقَوْمِ اذْکُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ اِذْ جَعَلَ فِیْکُمْ اَنْبِیَآءَ وَجَعَلَکُمْ مُّلُوْکًا۔ (مائدہ ع ۴)

موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا اے قوم! تم خدا کی نعمت کو یاد کرو۔ جب اس نے تم ہی سے نبی بنائے۔ اور تم کو بادشاہ بنایا۔

ثابت ہوا کہ نبوت اور بادشاہی دو نعمتیں ہیں جو خدا تعالیٰ کسی قوم کو دیا کرتا ہے۔ خدا تعالیٰ نے سورہ فاتحہ میں صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْہِمْ کی دعا سکھائی ہے۔ اور خود ہی نبوت کو نعمت قرار دیا ہے۔ اور دعا کا سکھانا بتاتا ہے۔ کہ خدا تعالیٰ اس کی قبولیت کا فیصلہ فرما چکا ہے۔ لہٰذا امت محمدیہ میں نبوت ثابت ہوئی۔

چھٹی آیت:۔ یَا اَیُّھَا الرُّسُلُ کُلُوْا مِنَ الطَّیِّبَاتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا۔ (مومنون ع ۳) اے رسولو! پاک کھانے کھاؤ۔ اور نیک کام کرو۔ یہ جملہ اسمیہ ہے۔ جو حال اور مستقبل پر دلالت کرتا ہے۔ اور لفظ رُسُلُ بصیغہ جمع کم از کم ایک سے زیادہ رسولوں کو چاہتا ہے آنحضرت صلعم تو اکیلے رسول تھے آپ کے زمانہ میں بھی کوئی اور رسول نہ تھا۔ لہٰذا ماننا پڑے گا۔ کہ آنحضرت صلعم کے بعد رسول آئیں گے ورنہ کیا خدا تعالیٰ وفات یافتہ رسولوں کو حکم دے رہا ہے؟ کہ اٹھو اور پاک کھانے کھاؤ اور نیک کام کرو؟

اس امر کا ثبوت کہ یہ خطاب آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے رسولوں کو نہیں یہ ہے:۔

"عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰہَ طَیِّبٌ لَا یَقْبَلُ اِلَّا طَیِّبًا وَاِنَّ اللّٰہَ اَمَرَ الْمُؤْمِنِیْنَ بِمَا اَمَرَ بِہِ الْمُرْسَلِیْنَ فَقَالَ یَا اَیُّھَا الرُّسُلُ کُلُوْا مِنَ طَیِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا

وَقَالَ اللّٰہُ تَعَالٰے یَاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰکُمْ۔ (مسلم کتاب البیوع باب الکسب وطلب الحلال) (بحوالہ محمدیہ پاکٹ بک صفحہ ۴۵۴)

یعنی ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ پاک ہے۔ اور سوائے پاکیزگی کے کچھ قبول نہیں کرتا۔ اور اللہ تعالٰے نے مومنوں کو بھی وہی حکم دیا ہے جو اس نے نبیوں کو دیا ہے۔ کہ اے رسولو! پاک چیزیں کھاؤ۔ اور مناسب حال اعمال بجا لاؤ۔ ایسا ہی اللہ تعالٰے نے مسلمانوں کو فرمایا۔ کہ اے ایمان والو! اس پاک رزق سے کھاؤ جو ہم نے تم کو دیا ہے۔

یہ حدیث صاف بتا رہی ہے کہ جس طرح "یَاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُلُوْا مِنَ الطَّیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰکُمْ" والا حکم آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے فوت ہو چکنے والے مومنوں کو نہیں بلکہ موجودہ یا بعد میں پیدا ہونے والے مومنوں کو دیا گیا ہے۔ اسی طرح "یَا اَیُّھَا الرُّسُلُ" کا خطاب بھی گذشتہ انبیاء کو نہیں بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ یا آپ کے بعد آنے والے رسولوں سے ہے۔ آنحضرت صلعم کے زمانہ میں تو کوئی اور رسول تھا نہیں۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ بعد پیدا ہونے والے ایسے رسولوں ہی سے خطاب ہے۔ جو قرآن مجید کی شریعت کے تابع ہوں گے۔

غیر احمدی:۔ آیت "یا ایہا الرسل" میں ذکر پہلی امتوں کا ہے۔ جنہوں نے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ خطاب نہیں ہے بلکہ پہلے انبیاء سے ہے۔

جواب:۔ جی نہیں! یہ خطاب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے ہے۔ پہلے انبیاء کو ہرگز نہیں ہے۔ جیسا کہ اوپر درج شدہ حدیث سے ثابت کیا گیا ہے۔ اب تفسیر بھی دیکھ لو لکھا ہے:۔

"امام ثعلبی کہتے ہیں کہ رُسُلُ اللہ سے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں جیسے کہ "یا ایہا الرسل" میں لفظ جمع کے ساتھ تنہا انہی کی طرف خطاب ہے۔ اور یہ تعظیم کی راہ سے ہے شرح معارف میں لکھا ہے کہ جب تک حق تعالے نے سب انبیاء علیہم السلام کے صفات کل اور شمائل حضرت سید الانبیاء میں جمع نہیں کئے حضرت کو آیت یا ایُّھا الرسل سے خطاب نہیں فرمایا۔" (تفسیر حسینی قادری جلد ۲ صفحہ ۹۵)

پس یہ ثابت ہے کہ یہ خطاب انبیاء سابقہ کو نہیں۔ باقی رہا یہ کہنا کہ لفظ "رُسُل" جو جمع کا صیغہ ہے۔ وہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم واحد کے لئے آیا ہے۔ تو یہ محض خوش فہمی اور "ایک کو دو" کہ کر ایک شخص کے تعداد کا ہے۔ اور یہ ویسا ہی ہے جیسے شیعہ کہتے ہیں کہ قرآن مجید میں "الذین امنوا" سے مراد حضرت علی رضی ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ چونکہ قرآن مجید قیامت تک کے لئے شریعت ہے۔ اس لئے اس میں تمام ایسے احکام بیان

فرما دئیے گئے جن پر قیامت تک عمل کیا جانا ضروری تھا۔ چنانچہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد جو انبیاء آنے والے تھے۔ ان کے لئے بھی مکمل ہدایات قرآن مجید میں نازل فرما دی گئیں - ان ہدایات میں سے ایک ہدایت پر مشتمل یہ آیت بھی ہے۔

ساتویں آیت: وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَآ اَنْ تَنْكِحُوْٓا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖٓ اَبَدًا (احزاب ۶۷) تمہارے لئے یہ مناسب نہیں کہ تم اللہ کے رسول کو ایذا دو۔ اور نہ یہ مناسب ہے کہ تم رسول کی وفات کے بعد اس کی بیویوں سے شادی کرو۔

آنحضرت صلعم بھی اللہ کے رسول تھے۔ حضور صلعم جب فوت ہوئے تو آپ کی بیویوں کے ساتھ کسی نے شادی نہ کی۔ حضور صلعم کی وفات کے بعد حضور کی ازواج مطہرات بھی فوت ہو گئیں۔ اب اگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد سلسلۂ نبوت بند ہو گیا ہے۔ تو نہ کوئی نبی آئے گا۔ اور نہ اس کی وفات کے بعد اس کی بیویاں زندہ رہیں گی۔ اور نہ ان کے نکاح کا سوال ہی زیر بحث آئے گا۔

اب اگر اس کو قرآن مجید سے نکال دیا جائے تو کونسا نقص لازم آتا ہے۔ اور اس آیت کی موجودگی میں ہمیں کیا فائدہ پہنچتا ہے۔ لیکن چونکہ قرآن مجید قیامت تک کے لئے شریعت ہے۔ اور اس کا ایک ایک لفظ قیامت تک واجب العمل اور ضروری ہے۔ اس لئے ماننا پڑتا ہے۔ کہ آنحضرت صلعم کے بعد نبوت کا سلسلہ جاری ہے۔ اور قیامت تک انبیاء کی ازواج

مطہرات ان کی وفات کے بعد بیوگی کی حالت میں رہتی رہیں گی۔

نوٹ:۔ یہ آیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے خاص نہیں بلکہ عام ہے کیونکہ اس میں "الرَّسُولُ وَالنَّبِیُّ" کا لفظ نہیں۔ کہ آنحضرت صلعم مراد ہوں بلکہ "رسول اللہ" کا لفظ ہے جو عام ہے۔ یعنی اس میں ہر رسول داخل ہے لہذا دھوکہ سے بچنا چاہیے۔ لفظ "رسول اللہ" قرآن مجید میں دوسرے انبیاء کے لئے بھی استعمال ہوا ہے (دیکھو صفحہ ۱۰)

آٹھویں آیت: وَلَقَدْ جَاءَكُمْ يُوسُفُ مِنْ قَبْلُ بِالْبَيِّنَاتِ فَمَا زِلْتُمْ فِي شَكٍّ مِمَّا جَاءَكُمْ بِهِ حَتَّىٰ إِذَا هَلَكَ قُلْتُمْ لَنْ يَبْعَثَ اللَّهُ مِنْ بَعْدِهِ رَسُولًا كَذَٰلِكَ يُضِلُّ اللَّهُ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ مُرْتَابٌ الَّذِينَ يُجَادِلُونَ فِي آيَاتِ اللَّهِ بِغَيْرِ سُلْطَانٍ أَتَاهُمْ (مومن ع۴) کہ اس سے قبل تمہارے پاس حضرت یوسف کھلے نشان لے کر آئے۔ مگر تم ان میں شک کرتے رہے۔ یہانتک کہ جب وہ فوت ہوگئے۔ تو تم کہنے لگ گئے۔ کہ اب خدا تعالےٰ ان کے بعد کوئی نبی نہیں بھیجے گا۔ اسی طرح خدا تعالےٰ گمراہ قرار دیتا ہے ان لوگوں کو جو حد سے بڑھ جاتے ہیں۔ اور (خدا کی آیات) میں شک کرتے ہیں۔ وہ لوگ شک میں ہیں بغیر اس کے۔ کہ خدا تعالےٰ کی طرف سے ان کو کوئی دلیل عطا ہوئی ہو۔

قرآن مجید میں پہلے انبیاء اور ان کی جماعتوں کے واقعات محض قصے کہانیوں کی غرض سے بیان نہیں ہوتے۔ بلکہ عبرت کے لئے آتے ہیں۔ خدا تعالےٰ نے حضرت یوسف کی امت کا جو یہ عقیدہ بیان کیا ہے۔ تو اس سے ہمیں کیا فائدہ ہے؟ نیز "یُضِلُّ اور یُجَادِلُوْنَ" مضارع کے صیغے ہیں، جو

مستقبل پر حاوی ہیں۔ خدا تعالےٰ فرماتا ہے:۔

"مَا يُقَالُ لَكَ إِلَّا مَا قَدْ قِيلَ لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِكَ" (حم سجدہ ع ۵)

یعنی اے نبی صلعم! آپ کے متعلق بھی وہی کچھ کہا جائے گا۔ جو آپ سے پہلے رسولوں کے متعلق کہا گیا۔ حضرت یوسف کے متعلق جیسا کہ بتایا جا چکا ہے "لَنْ يَبْعَثَ اللّٰهُ مِنْ بَعْدِهٖ رَسُوْلًا" کہا گیا۔ پس ضرور تھا۔ کہ آنحضرت صلعم کے متعلق بھی کہا جاتا۔ کہ آپ کے بعد خدا تعالےٰ کوئی نبی نہیں بھیجے گا۔

نویں آیت:۔ وَأَنَّهُمْ ظَنُّوا كَمَا ظَنَنْتُمْ أَنْ لَنْ يَبْعَثَ اللّٰهُ أَحَدًا (جن ع ۱)

بعض جن جب آنحضرت کا وعظ سن کر اپنی قوم کے پاس گئے تو جا کر کہنے لگے۔ "اے جنو! تمہاری طرح انسانوں کا بھی یہی خیال تھا۔ کہ اب خدا تعالےٰ کسی نبی کو نہیں بھیجے گا۔ مگر (ایک اور نبی آگیا ہے)"

گویا آنحضرت صلعم جب تشریف لائے۔ تو آپ سے قبل بھی پہلے نبیوں کی امتیں یہی عقیدہ رکھتی تھیں۔ کہ نبوت کا دروازہ ہمارے نبی پر بند ہو چکا ہے "مَا يُقَالُ لَكَ" کے مطابق ضرور تھا۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت بھی یہی کہا جاتا۔ چنانچہ لکھا ہے۔

"اِجْمَاعُ الْيَهُوْدِ عَلٰى أَنْ لَا نَبِيَّ بَعْدَ مُوْسٰى" (مسلم الثبوت مشکل)

کہ یہود کا اجماع ہے۔ کہ موسیٰ علیہ السلام کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔

دسویں آیت:۔ وَلَقَدْ ضَلَّ قَبْلَهُمْ أَكْثَرُ الْأَوَّلِيْنَ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا فِيْهِمْ مُنْذِرِيْنَ (الصّٰفّٰت ع ۲)

کہ پہلی امتوں میں سے اکثریت گمراہ ہو گئی - تو ہم نے ان کی طرف نبی بھیجے
گو یا جب کسی امت کا اکثر حصہ ہدایت کو چھوڑ دے - تو خدا تعالے کے انبیاءؑ
ان کی طرف مبعوث ہوتے ہیں - تاکہ ان کو پھر صراط مستقیم پر چلائیں -

۲ - فَبَعَثَ اللّٰہُ النَّبِیّٖنَ مُبَشِّرِیْنَ وَمُنْذِرِیْنَ وَاَنْزَلَ مَعَھُمُ الْکِتٰبَ
بِالْحَقِّ لِیَحْکُمَ بَیْنَ النَّاسِ فِیْمَا اخْتَلَفُوْا فِیْہِ (بقرہ ۲۶ع)

ہم نے انبیاء رسل اور کتابیں بھیجیں تاکہ وہ (نبی) ان اختلافات کا فیصلہ
کریں جو ان لوگوں میں پیدا ہو گئے تھے - ثابت ہوا کہ اختلاف اور تفرقہ کا وجود
ضرورت نبوت کو ثابت کرتا ہے

۳ - وَاِنْ کَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ (سورہ جمعہ ع ۱) کہ ہم
نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو مبعوث کیا ..... اور آپ کی آمد سے قبل یہ لوگ
صریحاً گمراہی میں تھے - گویا جب گمراہی پھیل جائے - خدا تعالے نبی بھیجتا ہے -

۴ " ظَھَرَ الْفَسَادُ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ " (روم ع ۵) کہ خشکی اور تری میں
فساد پھیل گیا - یعنی عوام اور علماء یا غیر اہل کتاب اور اہل کتاب کی حالت
خراب ہو گئی تو نبی بھیجا گیا -

ان چار آیات سے ثابت ہے کہ جب دنیا میں گمراہی پھیلتی ہے - تفرقے
پڑ جاتے ہیں - پہلے نبی کی امت کا اکثر حصہ اس کی تعلیم کو چھوڑ دیتا ہے
اس وقت خدا تعالے نبی رسول مبعوث فرمایا کرتا ہے - اب سوال یہ ہے
کہ کیا آنحضرت صلعم کے بعد ضلالت گمراہی - امت محمدیہ کے اکثر
حصہ کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کو چھوڑ دینا علماء اور عوام کا

بلکہ ما واقع ہوا یا نہیں؟

خود آنحضرت صلعم فرماتے ہیں:۔ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلْعَمْ لَیَاْتِیَنَّ عَلٰی اُمَّتِیْ کَمَا اَتٰی عَلٰی بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ حَذْوَ النَّعْلِ بِالنَّعْلِ (وَفِیْ رِوَایَۃٍ شِبْرًا بِشِبْرٍ) حَتّٰی اِنْ کَانَ مِنْھُمْ مَنْ اَتٰی اُمَّہٗ عَلَانِیَۃً لَکَانَ فِیْ اُمَّتِیْ مَنْ یَّصْنَعُ ذٰلِکَ وَاِنَّ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ تَفَرَّقَتْ عَلٰی ثِنْتَیْنِ وَسَبْعِیْنَ مِلَّۃً وَتَفْتَرِقُ اُمَّتِیْ عَلٰی ثَلَاثٍ وَسَبْعِیْنَ مِلَّۃٍ کُلُّھُمْ فِی النَّارِ اِلَّا مِلَّۃً وَّاحِدَۃً (ترمذی بحوالہ مشکوٰۃ ص۳۰ مطبوعہ مطبع احمدی)

آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ البتہ ضرور آئے گا میری امت پہ وہ زمانہ جیسا کہ بنی اسرائیل پہ آیا تھا۔ یہ ان کے قدم بقدم چلیں گے۔ یہانتک کہ اگر کسی یہودی نے علانیہ اپنی ماں کے ساتھ بدکاری کی ہوگی۔ تو میری امت میں سے بھی ضرور کوئی ایسا ہوگا جو یہ کرے گا۔ اور بنی اسرائیل کے بہتر ۷۲ فرقے ہو گئے تھے۔ اور میری امت کے تہتر ۷۳ فرقے ہو جائیں گے۔ سوائے ایک کے باقی سب کے سب جہنمی ہوں گے

۲۔ عَنْ عَلِیٍّ رض قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلْعَمْ یُوْشِکُ اَنْ یَّاْتِیَ عَلَی النَّاسِ زَمَانٌ لَا یَبْقٰی مِنَ الْاِسْلَامِ اِلَّا اسْمُہٗ وَلَا یَبْقٰی مِنَ الْقُرْاٰنِ اِلَّا رَسْمُہٗ مَسَاجِدُھُمْ عَامِرَۃٌ وَّھِیَ خَرَابٌ مِّنَ الْھُدٰی عُلَمَاءُھُمْ شَرٌّ مَّنْ تَحْتَ اَدِیْمِ السَّمَاءِ مِنْ عِنْدِھِمْ تَخْرُجُ الْفِتْنَۃُ وَفِیْھِمْ تَعُوْدُ رَوَاہُ الْبَیْھَقِیُّ فِیْ شُعَبِ

اَرْذِ یْمَانِ (مشکوٰۃ کتاب العلم ۳۸ مطبع احمدی)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ قریب ہے۔ لوگوں پر ایسا زمانہ آئے گا۔ جب اسلام میں سے کچھ باقی نہ رہے گا۔ مگر نام۔ اور قرآن کا کچھ باقی نہیں رہے گا۔ مگر الفاظ۔ مسجدیں آباد نظر آئیں گی۔ مگر ہدایت سے کوری ان لوگوں کے مولوی آسمان کے نیچے بدترین مخلوق ہوں گے۔ انہیں سے فتنے اٹھیں گے اور انہیں میں واپس لوٹیں گے۔

ان ہر دو حدیثوں سے ثابت ہو گیا۔ کہ آنحضرت صلعم کے بعد ضلالت مبین پھیلے گی۔ امت محمدیہ میں تفرقے پڑیں گے۔ بلکہ پہلی امتوں سے بڑھکر اکثر حصہ یعنی ۹۹ فی صدی امت محمدیہ جہنمی ہو جائے گی۔ اسلام کا صرف نام رہ جائے گا۔ اور قرآن کے فقط الفاظ۔ اور پھر علماء اور عوام کی حالت بھی ناگفتہ بہ ہو جائے گی۔ گویا ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ کا پورا نقشہ کھنچ جائے گا۔

پس قرآن کی بتائی ہوئی مندرجہ بالا سب ضروریات موجود ہیں۔ جو بعثت رسول کو مستلزم ہیں۔

پس آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت ثابت ہے۔

گیارھویں آیت: وَاِنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوْهَا قَبْلَ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ اَوْ مُعَذِّبُوْهَا عَذَابًا شَدِيْدًا كَانَ ذٰلِكَ فِي الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا (بنی اسرائیل رکوع ۶) کہ قیامت سے پہلے پہلے ہم ہر ایک بستی کو عذاب شدید میں مبتلا کریں گے۔ اور یہ بات کتاب میں لکھی ہوئی ہے۔

(ب) دوسری جگہ فرمایا۔ "وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا"
(بنی اسرائیل ۲۴) کہ جب تک ہم نبی نہ بھیج لیں۔ اس وقت تک عذاب نازل
نہیں کیا کرتے۔

(ج) پھر فرمایا:۔ "وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى حَتّٰى يَبْعَثَ فِيْ
اُمِّهَا رَسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا" (قصص ۶۶)

کہ خدا تعالیٰ بستیوں کو ہلاک نہیں کرتا۔ جب تک کہ ان میں کسی رسول کو
مبعوث نہ فرمائے۔ تاکہ (عذاب سے قبل) وہ ان کو خدا تعالیٰ کی آیات پڑھ کر
سنا لے۔ (اور ان پر اتمام حجت ہو جائے)

(د) ایک اور مقام پر فرماتا ہے:۔ "وَلَوْ اَنَّا اَهْلَكْنٰهُمْ بِعَذَابٍ
مِّنْ قَبْلِهٖ لَقَالُوْا رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ
مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ وَنَخْزٰى" (طٰہٰ ع ۸ پ ۱۶ ع ۱۷)

کہ اگر ہم نبی کے ذریعہ نشان دکھلانے سے قبل ہی ان پر عذاب نازل کر کے
ان کو ہلاک کر دیتے۔ تو یہ ضرور یہ کہہ سکتے کہ اے ہمارے رب تو نے ہماری طرف
کیوں کوئی رسول نہ بھیجا۔ تاکہ ہم اس رسول کی ذلیل اور رسوا ہونے سے
پہلے ہی پیروی کر لیتے۔ اس آیت کا مضمون سورہ قصص ع ۵ ہ میں بھی بیان کیا گیا ہے
ان سب آیات کو ملانے سے یہ نتیجہ نکلا کہ خدا تعالیٰ انبیاء بھیجتا رہیگا کیونکہ
عذاب سے قبل نبی آتا ہے۔ اور عذاب آئیگا۔ لہذا نبی بھی آتے رہیں گے۔

بارھویں آیت:۔ "اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ" کہ آج کے دن ہم
نے تمہارا دین کامل کر دیا ہے (گویا قرآن شریف کو مکمل شریعت قرار دیا ہے

شریعت کا کام دُنیا میں انسان کا خدا کے ساتھ تعلق قائم کرانا ہوتا ہے جس قدر شریعت ناقص ہوگی۔ اسی قدر وہ خدا کے ساتھ انسان کا ناقص تعلق قائم کرائے گی۔ اور جتنی وہ کامل ہوگی۔ اتنا ہی وہ تعلق بھی جو وہ انسان کا خدا سے قائم کرائے گی۔ کامل ہوگا۔ اب قرآن مجید مکمل شریعت ہے۔ اس لئے ثابت ہوا کہ یہ خدا کے ساتھ ہمارا تعلق بھی "کامل" پیدا کرتی ہے۔ اور سب سے کامل تعلق جو ایک انسان کا خدا کے ساتھ ہوسکتا ہے۔ وہ نبوت ہے۔ اگر کہو کہ قرآن مجید ایک انسان کو نبوت کے مقام پر نہیں پہنچا سکتا۔ تو دوسرے لفظوں میں یہ ماننا پڑے گا کہ قرآن مجید کامل نہیں۔ بلکہ ناقص شریعت ہے۔ اور یہ باطل ہے۔ اور جو مستلزم باطل ہو۔ وہ بھی باطل ہے۔ لہٰذا تمہارا خیال باطل ہے کہ قرآن نبوت کے مقام تک نہیں پہنچا سکتا۔

تیرھویں آیت۔ اِذْ اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَآ اٰتَیْتُکُمْ مِّنْ کِتَابٍ وَّحِکْمَۃٍ ثُمَّ جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَکُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِہٖ وَلَتَنْصُرُنَّہٗ (آل عمران ع ۹)

جب اللہ تعالیٰ نے نبیوں سے عہد لیا۔ کہ جب تم کو کتاب و حکمت دیکر بھیجا جائے۔ اور پھر تمہارے پاس ہمارا رسول آئے۔ تو تم اس پر ایمان لانا۔ اور اس کی امداد کرنا۔

اب سوال یہ ہے کہ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی یہ عہد لیا گیا یا نہیں؟ قرآن میں ہے۔ "وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِیّٖنَ مِیْثَاقَھُمْ وَمِنْکَ وَمِنْ نُّوْحٍ وَّاِبْرَاھِیْمَ وَمُوْسٰی وَعِیْسَی ابْنِ مَرْیَمَ" (احزاب ع ۱)

کہ ہم نے جب نبیوں سے عہد لیا۔ تو آپ سے بھی حضرت موسیٰ و نوح اور ابراہیم علیہم السلام سے بھی وہ عہد لیا۔

اگر آپ کے بعد نبوت بند تھی۔ تو آنحضرت صلعم سے یہ عہد نہیں لینا چاہیئے تھا۔ مگر آپ سے بھی اس عہد کا لینا امکان نبوت کی دلیل ہے۔

امکانِ نبوّت از روئے احادیثِ نبویؐ

۱۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْقُدُّوسِ ابْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا دَاوٗدُ ابْنُ شَبِيبٍ الْبَاهِلِيُّ حَدَّثَنَا اِبْرَاهِيمُ بْنُ عُثْمَانَ حَدَّثَنَا الْحَكَمُ بْنُ عُتَيْبَةَ عَنْ مِقْسَمٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ. قَالَ لَمَّا مَاتَ اِبْرَاهِيمُ ابْنُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلعم صَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ اِنَّ لَهٗ مُرْضِعًا فِي الْجَنَّةِ وَلَوْ عَاشَ لَكَانَ صِدِّيقًا نَبِيًّا" (ابن ماجہ جلد ا کتاب الجنائز باب مَا جَاءَ فِي الصَّلٰوةِ عَلَى ابْنِ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَذِكْرِ وَفَاتِهٖ ص ۲۳۷ مصری)

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے۔ کہ جب آنحضرت صلعم کا بیٹا ابراہیم فوت ہوا۔ تو آنحضرت صلعم نے اس کی نماز جنازہ پڑھی۔ اور فرمایا کہ جنت میں اس کے لئے ایک انّا ہے۔ اور فرمایا کہ اگر یہ زندہ رہتا تو سچا نبی ہوتا۔ یہ واقعہ وفات سنہ ۹ھ میں ہوا۔ اور آیت خاتم النبیین ۵ھ میں نازل ہوئی۔ گویا آیت خاتم النبیین کے نزول کے چار سال بعد حضورؐ فرماتے ہیں۔ کہ اگر میرا بیٹا زندہ رہتا۔ تو نبی ہوتا۔ گویا حضور کے نزدیک اس کا نبی نہ بننا اس کی موت کے باعث ہے نہ کہ انقطاع نبوت کے باعث

اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم "خَاتَمَ النَّبِیّٖن" کا مطلب یہ سمجھتے کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہ آئے گا۔ تو آپ کو فرمانا چاہئے تھا۔ "لَوْ عَاشَ اِبْرَاھِیْمُ لَمَا کَانَ نَبِیًّا لِاَنِّیْ خَاتَمُ النَّبِیّٖن" کہ اگر ابراہیم زندہ رہتا۔ تب بھی نبی نہ ہوتا۔ کیونکہ میں خاتم النبیین ہوں۔ جیسے کوئی آدمی کہے۔ کہ اگر میرا بیٹا زندہ رہتا۔ تو بی۔اے ہو جاتا۔

کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ بی۔اے کی ڈگری ہی بند ہے۔ نہیں بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ بی۔اے کی ڈگری تو مل سکتی ہے۔ لیکن اس کی موت اس کے حصول میں مانع ہوئی۔ یہی مطلب اس حدیث کا ہے۔ کہ نبوت تو مل سکتی ہے۔ مگر ابراہیم کو چونکہ وہ فوت ہو گیا اس لئے نہیں مل سکی۔

حدیث کی صحت کا ثبوت

۱۔ یہ حدیث "ابن ماجہ" میں ہے۔ جو صحاح ستہ میں سے ہے۔

۲۔ اس حدیث کے متعلق شہاب علی البیضاوی میں لکھا ہے:۔

اَمَّا صِحَّۃُ الْحَدِیْثِ فَلَا شُبْھَۃَ فِیْہِ لِاَنَّہٗ رَوَاہُ ابْنُ مَاجَۃَ وَغَیْرُہٗ کَمَا ذَکَرَہُ ابْنُ حَجَرٍ (جلد ۷ صفحہ ۱۷۵)

کہ اس حدیث کی صحت میں کوئی شبہ نہیں۔ کیونکہ اس کو ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔ اور دوسروں نے بھی جیسا کہ حافظ ابن حجر نے ذکر کیا ہے۔

۳۔ ملا علی قاری جیسا محدث لکھتا ہے:۔

لَہٗ طُرُقٌ ثَلَاثٌ یُقَوِّیْ بَعْضُھَا بِبَعْضٍ (موضوعات کبیر)

کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ حدیث موضوع ہے۔ مگر یہ موضوع نہیں

کیونکہ یہ تین طریقوں سے مروی ہے۔ اور اس کا ہر ایک طریقہ دوسرے طریقہ سے تقویت پکڑتا ہے۔ انھوں نے اس کو اس قدر صحیح قرار دیا ہے کہ آیت خاتم النّبیین کی اس لیے تاویل کی ہے۔ کہ وہ اس حدیث کے معارض نہ ہو۔ چنانچہ فرماتے ہیں:۔

فَلَا یُنَاقِضُ قَوْلَہٗ خَاتَمَ النَّبِیِّیْنَ اِذِ الْمَعْنٰی اَنَّہٗ لَا یَاْتِیْ نَبِیٌّ بَعْدَہٗ یَنْسَخُ مِلَّتَہٗ وَلَمْ یَکُنْ مِنْ اُمَّتِہٖ (موضوعات کبیر ص۵۹) کہ یہ حدیث خاتم النّبیین کے مخالف نہیں ہے۔ کیونکہ خاتم النّبیین کا مطلب یہ ہے۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بعد کوئی نبی ایسا نہیں آسکتا۔ جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شریعت کو منسوخ کرے۔ اور آپؐ کی امت میں سے نہ ہو۔

اِسناد

اس حدیث کی اسناد میں چھ راوی ہیں:۔

۱۔ عبد القدوس بن محمد۔ اس کے متعلق حافظ ابن حجر عسقلانی کی کتاب تہذیب التہذیب میں جو اسماء الرجال کی بہترین کتاب ہے لکھا ہے:۔

قَالَ النَّسَائِیُّ ثِقَۃٌ وَذَکَرَہٗ اِبْنُ حِبَّانَ فِی الثِّقَاتِ (تہذیب التہذیب حرف عین)

کہ نسائی نے کہا کہ یہ راوی ثقہ ہے۔ اور ابن حبان نے اسے ثقہ راویوں میں شمار کیا ہے۔

۲- داؤد بن شبیب الباھلی:-

قَالَ اَبُوْحَاتِمٍ صَدُوْقٌ وَ ذَكَرَهٗ اِبْنِ حَيَّانَ فِي الثِّقَاتِ۔

(تہذیب التہذیب جلد ۳ صفحہ ۱۸۸) کہ ابوحاتم نے کہا کہ سچا ہے اور ابن حیان نے اسے ثقہ راویوں میں شمار کیا ہے۔

۳- ابراہیم بن عثمان - اس کے متعلق بعض لوگوں نے کہا ہے کہ ضعیف ہے۔ مگر اس کی کوئی وجہ نہیں بتائی۔ یہ "واسط" کے شہر میں قاضی تھا۔ اس کے متعلق بھی تہذیب التہذیب میں لکھا ہے:-

قَالَ يَزِيْدُ ابْنُ هَارُوْنَ مَا قَضٰى عَلَى النَّاسِ رَجُلٌ (یعنی فی زمانہ) اَعْدَلَ فِيْ قَضَاءٍ وَ قَالَ ابْنُ عَدِيٍّ لَهٗ اَحَادِيْثُ صَالِحَةٌ وَهُوَ خَيْرٌ مِنْ اَبِيْ حَيَّةَ۔ (تہذیب التہذیب صفحہ ۱۴۵)۔

(الاکمال فی اسماء الرجال مصنفہ علامہ خزاجی رح حاشیہ صفحہ ۲) کہ یزید بن ہارون نے کہا ہے کہ اسکے زمانہ میں اس سے زیادہ عدل اور انصاف کے ساتھ کسی نے فیصلے نہیں کئے۔ اور ابن عدی نے کہا ہے کہ اس کی حدیثیں سچی ہوتی ہیں۔ اور وہ ابوحیہ سے اچھا راوی ہے۔ ابوحیہ کے متعلق تہذیب التہذیب میں لکھا ہے

وَثَّقَهُ الدَّارَقُطْنِيُّ وَابْنُ قَانِعٍ وَابْنُ حَيَّانَ وَ قَالَ النِّسَائِيُّ ثِقَةٌ۔ (تہذیب التہذیب جلد ۱ صفحہ ۱۲۰) کہ دارقطنی ابن قانع اور ابن حیان نے اُسے ثقہ قرار دیا ہے۔ اور نسائی نے کہا کہ ثقہ ہے۔

ابراہیم بن عثمان جب ابوحیہ سے اچھا ہے۔ اور ابوحیہ ثقہ ہے۔ پس ثابت ہوا کہ ابراہیم بن عثمان اس سے بڑھ کر ثقہ ہے۔

بھلا جو شخص اتنا عادل ہو کہ اس کے زمانہ میں اسکی نظیر نہ ملے۔ اسکے متعلق بلا وجہ یہ کہدینا کہ وہ جھوٹی حدیثیں بنایا کرتا تھا۔ صریحاً ظلم ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ چونکہ وہ بڑا عادل اور با انصاف آدمی تھا۔ ناجائز طور پر کسی کی رعایت نہ کرتا تھا۔ بعض لوگوں نے کینہ کی وجہ سے اس کے متعلق یہ کہدیا کہ وہ جھوٹا ہے۔ پس جبتک کوئی معقول وجہ پیش نہ کی جائے۔ اُسوقت تک اسکے مخالفین کی کوئی بات قابلِ سند نہیں۔

"عادل" تو کہتے ہی اسکو ہیں جو چیز کو اپنے محل پر استعمال کرے۔ جب وہ "عادل" تھا۔ تو وہ کس طرح جھوٹے اقوال آنحضرت صلعم کیطرف منسوب کر سکتا تھا۔ اور ہم اس کے متعلق تہذیب التہذیب ہی سے دکھلا چکے ہیں کہ اَحَادِیثُہٗ صَالِحَۃٌ۔ کہ اس کی احادیث قابلِ اعتبار ہیں۔

بعض امثلہ تضعیف

کسی کے محض یہ کہدینے سے کہ فلاں راوی ضعیف ہے۔ درحقیقت وہ راوی ناقابلِ اعتبار نہیں ہوجاتا۔ جبتک اس کی تضعیف کی کوئی معقول وجہ نہ ہو۔ کیونکہ اس امر میں اختلاف یسیر موجود ہے۔ چنانچہ

۱۔ ابراہیم بن عبد اللہ بن محمد کے متعلق تہذیب التہذیب میں لکھا ہے۔ "زَعَمَ ابْنُ الْقَطَّانِ اِنَّہٗ ضَعِیْفٌ" کہ ابن قطان کے نزدیک ضعیف ہے۔ اس کے آگے اسی صفحہ پر لکھا ہے:۔

قَالَ الْخَلِیْلِیُّ کَانَ ثِقَۃً وَقَالَ مُسْلِمَۃُ بْنُ قَاسِمِ الْاَنْدُلُسِیُّ ثِقَۃٌ۔ (تہذیب جلد ۱ صفحہ ۱۳۶) کہ خلیلی نے کہا ہے کہ وہ ثقہ تھا۔ اور مسلمہ بن

قاسم اندلسی نے بھی اسے ثقہ قرار دیا ہے۔ اسی طرح ابراہیم بن صالح بن درہم الباھلی ابو محمد مصری کے متعلق لکھا ہے :۔

" قَالَ الدَّارُقُطْنِیُّ ضَعِیْفٌ " کہ دارقطنی نے کہا کہ ضعیف ہے، حالانکہ ذَکَرَہُ ابْنُ حِبَّانَ فِی الثِّقَاتِ (تہذیب جلد ۱ صـ۱۲۸) کہ ابن حبان نے اسے ثقہ قرار دیا ہے۔ غرضیکہ بعض لوگوں کا ابراہیم بن عثمان کو محض "ضعیف" قرار دیدینا حجت نہیں۔ خصوصاً جبکہ ہم اس حدیث کی صحت کے متعلق شہاب علی البیضاوی اور ملا علی قاری جیسے محدث کی شہادت جو ناقابل تردید ہے پیش کر چکے ہیں۔

۴۔ اس حدیث کا چوتھا راوی اَلْحَکَمُ بْنُ عُتَیْبَۃَ ہے۔

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ الدُّوْرِیُّ کَانَ صَاحِبَ عِبَادَۃٍ وَّ فَضْلٍ وَ قَالَ ابْنُ عُیَیْنَۃَ مَا کَانَ بِالْکُوْفَۃِ بَعْدَ اِبْرَاہِیْمَ وَالشَّعْبِیِّ مِثْلُ الْحَاکِمِ وَ قَالَ ابْنُ مَہْدِیٍّ اَلْحَکَمُ بْنُ عُتَیْبَۃَ ثِقَۃٌ ثَبْتٌ۔ (تہذیب التہذیب جلد صـ۴۳۳) کہ ابن عباس الدوری نے کہا کہ یہ راوی صاحب عبادت و فضیلت تھا۔ اور ابراہیم اور شعبی کو چھوڑ کر ایسا عبادت گذار اور صاحب فضیلت آدمی کوفہ میں نہ تھا اور ابن مہدی نے کہا کہ یہ راوی ثقہ اور قابل اعتبار ہے۔

۵۔ مِقْسَمٌ۔ قَالَ ابْنُ شَاہِیْنَ فِی الثِّقَاتِ قَالَ اَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ الْبَصْرِیُّ ثِقَۃٌ ثَبْتٌ لَا شَکَّ فِیْہِ " ابن شاہین اور احمد بن صالح نے اسے ثقہ اور قابل اعتبار بتایا ہے۔ (تہذیب التہذیب حرف میم جلد ۱۰ صـ۲۸۹)

۶۔ عبد اللہ بن عباس :۔ ملا علی قاری کہتے ہیں :۔ حَدِیْثُ ابْنِ عَبَّاسٍ لَا یُنْکِرُہٗ اِلَّا مُعْتَزِلِیٌّ (موضوعات کبیر صـ۱۳۱) کہ ابن عباس کی روایت کا

سوائے معتزلی کے اور کوئی انکار نہیں کرتا۔ آپ آنحضرت صلعم کے چچازاد بھائی تھے۔

شَاهَدَ جِبْرِئِيْلَ مَرَّتَيْنِ۔ (اَلْاِكْمَالُ فِيْ اَسْمَاءِ الرِّجَالِ)

کہ آپ نے دو مرتبہ جبرائیلؑ کی زیارت کی۔ یہ تو ہوئی ۔ن ۔ حدیث کی صحت

جو حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے۔ مگر۔

حدیث ۲ علامہ قسطلانی نے حضرت انس بن مالک سے ایک روایت نقل کی ہے

وَقَدْ رُوِيَ مِنْ حَدِيْثِ اَنَسِ ابْنِ مَالِكٍ قَالَ لَوْ بَقِيَ (يَعْنِيْ

اِبْرَاهِيْمَ بْنَ النَّبِيِّ صلعم) لَكَانَ نَبِيًّا وَلٰكِنْ لَمْ يَبْقَ لِاَنَّ

نَبِيَّكُمْ اٰخِرُ الْاَنْبِيَاءِ۔ (مواهب اللدنیه جلد ا صفحہ ۲۰)

کہ حضرت انس بن مالکؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ اگر

وہ (ابراہیم) باقی رہتا تو نبی ہو جاتا۔ اسکے آگے ناقل اپنی رائے لکھتا ہے کہ

مگر وہ زندہ نہ رہا کیونکہ ہمارے نبی صلعم آخری نبی ہیں۔ راوی کا اپنا اجتہاد

حجت نہیں اور وہ کس قدر غلط ہے اس کے بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔

گویا خدا کو ڈر تھا۔ اگر ابراہیم زندہ رہا تو خواہ آنحضرت صلعم کے بعد نبی کوئی

ہو یا نہ ہو ضرور نعوذ باللہ جبراً نبی بنجائیگا اسلئے اسے بچپن میں مار دیا۔

نوٹ ۱: مصنف محمدیہ پاکٹ بک نے لکھا ہے کہ امام نووی اس کو ضعیف

قرار دیتے ہیں۔ بلکہ اس کو رسول اللہ صلعم پر بہتانِ عظیم قرار دیتے ہیں؟

جواب۔ حدیث نبویؐ کے مقابلہ میں ملاں نووی کی رائے کیا حیثیت

رکھتی ہے۔ پھر یہ کہ نووی نے سب سے بڑا اعتراض یہ کیا ہے کہ "مجھے سمجھ

نہیں آتی کہ اس حدیث کے معنی کیا ہیں۔ اولادِ نوح نبی نہ تھے" اس کا

جواب ایک تو ملا علی قاری نے دیا ہے، جو نقل ہو چکا۔ دوسرا جواب علامہ شوکانی نے درج کیا ہے۔ وہ یہ ہے:۔

"وَهُوَ عَجِيبٌ مِنَ النَّوَوِي مَعَ وُرُوْدِهٖ عَنْ ثَلَاثَةٍ مِنَ الصَّحَابَةِ وَكَانَّهٗ لَمْ يَظْهَرْ لَهٗ تَاوِيْلُهٗ" (فوائد المجموعہ صفحہ ۱۳۵)۔

کہ نووی کا یہ اعتراض تعجب خیز ہے۔ حالانکہ اس حدیث کو تین صحابیوں نے بیان کیا ہے۔ معلوم یہ ہوتا ہے کہ نووی کو اس حدیث کے اصل معنی سمجھ نہیں آئے۔

نوٹ ۲۔ یہ کہنا کہ "لَوْ" محال کیلئے آتا ہے صریحاً دھوکا ہے۔ کیونکہ "لَوْ" جس جملہ میں آئے۔ اس کی شرط تو محال ہوتی ہے۔ مگر جزا ممکن ہوتی ہے۔ جیسا کہ:۔ لَوْ كَانَ فِيْهِمَا اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا (انبیاء رکوع ۲)۔ اگر خدا کے سوا اور بھی خدا ہوتے۔ تو دونو (زمین و آسمان) خراب ہو جاتے۔ اب خدا کے سوا اور خدا کا ہونا تو ممکن نہیں۔ مگر زمین میں فساد کا ہونا ممکن ہے اسی طرح لَوْ عَاشَ اِبْرَاهِيْمُ والی حدیث میں ابراہیم کا زندہ رہنا محال ہے۔ مگر اس کا نبی بننا ممکن۔

تیسری حدیث "رَوَى الْبَيْهَقِيُّ بِسَنَدِهٖ اِلَى ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّهٗ لَمَّا مَاتَ اِبْرَاهِيْمُ ابْنُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ لَهٗ مُرْضِعًا فِي الْجَنَّةِ تُتِمُّ رِضَاعَهٗ وَلَوْ عَاشَ لَكَانَ صِدِّيْقًا نَبِيًّا"

(تاریخ ابن عساکر جلد ۱ صفحہ ۲۹۵ سطر ۴)

چوتھی حدیث:۔ وَعَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ مَرْفُوْعًا لَوْ عَاشَ اِبْرَاهِيْمُ لَكَانَ نَبِيًّا۔ (ابن عساکر جلد ۱ صفحہ ۲۹۲)

پانچویں حدیث "نبیّ اللّٰہِ عیسیٰ واصحابہٗ" (مسلم جلد ۲ صفحہ مصری باب صفت الدجال) آنیوالے مسیح کو نبی اللہ قرار دیا ہے۔ پہلا مسیح فوت ہو چکا ہے اس کا حلیہ آنیوالے مسیح کے حلیہ سے مختلف ہے۔ لہذا یہ آنیوالا بخاری کی حدیث اِمامُکُم مِنکُم (بخاری باب نزول عیسیٰ ابن مریم) اسی اُمت میں سے نبی ہونا تھا۔

چھٹی حدیث۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ اَبُوبَکرٍ اَفضَلُ ھٰذِہِ الْاُمَّۃِ اِلَّا اَن یَّکُونَ نَبِیٌّ (کنوز الحقائق فی حدیث خیر الخلائق صفحہ) کہ ابوبکرؓ اس اُمت میں سب سے افضل ہے۔ سوائے اسکے جو اُمت میں سے کوئی نبی ہو۔ یعنی اگر نبی ہو تو حضرت ابوبکرؓ اس سے افضل نہیں۔ امکان نبوت فی خیر الامت ثابت ہے۔ (نیز دیکھو جامع الصغیر للسیوطی مصری حاشیہ صفحہ ۶)۔

ساتویں حدیث۔ "اَبُوبَکرٍ خَیرُ النَّاسِ اِلَّا اَن یَّکُونَ نَبِیٌّ" (طبرانی و ابن عدی فی الکامل بحوالہ جامع الصغیر للسیوطی صفحہ) کہ ابوبکرؓ سب انسانوں سے بہتر ہیں۔ ہاں اگر کوئی نبی (انسانوں میں سے) ہو تو اُس سے بہتر نہیں۔ (نیز کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۱۳۷ عن سلمۃ بن الاکوع)۔

اگر انسانوں میں سے کوئی نبی ہونا ہی نہ تھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو استثناء فرمانے کی کیا ضرورت تھی؟ اِلَّا اَن یَّکُونَ نَبِیٌّ کے الفاظ صاف طور پر بتاتے ہیں کہ آنحضرت صلعم کے بعد نبی کی آمد کا امکان ہے۔

نوٹ:۔ یاد رکھنا چاہیے کہ "نَبِیٌّ" حدیث مذکورہ بالا میں "کَانَ یَکُونَ" کی خبر واقع نہیں ہوا کہ یہ خیال کیا جا سکے کہ حضرت ابوبکرؓ کی نبوت کی نفی مقصود ہے۔ اگر "کَانَ" کی خبر ہوتا۔ تو "نَبِیٌّ" کی بجائے "نَبِیًّا" ہونا چاہیے تھا۔

پس چھٹی اور ساتویں حدیث کا ترجمہ سوائے اِس کے جو ہم نے بیان کیا۔ قواعد عربیہ کے لحاظ سے اور کوئی نہیں ہو سکتا۔

آٹھویں حدیث:۔ تَکُوْنُ النُّبُوَّۃُ فِیْکُمْ مَا شَاءَ اللّٰہُ ... ثُمَّ تَکُوْنُ خِلَافَۃٌ عَلٰی مِنْہَاجِ النُّبُوَّۃِ مَا شَاءَ اللّٰہُ ... ثُمَّ تَکُوْنُ مُلْکًا عَاضًا فَتَکُوْنُ مَا شَاءَ اللّٰہُ ... ثُمَّ تَکُوْنُ خِلَافَۃٌ عَلٰی مِنْہَاجِ النُّبُوَّۃِ" (رواہ احمد والبیہقی مشکوٰۃ کتاب الفتن صفحہ ۴۶۱ مطبع اصح المطابع نیز محمدیہ پاکٹ بک صفحہ ۱۴۷) - ترجمہ:۔ تم میں نبوت رہیگی جب تک کہ اللہ تعالیٰ چاہیگا۔ پھر اس کے بعد منہاج نبوت پر خلافت ہوگی اور وہ رہیگی جب تک کہ اللہ تعالےٰ چاہیگا۔ پھر اس کے بعد بادشاہت شروع ہوگی۔ اور وہ بھی رہیگی جب تک اللہ تعالیٰ چاہیگا۔ پھر اس کے بعد خلافت ہوگی منہاج نبوت پر۔

اِس حدیث میں یہ بتایا گیا ہے کہ آخری زمانہ میں دوبارہ منہاج نبوت پر خلافت ہوگی۔ جس طرح ابتدائے اسلام میں منہاجِ نبوت پر خلافت قائم ہوئی تھی۔ ظاہر ہے کہ منہاج نبوت پر خلافت نبی کریم صلعم کی وفات کے بعد ہی ہوئی تھی۔ تو لازم آیا کہ آخری زمانہ میں بھی نبی ہو جس کی وفات پر دوبارہ خلافت شروع ہو۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ مندرجہ بالا حدیث مندرجہ مشکوٰۃ میں بین السطور لکھا ہے:۔ "اَلظَّاھِرُ اَنَّ الْمُرَادَ بِہٖ زَمَنُ عِیْسٰی وَ الْمَھْدِیِّ" کہ ظاہر ہے کہ منہاج نبوت پر دوبارہ خلافت قائم ہونے کا زمانہ مسیح موعود اور مہدی کا زمانہ ہوگا۔

دلائلِ امکانِ نبوّت از اقوالِ بزرگان

حضرت محی الدین ابن عربی فرماتے ہیں :-

۱- إِنَّ النُّبُوَّةَ الَّتِي انْقَطَعَتْ بِوُجُودِ رَسُولِ اللّٰهِ صلعم إِنَّمَا هِيَ النُّبُوَّةُ التَّشْرِيعُ لَا مَقَامُهَا فَلَا شَرْعَ يَكُونُ نَاسِخًا لِشَرْعِهِ صلعم وَلَا يَزِيدُ فِي شَرْعِهِ حُكْمًا آخَرَ وَهٰذَا مَعْنَى قَوْلِهِ صلعم إِنَّ الرِّسَالَةَ وَالنُّبُوَّةَ قَدِ انْقَطَعَتْ فَلَا رَسُولَ بَعْدِي وَلَا نَبِيَّ أَيْ لَا نَبِيَّ يَكُونُ عَلَى شَرْعٍ يُخَالِفُ شَرْعِي بَلْ إِذَا كَانَ يَكُونُ تَحْتَ حُكْمِ شَرِيعَتِي وَلَا رَسُولَ أَيْ لَا رَسُولَ بَعْدِي إِلَى أَحَدٍ مِنْ خَلْقِ اللّٰهِ بِشَرْعٍ يَدْعُوهُمْ إِلَيْهِ فَهٰذَا هُوَ الَّذِي انْقَطَعَ وَ سُدَّ بَابُهُ لَا مَقَامُ النُّبُوَّةِ - (فتوحات مکیہ جلد ۲ صـ۳ــ) کہ وہ نبوت جو آنحضرت صلعم کے وجود پر ختم ہوئی - وہ صرف تشریعی نبوت ہے نہ کہ مقام نبوت - پس آنحضرت صلعم کی شریعت کو منسوخ کرنیوالی کوئی شریعت نہیں آسکتی - اور نہ اس میں کوئی حکم بڑھا سکتی ہے - اور یہی معنی ہیں آنحضرت صلعم کے اس قول کے کہ رسالت اور نبوت منقطع ہوگئی ! اور لَا رَسُولَ بَعْدِي وَلَا نَبِيَّ "، یعنی میرے بعد کوئی ایسا نبی نہیں جو میری شریعت کے خلاف کسی اور شریعت پر ہو - ہاں اس صورت میں نبی آسکتا ہے کہ وہ میری شریعت کے حکم کے ماتحت آئے - اور میرے بعد کوئی رسول نہیں یعنی میرے بعد دنیا کے کسی انسان کی طرف کوئی ایسا رسول ... نہیں آسکتا - جو شریعت لیکر آوے - اور

لوگوں کو اپنی شریعت کی طرف بلانے والا ہو۔ پس یہ وہ قسم نبوت ہے، جو بند ہوئی۔ اور اس کا دروازہ بند کر دیا گیا۔ ورنہ مقام نبوت بند نہیں۔

۲۔ فَمَا ارْتَفَعَتِ النُّبُوَّةُ بِالْكُلِّيَّةِ لِهٰذَا قُلْنَا إِنَّمَا ارْتَفَعَتْ نُبُوَّةُ التَّشْرِيْعِ فَهٰذَا مَعْنٰى لَا نَبِيَّ بَعْدَهٗ فَعَلِمْنَا أَنَّ قَوْلَهٗ لَا نَبِيَّ بَعْدَهٗ أَيْ لَا مُشَرِّعَ خَاصَّةً لِأَنَّهٗ لَا يَكُوْنُ بَعْدَهٗ نَبِيٌّ هٰذَا مِثْلُ قَوْلِهٖ إِذَا هَلَكَ كِسْرٰى فَلَا كِسْرٰى بَعْدَهٗ وَإِذَا هَلَكَ قَيْصَرُ فَلَا قَيْصَرَ بَعْدَهٗ۔ (فتوحات مکیہ جلد ۲ باب ۷۳ سوال ۱۵)

کہ نبوت کلی طور پر اٹھ نہیں گئی۔ اسی وجہ سے ہم نے کہا تھا کہ صرف تشریعی نبوت بند ہوئی ہے۔ یہی معنی ہیں لَا نَبِيَّ بَعْدِيْ کے۔ پس ہم نے جان لیا کہ آنحضرت صلعم کا لَا نَبِيَّ بَعْدِيْ فرمانا انہی معنوں سے ہے کہ خاص طور پر میرے بعد کوئی شریعت لانیوالا نہ ہوگا۔ کیونکہ آنحضرت صلعم کے بعد اور کوئی نبی نہیں۔ یہ بعینہ اسی طرح ہے جس طرح آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ جب یہ قیصر ہلاک ہوگا تو اسکے بعد قیصر نہ ہوگا۔ اور جب یہ کسریٰ ہلاک ہوگا۔ تو اسکے بعد کوئی کسریٰ نہ ہوگا۔

۳۔ فَإِنَّ الرِّسَالَةَ وَالنُّبُوَّةَ بِالتَّشْرِيْعِ قَدِ انْقَطَعَتْ فَلَا رَسُوْلَ بَعْدَهٗ صلعم وَلَا نَبِيَّ أَيْ لَا مُشَرِّعَ وَلَا شَرِيْعَةَ وَقَدْ عَلِمْنَا أَنَّ عِيْسٰى يَنْزِلُ وَلَا بُدَّ مَعَ كَوْنِهٖ رَسُوْلًا وَلٰكِنْ لَا يَقُوْلُ بِشَرْعٍ بَلْ يَحْكُمُ فِيْنَا بِشَرْعِنَا نَعْلَمُنَا أَنَّهٗ أَرَادَ بِانْقِطَاعِ الرِّسَالَةِ وَالنُّبُوَّةِ بِقَوْلِهٖ لَا رَسُوْلَ بَعْدِيْ وَلَا نَبِيَّ۔ أَيْ لَا مُشَرِّعَ وَلَا شَرِيْعَةَ۔ (فتوحات جلد ۲ صہ ۷۳ سوال نمبر ۸۸)

۴۔ حضرت امام شعرانی فرماتے ہیں "وَقَوْلُهٗ صلعم لَا نَبِيَّ بَعْدِيْ وَلَا رَسُوْلَ الْمُرَادُ بِهٖ لَا مُشَرِّعَ بَعْدِيْ" (الیواقیت والجواہر جلد ۲ صفحہ ۴۲) کہ آنحضرت صلعم کا یہ قول کہ میرے بعد نبی نہیں اور نہ رسول۔ اس سے مُراد یہ ہے کہ میرے بعد کوئی شریعت لانے والا نبی نہیں۔

۵۔ فَاِنَّ النُّبُوَّةَ سَارِيَةٌ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ فِي الْخَلْقِ وَاِنْ كَانَ التَّشْرِيْعُ قَدِ انْقَطَعَ فَالتَّشْرِيْعُ جُزْءٌ مِّنْ اَجْزَاءِ النُّبُوَّةِ۔

(فتوحات مکیہ جلد ۲ باب ۷۳ سوال نمبر ۸۲ صفحہ ۱۰۰ مصر)

کہ نبوت قیامت کے دن تک مخلوقات میں جاری ہے۔ لیکن جو تشریعی نبوت ہے۔ وہ بند ہو گئی ہے۔ تشریعی نبوت۔ نبوت کا ایک جزو ہے۔

۶۔ وَاَمَّا النُّبُوَّةُ التَّشْرِيْعُ وَالرِّسَالَةُ فَمُنْقَطِعَةٌ فِيْ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ فَلَا نَبِيَّ بَعْدَهٗ مُشَرِّعًا ۔ ۔ ۔ ۔ اِلَّا اَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى لَطَفَ بِعِبَادِهٖ وَاَبْقٰى لَهُمُ النُّبُوَّةَ الْعَامَّةَ الَّتِيْ لَا تَشْرِيْعَ فِيْهَا۔ (فصوص الحکم۔ فص حِکْمَةٍ قَدْرِيَّةٍ) کہ جو نبوت اور رسالت شریعت والی ہوتی ہے پس وہ تو آنحضرت صلعم پر ختم ہو گئی ہے پس آپ کے بعد شریعت والا نبی کوئی نہیں آسکتا۔ ۔ ۔ ہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر مہربانی کر کے ان میں عام نبوت جس میں شریعت نہ ہو۔ باقی رہنے دی۔

۷۔ عارف ربانی سید عبدالکریم جیلانی ابن ابراہیم جیلانی فرماتے ہیں:۔
فَانْقَطَعَ حُكْمُ نُبُوَّةِ التَّشْرِيْعِ بَعْدَهٗ وَكَانَ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَاتَمَ النَّبِيِّيْنَ۔ (الانسان الکامل باب ۳۶ ترجمہ اردو خزینہ التصوف صـ۶۶) کہ تشریعی نبوت کا حکم آنحضرت صلعم کے بعد ختم ہوگیا۔ پس اس وجہ سے آنحضرت صلعم خاتم النبیین ہوئے۔

۸۔ حضرت ملا علی قاری فرماتے ہیں:۔ قُلْتُ مَعَ هٰذَا لَوْ عَاشَ اِبْرَاهِيْمُ وَصَارَ نَبِيًّا وَ كَذَا لَوْ صَارَ عُمَرُ نَبِيًّا لَكَانَ مِنْ اَتْبَاعِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔۔۔۔ فَلَا يُنَاقِضُ قَوْلَهٗ خَاتَمَ النَّبِيِّيْنَ اِذَا الْمَعْنٰى اَنَّهٗ لَا يَاْتِيْ نَبِيٌّ يَنْسَخُ مِلَّتَهٗ وَلَمْ يَكُنْ مِنْ اُمَّتِهٖ۔ (موضوعات کبیر صـ۵۸، ۵۹)

میں کہتا ہوں کہ اس کے ساتھ آنحضرت صلعم کا فرمانا کہ اگر میرا بیٹا ابراہیم زندہ رہتا۔ تو نبی ہو جاتا۔ اور اسی طرح اگر عمر نبی ہو جاتا۔ تو آنحضرت کے متبعین میں سے ہوتے۔ پس یہ اقوال خاتم النبیین کے مخالف نہیں ہیں۔ کیونکہ خاتم النبیین کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلعم کے بعد کوئی ایسا نبی نہیں آسکتا۔ جو آنحضرت صلعم کی شریعت کو منسوخ کرے۔ اور آپ کی اُمت سے نہ ہو۔

۹۔ حضرت سید ولی اللہ صاحب محدث دہلوی فرماتے ہیں:۔

خُتِمَ بِهِ النَّبِيُّوْنَ اَيْ لَا يُوْجَدُ مَنْ يَاْمُرُهُ اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ بِالتَّشْرِيْعِ عَلَى النَّاسِ۔ (تفہیم الٰہیہ تفہیم ۵۳)

کہ آنحضرت صلعم پر نبی ختم ہو گئے۔ یعنی آپ کے بعد کوئی ایسا شخص نہیں ہو سکتا۔ جس کو خدا تعالےٰ شریعت دے کر لوگوں کی طرف

مامور کرے۔

۱۰۔ مولوی عبدالحی صاحب لکھنوی فرماتے ہیں:۔

"علمائے اہلسنت بھی اس امر کی تصدیق کرتے ہیں کہ آنحضرت صلعم کے عصر میں کوئی نبی صاحب شرع جدید نہیں ہو سکتا۔ اور نبوت آپکی تمام مکلفین کو شامل ہے۔ اور جو نبی آپکے ہمعصر ہوگا۔ پس بہر تقدیر بعثت محمدیہ عام ہے۔" (دافع الوسواس فی اثر ابن عباس ص۳)

۱۱۔ "کیونکہ بعد آنحضرت صلعم کے زمانے میں آنحضرت کے مجرد کسی نبی کا ہونا محال نہیں۔ بلکہ صاحبِ شرع جدید ہونا البتہ ممتنع ہے۔" (ایضاً ص۱۲)

۱۲۔ جناب مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی بانیٔ دیوبند فرماتے ہیں:۔

"سو عوام کے خیال میں تو رسول اللہ صلعم کا خاتم ہونا بایں معنی ہے کہ آپ کا زمانہ انبیاء سابق کے زمانہ کے بعد اور آپ سب میں آخری نبی ہیں۔ مگر اہلِ فہم پر روشن ہوگا کہ تقدم و تاخر زمانی میں بالذات کچھ فضیلت نہیں۔ پھر مقام مدح میں وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ فرمانا اس صورت میں کیونکر صحیح ہو سکتا ہے۔" (تحذیر الناس ص۳)۔

۱۳۔ "اگر بالفرض بعد زمانہ نبی صلعم بھی کوئی نبی پیدا ہو۔ تو پھر بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا" (ایضاً ص۲۸)۔

۱۴۔ حضرت عائشہ صدیقہ رض فرماتی ہیں۔ قُوْلُوْا اِنَّہٗ خَاتَمُ الْاَنْبِیَاءِ وَلَا تَقُوْلُوْا لَا نَبِیَّ بَعْدَہٗ (درمنثور جلد ۵ ص۲۰۴ و تکملہ مجمع البحار ص۸۵) کہ یہ تو کہو کہ آنحضرت صلعم خاتم النبیین ہیں۔ مگر یہ کبھی نہ کہنا کہ

آپ کے بعد کوئی نبی نہ آئے گا۔

۱۵۔ مَنْ قَالَ بِسَلْبِ نُبُوَّتِهٖ کَفَرَ حَقًّا۔ (حجج الکرامہ صہ ۴۳۱) کہ امام جلال الدین صاحب سیوطی فرماتے ہیں کہ جو شخص یہ کہے کہ عیسیٰ علیہ السلام بعد نزول نبی نہ ہوں گے۔ وہ پکا کافر ہے۔

پھر لکھا ہے:۔ "فَھُوَ وَاِنْ کَانَ خَلِیْفَةً فِی الْاُمَّةِ الْمُحَمَّدِیَّةِ فَھُوَ رَسُوْلٌ وَّنَبِیٌّ کَرِیْمٌ عَلٰی حَالِہٖ" (حجج الکرامہ صہ ۴۲۶) کہ وہ باوجود اس بات کے کہ وہ اُمّتِ محمدیہ کے ایک خلیفہ ہوں گے۔ پھر بھی بدستور رسول اور نبی رہیں گے۔

پس یہ کہنا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بعد از نزول نبی نہ ہونگے۔ باطل ہے۔

۱۶۔ نواب صدیق حسن خاں صاحب لکھتے ہیں:۔

"حدیث لَا وَحْیَ بَعْدِیْ بے اصل ہے۔ ہاں لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ آیا ہے اس کے معنی نزدیک اہلِ علم کے یہ ہیں کہ میرے بعد کوئی نبی شرع ناسخ لیکر نہیں آئیگا" (اقتراب الساعتہ صہ ۱۶۲ مطبوعہ ۱۳۲۲ھ)۔

مولانا روم اور ختم نبوت

مثنوی مولانا روم کے متعلق مولانا جامی کہتے ہیں کہ ؎

مثنویِ مولویِ معنوی ہست قرآں در زبانِ پہلوی

مثنوی مولانا روم کے مندرجہ ذیل اشعار مسئلہ ختم نبوت کی حقیقت واضح کرتے ہیں:

۱۔ معنیِ نَخْتِمُ عَلٰی اَفْوَاھِھِمْ ایں شناس ایں است راہرو را مہم

"نَخْتِمُ عَلٰی اَفْوَاھِھِمْ" کے معنی سمجھنے کی کوشش کرو کیونکہ یہ سالک کے رستہ میں ایک مشکل ہے

۲- تا - ز راہِ خاتمِ پیغمبراں بُو کہ برخیزد زلب ختم گراں

یعنی - تاکہ ممکن ہے کہ لب ہلانے سے خاتم النبیین کے راستے سے ایک بھاری ختم اُٹھ جائے

۳- ختمہائے کانبیاء بگذاشتند آں بدینِ احمدی برداشتند

وہ بہت سے ختم پہلے نبی چھوڑ گئے تھے وہ سب دینِ احمدی میں اُٹھا دیئے گئے

۴- قفلہائے ناکشودہ ماندہ بود از کفِ اِنَّا فَتَحْنَا برکشود

یعنی بہت سے تالے بند پڑے ہوئے تھے مگر آنحضرت صلعم نے اِنَّا فَتَحْنَا کے ہاتھ سے سب کھولدیئے

۵- اُو شفیع است ایں جہان و آں جہاں ایں جہاں زر دین و آنجا در جناں

یعنی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم دونوں جہانوں میں شفیع ہیں۔ اس جہان میں دین کے اور اگلے جہان میں جنت کے

۶- پیشہ اش اندر ظہور در کموں اِھْدِ قَوْمِیْ اِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ

ظاہر و باطن میں آنحضرت صلعم کا وظیفہ یہی تھا کہ اے خدا! میری قوم کو ہدایت دے کہ انہیں علم نہیں ہے

۷- باز گشتہ از دمِ اُو ہر دو باب در دو عالم دعوتِ اُو مستجاب

آپ کے دم سے دونوں دروازے کھل گئے اور دونوں جہان میں آپ کی دعا مستجاب ہوئی

۸- بہرِ ایں خاتم شد است اُو کہ بجود مثلِ اُو نے بود نے خواہند بود

آپ ان معنوں میں "خاتم" ہیں کہ بخشش میں نہ آپ کے برابر کوئی ہوا اور نہ ہوگا

۹- چونکہ در صنعت برد اُستاد دست تو نہ گوئی ختم صنعت بر تو ہست

جس طرح جب کوئی اُستاد صنعت میں سبقت لے جاتا ہے تو کیا تم یہ نہیں کہتے کہ اے اُستاد!

تجھ پر کاریگری ختم ہے؟

۱۰- در کشادِ ختمہا - تو خاتمی در جہانِ روح بخشاں حاتمی

اے نبی صلعم! تُو ہر قسم کے "ختموں" کو کھولنے کی وجہ سے "خاتم"

(یعنی افضل) ہے۔ اور رُوح پھُونکنے والوں میں تُو حاتم کی طرح ہے۔

۱۱۔ ہست اِشاراتِ محمدؐ۔ المراد کُل کشاد۔ اندر کشادہ۔ اندر کشاد

الغرض محمد رسُول اللہ صلعم کی تعلیم یہ ہے کہ سب رستے کھلے ہی کھلے ہیں کوئی بھی بند نہیں ہے۔

۱۲۔ صد ہزاراں آفریں بر جانِ او بر قدوم و دورِ فرزندانِ او

آنحضرت صلعم اور آپ کے فرزندوں کی تشریف آوری اور انکے دور پر لاکھوں آفریں۔

۱۳۔ آں خلیفہ زادگانِ مقبلش زادہ اند از عنصرِ جان و دِلش

وہ اس کے اقبالمند جانشین اُس کے عنصرِ جان و دِل سے پیدا ہوئے ہیں

۱۴۔ گر ز بغداد و ہرے یا از رے اند بیمزاجِ آب و گِل نسلِ وے اند

وہ خواہ بغداد یا ہرے یا رَے کے رہنے والے ہوں۔ مٹی اور پانی کے اثر سے بے نیاز ہو کر وہ حضورؐ ہی کی نسل سے ہیں۔

۱۵۔ شاخِ گُل ہر جا کہ رُوید ہم گُل است خُمِ مُل ہر جا کہ جوشد ہم مُل است

گلاب کی شاخ جہاں بھی اُگے وُہ گلاب ہی ہے۔ اور شراب کا مٹکا جہاں بھی جوش مارے وہ مٹکا ہی ہے۔

۱۶۔ گر ز مغرب بر زند خورشید سر عین خورشید است نے چیزے دگر

اگر آفتاب مغرب سے نکلے تو بھی وہ آفتاب ہی ہے۔

(مثنوی مولانا رُوم دفتر ششم صفحہ ۸ مطبع نولکشور سنہ ۱۹۱۶ء)

ایک عذر اور اُس کا جواب

بعض غیر احمدی مولوی نزول مسیح والے اعتراض کے جواب میں یہ کہدیا کرتے ہیں کہ "خاتم النبیین" کا مطلب یہ ہے کہ کوئی نبی پیدا نہیں ہوگا

جواب۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ عذر تمہارے دماغ کی لا یعنی اختراع ہے۔ "خاتم النبیین" کا اگر وہی ترجمہ تسلیم کر لیا جائے جو تم کیا کرتے ہو۔ یعنی ختم کرنے والا۔ تو پھر بھی اس میں وہ کونسا لفظ ہے۔ جس کا ترجمہ تم "پیدا نہ ہوگا" کرتے ہو؟ اگر تمہارے لئے ناجائز طور پر تاویلیں کرنے کی گنجائش ہے۔ تو ہمارے لئے قرآن و حدیث و اقوال آئمہ کی روشنی میں صحیح معنی کرنے کی کیوں گنجائش نہیں؟

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلّم نے کیا ختم کیا؟

پھر سوال یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ختم کیا کیا؟ آپ سے پہلے آدم۔ نوح۔ ابراہیم۔ لوط۔ اسمٰعیل۔ اسحٰق۔ یعقوب۔ موسیٰ وغیرہم انبیاء علیہم السلام تو سب کے سب آپ سے پہلے ہی فوت ہو چکے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انکا کیا ختم کیا۔ البتہ ایک نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایسے تھے جو بقول تمہارے ابھی ختم نہ ہوئے تھے۔ سو وہ اب بھی ختم نہیں ہوئے۔ بلکہ تمہارے خیال میں ابھی انہوں نے قیامت سے قبل آنا ہے۔ تو پھر تم ہی بتاؤ کہ تمہارا عقیدۂ ختم نبوت کی حقیقت کیا رہ گئی؟

تردید دلائل انقطاعِ نبوّت از روئے قرآنِ مجید

پہلی آیت۔ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَ لٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ۔ (احزاب ع ۳)

الجواب:۔ ۱۔ خاتَم (تاء کی زبر کے ساتھ) کے معنی "ختم کرنیوالا" نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ یہ اسم فاعل نہیں بلکہ اسم آلہ ہے۔ جس طرح "عالَم" مَا يُعْلَمُ بِهٖ" یعنی جس سے علم حاصل ہو یعنی اللہ تعالےٰ کی ہستی معلوم ہو۔ چونکہ دنیا سے خدا کی ہستی معلوم ہوتی ہے اسلئے اسے "عالَمْ" کہتے ہیں۔ اسی طرح "خاتَم" ہے۔ جسکے معنی "مَا يُخْتَمُ بِهٖ" ہونگے۔ یعنی جس سے مُہر لگائی جائے۔

پس "خاتَمْ" کا ترجمہ ختم کرنے والا نہیں ہو سکتا۔ اسم فاعل میں عین کلمہ مکسور ہوتا ہے جیسے قاتِل۔ ناصِر۔ فاعِل وغیرہ مگر "خاتَمْ" میں عین کلمہ یعنی تاء مکسور نہیں۔ بلکہ مفتوح ہے۔

۲۔ عربی زبان میں "خاتَم" بفتحہ تاء جب کسی جمع کے صیغہ کی طرف مضاف ہو مثلاً خاتَم الشعراء۔ خاتَم الفقہاء۔ خاتَم الاکابر خاتَم المحدثین۔ خاتَم الاولیاء۔ خاتَم المہاجرین وغیرہ ہو۔ تو اسکے معنے ہمیشہ بعد میں آنیوالوں سے "افضل" کے ہوتے ہیں۔ ہمارا غیر احمدی علما کو چیلنج ہے کہ وہ عربی زبان کا کوئی مستعمل محاورہ پیش کریں جس میں "خاتَم" کسی جمع کے صیغے کی طرف مضاف ہُوا ہو۔ اور پھر اسکے معنے آخری کے ہوں۔ کسی لغات کی کتاب لسان العرب۔ تاج العروس وغیرہ کا حوالہ دے دینا کافی نہ ہوگا۔

جب تک اہل زبان میں اس محاورہ کا استعمال نہ دکھایا جائے۔ لُغت کی کتابیں لکھنے والے آخر انسان ہوتے ہیں۔ اور ان کی کتابوں میں اُن کے اپنے عقائد کا دخل ہوجانا یقینی ہوتا ہے۔ مثلاً "المنجد" اور "الفرائد الدریہ" دونوں عربی کی لغات ہیں۔ جن کے مؤلف عیسائی ہیں اور انہوں نے "ثالوث" کا ترجمہ "تثلیث مقدس" یا Holy Trinity کیا ہے۔ اب "مقدس" کسی لفظ کا ترجمہ نہیں بلکہ مؤلف کا اپنا اعتقاد ہے۔ بعینہٖ اسی طرح ایک لغت لکھنے والا اگر اس عقیدہ کا حامی ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت بند ہے۔ تو وہ طبعاً "خَاتَمَ النَّبِيِّيْنَ" کا ترجمہ نبیوں کو ختم کرنے والا ہی کریگا۔ قرآن مجید میں خدا تعالیٰ نے لغات لکھنے والوں کا ترجمہ مدنظر رکھکر خَاتَمَ النَّبِيِّيْنَ کا لفظ نہیں بولا۔ بلکہ اس اسلوب بیان کو مدنظر رکھا ہے۔ جو اہلِ زبان کا ہے۔ لہذا ہمیں دیکھنا یہ ہے کہ ایک عرب جب "خاتم" کو کسی جمع کے صیغے مثلاً "شعراء" "الفقہاء" "المہاجرین" وغیرہ کی طرف مضاف کرتا ہے تو اس سے اسکی مراد کیا ہوتی ہے۔ جس طرح یہ لفظ قرآن مجید میں مستعمل ہوا ہے۔ ہمارا دعویٰ ہے کہ اس طریق پر یہ لفظ ہمیشہ افضل کے معنوں میں آتا ہے۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے استعمال فرمایا ہے۔

(۱) "اِطْمَئِنَّ يَا عَمِّ فَاِنَّكَ خَاتَمُ الْمُهَاجِرِيْنَ فِي الْهِجْرَةِ كَمَا اَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ فِي النُّبُوَّةِ۔ (کنز العمال جلد ۶ صـ۱۷۸)۔

"اے چچا (عباس) آپ مطمئن رہیئے۔ کہ آپ اسی طرح خاتم المہاجرین ہیں۔ جس طرح میں خاتم النبیین ہوں۔"

اب کیا حضرت عباسؓ کے بعد کوئی مہاجر نہیں ہوا؟ حضرت مولوی رحمت اللہ صاحب مہاجر مکی کے علاوہ آجتک ہزاروں لوگوں نے ہجرت کی اور خود علماء دیو بند نے ترک موالات کے دنوں میں ہجرت کا فتویٰ دیا۔

پس ثابت ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباسؓ کو ان معنوں میں خاتم المہاجرین قرار دیا ہے کہ ان کے بعد ان کی شان کا کوئی مہاجر نہ ہوگا۔ اگر کہو کہ یہاں صرف مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کرنیوالے مہاجرین کا حضرت عباسؓ کو خاتم قرار دیا گیا ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث میں تو مکہ کا کوئی لفظ نہیں۔ جس لفظ (یعنی الف لام) کی تخصیص سے تم مکہ کی قید نکالتے ہو۔ اسی الف لام کی تخصیص سے ہم خاتم النبیین کے معنے صاحبِ شریعت نبیوں کا ختم کرنیوالا کریں۔ تو اسپر اعتراض کیوں؟

نوٹ:۔ بعض غیر احمدی کہا کرتے ہیں کہ اگر "خاتم" بمعنے "افضل" لیا جائے تو لازم آئیگا۔ کہ حضرت عباسؓ۔ حضرت ابوبکر و عمر و علی رضوان اللہ علیہم بلکہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی نعوذ باللہ افضل ہوں۔ کیونکہ یہ بھی سب مہاجرین ہیں۔

جواب۔ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ لفظ "خاتم" جب کسی صیغہ جمع کی طرف مضاف ہو تو اس میں موصوف کے بعد آنیوالوں پر اسکی افضلیت مراد ہوتی ہے۔ پس حضرت عباس رضی اللہ عنہ "خاتم المہاجرین" ہیں یعنی اپنے بعد میں آنیوالے سب مہاجرین سے افضل ہیں۔ اگر کوئی کہے کہ اس طرح تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا "خاتم النبیین" ہونا بھی انہی معنوں سے

ہوگا۔ کہ آپؐ اپنے بعد میں آنیوالے نبیوں سے افضل ہیں۔ تو کیا حضور صلے اللہ علیہ وسلم اپنے سے پہلے انبیاء سے افضل نہیں ہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ بیشک حضورؐ اپنے سے بعد میں آنے والے نبیوں سے بوجہ خاتم النبیین ہونے کے افضل ہیں۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سے پہلے انبیاء سے بھی افضل ہیں۔ کیونکہ حضورؐ خود فرماتے ہیں:۔

"اِنِّیْ مَکْتُوْبٌ عِنْدَ اللّٰہِ خَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ وَاِنَّ اٰدَمَ لَمُنْجَدِلٌ بَیْنَ الْمَاءِ وَالطِّیْنِ"۔ (مسند احمد و کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۱۱۲)

کہ میں اللہ تعالیٰ کے ہاں اُس وقت سے خاتم النبیین ہوں جبکہ حضرت آدمؑ ابھی مٹی اور پانی میں تھے۔ (نیز محمدیہ پاکٹ بک مطبوعہ ۱۹۳۶ء صفحہ ۴۰۲)

گویا جس قدر انبیاء آئے وہ سب ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین بننے کے بعد آئے۔ لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاءؑ سے "افضل" ہیں۔ جیساکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں ؎

سب پاک ہیں پیمبر اِک دوسرے سے بہتر
لیک از خدائے برتر خیر الوریٰ یہی ہے

نوٹ ۲:۔ اس موقعہ پر بعض غیر احمدی لَا ھِجْرَۃَ بَعْدَ الْفَتْحِ والی حدیث بھی پیش کرتے ہیں۔ تو اس کے جواب میں یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ یہ حدیث تو ہماری مؤید ہے۔ کیونکہ اسمیں "لا ہجرۃ" کا لفظ اسی طرح مستعمل ہوا ہے جس طرح لَانَبِیَّ بَعْدِیْ میں۔ اب کیا "لا ہجرۃ" کے معنی یہ ہیں کہ اب مطلقاً ہجرت ہی بند ہے؟ یا یہ کہ صرف ایک خاص ہجرۃ جو مکہ سے مدینہ کی طرف

ہے۔ وہ بند ہے؟ ظاہر ہے کہ مطلقاً ہجرت بند نہیں کیونکہ یہ واقعات کے بھی خلاف ہے۔ اور اس سے قرآن مجید کی آیات متعلقہ ہجرت کو منسوخ ماننا پڑتا ہے۔ اب رہی دوسری صورت کہ خاص ہجرت بند کی گئی۔ تو بعینہٖ اسی طرح "لانبی بعدی" میں بھی قطعاً نبوت بند نہ ہوئی۔ بلکہ ایک خاص قسم کی نبوت مراد لینی پڑے گی۔ یعنی تشریعی نبوت یا بلاواسطہ نبوت۔ وہو المراد۔

اس طرح سے تمہارا "لا" نفی جنس کا بھی اُڑ گیا۔

۲۔ "اَنَا خَاتَمُ الْاَنْبِیَاءِ وَاَنْتَ یَا عَلِیُّ خَاتَمُ الْاَوْلِیَاءِ"۔

(تفسیر صافی زیر آیت خاتم النبیین احزاب رکوع ۴) کہ اے علی! میں خاتم الانبیاء ہوا۔ اور تو خاتم الاولیاء ہے۔

۳۔ فتوحات مکیہ کے ٹائیٹل پیج پر حضرت شیخ محی الدین ابن عربی کو خاتم الاولیاء لکھا ہے۔

۴۔ خود دیوبندی علماء نے اس محاورہ کو استعمال کیا ہے۔ چنانچہ مولوی محمود الحسن صاحب دیوبندی نے مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کی وفات پر جو مرثیہ لکھا۔ اسکے ٹائیٹل پیج پر متوفی کو خاتم الاولیاء والمحدثین کہا ہے۔

۵۔ مولوی بدر عالم صاحب مدرس دیوبند نے اپنے رسالہ "الجواب الفصیح" کے صفحہ ۲ پر مولوی انور شاہ سابق صدر المدرسین دیوبند کو خاتم المحدثین لکھا ہے۔

۶۔ حضرت شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلوی کے رسالہ "عجالہ نافعہ" کے ٹائیٹل پیج پر حضرت شاہ صاحب موصوف کو خاتم المحدثین لکھا ہے۔

۷۔ حضرت غوث الاعظم "پیرانِ پیر" سید عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "بِکَ تُخْتَمُ الْوِلَایَۃُ"۔ (فتوح الغیب مقالہ ۴ صفحہ ۲۳ نولکشور)

اور اس کا ترجمہ شیخ عبدالحق صاحب محدث دہلوی نے یہ کیا ہے:۔

"در زمانِ تو مرتبہ ولایت و کمال تو فوق کمالات ہمہ شد و قدمِ تو برگردن ہمہ افتد"۔ (فتوح الغیب صفحہ ۲۳)۔

یعنی حضرت سید عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے جو یہ فرمایا۔ کہ اے انسان تو خلقت سے مرجائیگا۔ تو ترقی کرتے کرتے "خاتم الاولیا" ہو جائیگا اِس کا مطلب یہ ہے کہ تو ولایت کے مرتبہ کے کمال پر پہنچ جائیگا۔ اور تیرا مقام ولایت سب ولیوں سے بالاتر ہوگا! اور تیرا قدم باقی ولیوں کی گردن پر ہوگا۔ چنانچہ ندائے غیب ترجمہ اُردو فتوح الغیب مطبوعہ اسلامیہ سٹیم پریس لاہور میں بِکَ تُخْتَمُ الْوِلَایَۃُ کا ترجمہ یہ لکھا:۔

"کہ تُو ایسا عزت دار ہو جائیگا کہ تیری مثل کوئی نہ ہوگا۔ اور تُو یگانہ و تنہا پردۂ الٰہی میں چھپالیا جائیگا۔ تیری مانند اولیاء وقت بھی نہ ہو سکیں گے۔ بلکہ تُو اس وقت ہر ایک رسُول اور نبی کا وارث ہو جائیگا۔ ولایت کا ملہ تجھ کو مل جائیگی"۔ (ندائے غیب صفحہ ۷)

پس خاتم النبیین کے بھی معنی یہی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے درجہ کو کوئی رسول نہ پاسکے گا۔ اور آپؐ کو نبوت کاملہ مل گئی ہے۔

۸۔ مولوی بشیر احمد صاحب دیوبندی لکھتے ہیں:۔

"خاتم الاکابر حضرت گنگوہی کی وفات نے شہادت فاروقی کا

نقشہ پیش کر دیا"۔ (رسالہ القاسم جلد۲ صفحہ ۵ : ۹)

۹۔ "خاتمۃ الحفاظ شمس الدین ابی الخیر محمد بن محمد بن محمد الجزری الدمشقی"۔ (دیباچہ تجرید بخاری صفحہ ۵)

۱۰۔ مولانا شبلی نعمانی لکھتے ہیں :۔

"غالب اور ذوق جو خاتم الشعراء ہیں۔ ان کے ہاں وہ الفاظ بے تکلف ملتے ہیں۔ جن کو شیخ ناسخ مدتوں سے چھوڑ چکے تھے"۔

(موازنۂ انیس و دبیر صـ۲۹)

۱۱۔ مولانا حالی لکھتے ہیں :۔

"قاآنی کو اہلِ ایران خاتم الشعراء سمجھتے ہیں"۔

(حیاتِ سعدی حاشیہ صـ۴۷)

اور "شیخ علی حزین . . . . کو ہندوستان میں خاتم الشعراء سمجھتے ہیں"۔ (حیات سعدی صـ۱۰۱)

۱۲۔ فارس کا مشہور شاعر انوری بادشاہ غیاث الدین کی تعریف میں کہتا ہے :۔ ؎

برتو سلطانیت ختم و بر منِ مسکیں سخن

چوں شجاعت بر علیؓ و بر نبیؐ پیغمبری

۱۳۔ "خاتم الحفاظ والمجتہدین مجدد الماۃ التاسعۃ الشیخ ابی الفضل جلال الدین عبد الرحمٰن السخاوی بن ابی بکر الشہیر بالسیوطی"۔ (الموضوع فی احادیث الموضوع صفحہ ۳)

مصنفہ امام محمدؒ طاہر)۔

۱۴۔ ابو تمام الطائی مؤلف حماسہ کی وفات پر حسن بن وہب (ایک عربی شاعر) مرثیہ لکھتا ہے:۔

فُجِعَ الْقَرِیْضُ بِخَاتَمِ الشُّعَرَاءِ
وَغَدِیْرِ رَوْضَتِھَا حَبِیْبِ الطَّائِیْ

(وفیات الاعیان لابن خلکان جلد ۱ ص۱۲۳ مصری)

کہ شاعری کو بہت رنج پہنچا ہے۔ خاتم الشعراء (یعنی ابو تمام) اور حبیب الطائی جو شاعری کے صحن کا حوض تھا (کی وفات) سے اس شعر میں (ابو تمام) کو خاتم الشعراء قرار دیا گیا ہے۔ کیا شاعر کا مطلب یہ ہے کہ ابو تمام کے بعد کوئی شاعر پیدا نہ ہوگا؟ یہ بحث نہیں۔ کہ ابو تمام فی الواقع خاتم الشعراء ہے یا نہیں؟ بہر حال حسن بن وہب تو اُسے خاتم الشعراء کہتا ہے۔ حالانکہ وہ خود شاعر ہے۔ اور یہ بھی شعر ہے۔ بہر حال محاورہ زبان ثابت ہے۔

۱۵: "خَاتَمُ الْمُحَدِّثِیْنَ وَالْمُفَسِّرِیْنَ مولانا شاہ عبدالعزیز عَلَیْہِ الرَّحْمَۃ" (ھدیۃ الشیعہ مصنفہ محمد قاسم نانوتوی بانی دیوبند ص۴)

۱۶ حضرت امام رازیؒ فرماتے ہیں:۔ بِمِنْدِ ھٰذِہِ الدَّرَجَۃِ مَازُوْا بِالْخِلَعِ الْاَرْبَعَۃِ الْوُجُوْدِ۔ وَالْحَیَاۃِ۔ وَالْقُدْرَۃِ۔ وَالْعَقْلِ۔ فَالْعَقْلُ خَاتَمُ الْکُلِّ۔ وَالْخَاتَمُ یَجِبُ اَنْ یَکُوْنَ اَفْضَلَ اَلَا تَرٰی اَنَّ رَسُوْلَنَا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَمَّا کَانَ

خَاتَمَ النَّبِيِّيْنَ كَانَ اَفْضَلَ الْاَنْبِيَاءِ عَلَيْهِمُ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ وَالْاِنْسَانُ لَمَّا كَانَ خَاتَمَ الْمَخْلُوْقَاتِ الْجِسْمَانِيَّةِ كَانَ اَفْضَلَهَا كَذَالِكَ الْعَقْلُ لَمَّا كَانَ خَاتَمَ الْخِلَعِ الْفَائِضَةِ مِنْ حَضْرَةِ ذِي الْجَلَالِ كَانَ اَفْضَلَ الْخِلَعِ وَاَكْمَلَهَا" (تفسیر کبیر جلد ۶ صـ ۳۱ مصری)

یعنی اس مقام پر پہنچکر انسان چار خلعتوں سے فائز کیا جاتا ہے یعنی وجود حیات۔ قدرت اور عقل اور عقل ان سب کی خاتم ہے۔ اور خاتم کے لئے ضروری ہے کہ "افضل" ہو۔ کیا تو نہیں دیکھتا کہ ہمارے رسول کریم صلعم بوجہ "خاتم النبیین ہونے کے تمام انبیاء علیہم السلام سے "افضل" تھے۔ اور اسی طرح انسان بوجہ خاتم المخلوقات ہونے کے تمام مخلوقات جسمانی سے افضل ہے۔ اسی طرح عقل بھی بوجہ ان چاروں خلعتوں کی خاتم ہونے کے سب خلعتوں سے "افضل" اور اکمل ہے۔ پس صاف ثابت ہوا کہ خاتم کے جو معنی ہم نے یہاں کئے ہیں وہی درست ہیں۔

۱۷۔ امام زرقانی "خاتم النبیین" کے معنی لکھتے ہیں:۔

"وَالْخَاتَمَ . . . اَمَّا بِفَتْحِهَا مَعْنَاهُ اَحْسَنُ الْاَنْبِيَاءِ خَلْقًا وَخُلُقًا لِاَنَّهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَمَالُ الْاَنْبِيَاءِ كَالْخَاتَمِ الَّذِي يُتَجَمَّلُ بِهِ وَاَمَّا بِالْكَسْرِ . . . فَمَعْنَاهُ اٰخِرُ الْاَنْبِيَاءِ" (شرح مواہب اللدنیہ جلد ۳ صـ ۱۶۴ مطبوعہ مصر)

کہ ت کی زبر کے ساتھ خاتم النبیین کے معنی ہیں "احسن الانبیاء" (یعنی

سب نبیوں سے اچھا نبی) بلحاظ صورت و سیرت کے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمام نبیوں کا جمال ہیں۔ انگوٹھی کی طرح جس سے خوبصورتی حاصل کی جاتی ہے۔ اور ت کی زیر کے ساتھ ہو تو خاتِم کے معنی ہیں آخری نبی"۔

یاد رہے قرآن مجید میں ت کی زبر کے ساتھ ہی خاتَم ہے۔ نہ کہ زیر کے ساتھ

۱۸۔ مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی بانیٔ دیوبند لکھتے ہیں:۔

"ہمارے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی افضلیت کا اقرار بشرطِ فہم و انصاف ضرور ہے۔ علیٰ ہذا القیاس جب یہ دیکھا جاتا ہے کہ علم سے اوپر کوئی صنعت نہیں جس کو عالم سے تعلق ہو تو خواہ مخواہ اس بات کا یقین پیدا ہو جاتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہ تمام مراتب کمال ایسی طرح ختم ہو گئے جیسے بادشاہ پر مراتب حکومت ختم ہو جاتے ہیں۔ اس لئے بادشاہ کو خاتم الحکام کہہ سکتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم الکاملین اور خاتم النبیین کہہ سکتے ہیں۔ کیونکہ جس شخص پر مراتبِ کمال ختم ہو جائیں تو بایں وجہ کہ نبوت سب کمالات بشری میں اعلیٰ ہے۔ چنانچہ مسلّم بھی ہے ...... سوائے آپؐ کے کسی نبی نے دعوئ خاتمیت نہ کیا۔ بلکہ انجیل میں حضرت عیسےٰ کا یہ ارشاد کہ جہان کا سردار آتا ہے خود اس بات پر شرط ہے۔ کہ حضرت عیسیٰ خاتم نہیں۔ کیونکہ حسبِ ارشادِ مثالِ خاتمیتِ بادشاہ۔ خاتم وہی ہو گا جو سارے جہان کا سردار ہو۔ اس وجہ سے ہم رسول اللہ

صلے اللہ علیہ وسلم کو سب سے افضل سمجھتے ہیں۔ پھر یہ آپؐ کا خاتم ہونا آپؐ کے سردار ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ اور بقرینۂ دعویٰ خاتمیت جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے۔ یہ بات یقینی سمجھتے ہیں کہ دو جہان کا سردار جن کی خبر حضرت عیسیٰ علیہ السلام دیتے ہیں۔ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں۔"

(حجتہ الاسلام مصنفہ مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی ص ۳۴-۳۵)

پس ثابت ہوا کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے اہل عرب کے محاورہ زبان کے مطابق خاتم النبیین کے معنی "افضل الانبیاء" کے ہیں۔ ختم کے معنی پنجابی۔ اُردو فارسی میں آخری اور انقطاع کے بیشک ہوں۔ جس طرح لفظ مکر کے معنے اُردو فارسی میں دھوکہ کے ہیں مگر عربی میں تدبیر کرنے کے۔ اسی طرح "خاتم" کے جمع کے صیغے کی طرف مضاف ہونے کی صورت میں عربی زبان میں بجز "افضل" اور صاحبِ کمال کے کوئی معنے نہیں آتے

نوٹ۔ خاتم القوم عربی زبان کا کوئی محاورہ نہیں اور نہ کسی عرب نے کبھی اس کو استعمال کیا ہے۔ ہمارا مطالبہ یہ ہے کہ استعمال محاورہ ثابت کرو۔ آج اگر مؤلف لسان العرب یا تاج العروس ہمارے زمانہ میں زندہ ہوتے۔ تو ہم ان سے دریافت کرتے کہ آپ نے جو "خاتم النبیین" کے معنے "ختم کرنیوالا" کئے ہیں۔ اسکے لئے اہل زبان کے کونسے مستعمل محاورہ کی آپ کے پاس سند ہے۔ پس آج جو شخص ان لوگوں کا قائم مقام ہو کر ہم سے ختم نبوت پر بحث کرتا ہے اس سے ہمارا حق ہے کہ یہ مطالبہ کریں کہ وہ اہلِ زبان کا محاورہ پیش کرے۔

لغت کی کتابوں سے ہماری بھی تائید ہوتی ہے۔ مجمع بحار الانوار میں جو لغت کی کتاب ہے۔ لفظ خاتم کے نیچے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ قول لکھا ہے:۔

"قُوْلُوْا اِنَّہٗ خَاتَمُ الْاَنْبِیَاءِ وَلَا تَقُوْلُوْا لَا نَبِیَّ بَعْدَہٗ" (تکملہ ص۸۵ نیز دیکھو درمنثور جلد ۵ ص۲۰۴) کہ یہ تو کہو کہ آنحضرت صلعم خاتم النبیین ہیں۔ مگر یہ کبھی نہ کہنا۔ کہ آپؐ کے بعد کوئی نبی نہ آوے گا۔ اس کے آگے لکھا ہے:۔

ھٰذَا نَاظِرٌ عَلٰی نُزُوْلِ عِیْسٰی وَھٰذَا اَیْضًا لَا یُنَافِیْ حَدِیْثَ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ لِاَنَّہٗ اَرَادَ لَا نَبِیَّ یَنْسَخُ شَرْعَہٗ (تکملہ ص۸۵)

کہ یہ قول حضرت عائشہ صدیقہؓ کا نزول مسیح کا مؤید (محافظ) ہے۔ اور لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ والی حدیث کا بھی مخالف نہیں۔ کیونکہ "خَاتَمَ النَّبِیِّیْنَ" والی آیت اور حدیث لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ کا مطلب تو یہ ہے کہ آنحضرت صلعم کے بعد کوئی ایسا نبی نہیں جو آنحضرتؐ کی شریعت کو منسوخ کرے۔

۲۔ اسی طرح مجمع البحار جلد ا ص۳۲۹ پر لکھا ہے۔ "اُوْتِیْتُ ... خَوَاتِمَہٗ اَیِ الْقُرْاٰنُ خُتِمَتْ بِہِ الْکُتُبُ السَّمَاوِیَّۃُ وَھُوَ حُجَّۃٌ عَلٰی سَائِرِھَا وَ مُصَدِّقٌ لَھَا" کہ جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں۔ اسی طرح قرآن بھی خاتم الکتب ہے ان معنوں میں کہ وہ سب کتابوں کی مصدق ہے۔

الجواب ۲ "خَاتَمْ" کے معنے انگوٹھی کے ہوتے ہیں۔ اور انسان

انگوٹھی زینت کے لئے پہنتا ہے۔ پس "خاتم النبیین" کے معنے نبیوں کی زینت ہوئے۔ چنانچہ ان معنوں کی تائید تفسیر فتح البیان جلد ۷ صفحہ ۲۸۶ سے ہوتی ہے۔

"صَارَ کَالْخَاتَمِ لَهُمُ الَّذِیْ یَخْتَمُوْنَ بِهٖ وَیَتَزَیَّنُوْنَ بِکَوْنِهٖ مِنْهُمْ"۔ یعنے آنحضرت صلعم انبیاء کے لئے انگوٹھی بن گئے (جس سے مہر لگائی جاتی ہے) ان معنوں میں کہ انبیاءؑ اس وجہ سے کہ آنحضرتؐ ان میں سے ایک ہیں۔ آپؐ کے وجود سے زینت حاصل کرتے ہیں۔

(ب) مجمع البحرین میں "خاتم النبیین" کے یہ معنی لکھے ہیں:۔
"خَاتَمٌ بِمَعْنَی الزِّیْنَةِ مَاخُوْذٌ مِنَ الْخَاتَمِ الَّذِیْ هُوَ زِیْنَةٌ لِلَابِسِهٖ"۔ کہ خاتم کے معنے زینت کے ہیں۔ اور یہ معنے انگوٹھی سے نکلے ہیں۔ جو پہننے والے کے لئے زینت کا موجب ہوتی ہے۔

(ج) اِن معنوں کی تائید عربی کے مشہور شاعر ابن معتوق کے قصیدہ میمیہ کے اس شعر سے ہوتی ہے جو اُس نے آنحضرت صلعم کی مدح میں کہا ہے ؎

طَوْقُ الرِّسَالَةِ تَاجُ الرُّسُلِ خَاتَمُهُمْ
بَلْ زِیْنَةٌ لِعِبَادِ اللّٰهِ کُلِّهِمْ

(کتاب المجموعة النبهانیة جزو ۴)

کہ آنحضرت صلعم نبوت کی مالا ہیں۔ آپؐ نبیوں کا تاج اور ان کی انگوٹھی (خاتم) ہیں۔ نہیں (صرف نبیوں ہی کے نہیں بلکہ اس سے بڑھ کر) خدا کے تمام بندوں کے لئے زینت ہیں۔

اِس شعر میں طوق (مالا) "تاج" اور خاتم (انگوٹھی) تینوں زینت کے معنوں میں استعمال ہوئے ہیں۔ چنانچہ لفظ "بل" کے ساتھ "زینت" کا لفظ خود پکار پکار کر کہہ رہا ہے۔ اس شعر میں لفظ "خاتم" "آخری کے معنے میں نہیں بلکہ زینت کے معنے میں آتا ہے۔ نیز چونکہ انگوٹھی انگلی کو گھیر لیتی ہے۔ اس لئے اس لحاظ سے خاتم النبیین کے معنی ہونگے کہ تمام انبیاء کے کمالات کو اپنے اندر جمع کر لینے والا۔

۳۔ تذکرۃ الاولیاء مصنفہ جناب شیخ فرید الدین عطارؒ میں لکھا ہے:۔

"مجذوب کے لئے چند درجے ہیں۔ بعض کو ان سے ایک تہائی دیتے ہیں اور بعض کو آدھی اور بعض کو آدھی سے زیادہ۔ جبکہ اس درجہ کو پہنچتا ہے۔ تو وہ مجذوب نبوت کے حصے کے سبب سے تمام مجذوبوں سے بڑھ جاتا ہے اور خاتم الاولیاء ہوتا ہے اور سردار تمام ولیوں کا۔ جیسا کہ ہمارے پیغمبر حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء تھے۔ (تذکرۃ الاولیاء باب ۸۰ حضرت حکیم محمد علی الترمذی)۔

نوٹ:۔ مندرجہ بالا اردو ترجمہ انوار الازکیاء و ترجمہ اردو تذکرۃ الاولیاء مطبع مجیدی کانپور کے صفحہ ۵۳۷ سے لیا گیا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السّلام اور لفظِ خاتَم کا استعمال

بعض غیر احمدی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بعض اردو کتب سے "خاتم الاولاد" اور خاتم الخلفاء" وغیرہ کے محاورے پیش کیا کرتے ہیں۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ عربی زبان میں اگر لفظ "خاتَم" صیغۂ جمع کی طرف مضاف ہو تو محاورۂ عرب میں اس کے معنے بجز "افضل" کے نہیں ہوتے۔ اردو۔ فارسی اور پنجابی میں

بیشک یہ لفظ "آخری" کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ جیساکہ ہم اُوپر لفظ "مکر" کی مثال دے کر واضح کر چکے ہیں کہ یہ لفظ اُردو۔ فارسی اور پنجابی میں "دھوکہ" اور فریب کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ لیکن عربی میں "تدبیر" کرنے کے معنوں میں۔ جیساکہ قرآن مجید میں "مَکَرُوْا وَ مَکَرَ اللّٰہُ وَ اللّٰہُ خَیْرُ الْمَاکِرِیْنَ"۔ والی آیت میں "مکر" اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہوا ہے۔

پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اگر کسی اُردو عبارت میں "خاتم الاولاد" کا محاورہ استعمال کیا ہو۔ اور اس کے معنے اگر آخری کے ہوں۔ تو ہمارے خلاف نہیں۔ کیونکہ ہماری بحث قرآن مجید کی آیت "خاتم النبیین" میں ہے۔ جو اُردو میں نہیں بلکہ عربی زبان میں ہے۔

چنانچہ خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے "خاتم" کا محاورہ جہاں زبانِ عربی میں استعمال فرمایا ہے۔ وہاں اس کے معنے "افضل" ہی کے ہیں۔ جیساکہ فرماتے ہیں:-

هُوَ خَاتَمُ الْحَسِیْنِیْنَ وَالْجَمِیْلِیْنَ
کَمَا اِنَّہٗ خَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ وَالْمُرْسَلِیْنَ

(آئینہ کمالات اسلام ص ۵۶۳) یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمام حسینوں اور جمیلوں کے "خاتم" ہیں جس طرح آپؐ رسولوں اور نبیوں کے "خاتم" ہیں۔

پس صاف طور پر ثابت ہوا۔ کہ عربی محاورہ کے لحاظ سے حضرت اقدس ؑ بھی "خاتم" کو "افضل" ہی کے معنوں میں استعمال فرماتے تھے۔

ایک دُوسری جگہ یہ عربی عبارت لکھتے ہیں :۔

"فَحِيْنَئِذٍ تَكُوْنُ وَارِثَ كُلِّ نَبِيٍّ وَّرَسُوْلٍ وَبِكَ تُخْتَمُ الْوَلَايَةُ" اور اس عربی عبارت کا ترجمہ حضورؑ اپنی طرف سے یہ کرتے ہیں۔

"خدا تعالیٰ تجھے اپنے نبیوں اور رسولوں کا وارث بنائے گا۔ یعنی اُن کے علوم و معارف اور برکات جو مخفی اور ناپدید ہو گئے تھے ۔ وہ از سرِ نو تجھے عطا کئے جائیں گے ۔ اور ولایت تیرے پر ختم ہوگی۔ یعنی تیرے بعد کوئی نہیں آئیگا۔ جو تجھ سے بڑا ہو۔" (برکات الدعا۔ حاشیہ صفحہ ۱۴ و ۱۵)

دوسری آیت :۔ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ۔

الجواب ۔ یہ آیت تو امکان نبوت کی دلیل ہے۔ (تفصیل دیکھو دلائل امکان نبوت بارھویں دلیل صفحہ ۴۷)

اگر کہو کہ "اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ" میں "نعمت" سے مراد نبوت ہے۔ اور وہ تمام ہو گئی۔ یعنی ختم ہو گئی ۔ تو اس کا جواب یہ ہے :۔

۱ ۔ قرآن میں توراۃ کے متعلق ہے۔ تَمَامًا عَلَى الَّذِيْ اَحْسَنَ وَتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ (انعام ع ۱۹) گویا توراۃ "تمام" تھی مگر اسکے بعد پھر کتاب آگئی۔ (قرآن) پس جس طرح اِتمام کتاب کے بعد کتاب آگئی۔ اسی طرح اِتمام نعمت کے بعد نعمت آگئی۔ فلا اعتراض

۲ ۔ اس آیت میں تو "اتمام نعمت" کا ذکر ہے۔ اور نعمت صرف نبوت ہی نہیں بلکہ بادشاہت ۔ صدیقیت ۔ شہادت ۔ صالحیت یہ سب نعمتیں ہیں۔ جیسا کہ

اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَاۗءِ
وَالصّٰلِحِيْنَ (نساء ع ۹) نیز يٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ
جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْبِيَاۗءَ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا (مائدہ ع ۴) پس اگر اَتْمَمْتُ
عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرتؐ کے بعد نبوت بند ہو گئی ہے۔ تو
پھر امت محمدیہ میں بادشاہی۔ صدیقیت اور شہادت اور صالحیت سب
بند ہو گئیں۔ مگر یہ خلاف واقعہ ہے۔ پس تمہارا ترجمہ غلط ہے۔ اور صحیح
ترجمہ یہ ہے کہ تم کو پوری نعمت دی گئی۔

۳۔ قرآن مجید میں ہے کہ جب حضرت یوسفؑ نے اپنا خواب حضرت
یعقوبؑ کے سامنے بیان کیا۔ تو انہوں نے جواب دیا
يُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَعَلٰى يَعْقُوْبَ كَمَآ اَتَمَّهَا عَلٰٓى اَبَوَيْكَ
مِنْ قَبْلُ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ (یوسف ع ۱) کہ خدا تعالیٰ چاہتا ہے
کہ تجھ پر اپنی نعمت تمام کرے۔ جس طرح اس نے تیرے باپ دادے ابراہیم
و اسحاق پر اپنی نعمت تمام کی تھی۔ گویا حضرت ابراہیم علیہ السلام پر بھی نعمت
تمام ہوئی۔ پھر حضرت اسحٰق۔ یعقوب و یوسف علیہم السلام پر نعمت تمام
ہوئی۔ اور پھر آنحضرت صلعم کے ذریعہ مسلمانوں پر بھی نعمت تمام ہوئی۔ اس
کے معنے بند کرنا کس طرح ہوئے؟ کیا حضرت ابراہیمؑ اور اسحاقؑ پر
نبوت بند ہو گئی تھی؟ پس اس کے معنے ہیں کہ میں نے تم کو پوری پوری نعمت
دی ہے۔ اس آیت کا ترجمہ تفسیر حسینی میں مندرجہ ذیل درج ہے
"اور پوری کرے گا اپنی نعمت کہ نبوت ہے۔ تجھ پر اور اولاد یعقوب پر

یعنی تیرے بھائیوں پر ایک قول کے بموجب انہیں پیغمبر کہتے ہیں۔ یا یعقوب علیہ السلام کی نسل پر۔ اس میں انبیاء علیہم السلام پیدا کرے گا۔

(تفسیر حسینی جلد ۱ صفحہ ۴۸۵ تفسیر سورۃ یوسف ۱۴)

پس "اتمام نعمت" بر امت محمدیہ" کے معنی یہ ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ امت محمدیہ میں سے نبی پیدا کرے گا جس طرح آل یعقوب پر اتمام نعمت سے مراد ان میں نبی پیدا کرنا تھی۔

تیسری آیت:۔ "وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ" چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمام دنیا کے لئے رسول ہیں لہٰذا اب کوئی نبی نہیں آسکتا۔

الجواب:۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام تمام بنی اسرائیل کی طرف رسول بنے گیا ان کے بعد بنی اسرائیل ہی کے لئے حضرت داؤد۔ سلیمان اور حضرت عیسےٰ علیہم السلام نبی ہو کر نہیں آئے؟ پس آنحضرت صلعم تمام دنیا کی طرف رسول ہیں۔ آپ کے بعد جو رسول آپؐ کی اتباع میں آئے گا۔ وہ بھی تمام دنیا کی طرف ہوگا۔

۲۔ قرآن مجید تمام دنیا کے لئے شریعت ہے۔ پس جو نبی قرآن کی اشاعت کے لئے آئے گا وہ بھی ساری دنیا ہی کی طرف آئے گا۔

۳۔ حضرت عیسےٰ علیہ السلام جو بقول غیر احمدی آئیں گے وہ کن لوگوں کی طرف آئیں گے؟

چوتھی آیت:۔ "وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ" چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمام دنیا کے لئے رحمت ہو کر آئے ہیں۔ اس لئے اب کسی

نبی کے لئے گنجائش نہیں۔

الجواب:۔ تیسری دلیل کا جواب پڑھو۔

پانچویں آیت: یٰاَیُّھَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا۔

الجواب:۔ تیسری دلیل کا جواب پڑھو۔

چھٹی آیت: "یُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِکَ" مِنْ قَبْلِکَ بتاتا ہے۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی وحی نازل نہ ہوگی۔

الجواب:۔ ۱۔ عدم ذکر سے عدم شئے لازم نہیں آتا۔ اگر اس آیت میں آنحضرت صلعم کے بعد میں آنے والے انبیاء کا ذکر نہیں۔ تو دوسری آیات میں بصراحت موجود ہے (دیکھو دلائل امکان نبوت)

۲۔ سورہ یوسف میں ہے کَمَآ اَتَمَّھَا عَلٰٓی اَبَوَیْکَ مِنْ قَبْلُ کیا حضرت اسحاق کے بعد حضرت یوسف علیہ السلام پر اتمام نعمت نہیں ہوئی؟ خود اسی آیت میں یُتِمُّ نِعْمَتَہٗ عَلَیْکَ کا جملہ تمہارے معنوں کی تردید و تغلیط کر رہا ہے۔ اسی طرح "اَللّٰہُ یَصْطَفِیْ" اور یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ اِمَّا یَاْتِیَنَّکُمْ رُسُلٌ مِّنْکُمْ کی آیات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد میں آنے والے انبیا کا پتہ دیتی ہیں

آنحضرت صلعم کے بعد وحی

۳۔ علامہ ابن حجر الہیثمی سے جب پوچھا گیا۔ کہ جب مسیح موعودؑ آئیگا تو اس پر وحی نازل ہوگی؟ تو انہوں نے جواب دیا:۔

"نَعَمْ یُوْحِیْ اِلَیْهِ عَلَیْهِ السَّلَامُ وَحْیٌ حَقِیْقِیٌّ کَمَا فِیْ حَدِیْثِ مُسْلِمٍ" (روح المعانی جلد ۵ صفحہ ۶۵) ہاں خداتعالےٰ ان پر وحی حقیقی نازل کرے گا۔ جیسا کہ مسلم کی حدیث میں ہے:۔

۴۔ حدیث مسلم میں ہے "یَقْتُلُ عِیْسٰی الدَّجَّالَ عِنْدَ بَابِ لُدٍّ الشَّرْقِیِّ فَبَیْنَمَا هُمْ کَذٰلِکَ اِذَا اَوْحَی اللّٰهُ اِلٰی عِیْسَی ابْنِ مَرْیَمَ اِنِّیْ قَدْ اَخْرَجْتُ عِبَادًا مِنْ عِبَادِیْ" (مسلم و مشکوٰۃ صفحہ ۴۶۹ باب العلامات بین یدی الساعۃ) کہ مسیح موعودؑ دجال کو باب لد مشرقی پر قتل کرے گا۔ اور جب وہ اس حالت میں ہوں گے۔ تو خداتعالےٰ مسیح موعود پر وحی کرے گا۔ کہ میں نے اپنے بندوں میں سے بعض بندے تیری حمایت میں نکالے ہیں۔

۵۔ اس حدیث کو نقل کر کے نواب صدیق حسن خانصاحب حجج الکرامہ میں لکھتے ہیں:۔ "و ظاہر آنست کہ آرندہ وحی بسوئے او جبرائیل علیہ السلام باشد بلکہ ہمیں یقین داریم و دراں تردّدی نمیکنیم چہ جبرائیل سفیر خدا است درمیان انبیاء علیہم السلام و فرشتہ دیگر برائے ایں کار معروف نیست" (حجج الکرامہ صفحہ ۴۳۱)

کہ ہمیں یقین ہے کہ مسیح موعود کی طرف جبرائیل ہی وحی لے کر آویں گے کیونکہ انبیاء کی طرف خدا کی وحی لانے کے لئے وہی مقرر ہیں۔ اور ان کے سوا کوئی دوسرا فرشتہ اس کام پر مقرر نہیں ہے۔

۶۔ علامہ ابن حجر الہیثمی فرماتے ہیں:۔ "وَذٰلِکَ الْوَحْیُ عَلٰی

لِسَانِ جِبْرِيْلَ اِذْ هُوَ السَّفِيْرُ بَيْنَ اللّٰہِ تَعَالٰی وَاَنْبِيَائِہٖ
(روح المعانی جلد ۷ صفحہ ۶۵)

۷۔ علامہ ابن حجر مذکور فرماتے ہیں۔ وَخَبْرُ لَا وَحْیَ بَعْدِیْ بَاطِلٌ وَمَا اشْتَھَرَ اَنَّ جِبْرِیْلَ لَا یَنْزِلُ اِلَی الْاَرْضِ بَعْدَ مَوْتِ النَّبِیِّ صلعم فَھُوَ لَا اَصْلَ لَہٗ (روح المعانی جلد ۷ صفحہ ۶۵)

۸۔ اس کا ترجمہ فارسی میں نواب صدیق حسن خانصاحب نے یہ کیا ہے:۔
"وآنکہ بر السنۂ عامہ مشہور شدہ کہ نزول جبرائیلؑ بسوئے ارض بعد موت رسول خدا صلعم نشود بے اصل محض است۔" (حجج الکرامہ صفحہ ۴۳۱) کہ یہ حدیث کہ میرے بعد کوئی وحی نہیں باطل ہے (موضوع ہے) اور یہ جو عام طور پر مشہور ہے۔ کہ جبرائیل وفات نبوی کے بعد زمین پر نازل نہیں ہونگے اس کی کوئی بنیاد نہیں۔

ان کی وجوہ کی بناء پر مِنْ قَبْلِكَ سے غیر احمدیوں کا استدلال باطل ہے

سانویں آیت:۔ عَلٰی فَتْرَۃٍ مِّنَ الرُّسُلِ۔

جواب:۔ "فترۃ" کے معنی ختم ہو جانا نہیں۔ بلکہ اس کے معنی "وقفہ" کے ہیں۔ جو دو رسولوں کے درمیان ہوتا ہے۔ چنانچہ لغت میں لکھا ہے:۔

"Interval between two fits of fever, between the missions of two prophets, truce"

(الفرائد الدریہ صفحہ ۵۴۲) یعنی فترۃ کے معنی ہیں بخار کے دو حملوں کا درمیانی

وقفہ۔ دونبیوں کا درمیانی زمانہ۔ عارضی صلح۔

پس آیت کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عیسےٰ کے بعد جب ایک وقفہ پڑ گیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی بنا کر بھیجا گیا۔ چنانچہ لکھا ہے:۔

"وَالْفَتْرَۃُ الَّتِیْ کَانَتْ بَیْنَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَعِیْسَی ابْنِ مَرْیَمَ" (بحر المحیط جلد ۳ صفحہ ۵۲ مصری)

کہ فترۃ سے مراد وہ زمانہ ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عیسٰی علیہ السلام کے درمیان گزرا۔

(۳) حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:۔

"نَبِیٌّ اَتَانَا بَعْدَ یَاْسٍ وَفَتْرَۃٍ - مِنَ الرُّسُلِ وَالْاَوْثَانُ فِی الْاَرْضِ تُعْبَدُ"

(دیوان حسان) یعنی ہمارے پاس محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یاس اور فترۃ کے بعد آئے ہیں۔ (یعنی ایسے وقت جبکہ کافی عرصہ نبی کو مبعوث ہوئے گزر چکا تھا) اور حالت یہ ہے کہ زمین میں بتوں کی پرستش کی جاتی ہے۔

(۴) یہ آیت تو امکان نبوت کی دلیل ہے کیونکہ اس میں بتایا گیا ہے کہ اس خیال سے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کے بعد ایک لمبے عرصہ تک کسی نبی کے مبعوث نہ ہونے کی وجہ سے لوگ یہ خیال کرنے لگ جائیں کہ شاید خدا تعالےٰ نے اب نبی بھیجنا ہی بند کر دیا ہے۔ اللہ تعالےٰ نے نبی بھیج دیا۔ "اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَآءَنَا مِنْۢ بَشِیْرٍ وَّلَا نَذِیْرٍ" تا کہ تم یہ نہ کہہ سکو کہ ہمارے پاس کوئی نبی نہیں آیا۔

احادیث

پہلی حدیث :- لَا نَبِیَّ بَعْدِی (بخاری)

الجواب :- اس حدیث کی دوسری روایت ہے :-

"قَالَ عَلَیْہِ السَّلَامُ یَا عَلِیُّ اَمَا تَرْضٰی اَنْ تَکُوْنَ مِنِّی کَھَارُوْنَ مِنْ مُوْسٰی غَیْرَ اَنَّکَ لَسْتَ نَبِیًّا" (طبقات الکبیر جلد ۵ صہ ۱۵)

کہ آنحضرت نے فرمایا تھا - کہ اے علی کیا تو خوش نہیں کہ تو مجھے ایسا ہی ہے جس طرح موسیٰ علیہ السلام کو ہارون مگر فرق یہ ہے - کہ میرے بعد تو نبی نہیں ہوگا۔ "لَسْتَ نَبِیًّا" نے "لَا نَبِیَّ بَعْدِی" کی تشریح کر دی - کہ آنحضرت صلعم کا خطاب عام نہیں - بلکہ خاص حضرت علی کو ہے -

۲- اسی بخاری میں آنحضرت صلعم کی بعینہ ایسی ہی ایک اور حدیث ہے :-

عَنْ اَبَا ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلعم اِذَا ھَلَکَ کِسْرٰی فَلَا کِسْرٰی بَعْدَہٗ وَاِذَا ھَلَکَ قَیْصَرُ فَلَا قَیْصَرَ بَعْدَہٗ (بخاری کتاب الایمان والنذور باب کیف کانت یمین النبی جلد ۴ صہ ۹۱ مصری) آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ جب کسریٰ مرے گا - تو اس کے بعد کوئی کسریٰ نہ ہوگا - اور جب یہ قیصر مرے گا تو اس کے بعد کوئی قیصر نہ ہوگا۔

اپنے متعلق "لَا نَبِیَّ بَعْدِی" اور قیصر کے متعلق "لَا قَیْصَرَ بَعْدَہٗ" فرمایا۔ کیا قیصر کے بعد کوئی قیصر نہیں ہوا؟ اور کیا کسریٰ شاہ ایران کے بعد اور کوئی کسریٰ نہیں ہوا؟ اگر ہوئے ہیں - اور نسلاً بعد نسلٍ ہوتے رہے ہیں - تو پھر حدیث لَا قَیْصَرَ بَعْدَہٗ اور لَا کِسْرٰی بَعْدَہٗ کے کیا معنے ہیں - اگر اس کے

معنے یہ ہیں کہ اس قیصر و کسریٰ کے بعد اس شان کے قیصر و کسریٰ نہ ہوں گے۔

جیسا کہ فتح الباری شرح صحیح بخاری جلد ۶ میں اس حدیث کا مطلب ؛

"مَعْنَاهُ لَا قَيْصَرَ بَعْدَهُ يَمْلِكُ مِثْلَ مَا يَمْلِكُ هُوَ" کہ اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ جب یہ قیصر مر جائیگا۔ تو اس کے بعد کوئی ایسا قیصر نہ ہوگا۔ جو اس طرح حکومت کرے جس طرح یہ کرتا ہے تو "لَا نَبِيَّ بَعْدِي" کا مطلب بھی یوں ہوگا کہ آپ جیسا نبی آپ کے بعد نہیں ہوگا۔ یہ "لا" موصوف کی نفی کیلئے ہوتا جیسا کہ مشہور مقولہ "لَا فَتىٰ اِلَّا عَلِيٌّ لَا سَيْفَ اِلَّا ذُوالْفِقَار" کیا حضرت علیؓ کے بعد کوئی جوان نہیں ہوا؟ اور کیا ذوالفقار کے بعد کوئی تلوار نہیں بنی؟ پس اس میں حضرت علی جیسے جوان کی اور ذوالفقار جیسی تلوار کی نفی ہے۔ مطلق نفی نہیں جیسی کہ "لا" نفی جنس میں مطلق نفی ہوتی ہے۔ پس "لا" نفی جنس کا نہیں۔ بلکہ صفت موصوف کی نفی کے لئے آیا ہے۔

نوٹ :- بعض غیر احمدی ایام الصلح کے حوالہ سے کہا کرتے ہیں۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تحریر فرمایا ہے۔ "لا" نفی عام کے لئے ہے۔ تو اس کے متعلق یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ حوالہ ایام الصلح پر حضرت اقدس بحث حضرت مسیح ناصری کی بعثت ثانی کے متعلق فرما کر یہ ثابت کر رہے ہیں۔ کہ پہلا مسیح ناصری واپس نہیں آسکتا۔ اور یہ کہہ کر غیر احمدیوں کو ملزم کر رہے ہیں کہ جب "لَا نَبِيَّ بَعْدِي" کے مطابق نبوت بند ہو گئی۔ اور "لا" نفی عام کے لئے ہے۔ تو پھر کس طرح آنحضرتؐ کے بعد مسیح نبی اللہ کا واپس آنا مانتے ہو؟ "لا" کو نفی عام ہونا غیر احمدیوں کو مسلم ہے۔ اور یہی بتانا حضرت اقدسؑ کا مقصود تھا۔ کیونکہ جب بقول غیر احمدیاں

"لا نبی بعدی" سے کسی قسم کا استثناء جائز ہی نہیں۔ تو پھر مسیح ناصری کی آمد ثانی کے لئے وہ استثناء کہاں سے نکالتے ہیں؟ ورنہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تو اپنا عقیدہ در بارۂ امکان نبوت ایسا واضح کر دیا ہے کہ اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش ہی نہیں۔ "لا" نفی کمال جس کا ذکر ہم نے بعض مثالیں دے کر اوپر کیا ہے اس کو حضرت اقدس نے بھی تسلیم فرمایا ہے۔ ملاحظہ ہو۔

"یاد رکھنا چاہئے کہ نفی کا اثر اسی حد تک محدود ہوتا ہے جو متکلم کے ارادہ میں متعین ہوتی ہے۔ خواہ وہ ارادہ صریحاً بیان کیا گیا ہو۔ یا اشارۃً مثلاً کوئی کہے کہ اب سردی کا نام و نشان باقی نہیں رہا۔ تو ظاہر ہے۔ کہ اس نے اپنے بلدہ کی حالت موجودہ کے موافق کہا ہے۔ اور گو اس نے بظاہر اپنے شہر کا نام بھی نہیں لیا۔ مگر اس کے کلام سے یہ سمجھنا کہ اس کا یہ دعویٰ ہے کہ کل کوہستانی ملکوں سے بھی سردی جاتی رہی ہے اور سب جگہ تیز دھوپ پڑنے لگی ہے۔ اور اس کی یہ دلیل پیش کرنا کہ جس لا کو اس نے استعمال کیا ہے۔ وہ نفی جنس کا لا ہے جس کا تمام جہان پر اثر پڑتا ہے درست نہیں۔" (تصدیق النبی ص۱)

(ب) "لا کسریٰ بعدہٗ" یعنی دوسرا کسریٰ پیدا نہیں ہوگا جو ظلم اور جور و جفا میں اس کا قائم مقام ہو۔ اس حدیث سے استنباط ہو سکتا ہے کہ۔۔۔۔۔ پھر ایسی ہی خصلت کا انسان اس قوم میں پیدا ہو محال ہے۔" (تریاق القلوب بڑی تقطیع ص۱۰۶ چھوٹا سائز ص۲۹۵)

پس حضرت اقدس نے کمالِ موصوف کی نفی والا "لا" تسلیم فرمایا ہے۔ بلکہ جو استنباط

ہم نے لا کسریٰ بعدہٗ کی حدیث سے کیا تھا۔ اس کی حرف بحرف تصدیق بھی فرما دی ہے۔

ایام الصلح کے حوالہ میں حضرت اقدس نے غیر احمدیوں کو الزامی طور پر ان کے مسلمہ عقیدہ کے رُو سے ساکت کیا ہے۔ کہ "لا نبی بعدی" کے لا، نفی عام ہے حضرت عیسیٰؑ کی استثناء کس طرح ہو سکتی ہے۔ گویا یہ دلیل اس شخص کے لئے ہے جو حیاتِ مسیح کا تو قائل ہو۔ مگر نبوت کو آنحضرت صلعم کے بعد بند مانتا ہو۔ مگر حضرت اقدس تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قطعی طور بموجب نصوص صریحہ قرآنیہ و حدیثیہ و وحی الٰہی وفات یافتہ تسلیم کرتے تھے۔ حضور کے نزدیک مسیح ناصری کا واپس آنا اس لئے محال نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں۔ بلکہ اس لئے کہ مُردہ واپس دنیا میں نہیں آیا کرتا۔

حضرت اقدس کی یہ دلیل اسی طرح کی ہے۔ جس طرح ہم نے وفات مسیح کے دلائل کے ضمن میں "اسمہٗ احمد" والی پیشگوئی کو پاکٹ بک ہذا میں درج کیا ہے اور یہ ثابت کیا کہ اگر حضرت مسیح ناصری دنیا میں واپس آجائیں۔ تو اندریں صورت وہ آنحضرت صلعم کے "بعد" اور آنحضرت صلعم سے "قبل" ہو جائیں گے۔ حالانکہ پیشگوئی اسمہٗ احمد میں "احمد" رسول کو بہرحال حضرت مسیح سے "بعد" میں ہونا چاہیئے تھا۔

اب کوئی تمہارے جیسا عقلمند ہمارے اس استدلال کو لے کر کھڑا ہو جائے اور شور مچا دے کہ دیکھو مصنف احمدیہ پاکٹ بک کا مذہب یہ ہے کہ "اسمہٗ احمد" والی پیشگوئی کے مصداق حضرت مرزا صاحب علیہ السلام نہیں۔ بلکہ

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ہیں۔ حالانکہ ظاہر ہے کہ ہم نے "اسمہٗ احمد" کی پیشگوئی سے وفات مسیح پر استدلال غیر احمدیوں کے عقیدہ کے رو سے کیا ہے۔ کیونکہ وہ "اسمہٗ احمد" کی پیشگوئی کا مصداق آنحضرت صلعم ہی کو مانتے ہیں۔

بعینہٖ اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے "لا نبی بعدی" سے وفات مسیح پر استدلال فرمایا ہے۔ کیونکہ غیر احمدی لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ کا ترجمہ "آخری نبی" ہی کرتے ہیں۔ اور "لا" کو نفیٔ عام ہی کے لئے قرار دیتے ہیں۔ ورنہ حضرت اقدسؑ کا اپنا مذہب دربارۂ امکان نبوت دوسری جگہ پر ملاحظہ فرمائیں جس میں سے ایک حوالہ یہ ہے:۔

"شریعت والا نبی کوئی نہیں آسکتا۔ اور بغیر شریعت کے نبی ہو سکتا ہے۔" (تجلیات الٰہیہ ص ۲۵)

نیز لا کے متعلق حضرت اقدس کی تحریرات سے دو۲ حوالے اوپر درج ہو چکے ہیں۔ خادمؔ

جواب ۳۔ پھر اس حدیث میں لفظ "بَعْدِیْ" بھی غور طلب ہے۔ قرآن مجید میں لفظ "بعد" مغائرت اور مخالفت کے معنوں میں بھی مستعمل ہوا ہے۔

(۱) فَبِاَیِّ حَدِیْثٍ بَعْدَ اللّٰہِ وَاٰیَاتِہٖ یُؤْمِنُوْنَ (جاثیہ ع۱) کہ اللہ اور اس کی آیات کے بعد کونسی بات پر وہ ایمان لائیں گے؟ اللہ کے بعد کیا مطلب؟ کیا اللہ کے فوت ہونے کے بعد؟ یا اللہ کی غیر حاضری میں؟ ظاہر ہے کہ یہ دونوں معنے باطل ہیں۔ پس "بعد اللہ" کا مطلب یہی ہوگا کہ اللہ کے خلاف۔ اللہ کو چھوڑ کر۔ پس یہی معنے ہیں "لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ" کے یعنی

مجھ کو چھوڑ کر یا میرے خلاف رہ کر کوئی نبی نہیں ہو سکتا۔

۲- حدیث میں ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:- فَاَوَّلْتُهُمَا كَذَّابَيْنِ يَخْرُجَانِ بَعْدِيْ اَحَدُهُمَا الْعَنْسِيُّ وَالْاٰخَرُ مُسَيْلِمَة (بخاری کتاب المغازی وفد بنی تمیم جلد ۳ صفحہ ۷۹ مصری) یعنی آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ خواب میں میں نے سونے کے جو دو کنگن دیکھے۔ اور ان کو پھونک مار کر اڑا دیا۔ تو اس کی تعبیر میں نے یہ کی۔ کہ اس سے مراد دو کذاب ہیں جو میرے بعد نکلیں گے۔ پہلا اسود عنسی ہے۔ اور دوسرا مسیلمہ ہے۔ اس حدیث میں آنحضرت صلعم نے "يَخْرُجَانِ بَعْدِيْ" فرمایا ہے کہ وہ دونوں کذاب "میرے بعد" نکلیں گے۔ یہاں "بعد" سے مراد غیر حاضری یا وفات نہیں۔ بلکہ "مخالفت" ہے۔ کیونکہ مسیلمہ کذاب اور اسود عنسی دونوں آنحضرت صلعم کی زندگی میں مدعی نبوت ہو کر آنحضرت صلعم کے بالمقابل کھڑے ہو گئے تھے۔ چنانچہ اسی بخاری میں آنحضرت صلعم کی دوسری حدیث درج ہے۔ "فَاَوَّلْتُهُمَا الْكَذَّابَيْنِ الَّذَيْنِ اَنَا بَيْنَهُمَا صَاحِبَ صَنْعَاءَ وَصَاحِبَ الْيَمَامَةِ" (بخاری کتاب الرؤیا باب النفخ فی المنام جلد ۴ صفحہ ۱۲۴)

پس میں نے اس سے مراد لی دو کذاب۔ جن کے میں اسوقت درمیان ہوں یعنی اسود عنسی اور مسیلمۃ الیمامی۔ پس "اَنَا بَيْنَهُمَا" صاف طور پر بتاتا ہے کہ دوسری روایت میں "يَخْرُجَانِ بَعْدِيْ" میں "بعدی" سے مراد میرے مدمقابل اور میرے مخالف ہی ہے۔ نہ کہ وفات یا غیر حاضری! پس "لَا نَبِيَّ بَعْدِيْ" میں بھی "بعدی" سے مراد یہ ہے کہ میرے مدمقابل اور مخالف ہو کر۔

کوئی نبی نہیں آسکتا۔ نوٹ۔ بعض غیر احمدی کہا کرتے ہیں کہ حدیث ہذا میں "بعدی" سے مراد میرا مخالف ہونا نہیں۔ بلکہ یہاں "بعد" کا مضاف الیہ محذوف ہے یعنی مراد "بَعْدَ نُبُوَّتِیْ" ہے کہ میری نبوت کے بعد۔ نیز اسی طرح سے قرآن مجید کی آیت میں "بَعْدَ اللّٰہِ" کے لفظ میں بھی "بعد" کا مضاف الیہ محذوف ہے۔ یعنی "بَعْدَ اٰیٰتِ اللّٰہِ" مراد ہے۔

الجواب:۔ یہ محض عربی زبان سے ناواقفیت کا ثبوت ہے۔ کیونکہ قرآن مجید کی محولہ بالا آیت اور حدیث "لَانَبِیَّ بَعْدِیْ" ہر دو میں "بَعْدَ" کا مضاف الیہ مذکور موجود ہے۔ چنانچہ آیت میں "بعد" کا مضاف الیہ "اللّٰہ" ہے۔ اور حدیث میں "بعد" کا مضاف الیہ "ی" ہے آیت مذکورہ میں تو "بعد" کا مضاف الیہ "اٰیٰتِ اللّٰہِ" یا "کتٰبُ اللّٰہِ" کو قرار دینا اور بھی مضحکہ خیز ہے کیونکہ اس سے نہایت قبیح تکرار آیت قرآنی میں ماننا پڑتا ہے۔ جو صریحاً ناقابل قبول ہے۔ یعنی آیت یوں بن جائے گی "فَبِاَیِّ حَدِیْثٍ بَعْدَ اٰیٰتِ اللّٰہِ وَ اٰیٰتِہٖ یُؤْمِنُوْنَ" کہ خدا تعالیٰ کی آیات اور آیات کے بعد کونسی بات کو مانوں گے۔ یا یوں ہوگا۔ کہ خدا تعالیٰ کی کتاب اور آیات کے بعد کونسی چیز مانوں گے۔

ظاہر ہے کہ آیات اور کتاب پر ایمان لانا کوئی الگ الگ چیز نہیں اور یہ بے معنی تکرار قرآن مجید میں محض اس لئے بنایا جاتا ہے۔ کہ کہیں "بعد" کے معنی "خلاف" ثابت نہ ہو جائیں۔

۲۔ دوسرا جواب اس کا یہ ہے۔ کہ اگر بقول شما "یخرجان بعدی" میں "بعد" کا مضاف الیہ محذوف ہے۔ تو ہم بھی یہ کہتے ہیں کہ "لَانَبِیَّ بَعْدِیْ"

میں بعد کا مضاف الیہ محذوف ہے اور وہ یہ ہے:۔

"بَعْدَ اِخْتِتَامِ زَمَانِ نُبُوَّتِیْ وَهُوَ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَۃ" یعنی میرے زمانۂ نبوت (جو قیامت تک ہے) کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا یعنی جو نبی آئے گا۔ وہ میرے زمانۂ نبوت میں یعنی میرے ماتحت ہو کر آئے گا۔ صاحب شریعت نبی نہ ہوگا۔ کہ میرے زمانۂ نبوت کو منسوخ کر سکے۔

لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ اور علماء گذشتہ

ہم نے "لا نبی بعدی" کے جو معنے کئے ہیں۔ بزرگانِ امت نے بھی مختلف زمانوں میں اس کے یہی معنی بیان کئے۔ چنانچہ حضرت شیخ محی الدین ابن عربی فرماتے ہیں:۔ "وَهٰذَا مَعْنٰی قَوْلِهٖ صلعم اِنَّ الرِّسَالَۃَ وَالنُّبُوَّۃَ قَدِ انْقَطَعَتْ فَلَا رَسُوْلَ بَعْدِیْ وَلَا نَبِیَّ اَیْ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ یَکُوْنُ عَلٰی شَرْعٍ یُخَالِفُ شَرْعِیْ بَلْ اِذَا کَانَ یَکُوْنُ تَحْتَ حُکْمِ شَرِیْعَتِیْ"

(فتوحات مکیہ جلد باب ۳)

"یہی معنی ہیں حدیث اِنَّ الرِّسَالَۃَ وَالنُّبُوَّۃَ قَدِ انْقَطَعَتْ اور لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ" کے کہ آنحضرت صلعم کے بعد کوئی ایسا نبی نہیں آسکتا جو آنحضرت صلعم کی شریعت کے خلاف کسی اور شریعت پر عمل کرتا ہو ہاں اگر آنحضرت صلعم کی شریعت کے حکم کے ماتحت ہو کر آئے تو پھر نبی ہو سکتا ہے۔

۲۔ حضرت امام شعرانی اپنی کتاب الیواقیت والجواہر میں فرماتے ہیں:۔

"وَقَوْلُهٗ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ وَلَا رَسُوْلَ الْمُرَادُ بِهٖ لَا مُشَرِّعَ بَعْدِیْ" (الیواقیت والجواہر جلد ۲ ص ۴۲)

کہ آنحضرت کا یہ فرمانا کہ "لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ وَلَا رَسُوْلَ" اس سے مراد یہ ہے کہ میرے بعد صاحب شریعت کوئی نبی نہ ہوگا۔

۳۔ لغت کی کتاب تکملہ مجمع البحار میں اس کے مصنف امام محمد طاہر فرماتے ہیں۔ "وَهٰذَا اَیْضًا لَا یُنَافِیْ حَدِیْثَ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ لِاَنَّهٗ اَرَادَ لَا نَبِیَّ یَنْسَخُ شَرْعَهٗ" (تکملہ ص۸۵)

کہ حضرت عائشہ رضؓ کا قول قُوْلُوْا اِنَّهٗ خَاتَمُ الْاَنْبِیَاءِ وَلَا تَقُوْلُوْا لَا نَبِیَّ بَعْدَهٗ (کہ یہ تو کہو کہ آنحضرت صلعم خاتم النبیین ہیں۔ مگر یہ کبھی نہ کہنا کہ آپؐ کے بعد کوئی نبی نہ آئے گا) آنحضرت صلعم کی حدیث "لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ" کے مخالف نہیں ہے۔ کیونکہ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ سے مراد آنحضرت صلعم کی یہ ہے کہ آپ کے بعد کوئی ایسا نبی نہیں آئے گا۔ جو آپ کی شریعت کو منسوخ کرے۔

۴۔ نواب صدیق حسن خانصاحب حضرت مسیح موعود کے دعویٰ نبوت سے قبل لکھتے ہیں۔ "لَا وَحْیَ بَعْدَ مَوْتِیْ" بے اصل ہے۔ ہاں "لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ" آیا ہے جس کے معنے نزدیک اہل علم کے یہ ہیں۔ کہ میرے بعد کوئی نبی شرع ناسخ لے کر نہیں آئے گا" (اقتراب الساعۃ ص۱۶۲)

دوسری حدیث:۔ لَوْ کَانَ بَعْدِیْ نَبِیٌّ لَکَانَ عُمَرُ" (ترمذی جلد ۲ ص۲۹۵ و مشکوٰۃ) کہ اگر میرے بعد کوئی نبی ہونا ہوتا تو حضرت عمر ہوتے۔

الجواب:۔ (۱) ترمذی اور مشکوٰۃ دونوں میں یہ حدیث موجود ہے۔ مگر دونوں میں اس کے آگے ہی لکھا ہوا ہے "هٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ" (ترمذی حوالہ مذکورہ بالا و مشکوٰۃ اصح المطابع ص۵۵۸)

کہ یہ حدیث غریب ہے۔ اور حدیث غریب جس کا ایک ہی راوی ہوتا ہے وہ قابل سند نہیں ہوتی۔ صرف ایک گواہ کے کہنے سے کہ آنحضرت صلعم نے ایسا فرمایا تھا یہ بات ثابت نہیں ہو سکتی۔ کہ فی الواقعہ آنحضرت صلعم نے ایسا ہی فرمایا تھا۔

غیر احمدی:- کیا غریب حدیث ضعیف یا غلط ہوتی ہے۔ ہرگز نہیں صحیح ہوتی ہے۔ (محمدیہ پاکٹ بک صـ۱۲۰)

جواب:- امام ترمذی نے اس روایت کو غریب اس لئے کہا ہے کہ اس کا صرف ایک ہی راوی مشرح بن ھاعان کے طریقہ سے مروی ہے۔ مشرح بن ھاعان کے متعلق لکھا ہے:- قَالَ ابْنُ حِبَّانَ فِی الضُّعَفَاءِ لَا یُتَابَعُ عَلَیْھَا وَالصَّوَابُ تَرْکُ مَا انْفَرَدَ بِہٖ قَالَ ابْنُ دَاؤُدَ اِنَّہٗ کَانَ فِیْ جَیْشِ الْحَجَّاجِ الَّذِیْنَ حَاصَرُوْا ابْنَ الزُّبَیْرِ وَرَمَوُا الْکَعْبَۃَ بِالْمَنْجَنِیْقِ (تہذیب التہذیب جلد ۱۰ صـ۱۵۵ و میزان الاعتدال جلد ۲ صـ۱۴۷ و جلد ۳ صـ۱۶۲) یعنی مشرح بن ھاعان کو ابن حبان نے ضعیف قرار دیا ہے۔ اس کی روایات کا اعتبار نہیں کیا جاتا۔ اور صحیح بات یہ ہے کہ جس روایت کا یہ اکیلا ہی راوی ہو وہ روایت درست تسلیم نہ کی جائے بلکہ ترک کر دی جائے۔ ابن داؤد کہتے ہیں کہ یہ راوی حجاج کے اس لشکر میں شامل تھا جنہوں نے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کا محاصرہ کیا۔ اور گھما۔ انہوں نے کعبہ پر پتھر برسائے تھے۔ پس یہ روایت اس شخص کی ہے جس نے کعبہ پر سنگ باری کی۔ اور پھر وہ اس روایت میں منفرد ہے۔ اور اس امر پر محدثین کا اتفاق ہے کہ مشرح بن ھاعان کی ایسی روایات جس میں وہ منفرد ہو

قابلِ قبول نہیں ہوتی - ترمذی نے یہ حدیث نقل کر کے لکھ دیا ہے کہ روایت "لکان عمر" میں مشرح بن عاہان منفرد ہے - لہٰذا یہ حدیث صرف "غریب" ہی نہیں بلکہ ضعیف بھی ہے -

اسی طرح اس حدیث کا ایک اور راوی بکر بن عمرو المعافری بھی ہے - اس کے متعلق تہذیب التہذیب جلد ۱ ص۴۸۶ اور میزان الاعتدال مطبوعہ حیدر آباد جلد ۱ ص۱۶۱ و مطبع انوار محمدی جلد ۱ ص۱۰۴ میں لکھا ہے کہ "قَالَ اَبُوْ عَبْدِ الْحَاکِمِ یُنْظَرُ فِیْ اَمْرِہٖ" کہ اس روایت کو مشکوک سمجھا جاتا ہے -

پس یہ روایت ہی ضعیف اور ناقابلِ حجت ہے -

غیر احمدی :- حضرت مرزا صاحب نے ازالہ اوہام ص۹۵ پر لکھا ہے -

جواب :- حضرت مسیح موعودؑ نے یہ کہاں تحریر فرمایا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے؟ محض کسی قول کا نقل کرنا تو اس امر کو مستلزم نہیں - کہ نقل کرنے والا اس قول کو مستند اور ثقہ بھی سمجھتا ہے ؂

(۲) اس حدیث کی دوسری روایت میں ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا "لَوْ لَمْ اُبْعَثْ لَبُعِثْتَ یَا عُمَرُ" (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ جلد ۵ ص۵۳۹ و برحاشیہ مشکوٰۃ مجتبائی باب مناقب) یہ حدیث صحیح ہے (تعقبات سیوطی ص۶۷)

ب "لَوْ لَمْ اُبْعَثْ فِیْکُمْ لَبُعِثَ عُمَرُ فِیْکُمْ" (کنوز الحقائق ص۱۰۳ و جلد ۲ ص۱۵۱)

یعنی اگر میں مبعوث نہ ہوتا تو اے عمر! تو مبعوث ہو جاتا - اور اگر میں مبعوث نہ ہوتا تو عمر تم میں مبعوث ہو جاتا - چونکہ آنحضرت صلعم نبی ہو کر مبعوث ہو گئے - اسلئے عمر نبی نہ بنے

تیسری حدیث :- "کَانَتْ بَنُوْ اِسْرَائِیْلَ تَسُوْسُھُمُ الْاَنْبِیَاءُ"

كُلَّمَا هَلَكَ نَبِيٌّ خَلَفَهُ نَبِيٌّ الخ

الجواب:۔ "سَيَكُوْنُ فِيْ اُمَّتِيْ خُلَفَاءُ" کے الفاظ جو حدیث میں آئے ہیں صاف بتا رہے ہیں کہ اس میں آنحضرت صلعم نے اپنے بعد قریب کا زمانہ مراد لیا ہے۔ جیسا کہ لفظ "س" سے ظاہر ہے جو مستقبل قریب کے لئے آتا ہے۔ یعنی میرے معاً بعد خلفاء ہونگے اور معاً بعد نبی کوئی نہیں ہوگا۔

۲۔ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ بنی اسرائیل میں قاعدہ یہ تھا۔ کہ ان میں ہر نبی بادشاہ بھی ہوتا تھا جب کوئی نبی مرتا۔ تو اس کا جانشین بھی بادشاہ نبی ہوتا تھا۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ کہ میری امت میں بادشاہت اور نبوت جمع نہیں ہوگی۔ چنانچہ دیکھ لو۔ ابوبکرؓ۔ عمرؓ۔ عثمانؓ۔ علیؓ بادشاہ (خلیفے) تو ہوئے مگر نبی نہ تھے۔ اور جو نبی ہوا (یعنی مسیح موعودؑ) وہ بادشاہ نہ ہوا۔

۳۔ اس حدیث سے یہ نکالنا۔ کہ آنحضرت صلعم کے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔ قطعاً غلط ہے کیونکہ آنحضرت صلعم نے آنے والے مسیح موعودؑ کو مسلم کی حدیث میں "نبی اللہ" کر کے پکارا ہے۔ (دیکھو مشکوٰۃ ص۴۶۹ مجتبائی و مشکوٰۃ اصح المطابع ص۴۷۳ و مسلم جلد ۲ ص۲۷۷)

۴۔ یہ حدیث صرف آنحضرتؐ اور مسیح موعودؑ کے درمیانی زمانہ کے لئے ہے کیونکہ آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے "لَيْسَ بَيْنِيْ وَبَيْنَهُ نَبِيٌّ وَاِنَّهُ نَازِلٌ" (ابوداؤد جلد ۲ ص۲۳۸) کہ اس نازل ہونے والے اور میرے درمیان کوئی نبی نہ ہوگا۔ بخاری میں بھی "لَيْسَ بَيْنِيْ وَبَيْنَهُ نَبِيٌّ" کے الفاظ آئے ہیں (بخاری جلد ۲ ص۱۵۸ مصری کتاب بدء الخلق)

چوتھی حدیث :۔ "ثَلَاثُونَ دَجَّالُونَ كَذَّابُونَ"

الجواب :۔ تیس ۳۰ کی تعیین بتاتی ہے کہ آنحضرت صلعم کے بعد کوئی سچے نبی بھی آنے والے تھے۔ ورنہ آنحضرت صلعم فرماتے کہ جو بھی آئیں گے جھوٹے آئیں گے

۲۔ یہ حدیث بخاری۔ ترمذی اور ابو داؤد میں ہے۔ اور جہاں تک اس حدیث کے راویوں کا تعلق ہے یہ حدیث قابل استناد نہیں۔ کیونکہ بخاری نے اسے ابوالیمان سے بطریقہ شعیب وابوالزناد نقل کیا ہے۔ ابوالزناد کے متعلق ربیعہ کا قول ہے کہ "لَيْسَ بِثِقَةٍ وَلَا رَضِيٍّ" (میزان الاعتدال مطبوعہ حیدرآباد جلد ۲ صہ ۳۳) کہ یہ راوی نہ ثقہ ہے اور نہ پسندیدہ۔ ابو لیمان راوی نے یہ روایت شعیب سے لی ہے۔ مگر لکھا ہے "لَمْ يَسْمَعْ أَبُو الْيَمَانِ مِنْ شُعَيْبٍ" (میزان الاعتدال جلد ۱ صہ ۲۷۲ مطبع حیدرآباد) کہ ابوالیمان نے شعیب سے ایک حدیث بھی نہیں سنی۔ امام احمد بن حنبل نے بھی یہی فرمایا ہے۔ پس یہ روایت قابلِ استناد نہ رہی۔

ب :۔ تیس ۳۰ دجالوں والی حدیث کو ترمذی نے جس طریقہ سے نقل کیا ہے اس کی اسناد میں ابو قلابہ اور ثوبان دو ۲ راوی ناقابل اعتبار ہیں۔ ابوقلابہ کے متعلق تو لکھا ہے کہ "لَيْسَ أَبُو قِلَابَةَ مِنْ فُقَهَاءِ التَّابِعِيْنَ وَهُوَ عِنْدَ النَّاسِ مَعْدُوْدٌ فِي الْبُلْهِ إِنَّهُ مُدَلِّسٌ عَمَّنْ لَحِقَهُمْ وَعَمَّنْ لَمْ يَلْحَقْهُمْ" (میزان الاعتدال جلد ۲ صہ ۳۹ مطبوعہ حیدرآباد)

نیز تہذیب التہذیب جلد ۵ صہ ۲۲۶) کہ ابوقلابہ فقہا میں سے نہ تھا۔ بلکہ وہ لوگوں کے نزدیک ابلہ مشہور تھا۔ اور جو اسے ملا اس کے بارے میں

اور جو اس سے نہیں ملا اس کے بارے میں بھی وہ تدلیس کیا کرتا تھا۔ اسی طرح ثوبان کے متعلق ازدی کا قول ہے کہ " یَتَکَلَّمُوْنَ فِیْہِ " (میزان الاعتدال حیدر آباد جلد ا صـ۱۷۳) کہ اس راوی کی صحت میں کلام ہے۔

ترمذی کے دوسرے طریقہ میں عبد الرزاق بن ہمام اور معمر بن راشد دو راوی ضعیف ہیں۔ عبد الرزاق بن ہمام تو شیعہ تھا۔ قَالَ النَّسَائِیُّ فِیْہِ نَظَرٌ۔ قَالَ الْعَبَّاسُ الْعَنْبَرِیُّ ..... اِنَّہٗ لَکَذَّابٌ وَالْوَاقِدِیُّ اَصْدَقُ مِنْہُ کَانَ عَبْدُ الرَّزَّاقِ کَذَّابًا یَسْرِقُ الْحَدِیْثَ " (تہذیب التہذیب جلد ۶ صـ۳۱۴) کہ نسائی کے نزدیک قابل اعتبار نہیں۔ اور عباس عنبری کہتے ہیں کہ وہ کذاب تھا۔ اور واقدی سے بھی زیادہ جھوٹا تھا۔ یہ شخص کذاب تھا۔ اور حدیثیں چورایا کرتا تھا۔

یہ روایت عبد الرحمٰن بن ہمام نے معمر سے لی ہے۔ اور میزان میں لکھا ہے کہ قَالَ الدَّارَقُطْنِیْ یُخْطِئُ عَلٰی مَعْمَرٍ فِیْ اَحَادِیْثَ .... قَالَ ابْنُ عُیَیْنَۃَ اَخَافُ اَنْ یَّکُوْنَ مِنَ الَّذِیْنَ ضَلَّ سَعْیُھُمْ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا (میزان الاعتدال مطبع حیدر آباد جلد ۲ صـ۱۲۷)

کہ یہ ان روایات میں غلطی کرتا تھا جو یہ معمر سے لینا بیان کرتا تھا۔ ابن عیینہ کہتے ہیں کہ مجھے خوف ہے۔ کہ یہ راوی قرآن مجید کی اس آیت کا مصداق تھا ضَلَّ سَعْیُھُمْ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا"

اسی طرح "معمر بن راشد" کے متعلق یحیٰ ابن معین کہتے ہیں کہ "ضعیف" تھا (میزان الاعتدال جلد ۳ صـ۱۸۸ مطبوعہ حیدر آباد) اور ابن سعد کہتے

ہیں کہ شیعہ تھا۔ اور ابوحاتم کہتے ہیں کہ بصرہ میں اس نے جو روایات بیان کی ہیں ان میں غلط روایات بھی ہیں۔ (تہذیب التہذیب جلد ۱۰ صفحہ ۲۹۷)

(ج) ابوداؤد کے راویوں میں ابوقلابہ اور ثوبان بھی ہیں جن کے متعلق ضمن ب تمدرجہ بالا میں بحث ہو چکی ہے۔ ان کے علاوہ سلیمان بن حرب اور محمد بن عیسےٰ بھی ضعیف ہیں۔ سلیمان بن حرب کے متعلق خود ابوداؤد کہتے ہیں کہ یہ راوی ایک حدیث کو پہلے ایک طرح بیان کرتا تھا۔ لیکن جب کبھی دوسری دفعہ اسی حدیث کو بیان کرتا تھا۔ تو پہلی سے مختلف ہوتی تھی۔ اور خطیب کہتے ہیں کہ یہ شخص روایت کے الفاظ میں تبدیلی کر دیا کرتا تھا۔ (تہذیب التہذیب جلد ۴ صفحہ ۱۸۱) محمد بن عیسےٰ کے متعلق خود ابوداؤد کہتے ہیں "کَانَ رُبَّمَا یُدَلِّسُ" (تہذیب التہذیب جلد ۹ صفحہ ۳۹۴) کہ کبھی کبھی تدلیس کر لیتا تھا۔

ابوداؤد کے دوسرے طریقہ میں عبدالعزیز بن محمد اور العلاء بن عبدالرحمٰن ضعیف ہیں۔ عبدالعزیز بن محمد کو امام احمد بن حنبل نے خطا کار۔ ابوزرعہ نے "سیئ الحفظ" اور نسائی نے کہا ہے کہ "لَیْسَ بِالْقَوِیِّ" یعنی قوی نہیں۔ ابن سعد کے نزدیک "کثیر الغلط" اور ساجی کے نزدیک وہمی تھا۔ (تہذیب التہذیب جلد ۶ صفحہ ۳۵۴)

اسی طرح ابوداؤد کا دوسرا راوی العلاء بن عبدالرحمٰن بھی ضعیف ہے کیونکہ ان کے متعلق ابن معین کہتے ہیں:۔

"هٰؤُلَاءِ الْاَرْبَعَةُ لَیْسَ حَدِیْثُهُمْ حُجَّةً" (۱) سہل بن ابی صالح (۲) والعلاء بن عبدالرحمٰن (۳) عاصم بن عبیداللہ (۴) ابن

عقیل" (تہذیب التہذیب جلد ۶ ص ۱۳/۱۵)

پس جہانتک راویوں کا تعلق ہے یہ روایت قابل استناد نہیں۔

(۳) اگر یہ صحیح تسلیم کر لی جائے تو یاد رکھنا چاہیئے کہ مسلم کی شرح "اکمال الاکمال" میں لکھا ہے:۔ " ھٰذَا الْحَدِیْثُ ظَھَرَ صِدْقُہٗ فَاِنَّہٗ لَوْ عُدَّ مَنْ تَنَبَّأَ مِنْ زَمَنِہٖ صلعم اِلَی الْاٰنَ لَبَلَغَ ھٰذَا الْعَدَدَ وَ یَعْرِفُ ذَالِکَ مَنْ یُّطَالِعُ التَّارِیْخَ " (اکمال الاکمال جلد ۷ ص ۲۵۸ مصری) کہ اس حدیث کی سچائی ثابت ہو گئی ہے۔ کیونکہ اگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے لے کر آجتک کے تمام نبوت کا جھوٹا دعویٰ کرنے والوں کو گنا جائے تو یہ تعداد پوری ہو چکی ہے۔ اور اس بات کو وہ شخص جو تاریخ کا مطالعہ کرے جان لے گا۔

اس کتاب کے لکھنے والا ۸۲۸ھ میں فوت ہوا۔ گویا چار سو سال گزرے تیس دجال آچکے۔ مگر غیر احمدی تیس کے عدد کو طویل کئے جا رہے ہیں۔

۴۔ نواب صدیق حسن خانصاحب آف بھوپال حضرت مرزا صاحب کے دعویٰ سے قبل اپنی کتاب حجج الکرامہ میں تحریر فرماتے ہیں۔ کہ دجالوں کی تعداد پوری ہو چکی ہے۔ چنانچہ ان کی اصل عبارت فارسی حسب ذیل ہے:۔

" بالجملہ آنچہ آنحضرت صلعم اخبار بوجود دجالین کذابین دریں امت فرمودہ واقع شد" (حجج الکرامہ ص ۲۳۹)

کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اس امت میں دجالوں کی آمد کی خبر دی تھی وہ پوری ہو کر تعداد مکمل ہو چکی ہے۔

غرضیکہ خواہ ۲۷ دجالوں کی آمد کی پیشگوئی ہو۔ خواہ تیس ۳۰ کی بہر حال وہ تعداد پوری ہو چکی ہے۔

غیر احمدی:۔ حضرت مرزا صاحب نے لکھا ہے کہ قیامت تک یا "دُنیا کے اخیر تک" یہ دجال آئیں گے۔ تم اس تعداد کا اب ہی پورا ہونا بتاتے ہو؟

الجواب:۔ اس کا جواب یہ ہے۔ کہ بے شک قیامت سے پہلے ہی ان دجالوں نے آنا تھا۔ اور اکمال الاکمال اور حجج الکرامہ کے حوالوں میں بھی یہی درج ہے۔ ان میں سے ایک ایسا دجال نہیں جو قیامت کے بعد ہوا ہو۔ مثلاً ہم کہیں کہ "زید مرنے سے پہلے دو بیویاں کرے گا۔" اب اگر زید تیس ۳۰ سال کی عمر میں دو بیویاں کرے۔ تو تمہارے جیسا کوئی عقلمند فوراً کہہ دے گا۔ کہ چونکہ ابھی تک زید مرا نہیں۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ اس نے دو بیویاں نہیں کیں ؎

نہ سمجھا ہنس کے بولے ہم اُس بُتِ خود سر کو سمجھاتے
سمجھ جاتا اگر اتنا کسی پتھر کو سمجھاتے

پانچویں دلیل:۔ "سَبْعُوْنَ دَجَّالُوْنَ" ستر دجال آئیں گے۔

الجواب:۔ یہ حدیث ضعیف ہے۔ (حجج الکرامہ صفحہ ۲۲۳) حافظ ابن حجر گفتہ کہ سند ایں ہر دو حدیث ضعیف است۔

۲۔ اس حدیث میں یہ کہیں نہیں لکھا کہ وہ نبوت کا جھوٹا دعویٰ کریں گے بلکہ یہ مذکور ہے۔ کہ وہ جھوٹی حدیثیں بنائیں گے۔ پس یہ صرف واقدی جیسے وضّاعوں کے متعلق ہے۔ نیز ان لوگوں کے متعلق جنہوں نے اتنا بڑا طومار

جھوٹی حدیثوں کا کھڑا کر رکھا ہے۔ پس مولویوں کو اپنے ایمان کی فکر کرنی چاہیئے۔

چھٹی حدیث :- "مَثَلِیْ وَمَثَلُ الْاَنْبِیَاءِ مِنْ قَبْلِیْ کَقَصْرٍ"

(قصر نبوت والی حدیث)

الجواب الاول :- یہ روایت قابل استناد نہیں۔ کیونکہ بلحاظ روایت ضعیف ہے۔ یہ دو طریقوں سے مروی ہے۔ پہلے طریقہ میں زہیر بن محمد تمیمی ضعیف ہے۔ اس کے متعلق لکھا ہے۔

"قَالَ مُعَاوِیَۃُ عَنْ یَحْیٰ ضَعِیْفٌ۔ وَذَکَرَہٗ اَبُوْ زُرْعَۃَ فِی اَسَامِی الضُّعَفَاءِ قَالَ عُثْمَانُ الدَّارِمِیُّ لَہٗ اَغَالِیْطُ کَثِیْرَۃٌ قَالَ النَّسَائِیُّ ضَعِیْفٌ۔ وَفِیْ مَوْضِعٍ اٰخَرَ وَلَیْسَ بِالْقَوِیِّ" (تہذیب التہذیب جلد ۳ ص ۳۴۹) کہ یحیٰ کے نزدیک اور ابوزرعہ کے نزدیک ضعیف ہے۔ عثمان الدارمی کہتے ہیں کہ اس کی غلط روایات کثرت سے ہیں۔ نسائی نے بھی اسے ضعیف قرار دیا ہے۔

اس حدیث کے دوسرے طریقہ میں عبداللہ بن دینار مولیٰ عمر۔ اور ابوصالح الخوزی ضعیف ہیں۔ عبداللہ بن دینار کی روایت کو عقیلی نے مخدوش قرار دیا ہے۔ (تہذیب جلد ۵ ص ۲۰۲) اور ابوصالح الخوزی کو ابن معین ضعیف قرار دیتے ہیں۔ (تہذیب التہذیب جلد ۱۲ ص ۱۳۱ و میزان الاعتدال مطبع حیدرآباد جلد ۳ ص ۳۶۵)

الجواب الثانی :- باوجود اس امر کے کہ اس روایت کے راوی ضعیف

ہیں۔ اگر بغرض بحث اس روایت کو صحیح تسلیم کر لیا جائے۔ تو پھر بھی تمہارا
بیان کردہ مفہوم غلط ہے۔ بلکہ تم حدیث کا جو مطلب لیتے ہو۔ اگر وہ مطلب
لیا جائے۔ تو اس میں آنحضرت صلعم کی ہتک ہے کیونکہ تمہاری تشریح کے مطابق
ایک اینٹ کی جگہ خالی تھی۔ اور آنحضرت صلعم نے آکر ایک اینٹ کی جگہ پُر
کر دی۔ گویا اگر آنحضرت صلعم تشریف نہ لاتے تو نبوت کے محل میں صرف ایک
ہی اینٹ کی تھوڑی سی جگہ خالی رہ جاتی تھی۔ جیسے ایک بہت بڑے محل میں ایک
موری یا سوراخ۔ حالانکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق تو خدا نے
فرمایا:۔ لَوْلَاکَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاکَ۔ کہ اگر آپؐ نہ ہوتے تو میں تمام
جہان کو پیدا نہ کرتا۔

بس اس حدیث سے وہ مفہوم مراد نہیں ہے۔ جو مولوی بیان کرتے ہیں
اصل بات یہ ہے کہ اس حدیث میں شریعت کے محل کا ذکر ہے جس کو نبی تعمیر کرتے
ہیں۔ پہلے انبیاءؑ اپنے اپنے وقت میں ضرورت کے مطابق احکام شریعت لاتے رہے
اور اس محل کے لئے مصالحہ جمع ہوتا رہا۔ چونکہ عقلِ انسانی ارتقاء کے بلند ترین
مقام پر ابھی تک نہیں پہنچی تھی۔ اس لئے وہ شریعتیں ناقص تھیں۔ اور ان میں
کمی باقی تھی۔ آنحضرت صلعم جب تشریف لائے۔ تو اس وقت تکمیل عقل انسانی
ہو چکی تھی۔ اور احکام شریعت کو سمجھنے کی اہلیت پیدا ہو چکی تھی۔ اس لئے خدا
تعالےٰ نے آنحضرت صلعم کو بھیجا۔ آپؐ نے آکر پہلی شریعتوں کو بھی قرآن میں شامل
کر لیا۔ اور جو کمی باقی تھی۔ اس کو بھی پورا کر کے شریعت کے محل کو مکمل کر دیا۔ قرآن
مجید میں ہے "فِیْھَا کُتُبٌ قَیِّمَۃٌ" گویا اس میں سب پہلی شریعتیں بھی شامل ہیں۔ عقلِ

انسانی کی وہ ترقی جو عیسےٰ علیہ السلام سے لے کر آنحضرت صلعم تک کے زمانہ میں ہوئی۔ اس کو آنحضرت صلعم نے "اینٹ کی جگہ" (موضع لبنۃ) قرار دیا ہے۔

۳- اس حدیث میں "الانبیاء من قبلی" کا فقرہ بتاتا ہے کہ اسمیں آنحضرتؐ نے صرف پہلے انبیاء ہی کا ذکر ہے۔ بعد میں آنیوالے انبیاء کا ذکر مقصود نہیں۔

۴- اب جبکہ عیسےٰ علیہ السلام تشریف لائیں گے۔ تو وہ اینٹ کہاں لگے گی؟ جہاں سے ان کے لئے گنجائش نکالو گے۔ وہیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے لئے بھی گنجائش ہو گی۔ اگر کہو کہ عیسےٰ علیہ السلام ابھی زندہ ہیں۔ تو گویا معلوم ہوا کہ ابھی عیسےٰ علیہ السلام والی اینٹ نہیں لگی۔ پھر آنحضرت صلعم کو فرمانا چاہیئے تھا کہ دو اینٹوں کی جگہ باقی ہے۔ ایک میں اور ایک عیسےٰ بن مریم پس وفات مسیح ثابت ہے۔

ساتویں حدیث:- اَنَا الْعَاقِبُ الَّذِیْ لَیْسَ بَعْدَہٗ نَبِیٌّ (ترمذی جلد۲ باب فضائل النبی صلعم)

جواب:- یہ روایت قابل حجت نہیں۔ کیونکہ اس کا ایک راوی سفیان بن عیینہ ہے۔ جس نے یہ روایت زہری سے لی ہے۔ سفیان بن عیینہ کے متعلق لکھا ہے:- "کَانَ یُدَلِّسُ قَالَ اَحْمَدُ یُخْطِیٴُ فِیْ نَحْوٍ مِنْ عِشْرِیْنَ حَدِیْثًا عَنِ الزُّھْرِیْ عَنْ یَحْیَی بْنِ سَعِیْدِ الْقَطَّانِ قَالَ اَشْھَدُ اَنَّ سُفْیَانَ بْنَ عُیَیْنَۃَ اخْتَلَطَ سَنَۃَ سَبْعٍ وَتِسْعِیْنَ مِائَۃٍ فَمَنْ سَمِعَ مِنْہُ فِیْھَا فَسَمَاعُہٗ لَا شَیْءَ" (میزان الاعتدال جلد ۲ صفحہ ۳۹۷ حیدر آباد) یعنی یہ راوی تدلیس کیا کرتا تھا امام احمد کہتے ہیں کہ زہری کی بیسیوں

روایات میں اس نے غلطی کی ہے (یہ عاقب والی روایت بھی اس نے زہری ہی سے لی ہے) یحیٰ بن سعید کہتے ہیں۔ کہ میں گواہی دیتا ہوں۔ کہ سفیان بن عیینہ کی ۱۹۷ھ میں عقل ماری گئی تھی پس جس نے اس کے بعد اس سے روایت لی ہے وہ بے حقیقت ہے۔ اس روایت کے دوسرے راوی زہری کے متعلق بھی لکھا ہے کہ یہ کَانَ یُدَلِّسُ فِی النَّادِرِ (میزان الاعتدال مطبوعہ حیدرآباد جلد ۳ صفحہ ۱۲۶ و انوار محمدی جلد ۲ صفحہ ۱۴۸) کہ یہ راوی کبھی کبھی تدلیس بھی کر دیا کرتا تھا۔ پس اس روایت میں بھی اسی راوی نے ازراہ تدلیس "وَالْعَاقِبُ الَّذِیْ لَیْسَ بَعْدَہٗ نَبِیٌّ" کے الفاظ بڑھا دیئے۔

کیونکہ شمائل ترمذی شریف مجتبائی میں جہاں یہ حدیث ہے وہاں:۔ "وَالْعَاقِبُ الَّذِیْ لَیْسَ بَعْدَہٗ نَبِیٌّ" کے الفاظ کے اوپر بین السطور لکھا ہے "ھٰذَا قَوْلُ الزُّھْرِیِّ" کہ یہ آنحضرت صلعم کا قول نہیں۔ بلکہ علامہ زہری کا اپنا قول ہے (شمائل ترمذی مجتبائی مطبوعہ ۱۳۴۲ھ صفحہ ۲۶)

(۲) "عاقب" عربی لفظ ہے۔ اور صحابہ جن کے سامنے آنحضرت صلعم کلام فرما رہے تھے وہ بھی عرب تھے۔ پھر آنحضرت صلعم کو ترجمہ کرنے کی کیا ضرورت تھی یہ ترجمہ ہی صاف بتا رہا ہے کہ یہ ترجمہ کسی ایسے آدمی نے کیا ہے جو اس حدیث کو ان لوگوں کے سامنے بیان کر رہا تھا جو عرب نہ تھے۔

(۳) چنانچہ حضرت ملا قاری نے صاف طور پر فرما دیا ہے:۔ "اَلظَّاھِرُ اَنَّ ھٰذَا تَفْسِیْرٌ لِلصَّحَابِیِّ اَوْ مَنْ بَعْدَہٗ وَ فِیْ شَرْحِ مُسْلِمٍ قَالَ ابْنُ الْاَعْرَابِیِّ اَلْعَاقِبُ الَّذِیْ یَخْلُفُ فِی الْخَیْرِ مَنْ کَانَ

قبلہٗ۔ (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج ۵ صلہ۳۷۶ و بر حاشیہ مشکوٰۃ مجتبائی باب اسماء النبی) کہ صاف ظاہر ہے کہ " اَلْعَاقِبُ الَّذِیْ لَیْسَ بَعْدَہٗ نَبِیٌّ " کسی صحابی یا بعد میں آنے والے شخص نے بطور تشریح بڑھا دیا ہے۔ اور ابن اعرابی نے کہا ہے کہ "عاقب" وہ ہوتا ہے۔ جو کسی اچھی بات میں اپنے سے پہلے کا قائم مقام ہو۔

ضروری نوٹ:۔ غیر احمدی "عُلَمَاءُ ھُمْ" نے ہمارے اس زبردست جواب کی تاب نہ لا کر ترمذی کے نئے ایڈیشن میں اس حدیث کے الفاظ میں یہود یانہ مماثلت کو پورا کرنے کے لئے تحریف کر دی ہے۔ چنانچہ ترمذی مجتبائی جو ۱۳۶۶ھ یا اس سے قبل چھپی ہوئی ہے۔ اس میں:۔ " وَالْعَاقِبُ الَّذِیْ لَیْسَ بَعْدَہٗ نَبِیٌّ " کے الفاظ ہیں۔ (یعنی عاقب وہ جس کے بعد کوئی نبی نہ ہو) مگر بعد کی اسی مطبع کی چھپی ہوئی ترمذی میں الفاظ یوں ہیں:۔ " اَلْعَاقِبُ الَّذِیْ لَیْسَ بَعْدِیْ نَبِیٌّ " (کہ عاقب ہوں کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں)

گویا "بَعْدَہٗ" غائب کے صیغے .... کو بدل کر "بَعْدِیْ" متکلم کا صیغہ بنا دیا ہے۔ تا متکلم کے صیغے سے یہ ثابت ہو سکے۔ کہ یہ الفاظ بھی آنحضرت ہی کے ہیں۔ کسی دوسرے شخص کے نہیں۔ مگر خدا کے فضل سے ان کی چوری حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خادموں نے پکڑ لی۔

آٹھویں حدیث:۔ " اِنِّیْ اٰخِرُ الْاَنْبِیَاءِ وَاَنْتُمْ اٰخِرُ الْاُمَمِ "

جواب: یہ حدیث ضعیف ہے۔ کیونکہ ابن ماجہ نے جن راویوں سے اسے نقل کیا ہے۔ ان میں سے عبد الرحمٰن بن محمد المحاربی۔ اور اسمٰعیل بن رافع (ابو رافع) ضعیف ہیں۔ عبد الرحمٰن بن محمد کے متعلق لکھا ہے

"قَالَ ابنُ مَعِینٍ یَرْوِیْ الْمَنَاکِیْرَ عَنِ الْمَجْھُوْلِیْنَ قَالَ عَبدُاللّٰہ بنُ احمد بن حنبل عَنْ اَبِیْہِ اَنَّ المحاربیؔ کَانَ یُدَلِّسُ ..... قَالَ ابْنُ سَعْدٍ کَانَ کَثِیْرُ الْغَلَطِ" (میزان الاعتدال جلد۲ صہ ۱۱۵ - و تہذیب التہذیب جلد ۶ صہ ۲۶۶) کہ ابن معین کہتے ہیں کہ یہ راوی مجہول راویوں سے ناقابلِ قبول روایات بیان کیا کرتا تھا - امام احمد بن حنبل کہتے ہیں کہ یہ راوی تدلیس کیا کرتا تھا - ابن سعد کہتے ہیں کہ یہ راوی بہت غلط روایات کیا کرتا تھا؛ اس کا دوسرا راوی ابورافع اسمٰعیل بن رافع بھی ضعیف ہے کیونکہ لکھا ہے :- "ضَعَّفَہٗ اَحْمَدُ وَیَحْیٰی وَجَمَاعَۃٌ قَالَ الدَّارُقُطْنِی مَتْرُوْکُ الْحَدِیْثِ قَالَ ابن عدیؔ اَحَادِیْثُہٗ کُلُّھَا فِیْہِ نَظَرٌ" (میزان الاعتدال جلد ۱ صہ ۱۰۵ حیدرآبادی)

یعنی امام احمد - یحیٰ اور ایک جماعتِ محدثین نے اس راوی کو ضعیف قرار دیا ہے - دارالقطنی اسے متروک الحدیث کہتے ہیں - اور ابن عدی کے نزدیک اس کی تمام کی تمام روایات مشکوک ہیں - اسی طرح اسے نسائی نے متروک الحدیث قرار دیا ہے - اور ابن معین - ترمذی اور ابن سعد کے نزدیک بھی ضعیف ہے - (تہذیب التہذیب جلد ۱ صہ ۲۹۴)

پس یہ روایت بھی جعلی ہے -

(۳) حدیث کے الفاظ ہی بتا رہے ہیں کہ اس میں صرف ان انبیاء کا ختم ہونا مذکور ہے، جو آکر نئی امت بنانے ہیں - اور جو نئی شریعت لے کر آئیں اور آنحضرت صلعم کی اقتدا اور متابعت سے باہر ہو کر دعویٰ نبوت کریں -

(۴) اس حدیث کی تشریح مسلم کی دوسری حدیث کرتی ہے:۔
"قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَاِنِّیْ اٰخِرُ الْاَنْبِیَآءِ وَاِنَّ مَسْجِدِیْ اٰخِرُ الْمَسَاجِدِ" (مسلم ص۵۳۱ باب فضل الصلوٰۃ فی مسجد المدینۃ ومکۃ) کہ رسول کریم صلعم نے فرمایا کہ میں آخری نبی ہوں۔ اور میری مسجد آخری مسجد ہے۔ کیا آنحضرت صلعم کی مسجد کے بعد اور کوئی مسجد نہیں بنی؟ بلکہ جتنی مسجدیں دنیا میں موجود ہیں سب آنحضرت صلعم کی مسجد کے بعد ہی تعمیر ہوئی ہیں کیا ان کی تعمیر ناجائز ہوئی ہے؟ نہیں بلکہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اب میری مسجد کے بعد کوئی ایسی مسجد نہیں بن سکتی۔ جو اس مقصد کو پورا کرنے کے لئے نہ بنائی گئی ہو جو میری مسجد کا مقصد ہے۔ یا جس میں وہ نماز نہ پڑھی جائے جو میری مسجد میں پڑھی جاتی ہے۔ یا جس کا قبلہ اور ہو۔ غرضیکہ مغائرت اور مخالفت کے معنوں میں یہاں "آخر المساجد" آیا پس یہی آخر الانبیاء کا مطلب ہے کہ میرے بعد کوئی ایسا نبی نہیں آسکتا جو نئی شریعت لائے یا میری شریعت کے خلاف ہو۔ یا میری اتباع اور متابعت سے باہر ہو کر نبوت کا دعویٰ کرے۔

لفظ "آخر" کی مثالیں

عربی:۔ ایک عرب شاعر کہتا ہے:۔

شَرَیٰ وُدِّیْ وَشُکْرِیْ مِنْ بَعِیْدٍ
لِاٰخِرِ غَالِبٍ اَبَدًا رَبِیْعٌ" (حماسہ باب الادب)

اس شعر کا ترجمہ مولوی ذوالفقار علی صاحب دیوبندی جو حماسہ کے شارح ہیں کرتے ہیں:۔ "ربیع ابن زیاد نے میری دوستی اور شکر دور بیٹھے

ایسے شخص کے لئے جو نبی غالب میں، آخری یعنی ہمیشہ کے لئے عدیم المثل ہے خرید لیا ہے "

گویا "آخر" کا ترجمہ "ہمیشہ کے لئے عدیم المثل" ہوا۔ پس انہی معنوں میں آنحضرت صلعم بھی آخر الانبیاء یعنی ہمیشہ کے لئے عدیم النظیر ہیں۔

(۲) امام جلال الدین سیوطی نے امام ابن تیمیہ کے متعلق لکھا ہے :۔

سَیِّدُنَا الْاِمَامُ۔ الْعَالِمُ الْعَلَّامَۃُ اِمَامُ الْاَئِمَّۃِ قُدْوَۃُ الْاُمَّۃِ۔ عَلَّامَۃُ الْعُلَمَاءِ وَارِثُ الْاَنْبِیَاءِ اٰخِرُ الْمُجْتَھِدِیْنَ۔

(الاشباہ والنظائر جلد ۳ صفحہ ۳۱۰ مطبوعہ حیدرآباد)

گویا امام ابن تیمیہ "آخر المجتہدین تھے۔ کیا ان کے بعد کوئی مجتہد نہیں ہوا؟

اردو :۔ ڈاکٹر سر محمد اقبال اپنے استاد داغ کا مرثیہ لکھتے ہوئے کہتے ہیں ؎

چل بسا داغ آہ میّت اس کی زیب دوش ہے
آخری شاعر جہاں آباد کا خاموش ہے

گویا داغ دلی کا آخری شاعر تھا۔ اسی مرثیہ میں آگے چل کر ڈاکٹر صاحب موصوف کہتے ہیں :۔

چل دیئے ساقی جو تھے مے خانہ خالی رہ گیا
یادگار بزم دلی ایک حالی رہ گیا (بانگ درا صفحہ ۵۲)

گویا داغ کے بعد حالی بزم دلی کی یادگار ہیں۔ نیز داغ کے بعد آج دلی میں سینکڑوں شاعر ہیں۔ جلیل وغیرہ ان میں سے ممتاز ہیں۔

نویں حدیث :- اَنَا المُقَفّی ۔ مُقَفّی کے معنی ہیں آخری نبی۔

الجواب :- آنحضرت صلعم بے شک مُقَفّی ہیں مگر مُقَفّی کا ترجمہ آخری نبی جو غیر احمدی علماء کرتے ہیں وہ قطعاً غلط ہے۔ علامہ ابن الانباری فرماتے ہیں :- "مَعْنَاہُ الْمُتَّبِعُ لِلنَّبِیِّیْنَ" (اکمال الاکمال شرح مسلم جلد ۶ صفحہ ۱۴۳)

کہ مقفّی کے معنے ہیں کہ وہ جس کی انبیاء اتباع کریں۔ گویا یہ نام بذاتِ خود اس امر کا مقتضی ہے۔ کہ آنحضرت صلعم کے بعد انبیاء آویں جو آپؐ کی پیروی اور اتباع کریں۔ اس کو انقطاعِ نبوت کی دلیل کے طور پر پیش کرنا نادانی ہے

دسویں دلیل :- یعفور نامی گدھے کا عقیدہ تھا۔ کہ آنحضرت صلعم کے بعد کوئی نبی نہ آئے گا۔ چنانچہ ابن حبان اور ابن عساکر نے اس کو روایت کیا ہے کہ اس نے کہا "لَا مِنَ الْاَنْبِیَاءِ غَیْرُکَ" کہ اے آنحضرت صلعم اب آپ کے سوا کوئی نبیوں میں سے باقی نہیں ہے (دیکھو رسالہ حجۃ اللہ علی العالمین صفحہ ۲۶۴ بحوالہ رسالہ ختم نبوت مصنفہ عبد النبی الخبیر مولوی محمد بشیر کوٹلی لوہاراں ضلع سیالکوٹ صفحہ ۲۶ و ۲۷)

الجواب :- اس روایت کا جواب یہی ہے کہ اس کا کوئی جواب نہیں فی الواقع گدھے کا یہی خیال ہے کہ نبوت بند ہو گئی۔ لیکن تمہارا بیان کردہ گدھا تو ساتھ ہی ساتھ وفاتِ مسیح کا بھی اعلان کر رہا ہے کیونکہ کہتا ہے کہ میری خواہش تھی کہ مجھ پہ کوئی نبی سواری کرے۔ اب آپ کے سوا کوئی نبی نہیں رہ گیا۔ اور میری نسل میں سے میرے سوا کوئی گدھا باقی نہیں اگر تمہارے نزدیک گدھے کا یہی مذہب درست ہے تو وفاتِ مسیح کا بھی اقرار کرو

تمہاری اس مضحکہ خیز روایت کے پیش نظر وہ کون سے گدھے پر سواری کریں گے؟

گیارھویں دلیل:۔ حدیث میں ہے "اِنَّ الرِّسَالَۃَ وَالنُّبُوَّۃَ قَدْ انْقَطَعَتْ فَلَا رَسُوْلَ بَعْدِیْ وَلَا نَبِیَّ" (ترمذی مسند احمد عن انس)

جواب:۔ یہ روایت ضعیف ہے۔ کیونکہ اس کے چار راوی۔ حسن[1] بن محمد الزعفرانی ابو العلی بغدادی۔ عفان[2] بن مسلم البصری۔ عبد الواحد[3] بن زیاد اور المختار بن فلفل المخزومی ضعیف ہیں۔ گویا سوائے حضرت انس کے شروع سے لیکر آخر تک تمام سلسلۂ اسناد ضعیف راویوں پر مشتمل ہے۔ حسن بن محمد الزعفرانی کے متعلق علامہ ذہبی لکھتے ہیں:۔ "ضَعَّفَہٗ ابْنُ قَانِعٍ وَقَالَ الدَّارَقُطْنِیُّ قَدْ تَکَلَّمُوْا فِیْہِ" (میزان الاعتدال جلد ا ص ۲۴۱ مطبوعہ حیدرآباد و مطبوعہ انوار محمدی جلد ا ص ۲۱۲) یعنی ابن قانع کہتے ہیں کہ ضعیف تھا۔ دار قطنی کہتے ہیں کہ محدثین کے نزدیک اس راوی کی صحت کے بارے میں کلام ہے۔ ابن عدی کہتے ہیں کہ اس راوی نے ایسی احادیث کی روایات کی ہیں جن کا میں نے انکار کیا۔

اسی طرح دوسرے راوی عفان بن مسلم البصری کے متعلق ابو خیثمہ کہتے ہیں "اَنْکَرْنَا عَفَّانَ" (میزان الاعتدال جلد ۲ ص ۲۰۳ حیدرآباد) کہ ہم اس راوی کو قابل قبول نہیں سمجھتے۔

تیسرے راوی عبد الواحد بن زیاد کے متعلق لکھا ہے "قَالَ یَحْیٰی لَیْسَ بِشَیْءٍ" (میزان الاعتدال جلد ۲ ص ۱۵۷ مطبع حیدرآباد) کہ یحیٰی کہتے ہیں یہ راوی کسی کام کا نہیں ہے۔

اسی طرح چوتھے راوی مختار بن فلفل کے متعلق لکھا ہے کہ "یخطی کثیرا تکلم فیہ سلیمانی تعدہ فی روایۃ المناکیر عن انس" (تہذیب التہذیب جلد ۱۰ صفحہ ۶۵) کہ یہ راوی روایتوں میں اکثر غلطی کرتا تھا۔ سلیمانی نے کہا ہے۔ کہ یہ راوی انس سے ناقابل قبول روایات بیان کرنے والوں میں سے ہے۔ چنانچہ روایات زیر بحث بھی اس راوی نے انس سے ہی روایت کی ہے۔ لہذا محدثین کے نزدیک یہ روایت قابل انکار ہے اور حجت نہیں۔

۲۔ حضرت شیخ محی الدین ابن عربی فرماتے ہیں:۔ اِنَّ النُّبُوَّۃَ الَّتِیْ انْقَطَعَتْ بِوُجُوْدِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صلعم اِنَّمَا ھِیَ النُّبُوَّۃُ التَّشْرِیْعِ لَا مَقَامُھَا فَلَا شَرْعَ یَکُوْنُ نَاسِخًا لِشَرْعِہٖ صلعم وَلَا یَزِیْدُ فِیْ شَرْعِہٖ حُکْمًا اٰخَرَ وَھٰذَا مَعْنٰی قَوْلِہٖ صلعم اِنَّ الرِّسَالَۃَ وَالنُّبُوَّۃَ قَدِ انْقَطَعَتْ فَلَا رَسُوْلَ بَعْدِیْ وَلَا نَبِیَّ اَیْ لَا نَبِیَّ یَکُوْنُ عَلٰی شَرْعٍ یُخَالِفُ شَرْعِیْ بَلْ اِذَا کَانَ یَکُوْنُ تَحْتَ حُکْمِ شَرِیْعَتِیْ (فتوحات مکیہ جلد ۲ صفحہ ۳)

کہ وہ نبوت جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ختم ہوئی ہے وہ صرف تشریعی نبوت ہے نہ کہ مقام نبوت۔ اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کو منسوخ کرنے والی کوئی شریعت نہیں آسکتی۔ نہ اس میں کوئی حکم کم کر سکتی ہے۔ نہ زیادہ۔ یہی معنی ہیں آنحضرت صلعم

کے اس قول کے کہ "ان الرسالۃ والنبوۃ قد انقطعت فلا رسول بعدی ولا نبی" یعنی میرے بعد کوئی ایسا نبی نہیں جو میری شریعت کے خلاف کسی اور شریعت پر ہو۔ ہاں اس صورت میں نبی آسکتا ہے کہ وہ میری شریعت کے ماتحت آئے۔ (مفصل دیکھو دلائل امکان نبوت از اقوال بزرگان بحث ۴۸ھ)

بارھویں دلیل:۔ "لا نبوۃ بعدی" (مسلم و ترمذی)

جواب:۔ یہ روایت بھی ضعیف ہے۔ کیونکہ اس کے چار راویوں میں تین ۳ ضعیف ہیں۔ قتیبہ۔ حاتم بن اسمٰعیل المدنی۔ بکیر بن مسمار الزہری۔ قتیبہ کے متعلق لکھا ہے "قال الخطیب ھو منکر جداً" (تہذیب جلد ۸ صفحہ ۲۶) کہ خطیب کہتے ہیں کہ وہ سخت ناقابل قبول راوی ہے۔

حاتم بن اسمٰعیل راوی کے متعلق نسائی کہتے ہیں کہ "لیس بالقوی" کہ یہ راوی ثقہ نہیں تھا۔

چوتھے راوی بکیر بن مسمار الزہری کے متعلق لکھا ہے:۔ "قال البخاری فیہ نظر" (تہذیب التہذیب جلد ۱ صفحہ ۴۹۵ و میزان الاعتدال صفحہ ۱۶۳)

امام بخاری کہتے ہیں۔ کہ اس راوی کے ثقہ ہونے میں کلام کیا جاتا ہے۔

لہذا یہ روایت بھی حجت نہیں ہے ؛

ضمیمۂ ختمِ نبوّت

لفظ "ختم" اور قرآن مجید

بعض مخالفین کہا کرتے ہیں کہ قرآن مجید میں لفظ "ختم" بند کرنے کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ جیسا کہ آیت "اَلْیَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰٓی اَفْوَاهِهِمْ" میں ہے کہ قیامت کے دن دوزخیوں کے منہ پر مُہر لگادی جائے گی۔ اور ان کے ہاتھ پاؤں ان کے خلاف گواہی دیں گے۔ یعنی قیامت کے دن دوزخی مُنہ سے بات نہ کرسکیں گے۔ پس ثابت ہوا۔ کہ "ختم" یعنی مُہر سے مراد بند کرنا ہے۔

الجواب:۔ اس کا جواب یہ ہے۔ کہ گو ہمیں لفظ "ختم" اور اس کے مشتقات کے متعلق بحث نہیں بلکہ بحث خاص طور پر لفظ "خاتَم" بفتحۂ تاء کے صیغۂ جمع کی طرف مضاف ہونے کی صورت میں آخری یا افضل کے معنوں میں ہونے کی ہے۔ لیکن آیت مذکورہ بالا سے بھی ہرگز یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ آیت مذکورہ میں "نَخْتِمُ" سے مراد بند کرنا ہے کیونکہ آیت محوّلہ کا مطلب یہ نہیں۔ کہ دوزخی قیامت کے دن زبان سے بات ہی نہیں کرسکیں گے۔ بلکہ مطلب یہ ہے۔ کہ انسانی جسم میں زبان کو جو حیثیت حاصل ہے۔ وہ تمام اعضاء اور جوارح کا نمائندہ ہونے کی ہے۔ یعنی اگر کوئی

تکلیف انسان کے سر میں ہو۔ تو اس کا اظہار بھی زبان کرتی ہے۔ اور اگر ہاتھ یا پاؤں میں کوئی خرابی ہو تو وہ بھی زبان ہی بتاتی ہے۔ تو بظاہر خیال ہو سکتا تھا کہ ممکن ہے قیامت کے دن بھی صرف زبان ہی اپنے علاوہ دوسرے اعضاء کے گناہ بیان کر دے گی۔

تو اللہ تعالے نے فرمایا۔ اُس دن ہر عضو اپنے گناہ خود بھی بیان کریگا ہاتھ اپنے گناہ بیان کریں گے۔ پاؤں اپنی بدیاں گنائیں گے۔

لیکن سوال یہ ہے کہ بد زبانی۔ غیبت اور جھوٹ وغیرہ گناہ جن کا ارتکاب نہ زبان سے ہوا ہوگا۔ یہ کون بیان کرے گا؟ کیا ہاتھ بتائینگے یا پاؤں؟ ظاہر ہے کہ زبان اپنے گناہ خود زبان ہی بتائے گی۔

پس قیامت کے دن دوزخی کا منہ بند ہونا تو ثابت نہ ہوا۔ بلکہ دوزخی کا بولنا اور اس کے منہ کا کھلا رہنا ثابت ہوا۔ اگر کہو کہ تمہارا یہ استدلال محض قیاسی ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ استدلال قیاسی نہیں بلکہ خود قرآن مجید میں ہی موجود ہے۔ کہ قیامت کے دن دوزخیوں کی زبان بند نہیں ہوگی۔ بلکہ وہ باتیں کریں گے۔ چنانچہ سورہ نور رکوع ۳ میں ہے:۔ "یَوْمَ تَشْهَدُ عَلَیْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ وَاَیْدِیْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ (سورہ نور ع۳)

یعنی اس دن ان کی زبانیں ہاتھ اور پاؤں ان کے خلاف گواہی دیں گے۔ ان اعمال کی جو وہ کیا کرتے تھے۔

پس صاف طور پر ثابت ہوا۔ کہ قیامت کے دن باوجود "مہر" لگ

جانے کے دوزخی باتیں کریں گے۔

چنانچہ ایک دوسری جگہ بھی ہے۔ کہ جب جسم اور ہاتھ اور پاؤں دوزخیوں کے خلاف گواہی دیں گے۔ تو لکھا ہے۔

وَقَالُوْا لِجُلُوْدِهِمْ لِمَ شَهِدْتُّمْ عَلَيْنَا (حٰمٓ سجدہ ع ۳)

وہ اپنے جسموں سے کہیں گے۔ کہ تم نے ہمارے خلاف کیوں گواہی دی؟ گویا ان کی زبان بند نہ ہوگی۔

پس "اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ" والی آیت میں "ختم" کے معنی ہرگز بکلی بند کرنے کے نہیں ہیں۔ ہمارے نزدیک اس کے معنے یہ بھی ہو سکتے ہیں۔ کہ اللہ تعالےٰ قیامت کے دن زبان پر تصدیق اور سچائی کی مُہر لگا دے گا۔ پس وہ سچ سچ سب کچھ بیان کر دے گی۔ اور جو کچھ وہ اپنے خلاف کہے گی۔ اس کے لئے تو کسی مزید تائید اور شہادت کی ضرورت نہ ہوگی۔ لیکن جو کچھ وہ دوسرے اعضاء کے خلاف کہے گی اس کی تصدیق کرنے کے لئے ہر ایک عضو اپنے اپنے کردہ گناہوں کا اقبال کرے گا۔ اس طرح سے الٰہی مُہر کی تصدیق ہو جائے گی۔

ان معنوں کی تائید مندرجہ ذیل احادیث سے بھی ہوتی ہے:۔

(۱) حضرت ابوہریرۃ رضؓ سے مروی ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ:۔

"اَلَّذِیْنَ تَنَابَرُوْا الَّذِیْ اِذَا هُمْ خَوَاتِیْمُ اللّٰهِ فِیْ اَرْضِهٖ فَمَنْ

جَاءَ بِخَاتَمِ مَوْلَاهُ قُضِيَتْ حَاجَتُهُ (فردوس الاخبار دیلمی ص۱۰۸)

کہ زمین میں دینار اور درہم اللہ تعالےٰ کی مہریں ہیں۔ پس جو شخص اپنے آقا کی مہر لے کر آتا ہے۔ اس کی حاجت پوری ہو جاتی ہے۔

(۲) "اٰمِيْنَ خَاتَمُ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ عَلٰى لِسَانِ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِيْنَ..... مَعْنَاهُ طَابَعُ اللّٰهِ عَلٰى عِبَادِهٖ لِاَنَّهٗ يُدْفَعُ بِهِ الْاٰفَاتُ وَالْبَلَايَا.... اَلْحَدِيْثُ اٰمِيْنَ دَرَجَةٌ فِي الْجَنَّةِ قِيْلَ مَعْنَاهُ اَنَّهٗ طَابَعُ اللّٰهِ عَلٰى عِبَادِهٖ وَقِيْلَ اِنَّهٗ كَلِمَةٌ يَكْتَسِبُ بِهَا قَائِلُهَا دَرَجَةً فِي الْجَنَّةِ" (فردوس الاخبار دیلمی ص۵۴ و ۵۵)

حدیث "آمین" خدا تعالےٰ کی مہر ہے۔ خدا کے مومن بندوں کی زبان پر اس کے معنی یہ ہیں کہ "آمین" اللہ تعالےٰ کی اپنے بندوں پر مہر ہے۔ کیونکہ اس سے آفات اور بلائیں خدا کے بندوں سے دور ہو جاتی ہیں۔ دوسری حدیث میں ہے کہ "آمین" "جنت میں ایک درجہ ہے" کہا گیا ہے۔ کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ "آمین" خدا کی ایک مہر ہے اس کے بندوں پر اور کہا گیا ہے کہ اس کے معنے یہ ہیں۔ کہ اس کا کہنے والا جنت میں درجہ حاصل کرتا ہے۔

پس ان احادیث کی روشنی میں (جو محض محاورہ عربی ثابت کرنے کے لئے [illegible] آیت قرآنی کا مطلب یہی ہوگا۔ کہ قیامت کے دن ان کی زبان پر مہر لگا دی جائے گی۔ یعنی اس کو جھوٹ بولنے سے محفوظ کیا جائے گا۔ سچ بولنے کی ممانعت نہ ہوگی۔ چنانچہ اس

دن زبان جو کہے گی وہ سچ ہی ہو گا۔

ورنہ حوالہ مندرجہ بالا میں "خدا کے بندوں پر مُہر لگنے کا کیا مطلب ہو سکتا ہے۔ اس کا یہ مطلب تو ہرگز نہیں ہو سکتا۔ کہ مومن کی زبان بند ہو جاتی ہے۔ بلکہ ظاہر ہے۔ کہ اس کے معنی الٰہی حفاظت اور تصدیق ہی کے ہیں۔

(۲) اسی طرح "خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ الخ" کی آیت پیش کیا کرتے ہیں۔ کہ اللہ تعالےٰ نے کافروں کے دلوں پر مہر لگا دی ہے

الجواب:۔ (۱) احادیث مندرجہ بالا۔

(۲) یہ آیت تو تمہاری تغلیط اور ہماری تائید کرتی ہے۔ کیونکہ اگر "خَتَمَ" کے معنی بند کرنا ہوں۔ تو پھر اس آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ کافروں کی حرکتِ قلب بند ہو گئی۔ لیکن ظاہر ہے کہ یہ غلط ہے۔

(ب) کیا ان کافروں میں سے کوئی مسلمان نہیں ہوتا؟

(ج) زیادہ سے زیادہ تم اس کے یہی معنے کرو گے۔ کہ کافروں کے دلوں پر خدا نے مُہر کر دی۔ اب ان کے دل میں ایمان کی بات داخل نہیں ہو سکتی!

لیکن سوال یہ ہے کہ کافروں کے دل میں کیا کوئی کفر اور بدی کی بات بھی داخل ہو سکتی یا ان کے دل پر اثر کر سکتی ہے [illegible] یہ ہے کہ جو چیز ان کے دل کے اندر موجود ہے (یعنی کفر) اس کی تائید اور تصدیق کرنے والی چیز دل کے داخل ہونے کے لئے ان کے دل کے دروازے

کھلے ہیں بند نہیں ہوئے۔ ہاں اس کے خلاف (ایمان یا ہدایت وغیرہ) کی باتوں کے لئے دروازہ بند ہے۔

پس تمہارے معنوں کو تسلیم کرتے ہوئے زیادہ سے زیادہ یہی ثابت ہوا۔ کہ جس چیز پر مہر لگائی جائے۔ اس کے مؤید کے لئے دروازہ بند نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کے مخالف کے لئے بند ہوتا ہے

پس اگر خَاتَمَ النَّبِیِّیْن" کی آیت کے معنی بھی اس اصول کے ماتحت لیتے ہو۔ تو اس کا مطلب یہ بنے گا۔ کہ آنحضرت صلعم کی نبوت کے خلاف کوئی نبی نہیں آسکتا۔ ہاں آپؐ کی تائید کے لئے نبی آسکتا ہے۔

یاد رہے کہ یہ معنی ہم نے تمہارے معنوں کو تسلیم کرکے لکھے ہیں۔ ہمارے نقطۂ نگاہ سے اس کے معنوں کے لئے مندرجہ بالا حدیث پر غور کرو۔ تو معنے یہ ہوں گے۔ کہ کافروں کے دلوں میں جو گند ہے۔ خدا اس کا اظہار اپنی مُہر کے ذریعہ کرتا ہے یعنی یہ تصدیق کرتا ہے کہ ان کے دلوں میں گند بھرا ہے۔ اور یہ کہ" ھُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ" وہ ایسے ہٹ دھرم ہیں کہ باوجود صداقت کے کھل جانے کے پھر بھی ایمان نہیں لاتے

گویا ان کا ایمان نہ لانا خدا تعالےٰ کی مُہر کے نتیجہ میں نہیں۔ جیسا کہ تمہارا خیال ہے۔ کیونکہ اس تو ریہ خدا تعالےٰ کی ذات موردِ اعتراض بنتی ہے۔ کہ اگر وہ لوگ ایمان نہیں لاتے تو اس میں ان کا کیا قصور ہے؟ خدا نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی۔ اب وہ بیچارے کافر رہنے پر مجبور ہیں۔

لیکن ہمارے نزدیک یہ بات نہیں۔ بلکہ اس آیت میں خدا تعالیٰ نے ان

کی اندرونی کیفیت کو بے نقاب کر دیا ہے۔ اور اس کے گندہ اور قابلِ نفرت ہونے پر مُہر تصدیق ثبت کر دی ؛

بہرحال تم قرآن مجید کی کوئی بھی آیت پیش نہیں کر سکتے۔ جس میں "ختم" کا مشتق کلی طور پر بند کرنے کے معنوں میں استعمال ہوا ہو۔ اور اگر ایسا ہو بھی تو آیت "خَاتَمَ النَّبِیّٖن" پر اس کا اثر نہیں۔ کیونکہ وہاں لفظ "خاتم" تاء کی زبر کے ساتھ اسم آلہ ہے۔ اور عربی میں جب یہ لفظ جمع کی طرف مضاف ہو۔ اس کے معنے بلا استثناء ہمیشہ افضل کے ہوتے ہیں۔ کیا کوئی ہے جو ہمارے اس چیلنج کو توڑ سکے؟

قلم ہی اٹھیگا نہ تلوار ان سے
یہ بازو میرے آزمائے ہوئے ہیں

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تحریرات

بعض غیر احمدی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بعض اس قسم کی تحریرات پیش کرتے ہیں جن میں معترضین کے نزدیک حضور نے "خاتم النبیین" کا ترجمہ بند کرنے والا کیا ہے۔ یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت کو بند قرار دیا ہے۔

الجواب:۔ حضرت اقدس نے جس نبوت یا رسالت کو بند قرار دیا ہے وہ غیر تشریعی یا بالواسطہ نبوت نہیں۔ بلکہ وہ تشریعی یا براہ راست نبوت ہے چنانچہ حضور نے خود تحریر فرمایا ہے:۔

"جس جس جگہ میں نے نبوت یا رسالت سے انکار کیا ہے صرف ان
معنوں سے کیا ہے۔ کہ میں مستقل طور پر شریعت لانے والا
نہیں ہوں۔" (ایک غلطی کا ازالہ)

(۲) "یہ الزام جو میرے ذمہ لگایا جاتا ہے۔ کہ گویا میں ایسی نبوت
کا دعویٰ کرتا ہوں۔ جس سے مجھے اسلام سے کچھ تعلق باقی نہیں
رہتا۔ اور جس کے یہ معنے ہیں۔ کہ میں اپنے تئیں ایسا نبی سمجھتا
ہوں کہ قرآن مجید کی پیروی کی کچھ حاجت نہیں رکھتا۔ اور اپنا
علیحدہ کلمہ اور علیحدہ قبلہ بناتا ہوں۔ اور شریعت اسلام کو
منسوخ کی طرح قرار دیتا ہوں۔ اور آنحضرت صلعم کی اقتداء
اور متابعت سے باہر جاتا ہوں۔ یہ الزام میرے پر صحیح نہیں ہے۔
بلکہ ایسا دعویٰ نبوت کا میرے نزدیک کفر ہے۔ اور نہ آج
سے بلکہ ہمیشہ سے اپنی ہر ایک کتاب میں یہی لکھتا آیا ہوں۔ کہ
اس قسم کی نبوت کا مجھے کوئی دعویٰ نہیں۔ اور یہ سراسر میرے
پر تہمت ہے۔ ہاں خدا نے میرا نام نبی رکھا ہے پس میں خدا
کے حکم کے موافق نبی ہوں۔ میں اس پر قائم ہوں۔ اسوقت
تک کہ دنیا سے گذر جاؤں۔" (خط اخبار عام ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء)

(۳) "اب بجز محمدی نبوت کے سب نبوتیں بند ہیں۔ شریعت والا نبی
کوئی نہیں آسکتا۔ اور بغیر شریعت کے نبی ہو سکتا ہے۔" (تجلیات الٰہیہ ص ۲۵)

(۴) یہ لوگ اسلام کے دشمن ہیں ختم نبوت کے ایسے معنے کرتے ہیں

جس سے نبوت ہی باطل ہوتی ہے۔ کیا ہم ختم نبوت کے یہ معنے کر سکتے ہیں۔ کہ وہ تمام برکات جو آنحضرت صلعم کی پیروی سے ملنی چاہئیں تھیں وہ سب بند ہو گئے۔" (چشمہ مسیحی ص۱۷)

(۵) "خدا کا یہ قول وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖن اس آیت کے یہ معنی ہیں۔ کہ آنحضرت صلعم نبیوں کے لئے مہر ٹھہرائے گئے ہیں۔ یعنی آئندہ کوئی نبوت کا کمال بجز آپ کی پیروی کی مہر کے حاصل نہیں ہوگا۔" (چشمہ مسیحی ص۲۶)

(۶) "اللہ جل شانہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو صاحب خاتم بنایا۔ یعنی آپ کو افاضۂ کمال کے لئے مہر دی۔ جو کسی اور نبی کو ہرگز نہیں دی گئی۔ اسی وجہ سے آپ کا نام "خاتم النبیین" ٹھہرا۔ یعنی آپؐ کی پیروی کمالات نبوت بخشتی ہے۔ اور آپؐ کی توجہ روحانی نبی تراش ہے۔" (حقیقۃ الوحی ص۹۷ حاشیہ)

غرضیکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتب میں سینکڑوں حوالجات موجود ہیں۔ جن سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ حضرت اقدس نے جہاں آنحضرت صلعم کے بعد نبوت کو بند قرار دیا ہے وہاں محض تشریعی اور براہ راست نبوت مراد ہے۔ اور جہاں حضرت اقدس نے نبوت کو جاری تسلیم فرمایا ہے۔ وہاں صرف غیر تشریعی اور بالواسطہ نبوت مراد ہے۔ فلا تضاد

غیر احمدی:۔ حضرت مرزا صاحب نے لکھا ہے:۔

"اَلَا تعلم اَنَّ الرب الرحیم المتفضل سمّٰی نبیّنا صلی اللّٰہ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَاتَمَ الْأَنْبِيَاءِ بِغَيْرِ اسْتِثْنَاءٍ" (حمامة البشریٰ)
کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلعم کا نام خاتم النبیین بلا استثناء رکھا ہے
غیر تشریعی نبوت کہاں گئی؟

الجواب:۔ ہم آیت "خاتم النبیین" کی بحث میں بدلائل قویہ یہ ثابت کر آئے ہیں۔ کہ "خاتم النبیین" کا ترجمہ "افضل النبیین" ہے۔

پس حضرت اقدس کی عبارت کا اردو ترجمہ یہ ہوگا۔ کہ "اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلعم کو افضل الانبیاء بلا استثناء قرار دیا ہے"

یعنی کوئی ایک بھی نبی ایسا نہیں جس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم افضل نہ ہوں۔ اس طرح "لا نبی بعدی" والی حدیث کے متعلق بھی ہم ثابت کر آئے ہیں۔ کہ اس کے معنی بھی یہی ہیں۔ کہ حضور کے خلاف۔ بلا حضور کی اتباع کے نیز حضور کی طرح صاحب شریعت کوئی نبی نہ آئے گا۔

پس اس حوالہ سے تمہارا مقصد حاصل نہیں ہوتا" لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ" کا جو ترجمہ ہم نے کیا ہے۔ وہ خود تمہارے بزرگ قبل از احمدیت کر چکے ہیں۔ ملاحظہ ہو:۔

"ہاں "لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ" آیا ہے۔ اس کے معنی نزدیک اہل علم کے یہ ہیں کہ میرے بعد کوئی نبی شرع ناسخ نہیں لائے گا۔"

(اقتراب الساعۃ صفحہ ۱۶۲ مصنفہ نواب صدیق حسن خاں)

غیر احمدی:۔ حضرت مرزا صاحب نے مسیح ابن مریم کو سلسلہ موسویہ کا "خاتم الخلفاء" قرار دیا ہے۔ اور اپنے آپ کو سلسلہ محمدیہ کا

خاتم الخلفاء قرار دیا ہے۔

جواب:۔ "خاتم الخلفاء کے معنی "افضل الخلفاء کے ہیں آخری خلیفہ کے نہیں۔ کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے آپ کو اسی طرح سلسلہ محمدیہ کا خاتم الخلفاء قرار دیا ہے جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سلسلہ موسویہ کا۔

اب سوال یہ ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے بعد سلسلۂ خلافت تسلیم کیا ہے یا نہیں؟

تو ظاہر ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی کتاب "حمامۃ البشریٰ" میں تحریر فرمایا ہے:۔

يُسَافِرُ الْمَسِيْحُ الْمَوْعُوْدُ اَوْ خَلِيْفَةٌ مِّنْ خُلَفَائِهٖ اِلٰى اَرْضِ دِمَشْقَ۔ (حمامۃ البشریٰ ص۳۷)

کہ مسیح موعودؑ یا اس کے خلفاء میں سے کوئی خلیفہ دمشق کا سفر اختیار کرے گا (نیز دیکھو پیغام صلح ص۱۳ و نیز ڈائری ۱۴ اپریل ۱۹۰۸ء)

غرضیکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے بعد سلسلہ خلافت تسلیم فرمایا ہے۔ پس "خاتم الخلفاء" کے معنی آخری خلیفہ کے نہ ہوئے بلکہ "افضل الخلفاء کے ہوئے۔

(ب) زیادہ وضاحت کے لئے اسی خطبہ الہامیہ میں حضرت اقدس فرماتے ہیں:۔ "اِنَّهٗ خَاتَمُ الْاَنْبِيَاءِ وَاَنَا خَاتَمُ الْاَوْلِيَاءِ لَا وَلِیَّ بَعْدِیْ اِلَّا الَّذِیْ هُوَ مِنِّیْ وَعَلٰی عَهْدِیْ" (ص۳۵)

کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں۔ اور میں خاتم الاولیاء ہوں۔ میرے بعد کوئی ولی نہیں۔ مگر وہی جو مجھ سے ہو اور میرے عہد پر قائم رہے۔

غرضیکہ حضرت اقدس نے خاتم الانبیاء کا مفہوم بالکل واضح فرما دیا ہے۔ کہ آنحضرت صلعم کے بعد کوئی نبی نہیں ہو سکتا۔ مگر وہی جو آپ میں سے اور آپ کے عہد پر آئے۔ یعنی بالواسطہ بغیر شریعت کے سو یہی مذہب جماعت احمدیہ کا ہے۔ خلافت کے متعلق تو حضرت فرماتے ہیں " ولایت و امارت و خلافت حقہ کبھی ختم نہیں ہوگی۔ یہ سلسلہ خلفاء ربانیین کبھی بند نہیں ہوگا۔ (الحکم جلد ۲ ۳؎)

لفظ "ختم" اور محاورہ اہل عرب :- "لفظ خاتم" کے صیغہ جمع پر مضاف ہو کر " افضل" ہونے کے معنوں میں ہونا بدلائل ثابت کیا جا چکا ہے۔ اب بعض مثالیں لفظ ختم کے فعل استعمال ہونے کی صورت میں محاورہ اہل زبان سے پیش کی جاتی ہیں۔ کیونکہ بعض دفعہ بعض لوگ "ختم بی النبیون" کی حدیث بھی پیش کر دیا کرتے ہیں۔ اور اس کا جواب پہلے گذر چکا ہے۔

(۱) یزید بن معاویہ کے متعلق لکھا ہے۔

" كَانَ فَصِيحًا كَرِيمًا شَاعِرًا مُفْلِقًا قَالُوا بُدِئَ الشِّعْرُ بِمَلِكٍ وَخُتِمَ بِمَلِكٍ اِشَارَةً اِلَى امْرِءِ الْقَيْسِ وَاِلَيْهِ " (کتاب الفخری لابن طقطقی باب الدولۃ الاموية ذکر یزید)

کہ یزید بہت فصیح شاعر تھا۔ اور نہایت اچھے شعر کہتا تھا
مشہور مقولہ ہے۔ کہ شعر ایک بادشاہ سے شروع ہوا۔ اور
بادشاہ پر ختم ہوا۔ اس سے مراد امرءالقیس اور یزید
ہیں۔ یعنی امرءالقیس سے شاعری ہوئی۔ اور یزید بن معاویہ
پر ختم ہوئی۔ کیا عربی کے اس مقولہ کا مطلب یہ ہے۔ کہ یزید
کے بعد کوئی شاعر نہیں ہوا؟ نہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ یزید
اپنے زمانہ کا بہترین شاعر تھا۔

(۲) اسی طرح وفیات الاعیان لابن خلقان جلد ۱ میں ابوالعباس
محمد بن یزید یعنی المبرد نحوی کے ذکر میں لکھا ہے "وَكَانَ الْمُبَرِّدُ
الْمَذْكُورُ وَاَبُوالْعَبَّاسِ اَحْمَدُ بِنْ يَحْيٰ الْمُقَلَّبُ بِثَعْلَبٍ
صَاحِبُ كِتَابِ الْفَصِيْحِ عَالِمَيْنِ مُتَعَاصِرَيْنِ قَدْ خُتِمَ
بِهِمَا تَارِيْخُ الْاُدَبَاءِ"

کہ مبرد اور ابو العباس ثعلب مصنف کتاب الفصیح۔ دونوں
بڑے عالم تھے۔ اور ان دونوں کے ساتھ ادیبوں کی تاریخ ختم
ہوئی۔

اب کیا ادباء کی تاریخ کے ختم ہونے کا مطلب یہ ہے۔ کہ
مبرد اور ثعلب کے بعد کوئی ادیب نہیں ہوا۔ نہیں۔ ہرگز نہیں
مراد صرف یہ ہے۔ کہ یہ دونوں اپنے زمانہ کے بہترین
ادیب تھے۔

صداقت

حضرت مسیح موعُود

علیہ الصّلوٰۃ والسّلام

دلائلِ صداقت حضرت مسیح موعودؑ

پہلی دلیل:۔ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ (یونس ع ۲) کہ میں نے تم میں دعویٰ نبوت سے قبل ایک لمبی عمر گزاری ہے۔ کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے۔ اگر میں پہلے جھوٹ بولتا تھا تو اب بھی بولتا ہوں لیکن اگر میری چالیس سالہ زندگی پاک اور بے عیب ہے تو یقیناً آج میرا دعویٰ الہام و نبوت بھی حق ہے۔ ؎

درجوانی توبہ کردن شیوۂ پیغمبری است

چنانچہ آنحضرت صلعم نے دعویٰ نبوت کیا۔ تو اس سے قبل ابولہب اور دوسرے کافر بھی کہتے تھے۔ مَا جَرَّبْنَا عَلَيْكَ إِلَّا صِدْقًا (بخاری کتاب التفسیر سورۃ الشعراء جلد ۳ ص۱۰٦ مصری) کہ ہم نے آپ سے سوائے سچ کے اور کبھی کچھ تجربہ نہیں کیا۔ مگر جب آنحضرت صلعم نے اپنا دعویٰ بیان فرمایا "فَإِنِّي نَذِيرٌ لَّكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيدٍ" کہ میں خدا کی طرف سے نبی ہو کر آیا ہوں۔ اور یہ کہ ایک خطرناک عذاب آنیوالا ہے۔ تو انہی مصدقین نے انکار کیا۔ اور ابولہب نے تو "تَبًّا لَكَ" بھی کہہ دیا کہ آپکو ہلاکت ہو۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے۔ کہ آنحضرت صلعم کو وہی لوگ جو پہلے مَا جَرَّبْنَا عَلَيْكَ إِلَّا صِدْقًا کہا کرتے تھے۔ بعد از دعویٰ نبوت جھوٹا کہنے لگ گئے۔ "قَالَ الْكَافِرُونَ هَٰذَا سَاحِرٌ كَذَّابٌ" کہ آنحضرت صلعم نہ صرف جادوگر ہیں بلکہ نعوذ باللہ کذاب بھی ہیں۔

(سورہ ص رکوع ۱۔ پارہ ۲۳ رکوع ۱۰)

پس ثابت ہوا کہ نبی کی قبل از دعویٰ زندگی دوست و دشمن کے تجربہ کے رُو سے پاک ہوتی ہے۔ گو پاک تو اس کی دعویٰ نبوت کے بعد کی زندگی بھی ہوتی ہے مگر چونکہ دعویٰ نبوت کی وجہ سے لوگ اسکے دشمن ہو چکے ہوتے ہیں۔ اس لئے وہ اس پر طرح طرح کے اعتراض "دشمن کرے بات انہونی" کے مطابق کیا کرتے ہیں۔ پس اگر کسی مدعی نبوت کی صداقت پرکھنی ہو۔ تو اس کی دعویٰ سے قبل کی زندگی پر نظر ڈالنی چاہیئے۔

حضرت مرزا صاحب علیہ السلام فرماتے :۔

"اب دیکھو خدا تعالیٰ نے اپنی حجت کو تم پر اس طور پر پورا کر دیا ہے کہ میرے دعویٰ پر ہزار ہا دلائل قائم کر کے تمہیں موقع دیا ہے کہ تا تم غور کرو کہ وہ شخص جو تمہیں اس سلسلہ کی طرف بلاتا ہے خود کس درجہ کی معرفت کا آدمی ہے اور کس قدر دلائل پیش کرتا ہے۔ اور تم کوئی عیب۔ افتراء یا جھوٹ یا دغا کا میری پہلی زندگی پر نہیں لگا سکتے۔ تا تم یہ خیال کرو کہ جو شخص پہلے سے جھوٹ اور افتراء کا عادی ہے۔ یہ بھی اس نے جھوٹ بولا ہوگا۔ کون تم میں ہے۔ جو میرے سوانح زندگی میں کوئی نکتہ چینی کر سکتا ہے۔ پس یہ خدا کا فضل ہے۔ جو اس نے ابتداء سے مجھے تقویٰ پر قائم رکھا۔ اور سوچنے والوں کے لئے یہ ایک دلیل ہے۔" (تذکرۃ الشہادتین صـ ۶۲)

اس چیلنج کو شائع ہوئے ۴۲ سال ہو گئے۔ مگر آجتک کسی شخص کو اس کے قبول کرنے کی جرأت نہیں ہوئی۔

ہاں مولوی محمد حسین بٹالوی نے جو حضرت مسیح موعودؑ کو بچپن کے زمانہ

سے جانتا تھا۔ یہ شہادت دی :۔

"مؤلف براہین احمدیہ کے حالات وخیالات سے جس قدر ہم واقف ہیں۔ ہمارے معاصرین سے ایسے واقف کم نکلیں گے۔ مؤلف صاحب ہمارے ہموطن ہیں۔ بلکہ اوائل عمر کے (جب ہم قطبی و شرح ملا پڑھا کرتے تھے۔) ہمارے ہم مکتب بھی۔" (اشاعۃ السنّۃ جلد ۷ ص۶)

"مؤلف براہین احمدیہ مخالف و موافق کے تجربے اور مشاہدے کی رو سے (وَاللہُ حَسِیْبُہٗ) شریعت محمدیہ پر قائم و پرہیزگار و صداقت شعار ہیں۔" (اشاعۃ السنّۃ جلد ۷ ص۹)

"اب ہم اس (براہین احمدیہ) پر اپنی رائے نہایت مختصر اور بے مبالغہ الفاظ میں ظاہر کرتے ہیں۔ ہماری رائے میں یہ کتاب اس زمانہ میں موجودہ حالت کی نظر سے ایسی کتاب ہے جس کی نظیر آج تک اسلام میں شائع نہیں ہوئی ... اور اس کا مؤلف (حضرت مسیح موعودؑ) بھی اسلام کی مالی و جانی و قلمی و لسانی و حالی و قالی نصرت میں ایسا ثابت قدم نکلا ہے۔ جس کی نظیر پہلے مسلمانوں میں بہت کم پائی گئی ہے۔" (اشاعۃ السنّۃ جلد ۶ ص۷)

غیر احمدی۔ مرزا صاحب نے براہین احمدیہ حصّہ پنجم میں لکھا ہے کہ حیات مسیحؑ کا عقیدہ مشرکانہ عقیدہ ہے اور خود بارہ سال حیات مسیح کے قائل رہے ہیں؟

جواب۔ حدّ ہمیشہ اتمام حجّت کے بعد لگتی ہے۔ جب تک نبی ایک بات کو ممنوع قرار نہیں دے دیتا۔ اس وقت تک اس کی خلاف ورزی کرنیوالا کسی فتویٰ کے ماتحت نہیں آتا۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا

"قَدْ اَفْلَحَ وَ اَبِیْہِ اِنْ صَدَقَ"۔ (مسلم صٓ ۲۴ باب الایمان باللہ و شرائع الدین) کہ اس کے باپ کی قسم اگر اس نے سچ بولا ہے۔ تو وہ کامیاب ہوگیا۔ گویا آنحضرت صلعم نے "باپ" کی قسم "وَ اَبِیْہِ" کے الفاظ میں کھائی ہے۔ مگر دوسری جگہ فرمایا:۔

"مَنْ حَلَفَ بِغَیْرِ اللّٰہِ فَقَدْ اَشْرَکَ" (ترمذی، و مشکوٰۃ مجتبائی صٓ ۲۹۶ باب الایمان والنذر) جو خدا کے سوا کسی کی قسم کھائے۔ وہ مشرک ہو جاتا ہے۔

۲۔ چنانچہ مشکوٰۃ مجتبائی صٓ ۲۷ میں ابو داؤد کی یہ روایت درج ہے:۔

"قَالَ صلعم ذَاکَ وَ اَبِی الْجُوْعُ" کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ کہ میرے باپ کی قسم یہ بھوک ہے اس میں آنحضرت صلعم نے اپنے باپ کی قسم کھائی ہے۔ اور اس کے متعلق حضرت ملا علی قاری فرماتے ہیں:۔

"قَوْلُہٗ وَ اَبِی الْجُوْعُ قِیْلَ لَعَلَّ ھٰذَا الْحَلْفَ قَبْلَ النَّھْیِ عَنِ الْقَسَمِ بِالْاٰبَاءِ" (مرقاۃ برحاشیہ مشکوٰۃ مجتبائی صٓ ۲۷) آنحضرت صلعم کا یہ فرمانا کہ "میرے باپ کی قسم" کہا گیا ہے کہ شاید باپوں کی قسم کی ممانعت سے قبل آنحضرت صلعم نے یہ قسم اٹھائی ہے یا عادتاً آنحضرت صلعم کے منہ سے نکل گئی ہے۔

۳۔ "فَقَدْ لَبِثْتُ" والی آیت میں تو چالیس سالہ قبل از دعویٰ زندگی میں جھوٹ اور فسق و فجور سے پاکیزگی کو بطور دلیل پیش کیا گیا ہے۔ ورنہ عقائد تو انبیاء کو خدا تعالیٰ کی وحی ہی آکر مکمل طور پر بتاتی ہے۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود نے بھی اپنے چیلنج میں فرمایا:۔

"تم کوئی عیب افترا یا جھوٹ یا دغا کا میری پہلی زندگی پر نہیں لگا سکتے۔ تاتم یہ خیال کرو۔ کہ جو شخص پہلے سے جھوٹ اور فریب کا عادی ہے۔ یہ بھی اس نے جھوٹ بولا ہو گا۔"

۴۔ آنحضرت صلعم نے پہلے فرمایا۔ "مَنْ قَالَ اَنَا خَیْرٌ مِّنْ یُوْنُسَ بْنِ مَتّٰی فَقَدْ کَذِبَ۔" (بخاری کتاب التفسیر سورۃ نساء باب اِنَّا اَوْحَیْنَا اِلَیْکَ کَمَا اَوْحَیْنَا الخ جلد ۳ ؁ مطبع الٰہیہ مصر)

کہ جو یہ کہے کہ میں یونس بن متی سے بڑا ہوں وہ جھوٹ بولتا ہے۔

پھر فرمایا:۔ "لَا تُفَضِّلُوْنِیْ عَلٰی مُوْسٰی۔" (بخاری) کہ مجھ کو موسیٰؑ سے افضل نہ کہو۔ مگر بعد میں فرمایا۔ "اَنَا سَیِّدُ وُلْدِ اٰدَمَ وَلَا فَخْرَ۔" کہ میں تمام انسانوں کا سردار ہوں۔ اور یہ بطور فخر نہیں بلکہ اظہار واقعہ ہے۔ پھر فرمایا:۔ اَنَا اِمَامُ النَّبِیِّیْنَ وَاَنَا قَائِدُ الْمُرْسَلِیْنَ۔" کہ میں تمام نبیوں کا امام اور رہبر ہوں۔

نیز دیکھو مسلم جلد ۲ ص ۳۰۷ جہاں لکھا ہے کہ کسی شخص نے آنحضرتؐ کو مخاطب کر کے کہا۔ "یَا خَیْرَ الْبَرِیَّۃِ۔" تو آپ نے فرمایا:۔ "ذَالِکَ اِبْرَاھِیْمُ عَلَیْہِ السَّلَامُ۔" کہ میں تمام انسانوں سے افضل نہیں بلکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام تمام انسانوں سے افضل ہیں۔

۵۔ آج اگر کوئی مسلمان بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھے تو اس پر یہودی اور کافر ہونے کا فتوٰی لگ جائے۔ مگر خود آنحضرت صلعم نبوت کے بعد چودہ سال اور سات مہینے بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے

رہے۔ (بخاری کتاب الصلوٰۃ باب التوجہ نحو القبلہ جلد ۱ صفحہ ۵۵ مصری)

"کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلعم صَلّٰی نَحْوَ بَیْتِ الْمُقَدَّسِ سِتَّۃَ عَشَرَ شَھْرًا" آنحضرت صلعم بیت المقدس کیطرف منہ کرکے نماز پڑھتے رہے سولہ یا سترہ مہینے (ہجرت کے بعد) اس تبدیلی پر اعتراض کرنیوالے کو خدا تعالےٰ نے "سَیَقُوْلُ السُّفَھَآءُ" کہکر بیوقوف قرار دیا ہے۔

نوٹ:۔ بعض مخالف مولوی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بعض اس قسم کی عبارات پیش کر دیا کرتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے لکھا ہے کہ میں دعوےٰ سے قبل گمنام تھا مجھے کوئی نہ جانتا تھا وغیرہ وغیرہ۔ اور ان عبارات سے یہ دھوکہ دیتے ہیں کہ جب آپکو ایک شخص بھی نہیں جانتا تھا۔ پھر آپکی پہلی زندگی پر اعتراض کون کرے۔ اس کے جواب میں حضرت مسیح موعود کی مندرجہ ذیل عبارت پیش کرنی چاہئے:۔

"اور میں اپنے باپ کی موت کے بعد محروموں کی طرح ہوگیا اور میرے پر ایک ایسا زمانہ گذرا ہے کہ بجز چند گاؤں کے لوگوں کے اور کوئی مجھ کو نہیں جانتا تھا۔ یا کچھ ارد گرد کے دیہات کے لوگ تھے کہ روشناس تھے۔ اور میری یہ حالت تھی کہ سفر سے اپنے گاؤں میں آتا تو کوئی مجھ کو نہ پوچھتا۔ کہ تو کہاں سے آیا ہے۔ اور اگر میں کسی مکان میں اترتا۔ تو کوئی سوال نہ کرتا۔ کہ تو کہاں اُترا ہے۔ اور میں اس گمنامی اور اس حال کو بہت اچھا جانتا تھا۔ اور شہرت اور عزت اور اقبال سے پرہیز کرتا تھا۔۔۔ پھر میرے رب نے مجھے دعوت اور برگزیدگی کے گھر کی طرف کھینچا۔ اور مجھے اس بات کا علم نہ تھا

کہ وہ مجھے مسیح موعود بنائیگا۔ اور اپنے عہد مجھ میں پورے کریگا۔ اور میں اس بات کو اپنا دوست رکھتا تھا۔ کہ گمنامی کے گوشہ میں چھوڑا جاؤں۔"
(ریویو اُردو فروری ۱۹۰۳ء جلد ۲ ۲ صفحہ ۵۸)

(۲) اگر معترض حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی قبل از دعویٰ زندگی کو نہیں جانتا۔ تو مولوی محمد حسین بٹالوی تو جانتا تھا جس نے لکھا کہ:۔
"مؤلف براہین احمدیہ کے حالات اور خیالات سے جسقدر ہم واقف ہیں۔ ہمارے معاصرین سے ایسے واقف کم نکلیں گے۔ مؤلف صاحب ہمارے ہموطن ہیں۔ بلکہ اوائل کے (جب ہم قطبی و شرح ملا پڑھا کرتے تھے) ہمارے ہم مکتب بھی۔" (اشاعت السنتہ جلد ۷ صفحہ ۶)

(۳) پھر اسی طرح مولوی سراج الدین صاحب (جو مولوی ظفر علی صاحب آف زمیندار کے والد تھے) نے شہادت دی۔ کہ:۔
"مرزا غلام احمد صاحب ۱۸۶۰ء و ۱۸۶۱ء کے قریب ضلع سیالکوٹ میں محرر تھے۔ اسوقت آپکی عمر ۲۲، ۲۴ سال کی ہو گی۔ اور ہم چشم دید شہادت سے کہتے ہیں کہ جوانی میں نہایت صالح اور متقی بزرگ تھے۔" (زمیندار ۸ رجون ۱۹۰۸ء)

(۴) جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صداقت کی یہ دلیل آریوں کے سامنے بیان کی جاتی ہے۔ تو وہ بھی یہی جواب دیتے ہیں کہ ہم انکی قبل از دعویٰ زندگی کو نہیں جانتے اسپر اعتراض کیا کریں؟ تو اس کا بھی یہی جواب ہے کہ اگر تم نہیں جانتے تو ابوجہل اور ابولہب تو جانتے تھے۔ ہم جب ان کی گواہی سے آنحضرت صلعم کی زندگی کا بے عیب اور پاک ہونا ثابت کر سکتے ہیں۔ تو صداقت واضح ہے۔

بعینہ اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت آپکی زندگی کو دیکھنے والوں کی شہادت سے ثابت ہوتی ہے۔

نوٹ نمبر ۲ :- بعض مولوی جب اور کوئی جواب نہیں دے سکتے۔ اور نہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی قبل از دعویٰ زندگی پر کوئی اعتراض کر سکتے ہیں تو کہہ دیتے ہیں کہ قبل از دعویٰ زندگی کا پاک ہونا دلیل صداقت نہیں۔ کیونکہ حضرت مرزا صاحب نے لکھا ہے کہ محض زندگی کا پاک ہونا۔ دلیل صداقت نہیں جیساکہ فرماتے ہیں کہ عمدہ چال چلن اگر ہو بھی تاہم حقیقی پاکیزگی پر کامل ثبوت نہیں ہو سکتا۔ شائد در پردہ کوئی اور اعمال ہوں"

الجواب :- (۱) یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ محض دھوکہ ہے۔ اور اس کا ازالہ خود آیت "فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا" میں موجود ہے۔ یعنی یہ تو ممکن ہے کہ کوئی شخص درحقیقت پاک نہ ہو۔ بلکہ "در پردہ کوئی اور اعمال ہوں" لیکن کچھ عرصہ تک وہ لوگوں کی نظر میں پاکباز ہی بنا رہے۔ جیساکہ حضرت اقدس نے فرمایا ہے۔ لیکن یہ ممکن نہیں کہ کوئی جھوٹا مدعی نبوت ہو۔ اور درحقیقت اس کی زندگی ناپاک ہو۔ اور وہ ایک لمبے عرصہ تک جو چالیس برس تک ممتد ہو۔ پاکباز بنا رہے چنانچہ قرآن مجید کی آیت میں یوں نہیں فرمایا۔ کہ "فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ" کہ میں تم میں رہا ہوں۔ بلکہ فرمایا۔ "فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا"، یعنی میں تم میں ایک "لمبی عمر" گزار چکا ہوں۔ پس "لمبے عرصہ" (عُمُرًا) تک اس کا پاکباز ہونا۔ یقیناً حقیقی راستبازی کی دلیل ہے۔

(۲) ہم نے یہ نہیں کہا کہ محض "عمدہ چال چلن حقیقی پاکیزگی پر گواہ ہے" اور

نہ ہم نے یہ کہا کہ ظاہری راستبازی کیلئے صرف یہ دعویٰ کافی ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کے احکام پر چلتا ہے۔ بلکہ ہماری بحث تو ایک "مدعی الہام" کی قبل از دعویٰ زندگی کی پاکیزگی کے متعلق ہے۔ ہم نے یہ دلیل نہیں دی کہ جس شخص کو عام لوگ راستباز کہیں وہ ضرور حقیقی طور پر سچا ہوتا ہے۔ بلکہ ہم نے تو یہ کہا ہے کہ مدعی نبوت کی دعویٰ سے پہلی زندگی پر دشمن سے دشمن کو بھی کوئی صحیح اعتراض کرنے کا موقع نہیں مل سکتا۔ چنانچہ یہی حال حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ہے کہ آپ کے مخالفین کو بھی حضور کی دعویٰ سے پہلی زندگی پر کوئی اعتراض کرنے کی جرأت نہیں ہوئی۔ پس سوال عام راستباز کا نہیں۔ بلکہ مدعی وحی والہام کی قبل از دعویٰ پاکیزہ زندگی کا ہے۔

(۳) حضرت اقدس نے "حقیقی راستباز" کے متعلق وہ عبارت تحریر نہیں فرمائی۔ بلکہ "ظاہری راستباز" کے متعلق تحریر فرمائی ہے۔ جیسا کہ اس کا پہلا جملہ ہی یہ ہے۔ "ایک ظاہری راستباز کے لئے"۔

(۴) اگر بفرض بحث اس عبارت کو مدعی نبوت کے متعلق بھی تسلیم کر لیا جائے تو حضور نے تحریر فرمایا ہے کہ محض دعویٰ پاکیزگی کافی نہیں بلکہ اس کے ساتھ کوئی امتیازی نشان بھی ہونا چاہیئے۔ سو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پاکیزہ زندگی کے ثبوت میں ہم محض حضرت کا دعویٰ ہی پیش نہیں کرتے۔ بلکہ آپ کے اشد ترین دشمنوں کی شہادت کے علاوہ آسمانی نشان بھی حضور کے اس دعویٰ کی تائید میں پیش کرتے ہیں۔ مثلاً پاکیزہ زندگی بسر کرنے میں تو خود انسان کا بھی دخل ہو سکتا ہے لیکن اپنی زندگی کے بڑھانے یا گھٹانے میں انسان

کا کوئی دخل نہیں ہو سکتا۔ پس "لَوْ تَقَوَّلَ" والے معیار کے مطابق (جس کو ہم نے "دوسری دلیل" کے طور پر بالتفصیل درج کیا ہے)۔

حضرت اقدسؑ کا بعد از دعویٰ وحی و الہام ۲۳ برس سے زیادہ عرصہ تک زندہ رہنا۔ یقیناً امتیازی نشان ہے۔ نیز اس کے علاوہ وہ لاکھوں نشانات بھی جو حضرت اقدسؑ کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ نے ظاہر فرمائے۔ ہماری تائید میں ہیں۔ پس حضرت اقدسؑ کے نزدیک حضورؐ کی قبل از دعویٰ زندگی کا پاکیزہ ہونا یقیناً دلیلِ صداقت ہے۔ چنانچہ حضورؑ خود تحریر فرماتے ہیں:۔

"یہ پاک زندگی جو ہم کو ملی ہے۔ یہ صرف ہمارے مُنہ کی لاف و گزاف نہیں۔ بلکہ اس پر آسمانی گواہیاں ہیں۔" (سراج الدین عیسائی کے چار سوالوں کا جواب صلا)۔ پس ؎

صوفیا اب ہیچ ہے تیری نراہ تیری نراہ
آسماں سے آگئی میری شہادت بار بار (المسیح الموعودؑ)

دُوسری دلیل:۔ وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْأَقَاوِيلِ لَأَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِينِ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِينَ۔" (الحاقہ ع۲) کہ اگر یہ کوئی جھوٹا الہام بنا کر میری طرف منسوب کرتا (اور کہتا کہ یہ الہام مجھے خدا کی طرف سے ہوا ہے) تو ہم اس کا دائیاں ہاتھ پکڑ کر اس کی شاہ رگ کاٹ دیتے۔

گویا اگر کوئی شخص جھوٹا الہام بنا کر خدا کی طرف منسوب کرے۔ تو وہ قتل ہو جاتا ہے۔ اور چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو صداقت کی کسوٹی ہیں۔ آپ ۲۳ سال دعویٰ وحی و الہام کے بعد زندہ رہے۔ اسلئے کوئی جھوٹا مدعی الہام و حی

نبوت اتنا عرصہ زندہ نہیں رہ سکتا۔ جتنا عرصہ آنحضرت صلعم رہے۔
پس قرآن مجید کی مندرجہ بالا آیت کے ماتحت بدلیل استقراء ہمارا دعویٰ ہے کہ آجتک جب سے دنیا پیدا ہوئی ہے کسی جھوٹے مدعی نبوت و الہام کو دعویٰ کے بعد ۲۳ سال کی مہلت نہیں ملی۔ چنانچہ حضرت مسیح موعودؑ نے اربعین میں پانچسو روپیہ انعام کا وعدہ بھی کیا ہے مگر آجتک کسی کو جرأت نہیں ہوئی۔ توریت میں بھی یہی لکھا ہے کہ جھوٹا نبی قتل کیا جائیگا۔" (دیکھو مضمون صداقت مسیح موعودؑ از روئے بائیبل)

۲۔ شرح عقاید نسفی میں جو اہلسنت والجماعت کی معتبر کتابوں میں سے ہے لکھا ہے:۔ "فَاِنَّ الْعَقْلَ یَجْزِمُ بِامْتِنَاعِ اِجْتِمَاعِ هٰذِهِ الْاُمُوْرِ فِیْ غَیْرِ الْاَنْبِیَاءِ فِیْ حَقِّ مَنْ یَّعْلَمُ اَنَّهٗ یَفْتَرِیْ عَلَیْهِ ثُمَّ یُمْهِلُهٗ ثَلَاثًا وَّعِشْرِیْنَ سَنَةً" (ص۱) کہ عقل اس بات کو ناممکن قرار دیتی ہے کہ یہ باتیں ایک غیر نبی میں جمع ہو جائیں۔ اس شخص کے حق میں جس کے متعلق خدا تعالیٰ جانتا ہے کہ وہ خدا پر افتراء کرتا ہے۔ پھر اسکو تیئیس سال کی مہلت دے۔

۳۔ پھر شرح عقائد نسفی کی شرح نبراس میں لکھا ہے:۔
"فَاِنَّ النَّبِیَّ صلعم بُعِثَ وَعُمْرُهٗ اَرْبَعُوْنَ سَنَةً وَتُوُفِّیَ وَعُمْرُهٗ ثَلَاثَةٌ وَّسِتُّوْنَ سَنَةً۔" (ص۴۴۴) تیئیس سال کی میعاد ہم نے اس لئے بیان کی ہے کہ آنحضرت صلعم چالیس سال کی عمر میں نبی ہوئے۔ اور ۶۳ سال کی عمر میں حضورؐ نے وفات پائی۔

۴۔ نبراس میں علامہ عبدالعزیز فرماتے ہیں:۔ "وَقَدِ ادَّعٰی بَعْضُ الْکَذَّابِیْنَ النُّبُوَّةَ کَمُسَیْلَمَةَ الْیَمَامِیِّ وَالْاَسْوَدِ الْعَنْسِیِّ

وَسَجَاحِ الْكَاهِنَةِ فَقُتِلَ بَعْضُهُمْ وَتَابَ بَعْضُهُمْ وَبِالْجُمْلَةِ لَمْ يَنْتَظِمْ أَمْرُ الْكَاذِبِ فِي النُّبُوَّةِ إِلَّا أَيَّامًا مَعْدُودَاتٍ "

(نبراس صـ۴۴۴ مطبوعہ میرٹھ)

کہ بعض جھوٹوں نے نبوت کا دعویٰ کیا۔ جیسا کہ مسیلمہ یمامی۔ اسود عنسی وغیرہ نے۔ پس ان میں سے بعض قتل ہو گئے اور باقیوں نے توبہ کر لی۔ اور نتیجہ یہ ہے کہ جھوٹے مدعی نبوت کا کام چند دن سے زیادہ نہیں چلتا۔

۵۔ امام ابن قیم ایک عیسائی سے مناظرہ کے دوران میں آنحضرت صلعم کی صداقت کی یہ دلیل پیش کرتے ہیں :۔

" وَهُوَ مُسْتَمِرٌّ فِي الْافْتِرَاءِ عَلَيْهِ ثَلَاثَةً وَعِشْرِيْنَ سَنَةً وَهُوَ مَعَ ذَالِكَ يُؤَيِّدُهُ ۔" (زاد المعاد جلد ا صـ۵۰۰) کہ یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ وہ خدا پر تیئیس سال سے افتراء کرتا ہے۔ اور پھر بھی خدا اسکو ہلاک نہیں کرتا بلکہ اس کی تائید کرتا ہے۔ وہ کبھی جھوٹا نہیں ہو سکتا۔

۶۔ پھر فرماتے ہیں :۔" نَحْنُ لَا نُنْكِرُ أَنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْكَذَّابِيْنَ قَامَ فِي الْوُجُوْدِ وَظَهَرَتْ لَهٗ شَوْكَتُهٗ وَلٰكِنْ لَمْ يَتِمَّ لَهٗ أَمْرُهٗ وَلَمْ تَطُلْ مُدَّتُهٗ بَلْ سَلَّطَ عَلَيْهِ رُسُلَهٗ ... فَمَحَقُوْا أَثَرَهٗ وَقَطَعُوْا دَابِرَهٗ وَاسْتَأْصَلُوْا شَافَتَهٗ هٰذِهٖ سُنَّتُهٗ فِيْ عِبَادِهٖ مُنْذُ قَامَتِ الدُّنْيَا وَإِلٰى أَنْ يَّرِثَ الْأَرْضَ وَمَنْ عَلَيْهَا ۔" (زاد المعاد جلد ا صـ۵۰۰)

کہ ہم اس امر کا انکار نہیں کرتے۔ کہ بہت سے جھوٹے مدعیان نبوت کھڑے

ہوئے اور ان کی شان و شوکت بھی ظاہر ہوئی۔ مگر ان کا مقصد کبھی پورا نہ ہوا۔ اور نہ ان کو لمبا عرصہ مہلت ملی۔ بلکہ خدا نے اپنے فرشتے ان پر مسلط کر دیئے جنہوں نے ان کے آثار مٹا دیئے۔ اور ان کی جڑیں اکھاڑ دیں۔ اور اور بنیادوں کو اکھاڑ پھینکا۔ یہی خدا کی اپنے بندوں میں جب سے دُنیا بنی اور جب تک دُنیا موجود رہیگی سنت ہے

مفسرین (۷) علامہ فخرالدین رازی اپنی تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں:۔

"ھٰذَا ذِکْرُہٗ عَلٰی سَبِیْلِ التَّمْثِیْلِ بِمَا یَفْعَلُہُ الْمُلُوْکُ بِمَنْ یَتَکَذَّبُ عَلَیْھِمْ فَاِنَّھُمْ یُمْھِلُوْنَہٗ بَلْ یَضْرِبُوْنَ رَقْبَتَہٗ فِی الْحَالِ۔ (صـ ۲۹۱ جلد ۸)

کہ یہ جو فرمایا۔ کہ اگر یہ جھوٹا الہام بناتا۔ تو ہم اسکی رگ جان کاٹ دیتے یہ بطور مثال ذکر کیا ہے۔ جس طرح بادشاہ اس شخص کو جو جھوٹ موٹ اپنے آپ کو ان کی طرف منسوب کرے، مہلت نہیں دیتے۔

۸۔ پھر فرماتے ہیں " ھٰذَا ھُوَ الْوَاجِبُ فِیْ حِکْمَۃِ اللّٰہِ تَعَالٰی لِئَلَّا یَشْتَبِہَ الصَّادِقُ بِالْکَاذِبِ" (جلد ۸ صـ ۲۹۱ تفسیر کبیر)

کہ خدا کی حکمت کے لئے یہی ضروری ہے۔ (کہ جھوٹے کو جلدی برباد کر دیا جائے) تاکہ صادق کے ساتھ کاذب بھی مل نہ جائے۔ (مشتبہ نہ ہو جائے)

۹۔ امام جعفر طبری تفسیر ابن جریر جلد ۲۹ صـ ۴۲ مطبع میمنیہ صفحہ ۲۷ مصری میں لکھتے ہیں:۔

"اِنَّہٗ کَانَ یُعَاجِلُہٗ بِالْعُقُوْبَۃِ وَلَا یُؤَخِّرُہٗ بِذَالِکَ"

کہ خدا تعالیٰ جھوٹے مدعی نبوت والہام کو فوراً سزا دیتا ہے اور قطعاً تاخیر نہیں کرتا۔

۱۰۔ **مولوی ثناء اللہ**:۔ (الف) "نظام عالم میں جہاں اور قوانین الٰہی ہیں۔ وہاں یہ بھی ہے کہ کاذب مدعی نبوت کو سر سبزی نہیں ہوتی۔ بلکہ وہ جان سے مارا جاتا ہے۔" (مقدمہ تفسیر ثنائی ص۱۷)

(ب) "واقعات گذشتہ سے بھی اس امر کا ثبوت ملتا ہے کہ خدا نے کبھی کسی جھوٹے مدعی نبوت کو سر سبزی نہیں دکھائی۔ یہی وجہ ہے۔ کہ دنیا میں باوجود غیر متناہی مذاہب ہونے کے جھوٹے نبی کی اُمت کا ثبوت مخالف بھی نہیں بتلا سکتے۔ مسیلمہ کذاب اور عبید اللہ عنسی نے . . . دعویٰ نبوت کئے۔ اور کیسے کیسے جھوٹ خدا پر باندھے۔ لیکن آخر کار خدا کے زبردست قانون کے نیچے آکر کچلے گئے . . . وُہ تھوڑے دنوں میں بہت کچھ ترقی کر چکے تھے۔ مگر تابکے۔" (مقدمہ تفسیر ثنائی ص۱۷)

(ج) "دعویٰ نبوت کاذبہ مثل زہر کے ہے۔ جو کوئی زہر کھائے گا۔ ہلاک ہوگا۔" (ایضاً حاشیہ ص۱۷)

۱۱۔ تفسیر روح البیان جلد ۴ ص۴۶۲ پر ہے:۔

"فِي الْآيَةِ تَنْبِيْهٌ عَلٰى اَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَوْ قَالَ مِنْ عِنْدِ نَفْسِهٖ شَيْئًا اَوْ زَادَ اَوْ نَقَصَ حَرْفًا وَاحِدًا عَلٰى مَا اُوْحِيَ اِلَيْهِ لَعَاقَبَهُ اللّٰهُ وَهُوَ اَكْرَمُ النَّاسِ اِلَيْهِ فَمَا ظَنُّكَ بِغَيْرِهٖ۔" کہ اس آیت میں تنبیہ ہے کہ آنحضرت صلعم اپنے پاس سے

کوئی الہام بنا لیتے یا جو وحی خدا کی طرف سے نازل ہوئی۔ اس میں ایک حرف بھی بڑھاتے یا کم کر دیتے۔ تو خدا تعالےٰ آپ کو سزا دیتا۔ حالانکہ آنحضرتؐ خدا کی نظر میں سب دُنیا سے معزز ہیں۔ پھر اگر کوئی دوسرا (اس طرح پر افتراء کرے) تو اسکے متعلق کیا خیال کیا جاتا ہے؟

۱۲- یہی مضمون تفسیر کشاف صفحہ ۱۵۲۴ مطبوعہ کلکتہ و ابن کثیر جلد ۱۰ صفحہ ۷۱ بر حاشیہ فتح البیان و فتح البیان جلد ۱۰ صفحہ ۲۷ و جلالین مجتبائی صفحہ ۴۷۲ و شہاب علی البیضاوی جلد ۸ صفحہ ۲۴۱ اور السراج المنیر مصنفہ علامہ الخطیب بغدادی جلد ۴ صفحہ ۳۶۳ پر بھی ہے۔

نوٹ ۱:۔ بعض غیر احمدی مولوی ہمارے استدلال سے تنگ آکر کہا کرتے ہیں کہ ”لَوْ“ حرف شرط جب کسی جملہ میں مستعمل ہو تو اسکی جزاء فوراً اسی وقت محقق ہو جایا کرتی ہے۔ پس ”لَوْ تَقَوَّلَ“ والی آیت کا مطلب یہ ہے کہ اگر یہ نبی کوئی جھوٹا الہام بناتا۔ تو فوراً اُسی وقت قتل کر دیا جاتا۔ تو اسکے جواب میں یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ یہ قاعدہ ”لَوْ“ کے متعلق بالکل منگھڑت ہے کسی کتاب میں مذکور نہیں۔ نیز قرآن مجید میں ہے۔ ”لَوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ“ کہ اگر تمام سمندر خدا تعالےٰ کے کلمات کو لکھنے کے لئے سیاہی بن جاتے۔ تو وہ سمندر ختم ہو جاتے۔ مگر خدا کے کلمات ختم نہ ہوتے۔ کیا اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ سمندر لکھنا شروع کرنے کے ساتھ ہی یکدم ختم ہو جاتے یا یہ کہ باری باری کر کے

آہستہ آہستہ سب ختم ہو جاتے۔ خدا کے کلمات احاطۂ تحریر میں لائے جاتے۔ توں توں سیاہی بھی ختم ہوتی جاتی۔

نوٹ ۲:۔ بعض غیر احمدی کہا کرتے ہیں کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام شہید کئے گئے تھے۔ ان کو ۲۳ برس کی مہلت بعد از دعویٰ نہ ملی تھی۔

الجواب:۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یہ تحریر فرمایا ہے کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام شہید کئے گئے تھے۔ اور یہی جماعت احمدیہ کا مذہب ہے لیکن حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یہ بھی تو تحریر فرمایا ہے۔ کہ:۔

"عادت اللہ اس طرح پر ہے کہ اوّل اپنے نبیوں اور مُرسلوں کو اس قدر مہلت دیتا ہے کہ دُنیا کے بہت سے حصّہ میں اُن کا نام پھیل جاتا ہے۔ اور ان کے دعویٰ سے لوگ مطلع ہو جاتے ہیں۔ اور پھر آسمانی نشانوں اور دلائل عقلیہ اور نقلیہ کے ساتھ لوگوں پر اتمام حجت کر دیتا ہے۔" (حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۶۵ آخری سطر)

پس یہ تو درست ہے کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام شہید ہوئے۔ لیکن حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یہ کہاں تحریر فرمایا ہے کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام دعویٰ کے بعد ۲۳ برس گذرنے سے پہلے ہی شہید کیے گئے تھے؟ پس جب تک کوئی صریح حوالہ حضرت صاحبؑ کی کتاب سے پیش نہ کرو اس وقت تک ۲۳ سالہ معیار کے جواب میں حضرت یحییٰ علیہ السلام کا نام نہ لو۔

(۲) اگر کوئی ایسا حوالہ ہو بھی (جس کا ہونا یقیناً ناممکن ہے مگر بغرض بحث)

تو بھی ہماری دلیل پر کوئی اثر نہیں۔

کیونکہ ہمارا دعویٰ تو یہ ہے کہ جھوٹا مدعی نبوت بعد از دعویٰ الہام و وحی ۲۳ برس کی مہلت نہیں پا سکتا۔ اور اگر کوئی مدعی نبوت بعد از دعویٰ الہام و وحی ۲۳ برس تک زندہ رہے تو وہ یقیناً سچا ہے۔ لیکن اس کا عکس بکلیہ نہیں۔

اس اعتراض کا مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری نے خوب جواب دیا ہے:۔

"کاذب مدعی نبوت کی ترقی نہیں ہوا کرتی بلکہ وہ جان سے مارا جاتا ہے۔"

اس پر مولوی صاحب حاشیہ میں لکھتے ہیں:۔

"اس سے یہ نہ کوئی سمجھے کہ جو نبی قتل ہوا جھوٹا ہے۔ بلکہ ان میں عموم مطلق ہے۔ یعنی یہ ایسا مطلب ہے کہ جو شخص زہر کھاتا ہے۔ مر جاتا ہے۔ اسکے یہ معنے ہرگز نہیں کہ ہر مرنے والے نے زہر بھی کھائی ہے۔ بلکہ یہ مطلب ہے کہ جو کوئی زہر کھائے گا۔ وہ ضرور مریگا۔ اور اگر اس کے سوا بھی کوئی مرے۔ تو ہو سکتا ہے کہ اُس نے زہر نہ کھائی ہو۔ یہی تمثیل ہے دعویٰ نبوت کاذبہ مثل زہر کے ہے۔ جو کوئی زہر کھائے گا۔ ہلاک ہوگا۔ اگر اسکے سوا بھی کوئی ہلاک ہو تو ممکن ہے۔ ہاں یہ نہ ہوگا کہ زہر کھانے والا بچ رہے۔"

(مقدمہ تفسیر ثنائی ص۱۷ حاشیہ)

سچ ہے جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں ؎

واہ رے جوشِ جہالت خوب دکھلائے رنگ
جھوٹ کی تائید میں حملے کریں دیوانہ دار

ایک وہم اور اُس کا ازالہ

بعض لوگ اس کے جواب میں کہہ دیا کرتے ہیں کہ قرآن مجید کی آیت "قُلْ اِنَّ الَّذِیْنَ یَفْتَرُوْنَ عَلَی اللّٰہِ الْکَذِبَ لَا یُفْلِحُوْنَ مَتَاعٌ فِی الدُّنْیَا" سے معلوم ہوتا ہے کہ مفتری کو دُنیا میں فائدہ ہے۔ یعنی اُس کو لمبی مہلت ملتی ہے۔ (محمدیہ پاکٹ بک صفحہ ۲۷۱)

الجواب:۔ "مَتَاعٌ فِی الدُّنْیَا" سے مراد لمبی مہلت نہیں بلکہ تھوڑی مہلت ہے۔ چنانچہ خود تم نے اگلے ہی صفحہ پر قرآن مجید کی ایک دُوسری آیت اس مقصد کیلئے نقل کر کے خود ہی اس کا ترجمہ کر کے اسکو واضح کر دیا ہے:۔

"اِنَّ الَّذِیْنَ یَفْتَرُوْنَ عَلَی اللّٰہِ الْکَذِبَ لَا یُفْلِحُوْنَ مَتَاعٌ قَلِیْلٌ وَّلَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ۔" (النحل رکوع ۱۵) "تحقیق مفتری نجات نہیں پائیں گے۔ انہیں نفع تھوڑا ہے اور عذاب دردناک"

غرضیکہ قرآن مجید نے مفتری کیلئے لمبی مہلت کہیں بھی تسلیم نہیں کی جو ۲۳ سال تک دراز ہو جائے۔ ہاں تھوڑی مہلت خواہ وہ ایک سال ہو یا دو یا پانچ سال یعنی ہماری بیان کردہ انتہائی مہلت سے کم ہو تو اس سے ہمیں انکار نہیں۔ اگر مفتری کو اتنی لمبی مہلت ملے جتنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ملی تو آیت "لَوْ تَقَوَّلَ" کی دلیل باطل ہو جاتی ہے کیونکہ مخالف بآسانی کہہ سکیگا کہ فلاں مدعی نبوت بھی باوجود جھوٹا ہونے کے تقول کرتا رہا اور ۲۳ سال تک خدا تعالیٰ نے اسکی "قطع وتین" نہ کی۔ تو حضورؐ کا ۲۳ سال تک زندہ رہنا کس طرح

حضور صلعم کی صداقت اور "عدم تقوّل" پر دلیل ہو سکتا ہے۔

یہ کہنا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کیلئے یہ آیت خاص ہے یعنی اگر باوجود اتنی بڑی نعمت کے آپ جھوٹا الہام بناتے تو ہلاک کئے جاتے! تو یہ قابل قبول نہیں۔ کیونکہ یہ ممکن ہی نہیں کہ خدا کا کوئی نبی بھی (خواہ اسپر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہزاروں حصہ کم انعام الٰہی ہوا ہو) اور خواہ وہ کتنے ہی کم درجہ کا ہو۔ وہ خدا تعالیٰ پر افتراء کر سکے۔ یعنی اپنے پاس سے الہام گھڑ کر خدا کی طرف منسوب کر سکے۔ چہ جائیکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اس کا امکان تسلیم کیا جائے۔

پس جب یہ ممکن ہی نہیں کہ خدا کا کوئی سچا نبی جھوٹا الہام بنائے تو پھر یہ کہنے کی کیا ضرورت ہے کہ اگر فلاں سچا نبی جھوٹا الہام بنائے۔ تو ہم اسے ہلاک کر دیں۔ اور پھر اُس کو اس امر کی دلیل کے طور پر پیش کریں کہ یہ سچا ہے اصل بات یہی ہے کہ خدا تعالیٰ کا ابتدا سے یہ قانون ہے کہ وہ جھوٹا دعویٰ نبوت کرنے والوں یا اپنے پاس سے جھوٹا الہام و وحی گھڑ کر خدا کیطرف منسوب کرنیوالوں کو ۲۳ سال سے کم عرصہ میں ہی تباہ و برباد کر دیا کرتا ہے۔ اور اس مسئلہ پر تورات۔ انجیل اور قرآن مجید متفق ہیں۔

پس خدا تعالیٰ نے یہی دلیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کی دی ہے۔ کہ دیکھو جب ہمارا قانون جاری و ساری ہے اور تم کو بھی مسلم ہے کہ جھوٹا نبی تباہ و برباد و ہلاک کیا جاتا ہے۔ تو پھر اگر یہ نبی جھوٹا ہوتا اور الہام جھوٹا بنا کر میری طرف منسوب کرتا تو یقیناً ہلاک ہو جاتا۔

پس اس کا ۲۳ سال کی مہلت پانا اور اس عرصہ میں اس کا ہلاک نہ کیا جانا صریح طور پر اس کی صداقت کو ثابت کرتا ہے۔

باقی رہا سورۃ انعام رکوع ۱۱ کی آیت "وَلَوْ تَرٰی اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِیْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ" پیش کر کے یہ ثابت کرنا کہ افتراء علی اللہ کرنے والوں کو اس جہان میں سزا نہیں ملے گی۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تمہاری عربی زبان سے ناواقفیت کی دلیل ہے عربی میں لفظ "مَوْت" میں "قتل" اور "تَوَفِّی" دونوں شامل ہوتے ہیں پس "موت" کے لفظ سے یہ سمجھنا کہ مفتری قتل نہیں ہو سکتا۔ یا اس کا قتل ہونا یا ہلاک ہونا ضروری نہیں۔ باطل ہے۔

ایک دوسری جگہ اللہ تعالےٰ نے ہماری تائید اور بھی واضح الفاظ میں فرمادی ہے:۔ "وَاِنْ کَادُوْا لَیَفْتِنُوْنَکَ عَنِ الَّذِیْٓ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ لِتَفْتَرِیَ عَلَیْنَا غَیْرَہٗ ... اِذًا لَّاَذَقْنٰکَ ضِعْفَ الْحَیٰوۃِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَکَ عَلَیْنَا نَصِیْرًا" (بنی اسرائیل ع ۸)۔ یعنی کافر تجھے اس وحی سے جو ہم نے تجھ پر نازل کی برگشتہ کرنے کی کوشش میں ہیں اور چاہتے ہیں کہ تو ہم پر افتراء کر کے کوئی اور وحی بنالے۔ اور اگر تو ایسا کرے تو وہ تجھ کو اپنا دوست بنالیں۔ اگر ہم نے تجھ کو ثابت قدم نہ بنایا ہوتا تو تُو ان کے داؤ میں آجاتا۔ لیکن اس صورت میں ہم تجھے دنیا و آخرت میں دُگنا عذاب چکھاتے اور کوئی شخص بھی تجھے ہم سے نہ بچا سکتا۔ + ترجمہ کا آخری حصہ مؤلف محمدیہ پاکٹ بک کو بھی مسلّم ہے۔

دیکھو صفحہ ۲۷ ایڈیشن دوم)

دیکھو اس آیت میں بھی صاف الفاظ میں بتادیا کہ اگر نبی اپنے پاس سے کوئی وحی بناتا تو اسی دنیا میں عذاب الٰہی میں مبتلا کیا جاتا علاوہ اگلے جہان کے عذاب کے۔ یہ کہنا کہ یہ آیت بھی آنحضرت صلعم کیلئے خاص ہے۔ خوش فہمی ہے۔ کیونکہ اس کا مطلب یہ بنتا ہے کہ اگر آنحضرت صلعم کے سوا اور کوئی دوسرا نبی کفار کے کہنے پر لگ کر اپنے پاس سے وحی بنالیتا اور افتراء علی اللہ کرتا تو خدا اسے کوئی عذاب نہ دیتا۔ لیکن (نعوذ باللہ) آنحضرت صلعم اگر ایسا کرتے تو انپر عذاب نازل کرتا۔

؎ گر ہمیں مکتب است و ایں ملاں

کار طفلاں تمام خواہد شد!

ایک اعتراض اور اس کا جواب

۱۔ بعض غیر احمدی کہا کرتے ہیں کہ " لَوْ تَقَوَّلَ " والی آیت تو مدعیان نبوت کیلئے ہے۔ مگر مرزا صاحب نے دعویٰ نبوت ۱۹۰۱ء میں کیا ہے۔

الجواب :۔ یہ غلط ہے کہ یہ آیت صرف مدعیان نبوت کے متعلق ہے۔ اگرچہ مدعیان نبوت بھی اس میں شامل ہیں۔ کیونکہ آیت کے الفاظ ہیں۔ " لَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا " کہ اگر یہ کوئی قول (الہام۔ وحی) اپنے پاس سے بنا کر ہماری طرف منسوب کرے۔ تو وہ ہلاک کیا جاتا ہے " لَوْ تَنَبَّأَ " کا لفظ نہیں۔ کہ اگر یہ نبوت کا جھوٹا دعویٰ کرے۔

پس اس آیت میں ہر ایسے مفتری علی اللہ کا ذکر ہے جو اپنے پاس سے

جان بُوجھ کر جھوٹا الہام و وحی بنا کر خدا کی طرف منسوب کرے۔ ہو سکتا ہے کہ ایسا مفتری علی اللہ مدعیٔ نبوت بھی ہو۔

۲۔ اگر بغرض بحث یہ مان بھی لیا جائے۔ کہ یہاں صرف "مدعی نبوت" ہی مُراد ہے۔ تو پھر بھی تمہارا اعتراض باطل ہے۔ کیونکہ حضرت اقدس کا الہام "هُوَ الَّذِيْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى" براہین احمدیہ میں موجود ہے۔ جس میں حضور ؑ کو "رَسُوْل" کر کے پکارا گیا ہے۔ اور حضور ؑ نے اِس الہام کو خدا کی طرف منسوب فرمایا ہے۔

اگر خدا تعالےٰ نے حضرت مرزا صاحب ؑ کو "رسُول" نہیں کہا تھا تو پھر آیت زیرِ بحث کے ماتحت ان کی "قطع وتین" ہونی چاہیئے تھی۔ مگر حضرت مرزا صاحب ؑ براہین کے بعد قریباً تیس ۳۰ سال تک زندہ رہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کا یہ مذہب نہیں کہ حضرت صاحب براہین کی تالیف کے زمانہ میں نبی نہ تھے۔ بلکہ ہمارا عقیدہ تو یہ ہے کہ حضور براہین کے زمانہ میں بھی نبی تھے۔ ہاں لفظ نبی کی تعریف جو غیر احمدی علماء کے نزدیک مسلّم تھی وہ یہ تھی کہ "نبی" کے لئے شریعت کا لانا ضروری ہے۔ نیز یہ بھی ضروری ہے کہ وہ کسی دُوسرے نبی کا تابع نہ ہو۔ اس تعریف کی رو سے نہ حضرت مرزا صاحب ۱۹۰۱ء سے پہلے نبی تھے اور نہ بعد میں۔ کیونکہ آپ کوئی شریعت نہ لائے تھے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع بھی تھے۔ پس چونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام تشریعی نبی نہ تھے۔ اس لئے اوائل میں حضور اس تعریف نبوت کی رُو سے اپنی نبوت کی نفی کرتے رہے۔ جس سے

مراد صرف اسقدر تھی کہ مَیں صاحبِ شریعت براہ راست نبی نہیں ہوں۔
لیکن بعد میں جب حضورؑ نے "نبی" کی تعریف سب مخالفین پر واضح فرماکر اسکو خوب شائع فرمایا کہ نبی کیلئے شریعت کا لانا ضروری نہیں اور نہ یہ ضروری ہے کہ وہ صاحب شریعت رسول کا متبع نہ ہو۔ "بلکہ" کثرت مکالمہ ومخاطبہ مشتمل بر کثرت امورِ غیبیہ کا نام نبوت ہے، تو اس تعریف کی رُو سے آپؑ نے اپنے آپکو نبی اور رسُول کہا۔ اب ظاہر ہے سنہ ۱۹۰۱ء سے پہلے کی تعریف نبوت کے رُو سے حضرت صاحب کبھی بھی نبی نہ تھے۔ اور نہ صرف حضرت صاحب بلکہ آپؑ سے پہلے ہزاروں انبیاءؑ مثلاً حضرت ہارونؑ۔ سلیمانؑ۔ یحییٰؑ۔ زکریاؑ۔ اسحٰقؑ۔ یعقوبؑ۔ یوسفؑ وغیرہ علیہم السلام بھی نبی ثابت نہیں ہوتے۔ کیونکہ وہ بھی کوئی نئی شریعت نہ لائے تھے۔ لیکن سنہ ۱۹۰۱ء کے بعد کی تشریح کی رُو سے (جو ہم نے اُوپر بیان کی ہے) سنہ ۱۹۰۱ء سے پہلے بھی حضورؑ نبی تھے۔
غرضیکہ حضرت صاحب کی نبوت یا اسکے دعویٰ کے زمانہ کے بارے میں کوئی اختلاف یا شبہ نہیں۔ بلکہ بحث صرف "تعریف نبوت" کے متعلق ہے۔ ورنہ حضرت صاحبؑ کا دعویٰ ابتداء سے آخر تک یکساں چلا جاتا ہے جسمیں کوئی فرق نہیں۔ آپکے الہامات میں لفظ نبی اور رسُول براہین کے زمانہ سے لیکر وفات تک ایک جیسا آیا ہے۔ حضرتؑ نے جس چیز کو سنہ ۱۹۰۱ء کے بعد نبوت قرار دیا ہے اس کا اپنے اندر موجود ہونا حضورؑ نے براہین کے زمانہ سے تسلیم فرمایا ہے۔
پس حضورؑ کو دعویٰ نبوت والہام وحی کے بعد تیئس۲۳ برس کے قریب مہلت ملی۔ جو آپؑ کی صداقت کی بیّن دلیل ہے۔

حق بر زبان جاری

چنانچہ خود مصنف "محمدیہ پاکٹ بک"، کو بھی (جس نے یہ اعتراض کیا ہے) ایک دوسری جگہ اقرار کرنا پڑا ہے۔ جیسا کہ لکھتا ہے:۔

"مرزا صاحب بقولِ خود براہین احمدیہ کے زمانہ میں نبی اللہ تھے"۔
(محمدیہ پاکٹ بک ایڈیشن دوم ۱۹۳۶ء صفحہ ۱۶۰ سطر ۱۷)

ع لو آپ اپنے دام میں صیاد آگیا!

جھوٹے مدعیانِ نبوت اور اُن کا بدانجام

شرائط:۔ جھوٹے مدعیان نبوت کے لئے جو اس آیت کے ماتحت قابل سزا ہیں۔ مندرجہ ذیل باتوں کا ہونا ضروری ہے:۔

۱۔ وہ مجنون نہ ہو۔ تَقَوَّلَ بابِ تفعّل سے ہے جس میں بناوٹ پائی جاتی ہے۔

۲۔ وہ لفظی الہام کا قائل ہو۔ یعنی یہ نہ کہتا ہو کہ جو دل میں خیال آئے۔ وہ الہام ہے۔ کیونکہ آیت میں بَعْضَ الْاَقَاوِیْلِ کا لفظ ہے۔

۳۔ وہ اپنے دعویٰ کا اعلان بھی لوگوں کے سامنے کرے خود خاموش نہ ہو کیونکہ آیت میں "تقول" کا فاعل خود مدعی ہے کوئی دوسرا نہیں۔ یعنی یہ نہیں ہونا چاہیئے کہ مدعی خود تو نہ کوئی دعویٰ کرے نہ الہام پیش کرے بلکہ اسکی بجائے کوئی اور شخص اپنے پاس سے بنا کر دعاوی اس کی طرف منسوب کردے۔ نیز فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ عَنْهُ حَاجِزِيْنَ کے الفاظ بتاتے ہیں کہ ایسے لوگ موجود ہونے چاہئیں۔ جن کے متعلق یہ خیال ہو سکے۔ کہ یہ ہر مشکل میں اس مدعی کے ممد اور معاون ہونگے۔

۴۔ وہ مدعیٔ الوہیت نہ ہو۔ گویا خدا کو اپنے وجود سے الگ ہستی خیال کرنے والا ہو۔ آیت زیر بحث میں لفظ "عَلَيْنَا" اس مضمون کو بیان کرتا ہے۔ علاوہ ازیں قرآن مجید میں خدائی کے دعویٰ کرنے والے کے لئے الگ طور پر ذکر موجود ہے۔ "وَمَنْ يَقُلْ مِنْهُمْ إِنِّي إِلَٰهٌ مِنْ دُونِهِ فَذَٰلِكَ نَجْزِيهِ جَهَنَّمَ ۚ كَذَٰلِكَ نَجْزِي الظَّالِمِينَ۔ (انبیاء رکوع ۲)

کہ جو شخص کہے کہ میں خدا ہوں۔ اللہ کے سوا تو ہم اس کو جہنم کی سزا دیتے ہیں۔ ایسے ظالموں کو ہم اسی طرح سزا دیا کرتے ہیں۔

پس ثابت ہوا کہ مدعی الوہیت کے لئے ضروری نہیں۔ کہ اسے اس دُنیا میں سزا دی جائے۔ بلکہ یہ کاذب مدعی نبوت کے لئے اللہ تعالیٰ نے لازمی اور ضروری قرار دیا ہے کہ اسے اسی دُنیا میں سزا دی جائے کیونکہ کوئی انسان خدا نہیں ہو سکتا۔ پس مدعی الوہیت کا دعویٰ عقلمندوں کو دھوکے میں نہیں ڈال سکتا۔ مگر نبی چونکہ انسان ہی ہوتے ہیں۔ اس لئے جھوٹے مدعیٔ نبوت سے لوگوں کو دھوکہ لگنے کا امکان ہے۔ اس لئے خدا اسی دُنیا میں اس کو سزا دیتا ہے۔

چنانچہ علامہ ابو محمد ظاہری نے بھی اپنی کتاب "الفصل فی الملل والاھواء والنحل" میں لکھا ہے:۔

"وَمُدَّعِي الرُّبُوبِيَّةِ فِي نَفْسِهِ قَوْلُهُ بَيَانٌ كَذِبِهِ قَالُوا فَظُهُورُ الْآيَةِ عَلَيْهِ لَيْسَ مُوجِبًا بِضَلَالِ مَنْ لَهُ"

عَقْلٍ وَاَمَّا مُدَّعِيُ النُّبُوَّةِ فَلَا سَبِيْلَ اِلٰی ظُهُوْرِ الْاٰیَاتِ عَلَیْهِ لِاَنَّهٗ یَکُوْنُ مُضِلًّا لِکُلِّ ذِیْ عَقْلٍ۔" (جلد ا صـ ۱۰۹)

کہ مدعی الوہیت کا دعویٰ ہی خود اسکے جھوٹے ہونے کی دلیل ہے۔ اسلئے اس سے کسی نشان کا ظہور کسی صاحب عقل کو گمراہ نہیں کرسکتا۔ مگر کاذب مدعی نبوت سے نشان ظاہر نہیں ہوسکتے۔ کیونکہ وہ ہر صاحب عقل کو گمراہ کرنے کا باعث ہوگا۔

(ب) یہی فرق نبراس شرح الشرح لعقائد نسفی "بحث الخوارق" میں مذکور ہے۔

(۱) ابو منصور

جواب:۔ وہ مدعی نبوت نہ تھا۔ چنانچہ "منہاج السنۃ" میں بھی جس کا غیر احمدی حوالہ دیا کرتے ہیں۔ اس کا دعویٰ نبوت مذکور نہیں۔

(۲) علامہ ابو منصور البغدادی لکھتے ہیں:۔ وَادَّعٰی هٰذَا الْعِجْلِیُّ اَنَّهٗ خَلِیْفَةُ الْبَاقِرِ... وَقَفَ یُوْسُفُ بْنُ عُمَرَ الثَّقَفِیُّ وَاَتَی الْعِرَاقَ... فَاَخَذَ اَبَا مَنْصُوْرٍ الْعِجْلِیَّ وَصَلَبَهٗ (الفرق فی الفرق صـ ۲۳۴) کہ ابو منصور عجلی نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ وہ باقر کا خلیفہ ہے۔ پس جب یوسف ابن عمر الثقفی کو اس بات کا علم ہوا۔ وہ عراق آیا اور ابو منصور کو پکڑ کر صلیب دے دی۔

(۳) اس کا ۲۷ سال بعد دعویٰ زندہ رہنا شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی کتاب "منہاج السنۃ" میں (جس کا غیر احمدی مولوی حوالہ دیا کرتے ہیں)

قطعاً نہیں لکھا ہوا۔

(۴) غیر احمدی اس کا سن قتل ۳۶۸ھ بتایا کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ قطعاً غلط ہے کیونکہ جیسا کہ اُوپر مذکور ہوا۔ اس کا قاتل یوسف بن عمر الثقفی ہے۔ اور وہ خود ۱۲۷ھ میں مرا۔ جیسا کہ علامہ ابن خلکان کی کتاب "وفیات الاعیان" جلد ۲ صفحہ ۳۶۵ پر لکھا ہے:۔ "وَ ذَالِکَ فِی سَنَۃَ سَبْعٍ وَعِشْرِیْنَ وَ مِائَۃَ"۔ کہ یوسف بن عمر الثقفی کی موت ۱۲۷ھ میں ہوئی۔ جبکہ وہ ۶۵ سال کی عمر کا تھا۔

اب قاتل تو ۱۲۷ھ میں مر گیا۔ اور مقتول بقول غیر احمدیاں ۳۶۸ھ میں مرا۔ العجب۔

(۲) محمد بن تومرت

جواب:۔ (۱) اس کا دعویٰ نبوت کہیں بھی مذکور نہیں ہے۔ (۲) ہاں اس نے حکومت وقت کے خلاف بغاوت ضرور کی۔ اور ۵۱۴ھ میں شاہ مراکش نے اسے دار السلطنت سے نکال دیا۔ اور وہ جبل سوس میں جاکر بغاوت کرتا رہا۔ (۳) اس نے خود دعویٰ مہدویت بھی نہیں کیا۔ فَقَامَ لَہٗ عَشْرَۃُ رِجَالٍ اَحَدُھُمْ عَبْدُ الْمُؤْمِنِ فَقَالُوْا لَا یُوْجَدُ اِلَّا فِیْکَ فَاَنْتَ الْمَھْدِیُّ۔ (کامل ابن الاثیر جلد ۱۰ صفحہ ۲۱۷)۔

کہ اس کے دس ساتھی ہو گئے۔ جن میں سے ایک عبد المومن تھا۔ انہوں نے اسے کہا۔ کہ تیرے سوا مہدی کی صفات اور کسی میں پائی نہیں جاتیں۔ لہذا تو ہی مہدی ہے۔

(۴) اگر اس کا دعویٰ مہدویت ثابت بھی ہو جائے۔ تب بھی وہ "لَوْ تَقَوَّلَ" والی آیت کے نیچے نہیں آسکتا۔ جب تک کہ جھوٹے الہام یا وحی کا مدعی نہ ہو۔

(۳) عبدالمومن

جواب۔ یہ محمد بن تومرت کا خلیفہ تھا۔ یہ بھی اس کے ماتحت آجاتا ہے۔

(۴) صالح بن طریف

جواب۔ (۱) اس نے اپنا کوئی الہام پیش نہیں کیا۔ لہذا "تَقَوَّلَ" نہ ہوا۔

(۲) اس نے خیال کیا تھا کہ وہ خود مہدی ہے۔ "ثُمَّ زَعَمَ اَنَّهُ الْمَهْدِيُّ الَّذِيْ يَخْرُجُ فِيْ اٰخِرِ الزَّمَانِ" (مقدمہ ابن خلدون جلد ۶ صفحہ ۲۰۷) یعنی اس نے خیال کیا کہ وہ مہدی جو آخری زمانہ میں ظاہر ہونے والا تھا وہ میں ہوں۔ مگر اس نے کبھی کوئی الہام پیش نہیں کیا۔

(۳) اس نے اپنے دعویٰ مہدویت کا بھی اعلان کبھی نہیں کیا۔ "وَاَوْصٰی بِدِيْنِهٖ اِلٰى اِبْنِهٖ اِلْيَاسَ وَعَهِدَ اِلَيْهِ بِمُوَالَاةِ صَاحِبِ الْاَنْدُلُسِ وَبِاِظْهَارِ دِيْنِهٖ اِذَا قَوِىَ اَمْرُهُمْ وَقَامَ بِاَمْرِهٖ بَعْدَهٗ اِبْنُهٗ اِلْيَاسُ وَلَمْ يَزَلْ مُظْهِرًا لِلْاِسْلَامِ مُسِرًّا لِمَا اَوْصَاهُ بِهٖ اَبُوْهُ" (مقدمہ ابن خلدون جلد ۶ صفحہ ۲۰۷) کہ اس نے اپنے بیٹے الیاس کو وصیت کی۔ کہ وہ اس کے مذہب پر قائم رہے۔ اور اس سے عہد لیا۔ کہ وہ حاکم اندلس کے ساتھ دوستی رکھیگا اور اپنے مذہب کا اظہار صرف اس وقت کریگا جب وہ طاقتور ہو جائے۔ پس وہ اپنے باپ کے حکم پر

قائم رہا۔ اور یہی ظاہر کرتا رہا کہ وہ مسلمان ہے۔ اور اپنا مذہب چھپاتا رہا۔ جیسا کہ اُس کے باپ نے اسے وصیت کی تھی۔

(۵) عبیداللہ بن مہدی

۱۔ اس نے نبوت کا کبھی دعویٰ نہیں کیا۔

۲۔ اس نے اپنا کوئی الہام پیش نہیں کیا۔

۳۔ ابن خلکان نے وفیات الاعیان کے صـ۲۷۲ جلد۱ پر ایک روایت درج کی ہے۔ کہ عبیداللہ مہدی کو دوسرے یا تیسرے سال الیسع نے جو سلجامہ کا حاکم تھا۔ قید خانہ میں قتل کر دیا تھا۔ اور پھر ایک شیعہ نے بعد میں جھوٹ موٹ ایک دُوسرے آدمی کو عبیداللہ قرار دے دیا۔

(۶) بیان بن سمعان

جواب:۔ یہ نہ مدعی وحی۔ نہ مدعی نبوت۔ نہ مدعی الہام ہاں اس کے بعض واہیات عقائد تھے۔ مگر وہ "تَقَوَّلَ" کی آیت کے ماتحت کسی طرح نہیں آسکتا۔ سوال تو صرف "تَقَوَّلَ عَلَى اللهِ" کا ہے۔ نہ کہ غلط عقائد رکھنے کا۔ چنانچہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ منہاج السنۃ میں لکھتے ہیں:۔

بیان بنُ سمعانِ التّیمیّ الّذی تنسب البیانیۃ مِنْ غالیۃِ الشّیعۃِ انّہٗ کانَ یقُوْلُ اِنَّ اللہَ علٰی صُوْرَۃِ الْاِنْسانِ وَ اِنّہٗ یَھْلِکُ کُلُّہٗ اِلَّا وَجْھُہٗ وَادّعٰی بَیانُ انّہٗ یَدْعُوْا الزُّھْرَۃَ فتُجِیْبُہٗ وَ انّہٗ یفْعَلُ ذالِکَ بِاسْمِ الْاَعْظَمِ فَقَتَلَہٗ خالِدُ بْنُ عَبْدِ اللہِ الْقَسْرِیُّ" (منہاج السنۃ جلد۱ صفحہ ۲۳۸)۔

کہ بیان بن سمعان تیمی وہ تھا جس کی طرف غالی شیعوں کا فرقہ بیانیہ منسوب ہوتا ہے۔ وہ کہا کرتا تھا کہ خدا تعالیٰ انسان کی شکل کا ہے۔ سارا خدا بھی آخر کار ہلاک ہوگا۔ مگر اس کا چہرہ بچ رہیگا۔ اور یہ کہ وہ زُہرہ (ستارے) کو بُلاتا ہے اور وہ اس کو جواب دیتی ہے۔ اور یہ بات وہ صرف اسم اعظم کی برکت سے کرتا ہے۔ پس خالد بن عبداللہ قسری نے اسے قتل کیا۔

(۷) مُقَنَّعْ

جواب:۔ وہ ۱۵۹ھ میں ظاہر ہوُا۔ اور ۱۶۲ھ میں یعنی چار سال بعد اس نے زہر کھا کر خودکشی کر لی۔ اور اس کا سر قلم کیا گیا۔

(تاریخ کامل ابن الاثیر جلد ۶ صـ۱۹)

(۸) ابوالخطاب الاسدی

جواب:۔ (۱) وہ مدعی الہام یا نبوت نہیں بلکہ مدعی الوہیت تھا۔

(۲) وہ قتل ہوُا۔ چنانچہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ منہاج السنۃ جلد ۱ صـ۲۳۹ پر فرماتے ہیں:۔

"وَعَبَدُوْا اَبَا الْخَطَّابِ وَزَعَمُوْا اَنَّهٗ اِلٰهٌ وَخَرَجَ اَبُوالْخَطَّابِ عَلٰى اَبِيْ جَعْفَرِ الْمَنْصُوْرِ . . . فَقَتَلَهٗ عِيْسَى ابْنَ مُوْسٰى فِي الْكُوْفَةِ" کہ لوگ ابوخطاب کو خدا کر کے پُوجنے لگے۔ اور یہ خیال کیا کہ وہ خدا ہے۔ پھر ابوخطاب نے ابوجعفر منصور پر حملہ کیا۔ پس عیسیٰ بن موسیٰ نے کوفہ میں اسے قتل کر دیا۔

نیز دیکھو (کتاب الفصل فی الملل والنحل جلد ۲ صفحہ ۱۱۴)۔

(۹) احمد بن کیال

جواب:۔ (۱) اس نے نہ دعویٰ نبوت کیا۔ نہ دعویٰ وحی والہام۔ (۲) وہ سخت ناکام و نامراد ہوا۔ "لَمَّا وَقَفُوْا عَلٰی بِدْعَتِہٖ تَبَرَّءُوْا مِنْہُ وَلَعَنُوْہُ۔" (الملل والنحل جلد ۲ صفحہ ۱۷ برحاشیہ الفصل فی الملل والنحل) کہ اس کے متبعین کو جب اس کی بدعت کا علم ہوا۔ تو انہوں نے اس سے برأت کا اظہار کیا۔ اور اس پر لعنت بھیجی۔

(۱۰) مغیرہ بن سعد عجلی

جواب:۔ اس کے متعلق کہیں بھی نہیں لکھا کہ اس نے وحی الہام یا نبوت کا دعویٰ کیا۔ پس اس کو پیش کرنا جہالت ہے۔

تیسری دلیل۔ "یَعْرِفُوْنَہٗ کَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَھُمْ" کہ نبی کو اس طرح پہچانتے ہیں جس طرح باپ اپنے بیٹے کو۔ گویا جس طرح بیوی کی پاکیزگی خاوند کے لئے اس امر کی دلیل ہوتی ہے کہ پیدا ہونے والا اس کا ہی بچہ ہے۔ اسی طرح مدعی نبوت کی قبل از دعویٰ پاکیزگی اس کے دعویٰ کی صداقت پر دلیل ہوتی ہے۔ حضرت مسیح موعودؑ کا چیلنج اور محمد حسین بٹالوی کی شہادت دیکھو دلیل نمبر ۱ میں۔

چوتھی دلیل۔ "یٰصٰلِحُ قَدْ کُنْتَ فِیْنَا مَرْجُوًّا قَبْلَ ھٰذَآ" (ہود ع ۶) کہ جب حضرت صالحؑ نے نبوت کا دعویٰ کیا۔ تو ان کی قوم نے کہا کہ اے صالح! آج سے پہلے تیرے ساتھ ہماری بڑی اُمیدیں

وابستہ تھیں۔ تجھ کو کیا ہو گیا کہ تُو نبی بن بیٹھا (سورہ ھود ع ۶ پارہ ۱۲ ع ۶)
گویا جب نبی ابھی دعوے نہیں کرتا۔ قوم اس کی مداح ہوتی ہے۔ مگر جب
دعوے کر دیتا ہے۔ تو قالوا کَذَّابٌ اَشِرٌ کہنے لگ جاتے ہیں۔ کہ یہ
اول درجہ کا جھوٹا اور شریر ہے۔

ایک شبہ کا ازالہ

بعض غیر احمدی کہا کرتے ہیں۔ کہ اگر مرزا صاحب کی ابتدائی زندگی کے
متعلق مولوی محمد حسین بٹالوی یا مولوی ثناء اللہ صاحب نے حسن ظن کا اظہار
کیا۔ تو وہ بھی اسی طرح غلط تھا۔ جس طرح خود مرزا صاحب کا خواجہ
کمال الدین اور مولوی محمد علی صاحب وغیرہ کے متعلق اندازہ ان کی بعد
کی زندگی سے غلط ہو گیا۔

الجواب:۔ یہ قیاس مع الفارق ہے۔
ہماری دلیل تو یہ ہے کہ جو مدعی نبوت ہو اس کی پہلی زندگی کا پاکیزہ ہونا
ضروری ہے۔ نیز یہ کہ مخالفین کی بھی اس سے امیدیں وابستہ ہوتی ہیں۔ ہم
نے کب کہا ہے کہ جس کی زندگی کے متعلق کسی کو حسن ظن ہو۔ وہ ضرور
نبی ہوتا ہے خواہ وہ نبوت کا دعوے کرے یا نہ کرے

حیرت ہے کہ مخالفین کی عقلیں حق کی مخالفت کے باعث اس قدر
مسخ ہو چکی ہیں۔ کہ وہ اتنی موٹی سی بات بھی نہیں سمجھ سکتے۔ کیا خواجہ
کمال الدین یا مولوی محمد علی نے نبوت کا دعوے کیا؟
اگر نہیں تو پھر ان کے متعلق حضرت اقدس کے اظہار خیال کو پیش

کرنا بے معنی ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جو خواجہ صاحب اور مولوی محمد علی صاحب کی تعریف کی ہے۔ تو وہ بالکل ویسی ہی ہے۔ جیسی بیعت رضوان کرنے والوں کے متعلق آنحضرت صلعم نے فرمایا تھا "شما بہترین اہل روئے زمین اند" کہ تم دنیا کے بہتر انسان ہو۔ مگر ان میں سے اجد بن قیس بعد میں مرتد ہو گیا تھا۔

لیکن اجد بن قیس نے نبوت کا دعوٰے نہیں کیا۔ اور نہ ان لوگوں نے یہاں نبوت کا دعوٰے کیا ہے۔ جن کے نام تم بتاتے ہو۔

پانچویں دلیل:۔ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرَاهُ قُلْ فَأْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيَاتٍ وَّادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ فَاِنْ لَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ فَاعْلَمُوْا اَنَّمَآ اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰهِ (ھود ع ۲)

کہ کیا یہ کہتے ہیں کہ یہ خدا کا کلام نہیں۔ بلکہ اس نے اپنے پاس سے بنالیا ہے۔ ان سے کہدے۔ کہ پھر اس جیسی دس سورتیں ہی بنا لاؤ۔ اور سوا خدا کے جسکو چاہو بطور مددگار بلا لو۔ پس اگر تم اور تمہارے مددگار بنانے پر کامیاب نہ ہوں تو پھر جان لو۔ کہ یہ انسانی علم کا نتیجہ نہیں بلکہ علم الٰہی سے ہے۔

قرآن مجید کا یہ چیلنج اسکے کلام الٰہی ہونے پر زبردست دلیل ہے اور پچھلی تیرہ صدیاں قرآن مجید کے اس دعوے کی صداقت پر گواہ ہیں۔ مگر چودھویں صدی میں جو قلم کا زمانہ ہے اسلام پر طرح طرح کے

اعتراضات ہونے شروع ہو گئے۔ مخالفین نے اپنی بدباطنی کا اظہار یہ کہکر کرنا شروع کیا۔ کہ قرآن کا یہ چیلنج بدوؤں اور جاہل عربوں کو دیا گیا تھا۔ اور ایسے زمانہ میں دیا گیا تھا۔ جبکہ چاروں طرف جہالت کا دور دورہ تھا۔ پس ان لوگوں کا قرآن شریف کی مثل لانے پر قادر نہ ہوسکنا قرآن کی صداقت کی دلیل نہیں ہوسکتا۔ ہاں آج اگر ہمارے زمانہ میں جبکہ علوم و فنون کی ترقی سے انسانی دماغ ارتقاء کی انتہائی منازل طے کر چکا ہے کوئی شخص اس قسم کا چیلنج دے۔ تو ایک نہیں ہزاروں انسان اس کا جواب لکھنے پر آمادہ ہو جائیں۔ اس اعتراض کو غلط ثابت کرنے اور مخالفین اسلام کا ایک دفعہ پھر مونہہ بند کرنے کے لئے خدا تعالے نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کھڑا کیا۔ آپ نے تمام دنیا کے سامنے بضرب دہل اعلان فرمایا کہ خدا تعالے نے مجھ کو اپنے خاص مکالمہ مخاطبہ سے مشرف فرمایا ہے۔ اور مجھ کو وہ علوم اور معارف عطا فرمائے ہیں کہ دنیا کا کوئی انسان ان میں میرا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ حضرت مسیح موعودؑ نے اعجاز احمدی اور اعجاز المسیح وغیرہ عربی کتابیں لکھیں۔ اور کہا کہ اگر اعجاز احمدی کا جواب وقت مقررہ کے اندر لکھو۔ تو دس ہزار روپیہ انعام لو۔ اور فرمایا:-

"خدا تعالے ان کے قلموں کو توڑ دیگا۔ اور ان کے دلوں کو غبی کردیگا" (اعجاز احمدی ص۳۷) "پھر اگر بیس دن میں جو دسمبر کی دسویں کے دن کی شام تک ختم ہو جائیگی۔ انہوں نے اس قصیدہ اور اردو مضمون کا جواب

چھاپ کر شائع کر دیا۔ تو یوں سمجھو کہ میں نیست و نابود ہوگیا۔ اور میرا سلسلہ باطل ہوگیا۔ اس صورت میں میری تمام جماعت کو چاہیئے۔ کہ مجھے چھوڑ دیں۔ اور قطع تعلق کریں" (اعجاز احمدی صفحہ۹ آخری صفحہ)

اعجاز المسیح کے متعلق پانچ سو روپیہ انعام کا اشتہار دیا۔ اور لکھا فَاِنَّہٗ کِتَابٌ لَیْسَ لَہٗ جَوَابٌ وَمَنْ قَامَ لِلْجَوَابِ وَ تَنَمَّرَ فَسَوْفَ یَرٰی اَنَّہٗ تَنَدَّمَ وَ تَدَمَّرَ" (اعجاز المسیح سرورق)

کہ یہ وہ کتاب ہے جس کا کوئی جواب نہیں۔ اور جو شخص اس کے جواب کے لئے کھڑا ہوگا۔ وہ دیکھیگا۔ کہ وہ کس طرح نادم اور شرمندہ کیا جائے گا

پھر فرمایا: "وَاِنِ اجْتَمَعَ اٰبَاءُ ھُمْ وَاَبْنَاءُ ھُمْ وَ اَکْفَاءُ ھُمْ وَ عُلَمَاءُ ھُمْ وَحُکَمَاءُ ھُمْ وَ فُقَھَاءُ ھُمْ عَلٰی اَنْ یَّاتُوْا بِمِثْلِ ھٰذَا التَّفْسِیْرِ فِیْ ھٰذَا الْمُدَّۃِ الْقَلِیْلِ الْحَقِیْرِ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِہٖ وَلَوْ کَانَ بَعْضُھُمْ لِبَعْضٍ کَالظَّھِیْرِ" (اعجاز المسیح صفحہ۵۵) اگر ان کے باپ اور ان کے بیٹے اور ان کے ہمسر اور ان کے علماء۔ ان کے حکماء اور ان کے فقہاء (غرضکہ چھوٹے بڑے) سب ملکر اس مدت میں جس میں میں نے اس کو لکھا ہے۔ اس جیسی کتاب لکھنا چاہیں۔ تو کبھی بھی نہ لکھ سکیں گے۔

چنانچہ جب مولوی محمد حسین فیض ساکن بھیں ضلع جہلم نے اس کا جواب لکھنا چاہا۔ تو حضرت کو الہام ہوا مَنَعَہٗ مَانِعٌ مِّنَ السَّمَاءِ کہ اللہ تعالٰے نے آسمان سے اسے جواب لکھنے سے روک دیا ہے۔ چنانچہ وہ ابھی نوٹ

ہی تیار کر رہا تھا۔ کہ ایک ہفتہ کے اندر مر گیا۔ اور پیر گولڑوی نے اس کے لکھے ہوئے نوٹ کو میعاد مقررہ گزر جانے کے بعد سرقہ کر کے اپنے نام سے شائع کر دیا۔ اس کا نام سیف چشتیائی رکھا۔ (تفصیل دیکھو نزول المسیح صفحہ ۷۰)

حضرت مسیح موعودؑ نے اپنی اعجازی کتب کے لئے میعاد اس لئے مقرر کی۔ کہ (۱) یہ اعتراض نہ ہو سکے کہ قرآن کا مقابلہ کیا ہے۔ اور اس طرح سے قرآن کے معجزہ میں کسی قسم کا شبہ پڑ سکے۔ کیونکہ حضرت نے فرمایا ہے۔ کہ مجھے جو اعجازی کلام کا معجزہ دیا گیا ہے۔ وہ قرآن کے ماتحت اور اس کے ظل کے طور پر ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

"ہمارا تو دعوٰے ہے کہ معجزہ کے طور پر خدا تعالٰے کی تائید سے اس انشاء پردازی کی ہمیں طاقت ملی ہے۔ تا معارف وحقائق قرآنی کو اس پیرایہ میں بھی دنیا پر ظاہر کریں۔" (نزول المسیح صفحہ ۵۹)

(ب) "كُلَّمَا قُلْتُ مِنْ كَمَالِ بَلَاغَتِي فِي الْبَيَانِ فَهُوَ بَعْدَ كِتَابِ اللّٰهِ الْقُرْآنِ" (لجۃ النور صفحہ ۱۲۲ حاشیہ)

یعنی میں نے اپنے کمال فصاحت وبلاغت کے متعلق جو کچھ کہا وہ سب قرآن مجید کے ماتحت ہے۔

(ج) ضرورت الامام صفحہ ۲۳ "میں قرآن مجید کے معجزہ کے ظل پر فصاحت و بلاغت کا نشان دیا گیا ہوں کوئی نہیں جو میرا مقابلہ کر سکے۔"

(۲) میعاد کا مقرر کرنا معجزہ کی شان کو کم نہیں کرتا۔ جیسا کہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں۔

"لَوْ قَالَ نَبِيٌّ اٰيَةُ صِدْقِيْ اَنِّيْ فِيْ هٰذَا الْيَوْمِ اُحَرِّكُ اِصْبَعِيْ وَ لَا يَقْدِرُ اَحَدٌ مِنَ الْبَشَرِ عَلٰى مُعَارِضَتِيْ فَلَمْ يُعَارِضْهُ اَحَدٌ فِيْ ذٰلِكَ الْيَوْمِ ثَبَتَ صِدْقُهٗ (الاقتصاد فی الاعتقاد صفحہ ۹۴) یعنی اگر مدعی نبوت یہ کہے کہ میری صداقت کا نشان یہ ہے۔ کہ آج میں اپنی انگلی کو حرکت دیتا ہوں۔ مگر انسانوں میں سے کوئی میرے مقابلہ پر ہرگز ایسا نہیں کر سکیگا۔ پس اگر فی الواقعہ اس دن کوئی شخص اس کے مقابلہ میں انگلی نہ ہلا سکے۔ تو اس مدعی کی صداقت ثابت ہوگئی۔

(۴) چونکہ آپ نے جواب کے لئے انعام مقرر کیا تھا۔ اس لئے اس کے لئے کوئی میعاد مقرر ہونی چاہیئے تھی۔ تاکہ انعام کا فیصلہ ہو سکے۔ کیونکہ زندگی کا کوئی اعتبار نہیں۔

اعجاز احمدی کی مزعومہ غلطیاں

باقی رہا یہ اعتراض کہ اعجاز احمدی میں غلطیاں ہیں ایسا ہی ہے جیسے عیسائیوں کا اعتراض قرآن مجید کی عربی پر ہے۔

ان فیہ لحنا نحوان هٰذانِ لساحران علٰی قراءۃ اِنَّ المشددۃ (ینابیع الاسلام صفحہ ۳۹ بحوالہ طعن الملاحدۃ فی اعجاز القرآن)

کہ ملحدین نے اعتراض کیا ہے کہ قرآن میں غلطیاں ہیں۔ جیسا کہ اِنْ هٰذٰنِ لَسٰحِرٰنِ والی آیت میں جو قراءۃ اِنّ مشددہ والی ہے۔ اس میں اِنَّ هٰذَیْنِ چاہیئے تھا۔

اسی طرح قرآن مجید میں آتا ہے لَمَّا سُقِطَ فِی اَیْدِیْهِمْ (اعراف ع ۱۸)
اس ترکیب کے متعلق روح المعانی میں لکھا ہے۔ ذَكَرَ بَعْضُهُمْ اَنَّ هٰذَا التَّرْكِیْبَ لَمْ یُسْمَعْ قَبْلَ نُزُوْلِ الْقُرْاٰنِ وَلَمْ تَعْرِفْهُ الْعَرَبُ وَلَمْ یُوْجَدْ فِیْ اَشْعَارِهِمْ وَكَلَامِهِمْ (روح المعانی جلد ۳ صفحہ ۳۲)
کہ بعض نے کہا ہے، کہ یہ ترکیب نزول قرآن سے قبل نہیں سنی گئی۔ اور نہ اسکو عرب جانتے تھے۔ اور نہ اہل عرب کے اشعار اور کلام میں یہ ترکیب پائی جاتی ہے۔ پس غلطیاں نکالنا تو آسان ہے۔ صرف اس کی مثل بنانا ہی مشکل ہے۔ جس طرح اہل عرب کا لَوْ نَشَاءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَا کہنا اگر ہم چاہیں تو قرآن جیسی کتاب بنا سکتے ہیں۔ نیز "اعجاز احمدی" کی غلطیاں نکال کر بعض لوگوں نے اپنی جہالت کا ثبوت دیا ہے۔ ان کی آنکھوں کو روشنی پہنچانے کے لئے جناب مولانا محمد اسمٰعیل صاحب مرحوم مولوی فاضل و منشی فاضل قادیان نے ایک کتاب "تنویر الابصار" کے نام سے شائع فرمادی ہوئی ہے۔ جس میں مزعومہ اغلاط کی حقیقت کو آشکارا کیا گیا ہے۔

غیر احمدی:۔ مولوی غنیمت حسین مونگھیری اور قاضی ظفر الدین نے جواب میں قصیدے لکھے۔

الجواب:۔ کیا لوگوں نے میعاد کے اندر یہ جواب لکھے؟
نہیں بلکہ میعاد گزرنے کے سالہا بعد۔ پس

مشتے کہ بعد از جنگ یاد آید بر کلہ خود باید زد

غیر احمدی:۔ بیس دن کی میعاد بہت تھوڑی تھی۔

الجواب:۔ (۱) حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ کی کتاب الاقتصاد فی الاعتقاد ص۹۴ کا حوالہ اوپر درج ہو چکا ہے۔ کہ اگر نبی یہ کہے کہ میں اپنی انگلی کو آج حرکت دیتا ہوں۔ اور کسی کو جرأت نہیں ہو سکتی۔ کہ آج . . . . وہ اپنی انگلی کو میرے بالمقابل حرکت دے سکے۔ تو گو اس میں میعاد ایک دن کی ہو۔ دلیل صداقت ہے۔

(۲) محمدیہ پاکٹ بک کے مؤلف کا یہ لکھنا۔ کہ بیس دن میں ایسی کتاب کا لکھنا قطعی طور پر ناممکن ہے۔ اور یہ کہنا کہ بڑے سے بڑا جلد نویس مصنف بھی صرف پانچ صفحہ روزانہ کا مضمون لکھ سکتا ہے محض بہانہ سازی ہے۔ حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کی تصنیف "حقیقۃ النبوۃ" جس میں مسئلہ نبوت پر فیصلہ کن بحث ہے۔ اور مولوی محمد علی صاحب امیر اہل پیغام کے تمام دلائل کا مکمل رد ہے۔ یہ کتاب قریباً تین سو (۲۹۷) صفحات کی ہے۔ مگر یہ کتاب بیس روز کے اندر اندر تصنیف اور طبع ہو کر شائع بھی ہو گئی۔ مضمون نویس نے مضمون لکھا۔ کاتب نے کتابت بھی کی۔ پریس میں بھی گئی۔ پروف بھی دیکھے گئے۔ مگر تین سو صفحات کی معرکۃ الآرا تصنیف بیس یوم کے اندر تصنیف ہونے کے علاوہ شائع بھی ہو گئی۔ مگر اعجاز احمدی تو کل نوے صفحہ کا رسالہ ہے۔ یعنی حقیقۃ النبوۃ کے تیسرے حصے سے بھی کم ہے۔ مگر عجیب بات ہے۔ اور یہی خدا کا نشان ہے۔ کہ بڑے بڑے مخالف جبہ دار مولوی اس کے جواب سے عاجز آ گئے۔ اور سوائے بہانہ سازی اور حیلہ جوئی کے ان کو

کوئی چارہ کار نظر نہیں آتا۔ اسی طرح حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کی تصنیف "القول الفصل" جو خواجہ کمال الدین صاحب کے رسالہ "اندرونی اختلافات سلسلہ احمدیہ کے اسباب" کا مکمل اور مبسوط جواب ہے۔ یہ رسالہ ۸۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ اور بلحاظ مضمون کے اعجاز احمدی سے اس کا مضمون زیادہ ہے۔ لیکن یہ رسالہ صرف ایک دن میں لکھا گیا۔ علاوہ ازیں اور بھی سینکڑوں مثالیں مل سکتی ہیں۔ "حقیقۃ النبوۃ" اور "القول الفصل" کی میعاد معینہ کی اصالت اور صحت میں کوئی کلام نہیں۔ کیونکہ میعاد ہذا بطور معجزہ یا نشان کے بیان نہیں کی گئی۔ بلکہ محض سرسری طور پر ایک واقعہ کا اظہار کیا گیا ہے۔ لیکن پھر بھی یہ معجزہ نہیں ہیں کیونکہ ان کے ساتھ دعوے اور تحدی نہیں ہے۔ لیکن باوجود اس کے کہ اعجاز احمدی کا مضمون ان دونوں کتابوں سے کم ہے۔ اور میعاد بہت زیادہ ہے . . . . نیز حضرت اقدس کی طرف سے دس ہزاری انعام اور تحدی بھی ہے۔ کہ " خدا ان کے قلموں کو توڑ دیگا۔" مگر کوئی جواب نہ لکھ سکا۔ عقل کے اندھو یونہی حیلہ سازی سے کیا بنتا ہے۔ تمہیں دس ہزار روپیہ جو دیا جا رہا تھا۔ تو اسی لئے کہ ۸۰۔۹۰ ملاں مل کر بیٹھ جائیں۔ اعجاز احمدی کا ایک ایک صفحہ آپس میں تقسیم کرکے اس کا جواب دو دو چار چار گھنٹہ میں لکھ دیں۔ اسی طرح ۱۵۔۲۰ کاتب لگا کر ایک ہی دن میں اس کی کتابت کرالیں۔ اور مختلف پریسوں میں اسکو چھپوا کر دوسرے ہی دن اسکا جواب شائع کردیں

لے دنیا کے کیرڑ و دس ہزار روپیہ میں ایک ۸۰ صفحہ کی کتاب کا جواب بیس یوم میں (تم لاکھوں مولویوں کا) لکھنا کونسی بڑی بات تھی۔ اور اگر تمہیں مال کا طمع نہ تھا۔ تو کم از کم آرام طلبی چھوڑکر لوگوں کی ہدایت ہی کے لئے کچھ محنت کرتے۔ مگر اس وقت خدا نے اپنے اعجازی ہاتھ سے تمہارے قلموں کو توڑ دیا۔ اور تمہارے دلوں کو غبی کر دیا تھا۔ اس لئے اس وقت تو تم مبہوت ہو کر رہ گئے۔ لیکن اب جبکہ تیر ہاتھ سے نکل چکا ہے۔ تم لاجواب ہونے کی صورت میں بھی مقولہ " ملاں آں باشد کہ چپ نہ شود" کے مطابق قابل شرم اور مضحکہ خیز حیلہ سازیوں سے وقت گزارتے ہو ؎

کچھ تو خوفِ خدا کرو لوگو
کچھ تو لوگو خدا سے شرماؤ

چھٹی دلیل:۔ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ هَادُوْۤا اِنْ زَعَمْتُمْ اَنَّكُمْ اَوْلِيَاۤءُ لِلّٰهِ مِنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ وَلَا يَتَمَنَّوْنَهٗۤ اَبَدًۢا بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ (الجمعہ ع ۱)

یعنی یہودی کہتے ہیں کہ ہم خدا کے دوست ہیں۔ اور یہ کہ خدا ہم سے پیار کرتا ہے۔ نَحْنُ اَبْنٰۤؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّاۤؤُهٗ) فرمایا ان سے کہدو۔ کہ اے یہودیو! اگر تم اپنے آپ کو خدا دوست سمجھتے ہو۔ تو اپنے لئے بد دعا کرو موت کی تمنا کرو۔ مگر یاد رکھو کہ یہ لوگ کبھی موت کی تمنا نہیں کرینگے

کیونکہ یہ اپنی بد اعمالیوں کو اچھی طرح جانتے ہیں۔ اور خدا ظالموں کو اچھی طرح جانتا ہے۔ ان آیات سے معلوم ہوا کہ بُرے اعمال کرنے والے ظالم لوگ جو یہ دعوے کرتے ہیں۔ کہ ہم خدا کے دوست ہیں۔ وہ موت کی تمنا نہیں کرتے۔ حضرت مسیح موعودؑ خدا کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں:

اے قدیر و خالق ارض و سما | اے رحیم و مہربان و راہ نما
اینکہ مے داری تو بر دلہا نظر | اینکہ از تو نیست چیزے مستتر
گر تو مے بینی مرا پُر فسق و شر | گر تو دیدا ستی کہ ہستم بد گہر
پارہ پارہ کن منِ بدکار را | شاد کن ایں زمرۂ اغیار را
آتش افشاں بر در و دیوارِ من | دشمنم باش و تباہ کن کارِ من

مگر اس کے باوجود آپ کی جماعت نے ترقی کی۔ آپ کو خدا نے لمبی عمر عطا فرمائی۔ اور اپنے دعوے کی تبلیغ کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ اولاد بڑھی۔ اور ہر قسم کے روحانی جسمانی فوائد حضور کو حاصل ہوئے۔

غیر احمدی:۔ ابوجہل نے بھی اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ کی بد دعا کی تھی (انفال ع ۴)

جواب۔ سورۃ الجمعہ کی آیت میں تو مذکور ہے۔ کہ وہ شخص بد دعا نہیں کرتا۔ جو خود اپنی ذات کے متعلق کوئی دعوے رکھتا ہو۔ مثلاً یہ کہتا ہو کہ خدا تعالیٰ میرا دوست ہے یا مجھ سے محبت کرتا ہے۔ یا اس نے مجھے مامور کیا ہے مگر یہ کہنا کہ اے خدا اگر قرآن سچا ہے۔ تو مجھ پر عذاب آئے۔ یا ایسی

ہی بد دعا تھی جس طرح ایک بچہ اپنی نادانی سے آگ کے کوئلے پر ہاتھ رکھدیتا ہے۔ مگر خدا تعالےٰ سزا ہمیشہ اتمام حجت کے بعد ہی مقرر فرماتا ہے۔

(۲) یہ بد دعا ابوجہل نے کی تھی۔ جیسا کہ بخاری کتاب التفسیر میں مذکور ہے۔ اور ابوجہل مذکور جنگ بدر میں قتل ہوا۔ اور خدا تعالےٰ نے اس جنگ کے متعلق مَارَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی کا ارشاد فرمایا ہے۔ گویا کفار ان آسمانی پتھروں کے ساتھ ہلاک کئے گئے۔ جو آنحضرتؐ کے ہاتھ سے مارے گئے تھے۔ ابوجہل بھی انہی کافروں میں سے تھا۔ غرضیکہ اس نے ڈبل بد دعا کی تھی (۱) اَمْطِرْ عَلَیْنَا حِجَارَۃً مِّنَ السَّمَآءِ (۲) اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ۔ پہلی آیت کے مطابق وہ آنحضرت صلعم کے ہاتھ سے نکلے ہوئے آسمانی پتھروں کا نشانہ بنا اور ہلاک ہوا۔ اور دوسری بد دعا کے مطابق وہ مقتول ہوا۔ اور قرآن مجید نے مسلمانوں کے ہاتھوں سے مارے جانے کو عذاب قرار دیا ہے۔ جیسا کہ فرمایا قَاتِلُوْهُمْ یُعَذِّبْهُمُ اللّٰہُ بِاَیْدِیْکُمْ کہ کافروں کو قتل کرو۔ خدا چاہتا ہے۔ کہ ان کو تمہارے ہاتھوں سے عذاب دے۔ پس ابوجہل کی بد دعا کے ماتحت خدا نے اسکو ڈبل ہی سزا دی۔ گویا آسمانی پتھر بھی اس پر پڑے۔ اور عذاب الیم بھی آیا۔ یاد رہے کہ آیت مَا کَانَ اللّٰہُ لِیُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِیْهِمْ میں یہ صرف وعدہ تھا۔ کہ جب تک آنحضرت صلعم مکہ میں تھے۔ ان پر عذاب نہیں آئے گا۔ لیکن جب حضور بعد از ہجرت مدینہ تشریف لے گئے۔ تو اس کے بعد ابوجہل و اس کے ساتھیوں پر عذاب آیا۔ اَنْتَ فِیْهِمْ سے مراد آنحضرت صلعم کا

سکہ میں موجود ہوتا ہے۔

ساتویں دلیل۔ فَاَنْجَیْنٰہُ وَاَصْحٰبَ السَّفِیْنَۃِ وَجَعَلْنٰھَا اٰیَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ (عنکبوت ع ۲) کہ ہم نے حضرت نوحؑ اور آپ کے ساتھ کشتی میں بیٹھنے والوں کو بچا لیا۔ اور اس بچنے کو تمام جہان کے لئے بطور صداقت نوح نشان مقرر کیا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں آپ کی پیشگوئی کے مطابق ہند میں سخت طاعون پڑی۔ اور پنجاب میں بھی بشدت آئی۔ مگر حضور نے فرمایا۔ کہ خدا تعالےٰ نے مجھے فرمایا ہے کہ اِنِّیْ اُحَافِظُ کُلَّ مَنْ فِی الدَّارِ وَ اُحَافِظُکَ خَاصَّۃً۔ کہ میں ان تمام لوگوں کو جو تیرے گھر کی چار دیواری کے اندر ہونگے طاعون سے محفوظ رکھوں گا۔ خاصکر تیری ذات کو۔ چنانچہ آج تک حضور کے گھر کے اندر کبھی کوئی چوہا بھی نہیں مرا۔ لہٰذا آپ کی صداقت ثابت ہے۔ اور حضور خود بھی طاعون سے اس تحدی کے باوجود محفوظ رہے۔

قادیان میں طاعون پڑنے کے متعلق تفصیل دوسری جگہ "پیشگوئیوں پر غیر احمدی علماء کے اعتراضات کے جواب" میں درج ہے۔ اس جگہ صرف اتنا بیان کرنا ضروری ہے۔ کہ حضرت نے کہیں بھی نہیں لکھا۔ کہ قادیان میں کبھی طاعون نہ آئے گی۔ بلکہ دافع البلاء میں تو صاف لکھا ہے۔ کہ قادیان میں طاعون تو آئے گی۔ مگر طاعون جارف یعنی بربادی بخش نہیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

نوٹ:۔ بے شک ایمان کامل والوں کو بھی اس وعدہ میں شامل کیا گیا ہے۔ لیکن کامل اور ناقص ایمان والوں میں امتیاز مشکل ہے۔ مگر ظاہری مکان کی

چار دیواری میں رہنے والوں کے لئے کامل ایمان کی شرط نہیں۔ لہذا اسی کو آپ جگہ دلیل صداقت کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ جس کا تمہارے پاس سوائے بہانہ سازی کے کوئی جواب نہیں۔

آٹھویں دلیل:۔ خدا تعالےٰ جہاں اپنے سچے انبیاء اور ان کی جماعتوں کو علی رغم انف الاعداء ترقیات اور پے بہ پے فتوحات عطا فرماتا ہے وہاں جھوٹے مدعیان نبوت کو ہرگز ترقی اور کامیابی نہیں ہوتی اور خسران اور شکست کا طوق ان کے گلے کا ہار ہو کر رہ جاتا ہے۔

قرآن نے اس زبردست معیار صداقت کا ذکر متعدد مقامات پر فرمایا ہے

(۱) فرمایا اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰہِ ھُمُ الْغَالِبُوْنَ" پ رکوع ۲ (سورۂ مائدہ رکوع ۸) یاد رکھو کہ خدا ہی کی جماعت ہمیشہ غالب اور کامیاب ہوتی ہے

(۲) اور اس کے بالمقابل کذابوں کی جماعت کا ذکر اس طرح فرماتا ہے۔ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ الشَّیْطَانِ ھُمُ الْخَاسِرُوْنَ (پ ۲۸ رکوع ۳ سورہ مجادلہ ع ۳) یاد رکھو کہ شیطانی گروہ ہمیشہ ناکام و نامراد ہوتا اور گھاٹے اور خسارے میں رہتا ہے۔

اس جگہ سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ کس طرح معلوم ہو کہ "غالب" گروہ کونسا ہے۔ کیونکہ ہر ایک جماعت یہی دعوے کرتی ہے۔ کہ وہ غالب ہے،

(۳) اس اہم سوال کو خدا تعالےٰ نے نہایت وضاحت کے ساتھ حل فرمایا ہے فرمایا:۔ اَفَلَا یَرَوْنَ اَنَّا نَاْتِی الْاَرْضَ نَنْقُصُھَا مِنْ اَطْرَافِھَا اَفَھُمُ

اَفَھُمُ الْغٰلِبُوْنَ (پ ۱۷ رکوع ۴ سورہ انبیاء رکوع ۴) کہ یہ لوگ جو مدعی نبوت کے منکر ہیں ایک زمین کے ٹکڑے کیطرح ہیں۔ اور کیا وہ نہیں دیکھتے۔ کہ ہم اس زمین کو آہستہ آہستہ چاروں طرف سے کم کرتے چلے جارہے ہیں کیا اب بھی وُہ یہ خیال کرتے ہیں۔ کہ وہ "غالب" ہیں؟ یعنی سچے نبی کی علامت یہ ہوتی ہے۔ کہ اسکی جماعت تدریجاً بڑھتی۔ اور اُس کے بالمقابل اس کے مخالفین کی جماعت بتدریج کم ہوتی چلی جارہی ہے۔ مدعی نبوت کی تدریجی ترقی اور اُس کے بالمقابل اسکے مخالفین کا تدریجی تنزل اس مدعی کے صادق اور منجانب اللہ ہونے پر قطعی اور یقینی دلیل ہے۔

(۴) پھر خدا تعالےٰ فرماتا ہے اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَیَوْمَ یَقُوْمُ الْاَشْھَادُ۔ (پ ۲۴ رکوع ۱۲ سورہ مومن ع ۶) کہ ہم اپنے انبیاء اور ان کی جماعتوں کی اسی دنیا میں مدد کرتے ہیں۔ اور پھر قیامت کے دن بھی ہم ہی ان کے مددگار ہوں گے۔ گویا خدا تعالےٰ کا یہ ازلی اور ابدی قانون ہے۔ کہ وُہ اپنے رسولوں کی دشمنوں کے مقابلہ میں مدد اور نصرت فرماتا ہے۔ اور ان کے مخالفین کی معاندانہ اور مخاصمانہ سرگرمیوں کو (جو انبیاء کی تباہی اور بربادی کے لئے کی جاتی ہیں) کبھی کامیاب ہونے نہیں دیتا

(۵) چنانچہ ایک اور جگہ کھلے کھلے الفاظ میں اپنے اس اٹل قانون کا ذکر فرماتا ہے کَتَبَ اللّٰہُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِیْ (پ ۲۸ ع ۳ مجادلہ ع ۳) کہ خدا نے روزِ ازل سے یہ لکھ چھوڑا اور مقرر کردیا ہے۔ کہ وُہ اور اُس کے رسول ہی ہمیشہ غالب رہیں گے۔ گویا ممکن نہیں کہ کوئی جھوٹا مدعی نبوت ہو

اور پھر اس کی جماعت دن بدن بڑھتی چلی جائے۔ یہ خدا تعالیٰ کا غیر متغیر اور غیر متزلزل قانون ہے۔ جو جھوٹے اور سچے مدعیان نبوت کے درمیان ایک واضح اور روشن فیصلہ کرتا ہے۔ تاریخ کے اوراق اس اصول کی صداقت پر معتبر گواہ ہیں۔ آج دنیا میں موسٰے اور ابراہیمؑ اور محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے نام لیوا تو موجود ہیں۔ مگر فرعون۔ نمرود مسیلمہ کذاب وغیرہم کے ساتھ منسوب ہونے کے لئے کوئی بھی تیار نہیں۔

(۶) خدا تعالیٰ ایک اور مقام پر فرماتا ہے اِنَّ الَّذِیْنَ یَفْتَرُوْنَ عَلَے اللّٰہِ الْکَذِبَ لَا یُفْلِحُوْنَ (پ ۱۴ رکوع ۲۱ سورہ نحل رکوع ۵) کہ وہ لوگ جو خدا تعالیٰ پر افترا کرتے۔ اور اپنے پاس سے جھوٹے الہامات بنا کر خدا کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ ہرگز کامیاب نہیں ہو سکتے۔ جھوٹے مدعیان وحی الہام کی ناکامی کا باعث یہ ہے۔ کہ ایسے لوگوں کے دعوے میں خدا تعالیٰ کی طرف سے برکت اور نصرت نہیں ہوتی۔ جو خدا کے سچے نبیوں اور رسولوں کے شامل حال ہوتی ہے۔ چنانچہ خدا تعالیٰ نے اس مضمون کو دوسرے مقام پر بیان فرمایا ہے۔

(۷) لَعْنَۃَ اللّٰہِ عَلَی الْکَاذِبِیْنَ (آل عمران رکوع ۶) اَلَا لَعْنَۃُ اللّٰہِ عَلَی الظَّالِمِیْنَ (پ ۱۲ ع ۲۔ سورہ ھود ع ۲) کہ کذابوں اور اپنے پاس سے جھوٹے الہامات بنانے والے ظالموں پر خدا کی لعنت ہوتی ہے۔

(۸) خدا کی لعنت کا خوفناک نتیجہ قرآن مجید نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔ وَمَنْ یَّلْعَنِ اللّٰہُ فَلَنْ تَجِدَ لَہٗ نَصِیْرًا (پارہ ۵ رکوع ۵ سورہ نساء رکوع ۸) کہ جس پر خدا لعنت کرے۔ اسکا کوئی مددگار اور معاون نہیں رہتا۔

پس صاف طور پر ثابت ہوا کہ وہ لوگ جو جھوٹے طور پر نبوت اور رسالت
کا دعوےٰ کرتے ہیں وہ خدا کی لعنت کے نیچے ہوتے ہیں۔ اور آخر کار وہ
بے یار و مددگار ہو جاتے ہیں۔ ان کا کوئی نام لیوا باقی نہیں رہتا۔ اور
جلد سے جلد خدا تعالےٰ ان کو جڑ سے اکھاڑ دیتا ہے۔

(۹) پھر خدا تعالےٰ فرماتا ہے کہ وَقَدْ خَابَ مَنِ افْتَرٰی (پ ۱۶ ع ۱۳ طٰہٰ ع ۳)
کہ وہ شخص جو الہام کا جھوٹا دعویٰ کرتا ہے۔ ناکام و نامراد رہتا ہے۔

(۱۰) اسی طرح سورہ اعراف رکوع ۱۹ میں بھی خدا تعالیٰ پر افترا کرنیوالوں
کے متعلق اپنا قانون بیان فرما دیا ہے۔ کہ ان پر خدا کا غضب نازل
ہوتا ہے۔ اور وہ اسی دنیا میں ذلیل و رسوا اور خائب و خاسر رہتے ہیں
(کَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُفْتَرِيْنَ) تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ۔

نوٹ ۱:۔ یاد رکھنا چاہیئے کہ مندرجہ بالا دس آیات میں اللہ تعالیٰ نے
جس معیار کا ذکر کیا ہے وہ یہ ہے کہ صادق مدعی نبوت تدریجاً آہستہ
آہستہ ترقی پاتا چلا جاتا ہے۔ اس کی ترقی یکدم اور فوری نہیں ہوتی تا
کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ وہ اتفاقی طور پر کامیاب ہو گیا۔ اور یہ کہ ہمیں اس
کے استیصال اور مقابلہ کیلئے پورا موقعہ نہیں ملا۔ ورنہ ہم اگر ذرا زیادہ
زور لگاتے تو اس کو مٹا سکتے تھے۔ اور اس طرح سے یہ امر دنیا پر مشتبہ
ہو جاتا۔ کہ مدعی کی ترقی اتفاقی تھی۔ یا خدا تعالےٰ کی خاص تائید اور
نصرت اس کے شامل حال تھی۔ پس خدا تعالےٰ ان کے مخالفین کو کھلا کھلا
موقعہ دیتا ہے تا وہ انفرادی طور پر بھی اس کو مٹانے کے منصوبے کرلیں اور پھر

اپنی تمام طاقتیں مجتمع کر کے بھی زور لگا لیں۔ ایک بار کوشش کر لیں۔ بچھر کر لیں۔ بچھر کر لیں۔ تا کسی کو اس میں شبہ نہ رہ جائے۔ کہ مخالفین کی ناکامی اور مدعی کی کامیابی میں خدا کا زبردست ہاتھ کام کر رہا تھا۔ چنانچہ مسیلمہ کذاب کے دو سال کے عرصہ میں ڈیڑھ لاکھ کے قریب پیرو ہو گئے۔ مگر اسی عرصہ میں وہ انتہائی بے بسی کے ساتھ قتل ہوا۔ جس سُرعت اور تیزی کے ساتھ وہ اٹھا تھا۔ اسی کے ساتھ وہ گرا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام اکیلے کھڑے ہوئے اور خدا نے آپ کو بتایا کہ "یَاْتُوْنَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ" کہ تیرے پاس اس کثرت سے لوگ آئیں گے کہ سڑکوں میں گڑھے پڑ جائیں گے "میں تیری تبلیغ کو دنیا کے کناروں تک پہنچاؤں گا۔" چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ مسیلمہ کذاب کی جماعت ایک دو سال کے عرصہ میں یکدم بہت بڑھ گئی۔ مگر وہ اور اس کی جماعت فوراً تباہ کر دیئے گئے۔ سچ کی نشانی یہی ہے کہ اس کی ترقی تدریجاً ہوتی ہے جیسے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ہوئی۔

نویں دلیل (۱) ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ (روم ع۵)
(۲) اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ۔ کہ نبی اس وقت آتا ہے کہ جب دنیا میں کفر و ضلالت کی گھنگھور گھٹائیں چھا جاتی ہیں۔ اختلافات پھیل جاتے ہیں (سورۃ جمعہ ع۱) موجودہ زمانہ کی حالت کے متعلق شہادتیں ملاحظہ ہوں۔ (۱) سچی بات تو یہ ہے کہ ہم میں سے قرآن مجید بالکل اٹھ چکا ہے فرضی طور پر ہم قرآن مجید پر ایمان رکھتے ہیں۔ مگر واللہ دل سے اسے معمولی اور بہت

معمولی اور بیکار کتاب جانتے ہیں۔" (اہلحدیث ۱۴ جون سنہ ۱۹۱۲ء)

(۲)"اب اسلام کا صرف نام۔ قرآن کا فقط نقش باقی رہ گیا ہے مسجدیں ظاہر میں تو آباد ہیں لیکن بالکل ویران علماء اس امت کے بدتر ان کے ہیں" (اقترب الساعۃ ص۱۲)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کیا خوب فرمایا ہے "نہ صرف یہ کہ میں زمانہ کے لوگوں کو اپنی طرف بلاتا ہوں۔ بلکہ خود زمانہ نے مجھے بلایا ہے"

(پیغام صلح آخری سطر)

جہاں میں چار سو گمراہیاں ہیں۔ زمانہ خود ہی ہے طالب نبی کا

دسویں دلیل:۔ "فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا اَوْ کَذَّبَ بِاٰیٰتِہٖ فَاِنَّہٗ لَا یُفْلِحُ الْمُجْرِمُوْنَ" کہ اس شخص سے زیادہ اور کون ظالم ہے جو خدا پر جھوٹ باندھے۔ یا خدا کی آیات کا انکار کرے اور خدا ان مجرموں کو کامیاب نہیں کرتا ؎

کبھی نصرت نہیں ملتی در مولا سے گندوں کو

پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا اپنے مقصد میں کامیاب ہونا آپ کی صداقت کی زبردست دلیل ہے۔

گیارھویں دلیل: عَالِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖۤ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ"۔ کہ خدا عالم الغیب ہے۔ وہ اپنے غیب پر اپنے رسولوں کے سوا اور کسی کو کثرت سے اطلاع نہیں دیتا (یعنے اس پر غالب نہیں کرتا)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے لاکھوں پیشگوئیاں کیں جو پوری ہوئیں

اور ان کا انکار مخالف بھی نہیں کر سکتے۔ مثلاً سعد اللہ لدھیانوی اور اس کے بیٹے کے ابتر ہونے کی پیشگوئی کی تفصیل کیلئے دیکھو انوار اسلام صہ ۱۲ وتتمہ حقیقۃ الوحی صفحہ ۷، ۲۰، ۱۳ و ۱۸۔ چند اور پیشگوئیاں بطور نمونہ درج کرتا ہوں۔ تفصیلاً حقیقۃ الوحی دیکھو۔ (۱) کرم دین جہلمی والے مقدمہ سے بریت اور اس کا مفصل حال پہلے سے شائع کیا (مواہب الرحمٰن صہ ۱۲۹)

وَمِنْ اٰیٰتِیْ بِمَا اَنْبَاَنِیَ الْعَلِیْمُ الْحَکِیْمُ فِیْ اَمْرِ رَجُلٍ لَئِیْمٍ وَبُھْتَانِہٖ الْعَظِیْمِ وَاَوْحٰی اِلَیَّ اَنَّہٗ یُرِیْدُ اَنْ یَّتَخَطَّفَ عِرْضَکَ ثُمَّ یَجْعَلُ نَفْسَہٗ عَرْضَکَ وَاَرَانِیْ فِیْہِ رُؤْیَا ثَلٰثَ مَرَّاتٍ وَاَرَانِیْ اَنَّ الْعَدُوَّ اَعَدَّ لِذٰلِکَ ثَلٰثَۃَ حُمَاۃٍ لِتَوْہِیْنٍ وَاِعْنَاتٍ وَرَاَیْتُ اَنَّ اٰخِرَ اَمْرِیْ نَجَاتٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَلَوْ بَعْدَ حِیْنٍ۔

اور یہ مقدمہ چندولال اور آتما رام کی کچہری میں چلتا رہا۔ جس میں آخر کار حضرت بری ہوئے۔

(۲) ڈوئی کی موت کی پیشگوئی۔ کہ اگر مباہلہ کرے یا اگر نہ بھی کرے۔ تب بھی اس کو اللہ تعالے ہلاک کر دے گا۔ سو وہ ایک لاکھ کی ملکیت سے بے دخل ہوا۔ اور پھر اس کی بیوی بچے اس سے علیحدہ ہو گئے۔ اور آخر فالج کے ذریعہ بہت خراب حالت میں فوت ہوا۔ (تفصیل دیکھو تتمہ حقیقۃ الوحی صہ ۲۱۹)

(۴) عبدالرحیم ابن نواب محمد علی خاں کے متعلق (حقیقۃ الوحی صہ ۲۱۹)

(۵) واقع البلاء و معیار اہل الاصفاء میں چراغ الدین جمونی کے طاعون سے ہلاک ہونے کی پیشگوئی فرمائی تھی۔ سو وہ ۴ اپریل سنہ ۱۹۰۶ء کو معہ اپنے دونوں بیٹوں

کے ہلاک بمرض طاعون ہوا۔ کیا یہ کم نشان ہے۔

(۶) پیشگوئی۔ زلزلہ کا دھکا عَفَتِ الدِّیَارُ مَحِلُّهَا وَمُقَامُهَا۔ یہ چار اپریل ۱۹۰۵ء کو کانگڑہ والے زلزلہ کے نام سے واقع ہوا۔

(۷) "آہ! نادر شاہ کہاں گیا؟"

(الہام ۳ مئی ۱۹۰۵ء شائع شدہ اخبار بدر جلد ۱ ۵ ۱۹۰۵ء صـ۱ و مکاشفات صـ۳۸ مطبوعہ ۱۹۱۳ء و البشریٰ جلد ۲ صـ۹۶) اس الہام میں بتایا گیا تھا کہ (۱) کسی ملک میں ایسے ایسے عظیم الشان انقلابات وقوع پذیر ہونگے کہ ہر طرف سے نادر خاں کو "المدد" "المدد" کی پکار سے بلایا جائے گا۔ اور جب لوگ اس کو "نادر خاں" کہہ رہے تھے۔ خدا اس کو "نادر شاہ" کے نام سے پکار رہا تھا۔ اس میں یہ پیشگوئی تھی کہ وہ "نادر خاں" تخت پہ متمکن ہو کر "نادر شاہ" کے لقب سے حکومت کرے گا۔

(۲) پھر اس الہام میں یہ بتایا گیا تھا۔ کہ آخر کار وہ "نادر شاہ" کسی ہیبت ناک اور فوری حادثہ کے باعث طرفۃ العین میں صفحۂ ہستی سے نابید ہو جائیگا۔ اور اس کا یہ قتل ایسے وقت میں ہوگا۔ جبکہ ملک کو اس کی خدمات کی اشد ضرورت ہوگی۔ اور چاروں طرف سے آوازیں آئیں گی "آہ! نادر شاہ کہاں گیا"۔ چنانچہ اس پیشگوئی کا پہلا حصہ ۱۹۲۹ء میں پورا ہوا۔ جبکہ افغانستان میں امان اللہ کی حکومت کا تختہ الٹنے اور بچہ سقہ کے ہاتھ سے حکومت لے لینے کے لیے "نادر خاں" کو فرانس سے بلایا گیا۔ اور "نادر خاں" کابل میں آکر "نادر شاہ" کے لقب سے سریر آرائے سلطنت ہوا۔

اسی وقت جماعت احمدیہ کی طرف سے جہاں اس الہام کے ایک پہلو کے پورا ہونے پر اظہار مسرّت کیا گیا۔ وہاں ساتھ ہی اس الہام کے دوسرے پہلو کی طرف بھی صاف طور پر اشارہ کر دیا گیا تھا۔ چنانچہ نادر خاں کے قتل سے پہلے لکھا گیا۔

"دوسرے مفہوم میں ایک ایسا خیال جھلک رہا ہے کہ موسوم (نادر شاہ) کو کوئی خطرناک مصیبت پیش آئے گی۔ اور اس کے نقصان پر بہت رنج و غم محسوس کیا جائے گا۔" اوپر لکھا جا چکا ہے کہ "آہ نادر شاہ کہاں گیا" کا ایک اور مفہوم بھی ہو سکتا ہے۔ اس لئے ممکن ہے کہ یہ الفاظ کسی اور موقعہ پر کسی اور طرح بھی پورے ہوں۔ لیکن ہم نادر شاہ کی بہتری کے لئے دعا کرتے ہیں۔"

(الفضل ۳ جنوری ۱۹۳۰ء صفحہ ۱۱ کالم ۱ و ۲)

چنانچہ ۸ نومبر ۱۹۳۳ء کو عین دن کے وقت نادر شاہِ افغانستان ایک شخص "عبد الخالق" نامی کے ہاتھوں سینکڑوں آدمیوں کی موجودگی میں قتل کر دیا گیا۔ اور افغانستان نہیں۔ بلکہ تمام عالم اسلامی نے زبانِ حال سے پکارا۔

آہ! نادر شاہ کہاں گیا؟

(۸) مندرجہ بالا الہام کے بعد اگلا الہام یہ تھا:-

پھر بہار آئی خدا کی بات پھر پوری ہوئی۔۔۔۔

صَدَّقْتَ الرُّؤْیَا اِنَّا کَذٰلِکَ نَجْزِی الْمُتَصَدِّقِیْنَ۔ یعنی (زلزلہ

"تیرے رویاء کو سچا کر دکھایا۔ اور اسی طرح ہم صدقہ دینے والوں کو جزا دیتے ہیں" (بدر جلد ۱ نمبر ۶ صفحہ ۱ و ۲ صفحہ ۵ ۔ و البشریٰ جلد ۲ صفحہ ۹۷)

وہ رویاء جس کی طرف مندرجہ بالا عبارت میں اشارہ ہے یہ ہے :۔

"رویاء میں دیکھا کہ بشیر احمد (ابن حضرت مسیح موعود علیہ السلام) کھڑا ہے۔ وہ ہاتھ سے شمال مشرق کی طرف اشارہ کر کے کہتا ہے۔ کہ زلزلہ اس طرف چلا گیا۔" (بدر جلد ۲ ص ۱۸/۱ ۱۹۰۷ء و مکاشفات صفحہ ۵۹) مندرجہ بالا الہامات کی تشریح حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس طرح فرمائی :۔

"اور آئندہ زلزلہ کی نسبت جو ایک سخت زلزلہ ہوگا مجھے خبر دی۔ اور فرمایا "پھر بہار آئی خدا کی بات پھر پوری ہوئی" لیکن راستباز اس سے امن میں ہیں۔" (الوصیت صفحہ ۲)

"خدا کے نشان ابھی ختم نہیں ہوئے۔ اس پہلے زلزلہ کے نشان کے بعد جو ۴ اپریل ۱۹۰۵ء میں ظہور میں آیا جس کی ایک مدت پہلے خبر دی گئی تھی۔ پھر خدا نے مجھے خبر دی۔ کہ ایک بہار کے زمانہ میں ایک اور سخت زلزلہ آنے والا ہے۔ وہ بہار کے دن ہوں گے۔ نہ معلوم کہ وہ ابتدا بہار کی ہوگی جبکہ درختوں میں پتا نکلتا ہے۔ یا درمیان اس کا۔ یا اخیر کے دن جیسا کہ الفاظ وحی الٰہی یہ ہیں :۔ "پھر بہار آئی خدا کی بات پھر پوری ہوئی" چونکہ پہلا زلزلہ بھی بہار کے ایام میں آیا تھا۔ اس لئے خدا نے خبر دی۔ کہ دوسرا زلزلہ بھی بہار کے ایام ہی میں آئے گا۔ اور چونکہ آخر جنوری میں بعض درختوں کا پتہ نکلنا شروع ہو جاتا ہے۔ اس لئے اسی مہینہ سے خوف کے

ایام شروع ہوں گے۔ اور غالباً مئی کے اخیر تک وہ دن رہیں گے"

(الوصیت دسمبر ۱۹۰۵ء صـ۱۳)

"ایک سخت زلزلہ آئے گا۔ اور زمین کو یعنی زمین کے بعض حصّوں کو زیر و زبر کر دے گا۔ جیسا کہ لوطؑ کے زمانہ میں ہوا"۔ (الوصیت صـ۱۴)

مندرجہ بالا الہامات اور رویاء اور عبارات سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ کانگڑے والے زلزلے سے زیادہ شدید زلزلہ آئے گا۔ (۲) زلزلہ ہندوستان کے "شمال مشرق" میں آئے گا۔ (۳) وہ زلزلہ بہار کے دنوں میں جو جنوری سے شروع ہوتے ہیں آئے گا۔ (۴) جنوری کے مہینہ میں خوف کے ایام شروع ہوں گے۔ (۵) وہ زلزلہ حضرت مرزا بشیر احمد صاحب ایم اے کی زندگی میں آئے گا (۶) صاحبزادہ صاحب موصوف سب سے پہلے شخص ہوں گے جو اس پیشگوئی کے پورا ہونے کی طرف متوجہ ہو کر دوسروں کو توجہ دلائیں گے۔ (۷) وہ زلزلہ نادر شاہ کے قتل کے بعد جو پہلی بہار آئے گی اس میں آئے گا۔

چنانچہ جیسا کہ یہاں ہوا "نادر شاہ" نومبر ۱۹۳۳ء کو قتل ہوا اور اس کے بعد جو پہلی بہار آئی۔ اور جو جنوری ۱۹۳۴ء میں شروع ہوئی تھی۔ اس میں ۱۵ جنوری ۱۹۳۴ء کو شمال مشرقی ہندوستان میں قیامت خیز زلزلہ آیا جو "زلزلہ بہار" کے نام سے مشہور ہے۔ وہ حضرت مرزا بشیر احمد صاحب کی زندگی میں آیا۔ اور آپ ہی نے سب سے پہلے اس کی طرف توجہ دلائی۔ اور ایک ٹریکٹ "ایک اور نشان" کے عنوان سے شائع کیا۔ اس

پیشگوئی میں ایک لطیف امر قابل غور یہ ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اس کے متعلق الہام ہوا کہ "رَبِّ لَا تُرِنِیْ زَلْزَلَۃَ السَّاعَۃِ" "رَبِّ لَا تُرِنِیْ مَوْتَ اَحَدٍ مِّنْھُمْ" کہ اے میرے رب! مجھ کو وہ قیامت خیز زلزلہ دکھانا۔ اے میرے رب! مجھے میری جماعت میں سے ایک آدمی کی موت نہ دکھانا۔ چنانچہ یہ زلزلہ حضرت مسیح علیہ السلام کی زندگی میں نہیں آیا۔ اور پھر اس زلزلہ میں (تصرفاً) ایک احمدی فوت ہوا۔ جیسا کہ حضرت کا الہام تھا "اَخَّرَہُ اللّٰہُ اِلٰی وَقْتٍ مُّسَمًّی" اس میں تاخیر ڈال دی گئی..... (حقیقۃ الوحی [illegible] حاشیہ)

(۹) پنڈت دیانند کے متعلق فرمایا کہ "اُن کی زندگی کا خاتمہ ہو گیا ہے"۔ اس الہام کا گواہ لالہ شرم پت ساکن قادیان ہے جس کو حضرت اقدس نے قبل از وقوع یہ بات بتائی تھی۔ سو وہ اسی سال مر گیا۔

(۱۰) اپنی کتاب انوار اسلام میں سعد اللہ لدھیانوی کے اعتراض کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے حضرت مولوی نور الدین صاحب خلیفۃ المسیح اوّل رضی اللہ عنہ کے ہاں ایک بیٹا پیدا ہونے کی پیشگوئی کی۔ جس کا حلیہ بھی بیان فرمایا خصوصاً یہ کہ اس کے جسم پر پھوڑے ہیں (دیکھو انوار الاسلام ص۲۶ حاشیہ مطبوعہ ستمبر ۱۸۹۴ء) چنانچہ اس کے قریباً پانچ سال کے بعد حضرت خلیفہ اوّلؓ کے گھر عبد الحی پیدا ہوا۔ جس کے جسم پر پھوڑے تھے۔

(۱۱) لیکھرام کی موت کی پیشگوئی بہت ہی واضح طور پر بیان فرمائی۔ سے

الا اے دشمن نادان و بیراہ   بترس از تیغ بران محمدؐ

اور پھر عِجْلٌ جَسَدٌ لَّهٗ خُوَارٌ لَهٗ نَصَبٌ وَّعَذَابٌ۔ اور پھر دن کی

بھی تعیین فرمائی کہ بُشْرَایَ بِیْ رَبِّیْ وَقَالَ مُبَشِّرًا اَسْتَعْرِفُ یَوْمَ الْعِیْدِ وَالْعِیْدُ اَقْرَبُ۔ لیکھرام کے چھ سال کے اندر مرنے کی پیشگوئی کرامات الصادقین جو صفر ۱۳۱۱ھ میں مطبوع ہوئی۔ اور پھر ۲۲ فروری ۱۸۹۳ء کے اشتہار میں جو آئینہ کمالات اسلام میں ہے۔ اس کے ٹکڑے ہونے کے متعلق پیشگوئی کی تھی۔ پھر وہ ۶ مارچ ۱۸۹۷ء کو قتل ہوا۔

(۱۲) یَاْتِیْکَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ وَیَاْتُوْنَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ

(۱۳) سر الخلافہ کے ۶۲ صفحہ پر مخالفوں پر طاعون پڑنے کے لئے دعا کی۔ نیز حمامۃ البشریٰ ص مطبوعہ ۱۸۹۳ء میں۔ اس پر الہام ہوا۔ "اے بسا خانۂ دشمن کہ تو ویران کردی" سو پھر طاعون ملک میں آئی اور ہزاروں دشمن ہلاک ہوئے۔ نمونۃً دیکھیے۔ رسل بابا امرتسری۔ محمد بخش ڈپٹی انسپکٹر بٹالہ۔ چراغدین جمونی۔ نور احمد تحصیل حافظ آباد۔ زین العابدین۔ مقرب مولوی فاضل انجمن حمایت اسلام حافظ سلطان سیالکوٹی۔ مرزا سردار بیگ سیالکوٹی (حقیقۃ الوحی ص ۲۲۵)

(۱۴) مباہلے کے طور پر لَعْنَتُ اللّٰہِ عَلَی الْکَاذِبِیْنَ کہنے پر منہ جہ ذیل منکرین مسیح موعود علیہ السلام ہلاک ہوئے۔ رشید احمد گنگوہی پہلے اندھا ہوا۔ پھر سانپ کے ڈسنے سے مر گیا۔ مولوی شاہ دین لدھیانوی دیوانہ ہو کر ہلاک ہوا۔ مولوی عبد العزیز۔ مولوی عبد اللہ۔ مولوی محمد لدھیانوی بھی فوت ہو گئے۔ عبد الرحمٰن محی الدین لکھوکے والے بعد الہام ہذا ہلاک ہو گئے تھے۔ کاذب پر خدا کا عذاب نازل ہو گیا۔

(۱۵) مولوی غلام دستگیر قصوری بد دعا کے بعد ہلاک ہو گیا۔ اور نمونہ برائے اخوان خود مولویان منکر مسیح ہوا۔

(۱۶) مواہب الرحمٰن میں محمد حسین بھین والا کے متعلق پیشگوئی تھی۔ سو وہ مطابق وعید ہلاک ہوا۔

(۱۷) یَعْصِمُكَ اللّٰهُ وَلَوْ لَمْ یَعْصِمْكَ النَّاسُ (براہین احمدیہ) حالانکہ بعد میں مارٹن کلارک وغیرہ نے مقدمہ بنایا۔

(۱۸) اِنَّهٗ اٰوَى الْقَرْیَةَ۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ خدا تعالٰی کسی قدر عذاب کے بعد اس گاؤں کو اپنی پناہ میں لے لیگا (حقیقۃ الوحی ص ۲۳۲)

(۱۹) دلیپ سنگھ والی پیشگوئی (ص ۲۳۶ حقیقۃ الوحی)

(۲۰) عبد الحق غزنوی نے حضرت مسیح کو کافر کا فتویٰ دیا۔ ۔ ۔ ۔ تو حضرت مسیح موعودؑ نے اس کے اصرار مباہلہ یہ دعا کی۔ کہ اگر میں کاذب ہوں۔ تو کاذبوں کی طرح تباہ کیا جاؤں۔ اور اگر میں صادق ہوں۔ تو خدا میری مدد اور نصرت کرے۔ (ص ۲۴۴ حقیقۃ الوحی) سو یہ پوری ہوئی۔

(۲۱) رَبِّ لَا تَذَرْنِیْ فَرْدًا وَّ اَنْتَ خَیْرُ الْوَارِثِیْنَ کی دعا کے مطابق حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے فدائی متجاوز از پانچ لاکھ ہیں۔ اور یہ آپ کی صداقت کا بیّن ثبوت ہے۔

(۲۲) مولوی محمد علی صاحب ایم اے کو بخار ہوا۔ اور انکو ظن غالب ہو گیا کہ یہ طاعون ہے۔ چونکہ وہ مسیح موعودؑ کے گھر میں رہتے تھے۔ اس لئے آپ نے فرمایا کہ اگر آپ کو طاعون ہو گئی تو پھر میں جھوٹا ہوں۔ اور میرا دعویٰ الہام غلط ہے

پھر آپؑ نے ان کی نبض پر ہاتھ رکھا۔ تو بخار اتر گیا۔

(۲۳) شَاتَانِ تُذْبَحَانِ وَكُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ صاحبزادہ سید عبداللطیف مرحومؓ۔ اور شیخ عبدالرحمٰن مرحومؓ مراد ہیں۔

(۲۴) حضرت صاحب نے اپنے مضمون متعلقہ جلسہ مذہبی مہوتسو کے واسطے فرمایا تھا۔ کہ خدا تعالیٰ نے الہام کیا ہے کہ "مضمون بالا رہا" سول اینڈ ملٹری گزٹ اور بھی بہت سے اردو اخبارات نے اس کا اظہار بیان کیا۔

(۲۵) فروری ۱۹۰۶ء کو بنگال کی تقسیم کے متعلق پیشگوئی فرمائی پہلے بنگالہ کی نسبت جو کچھ حکم جاری کیا گیا تھا۔ اب ان کی دلجوئی ہوگی۔ پھر ۱۹۱۱ء میں ملک معظم جارج پنجم اس کے پورا ہونے کا باعث بنے۔

بارھویں دلیل:۔ وَاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (الجمعہ رکوع ۱) کہ "اٰخَرِيْنَ" میں بھی جو ابھی تک صحابہ سے نہیں ملے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک رسول کی بعثت مقدر ہے۔ سورۃ جمعہ کی اس آیت کو اس سے پہلی آیات کے ساتھ ملا کر پڑھا جائے۔ تو صاف طور پر معلوم ہوتا ہے۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی دو بعثتیں مقرر کی گئی ہیں۔ پہلی بعثت آپؐ کی امیین میں ہوئی۔ اور دوسری بعثت "اٰخَرِيْنَ" کی جماعت میں ہوگی۔ اس کا جواب خود آنحضرت صلے اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم نے اس آیت کی تفسیر فرماتے ہوئے دیا ہے۔ چنانچہ بخاری شریف میں ہے "عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كُنَّا جُلُوْسًا عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ اُنْزِلَتْ عَلَيْهِ سُوْرَةُ

الجُمُعَةِ وَآخَرِيْنَ مِنْهُمْ قِيْلَ مَنْ هُمْ يَارَسُوْلَ اللهِ فَلَمْ يُرَاجِعْهُ حَتّٰى سَأَلَ ثَلَاثًا وَفِيْنَا سَلْمَانُ الْفَارِسِيُّ وَضَعَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدَهٗ عَلٰى سَلْمَانَ ثُمَّ قَالَ لَوْ كَانَ الْاِيْمَانُ عِنْدَ الثُّرَيَّا لَنَالَهٗ رِجَالٌ اَوْ رَجُلٌ مِنْ هٰٓؤُلَاءِ" (بخاری کتاب التفسیر سورۃ جمعہ جلد ۳ صفحہ ۱۲۵ مصری و تجرید بخاری مکمل معہ عربی و ترجمہ شائع کردہ فیروز الدین اینڈ سنز لاہور۔ جلد ۲ صفحہ ۳۷ نیز مشکوٰۃ

صفحہ ۵۷۶ باب جامع المناقب) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلعم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ کہ آنحضرت پر سورہ جمعہ نازل ہوئی جس میں یہ آیت بھی تھی۔ "وَآخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ" حضور سے دریافت کیا گیا کہ یارسول اللہ صلعم یہ کون لوگ ہیں جن کا اس آیت میں ذکر ہے یعنی مِنْهُمْ سے کون لوگ مراد ہیں؟ آنحضرت صلعم نے اس سوال کا کوئی جواب نہ دیا۔ حتےٰ کہ حضور سے تین دفعہ پوچھا گیا۔ اسی مجلس میں حضرت سلیمان فارسی رضی اللہ عنہ بھی بیٹھے تھے۔ آنحضرت صلعم نے اپنا ہاتھ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ پر رکھ کر فرمایا۔ کہ اگر ایمان ثریا کے پاس بھی ہوگا۔ تو ان (اہل فارس) میں سے ایک شخص یا ایک سے زائد اشخاص اس کو پائیں گے۔ اس حدیث نے قرآن مجید کی اس آیت کی بالکل صاف اور واضح تفسیر کردی ہے۔ اس سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ (۱) اسمیں کسی شخص کی بعثت کی پیشگوئی۔ کی گئی ہے جس کی آمد گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی آمد تصور کی جائے گی (۲) اس کے ماننے والے صحابہ رضی اللہ عنہم کے رنگ میں رنگین ہوکر صحابی کہلانے کے مستحق

ہوں گے۔ (۳) وہ شخص فارسی الاصل ہوگا۔ (۴) وہ ایسے زمانہ میں مبعوث ہوگا۔ جبکہ اسلام دنیا سے اُٹھ جائے گا۔ اور قرآن کے الفاظ ہی الفاظ دنیا میں باقی رہ جائیں گے (۵) اس کا کام کوئی نئی شریعت لانا نہ ہوگا۔ بلکہ قرآن مجید کو ہی دوبارہ دنیا میں لاکر شائع کرے گا۔ اور اسی کی طرف لوگوں کو بلائے گا۔

یاد رکھنا چاہیئے کہ اس حدیث میں یہ ہرگز نہیں بتایا گیا کہ وہ شخص حضرت سلمان فارسیؓ کی نسل میں سے ہوگا۔ بلکہ بتایا یہ گیا ہے کہ "ھٰؤُلَاءِ" ان میں سے ہوگا یعنی قوم فارس میں سے یعنی فارسی الاصل ہوگا۔ اگر یہ کہنا ہوتا کہ وہ سلمان فارسی کی نسل میں سے ہوگا۔ تو بجائے "مِنْ ھٰؤُلَاءِ" کہنے کے "مِنْ ھٰذَا" فرماتے۔ کہ "اس میں سے" ہوگا۔ چنانچہ اسی حدیث کی دوسری روایت میں جو فردوس الاخبار دیلمی میں ہے۔ اس موقعہ پہ یہ الفاظ ہیں "فَقَالُوْا یَارَسُوْلَ اللّٰہِ مَنْ ھٰؤُلَاءِ الَّذِیْنَ ذَکَرَھُمُ اللّٰہُ فَضَرَبَ عَلٰی فَخِذِ سَلْمَانَ فَقَالَ قَوْمُ ھٰذَا" (دیلمی صفحہ ۱۱۲ نسخہ موجودہ کتب خانہ آصفیہ نظام دکن) صحابہؓ نے پوچھا یارسول اللہ! وہ کون لوگ ہیں جن کا اللہ تعالیٰ نے "وَاٰخَرِیْنَ مِنْھُمْ" میں ذکر فرمایا ہے؟ تو آنحضرت صلعم نے سلمان فارسیؓ کی ران پہ ہاتھ مارا۔ اور فرمایا کہ "اس کی قوم" پس مسیح موعود کا فارسی الاصل ہونا ضروری ہے۔ نہ کہ حضرت سلمانؓ کی نسل سے ہونا!

دوسری ضروری بات جو قابل غور ہے وہ یہ ہے۔ کہ اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسیح موعودؑ کی بعثت کا زمانہ بتادیا ہے۔

وَلَوْ كَانَ الْاِيْمَانُ مُعَلَّقًا بِالثُّرَيَّا۔ گویا جب اسلام دنیا سے
اُٹھ جائے گا۔ گویا عملی طور پر مسلمان زوال پذیر ہو رہے ہوں گے
پس حدیث سے مراد حضرت امام ابو حنیفہ رحؒ ہرگز نہیں ہو سکتے
کیونکہ وہ دوسری صدی کے قریب پیدا ہوئے۔ اور وہ زمانہ عروج
اسلام کا تھا۔ پس یہ اس زمانہ کے متعلق پیشگوئی ہے جس کے متعلق نواب
صدیق حسن خانصاحب بھوپال لکھتے ہیں۔

"اب اسلام کا صرف نام اور قرآن کا صرف نقش باقی رہ گیا ہے"
(اقتراب الساعۃ صـ۱۲) "نیز سچی بات تو یہ ہے۔ کہ ہم میں سے قرآن مجید
بالکل اُٹھ چکا ہے۔ (اہل حدیث امرتسر ۱۴ جون ۱۹۱۲ء)

غرضیکہ یہی وہ زمانہ ہے جو خود پکار پکار کر کہہ رہا تھا۔ کہ کسی
مصلح ربانی کی ضرورت ہے۔ چنانچہ خدا تعالیٰ نے اس فارسی الاصل
نجیب نصیب جرنیل کو عین ضرورت کے وقت قادیان کی مقدس
بستی سے کھڑا کیا۔ جس نے قرآن مجید کو دوبارہ دنیا میں لانے
کی ڈیوٹی کو کماحقہٗ سر انجام دیا۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے
ہیں ؎ آسمان بارد نشان الوقت میگوید زمیں
ایں دو شاہد از پئے من نعرہ زن چوں بیقرار

(ب) "افسوس یہ نہیں سوچتے۔ کہ یہ دعویٰ بے وقت نہیں۔ اسلام
اپنے دونوں ہاتھ پھیلا کر فریاد کر رہا تھا۔ کہ میں مظلوم ہوں۔ اور
اب وقت ہے۔ کہ آسمان سے میری مدد ہو" (ضمیمہ اربعین نمبر ۳و۴ صـ۵)

نوٹ:- حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے متعلق عام طور پر یہ کہا جاتا ہے۔ کہ وہ چونکہ مُغل ہیں اس لئے فارسی الاصل نہیں ہو سکتے تو اسکے جواب میں شاہان اسلامیہ کی تاریخ کے متعلق مستند ترین کتاب میڈیول انڈیا مصنفہ مسٹر سٹینلے لین پول Mediaeval India under Mohammadan Rule (جو تاریخ کی مشہور کتاب ہے) میں لکھا ہے کہ شاہان مغلیہ کے زمانہ میں یہ عام طور پر قاعدہ تھا۔ کہ جو شخص درۂ خیبر کے رستہ ہندوستان میں داخل ہوتا۔ خواہ وہ افغان ہو یا فارسی یا کسی اور قوم کے ساتھ تعلق رکھتا ہو پھر بھی "مُغل" ہی کہلاتا تھا۔ اس لئے کسی کا محض "مرزا" یا "مغل" کہلانا اسے فارسی الاصل ہونے سے محروم نہیں کرتا۔

"The term Mughal .... came to mean any fair man from Central Asia or Afghanistan as distinguished from the darker native Indians.

The various foreign invaders or governing Muslim class Turks, Afghans, Pathans and Mughals even-tually became

so mixed that were indifferently termed Mughals."

کتاب مذکور ۔ مطبوعہ ٹی فشر آن ون لیمیٹڈ لنڈن پندرھواں ایڈیشن ۱۹۲۶ء صفحہ ۱۹۷ حاشیہ ۱ یعنی لفظ مغل ہندوستان کے گورے باشندوں کو ایشیاء کے دوسرے باشندوں سے ممیز کرنے کے لئے بولا جاتا تھا۔ مختلف حملہ آور یا حکمران مسلمان ترک ۔ افغان ۔ پٹھان اور مغل کچھ اسی طرح مل جل گئے کہ سب کو بلا امتیاز "مغل" کے نام سے پکارا جانے لگا۔ ہر گورے شریف آدمی کو "مغل" کہا جاتا تھا۔

ناقابل تردید ثبوت

حضرت مسیح موعودؑ کے فارسی الاصل ہونے کا ناقابلِ تردید ثبوت یہ ہے کہ بندوبست مال ۱۸۶۵ء میں حضرت صاحب کے دعویٰ سے سالہا سال پہلے جبکہ حضرت مسیح موعودؑ کے والد ماجد اور دوسرے بزرگ زندہ موجود تھے ۔ قادیان کے مالکان کے شجرہ نسب کے ساتھ "فٹ نوٹ" میں بعنوان "قصبہ قادیان کی آبادی اور وجہ تسمیہ" لکھا ہے ۔

"مورث اعلےٰ ہم مالکان دیہہ کا بعہد شاہان سلف (ملک فارس) سے بطریق نوکری .... آکر .... اس جنگل افتادہ میں گاؤں آباد کیا۔"

اور اس کے نیچے مرزا غلام مرتضےٰ صاحب و مرزا غلام جیلانی صاحب و مرزا غلام محی الدین وغیرھم کے دستخط ہیں ۔

پس یہ سرکاری کاغذات کا اندراج حضرت صاحب کے دعویٰ سے سالہا سال قبل کا حضرت صاحب کے فارسی الاصل ہونیکا یقینی ثبوت ہے ۔

(ب) مولوی محمد حسین بٹالوی لکھتا ہے "مؤلف براہین احمدیہ قریشی نہیں فارسی الاصل ہے۔" (اشاعت السنۃ جلد ۷ صفحہ ۱۹۳)

(ج) "جناب مرزا صاحب یافث بن نوح کی اولاد سے ہیں۔" (ٹریکٹ امر بھائی اور قرآن حکیم مصنفہ ایم۔ اے لطیف صفحہ ۱۶)

یافث بن نوح کے متعلق ملاحظہ ہو غیاث اللغات فارسی: "شیخ ابن حجر شارح صحیح بخاری گفتہ است کہ فارسی منسوب بفارس بن غامور بن یافث بن نوح علیہ السلام است۔"

پس حضرت اقدس کا فارسی الاصل ہونا ثابت ہے

(د) "اس عاجز کا خاندان دراصل فارسی ہے نہ مغلیہ۔ نہ معلوم کس غلطی سے مغلیہ خاندان کے ساتھ مشہور ہو گیا ... معلوم ہوتا ہے کہ میرزا اور بیگ کا لفظ کسی زمانہ میں بطور خطاب کے ان کو ملا تھا جس طرح خان کا نام بطور خطاب دیا جاتا ہے۔ بہرحال جو کچھ خدا نے ظاہر فرمایا ہے۔ وہی درست ہے انسان ایک ادنیٰ سی لغزش سے غلطی میں پڑ سکتا ہے مگر وہ سہو اور غلطی سے پاک ہے۔" (حقیقۃ الوحی صفحہ ۸۱ حاشیہ)

(ب) "یاد رہے کہ اس خاکسار کا خاندان بظاہر مغلیہ خاندان ہے ... اب خدا کے کلام سے یہ معلوم ہوا۔ کہ ہمارا خاندان دراصل فارسی خاندان ہے۔ سو اس پر ہم پورے یقین سے ایمان لاتے ہیں۔ کیونکہ خاندانوں کی حقیقت جیسی کہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے۔ کسی دوسرے کو ہرگز معلوم نہیں اسی کا علم صحیح اور یقینی ہے۔ اور دوسروں کا شکّی اور ظنّی۔" (اربعین نمبر ۲ صفحہ ۱۷ حاشیہ)

تیرھویں دلیل:۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا: "اَلْاٰیَاتُ بَعْدَ الْمِائَتَیْنِ" (مشکوٰۃ مجتبائی صفحہ ۴۷۱) کہ مسیح و مہدی کے ظہور کی نشانیاں بارھویں صدی کے گزرنے پر ظاہر ہوں گی۔ چنانچہ ہم نے جو معنی کئے ہیں حضرت ملا علی قاری نے بھی ان کی تائید کی ہے۔ "وَیُحْتَمَلُ اَنْ یَّکُوْنَ اللَّامُ فِی الْمِائَتَیْنِ لِلْعَهْدِ اَیْ بَعْدَ الْاَلْفِ وَهُوَ وَقْتُ ظُهُوْرِ الْمَهْدِیِّ" (مشکوٰۃ مجتبائی صفحہ ۴۷۱ حاشیہ[1]) کہ ممکن ہے کہ "الْمِائَتَیْنِ" کا الف لام اس عہد کے لئے ہو۔ جو ایک ہزار کے دو سو سال بعد کا ہے (یعنی ۱۲۰۰) اور وہی وقت ظہور مہدی کا ہے۔

چنانچہ نواب صدیق حسن خاں صاحب نے بھی اپنی کتاب حجج الکرامہ صفحہ ۳۹۴ و صفحہ ۳۹۵ پر بہت سی روایات نقل کر کے یہی نتیجہ نکالا ہے کہ مہدی کو تیرھویں صدی میں ظاہر ہونا چاہئے۔

ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں:۔ "اس حساب سے ظہور مہدی علیہ السلام کا تیرھویں صدی پر ہونا چاہئے تھا۔ مگر یہ صدی پوری گذر گئی تو مہدی نہ آئے۔ اب چودھویں صدی ہمارے سر پر آئی ہے۔ اس صدی سے اس کتاب کے لکھنے تک چھ ماہ گذر چکے ہیں۔ شاید اللہ تعالےٰ اپنا فضل و عدل و رحم و کرم فرمائے۔ چار چھ سال کے اندر مہدی ظاہر ہو جائیں۔"

(اقتراب الساعۃ صفحہ ۲۲۱)

"بعد المائتین" کے رو سے بارھویں صدی کے ختم ہونے پر تیرھویں صدی میں امام مہدی کا پیدا ہونا ضروری تھا۔ اب سے وقت ہی کہ وہ

---

[1] نیز دیکھو حاشیہ ابن ماجہ جلد ۲ صفحہ ۲۶۱ مصری حاشیہ علامہ سندی۔

چودھویں صدی کے سر پہ چالیس سال کا ہو کر دعویٰ کرنے والا ہو۔ یہ تو ممکن نہیں کہ مہدی بارھویں صدی میں پیدا ہو۔ کیونکہ "بعد المائتین" میں لفظ "بعد" بتاتا ہے۔ کہ وہ بارھویں صدی کے ختم ہونے سے پہلے پیدا نہیں ہو سکتا۔ پھر اس وجہ سے۔ کہ امام مہدی نے اپنی صدی کا مجدد ہونا تھا۔ اس لئے اسے تیرھویں صدی میں ایسے وقت پہ پیدا ہونا تھا۔ کہ اگلی صدی کے سر پہ اس کی عمر چالیس سال کی ہو۔ پس یہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام ہی ہیں۔ جو ۱۴ شوال ۱۲۵۰ھ مطابق ۱۳ فروری ۱۸۳۵ء عیسوی بروز جمعہ پیدا ہوئے۔ اور ۱۲۹۰ھ کو یعنی چودھویں صدی کے سر پہ آپ عین چالیس برس کی عمر میں شرف مکالمہ و مخاطبہ سے مشرف ہو کر دعویٰ مہدویت کے ساتھ ظاہر ہوئے۔ اور عین چودھویں صدی کے سر پہ آپ نے دعویٰ کیا۔ گویا حدیث اور روایات کے عین مطابق آپ دنیا میں تشریف لائے۔ سچ ہے ؎

وقت ہے وقت مسیحا نہ کسی اور کا وقت
میں نہ آتا تو کوئی اور ہی آیا ہوتا

چودھویں دلیل:۔ حدیث میں ہے:۔ اِنَّ لِمَهْدِيِّنَا اٰيَتَيْنِ لَمْ تَكُوْنَا مُنْذُ خَلْقِ السَّمٰوٰاتِ وَالْاَرْضِ يَنْكَسِفُ الْقَمَرُ لِاَوَّلِ لَيْلَةٍ مِنْ رَمَضَانَ وَتَنْكَسِفُ الشَّمْسُ فِي النِّصْفِ مِنْهُ۔ (دارقطنی صفحہ ۱۸۸) کہ ہمارے مہدی کی صداقت کے دو نشان ہیں۔ اور یہ صداقت کے نشان کبھی کسی کے لئے جب سے دنیا بنی ہے ظاہر نہیں

ہوئے۔ رمضان میں چاند کو (چاند گرہن کی راتوں میں سے) پہلی رات کو اور (سورج گرہن کے دنوں میں سے) درمیانے دن کو سورج کو گرہن لگے گا۔ چنانچہ یہ گرہن ۱۸۹۶ء میں لگا۔ یعنے چاند کی ۱۳-۱۴-۱۵ میں سے ۱۳ کو رمضان کے مہینہ میں چاند (قمر) کو اور ۲۷-۲۸-۲۹ میں سے ۲۸ تاریخ کو سورج کو گرہن لگے گا۔ رمضان کی پہلی رات کو چاند گرہن لگنا حدیث میں مراد نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ آنحضرت صلعم نے لفظ "قمر" بولا ہے اور قمر پہلی تین راتوں کے بعد کے چاند کو کہتے ہیں۔ پہلی رات کے چاند کو ہلال کہتے ہیں۔

یُسَمَّی الْقَمَرُ لِلَیْلَتَیْنِ مِنْ اَوَّلِ الشَّھْرِ ھلال ..... قَالَ جوھری اَلْقَمَرُ بَعْدَ ثَلَاثٍ اِلٰی اٰخِرِ الشَّھْرِ قَالَ ابْنُ السِّیْدَۃِ وَالْقَمَرُ یَکُوْنُ فِیْ لَیْلَۃِ الثَّالِثَۃِ مِنَ الشَّھْرِ۔ (لسان العرب) کہ جوہری کہتا ہے۔ کہ قمر وہ ہوتا ہے۔ جو دوسری رات کے بعد کا چاند ہو۔ اور اسی طرح ابن سیدہ نے بھی کہا ہے۔ کہ مہینہ کی تیسری رات کو چاند قمر ہو جاتا ہے۔

(۲) وَھُوَ قَمَرٌ بَعْدَ ثَلَاثِ لَیَالٍ اِلٰی اٰخِرِ الشَّھْرِ وَاَمَّا قَبْلَ ذٰلِکَ فَھُوَ ھِلَالٌ (اقرب الموارد والمنجد) کہ تین راتوں کے بعد قمر ہو جاتا ہے۔ اور اس سے پہلے جو چاند ہوتا ہے۔ اس کو ہلال کہتے ہیں۔

پس حدیث میں اول اور درمیانے سے مراد وہی ہو سکتی ہے

جو ہم نے بیان کی - یہ حدیث صحیح ہے - کیونکہ اس کا پورا ہونا خود اس کی صحت پر دلالت کرتا ہے -

(۳) اس کو دار قطنی نے نقل کیا ہے جو خود ایک بڑا عالم اور علم حدیث میں یگانہ تھا - جیسا کہ ضمن ۳ میں تحفۃ الفکر کے حوالہ سے بتایا گیا ہے صفحہ ۶۳۱

نوٹ :- حضرت مسیح موعودؑ نے اس حدیث کی صحت کے متعلق خوب مفصل بحث تحفہ گولڑویہ میں تحریر فرمائی ہے - وہاں سے دیکھا جائے -

یہ گرہن ۱۸۹۴ء میں لگا - دیکھو اخبار آزاد ۱۷ر دسمبر ۱۸۹۴ء نیز سول اینڈ ملٹری گزٹ ۶ر دسمبر ۱۸۹۴ء -

(۴) یہ حدیث مندرجہ ذیل کتب میں پائی جاتی ہے - جس سے اس کی صحت کا پتہ چلتا ہے -

(۱) دار قطنی جلد ۱ صفحہ ۱۸۸ -

(۲) فتاوی حدیثیہ حافظ ابن حجر مکی - مصنفہ علامہ شیخ احمد شہاب الدین ابن حجر الہیثمی مطبوعہ مصر صفحہ ۳۱)

(۳) احوال الآخرۃ حافظ محمد لکھوکے صفحہ ۲۳ مطبوعہ ۱۳۰۵ھ

(۴) آخری گت مصنفہ مولوی محمد رمضان حنفی مجتبائی مطبوعہ ۱۲۷۸ھ -

(۵) حجج الکرامہ صفحہ ۳۴۴ -

(۶) عقائد الاسلام مصنفہ مولانا عبدالحق صاحب محدث دہلوی صفحہ ۱۸۲ و ۱۸۳ مطبوعہ ۱۲۹۲ھ

(۷) قیامت نامہ فارسی و علامات قیامت اردو مصنفہ شاہ رفیع الدین صاحب

محدث دہلوی۔

(۸) اقتراب الساعۃ نواب صدیق حسن خاں صفحہ ۱۰۶ و ۱۰۷ مطبوعہ ۱۳۰۱ھ۔

(۹) مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی جلد ۲ صفحہ ۱۳۲۔

(۱۰) اکمال الدین صفحہ ۳۴۸۔

(۱۱) حجج الکرامہ میں لکھا ہے۔ کہ نعیم بن حماد۔ ابوالحسن خیری۔ حافظ ابوبکر بن احمد اور بیہقی اس کے راوی ہیں۔ صفحہ ۳۴۴۔

علاوہ ازیں یہ حدیث دارقطنی کی ہے۔ اور دارقطنی اس بلند پایہ کا محدث ہے۔ کہ شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی اپنی کتاب نخبۃ الفکر میں لکھتے ہیں "قَالَ الدَّارقُطْنِی یَا اَھْلَ بَغْدَادَ لَا تَظُنُّوْا اَنَّ اَحَدًا یَقْدِرُ اَنْ یَکْذِبَ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ وَ اَنَا حَیٌّ" (نخبۃ الفکر صفحہ ۵۶ حاشیہ) کہ دارقطنی نے کہا ہے۔ کہ اے اہل بغداد یہ خیال نہ کرو کہ کوئی شخص آنحضرت صلعم کی طرف کوئی جھوٹی حدیث منسوب کر سکتا ہے جبکہ میں زندہ ہوں۔

پندرھویں دلیل: حدیث میں ہے۔ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلعم اِنَّ اللّٰہَ یَبْعَثُ لِھٰذِہِ الْاُمَّۃِ عَلٰی رَاْسِ کُلِّ مِائَۃِ سَنَۃٍ مَنْ یُّجَدِّدُ لَھَا دِیْنَھَا۔

(ابوداؤد جلد ۲ صفحہ ۲۴۱ و مشکوۃ مطبع نظامی دہلی صفحہ ۳۴ کتاب العلم و مطبع مجتبائی صفحہ ۳۶) کہ حضرت ابوہریرہ رض سے مروی ہے۔ کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ اس امت کے لئے ہر صدی کے سر پر ایک مجدد مبعوث فرمایا کرے گا

جو آکر دین کی تجدید کرے گا۔

صحت حدیث (ا) "وَقَدِ اتَّفَقَ الْحُفَّاظُ عَلٰی تَصْحِیْحِ هٰذَا الْحَدِیْثِ مِنْهُمُ الْحَاکِمُ فِی الْمُسْتَدْرَکِ وَالْبَیْهَقِیُّ فِی الْمَدْخَلِ وَمِمَّنْ نَصَّ عَلٰی صِحَّتِهٖ مِنَ الْمُتَاَخِّرِیْنَ الْحَافِظُ ابْنُ حَجَرٍ" (حجج الکرامہ صـ ۱۳۳) کہ استادان حدیث کا اس حدیث کی صحت پر اتفاق ہے ان میں سے حاکم نے مستدرک میں۔ اور بیہقی نے مدخل میں اس کو لکھا ہے اور متاخرین میں سے جن لوگوں نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی بھی ہے۔

(ب) "هٰذَا الْحَدِیْثُ اِتَّفَقَ الْحُفَّاظُ عَلَی التَّصْحِیْحِ مِنْهُمُ الْحَاکِمُ فِی الْمُسْتَدْرَکِ وَالْبَیْهَقِیُّ فِی الْمَدْخَلِ" (مرقاۃ الصعود شرح ابن داؤد زیر حدیث ہذا) یعنی استادانِ حدیث کا اس حدیث کی صحت پر اتفاق ہے جن میں سے امام حاکم نے مستدرک میں اور بیہقی نے مدخل میں اس حدیث کی صحت کا اقرار کیا ہے۔

(ج) علامہ سیوطی اپنے رسالہ "تنبیہ" میں لکھتے ہیں "اِتَّفَقَ الْحُفَّاظُ عَلٰی صِحَّتِهٖ" کہ تمام محدثین اس حدیث کی صحت پر متفق ہیں۔

(د) حجج الکرامہ صـ ۱۵۱ پر لکھا ہے۔ چنانچہ در حدیث مشہور آمدہ است۔ "اِنَّ اللّٰهَ یَبْعَثُ لِهٰذِهِ الْاُمَّةِ عَلٰی رَاْسِ کُلِّ مِائَةِ سَنَةٍ الخ رَوَاهُ اَبُوْ دَاؤُدَ وَالْحَاکِمُ وَالْبَیْهَقِیُّ فِی الْمَعْرِفَةِ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ بِاِسْنَادٍ صَحِیْحٍ" کہ مشہور حدیث میں ہے کہ ہر صدی کے سر پر اللہ تعالیٰ

مجدد مبعوث کیا کرے گا۔ اس حدیث کو ابو داؤد اور امام حاکم اور بیہقی نے معرفۃ میں ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ (۳) یہ حدیث ابو داؤد میں ہے جو صحاح ستہ میں ہے

ضروری نوٹ:۔ بعض غیر احمدی دوست جب عاجز آجاتے ہیں تو کہہ دیا کرتے ہیں۔ کہ مجدد کے لئے دعویٰ کرنا ضروری نہیں۔ اس لئے ممکن ہے کہ اس صدی کا مجدد دنیا میں موجود ہو (رشید احمد گنگوہی وغیرہ) مگر اس نے دعویٰ نہ کیا ہو۔ کیا کسی پہلے مجدد نے بھی دعوئے مجددیت کیا ہے؟ اس کے جواب میں یاد رکھنا چاہیئے کہ:۔

(۱) تمام گذشتہ مجددین کی جملہ تحریرات ہمارے پاس محفوظ نہیں ہیں۔ تاکہ ہم ہر ایک کا دعویٰ ان کی اپنی زبانی دکھا سکیں۔

ہاں جن مجددین کی بعض تحریرات محفوظ ہیں۔ ان میں سے تین کا دعویٰ درج کیا جاتا ہے۔

(ا) حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی تحریر فرماتے ہیں "صاحب ایں علوم و معارف مجدد ایں الف است۔ کَمَا لَا یَخْفٰی عَلَی النَّاظِرِیْنَ فِیْ عُلُوْمِہٖ وَ مَعَارِفِہٖ ...... و بدانند کہ بر سر ماءۃ مجددی گذشتہ است اما مجدد ماءۃ دیگر است و مجدد الف دیگر۔ چنانچہ درمیان ماءۃ و الف فرق است۔ در مجددین ایشاں نیز ہمانقدر فرق است بلکہ زیادہ ازاں" (مکتوبات امام ربانی جلد ۲ صفحہ ۱۴ و ۱۵ مکتوب چہارم)

(ب) حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں۔ قَدْ اَلْبَسَنِیَ اللّٰہُ

خِلْعَۃُ الْمُجَدِّدِیَّۃِ (تفہیمات الٰہیہ) ۱۳۶

(ج) حضرت امام جلال الدین سیوطی رح: "اَنِّی الْمُجَدِّدُ" (حجج الکرامہ)

(۲) اگر فرض بھی کر لیا جائے۔ کہ عام طور پہ دعویٰ کرنا ضروری نہیں۔ پھر بھی ہم کہتے ہیں کہ چودھویں صدی کے مجدد کے لئے دعویٰ کرنا ضروری تھا کیونکہ بقولِ شما "جھوٹا مجدد" (نعوذ باللہ) میدان میں کھڑا ہو کر للکار رہا تھا "ہائے یہ قوم نہیں سوچتی۔ کہ اگر یہ کاروبار خدا کی طرف سے نہیں تھا۔ تو کیوں عین صدی کے سر پہ اس کی بنیاد ڈالی گئی۔ اور پھر کوئی بتلا نہ سکا کہ تم جھوٹے ہو۔ اور فلاں سچا آدمی ہے" (ضمیمہ اربعین ۳ و ۴ ص۲)

(ب) "افسوس ان لوگوں کی حالتوں پہ۔ ان لوگوں نے خدا اور رسول کے فرمودہ کی کچھ بھی عزت نہ کی۔ اور صدی پہ بھی سترہ برس گذر گئے۔ مگر ان کا مجدد اب تک کسی غار میں چھپا بیٹھا ہے" (اربعین ۳ ص۱۳)

پس اگر اس وقت کوئی "سچا مجدد" بھی بقولِ شما بقیدِ حیات موجود تھا (جس کو خدا تعالیٰ نے امتِ محمدیہ کو گمراہی سے بچانے کے لئے مبعوث کیا ہوا تھا) تو اس کا فرض تھا کہ وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بالمقابل دعویٰ کر کے امتِ محمدیہ کو گمراہی سے بچاتا۔ ان حالات میں اس کا خاموش رہنا تو "السَّاکِتُ عَنِ الْحَقِّ شَیْطَانٌ اَخْرَسٌ" کے مطابق اس کو "گونگا شیطان" قرار دیتا ہے۔ چہ جائیکہ اس کو "مثل مفقود اور گواہ موجود" کا مصداق بناتے ہوئے مضحکہ خیز طور پہ مجدد قرار دیا جائے۔ (خادم)

فہرستِ مجددینِ امتِ محمدیہ

پہلی صدی حضرت عمر بن عبد العزیز (حجج الکرامہ ص۱۳۵)

دوسری صدی حضرت امام شافعی (احمد بن حنبل) (حجج الکرامہ ص۱۳۵)

تیسری صدی۔ حضرت ابو شرح و ابو الحسن اشعری (حجج الکرامہ ص۱۳۶)

چوتھی صدی۔ حضرت ابو عبید اللہ نیشاپوری و قاضی ابو بکر باقلانی (ایضاً)

پانچویں صدی۔ حضرت امام غزالی رح (حجج الکرامہ ص۱۳۶)

چھٹی صدی۔ حضرت سید عبد القادر جیلانی رح۔

ساتویں صدی۔ حضرت امام ابن تیمیہ و حضرت خواجہ معین الدین چشتی (حجج الکرامہ ص۱۳۶)

آٹھویں صدی۔ حضرت حافظ ابن حجر عسقلانی و حضرت صالح بن عمر رح (ایضاً ص۱۳۷)

نویں صدی۔ حضرت امام سیوطی (حجج الکرامہ ص۱۳۹)

دسویں صدی۔ حضرت محمد طاہر گجراتی۔

گیارھویں صدی۔ حضرت مجدد الف ثانی سرہندی۔

بارھویں صدی۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (حجج الکرامہ ص۱۳۹)

تیرھویں صدی۔ حضرت سید احمد بریلوی۔ (حجج الکرامہ ص۱۳۹)

چودھویں صدی ؟

"دیر سرِ مأتہ چہاردہم۔ کہ وہ سال کامل آنرا باقی است اگر ظہور مہدی علیہ السلام و نزول عیسےٰ صورت گرفت۔ پس ایشاں مجدد و مجتہد باشند" (حجج الکرامہ ص۱۳۹)

کہ چودھویں صدی کے سر پر جس کو ابھی پورے دس سال باقی رہتے ہیں۔ اگر مہدی اور مسیح موعودؑ ظاہر ہو گئے تو وہ چودھویں صدی کے مجدد ہوں گے۔

(ب) "پس تواں گفت کہ دریں دہ سال کہ از مائۃ ثالث عشر باقی است ظہور کند یا بر سرِ صد چہاردہم" (حجج الکرامہ ص۱۴۱)

چنانچہ حضرت مسیح موعودؑ عین وقت (چودھویں صدی کے سر پر) ظاہر ہوئے۔ پس اگر آپ مجدد نہیں ہیں۔ تو کوئی اور مجدد بتاؤ۔ جو چودھویں صدی کے سر پر آیا ہو۔ اگر کوئی آریہ تم سے پوچھے کہ آنحضرت صلعم کی پیشگوئی کے مطابق چودھویں صدی کا مجدد کہاں ہے؟ تو اسے کیا جواب دو گے؟

اب تو چودھویں صدی بھی نصف سے زیادہ گزر گئی ہے سچ تو یہی ہے کہ ؎

وقت تھا وقتِ مسیحا نہ کسی اور کا وقت
میں نہ آتا تو کوئی اور ہی آیا ہوتا

پس خدا کے لئے حضرت مسیح موعودؑ کی مخالفت میں آنحضرت صلعم کی صداقت پر تبر نہ چلاؤ۔ اور مخالفین اسلام کو اسلام پر مزید اعتراض کرنے کا موقعہ نہ دو۔

سولھویں دلیل۔ وَاِذْ قَالَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیَّ مِنَ التَّوْرٰىۃِ وَمُبَشِّرًۢا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُہٗٓ اَحْمَدُ (الصف ع۱ پ۲۸)

اور جب عیسٰے ابن مریم نے کہا " اے بنی اسرائیل! میں تمہاری طرف اللہ
کا رسول ہوں۔ جو تصدیق کرتا ہوں اس کی جو میرے سامنے ہے یعنی تورات
اور بشارت دیتا ہوں ایک رسول کی جو میرے بعد آئے گا۔ اسکا نام احمد ہوگا"
ان آیات میں حضرت عیسٰے علیہ السلام نے احمد رسول اللہ کی آمد کی بشارت
دی ہے۔ اور صرف اس کا نام بتانے پر ہی اکتفا نہیں کیا۔ بلکہ اس کی بعض
نہایت ضروری علامات بھی بیان فرما دی ہیں۔ اس پیشگوئی کے حقیقی مصداق
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہیں بلکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام ہیں۔ اس کی
کئی وجوہ ہیں:۔ (۱) ان آیات کے ساتھ ہی اللہ تعالٰے نے فرمایا ہے کہ
"وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ الْکَذِبَ وَھُوَ یُدْعٰی اِلَی الْاِسْلَامِ"
کہ اس شخص سے بڑھ کر اور کون ظالم ہو سکتا ہے جو اللہ پر جھوٹ باندھے (الہام
کا جھوٹا دعویٰ کرے) اور وہ بلایا جائے گا اسلام کی طرف۔

اس آیت میں یہ بتایا ہے۔ کہ جب احمد رسول اللہ آئے گا۔ تو لوگ
اس کی مخالفت کریں گے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ کہ اگر احمد رسول اللہ
(نعوذ باللہ) فی الواقع خدا کی طرف سے نہیں۔ تو اندریں صورت وہ مفتری
علی اللہ ٹھہرتا ہے۔ اور مفتری علی اللہ سے بڑھ کر اور کوئی ظالم نہیں
ہو سکتا۔ اور جو ظالم ہو۔ اس کے متعلق خدا تعالٰے کا قانون ہے۔ کہ
اِنَّهٗ لَا یُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ (انعام ع۳) کہ ظالم کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے
نیز اِنَّ الَّذِیْنَ یَفْتَرُوْنَ عَلَی اللّٰهِ الْکَذِبَ لَا یُفْلِحُوْنَ (سورۃ
نحل ع۱۵) کہ وہ لوگ جو خدا تعالیٰ پر افترا کرتے اور اپنے پاس سے جھوٹے

الہامات بنا کر خدا کی طرف منسوب کرتے ہیں ہرگز کامیاب نہیں ہو سکتے
پس اگر احمد رسول فی الواقع اپنے دعویٰ میں سچا نہیں تو اندریں
صورت اس کو اسلامی تعلیم کی رو سے ناکام و نامراد ہو جانا چاہیئے مگر
وہ اپنے تمام دشمنوں کی آنکھوں کے سامنے اپنے تمام مقاصد میں کامیاب
و کامران ہو گا۔ اور اس کی کامیابی اور کامرانی قطعی طور پہ ثابت
کر دے گی کہ وہ اپنے دعویٰ میں صادق ہے۔ اور اسلامی تعلیم کی رو سے
وہ حق پہ اور اس کے مخالفین ناحق پہ ہیں۔ مگر باوجود اس واضح
طریق فیصلہ کے پھر بھی اس کو اس کے مخالفین اسلام کی دعوت
دیں گے۔ اور کہیں گے کہ تو دائرہ اسلام سے خارج ہو چکا ہے۔ پس
آ اور مسلمان ہو جا۔ اس طرح وہ احمد رسول جو اسلامی تعلیم کی رو سے
مفتری علی اللہ ثابت نہیں ہوا۔ الٹا اسلام کی طرف دعوت دیا جائے گا۔
پس پہلی نشانی جو اس احمد رسول کی بتائی گئی ہے وہ ھُوَ یُدْعٰی
اِلَی الْاِسْلَامِ کے الفاظ میں یہ ہے۔ کہ وہ اسلام کی طرف دعوت
دیا جائے گا۔ اس سے مندرجہ ذیل باتیں ثابت ہوتی ہیں۔

(ا) وہ احمد رسول ایسے زمانہ میں آئے گا۔ جبکہ دنیا میں اسلام
کے علمبردار ہونے کا دعویٰ کرنے والے لوگ پہلے سے موجود ہوں گے
وہ خود بانی اسلام نہیں ہو گا۔

(ب) اس کے مخالفین اس پہ کفر کا فتویٰ لگائیں گے۔ اور خود
کو حقیقی مسلمان قرار دیں گے۔

پس مندرجہ بالا علامات صاف طور پر بتا رہی ہیں۔ کہ اس پیشگوئی کا حقیقی مصداق ہمارے سید و مولیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہیں بلکہ یہ پیشگوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غلام احمد سے متعلق ہے۔ کیونکہ:۔

(۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے لوگ اپنے آپ کو اسلام کے مدعی قرار نہیں دیتے تھے۔

(۲) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بانیٔ اسلام ہیں۔ آپؐ کے مخالفین نے اپنے آپ کو کبھی مسلمان قرار نہیں دیا۔ اور نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو غیر مسلم قرار دیکر حضور کو اسلام کی طرف دعوت دی۔

نوٹ:۔ یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ "ھُوَ یُدْعیٰ" میں "ھُوَ" کی ضمیر کا مرجع خواہ "مَنْ اَظْلَمُ" اور "مِمَّنِ افْتَرٰی" کو قرار دیا جائے اور خواہ "احمد" کو قرار دیا جائے۔ دونوں صورتوں میں حقیقی مرجع "احمد" ہی بنتا ہے اور کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰہِ الْکَذِبَ میں جس شخص کی طرف اشارہ ہے وہ وہی ہے۔ جس پر "مفتری علی اللہ" ہونے یعنی الہام کا جھوٹا دعویٰ کرنے کا الزام ہے اور جس کی اس الزام سے بریت مقصود ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ "احمد" رسول ہی ہے جس کے متعلق یہ اعتراض ہے کہ "قَالُوْا ھٰذَا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ" کہ درحقیقت یہ خدا کا رسول نہیں بلکہ جادوگر ہے۔ اور جادو کی مدد سے یہ نشانات دکھاتا ہے۔ پس "مَنْ اَظْلَمُ" میں احمد

رسول" کے منکروں کا ذکر نہیں۔ بلکہ خود احمد رسول کی بریت کیلئے خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ کہ تم اس احمد رسول پر مفتری ہونے کا الزام لگاتے ہو۔ حالانکہ مفتری سے بڑھ کر کوئی ظالم نہیں ہوتا۔ اور خدا کی فعلی شہادت سے ثابت ہے کہ یہ "ظالم" نہیں۔ کیونکہ اپنے مقاصد میں کامیاب و کامران ہے۔ پس هُوَ يُدْعىٰ اِلَى الْاِسْلَامِ میں "هُوَ" کی ضمیر کا مرجع بہر حال "احمد رسول" ہی ہے نہ کوئی اور۔

دوسری قابل ذکر بات یہ ہے۔ کہ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو کسی نے جادوگر قرار نہیں دیا۔ سو اس کے جواب میں یاد رکھنا چاہئے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو آپ کے دشمنوں نے "جادوگر" "ساحر" رمال اور نجومی قرار دیا۔ چنانچہ چند حوالجات درج ذیل ہیں:۔

(۱) پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی اپنی سرقہ کردہ کتاب "سیف چشتیائی" میں لکھتے ہیں:۔

"تمہارے تیس ۳۰ سال کے سحروں اور شعبدہ بازیوں کو دفعۃً ہی نگل گیا" (سیف چشتیائی ص۱۰۱)

(۲) "معلوم ہوا کہ اب تک ساحر قادیانی کا گھر نحوستوں سے بھرا ہوا ہے" (تکذیب براہین احمدیہ مصنفہ لیکھرام جلد ۲ ص۲۹۸)

(۳) "یہی ساحر قادیانی ہے" (تکذیب براہین احمدیہ جلد ۲ ص۳۰۰)

(۴) مولوی محمد حسین بٹالوی لکھتا ہے۔

اگرچہ یہ پیشگوئی (متعلقہ وفات احمد بیگ۔ خادم) تو پوری ہو گئی۔ مگر یہ الہام سے نہیں۔ بلکہ علم رمل یا نجوم وغیرہ سے کی گئی تھی۔"

(اشاعت السنتہ بحوالہ اشتہار ۶ ستمبر ۱۸۹۴ء)

(۵) ایک مخالف مولوی پنجابی شعر میں کہتا ہے ؎

"جادوگر۔ ہے۔ ساحر بھارا۔ مسمریزم جانے
رمل نجوم تے ہور بتیرے کسبی علم پچھانے"

(تجلی آسمانی مصنفہ مولوی فیض محمد ص ۱۲۳)

یعنی مرزا قادیانی (علیہ السلام) جادوگر اور ساحر ہیں۔ اور مسمریزم اور رمل و نجوم وغیرہ علوم خوب جانتے پہچانتے ہیں۔

دوسری وجہ:۔ يُرِيدُونَ لِيُطْفِئُوا نُورَ اللّٰهِ بِأَفْوَاهِهِمْ۔ کہ لوگ چاہینگے کہ خدا کے نور کو اپنے منہ کی پھونکوں سے بجھا دیں۔ مگر خدا تعالیٰ اپنے نور کو پورا کریگا۔

اس آیت میں (جو اِسْمُهٗ اَحْمَدُ والی آیت کے ساتھ ہی ملحق ہے) اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ احمد رسول کا زمانہ وہ ہوگا۔ جس میں اسلام کو تلوار کے زور سے مٹانے کی کوشش نہیں کی جائیگی بلکہ مزعومہ دلائل کے ساتھ اسلام کا مقابلہ کیا جائیگا گویا منہ کی پھونکیں ہونگی جو ماری جائینگی۔ سو یہ علامت بھی صاف طور پر بتاتی ہے کہ حضرت مسیح ناصری کی پیشگوئی کا مصداق آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نہیں بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خاص غلام۔ احمد رسول اللہ ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ منہ کی پھونکوں کا زمانہ نہ تھا۔ بلکہ لوگ اسلام کو تلواروں کی طاقت سے مٹانا چاہتے تھے۔ لیکن آج دلائل مزعومہ کے زور

یعنی منہ کی پھونکوں سے اسلام کو بجھایا جا رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حاسد سلسلہ رسوائے عالم اخبار "زمیندار" کے ٹائیٹل پیج پر بھی لکھا ہوا ہوتا ہے کہ

نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائیگا

تیسری وجہ یہ ہے کہ اس سے اگلی آیت ہے:۔ "ھُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ بِالْھُدٰی" کہ وہی اللہ ہے جس نے احمد رسول کو ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ بھیجا۔ تاکہ وہ اسلام کو تمام دوسرے دینوں پر غالب کر دے۔

اس آیت کے متعلق تمام مفسرین کا اتفاق ہے کہ یہ آیت مسیح موعود کے متعلق ہے۔ کیونکہ اسلام کا یہ موعودہ غلبہ اسی کے زمانہ میں ہوگا۔ جیسا کہ حدیث میں ہے۔ (ابو داؤد جلد ۲ صفحہ ۲۳۸)

"وَیُھْلِکُ اللّٰہُ فِیْ زَمَنِہٖ الْمِلَلَ کُلَّھَا اِلَّا الْاِسْلَامَ" کہ اللہ تعالیٰ مسیح موعود کے زمانہ میں تمام جھوٹے دینوں کو نیست و نابود کر کے صرف اسلام کو قائم کر لیگا۔ (ب) ابن جریر میں ہے:۔

ھُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ بِالْھُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ ...... ذَالِکَ عِنْدَ خُرُوْجِ عِیْسٰی" (ابن جریر جلد ۱۵ صفحہ ۲۷) کہ اس آیت میں جس غلبۂ اسلامی کا ذکر ہے۔ وہ مسیح موعود کی بعثت کے بعد واقع ہوگا۔

(ج) نیز لکھا ہے۔ "عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ فِیْ قَوْلِہٖ لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ قَالَ حِیْنَ خُرُوْجِ عِیْسٰے۔" (ابن جریر جلد ۲۵ صفحہ ۵۴)

کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے اس آیت "لیظھرہ علی الدین کلہ" کے متعلق فرمایا۔ کہ یہ غلبہ مسیح موعود کے ظہور کے بعد ہوگا۔ پس ثابت ہے کہ یہ آیت ساری کی ساری حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آمد کی پیشگوئی ہے نہ کسی اور کی۔

چوتھی وجہ یہ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم مثیل موسیٰؑ ہیں۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام مثیل عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔ پس حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے مثیل کی پیشگوئی کی۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے مثیل (مسیح موعودؑ) کی۔

پانچویں وجہ یہ کہ اس پیشگوئی کا قرآن مجید میں ذکر کرنے سے مقصود بخیال غیر احمدیاں صرف عیسائیوں پر اتمام حجت کرنا اور احمد رسول کی صداقت کی ایک دلیل دینا ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا والدین نے جو نام رکھا وہ "**احمد**" نہیں بلکہ "**محمد**" تھا۔ عیسائی تو ہرگز نہیں مانتے کہ آپ کا نام "احمد" تھا۔ کسی مدعی کا یہ کہنا کہ اللہ نے میرا نام یہ رکھا ہے۔ اس کے ماننے والوں کے لئے تو حجت ہو سکتا ہے۔ لیکن اس کے منکروں پر ہرگز حجت نہیں ہو سکتا۔ اور جو پہلے ہی مانتا ہے۔ اس کیلئے دلیل کی ضرورت نہیں اور جو نہیں مانتا اس کے لئے یہ دعویٰ دلیل نہیں بن سکتا پس اگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو اس پیشگوئی کا مصداق قرار دیا جائے تو یہ عیسائیوں کے لئے کوئی حجت اور دلیل نہیں بن سکتی۔ لہذا اس کے بیان کرنے کا کوئی فائدہ نہیں رہتا۔ پس اس پیشگوئی کا

مصداق وہی ہے جس کے نام کا ضروری حصہ "احمد" ہے۔ صفاتی نام نہیں۔ بلکہ ذاتی نام (عَلم)

بیشک آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کا صفاتی نام "احمد" ہے مگر یہ آپ کا تعلق انسانوں سے نہیں۔ بلکہ خدا تعالےٰ سے ہے۔ جس کو کوئی انسان خود بخود نہیں دیکھ سکتا۔ کیونکہ اَحْمَدْ کے معنی ہیں "سب سے زیادہ تعریف کرنے والا" اور "مُحمّد" کے معنی ہیں "سب سے زیادہ تعریف کیا گیا"۔ گویا آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم چونکہ خدا تعالےٰ کی سب سے زیادہ حمد اور تعریف کرنے والے ہیں۔ اس لئے آپ صفاتی طور پر "احمد" ہیں۔ اور دنیا کے ساتھ آپ کا تعلق "محمدیت" کا ہے۔ پس ایک عیسائی کے لئے آپ کی شان احمدیت کا سمجھ کر اس پر ایمان لانا ممکن نہیں ہے۔ کیونکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم انسانوں کے محمد ہیں۔ اور احمد اللہ تعالےٰ کے ہیں۔

نوٹ:۔ بعض روایات میں آتا ہے۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کا نام حضورؐ کے والدین نے یا حضور کے دادا نے بوقت پیدائش "احمد" رکھا تھا۔ مگر ان تمام روایات کے متعلق یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ سب "موضوع" روایات ہیں۔ ان میں سے اکثر "واقدی" کی ہیں۔ جو جھوٹی حدیثیں گھڑنے والوں کا استاد ہونے کی وجہ سے "رئیس الوضاعین" کہلاتا ہے۔ چنانچہ ان روایات کے متعلق حضرت امام محمد شوکانی لکھتے ہیں۔ وَمِنْهَا اَحَادِیْثُ الَّتِیْ تُرْوٰی فِیْ تَسْمِیَةِ اَحْمَدَ لَا یَثْبُتُ مِنْهَا شَیْءٌ

(فوائد المجموعہ فی احادیث الموضوعہ للشوکانی صفحہ ۱۴۱) یعنی بعض وہ روایات ہیں جن میں یہ ذکر آتا ہے کہ حضور کا نام "احمد" رکھا گیا تھا۔ لیکن ان روایات سے کچھ بھی ثابت نہیں ہوتا۔ خادم

پانچویں وجہ:۔ یہ ہے کہ لفظ "محمد" کے معنی ہیں "سب سے زیادہ تعریف کیا گیا" پس آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے "محمد" ہونے کا یہ تقاضا ہے کہ کوئی شخص آپ کا "احمد" (سب سے زیادہ تعریف کرنے والا) ہو۔ گویا خود لفظ "محمد" میں یہ پیشگوئی ہے کہ کوئی انسان دنیا میں "احمد" ہو کر آئے گا۔ جو اس نبی عربی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سب سے زیادہ تعریف کرے گا۔ پس آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہم صفاتی طور پر "احمد" مانتے ہیں۔ لیکن یہ تعلق آپ کا خدا سے ہے۔ مگر یہ پیشگوئی (اِسْمُہٗ اَحْمَدُ) عیسائیوں پر اتمام حجت کے لئے بیان کی گئی ہے۔ اور عیسائی اس تعلق کو جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خدا سے ہے دیکھ نہیں سکتے۔ لہذا ضروری ہے کہ پیشگوئی کا وہی مصداق ہو۔ جو ظاہری طور پر "احمد" ہو۔ یعنی جس کا علم احمد ہو۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا نام "احمد" تھا۔ "غلام احمد" کے نقطہ میں لفظ "غلام" حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خاندانی ناموں کے ساتھ پایا جاتا تھا۔ غلام مرتضیٰ۔ غلام قادر۔ غلام مجتبیٰ وغیرہ۔ اور ظاہر ہے۔ کہ "علم" وہی ہوتا ہے جو تمیز واقع ہو۔ اور "غلام احمد" میں سے "تمیز" "احمد" ہے۔ پس وہی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا "علم" ہے چنانچہ اس کا دوسرا زبردست ثبوت یہ ہے کہ آپ کے والد (مرزا غلام مرتضیٰ صاحب) بھی آپ کا نام "احمد" ہی سمجھتے تھے۔ جیسا کہ انہوں نے اپنے

دونوں بیٹوں کے نام پر جو دو گاؤں آباد کئے ان کے نام "قادر آباد" اور "احمد آباد" علی الترتیب مرزا غلام قادر اور غلام احمد علیہ السلام کے نام پر رکھے۔

غیر احمدی :۔ "فَلَمَّا جَاءَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ" میں "لَمَّا" ماضی "جَاءَ" پر آیا ہے۔ اور جب ماضی پر لَمَّا داخل ہو۔ تو اس کے معنی ہمیشہ ماضی ہی کے ہوتے ہیں مستقبل کے نہیں ہو سکتے۔

احمدی :۔ یہ قاعدہ درست نہیں۔ قرآن مجید میں ہے فَلَمَّا رَاَوْهُ زُلْفَةً سِيْٓـٔتْ وُجُوْهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا (الملک) کہ جب وہ قیامت کو دیکھینگے تو کافروں کے مُنہ خراب ہو جائینگے۔

اس آیت میں "رَاَوْهُ" ماضی ہے۔ اور اس پر لَمَّا داخل ہوا ہے مگر یہ مستقبل (یعنی قیامت) کے متعلق ہے۔ بعینہٖ اسی طرح فَلَمَّا جَاءَهُمْ بھی مستقبل کے متعلق ہے۔

نوٹ :۔ حدیث "اَنَا بِشَارَةُ عِيْسٰى" میں جس بشارت کا ذکر ہے وہ سورت صف والی بشارت نہیں۔ کیونکہ حضرت عیسٰی علیہ السلام نے درحقیقت دو نبیوں کی بشارت دی ہے۔

(۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی (۲) حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی۔ چنانچہ انجیل میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق جو بشارت ہے۔ وہ ان الفاظ میں ہے:۔ "اس کے بعد میں تم سے بہت باتیں نہ کرونگا کیونکہ دنیا کا سردار آتا ہے۔" (یوحنا $\frac{14}{30}$ نیز یوحنا $\frac{16}{7-14}$)

آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی بشارت کا اپنے آپ کو مصداق قرار دیا ہے۔ تفصیل مضمون آنحضرتؐ کی نسبت بائیبل وغیرہ میں

پیشگوئیاں" پاکٹ بک ہذا ص۹۹)

سترھویں دلیل :- خدا تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے۔ "لَا یَمَسُّہٗ اِلَّا الْمُطَھَّرُوْنَ" کہ قرآن مجید کے مطالب و معانی اور حقائق و معارف انہی پر کھولے جاتے ہیں جو پاک اور مطہر ہوتے ہیں۔ چنانچہ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی اپنے مکتوبات میں اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ "مساس نکنند اسرار مکنونۂ قرآنی را مگر جماعۂ را کہ از لوث تعلقاتِ بشریہ پاک شدہ باشند۔ ہرگاہ نصیبِ پاکاں مساس اسرار قرآنی بود بدیگراں چہ رسد؟"
(مکتوبات جلد ۳ ص۱۱ مکتوب چہارم شروع) پس قرآن مجید کے حقائق و معارف پر آگاہ ہونا صداقت کی ایک زبردست دلیل ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے دعویٰ کیا کہ قرآن مجید کے علوم اللہ تعالیٰ نے مجھ پر کھولے ہیں۔ دنیا کا کوئی عالم میرا مقابلہ کر کے دیکھ لے۔ مگر مولویوں نے اپنی خاموشی سے ثابت کر دیا کہ آسمانی علوم انہی پر کھولے جاتے ہیں جو آسمان سے اپنے تعلقات وابستہ کر چکے ہوں اور یہ کہ دنیا کے مولویوں اور عالموں کا کوئی بڑے سے بڑا استاد بھی آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے شاگرد کے سامنے ٹھہر نہیں سکتا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی کتب میں علاوہ مختلف آیات کی تفسیر لکھنے کے قرآن مجید کی تفسیر کے نہایت قیمتی اصول بتائے۔ اور خود ان اصول کے مطابق آیاتِ قرآنی کی تفسیر کر کے بتا دیا کہ آسمانی علوم آسمان کے ساتھ تعلق رکھنے والوں ہی کا حصہ ہوتے ہیں۔ محض ضَرَبَ یَضْرِبُ ضَرْبًا کی گردان رٹ لینے اور عربی سیکھ لینے سے قرآن مجید نہیں آجاتا۔ اگر قرآن مجید کے حقائق و معارف کے سمجھنے کا معیار محض عربی زبان کا

جاننا ہی ہوتا۔ تو جرجی زیدان یا اس جیسے عیسائی دہریہ اور یہودی جو عربی کے مسلّم استاد اور ادیب ہیں۔ وہ قرآن مجید کے حقائق و معارف اور معانی و مطالب کے سب سے بڑے مفسر ہوتے۔ مگر خدا تعالیٰ نے لَا یَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ فرماکر بتا دیا کہ قرآن مجید کے علوم کو وہی مس کر سکتے ہیں جو پاک اور مطہر ہوں۔ گویا جتنی جتنی طہارت و پاکیزگی زیادہ ہوگی۔ اتنا اتنا علوم قرآنی کا دروازہ کھلتا چلا جائیگا۔

پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے سامنے علوم قرآنی کے مقابلہ میں تمام دنیا کے علماء و فضلاء و فصحاء و بلغا کا صاف طور پر عاجز آجانا آپ کے صادق اور راستباز ہونے پر ناقابل تردید گواہ ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

"پھر ایک اور پیشگوئی نشان الٰہی ہے۔ جو براہین کے صفحہ ۲۳۸ میں درج ہے اور وہ یہ ہے۔ (اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے علم قرآن کا وعدہ دیا تھا۔ سو اس وعدہ کو اس طور سے پورا کیا۔ کہ اب کسی کو معارف قرآنی میں مقابلہ کی طاقت نہیں۔ میں سچ سچ کہتا ہوں کہ اگر کوئی مولوی اس ملک کے تمام مولویوں میں سے معارف قرآنی میں مجھ سے مقابلہ کرنا چاہے۔ اور کسی سورۃ کی ایک تفسیر میں لکھوں اور ایک کوئی اور مخالف لکھے تو وہ نہایت ذلیل ہوگا۔ اور مقابلہ نہیں کرسکیگا۔ اور یہی وجہ ہے کہ باوجود اصرار کے مولویوں نے اس طرف رُخ نہیں کیا۔ پس یہ ایک عظیم الشان نشان ہے۔ مگر ان کے لئے جو انصاف اور ایمان رکھتے ہیں۔" (ضمیمہ انجام آتھم صفحہ ۵)

"جب میری طرف سے متواتر دنیا میں اشتہارات شائع ہوئے کہ خداتعالیٰ کے تائیدی نشانوں میں سے ایک یہ نشان بھی مجھے دیا گیا ہے کہ میں فصیح بلیغ عربی میں قرآن شریف کی کسی سورت کی تفسیر لکھ سکتا ہوں۔ اور مجھے خداتعالیٰ کی طرف سے علم دیا گیا ہے کہ میرے بالمقابل اور بالمواجہ بیٹھ کر کوئی دوسرا شخص خواہ مولوی ہو یا کوئی فقیر گدی نشین ایسی تفسیر ہرگز نہیں لکھ سکیگا"

(نزول المسیح صـ۵۳)

"اب کس قدر ظلم ہے کہ اس قدر نشانوں کو دیکھ کر پھر کہے جاتے ہیں کہ کوئی نشان ظاہر نہیں ہوا۔ اور مولویوں کے لئے تو خود ان کی بے علمی کا نشان ہی کافی تھا۔ کیونکہ ہزار ہا روپے کے انعامی اشتہار دیئے گئے کہ اگر وہ بالمقابل بیٹھ کر کسی سورۃ قرآنی کی تفسیر عربی فصیح بلیغ میں میرے مقابل پر لکھ سکیں۔ تو وہ انعام پائیں۔ مگر وہ مقابلہ نہ کر سکے۔ تو کیا یہ نشان نہیں تھا کہ خدا نے ان کی ساری علمی طاقت سلب کر دی۔ باوجود اس کے کہ وہ ہزاروں تھے۔ تب بھی کسی کو حوصلہ نہ پڑا کہ سیدھی نیت سے میرے مقابل پر آوے۔ اور دیکھے کہ خداتعالےٰ اس مقابلہ میں کس کی تائید کرتا ہے"۔ (نزول المسیح صفحہ ۳۰)

"نشان کے طور پر قرآن اور زبانِ قرآن کی نسبت دو طرح کی نعمتیں مجھ کو عطا کی گئی ہیں۔ (۱) ایک یہ کہ معارف عالیہ فرقانِ حمید بطور خارق عادت مجھ کو سکھلائے گئے۔ جن میں دوسرا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

(۲) دوسرے یہ کہ زبانِ قرآن یعنی عربی میں وہ بلاغت اور فصاحت مجھے دی گئی کہ اگر تمام علماء مخالفین باہم اتفاق کر کے بھی اس میں میرا مقابلہ

کرنا چاہیں۔ تو ناکام اور نامراد رہینگے۔ اور وہ دیکھ لینگے کہ جو حلاوت اور بلاغت اور فصاحت لسانِ عربی معہ التزامِ حقائق و معارف و نکات میرے کلام میں ہے۔ وہ ان کو اور ان کے دوستوں اور ان کے استادوں اور ان کے بزرگوں کو ہرگز حاصل نہیں۔

اس الہام کے بعد مَیں نے قرآن شریف کے بعض مقامات اور بعض سورتوں کی تفسیریں لکھیں۔ اور نیز عربی زبان میں کئی کتابیں نہایت بلیغ و فصیح تالیف کیں۔ اور مخالفوں کو ان کے مقابلہ کے لئے بلایا۔ بلکہ بڑے بڑے انعام ان کے لئے مقرر کئے۔ اگر وہ مقابلہ کر سکیں۔ اور ان میں جو نامی آدمی تھے۔ جیسا کہ میاں نذیر حسین دہلوی اور ابوسعید محمد حسین بٹالوی اڈیٹر اشاعت السنۃ ان لوگوں کو بار بار اس امر کی طرف دعوت کی گئی کہ اگر کچھ بھی ان کو علم قرآن میں دخل ہے۔ یا زبانِ عربی میں مہارت ہے یا مجھے میرے دعویٰ مسیحیت میں کاذب سمجھتے ہیں تو ان حقائق و معارف پُر از بلاغت کی نظیر پیش کریں۔ جو میں نے کتابوں میں اس دعویٰ کے ساتھ لکھے ہیں کہ وہ انسانی طاقتوں سے بالاتر اور خداتعالےٰ کے نشان ہیں۔ مگر وہ مقابلہ سے عاجز آ گئے۔ نہ تو وہ ان حقائق و معارف کی نظیر پیش کر سکے جن کو مَیں نے بعض قرآنی آیات اور سورتوں کی تفسیر لکھتے وقت اپنی کتابوں میں تحریر کیا تھا۔ اور نہ ان بلیغ و فصیح کتابوں کی طرح دو سطر بھی لکھ سکے۔ جو میں نے عربی میں تالیف کر کے شائع کی تھیں۔"

(تریاق القلوب تقطیع کلاں صـ ۲۰۱)

"خداتعالیٰ اپنے مکالمہ کے ذریعہ سے تین نعمتیں اپنے کامل بندہ کو عطا فرماتا

ہے۔ اوّل ان کی اکثر دعائیں قبول ہوتی ہیں۔ اور قبولیت سے اطلاع دی جاتی ہے۔ دوم۔ اس کو خدا تعالیٰ بہت سے امور غیبیہ پر اطلاع دیتا ہے سوم۔ یہ کہ اس پر قرآن شریف کے بہت سے علوم حکمیہ بذریعہ الہام کھولے جاتے ہیں۔ پس جو شخص اس عاجز کا مکذب ہو کر پھر یہ دعویٰ کرتا ہے کہ یہ ہنر مجھ میں پایا جاتا ہے۔ میں اس کو خدا تعالیٰ کی قسم دیتا ہوں کہ وہ ان تینوں باتوں میں میرے ساتھ مقابلہ کرے۔ اور فریقین میں قرآن شریف کے کسی مقام کی سات آیتیں تفسیر کے لئے بالاتفاق منظور ہو کر ان کی تفسیر دونوں فریق لکھیں"۔ (ضمیمہ انجام آتھم صفحہ ۱۹ حاشیہ)

"میرے مخالف کسی سورۂ قرآنی کی بالمقابل تفسیر بنا دیں۔ یعنی روبرو ایک جگہ بیٹھ کر بطور فال قرآن شریف کھولا جائے۔ اور پہلی سات آیتیں جو نکلیں ان کی تفسیر میں بھی عربی میں لکھوں۔ اور میرا مخالف بھی لکھے۔ پھر اگر میں حقائق معارف کے بیان کرنے میں صریح غالب نہ رہوں تو پھر بھی میں جھوٹا ہوں"۔ (ضمیمہ انجام آتھم صفحہ ۲۰)

"غرض سب کو بلند آواز سے اس بات کی طرف مدعو کیا کہ مجھے علم حقائق اور معارف قرآن دیا گیا ہے۔ تم لوگوں میں سے کسی کی مجال نہیں کہ میرے مقابل پر قرآن شریف کے حقائق و معارف بیان کر سکے۔ سو اس اعلان کے بعد میرے مقابل ان میں سے کوئی بھی نہ آیا"۔ (ضمیمہ انجام آتھم صفحہ ۲۷)

"ہم ان کو اجازت دیتے ہیں کہ وہ بے شک اپنی مدد کے لئے مولوی محمد حسین بٹالوی اور مولوی عبدالجبار غزنوی اور محمد حسین بھین وغیرہ کو بلا لیں۔ بلکہ اختیار رکھتے ہیں کہ کچھ طمع دیکر دو چار عرب کے ادیب بھی طلب کر لیں"۔ (ضمیمہ ا ربعین نمبر ۴ صفحہ ۶)

غرضیکہ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے علوم قرآن کے مقابلہ کے لئے تمام دنیا کے علماء کو للکارا۔ مگر انہوں نے اپنی خاموشی سے اس بات پر مہر ثبت کردی کہ خدا کا پیارا مسیح آسمانی علوم لیکر دنیا میں آیا تھا جس کے بالمقابل ان کے زمینی اور خشک علوم کی حیثیت جہالت سے بڑھ کر نہ تھی۔

اٹھارھویں دلیل۔ خدا تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے کہ اگر مخالفین باوجود زبردست دلائل اور عظیم الشان نشانات کے پھر بھی خدا کے فرستادہ پر ایمان نہ لائیں تو آخری طریق فیصلہ "مباہلہ" ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ فریقین اپنے جھگڑے کو اس احکم الحاکمین خدا کی عدالت میں لے جائیں جو اپنے فیصلہ میں غلطی نہیں کرتا۔ چنانچہ فرماتا ہے۔ فَمَنْ حَاجَّكَ فِيهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ أَبْنَاءَنَا وَأَبْنَاءَكُمْ وَنِسَاءَنَا وَنِسَاءَكُمْ وَأَنْفُسَنَا وَأَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكَاذِبِيْنَ (آل عمران ع)

کہ اگر یہ لوگ باوجود دلائل بیّنہ اور براہین قاطعہ کے پھر بھی نہیں مانتے۔ تو ان سے کہدے کہ آؤ! ہم دونوں فریق اپنے اہل وعیال اور جماعت کو لیکر خدا کے سامنے دعا مباہلہ کریں۔ اور جھوٹے پر لعنت اللہ کہیں۔ چنانچہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے منکرین نے بھی جب باوجود دلائل بیّنہ کے آپ کی مخالفت کو نہ چھوڑا۔ تو آپ نے ان کو مباہلہ کا چیلنج دیا۔ لیکن حق کی کچھ ایسی ہیبت ان کے دلوں پر طاری ہوئی کہ بجز فرار کے ان کو کوئی چارہ کار نظر نہ آیا۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ لَمَا حَالَ الْحَوْلُ عَلَى النَّصَارٰى حَتّٰى يَهْلِكُوْا كُلُّهُمْ۔ (تفسیر کبیر جلد ۲ صفحہ ۶۹۹) کہ اگر وہ مباہلہ کرتے

تو ایک سال کے اندر سب کے سب ہلاک ہو جاتے۔ پس مذہبی اختلافات کے لئے آخری طریق فیصلہ "مباہلہ" ہے۔ فریقین احکم الحاکمین خدا کی عدالت سے صحیح اور سچے فیصلے کے لئے ملتجی ہوتے ہیں۔ اور وہ ایک سال کے اندر جھوٹے کو برباد کر کے حق و باطل میں ابدی فیصلہ صادر فرما دیتا ہے۔ حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ السلام نے بھی اپنے پیارے آقا و سردار محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس سنت پر عمل کیا۔ اور جب دلائل عقلی و نقلی اور نشانات ارضی وسماوی غرضیکہ ہر طریق سے ان پر اتمام حجت ہو چکی۔ تو آپ نے ان کو آخری طریق فیصلہ (مباہلہ) کی طرف بلایا اور تحریر فرمایا۔" سو اب اٹھو اور مباہلہ کے لئے تیار ہو جاؤ۔ تم سن چکے ہو کہ میرا دعویٰ دو باتوں پر مبنی تھا۔ اوّل نصوص قرآنیہ اور حدیثیہ پر۔ دوسرے الہامات الٰہیہ پر۔ سو تم نے نصوص قرآنیہ اور حدیثیہ کو قبول نہ کیا۔ اور خدا کے کلام کو یوں ٹال دیا۔ جیسا کہ کوئی تنکا توڑ کر پھینک دے۔ اب میری بنا دعویٰ کا دوسرا شق باقی رہا۔ سو میں اس ذات قادر وغیور کی آپ کو قسم دیتا ہوں جس کی قسم کو کوئی ایماندار رد نہیں کرسکتا کہ اب اس دوسری بنا کے تصفیہ کے لئے مجھ سے مباہلہ کر لو۔" (انجام آتھم ۶۵)

"اور یوں ہو کہ تاریخ اور مقام مباہلہ کے مقرر ہونے کے بعد میں ان تمام الہامات کے پرچے کو جو لکھ چکا ہوں اپنے ہاتھ میں لیکر مباہلہ میں حاضر ہونگا۔ اور کہونگا کہ الٰہی! اگر یہ الہامات جو میرے ہاتھ میں ہیں۔ میرا ہی افترا ہے اور تو جانتا ہے کہ میں نے ان کو اپنی طرف سے بنایا ہے۔ یا اگر یہ شیطانی وساوس ہیں اور تیرے الہامات نہیں۔ تو آج کی تاریخ سے ایک سال گذرنے سے پہلے مجھے وفات دے۔ یا کسی ایسے عذاب میں مبتلا کر کے جو موت

سے بدتر ہو۔ اور اس سے رہائی عطا نہ کر۔ جب تک کہ موت آجائے تیری عزت ظاہر ہو۔ اور لوگ میرے فتنہ سے بچ جائیں۔ لیکن اے خدائے علیم وخبیر اگر تو جانتا ہے کہ یہ تمام الہامات جو میرے ہاتھ میں ہیں۔ تیرے ہی الہام ہیں۔ اور تیرے منہ کی باتیں ہیں۔ تو اُن مخالفوں کو جو اس وقت حاضر ہیں۔ ایک سال کے عرصہ میں نہایت سخت دُکھ کی مار میں مبتلا کر۔ کسی کو اندھا کردے۔ کسی کو مجذوم۔ کسی کو مفلوج اور کسی کو مجنوں اور کسی کو مصروع اور کسی کو سانپ یا سگِ دیوانہ کا شکار بنا۔ اور کسی کے مال پر آفت نازل کر اور کسی کی جان پر اور کسی کی عزت پر۔ اور جب میں یہ دعا کر چکوں تو دونوں فریق کہیں "آمین" ایسا ہی فریق ثانی کی جماعت میں سے ہر ایک شخص جو مباہلہ کے لئے حاضر ہو۔ جناب الٰہی میں یہ دعا کرے ..... اور یہ دعا فریق ثانی کر چکے۔ تو دونوں فریق کہیں آمین"۔

"اس مباہلے کے بعد اگر مَیں ایک سال کے اندر مر گیا۔ یا کسی ایسے عذاب میں مبتلا ہو گیا جس میں جانبری کے آثار نہ پائے جائیں۔ تو لوگ میرے فتنے سے بچ جائینگے۔ اور مَیں ہمیشہ کی لعنت کے ساتھ ذکر کیا جاؤنگا۔ لیکن خدا نے ایک سال تک مجھے موت اور آفاتِ بدنی سے بچا لیا اور میرے مخالفوں پر قہر اور غضب الٰہی کے آثار ظاہر ہو گئے۔ اور ہر ایک ان میں سے کسی نہ کسی بلا میں مبتلا ہو گیا۔ اور میری بددُعا نہایت چمک کے ساتھ ظاہر ہو گئی تو دنیا پر حق ظاہر ہو جائیگا۔ اور یہ روز کا جھگڑا درمیان سے اٹھ جائیگا"۔

آپ نے یہاں تک لکھا کہ :- "میں یہ بھی شرط کرتا ہوں کہ میری دُعا کا

اثر صرف اس صورت میں سمجھا جائے۔ جب تمام وہ لوگ جو مباہلہ کے میدان میں بالمقابل آئیں۔ ایک سال تک ان بلاؤں میں سے کسی بلا میں گرفتار ہو جائیں اگر ایک بھی باقی رہا تو میں اپنے تئیں کاذب سمجھونگا۔ اگرچہ وہ ہزار ہوں یا دو ہزار اور میں ان کے ہاتھ پر توبہ کرونگا۔"

(انجام آتھم ۱۸۹۶ء صفحہ ۶۷)

یہ دعوتِ مباہلہ تحریر فرما کر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے مخالف علما کو نہایت غیرت دلانے والے الفاظ میں مخاطب فرمایا۔

"گواہ رہ اے زمین اور اے آسمان! کہ خدا کی لعنت اس شخص پر کہ اس رسالہ کے پہنچنے کے بعد نہ میدان مباہلہ میں حاضر ہو اور نہ تکفیر اور توہین کو چھوڑے"۔

(انجام آتھم صفحہ ۶۷)

یہ وہ آخری طریق فیصلہ تھا جس کے لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مندرجہ بالا پر شوکت الفاظ میں اپنے مکفر علماء کو دعوت دی۔ رسالہ "انجام آتھم" ان کو بذریعہ رجسٹری بھیجا گیا۔ مگر ان میں سے ایک بھی میدان میں نہ آیا۔

انیسویں دلیل: ۔ حدیث میں ہے "وَلَیُتْرَکَنَّ الْقِلَاصُ فَلَا یُسْعٰی عَلَیْھَا" (مسلم باب نزول عیسٰی) کہ مسیح موعود کے زمانہ میں اونٹنیاں بیکار ہو جائینگی اور ان پر تیز سفر نہیں کیا جائیگا۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیح موعود ایسے زمانہ میں آئیگا۔ جبکہ ایسی ایسی سواریاں ایجاد ہونگی کہ جن کے باعث اونٹنیاں لمبے اور جلدی کے سفروں میں متروک ہو جائیں گی۔ بار برداری یا معمولی مسافت کا کام اگر اونٹوں سے لیا جاتا رہے تو وہ خلافِ حدیث نہیں۔ کیونکہ یہ امر عقلاً محال ہے کہ کسی وقت کلی طور پر سب کی سب اونٹنیاں بے کار کر دی جائیں۔ حدیث

ہیں "فلا یسعیٰ علیہا" کے الفاظ واضح ہیں۔ اور قرآن مجید میں "العشار" کا لفظ ہے جسکے معنی حاملہ اونٹنی کے ہیں۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ ایسی ایسی اعلیٰ سواریاں نکل آئینگی کہ ہر سفر کیلئے اونٹوں کا لابدی ہونا باقی نہ رہیگا۔ یعنی جیسا کہ زمانہ قدیم میں شدت ضرورت کے ماتحت حاملہ اونٹنیوں کو بھی کام کاج اور مشقت سے مستثنے نہیں کیا جاتا تھا۔ اب اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ مسیح موعود کے وقت میں ایسا نہ ہوگا۔ نیز اس حدیث نے یہ بھی واضح کر دیا ہے۔ کہ قرآن مجید کی آیت "اذا العشار عطلت" بھی زمانہ مسیح موعودؑ کے متعلق ہے کیونکہ "لَيُتْرَكَنَّ الْقِلَاصُ" والی حدیث صریح طور پر مسیحؑ کے زمانہ کے متعلق ہے۔ فافہم

بیسویں دلیل:۔ مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری جماعت احمدیہ کے مشہور معاندین میں سے ہیں۔ اور عام طور پر یہ دعویٰ کیا کرتے ہیں۔ کہ وہ جماعت احمدیہ کے لٹریچر سے خوب واقف ہیں۔ ہم اسجگہ اس بحث میں پڑنا نہیں چاہتے کہ ان کا ادعا کس حد تک درست ہے لیکن ببانگ بلند کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے انکے اس دعویٰ کو بھی صداقت حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ایک روشن اور واضح نشان بنایا ہے۔ آج سے پندرہ سال قبل ۱۹۲۳ء میں جب وہ حیدرآباد دکن میں بغرض تردید احمدیت گئے ہوئے تھے۔ سیٹھ عبداللہ الہ دین صاحب آف سکندرآباد نے (جو جماعت احمدیہ کے ایک ممتاز فرد ہیں) ایک اشتہار انعامی دس ہزار سات صد روپیہ شائع کیا جس میں مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری سے مطالبہ کیا کہ اگر وہ فی الواقع حضرت مرزا صاحب کو اپنے دعاوی میں سچا نہیں سمجھتے تو وہ حلف اٹھا کر اس امر کا اعلان کر دیں۔ اگر اس کے بعد ایک سال تک زندہ رہ جائیں تو دس ہزار روپیہ ان کی خدمت میں پیش کیا جائیگا۔

اور حلف اُٹھانے کیوقت نقد پانسو روپیہ بھی ان کی نذر ہوگا۔ علاوہ ازیں اس شخص کو بھی جو مولوی ثناء اللہ صاحب کو اس حلف کے اٹھانے پر آمادہ کرے دو صد روپیہ انعام دیا جائیگا۔ آج اس اعلان کو شائع ہوئے بائیس ۲۲ سال سے زیادہ عرصہ ہوگیا۔ مگر مولوی ثناء اللہ صاحب حلف مؤکد بعذاب اُٹھانے کا نام نہیں لیتے۔ اور ان کا مختلف قسم کے حیلوں بہانوں سے اس صاف اور سیدھے طریق فیصلہ سے پہلو تہی کرنا قطعی طور پر ثابت کر دیتا ہے کہ ان کو دل سے اس بات کا یقین ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام خدا کی طرف سے تھے۔ ہم ذیل میں جناب سلیم صاحب کا انعامی اشتہار نقل کر کے تمام اہل انصاف حضرات کیخدمت میں عرض کرتے ہیں کہ مولوی ثناء اللہ صاحب کا یہ حیرت انگیز مگر دانشمندانہ گریز بتاتا ہے کہ وہ صداقت کی بناء پر احمدیت کی مخالفت نہیں کرتے بلکہ اس کا اصل موجب دنیا طلبی کے سوا اور کچھ نہیں جیسا کہ حضرت محی الدین ابن عربی فرماتے ہیں:۔ "اِذَا خَرَجَ ھٰذَا الْاِمَامُ الْمَھْدِیُّ فَلَیْسَ لَہٗ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ۔ اِلَّا الْفُقَھَاءُ خَاصَّۃً فَاِنَّہٗ لَا یَبْقٰی لَھُمْ رِسَالَۃٌ وَّلَا تَمِیْزٌ عَنِ الْعَامَّۃِ (فتوحات مکیہ جلد ۳ صـ ۳۷۴) کہ جب حضرت امام مہدی ظاہر ہونگے تو اس زمانہ کے مولوی خاص طور پر انکے دشمن ہونگے۔ بعض اسوجہ سے کہ وہ یہ سمجھیں گے۔ کہ انپر ایمان لانے سے عوام پر اثر اور رسوخ قائم نہیں رہیگا۔

نقل اشتہار مورخہ ۱۲ فروری ۱۹۲۳ء

"مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری کو دس ہزار روپیہ انعام"

مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری نے مورخہ ۱۰ فروری ۱۹۲۳ء کو ایک خاص مجلس

ہیں جس میں کہ ہمارے شہر کے ایک معزز و محترم با وقار انسان یعنی عالیجناب مہاراجہ سر کرشن پرشاد بہادر با لقابہ بھی رونق افروز تھے اس بات کا اظہار کیا ہے کہ میرے حیدر آباد آنے کا اصل مقصود سیٹھ عبد اللہ الہ دین ہیں۔ تاکہ ان کو ہدایت ہو جائے۔ اسلئے میں اپنے ذاتی اطمینان اور تسلی کے لئے بذاتِ خود یہ اشتہار شائع کرتا ہوں کہ اگر مولوی ثناء اللہ صاحب کے اس سفر کی مقدم غرض یہی ہے کہ مجھ کو ہدایت ہو جائے۔ تو مولوی ثناء اللہ صاحب اس حلف کے مطابق جو میں اس اشتہار میں درج کرتا ہوں قسم کھا جائیں۔ مگر قبل اسکے کہ مولوی صاحب حلف اُٹھائیں۔ ضروری ہوگا کہ ایک اشتہار کے ذریعہ صاف طور پر حیدر آباد و سکندر آباد میں شایع کر دیں کہ میں اس حلف کو جناب مرزا غلام احمد صاحبؑ قادیانی اور اپنے عقاید کے درمیان حق و باطل کے تصفیہ کا فیصلہ کن معیار قرار دیتا ہوں۔ اور یہ کہ اس حلف کے بعد سال کی میعاد کے اندر دن تک میں اپنے اس اقرار معیار فیصلہ کن کے خلاف کوئی تحریر یا تقریر شائع نہ کرونگا۔ اور نہ بیان کرونگا۔ ہاں ویسے مولوی صاحب کو اختیار ہے کہ مرزا صاحب کی تردید بڑے زور سے کرتے رہیں۔ مگر اس حلف کے فیصلہ کن معیار ہونے سے حلف کے بعد سال بھر تک انکار نہ کریں۔ میری طرف سے یہ اقرار ہے۔ کہ اس حلف کے بعد اگر مولوی صاحب ایک سال تک صحیح و سلامت رہے یا ان پر کوئی عبرتناک و غضبناک عذاب نہ آیا تو میں اہلحدیث ہو جاؤنگا یا مولوی ثناء اللہ صاحب کے حسب خواہش مبلغ دس ہزار روپیہ مولوی صاحب

موصوف کو بطور انعام کے ادا کر دونگا۔

حلف کے الفاظ یہ ہیں۔ جو مولوی ثناء اللہ صاحب جلسہ عام میں تین مرتبہ دُہرائیں گے۔ اور ہر دفعہ خود بھی اور حاضرین بھی آمین کہینگے "میں ثناء اللہ ایڈیٹر اہلحدیث خدا تعالےٰ کو حاضر و ناظر جان کر اس بات پر حلف کرتا ہوں کہ میں نے مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کے تمام دعاوی و دلائل کو بغور دیکھا اور سنا اور سمجھا۔ اور اکثر تصانیف ان کی میں نے مطالعہ کیں۔ اور عبداللہ الہ دین کا چیلنج انعامی دس ہزار کا بھی پڑھا۔ مگر میں نہایت وثوق اور کامل ایمان اور یقین سے یہ کہتا ہوں کہ مرزا صاحب کے تمام دعاوی و الہامات جو چودھویں صدی کے مجدد و امام وقت و مسیح موعود و مہدی موعود و امتی نبی ہونے کے متعلق ہیں۔ وہ سراسر جھوٹ و افترا اور دھوکا و فریب اور غلط تاویلات کی بنا پر ہیں۔ برخلاف اس کے عیسیٰ علیہ السلام وفات نہیں پائے۔ بلکہ وہ بجسد عنصری آسمان پر اٹھائے گئے ہیں۔ اور ہنوز اسی خاکی جسم کے ساتھ موجود ہیں اور وہی آخری زمانہ میں آسمان سے اُتریں گے۔ اور وہی مسیح موعود ہیں اور مہدی علیہ السلام کا ابھی تک ظہور نہیں ہوا۔ جب ہوگا۔ تو وہ اپنے منکروں کو تلوار سے قتل کر کے اسلام کو دنیا میں پھیلائینگے مرزا صاحب نہ مجدد وقت ہیں نہ مہدی ہیں۔ نہ مسیح موعود ہیں نہ اُمتی نبی ہیں بلکہ ان تمام دعاوی کے سبب میں ان کو مفتری اور کافر اور خارج از اسلام جانتا ہوں۔ اگر میرے یہ عقاید خدا تعالےٰ کے نزدیک

جھوٹے اور قرآن شریف و صحیح احادیث کے خلاف ہیں اور مرزا غلام احمد صاحب قادیانی درحقیقت اپنے تمام دعاوی میں خداتعالیٰ کے نزدیک سچے ہیں، تو میں دعا کرتا ہوں کہ اے قادر ذوالجلال خدا جو تمام زمین و آسمان کا واحد مالک ہے اور ہر چیز کے ظاہر و باطن کا تجھے علم ہے۔ ایسی تمام قدرتیں تجھی کو حاصل ہیں۔ تو ہی قہار اور غالب و منتقم حقیقی ہے اور تو ہی علیم و خبیر و سمیع و بصیر ہے۔ اگر تیرے نزدیک مرزا غلام احمد صاحب قادیانی اپنے دعاوی و الہامات میں صادق ہیں۔ اور جھوٹے نہیں۔ اور میں ان کے جھٹلانے اور تکذیب کرنے میں ناحق پر ہوں تو مجھ پر ان کی تکذیب اور ناحق مقابلہ کی وجہ سے ایک سال کے اندر موت وارد کر۔ یا کسی ایسے غضبناک و عبرتناک عذاب میں مبتلا کر کہ جس میں انسانی ہاتھ کا دخل نہ ہو۔ تاکہ لوگوں پر صاف ظاہر ہو جائے کہ میں ناحق پر تھا اور حق و راستی کا مقابلہ کر رہا تھا جس کی پاداش میں خداتعالیٰ کی طرف سے یہ سزا مجھے ملی ہے۔ آمین آمین آمین!!!"

نوٹ:۔ اس عبارت حلف میں اگر کوئی ایسا عقیدہ درج ہو جسے مولوی ثناء اللہ صاحب نہیں مانتے تو میرے نام انکی دستخطی تحریر آنے پر اس عقیدہ کو اس حلف سے خارج کر دونگا۔ خاکسار عبداللہ الہ دین سکندرآباد ۱۲ / فروری ۱۹۲۲ء

نقل اشتہار مورخہ ۸ / مارچ ۱۹۲۲ء

مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری اور انکے ہمخیالوں پر آخری اتمام حجت

مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری جو حضرت مرزا غلام احمد صاحب

قادیانی کے دعاوی والہامات کے مخالف اپنے عقائد ظاہر کرتے ہیں۔
اور جن کے متعلق سکندر آباد و حیدر آباد میں انہوں نے بہت سے لیکچر
دئے ہیں۔ اگر در حقیقت ان عقائد میں مولوی ثناء اللہ کے نزدیک
حضرت مرزا صاحب حق پر نہیں ہیں اور جو عقائد مولوی ثناء اللہ صاحب
بیان کرتے ہیں۔ وہی سچے ہیں۔ تو کیوں مولوی صاحب اپنے ان عقائد کو حلفاً
بیان کرنے سے گریز کرتے ہیں۔ مولوی ثناء اللہ صاحب خود اپنی تفسیر
ثنائی جلد اول صفحہ ۱۹۲ میں لکھتے ہیں۔ کہ گواہی نہ چھپاؤ۔ جو کوئی اس
کو چھپائے گا۔ خواہ وہ کسی غرض سے چھپا دے۔ تو جان لو۔ کہ اس کا
دل بگڑا ہوا ہے۔ یہ قرآن شریف کی آیت شریفہ کا ترجمہ ہے اور حکم
الٰہی ہے۔ کہ شہادت کو نہ چھپاؤ۔ بلکہ ظاہر کرو۔ تو پھر مولوی ثناء اللہ صاحب
اس حکم کی تعمیل کیوں نہیں کرتے۔ یہ شہادت ایسی تھی کہ اس کے لئے
مولوی صاحب کو محض ثواب کی خاطر بھی تیار ہو جانا چاہیئے تھا۔
مگر جب انہوں نے ۶ر فروری ۱۹۲۳ء کے اشتہار میں دو ہزار روپیہ کا
مجھ سے مطالبہ کیا۔ تو وہ بھی میں نے دینا منظور کیا۔ اب میں آخری
اتمام حجت کے طور پر یہ اشتہار شائع کرتا ہوں۔ کہ اگر مولوی
ثناء اللہ صاحب میرے اشتہار مورخہ ۱۲ر فروری ۱۹۲۳ء کے
الفاظ و شرائط کے مطابق اب حلف اٹھانے کو تیار ہو جائیں۔
(ہاں اس میں سے جو عقائد وہ نہ مانتے ہوں۔ وہ ان کی دستخطی تحریر
آنے پر نکال دئے جاسکتے ہیں) تو میں ان کو فوراً مبلغ پانچسو روپیہ نقد

بھی دینے کے لئے تیار ہوں۔ جس کا مولوی صاحب حلف کے وقت ہی مطالبہ کرتے ہیں۔ اور اگر وہ ایک سال تک موت یا عبرتناک غضبناک عذاب سے جس میں انسانی ہاتھ کا دخل نہ ہو۔ بچ جائیں۔ تو پھر دس ہزار روپیہ ان کو نقد دیا جائیگا۔ اس کے علاوہ مولوی صاحب کے ہمخیالوں میں جو کوئی صاحب ان کو اس بات کے لئے آمادہ کرینگے۔ دوصد روپیہ انکو بھی انعام دیا جائیگا۔ اگر اب بھی مولوی ثناء اللہ صاحب نے میرے اشتہار مورخہ ۱۲ار فروری ۱۹۲۳ء کے مطابق حلف اٹھانے سے گریز کیا تو مولوی ثناء اللہ صاحب اور ان کے ہم خیالوں پر ہماری طرف سے ہر طرح اتمام حجت سمجھی جائیگی۔ اور آئندہ کے لئے ان کو کسی طرح کا حق حاصل نہ ہوگا۔ کہ حضرت مرزا صاحب یا آپکی جماعت کے عقائد پر بیجا حملے کریں۔ مولوی ثناء اللہ صاحب کو اس حلف کیلئے میں نے ابتدا سے اس لئے منتخب کیا ہے کہ انہوں نے حضرت مرزا صاحب کی کتابوں کا کافی مطالعہ کیا ہوا ہے۔ اور بذریعہ کئی مباحثات کے ان پر حجت پوری ہوچکی ہے۔ فقط مورخہ ۱۹۔ رجب ۱۳۴۱ ہجری۔ مطابق ۸۔ مارچ ۱۹۲۳ء (خاکسار عبداللہ الہ دین احمدی)

مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری کو دس ہزار روپیہ انعام

جناب سیٹھ صاحب مذکور نے ہمیں اختیار دیا ہے کہ ہم اس انعامی اعلان کو پھر شائع کریں۔" یہ خاکسار ان کو وہی حلف اٹھانے کی دعوت دیتا ہے اور پھر ان کے لئے پہلے کی طرح ایک انعام پانچصد روپیہ کا اور دوسرا دس ہزار روپیہ کا مقرر کرتا ہے۔ اور ہمارے غیر احمدی بھائیوں میں سے

جو شخص بھی انکو حلف اُٹھانے کیلئے آمادہ کریگا۔ اس کیلئے بھی حسب سابق دوسو روپیہ انعام تیار ہے۔ اب بھی اگر مولوی ثناء اللہ صاحب نے حلف اٹھانے سے گریز کیا۔ تو اے آسمان و زمین تم گواہ رہو۔ کہ ہم نے ہر طرح سے سلسلہ عالیہ احمدیہ کے مخالفین و منکرین پر اتمام حجت کر دی۔ اب ان کے اور خدا کے درمیان معاملہ ہے۔"

ہم اپنی بصیرت کی بناء پر کہتے ہیں کہ مولوی ثناء اللہ صاحب اب بھی اپنی مخصوص حیلہ بازی کے ذریعے لیت و لعل کرتے رہیں گے۔ اور ہرگز حلف مؤکد بعذاب اٹھانے پر آمادہ نہیں ہونگے۔

کیا کوئی ہے۔ جو جماعت احمدیہ کی صداقت کے اس کھلے کھلے نشان سے فائدہ اُٹھائے اور خدا کے مسیح موعود کی جماعت میں داخل ہو کر اپنی بہتری کے سامان پیدا کرے۔ "اَلَیْسَ مِنْکُمْ رَجُلٌ رَّشِیْدٌ" سچ ہے۔ جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام تحریر فرماتے ہیں:۔

"سنت اللہ یہی ہے کہ وہ ہزاروں نکتہ چینیوں کا ایک ہی جواب دے دیتا ہے۔ یعنی تائیدی نشانوں سے مقرب ہونا ثابت کر دیتا ہے۔ تب جیسے نور کے نکلنے اور آفتاب کے طلوع ہونے سے یکلخت تاریکی دور ہو جاتی ہے۔ ایسا ہی تمام اعتراضات پاش پاش ہو جاتے ہیں۔ سو میں دیکھتا ہوں۔ کہ میری طرف سے بھی خدا یہی جواب دے رہا ہے۔ اگر میں سچ مچ مفتری اور خائن اور بدکار اور دروغگو تھا۔ تو پھر میرے مقابلہ سے ان لوگوں کی جان کیوں نکلتی ہے؟ بات سہل تھی کہ کسی آسمانی نشان کے ذریعہ سے میرا

اور اپنا فیصلہ خدا پر ڈال دیتے۔ اور پھر خدا کے فعل کو بطور ایک حکم کے فعل کے
مان لیتے۔ مگر ان لوگوں کو تو اس مقابلہ کا نام سننے کی بھی موت آتی ہے“۔ (اربعین ۳ صفحہ ۱۹)
نوٹ:۔ محمدیہ پاکٹ بک میں مولوی ثناء اللہ صاحب نے عذر کیا ہے کہ میں کئی مرتبہ پہلے
مطبوعہ حلف کھا چکا ہوں۔ سو یاد رہے کہ یہ صریحاً جھوٹ ہے۔ مولوی صاحب نے آج تک
کبھی مؤکد بعذاب حلف نہیں اٹھائی جس کا ان سے مطالبہ ہے۔ نیز انکا یہ کہنا کہ میں اس
شرط پر حلف اٹھاؤنگا کہ حضرت امیر المومنین مجھے یہ بات لکھدیں محض دفع الوقتی ہے
کیونکہ مطالبہ حلف حضرت صاحب کی طرف سے نہیں جناب سیٹھ صاحب کا
ذاتی ہے۔ اور انعام بھی انہی کی طرف سے مقرر ہے۔ خادم

ضروری یادداشت

پاکٹ بک ہذا میں فردوس الاخبار ”دیلمی“ کے جس قدر حوالے ہیں۔ ان کا
نمبر صفحہ اُس نسخہ کے مطابق ہے جو کتب خانہ آصفیہ نظام حیدر آباد دکن میں
موجود ہے۔ اور جس کا ”نمبر ۲۱۴ فن حدیث“ ہے۔ اس کا ثبوت کہ حوالے درست ہیں
وُہ مصدقہ نقل ہے جس پر مہتمم صاحب کتبخانہ آصفیہ کے دستخط ہیں۔ جو
خاکسار خادم کے پاس محفوظ ہے۔ اس کی نقل مطابق اصل درج ذیل ہے:۔
”نقل عبارت فردوس الاخبار صحیح ہے۔ مقابلہ کیا گیا۔ دستخط سید
عباس حسین مہتمم کتب خانہ آصفیہ سرکار عالی ۲۲ رجمادی الاول ۱۳۵۲ھ
حیدر آباد دکن“۔ اصل تحریر جو چاہے مجھ سے دیکھ سکتا ہے۔

(۲) یاد رکھنا چاہیئے کہ کتاب کا اصل نام ”دیلمی“ دال کے ساتھ ہے
(۳) ”دیلمی“ مشہور محدث گزرا ہے وفات ۵۰۹ھ علامہ ذہبی نے

تذکرۃ الحفاظ میں اس کے متعلق "هُوَ حَسَنُ الْمَعْرِفَةِ فِي الْحَدِيْثِ"
لکھا ہے۔ نیز کشف الظنون جلد ۱ صفحہ ۱۸۲ پر بھی اس کا ذکر ہے۔ اس سے
مشکوٰۃ اور سیوطی وغیرہ نے روایت لی ہے۔ خادم

یادداشت ۲: میں نے "حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر اعتراضات کے
جوابات" کو چار حصوں پر تقسیم کیا ہے۔ جن کی تفصیل درج ذیل ہے:-

۱۔ پہلا حصہ:- الہامات پر اعتراضات کے جوابات۔ اس حصہ میں
الہامات پر تمام اعتراضات کے جوابات درج ہیں۔ اس حصہ کے آخر میں
الہامات کے متعلق اعتراضات کے بھی جواب ہیں۔ مثلاً یہ کہ حضرت
صاحب کو غیر زبان میں کیوں الہامات ہوئے۔ بعض الہامات کے معنی
سمجھ نہ آسکے۔ آپ کو شیطانی الہام ہوتے تھے۔ آپ کو بعض دفعہ
الہام بھول کیوں جاتا تھا؟ غرضیکہ الہامات کے متعلق اصولی اعتراضات
کے جوابات بھی اس حصہ اول کے آخر میں درج ہیں۔

۲۔ حصہ دوم۔ پیشگوئیوں پر اعتراضات کے جوابات۔ اس میں
مندرجہ ذیل پیشگوئیوں پر بحث ہے:-
محمدی بیگم۔ ثناء اللہ۔ عبدالحکیم۔ اپنی عمر کے متعلق۔ منظور محمد صاحب
کے ہاں بیٹا ہونا۔ عبداللہ آتھم۔ ایمان بٹالوی۔ قادیان میں طاعون
محمد حسین بٹالوی کی ذلت۔ اور نافلۃ لک والی پیشگوئی۔

۳۔ حصہ سوم حضرت صاحب کی تحریرات پر اعتراضات اور ان کے جواب۔
اس حصہ میں تمام وہ اعتراضات درج ہیں۔ جن کا تعلق حضرت صاحبؑ کی

تحریرات کے ساتھ ہے۔ مثلاً شعر کہنا۔ تحریرات میں صحت حوالجات۔ جھوٹ کا الزام۔ براہین احمدیہ کا ردپیہ یا وعدہ خلافی۔ سخت کلامی و تناقضات۔ بعض ایسے امور کا آپ کی تحریرات میں ہونا جس کو مخالفین خلافِ قدرت و عقل قرار دیتے ہیں۔ مثلاً بکرے کا دودھ دینا وغیرہ۔ سو اس حصہ میں تمام ایسے اعتراضات کا جواب ہے۔ خصوصاً غلط حوالوں۔ جھوٹ اور تناقضات کے الزامات یا توہین فاطمہؓ و حسینؓ و مریمؑ۔ یا دعویٰ فضیلت بر آنحضرت صلعم وغیرہ الزامات کا جواب اسی حصہ میں ہے۔

۴۔ حصہ چہارم۔ حضرتؑ کی ذات پر اعتراضات۔ اس حصہ میں ان اعتراضات کا جواب دیا گیا ہے جن کا تعلق حضرتؑ کی ذات یا جسم کے ساتھ ہے۔ مثلاً آپؑ کا نام ابن مریم نہ ہونا۔ جائے نزول۔ آپؑ پر کفر کا فتویٰ لگنا۔ آنحضرتؐ کی قبر میں دفن نہ ہونا۔ بیمار ہونا۔ کسر صلیب۔ صاحب شریعت نہ ہونا۔ کسی کا شاگرد ہونا۔ حج نہ کرنا۔ الزام مراق۔ ملازمت۔ مخالفین کے لئے بد دعا کرنا۔ ادویہ کا استعمال وغیرہ وغیرہ۔ سو ان اعتراضات پر بحث اسی حصہ چہارم میں ہے۔ اگر آپ اس تقسیم کو ذہن نشین کر لیں۔ تو آپ کو عند الضرورت حسب خواہش مضمون تلاش کرنے میں بہت آسانی رہے گی۔

صداقت حضرت مسیح موعود علیہ السلام

پر

غیر احمدی علماء کے اعتراضات کے جوابات

الہامات پر اعتراضات

اَنْتَ مِنِّیْ وَاَنَا مِنْکَ

جواب:- حضرت مسیح موعودؑ نے اس کو "استعارہ" قرار دیا ہے (حقیقۃ الوحی صفحہ ۷۶ حاشیہ) لہذا "تَفْسِیْرُ الْقَوْلِ بِمَا لَا یَرْضٰی بِہٖ قَائِلُہٗ" درست نہیں ہے۔ (ب) عربی زبان میں یہ محاورہ اتحاد و محبت کے معنوں میں مستعمل ہے قرآن میں ہے "مَنْ شَرِبَ مِنْہُ فَلَیْسَ مِنِّیْ (بقرہ ع ۳۳) یعنی جو اس نہر میں سے پانی پئے گا۔ وہ مجھ سے نہیں۔ اور "فَمَنْ تَبِعَنِیْ فَاِنَّہٗ مِنِّیْ"۔ (ابراہیم) یعنی جو میری پیروی کریگا۔ وہ مجھ سے ہوگا۔

(ج) حدیث میں بھی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو فرمایا:۔ "اَنْتَ مِنِّیْ وَاَنَا مِنْکَ"۔ (مشکوٰۃ باب المناقب صفحہ ۵۶۴ و بخاری جلد ۲ کتاب الصلح باب کیف یکتب ھٰذا)

(۲) اشعری قبیلہ کو فرمایا:۔ "ھُمْ مِنِّیْ وَاَنَا مِنْھُمْ"۔ (بخاری جلد ۲ صفحہ ۵۰ باب قدوم الاشعریین قصہ عمان والبحرین و ترمذی جلد ۲ صفحہ ۲۳۲ مجتبائی و بخاری جلد ۲ صفحہ ۴۷ کتاب المظالم باب شرکت فی الطعام) یعنی وہ مجھ

سے ہیں اور میں اُن سے۔

(۳) حدیث میں ہے:" اَنَا مِنَ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ وَالْمُؤْمِنُوْنَ مِنِّیْ فَمَنْ اٰذٰی مُؤْمِنًا فَقَدْ اٰذَانِیْ وَمَنْ اٰذَانِیْ فَقَدْ اٰذَی اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ "(فردوس الاخبار دیلمی صہ۱۱ باب الالف راوی حضرت عبد اللہ بن جرادؓ) آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ میں خدائے عز وجل سے ہوں اور مومن مجھ سے ہیں۔ پس جو شخص کسی مومن کو ایذا دیتا ہے وہ مجھ کو ایذا دیتا ہے اور جو مجھ کو ایذا دیتا ہے اس نے گویا خدا کو ایذا پہنچائی۔

(۴) مندرجہ ذیل حدیث اس سے بھی واضح ہے:" یَقُوْلُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ السَّخِیُّ مِنِّیْ وَاَنَا مِنْهُ "(دیلمی صہ۲۹۱ سطر۴ باب الیاء راوی حضرت انس بن مالکؓ) آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ" خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ سخی مجھ سے ہے اور میں سخی سے ہوں" اس حوالہ میں اللہ تعالیٰ نے" مِنْ" کا محاورہ انسانوں کے متعلق استعمال فرمایا ہے۔

(۵) حدیث کی شرح میں لکھا ہے۔" قَوْلُهٗ هُمْ مِنِّیْ وَاَنَا مِنْهُمْ: یُرَادُ بِهِ الْاِتِّصَالُ اَیْ هُمْ مُتَّصِلُوْنَ بِیْ "(حاشیہ بخاری جلد ۲ صہ۶۲۹ مطبع ہاشمی میرٹھ) کہ اس سے مراد اتصال ہے۔ وہ میرے قریب ہیں۔

(۶) آنحضرت صلعم نے حلم حسن خلق اور پرہیزگاری کے متعلق فرمایا:-" ثَلَاثٌ مَنْ لَمْ تَکُنْ فِیْهِ فَلَیْسَ مِنِّیْ وَلَا مِنَ اللّٰهِ "(معجم صغیر طبرانی صہ۱۴۶)

(۷) وفیات الاعیان ابن خلکان میں ہے:" بَلْ هٰذَا کَمَا یُقَالُ مَا اَنَا مِنْ فُلَانٍ وَلَا فُلَانٌ مِنِّیْ یُرِیْدُوْنَ بِهِ الْبُعْدَ مِنْهُ وَالنَّفْرَةَ

وَمِنْ هٰذَا قَوْلُ النَّبِیِّ صلعم: "وَلَدُ الزِّنَا لَیْسَ مِنَّا وَعَلِیٌّ مِنِّیْ وَاَنَا مِنْہُ۔" (وفیات الاعیان جلد ا ذکر ابو تمام الطائی) کہ ابو تمام کا قول "لَسْتُ مِنْ مسعود" اسی طرح ہے جیسے کہا جاتا ہے کہ میں فلاں آدمی سے نہیں ہوں اور نہ وہ مجھ سے ہے۔ اہل زبان کی مراد اس سے اس شخص سے بُعد اور نفرت کا اظہار ہوتا ہے۔ اور ایسا ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قول ہے کہ ولد الزنا ہم میں سے نہیں۔ اور یہ کہ علی رضؓ مجھ سے اور میں علی رضؓ سے ہوں۔

(۸) عربی شاعر عمرو بن شاش اپنی بیوی سے کہتا ہے۔ فَاِنْ کُنْتِ مِنِّیْ اَوْ تُرِیْدِیْنَ صُحْبَتِیْ الخ۔" (حماسہ مجتبائی ص۱۱۷) کہ اگر تو مجھ سے ہے اور میری مصاحبت چاہتی ہے الخ پس اَنْتِ مِنِّیْ وَاَنَا مِنْکَ کا مطلب یہ ہے کہ تجھے مجھ سے محبت ہے اور مجھے تجھ سے۔ تیرا وہی مقصد ہے جو میرا ہے۔

(۹) مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری اَیت مَنْ شَرِبَ مِنْہُ فَلَیْسَ مِنِّیْ (بقرہ ع ۳۳) کا ترجمہ اپنی تفسیر ثنائی میں یوں کرتے ہیں "جو شخص اس نہر سے پانی پیئے گا وہ میری جماعت سے نہ ہوگا اور جو نہ پیئے گا۔ تو وہ میرا ہمراہی ہوگا۔" (تفسیر ثنائی جلد ا ص۱۹۵)

(الف) "اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَۃِ اَوْلَادِیْ"

(ب) "اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَۃِ وَلَدِیْ"

جواب:۔ حضرت مرزا صاحب فرماتے ہیں۔" خدا تعالیٰ بیٹوں سے

پاک ہے۔" (حقیقۃ الوحی حاشیہ ص۸۶)

(ب) حضرت مسیح موعود علیہ السلام اس الہام کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"یاد رہے کہ خدا تعالیٰ بیٹوں سے پاک ہے۔ نہ اس کا کوئی شریک ہے اور نہ بیٹا ہے اور نہ کسی کو حق پہنچتا ہے کہ وہ یہ کہے کہ میں خدا ہوں یا خدا کا بیٹا ہوں۔ لیکن یہ فقرہ اس جگہ قبیل مجاز اور استعارہ میں سے ہے۔ خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا ہاتھ قرار دیا ہے۔ اور فرمایا یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ۔ ایسا ہی بجائے "قُلْ یٰعِبَادَ اللّٰہِ" (یعنی کہدے کہ اے اللہ کے بندو۔ خادم) کے "قُلْ یٰعِبَادِیْ" (زمر ع۶) یعنی اے نبی! ان سے کہہ اے میرے بندو" خادم) اور یہ بھی فرمایا" فَاذْکُرُوا اللّٰہَ کَذِکْرِکُمْ اٰبَآءَکُمْ" پس اس خدا کے کلام کو ہوشیاری اور احتیاط سے پڑھو اور از قبیل متشابہات سمجھ کر ایمان لاؤ۔ اور یقین رکھو کہ خدا اتخاذ ولد سے پاک ہے ... اور میری نسبت بینات میں سے یہ الہام ہے جو براہین احمدیہ میں درج ہے۔ قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ یُوْحٰی اِلَیَّ اِنَّمَآ اِلٰھُکُمْ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ وَالْخَیْرُ کُلُّہٗ فِی الْقُرْاٰنِ (یعنی کہدے کہ میں بھی تمہاری طرح ایک انسان ہوں۔ جس پر وحی ہوتی ہے۔ بیشک تمہارا ایک ہی خدا ہے اور سب خیر و خوبی قرآن میں ہے" (دافع البلاء حاشیہ ص۶ و تذکرہ ص۳۹)

(۳) قرآن میں ہے۔ فَاذْکُرُوا اللّٰہَ کَذِکْرِکُمْ اٰبَآءَکُمْ (بقرہ ع۲۵) کہ خدا کو اس طرح یاد کرو جس طرح تم اپنے باپوں کو یاد کرتے ہو۔ گویا خدا ہمارا

باپ نہیں ہے مگر بمنزلۂ باپ ہے۔ جس طرح ایک بیٹا اپنا ایک ہی باپ مانتا ہے اور اس رنگ میں اسکی توحید کا قایل ہوتا ہے۔ اسی طرح خدا بھی چاہتا ہے کہ اس کو "وحدہٗ لاشریک" یقین کیا جائے۔ اور جو اس رنگ میں خداتعالےٰ کی توحید کا قایل اور اس کے لئے غیرت رکھنے والا ہو۔ وہ خداتعالیٰ کو بمنزلۂ اولاد ہوگا۔

(۳) الہام میں "اَنْتَ وَلَدِیْ" نہیں بلکہ "بِمَنْزِلَةِ وَلَدِیْ" ہے۔ جو صریح طور پر خدا کے بیٹے کی نفی کرتا ہے۔

(۴) حدیث میں ہے:۔ "اَلْخَلْقُ عَیَالُ اللّٰہِ فَاَحَبُّ الْخَلْقِ اِلَی اللّٰہِ مَنْ اَحْسَنَ اِلٰی عَیَالِہٖ" (مشکوٰۃ باب الشفقۃ مطبع نظامی صـ ۳۶۳ ومطبع مجتبائی صـ ۴۲۵) کہ تمام لوگ اللہ کا کنبہ ہیں۔ پس بہترین انسان وہ ہے جو خدا کے کنبہ کے ساتھ بہترین سلوک کرے۔

(۵) شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی لفظ "ابن اللہ" کے متعلق لکھتے ہیں۔ "اگر لفظ ابنائے بجائے محبوبان ذکر شدہ باشد چہ عجب" (الفوز الکبیر صـ ۸)

(۶) جناب مولوی رحمت اللہ صاحب مہاجر مکی اپنی کتاب "ازالۃ الاوہام" میں فرماتے ہیں:۔ "فرزند عبارت از عیسیٰ علیہ السلام است کہ نصاریٰ آنجناب را حقیقۃً ابن اللہ میدانند واہلِ اسلام ہمہ آنجناب را ابن اللہ بمعنی عزیز وبرگزیدہ خدا می شمارند" (ازالۃ الاوہام صـ ۵۲)

کہ "فرزند سے مراد عیسےٰ علیہ السلام ہیں جن کو عیسائی خدا کا حقیقی بیٹا سمجھتے ہیں۔ مگر تمام اہلِ اسلام حضرت عیسےٰ علیہ السلام کو "ابن اللہ"

یعنی خدا کا پیارا اور برگزیدہ مانتے ہیں۔ گویا "ابن اللہ" کے معنی خدا کا پیارا اور برگزیدہ ہوئے۔

اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَۃِ تَوْحِیْدِیْ وَ تَفْرِیْدِیْ

جواب:۔ "توحید" اور "تفرید" مصدر ہیں۔ جن کا ترجمہ ہے "واحد جاننا" اور "یکتا جاننا" پس الہام کا مطلب یہ ہے کہ تُو خدا کو واحد اور یکتا جاننے کے مقام پر ہے۔ یعنی اپنے زمانہ میں سب سے بڑا موحد ہے۔ فلا اعتراض۔

(۳) حضرت مرزا صاحب نے اس کے معنی یہ بیان کئے ہیں:۔

"تُو مجھ سے ایسا ہی قرب رکھتا ہے۔ اور ایسا ہی میں تجھے چاہتا ہوں۔ جیساکہ اپنی "توحید اور تفرید" کو۔ (اربعین ۳ صفحہ ۲۵)

اَنْتَ مِنْ مَّائِنَا وَ ھُمْ مِنْ فَشَلٍ

جواب:۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس کا یہ مفہوم بتایا ہے۔

"اس جگہ پانی سے مراد ایمان کا پانی۔ استقامت کا پانی۔ تقویٰ کا پانی۔ وفا کا پانی۔ صدق کا پانی۔ حُبُّ اللہ کا پانی جو خدا سے ملتا ہے۔ اور فَشَل بزدلی کو کہتے ہیں۔ جو شیطان سے آتی ہے۔" (انجام آتھم حاشیہ صفحہ ۵٦)

(۲) قرآن مجید میں ہے۔ "خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ۔" (انبیاء ع ۳)

اس کی تفسیر میں علامہ جلال الدین سیوطی نے فرمایا ہے۔ "اِنَّہٗ لِکَثْرَۃِ عَجَلِہٖ فِیْ اَحْوَالِہٖ کَاَنَّہٗ خُلِقَ مِنْہُ۔" (جلالین مجتبائی صفحہ ۲۷)

کہ انسان اپنی مختلف حالتوں میں بڑی جلدی سے کام لیتا ہے۔ گویا کہ

اسی سے پیدا ہوا۔ یہ نہیں کہ انسان جلدی کا بیٹا ہے۔

(۳) خدا کا پانی الہام الٰہی اور محبت الٰہی کو بھی کہتے ہیں۔ جیسا کہ خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام ہی نے فرمایا ہے۔ ؎

ایک عالم مر گیا ہے تیرے پانی کے بغیر: پھیر دے اے میرے مولا اس طرف دریا کی دھار

(براہین احمدیہ حصہ پنجم)

ایک دُوسری جگہ فرماتے ہیں:۔ ؎

"فَاِنْ شِئْتَ مَاءَ اللّٰہِ فَاقْصُدْ مَنَاھِلِی
فَیُعْطِکَ مِنْ عَیْنٍ وَّعَیْنٌ تُنَوَّرُ"

(کرامات الصادقین) اگر تُو خدا کا پانی چاہتا ہے تو میرے چشمے کی طرف آ۔ پس تجھ کو چشمہ دیا جائیگا۔ نیز وہ آنکھ بھی ملیگی جو نورانی ہوگی (نیز دیکھو درثمین عربی صفحہ ۳۳) اس جگہ بھی "خدا کے پانی" سے مُراد رضاء الٰہی ہے۔ پس الہام مندرجہ عنوان میں بھی یہی مُراد ہے۔

رَبُّنَا عَاج

جواب:۔ یہ لفظ "عاج" (ہاتھی دانت) نہیں بلکہ "عَاجٌّ" بہ تشدید ج ہے۔ جس کا ترجمہ "پکارنیوالا۔ آواز دینے والا ہے"۔ یہ لفظ "عج" سے مشتق ہے۔ دیکھئے لغت میں:۔ عَجَّ۔ عَجًّا وَ عَجِیْجًا۔ آواز کرو۔ بانگ کرو۔ وَمِنْہُ الحدیث افضل الحج اَلْعَجُّ وَالثَّجُّ۔ یعنی بر داشتن آواز بہ تلبیہ و قربان کردن ہدیہ را۔" (منتہی العرب و الفراید الدریہ) کہ عَجَّ عَجًّا وَ عَجِیْجًا کے معنی آواز دینے اور پکارنے کے ہیں۔ جیسا کہ حدیث میں ہے

کہ حج میں افضل ترین آواز دینا (تلبیہ اور لبیک کہنا) اور قربانی دینا ہے۔ الہام کا مطلب یہ ہے کہ ہمارا خدا دنیا کو اپنی طرف بلاتا ہے۔

اِسْمَعْ وَلَدِيْ ط

اے میرے بیٹے سُن! (البشریٰ جلد ا صفحہ ۴۹)

جواب:۔ یہ بالکل غلط ہے کہ حضرت مرزا صاحبؑ کا کوئی الہام "اِسْمَعْ وَلَدِيْ" ہے۔ حضرتؑ کی کسی کتاب سے یہ دکھاؤ۔ اور انعام لو۔

(ب) حضرتؑ کا الہام تو "اَسْمَعُ وَاَرٰی" ہے۔ کہ میں اللہ سُنتا بھی ہوں اور دیکھتا بھی ہوں۔ (مکتوبات احمدیہ جلد ا صفحہ ۲۳ نیز انجام آتھم صفحہ ۵۲)

(ج) معترض نے جس کتاب کا حوالہ دیا ہے وہ حضرت مرزا صاحبؑ کی تالیف یا تصنیف نہیں بلکہ بابو منظور الٰہی کی مرتبہ ہے۔ اس میں انہوں نے جلد ا صفحہ ۴۹ پر حوالہ دیا ہے کہ حضرت مرزا صاحبؑ کے مکتوبات جلد ا صفحہ ۲۳ سے یہ الہام نقل کیا گیا ہے۔ اصل کتاب میں "اِسْمَعْ وَلَدِيْ" نہیں بلکہ "اَسْمَعُ وَاَرٰی" ہے۔ بابو منظور الٰہی صاحب کی مرتبہ کتاب البشریٰ میں کاتب کی غلطی سے "وَاَرٰی" کی بجائے "وَلَدِيْ" بن گیا۔ حضرت صاحبؑ کی کسی کتاب میں "وَلَدِيْ" نہیں ہے۔ بابو منظور الٰہی صاحب نے الفضل جلد ۹ صفحہ ۹۹ میں اس غلطی کا اعتراف کیا ہے کہ البشریٰ جلد ا صفحہ ۴۹ سطر ۱۰ میں حضرت مسیح موعودؑ کا ایک الہام غلطی سے "اَسْمَعُ وَاَرٰی" کی بجائے "اِسْمَعْ وَلَدِيْ" چھپا ہے۔ اور ترجمہ بھی غلط کیا گیا ہے۔

"اَنْتَ اِسْمِیَ الْاَعْلٰی"

یعنی تُو میرا سب سے بڑا نام یعنی خدا ہے۔

جواب:۔ غلط ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے خود اس کا ترجمہ کر دیا ہے
"تو میرے اسم اعلیٰ کا مظہر ہے یعنی ہمیشہ تجھ کو غلبہ رہے گا"
(تریاق القلوب صفحہ ۱۸ تقطیع کلاں صفحہ ۱۹۲ مطبوعہ ۱۹۲۲ء و صفحہ ۶۲ شائع کردہ بکڈپو)

(۲) گویا اس الہام میں قرآن مجید کی اس آیت کی طرف اشارہ کیا ہے:۔
"کَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِیْ" خدا نے لکھ چھوڑا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ہی غالب رہیں گے۔

(۳) "اِسْم" کے معنی اس الہام میں "صفت" کے ہیں جیسا کہ اس حدیث میں "اِنَّ لِیْ اَسْمَاءً ... اَنَا الْمَاحِیْ کہ میرے کئی نام ہیں ... میں ماحی ہوں جس سے کفر کو مٹایا جائے گا۔ یہ آنحضرت صلعم کی صفت ہے۔ پس اس الہام میں اس صفت کی طرف اشارہ ہے جو "اعلیٰ" یعنی سب پر غالب آنے والی ہے۔ چونکہ ہر نبی خدا کی اس صفت کا مظہر ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعودؑ کو بھی اس صفت کا مظہر قرار دیا ہے۔

اِعْمَلْ مَا شِئْتَ فَاِنِّیْ قَدْ غَفَرْتُ لَکَ

جواب:۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ لَعَلَّ اللّٰهَ اِطَّلَعَ عَلٰی اَهْلِ بَدْرٍ فَقَالَ اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ فَقَدْ وَجَبَتْ لَکُمُ الْجَنَّةُ اَوْ قَدْ غَفَرْتُ لَکُمْ (بخاری کتاب المغازی باب فضل من شهد بدرا جلد ۳ صفحہ ۵ مطبع الہیہ مصر) مسلم باب فضائل اہل بدر جلد ۲ صفحہ ۳۵۹ و مشکوٰۃ مجتبائی صفحہ ۵۷۷)
کہ اللہ تعالیٰ اہل بدر پر واقف ہوا۔ اور کہا کہ جو چاہو کرو۔ اب تم پر جنت واجب ہوگئی۔ یا یہ فرمایا کہ میں نے تم کو بخش دیا ہے۔

ثابت ہوا کہ خدا کے مقبولوں پر ایک وہ حالت آتی ہے جب بدی اور گناہ سے ان کو انتہائی بُعد ہو جاتا ہے۔ اور اس پر انتہائی کراہت اُن کی فطرت میں داخل کر دی جاتی ہے۔ فلا اعتراض۔

(۲) چنانچہ خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے اس الہام کی تفسیر فرما دی ہے:
"اس فقرہ کا یہ مطلب نہیں کہ منہیات شرعیہ تجھے حلال ہیں۔ بلکہ اسکے یہ معنی ہیں کہ تیری نظر میں منہیات مکروہ کئے گئے ہیں۔ اور اعمال صالحہ کی محبت تیری فطرت میں ڈالی گئی ہے۔ گویا جو خدا کی مرضی ہے وہ بندے کی مرضی بنائی گئی ہے۔ اور سب ایمانیات اس کی نظر میں بطور فطرتی تقاضا کے محبوب کی گئیں۔" وَذَالِكَ فَضْلُ اللهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ"
(براہین احمدیہ جلد ۴ ص ۵۶۱ حاشیہ در حاشیہ ۴ نیز تقریر حضرت۔ الحکم جلد ۷ ۳۱ ص ۴)

"کُنْ فَیَکُوْنُ"

جواب:۔ یہ حضرت مسیح موعودؑ کا الہام تو ہے مگر اسکے پہلے "قُلْ" محذوف ہے۔ جس طرح سورۃ فاتحہ کے پہلے "قُلْ" محذوف ہے۔ یعنی یہ خدا تعالیٰ نے اپنے متعلق فرمایا ہے۔ یہ اعتراض تو ایسا ہی ہے۔ جیسے کوئی آریہ یا عیسائی کہدے۔ کہ دیکھو محمد (صلعم) تو یہ دعویٰ کرتا ہے کہ خدا بھی میری عبادت کرتا ہے۔ کیونکہ خدا اس کو کہتا ہے "اِیَّاکَ نَعْبُدُ"۔ ما ھو جوابکم فھو جوابنا۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام تحریر فرماتے ہیں:۔ "یہ خدا تعالیٰ کا کلام ہے جو میرے پر نازل ہوا۔ میری طرف سے نہیں ہے۔" (براہین احمدیہ حصہ پنجم ص ۱۰۲)

(۲) اگر مندرجہ بالا جواب تسلیم نہ کرو۔ تو حضرت "پیرانِ پیر" جناب سید عبد القادر جیلانی رح کا یہ ارشاد پڑھ لو:-

(۱) "قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی فِیْ بَعْضِ کُتُبِهٖ یَا ابْنَ اٰدَمَ اَنَا اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنَا اَقُوْلُ لِلشَّیْئِ کُنْ فَیَکُوْنُ اَطِعْنِیْ اَجْعَلْكَ تَقُوْلُ لِلشَّیْئِ کُنْ فَیَکُوْنُ وَ قَدْ فَعَلَ ذَالِكَ بِکَثِیْرٍ مِّنْ اَنْبِیَائِهٖ وَخَوَاصِهٖ مِنْ بَنِیْ اٰدَمَ" (فتوح الغیب مقالہ ۱۶ و برحاشیہ قلائد الجواہر فی مناقب الشیخ عبد القادر مطبوعہ مصر ص ۳۱)

(۲) "ثُمَّ یُرَدُّ عَلَیْكَ التَّکْوِیْنُ فَتُکَوِّنُ بِالْاِذْنِ الصَّرِیْحِ الَّذِیْ لَاغُبَارَ عَلَیْهِ" (ایضاً) ہر دو عربی عبارتوں کا ترجمہ "ندائے غیب ترجمہ اردو فتوح الغیب" مطبوعہ اسلامیہ سٹیم پریس لاہور کے ص ۲۴ پر یہ درج ہے:-

اللہ تعالیٰ نے بعض کتابوں میں ارشاد فرمایا ہے کہ اے بنی آدم! میں اللہ ہوں اور نہیں میرے سوا کوئی دوسرا معبود۔ میں جس چیز کو کہتا ہوں کہ ہوجا۔ وہ ہوجاتی ہے۔ تو میری فرمانبرداری کر تجھے بھی ایسا ہی کر دونگا کہ جس چیز کو تو کہے گا ہوجا۔ وہ ہوجائے گی۔ اور اللہ نے بنی آدم سے کئی نبیوں اور ولیوں کے ساتھ یہ معاملہ کیا ہے۔ غرضیکہ اس کے بعد درجہ تکوین (یعنی کُنْ فَیَکُوْن کرنے کا خادم) عطا ہوگا۔ اور تو اپنے ہی حکم اور اذنِ صریح سے پیدا کرسکے گا۔ (ندائے غیب ص ۲۶)

(۳) جناب ڈاکٹر سر محمد اقبال فرماتے ہیں:- ؎

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے (بال جبرائیل)

لَوْلَاکَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاکَ

جواب :- حضرت مسیح موعود علیہ السلام اس الہام کی تشریح فرماتے ہیں :-

(۱) "ہر ایک عظیم الشان مصلح کے وقت رُوحانی طور پر نیا آسمان اور نئی زمین بنائی جاتی ہے۔ یعنی ملائک کو اس کے مقاصد کی خدمت میں لگایا جاتا ہے اور زمین پر مستعد طبیعتیں پیدا کی جاتی ہیں۔ پس یہ اسی کی طرف اشارہ ہے۔" (حقیقۃ الوحی حاشیہ صفحہ ۹۹)

(۲) حضرت پیران پیر غوث الاعظم سید عبدالقادر جیلانی رحؒ اولیاء اللہ اور واصل باللہ لوگوں کی تعریف میں فرماتے ہیں۔ جو فتوح الغیب میں درج ہے:-

"بِهِمْ ثَبَاتُ الْاَرْضِ وَالسَّمَاءِ وَقَرَارُ الْمَوْتٰى وَالْاَحْيَاءِ اِذْ جَعَلَهُمْ مَلِيكُهُمْ اَوْتَادًا لِلْاَرْضِ الَّتِيْ دَحٰى فَكُلٌّ كَالْجَبَلِ الَّذِيْ رَسَا (مقالہ ۱۴ آخری سطور زیر قلائد الجواہر حاشیہ صفحہ ۲۸) ترجمہ :- انہیں ہی کی وجہ سے زمین و آسمان اور زندوں اور مُردوں کا قیام ہے۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ نے ان کو گستردہ زمین کے لئے بطور میخ کے بنایا ہے۔ اور ان میں سے ہر ایک کوہ وقار ہے۔ (نداءِ غیب ترجمہ از اردو فتوح الغیب صفحہ ۲۲)

(۳) حضرت سید عبدالقادر جیلانی رحؒ ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں:-

"بِهِمْ تُمْطِرُ السَّمَاءُ وَتُنْبِتُ الْاَرْضُ وَهُمْ شِحْنُ الْبِلَادِ وَالْعِبَادِ بِرِهِمْ يُدْفَعُ الْبَلَاءُ عَنِ الْخَلْقِ" (رسالہ الفتح الربانی والفیض الرحمانی کلام الشیخ عبدالقادر جیلانی مطبوعہ میمنیہ مصر جلد ۱۲ و ۱۴) یعنی انہی اولیاء اللہ ہی کی وجہ سے آسمان بارش برساتا اور زمین نباتات اگاتی ہے۔ اور وہ ملکوں

اور انسانوں کے محافظ ہیں۔ اور انہی کی وجہ سے مخلوقات پر سے بلا ٹلتی ہے۔

(۴) حضرت امام ربّانی مجدّد الف ثانیؒ فرماتے ہیں:۔ "ایشاں امانِ اہلِ عرض اند و غنیمت روز گاراند۔ بِهِمْ یُمْطَرُوْنَ وَ بِهِمْ یُرْزَقُوْنَ درشانِ شان است۔" (مکتوبات جلد ۲ مکتوب ۹۲)

(۵) ڈاکٹر سر محمد اقبالؒ فرماتے ہیں:۔

عالَم ہے فقط مومنِ جانباز کی میراث!
مومن نہیں، جو صاحب "لولاک" نہیں ہے

(بالِ جبرائیل ص ۵۳ سطر ۵)

پھر فرماتے ہیں:۔

جہاں تمام ہے میراث مردِ مومن کی
مرے کلام پہ حجت ہے نکتۂ "لولاک"

(بالِ جبرائیل ص ۹۷ آخری سطر)

"رَأَیْتُنِیْ فِی الْمَنَامِ عَیْنَ اللّٰہِ" (آئینہ کمالات اسلام ص ۵۶۴)

"میں نے کشف میں دیکھا کہ میں خدا ہوں۔" (کتاب البریّہ ص ۷۹)

جواب:۔ یہ خواب ہے اور خواب کو ظاہر پر محمول کرنا ظلم ہے۔ (حضرت یوسفؑ کا خواب) اگر کہو۔ کہ خواب میں بھی ایسا کام نبی نہیں کر سکتا۔ جو بیداری میں ناجائز ہو۔ تو اس کے لئے مسلم کی مندرجہ ذیل حدیث پڑھو:۔

(ا) "رَأَیْتُ فِیْ یَدَیَّ سِوَارَیْنِ مِنْ ذَهَبٍ" (مسلم کتاب الرؤیا جلد ۲ ص ۲۴۸)

(ب) اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلعم قَالَ بَیْنَا اَنَا نَائِمٌ رَأَیْتُ فِیْ یَدَیَّ

سِوَارَیْنِ مِنْ ذَھَبٍ " (بخاری کتاب الرؤیا، باب النفخ فی المنام جلد ۴ صفحہ ۱۳۲ مطبع الہیہ مصر و جلد ۳ صفحہ ۴۹) کہ آنحضرتؐ نے فرمایا۔ کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ میں نے اپنے دونوں ہاتھوں میں سونے کے کنگن پہنے ہوئے ہیں۔ بیداری میں سونا مرد کے لئے پہننا ناجائز ہے۔

(۲) حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اسکے آگے ہی تعبیر بھی لکھی ہے۔ اس کو کیوں حذف کرتے ہو " وَمَا نَعْنِیْ بِھٰذِہِ الْوَاقِعَۃِ کَمَا یُعْنٰی فِیْ کُتُبِ اَصْحَابِ وَحْدَۃِ الْوُجُوْدِ وَمَا نَعْنِیْ بِذَالِکَ مَا ھُوَ مَذْھَبُ الْحُلُوْلِیِّیْنَ بَلْ ھٰذِہِ الْوَاقِعَۃُ تُوَافِقُ حَدِیْثَ النَّبِیِّ صلعم اَعْنِیْ بِذٰلِکَ الْحَدِیْثَ الْبُخَارِیْ فِیْ بَیَانِ مَرْتَبَۃِ قُرْبِ النَّوَافِلِ لِعِبَادِ اللّٰہِ الصَّالِحِیْنَ " (آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۵۶۶) نیز دیکھو تذکرہ صفحہ ۱۹۱ تا صفحہ ۱۹۶ حاشیہ) کہ میں اس خواب سے وحدت الوجودیوں کے مذہب کی طرح یہ معنے نہیں لیتا۔ کہ گویا میں خود خدا ہوں۔ اور نہ حلولیوں کی طرح یہ کہتا ہوں کہ خدا مجھ میں حلول کر آیا۔ بلکہ میرے خواب کا وہی مطلب ہے جو بخاری کی قرب نوافل والی حدیث کا مطلب ہے۔ کہ جب میرا بندہ نوافل میں میرے آگے گرتا ہے تو میں اسکے کان بن جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے۔ اور اس کی آنکھیں بن جاتا ہوں جن سے وہ دیکھتا ہے۔ ہاتھ بنجاتا ہوں جن سے وہ پکڑتا ہے۔ پاؤں بنجاتا ہوں جن سے وہ چلتا ہے۔ (بخاری کتاب الرقاق باب التواضع جلد ۴ صفحہ ۸۰ مطبع الہیہ مصر)

(۳) نیز تعطیر الانام فی التعبیر المنام مؤلفہ علامہ سید عبدالغنی النابلسی مطبوعہ مصر میں جو تعبیر خواب کی بہترین کتاب ہے لکھا ہے :" مَنْ رَاٰی فِی الْمَنَامِ کَاَنَّہٗ

صَارَ الْحَقُّ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰی اِهْتَدٰی اِلَی الصِّرَاطِ الْمُسْتَقِیْمِ ص۹
کہ جو شخص خواب میں یہ دیکھے کہ وہ خدا بن گیا ہے۔ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ عنقریب خدا تعالیٰ اس کو ہدایت کی منزل مقصود تک پہنچائے گا۔

زمین اور آسمان کو بنایا

جواب:۔ یہ بھی مندرجہ بالا کشف ہی کا حصہ ہے۔ اور حضرت مسیح موعودؑ نے اسی خواب کے ضمن میں لکھا ہے کہ میں نے خواب ہی میں زمین و آسمان بنایا۔ اور اسکی تعبیر بھی حضور نے اپنی کتاب آئینہ کمالات اسلام کے ص۵۶۶ پر اس خواب کو نقل فرما کر یہ تحریر کی ہے "اِنَّ ھٰذَا الْخَلْقَ الَّذِیْ رَاَیْتُهٗ اِشَارَةٌ اِلٰی تَائِیْدَاتٍ سَمَاوِیَّةٍ وَّاَرْضِیَّةٍ۔"
کہ یہ زمین و آسمان جو میں نے خواب میں دیکھے ہیں۔ تو یہ اشارہ ہے اس امر کی طرف کہ آسمانی اور زمینی تائیدات میرے ساتھ ہونگی۔

۲: پھر آپؑ اپنی کتاب چشمۂ مسیحی ص۳۵ حاشیہ پہ تحریر فرماتے ہیں:۔
"ایک دفعہ کشفی رنگ میں نے نئی زمین اور نیا آسمان پیدا کیا ہے اور پھر میں نے کہا کہ آؤ اب انسان پیدا کریں۔ اس پر نادان مولویوں نے شور مچایا۔ کہ دیکھو اب اس شخص نے خدائی کا دعویٰ کیا ہے۔ حالانکہ اس کشف سے مطلب یہ تھا کہ خدا میرے ہاتھ پر ایک ایسی تبدیلی پیدا کریگا۔ کہ گویا آسمان اور زمین نئے ہو جائیں گے اور حقیقی انسان پیدا ہوں گے۔

۳: پھر فرمایا "خدا نے ارادہ کیا ہے کہ وہ نئی زمین اور نیا آسمان

بنا دے۔ وہ کیا ہے نیا آسمان؟ اور کیا ہے نئی زمین؟ نئی زمین سے وہ پاک دل مُراد ہیں جن کو خدا اپنے ہاتھ سے تیار کر رہا ہے جو خدا سے ظاہر ہوئے اور خدا ان سے ظاہر ہوگا۔ اور نیا آسمان وہ نشان ہیں جو اسکے بندے کے ہاتھ سے اسی کے اذن سے ظاہر ہو رہے ہیں۔" (کشتی نوح ص۷)

" ہر ایک رُوحانی مصلح کے وقت میں رُوحانی طور پر نیا آسمان اور نئی زمین بنائی جاتی ہے۔" (حقیقۃ الوحی ص۹۵)

۴۔ انہی معنوں میں یہ محاورہ کتب سابقہ انجیل میں بھی مستعمل ہوا ہے:۔
" اس وعدہ کے موافق ہم نئے آسمان اور نئی زمین کا انتظار کرتے ہیں۔ جن میں راستبازی بسی رہے گی۔" (۲۔ پطرس ۳/۱۳)

جناب ڈاکٹر سر محمد اقبال مرحوم فرماتے:۔

زندہ دل سے نہیں پوشیدہ ضمیرِ تقدیر خواب میں دیکھتا ہے عالمِ نو کی تصویر
اور جب بانگِ اذاں کرتی ہے بیدار اُسے
کرتا ہے خواب میں دیکھی ہوئی دُنیا تعمیر

(ضربِ کلیم نظم بعنوان "عالمِ نو")

ابنِ مریم بننے کی حقیقت

حیض۔ حمل۔ دردِ زہ کی تشریح

بخاری میں آنحضرت صلعم کی حدیث ہے۔" مَا مِنْ مَوْلُوْدٍ یُوْلَدُ اِلَّا وَالشَّیْطَانُ یَمَسُّہٗ حِیْنَ یُوْلَدُ فَیَسْتَھِلُّ صَارِخًا مِنْ مَسِّ الشَّیْطَانِ اِیَّاہُ اِلَّا مَرْیَمَ وَ ابْنَھَا۔" (بخاری کتاب التفسیر سورۃ آل عمران جلد ۳ ص۶۹ و جلد ۲

کتاب بداء الخلق باب قول اللّٰہ تعالیٰ واذکر فی الکتاب مریم مطبع الہیہ مصر) کہ ہر پیدا ہونے والے بچے کو بوقتِ ولادت شیطان مس کرتا ہے۔ اور بچہ جب اسے مس شیطان ہوتا ہے تو وہ چیختا ہے۔ چلاتا ہے مگر مریم اور ابن مریم کو مس شیطان نہیں ہوتا۔ اس پر طبعاً سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب "مریم" اور "ابن مریم" ہی مس شیطان سے پاک ہیں تو پھر کیا باقی انبیاء کو عموماً اور آنحضرت صلعم کو خصوصاً مسِ شیطان ہوا تھا؟ اس کا جواب علامہ زمخشری نے تفسیر کشاف میں یہ دیا ہے:۔ "معناہ اَنَّ کُلَّ مَوْلُوْدٍ یَطْمَعُ الشَّیْطَانُ فِی اِغْوَائِہٖ اِلَّا مَرْیَمَ وَابْنَھَا فَاِنَّھُمَا کَانَا مَعْصُوْمَیْنِ وَکَذَالِکَ کُلُّ مَنْ کَانَ فِیْ صِفَتِھِمَا" (تفسیر کشاف جلد ۱ ص ۳۰۲) کہ اس حدیث کے معنی یہ ہیں کہ شیطان ہر بچہ کو گمراہ کرنا چاہتا ہے۔ سوائے مریم اور ابن مریم کے۔ کیونکہ وہ دونوں پاک تھے۔ اور اسی طرح ہر وہ بچہ (بھی اس میں شامل ہے) جو مریم اور ابن مریم کی صفت میں ہے۔ گویا آنحضرت صلعم کی حدیث میں "مریم" اور "ابن مریم" سے صرف دو انسان ہی مُراد نہیں۔ بلکہ دو قسم کے انسان مراد ہیں۔ گویا جو مریمی صفت میں اور ابن مریمی صفت میں مومن اور انبیاء ہوں۔ وہ سب "مریم" اور "ابن مریم" کے نام سے نبی کریم صلعم کی زبان مبارک پر یاد کئے گئے ہیں۔ ان صفات کی مزید تشریح قرآن میں ہے:۔

ضَرَبَ اللّٰہُ مَثَلًا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوا امْرَاَتَ فِرْعَوْنَ اِذْ قَالَتْ رَبِّ ابْنِ لِیْ عِنْدَکَ بَیْتًا فِی الْجَنَّۃِ وَنَجِّنِیْ مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِہٖ وَنَجِّنِیْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ وَمَرْیَمَ ابْنَتَ عِمْرٰنَ الَّتِیْٓ

اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا وَصَدَّقَتْ بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا وَكُتُبِهٖ وَكَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِيْنَ (پ ۲۸ التحریم آخری رکوع) کہ اللہ تعالیٰ نے مومن مردوں کی مثال فرعون کی بیوی (آسیہ) کے ساتھ دی ہے۔ جبکہ اس نے دُعا کی۔ کہ اے میرے رب! میرے لئے جنت میں گھر بنا۔ اور مجھ کو فرعون اور اسکے عمل سے نجات دے۔ اور ان ظالموں کی قوم سے مجھ کو رہائی بخش۔ اور (خدا نے مثال دی ہے مومن مردوں کی) مریم بنت عمران کے ساتھ جس نے اپنی شرمگاہ کی پوری حفاظت کی۔ پس ہم نے اسمیں اپنی رُوح پھونکی اور وہ خدا کے کلام اور اسکی کتابوں کی تصدیق کرنیوالی ہوئی اور وہ فرمانبرداروں میں سے تھی ان آیات سے ماقبل کی ملحقہ آیات میں کافر مردوں کو دو عورتوں نوح اور لوط کی بیویوں سے تشبیہہ دیگئی ہے۔ کیونکہ ان کے خاوند مومن تھے مگر وہ دونو کافر تھیں۔ مندرجہ بالا آیات سے ثابت ہوا کہ مومن دو قسم کے ہوتے ہیں (۱) آسیہ (زوجہ فرعون) صفت۔ (۲) مریمی صفت۔ پہلے وہ جو کفر کے غلبہ کے نیچے دب چکے ہوں۔ اور وہ اس سے نجات پانے کیلئے دست بدعا ہوں۔ اور دُوسرے وہ جن پر روزِ اول سے ہی بدی غلبہ نہ پا سکی۔ اَلَّتِیْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا یہ دُوسری قسم کا مومن قرآنی اصطلاح میں "مریم" کہلاتا ہے۔ پھر وہ اس مریمی حالت سے ترقی کر کے (فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا) کے مطابق "ابن مریم" کی حالت میں چلا جاتا ہے۔ کیونکہ مقام مریمی صدیقیت ہے۔ اور مقام "ابن مریم" مقامِ نبوت۔ گویا ہر نبی پر دو زمانے آتے ہیں۔ پہلے وہ مقام مریمی میں ہوتا ہے۔ یعنی پیدائش ہی سے بدی سے پاک ہوتا ہے اور اسی حالت کے متعلق قرآن مجید نے فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ

میں اشارہ کیا ہے سا کے بعد اس مریمی حالت سے ترقی کر کے نبوت کے مقام پر فائز ہو جاتا ہے۔ اور اِن دونوں حالتوں میں وہ مسِّ شیطان سے پاک ہوتا ہے۔ یہی معنی ہیں بخاری کی مندرجہ عنوان حدیث کے۔ سورہ تحریم کی آیات سے ثابت ہوُا کہ جس طرح حضرت مریم صدیقہؓ اپنے احصان کے انتہائی مقام پر پہنچکر حاملہ ہوئیں اور اس حمل سے حضرت عیسےٰ علیہ السلام جو خدا کے نبی تھے، پیدا ہوئے۔ اسی طرح ایک مومن مرد بھی پہلے مریمی حالت میں ہوتا ہے۔ اور پھر ایک رُوحانی اور مجازی حمل سے گزرتا ہوُا مجازی "ابن مریم" کی ولادت کا باعث ہوتا ہے۔ وہ مومن مرد مجاز اور استعارہ کے رنگ میں "مریم" ہوتا ہے! اور مجاز اور استعارہ ہی کے رنگ میں حمل سے گزرتا ہے! اور مجاز اور استعارہ ہی کے رنگ میں "ابن مریم" کی ولادت کا باعث ہوتا ہے۔ خدا تعالیٰ نے تمام کافروں اور مومنوں کو چار عورتوں ہی سے تشبیہ دی ہے۔ مرد عورتیں تو نہیں ہاں استعارہ اور مجاز کے رنگ میں انکو عورتیں قرار دیا گیا ہے۔ اسی نکتہ معرفت کیطرف حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے مندرجہ ذیل اشعار میں اشارہ فرمایا ہے ؎

مُدّتے بودم برنگِ مریمی — دست نا دادہ بہ پیرانِ زمی
بعد ازاں آں قادر و ربّ مجید — روحِ عیسیٰ اندراں مریم دمید
پس بہ نفخش رنگِ دیگر شد عیاں — زاد زاں مریم مسیح ایں زماں

(حقیقۃ الوحی صـ۲۲۶)

پھر فرمایا "یعنی وُہ مریمی صفات سے عیسوی صفات کی طرف منتقل ہو جائیگا" (کشتی نوح صـ۴۷) اس موقعہ پر کشتی نوح کی اصل عبارت سیاق سباق کے ساتھ پڑھنی چاہیئے۔

رُوحانی حمل

رُوحانی اور معنوی حمل کیلئے مندرجہ ذیل حوالے یاد رکھنے چاہئیں:۔
"اَلْخَوْفُ ذَکَرٌ وَالرَّجَاءُ اُنْثٰی مِنْھُمَا یَتَوَلَّدُ حَقَائِقُ الْاِیْمَانِ"
(دیکھو شرح التعرف ص۵۵) مشہور صوفی حضرت سہل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ خوف مذکر اور اُمید مؤنث ہے اور ان دونوں کے ملنے سے حقایق ایمان پیدا ہوتے ہیں۔
(۲) اسی طرح سے امام الطائفہ الشیخ سہروردی فرماتے ہیں۔ "یَصِیْرُ الْمُرِیْدُ جُزْءَ الشَّیْخِ کَمَا اَنَّ الْوَلَدَ جُزْءُ الْوَالِدِ فِی الْوِلَادَۃِ الطَّبْعِیَّۃِ وَتَصِیْرُ ھٰذِہٖ الْوِلَادَۃُ اٰنِفًا وِلَادَۃً مَعْنَوِیَّۃً" (عوارف المعارف جلد ا ص۴۵) کہ مُرید اپنے پیر کے جسم کا حصہ بنجاتا ہے جس طرح بیٹا اپنے باپ کا ولادتِ طبعی میں۔ مُرید کا اپنے پیر سے پیدا ہونا (اصل اور حقیقی معنوں میں نہیں بلکہ معنوی اور استعاری طور پر ہوتا ہے)
(۳) قرآن مجید میں "حمل" کا لفظ خدا تعالیٰ کے متعلق بھی ہے۔ "وَمِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ" (مریم ع ۴) پھر مومنوں کے متعلق بھی آیا ہے۔ "لَا تَحْمِلْ عَلَیْنَا اِصْرًا کَمَا حَمَلْتَہٗ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِنَا"۔ یہاں "حمل" اٹھانے کے معنوں میں مستعمل ہوا ہے۔ پس محض لفظ "حمل" پر مذاق اُڑانا جائز نہیں۔ حضرت مسیح موعودؑ نے صاف طور پر لکھ دیا ہے۔ "استعارہ کے رنگ میں مجھے حاملہ ٹھہرایا گیا"۔ (کشتی نوح ص۴۷) اور "حمل" کے لفظ سے حقیقی اور عام معنی مُراد نہیں لئے گئے۔ بلکہ "حامل صفاتِ عیسوی" مراد لیا ہے۔ "مریمی صفات سے عیسوی صفات کی طرف منتقل ہونا"۔ (کشتی نوح ص۴۷) تو پھر اس پر بے وجہ مذاق اڑانا شرافت سے بعید ہے۔

حیض

مندرجہ ذیل حوالے پڑھو:۔ "کَمَا اَنَّ لِلنِّسَاءِ مَحِیْضًا فِی الظَّاھِرِ وَ ھُوَ مُوْجِبُ نُقْصَانِ اِیْمَانِھِنَّ لِمَنْعِھِنَّ عَنِ الصَّلٰوۃِ وَالصَّوْمِ فَکَذَالِکَ لِلرِّجَالِ مَحِیْضٌ فِی الْبَاطِنِ وَھُوَ مُوْجِبُ نُقْصَانِ اِیْمَانِھِمْ لِمَنْعِھِمْ عَنْ حَقِیْقَۃِ الصَّلٰوۃِ" (روح البیان جلد ۱ صـ۳۴۶) کہ جس طرح عورتوں کو ظاہر میں حیض آتا ہے جو اُن کے ایمان میں نقص کا موجب ہوتا ہے ان کو نماز اور روزہ سے روک کر۔ اسی طرح سے مردوں کو بھی باطن میں حیض آتا ہے اور وہ اُن کے ایمان میں نقص پیدا کرتا ہے۔ ان کو نماز کی حقیقت سے ناواقف کرنیکے سبب۔ گویا وہ شخص جو حقیقت نماز سے بے بہرہ ہو۔ صوفیا کی اصطلاح میں ہمینگے کہ اُسے حیض ہے۔

(۲) جیسے عورتوں کو حیض آتا ہے ایسا ہی ارادت کے رستہ میں مریدوں کو حیض آتا ہے اور مریدوں کے رستہ میں جو حیض آتا ہے تو وہ گفتار کے رستہ سے آتا ہے۔ اور کوئی مرید ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ اس حیض میں ٹھہرا رہتا ہے۔ اور کبھی اس سے پاک نہیں ہوتا (انوار الاذکیا۔ ترجمہ اردو تذکرۃ اولیاء مصنفہ شیخ فریدالدین عطار مطبع مجیدی کانپور صفحہ ۴۵۰ در ذکر ابوبکر واسطی ب ۷۴)

نوٹ:۔ غیراحمدیوں نے اب جو نیا ترجمہ تذکرۃ الاولیاء کا شائع کیا ہے۔ اس میں سے یہ عبارت نکالدی ہے۔ مگر سنہ ۱۹۲۸ء سے پہلے چھپے ہوئے سب ترجموں میں یہ عبارت موجود ہے۔ گویا یُحَرِّفُوْنَ الْکَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِہٖ کی مماثلت کو پورا کیا ہے۔ خادم

(۳) بعض غیراحمدی کہا کرتے ہیں کہ کیا کسی نبی نے بھی حیض کا لفظ مردوں کی

طرف منسوب کیا ہے؟ تو اسکے جواب میں مندرجہ ذیل حدیث یاد رکھنی چاہیئے
حدیث میں ہے۔ اَلْکِذْبُ حَیْضُ الرَّجُلِ وَالْاِسْتِغْفَارُ طَہَارَتُہٗ
(دیلمی صفحہ ۱۶۱ سطر ۷، راوی حضرت سلمانؓ) یعنی آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ جھوٹ
مرد کا حیض اور استغفار اسکی طہارت ہے۔ پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام
کے الہام کا مطلب صرف یہ ہے کہ دشمن تجھ کو جھوٹ یا کسی اور بدی میں مبتلا
دیکھنا چاہتے ہیں۔ لیکن خدا کے فضل سے تجھ میں کوئی بدی اور گندگی نہیں۔
(۴) حضرت مسیح موعودؑ نے کہیں نہیں لکھا کہ مجھے "حیض" آیا۔ بلکہ آپؑ نے تو
اسکی نفی کی ہے۔ (۵) حضورؑ نے لفظ "حیض" کی نفی کرتے ہوئے ساتھ ہی اس کا
مفہوم بھی بیان کیا ہے۔ "یہ لوگ خون حیض تجھ میں دیکھنا چاہتے ہیں یعنی
ناپاکی۔ پلیدی اور خباثت کی تلاش میں ہیں۔" (اربعین ۴ صفحہ ۱۹) گویا یہاں
عورتوں والا حیض مراد نہیں بلکہ "مردوں والا حیض" مراد ہے۔ جیسا کہ حوالہ
۱ اور ۲ و ۳ میں صوفیاء کرام کی تحریرات اور حدیث سے دکھایا جا چکا ہے۔

دردِ زہ

اسی طرح دردِ زہ کا محاورہ ہے۔ جو "تکلیف" اور "مصیبت" کے معنوں
میں ہزارہا سال سے مردوں کے متعلق بھی بولا جاتا رہا ہے۔
(۱) خود حضرت صاحب نے اِسکی تشریح فرمائی ہے۔ "مخاض" دردِ زہ سے
مراد اس جگہ وُہ اُمور ہیں۔ جن سے خوفناک نتائج پیدا ہوتے ہیں۔ با محاورہ
ترجمہ یہ ہے۔ "درد انگیز دعوت جس کا نتیجہ قوم کا جانی دشمن ہو جانا تھا۔"
(براہین احمدیہ حصہ پنجم صفحہ ۵۳ حاشیہ) نیز دیکھو کشتی نوح حاشیہ صفحہ ۴۷

(۲) انجیل میں ہے" کیونکہ ہم کو معلوم ہے۔ کہ ساری مخلوقات مل کر اب تک کراہتی اور دردِ زہ میں پڑی تڑپتی ہے" (رومیوں ۸/۲۲)

(۳) توریت میں ہے خدا کہتا ہے "میں بہت مدت سے چپ رہا۔ میں خاموش ہو رہا ہے۔ اور اپنے کو روکتا رہا۔ مگر اب میں اس عورت کی طرح جس کو دردِ زہ ہو چلاؤں گا۔ اور ہانپوں گا۔ اور زور زور سے ٹھنڈی سانس بھی لوں گا" (یسعیاہ ۴۲/۱۴) (تفصیل دیکھو صداقت پر عیسائیوں کے اعتراضات کا جواب صفحہ ۱۵۲) موجودہ انجیل و توریت خدا کا کلام ہو یا نہ ہو لیکن محاورہ تو ماننا پڑے گا۔ کہ حضرت مرزا صاحب نے ایجاد نہیں کیا بلکہ پہلی کتابوں میں پہلے سے ہی موجود ہے۔ پھر اس پر اعتراض کیا ہے خصوصاً جبکہ حضرت نے خود ہی تشریح فرما دی ہے۔

کشف مُرغی کے چھینٹے

جواب:۔ خواب میں خدا تعالےٰ کو انسانی صورت میں دیکھنا جائز ہے۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا "رَاَیْتُ رَبِّیْ فِیْ صُوْرَۃِ شَابٍّ اَمْرَدَ قَطَطٍ لَّہٗ وَفْرَۃٌ مِّنْ شَعْرٍ وَفِیْ رِجْلَیْہِ نَعْلَانِ مِنْ ذَھَبٍ" (الیواقیت والجواہر جلد ۱ صفحہ طبرانی و موضوعات کبیر صفحہ ۴۲) کہ میں نے اپنے رب کو ایک نوجوان بے ریش لڑکے کی صورت میں دیکھا۔ اس کے لمبے لمبے گھنے بال ہیں۔ اور اس کے دونو پاؤں میں سونے کی جوتیاں ہیں۔ یہ حدیث صحیح ہے۔ مُلّا علی قاری جیسے جلیل القدر محدث نے اسے درج کر کے اس کی تائید میں یہ قول نقل کیا ہے "حدیث ابن عباسؓ لَا یُنْکِرُہٗ اِلَّا مُعْتَزِلِیٌّ" (موضوعات کبیر صفحہ ۴۲) کہ یہ حدیث حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے۔ اور اس سے سوائے معتزلی کے اور

کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ اس حدیث کے معنی مُلّا علی قاری نے کئے ہیں "اِنْ حُمِلَ عَلَی الْمَنَامِ فَلَا اِشْکَالَ فِی الْمَقَامِ" (موضوعات کبیر صفحہ ۴۶)

نوٹ:۔ موضوعات کے بعض ایڈیشنوں میں یہ حدیث اور اس کے متعلقہ حوالجات صفحہ ۳۹ پر ملتے ہیں۔ یعنی اگر اس واقعہ کو خواب پر محمول کیا جائے تو پھر کوئی مشکل نہیں رہتی (بات صاف ہو جاتی ہے)

(۲) حضرت سید عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ "پیران پیر" فرماتے ہیں:۔ "رَاَیْتُ رَبَّ الْعِزَّۃِ فِی الْمَنَامِ عَلٰی صُوْرَۃِ اُمِّیْ" (بحر المعانی صفحہ ۶۴) یعنی میں نے خدا کو اپنی والدہ کی صورت میں دیکھا۔

(۳) جناب مولوی محمد قاسم صاحب (نانوتوی بانی دیوبند) نے ایام طفلی میں یہ خواب دیکھا کہ گویا میں اللہ جلشانہ کی گود میں بیٹھا ہوا ہوں۔ ان کے دادا نے یہ تعبیر فرمائی۔ کہ تم کو اللہ تعالے علم عطا فرمائے گا۔ اور بہت بڑے عالم ہو گے۔ اور نہایت شہرت حاصل ہو گی۔" (سوانح عمری مولوی قاسم صاحب مؤلفہ مولوی محمد یعقوب نانوتوی صفحہ ۳)

(۴) پھر لکھا ہے "اِنَّکَ تَرَی فِی الْمَنَامِ وَاجِبَ الْوُجُوْدِ الَّذِیْ لَا یَقْبَلُ الصُّوَرَ فِیْ صُوْرَۃٍ یَقُوْلُ لَکَ مُعَبِّرُ الْمَنَامِ صَحِیْحٌ مَا رَاَیْتَ وَلٰکِنْ تَاوِیْلُہٗ کَذَا وَکَذَا" (الیواقیت والجواہر جلد ۱ صفحہ ۱۶۳) تم واجب خدا تعالے کو جو کسی صورت میں بھی مقید نہیں ہوتا خواب میں دیکھو۔ تو تعبیر بتانے والا تم سے کہے گا۔ کہ جو کچھ تم نے دیکھا۔ یہ صحیح ہے۔ لیکن اس کی تعبیر یہ ہے

(۵) خواب کا واقعہ متمثل کس طرح ہو سکتا ہے۔ اس کے لئے دیکھو مندرجہ ذیل عبارات:۔

(۱) تذکرۃ الاولیاء صـ

(۱) تذکرۃ الاولیاء صـ۱۷ پر حضرت حسن بصری کے حالات میں ایک واقعہ درج ہے۔ کہ آپ کا ہمسایہ شمعون نامی آتش پرست تھا۔ حضرت حسنؓ نے سنا کہ وہ سخت بیمار اور قریب المرگ ہے۔ آپ نے اسے تبلیغ کی۔ اور وہ اس شرط پر مسلمان ہوا۔ کہ حضرت حسنؓ اسے جنت کا پروانہ لکھ دیں اس پر اپنے اور بزرگان بصرہ کے دستخط ثبت کر کے شمعون کی قبر میں (جب وہ مرجائے تو) اس کے ہاتھ میں دیدیں۔ تاکہ اگلے جہان میں گواہ رہے۔ چنانچہ حضرت حسنؓ نے ایسا ہی کیا۔ مگر بعد میں خیال آیا کہ میں نے یہ کیا کیا؟ اس کو جنت کا پروانہ کیونکر لکھ دیا۔ لکھا ہے۔ وہ اسی خیال میں سو گئے۔ شمعون کو دیکھا۔ کہ شمع کی طرح تاج سر پر اور مکلف لباس بدن میں پہنے ہوئے بہشت کے باغوں میں ٹہل رہا ہے۔ ..... اس نے حضرت حسنؓ سے کہا "حق تعالیٰ نے اپنے فضل سے مجھے اپنے محل میں اتارا ہے۔ اور اپنے کرم سے اپنا دیدار دکھایا ..... اب آپ کے ذمہ کچھ بوجھ نہیں رہا۔ اور آپ سبکدوش ہو گئے۔ لیجئے یہ اپنا اقرار نامہ۔ کیونکہ اب اس کی ضرورت نہیں۔ جب حضرت حسنؓ خواب سے بیدار ہوئے۔ تو خط کو اپنے ہاتھ میں دیکھا۔"

(انوار الاذکیا ترجمہ اردو تذکرۃ الاولیاء صـ۲۷ ذکر الحسن بصری)

(۲) قَالَ عَبْدُ اللّٰہِ ابْنُ الْجَلَاءِ دَخَلْتُ مَدِیْنَۃَ رَسُوْلِ اللّٰہِ وَبِیْ فَاقَۃٌ فَتَقَدَّمْتُ اِلٰی قَبْرِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صلعم وَسَلَّمْتُ عَلَیْہِ وَعَلٰی صَاحِبَیْہِ ثُمَّ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ بِیْ فَاقَۃٌ وَاَنَا ضَیْفُکَ ثُمَّ تَنَحَّیْتُ وَنِمْتُ دُوْنَ الْقَبْرِ فَرَاَیْتُ النَّبِیَّ صلعم جَاءَ اِلَیَّ [illegible] فَدَفَعَ اِلَیَّ رَغِیْفًا فَاَکَلْتُ بَعْضَہٗ وَانْتَبَہْتُ وَ

يَكُونُ بَعْضُ الرَّغِيفِ " (منتخب الكلام فی تعبیر الاحلام مؤلفہ ابن سیرین دقشیریہ مصری ص۱)

اس عبارت کا ترجمہ شیخ فریدالدین عطار کے الفاظ میں یہ ہے:۔

"حضرت عبداللہ بن جلاء فرماتے ہیں۔ کہ میں ایک دفعہ مدینۃ النبی میں گیا۔ اور مجھے سخت بھوک لگ رہی تھی۔ آنحضرت صلعم کی قبر مبارک پر میں گیا۔ اور حضورؐ اور حضورؐ کے دونوں ساتھیوں کو السلام علیکم کہا۔ اور عرض کیا۔ کہ حضرت میں بھوکا ہوں۔ اور آپ ہی کا مہمان ہوں۔ یہ کہہ کر میں قبر سے پرے ہٹ کر سو گیا۔ خواب میں کیا دیکھتا ہوں۔ کہ آنحضرت صلعم میری طرف تشریف لائے ہیں۔ میں (بغرض تعظیم) کھڑا ہو گیا آنحضرتؐ نے مجھے ایک نان دیا۔ میں نے اس میں سے آدھا کھا لیا۔ جب بیدار ہوا۔ تو نان کا باقی حصہ میرے ہاتھ میں تھا"

(تذکرۃ الاولیاء ذکر عبداللہ بن جلاء ص۹۴ مصنفہ شیخ فریدالدین عطارؒ)

(۷) حضرت اسمٰعیل شہیدؒ نے اپنی کتاب صراط مستقیم میں لکھا ہے کہ "آنحضرت صلعم درمنام دیدند و آنجناب سہ خرما بدست مبارک خود ایشاں را خورانیدند...... و بعد ازانکہ بیدار شدند۔ درنفس خود ذائقہ ازاں روبائے حقہ ظاہر و باہر یافتند" (صراط مستقیم مجتبائی ص۱۶۵) کہ آنحضرت صلعم نے خواب میں دیکھا۔ کہ آپؐ تین کھجوریں ایک ایک کر کے کھلا رہے ہیں۔ جب بیدار ہوئے...... تو واقعی منہ میں ذائقہ موجود تھا۔

(۸) حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے کشف سے مندرجہ ذیل باتیں مدنظر تھیں اس لئے خدا تعالیٰ نے اپنی خاص حکمت سے قلم کے ساتھ زیادہ سیاہی

لگا کر اس کو چھڑکا :-

(۱) خدا نیست سے ہست کر سکتا ہے۔ اور آریوں کا عقیدہ غلط ہے۔ کہ خدا نیست سے ہست نہیں کر سکتا۔ بلکہ مادہ ہی سے کوئی چیز بنا سکتا ہے۔

(۲) سرخی کے چھینٹے لیکھرام کے قتل کی پیشگوئی کے طور پر تھے۔

(۳) دستخط کرانے سے مراد یہ تھی کہ خدا تعالیٰ نے لیکھرام کے قتل کا فیصلہ صادر فرما دیا ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

۹۔ حدیث میں ہے: خَلَقَ اللّٰہُ ثَلَاثَةَ اَشْیَاءَ بِیَدِہٖ خَلَقَ اٰدَمَ بِیَدِہٖ وَکَتَبَ التَّوْرَاۃَ بِیَدِہٖ وَغَرَسَ الْفِرْدَوْسَ بِیَدِہٖ (دیلمی ص۱۰۱)

کہ خدا تعالیٰ نے تین چیزیں خاص اپنے ہاتھ سے بنائیں۔ حضرت آدمؑ کو اپنے ہاتھ سے پیدا کیا۔ تورات کو اپنے ہاتھ سے لکھا۔ اور فردوس کو اپنے ہاتھ سے بویا۔

اب تم جس قدر اعتراض سرخی کے چھینٹوں والے کشف پر کرتے ہو کہ اللہ تعالیٰ اپنے ہاتھ سے کاغذ پر لکھا بھی کرتا ہے؟ وہ کاغذ کس کارخانے کا بنا ہوا تھا؟ سیاہی کس کارخانے کی تھی؟ قلم کیسا تھا؟ وغیرہ وغیرہ یہ سب اعتراضات کَتَبَ التَّوْرَاۃَ بِیَدِہٖ پر بھی پڑ سکتے ہیں۔ فَمَا ھُوَ جَوَابُکُمْ فَھُوَ جَوَابُنَا۔

۱۰۔ عبد اللہ سنوری رضؓ نے جو موقع کا گواہ تھا۔ حلفی بیان دیا کہ اس وقت کوئی ایسی صورت نہ تھی کہ سرخی کہیں سے آسکتی۔ بلکہ میں نے خود سیاہی حضرت کے کرتے پر گرتی دیکھی (الفضل ۲۶ ستمبر ۱۹۱۶ء جلد ۴ ص ۲۴)

كَأَنَّ اللّٰهَ نَزَلَ مِنَ السَّمَاءِ

جواب (۱): حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس سے خدا تعالےٰ کا جلال اور حق کا ظہور مراد لیا ہے (آئینہ کمالات اسلام ص۵۷۸)

"یَظْهَرُ بِظُهُوْرِهٖ جَلَالُ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ" (نیز حقیقۃ الوحی ص۹۵) جس کے ساتھ حق کا ظہور ہوگا۔"

(۲) حدیث میں ہے:۔ "اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ قَالَ یَنْزِلُ رَبُّنَا تَبَارَکَ وَتَعَالٰی کُلَّ لَیْلَةٍ اِلَی السَّمَاءِ الدُّنْیَا۔"

(بخاری کتاب الصلوٰۃ باب الدعاء والصلوٰۃ من آخر اللیل جلد ۱ صفحہ ۱۳۳ مطبع الٰہیہ مصر (مشکوٰۃ مجتبائی ص۱۰۹) کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ کہ ہمارا رب ہر رات پہلے آسمان پر اتر آتا ہے۔ کیا معنی؟ لکھا ہے:۔

"اَلنُّزُوْلُ وَالْهُبُوْطُ وَالصُّعُوْدُ وَالْحَرَکَاتُ مِنَ الصِّفَاتِ الْاَجْسَامِ وَاللّٰهُ تَعَالٰی مُتَعَالٍ عَنْهُ فَالْمُرَادُ نُزُوْلُ الرَّحْمَةِ وَقُرْبُهٗ تَعَالٰی" (حاشیہ مشکوٰۃ مجتبائی ص۱۰۹) کہ نازل ہونا۔ اترنا۔ چڑھنا اور حرکات یہ تو جسم کی صفتیں ہیں۔ خدا تعالےٰ ان سے پاک ہے۔ اللہ کے نازل ہونے سے مراد اس کی رحمت کا نازل ہونا اور قرب کا حاصل ہونا ہے

(۳) مؤطا امام مالک ص۷۰ کے حاشیہ باب۔ ماجاء فی ذکر اللہ میں لکھا ہے "قَوْلُهٗ یَنْزِلُ رَبُّنَا اَیْ نُزُوْلُ رَحْمَةٍ" کہ آنحضرت صلعم کا فرمانا۔ کہ خدا نازل ہوتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کی رحمت نازل ہوتی ہے۔

(۴) تلخیص المفتاح کے ص۲۶ پر لکھا ہے:۔ "وَقَدْ یُطْلَقُ الْمَجَازُ ... بِحَذْفِ لَفْظٍ اَوْ زِیَادَةِ لَفْظٍ کَقَوْلِهٖ تَعَالٰی جَاءَ رَبُّکَ ... اَیْ

اَمْرُ رَبِّكَ" یعنی بعض دفعہ مجاز میں کوئی لفظ حذف کیا جاتا ہے یا زیادہ کیا جاتا ہے۔ جیسے خدا تعالےٰ کا فرمانا جَاءَ رَبُّكَ۔ کہ تیرا رب آیا۔ اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ خدا تعالےٰ کا حکم آیا۔ پس گو اَنَّ اللّٰهَ نَزَلَ مِنَ السَّمَاءِ کا مطلب بھی خدا کی رحمت۔ خدا کے فضل۔ خدا کے جلال اور اس کے حکم کا نازل ہونا ہے۔

يَتِمُّ اِسْمُكَ وَلَا يَتِمُّ اِسْمِىْ

تیرا نام پورا ہو جائے گا۔ مگر میرا (خدا کا) نام پورا نہ ہوگا۔

الجواب: حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے خود اس الہام کی تشریح فرمائی ہے (۱) براہین احمدیہ حصہ دوم صفحہ ۲۴۲ حاشیہ در حاشیہ میں الہام "یا احمد يَتِمُّ اِسْمُكَ وَلَا يَتِمُّ اِسْمِىْ" درج فرما کر اس کے آگے بین السطور تحریر فرماتے ہیں " اَیْ اَنْتَ فَانٍ يَنْقَطِعُ تَحْمِيْدُكَ وَلَا يَنْتَهِىْ مَحَامِدُ اللّٰهِ فَاِنَّهَا لَا تُعَدُّ وَلَا تُحْصٰى" یعنی اس الہام کا مطلب یہ ہے کہ اے احمد تو فوت ہو جائیگا اور تیرے کمالات اور محامد ختم ہو جائیں گے مگر خدا کے محامد ختم نہیں ہونگے۔ کیونکہ وہ لاتعداد اور بے شمار ہیں۔

(۲) پھر حضرت مسیح موعودؑ خطبہ الہامیہ صفحہ ۱ پر تحریر فرماتے ہیں۔

" اِذَا اَنَارَ النَّاسَ بِنُوْرِ رَبِّهٖ اَوْ بَلَّغَ الْاَمْرَ بِقَدْرِ الْكِفَايَةِ فَحِيْنَئِذٍ يَتِمُّ اِسْمُهٗ وَيَدْعُوْهُ رَبُّهٗ وَيُرْفَعُ رُوْحُهٗ اِلٰى نُقْطَتِهِ النَّفْسِيَّةِ" یعنی جب انسان کامل لباس خلافت زیب تن کر لیتا ہے۔ اور اس کے بعد یہ بندہ زمین پر ایک مدت تک جو اس کے رب کے ارادہ میں ہے توقف کرتا ہے۔ تا کہ مخلوق کو نور ہدایت کے ساتھ منور کرے۔ اور جب خلقت کو اپنے رب کے نور کے ساتھ روشن کر چکا۔ یا امر تبلیغ کو بقدر کفایت پورا کر چکا پس اس وقت اس کا نام پورا ہو جاتا ہے۔ اور اس کا رب اس کو بلاتا ہے۔ اور اس کی روح اس کے نقطۂ نفسی کی طرف اٹھائی جاتی ہے" گویا

وہ فوت ہو جاتا ہے۔

پس الہام "یموتم اشمٹک ولا یموتم اسمی" کا مطلب یہ ہے۔ کہ تو فوت ہو جائے گا مگر میں (یعنی خدا) فوت نہیں ہونگا فلا اعتراض۔

اَلْاَرْضُ وَالسَّمَاءُ مَعَكَ كَمَا هُوَ مَعِيْ

عربی غلط ہے "ھو" کی بجائے "ھما" چاہیئے۔ کیونکہ زمین و آسمان دو ہیں نہ کہ ایک۔

جواب: یہ جائز ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَحَقُّ اَنْ یُّرْضُوْهُ (توبہ ع ۸) کہ اللہ اور اس کا رسول سب سے زیادہ حق رکھتے ہیں۔ کہ ان کو خوش کیا جائے۔ آپ کے قاعدہ کے مطابق یہاں بھی یرضوہ کی بجائے یرضوھما چاہیئے تھا۔

"تیرا تخت سب سے اوپر بچھایا گیا"

الجواب: اس سے مراد یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس امت میں جو نبی ہوا اس کا تخت مراد ہے۔ یعنی آنحضرت صلعم اس میں شامل نہیں۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام تحریر فرماتے ہیں:- "غرض اس حصہ کثیر وحی الٰہی اور امور غیبیہ میں اس امت میں سے میں ہی ایک فرد مخصوص ہوں۔ اور جسقدر مجھ سے پہلے اولیاء اور ابدال اور اقطاب اس امت میں سے گزر چکے ہیں ان کو یہ حصہ کثیر اس نعمت کا نہیں دیا گیا۔ پس اس وجہ سے نبی کا نام پانے کے لئے میں ہی مخصوص کیا گیا۔" یہ بات ایک ثابت شدہ امر ہے کہ جسقدر خدا تعالٰی نے مجھ سے مکالمہ و مخاطبہ کیا ہے۔ اور جسقدر امور غیبیہ مجھ پر ظاہر ہوئے ہیں تیرہ سو برس ہجری میں کسی شخص کو آج تک

بجز میرے یہ نعمت عطا نہیں کی گئی" (حقیقۃ الوحی صفحہ ۳۹۱)

(۲) چنانچہ اربعین نمبر۱ و نمبر۲ (جو اکٹھے چھپے ہیں) اس کے صفحہ ۳ پر اور اربعین نمبر۳ (جو علیحدہ چھپا ہے) اس کے صفحہ ۴ پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا الہام "اِنِّیْ فَضَّلْتُکَ عَلَی الْعَالَمِیْنَ" درج ہے۔ اس کا ترجمہ خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ہر دو اربعینوں کے صفحہ پر کیا ہے۔

"اور جس قدر لوگ تیرے زمانے میں ہیں سب پر میں نے تجھے فضیلت دی" پس معلوم ہوا کہ آپ کا تخت سب سے اونچا بچھایا گیا تو اس سے مراد بھی امت محمدیہ ہی کے تخت ہیں۔

(۳) حضرت مسیح موعود علیہ السلام تو خدا کے فضل سے نبی اللہ ہیں اور آپ کا مقام مسیح ناصری سے بھی بلند ہے۔ مگر حضرت "پیران پیر" سید عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اَنَا مِنْ وَرَاءِ عُقُوْلِکُمْ فَلَا تَقِیْسُوْنِیْ عَلٰی اَحَدٍ وَلَا تَقِیْسُوْا اَحَدًا عَلَیَّ (فتوح الغیب مترجم فارسی صفحہ ۲۲) یعنی میں تمہاری عقلوں سے بالا ہوں۔ مجھ کو کسی دوسرے پر قیاس نہ کرو اور نہ کسی دوسرے کو مجھ پر قیاس کرو۔

۸۔ تَعْجَبِیْنَ لِاَمْرِ اللّٰہِ

عربی غلط ہے "مِنْ اَمْرِ اللّٰہِ" چاہیئے تھا۔ "عجب" کا صلہ لام نہیں آتا۔

جواب:۔ "عجب" کا صلہ "لام" آتا ہے ملاحظہ ہو۔ مشہور عرب شاعر جعفر بن علبۃ الحارثی جبکہ وہ مکہ میں قید تھا کہتا ہے:۔

عَجِبْتُ لِمَسْرَاھَا وَاَنّٰی تَخَلَّصَتْ
اِلَیَّ وَبَابُ السِّجْنِ دُوْنِیْ مُغْلَقٌ (حماسہ صفحہ ۵)

کہ میں نے اپنی معشوقہ کے چلے آنے پر تعجب کیا کہ ایسی حالت میں کہ قید خانے کا دروازہ مقفل ہے۔ پھر وہ کس طرح میرے پاس پہنچ گئی۔ اس شعر میں عجب کا صلہ لام آیا ہے پس تمہارا اعتراض باطل ہے۔

یحمدک اللہ من عرشہ

"حمد" کا لفظ سوائے خدا کے کسی پر بولا نہیں جاتا؟

جواب:۔ "حمد" کا لفظ غیر اللہ پر بھی بولا جا سکتا ہے (۱) آنحضرت کا نام ہی محمدؐ تھا۔ (۲) ایک مرتبہ آنحضرت صلعم سے کسی شخص نے کچھ سوال کیا۔ تو حضورؐ نے تھوڑی دیر ٹھہر کر فرمایا "اَیْنَ السَّائِلُ" کہ وہ سائل کہاں ہے۔ اس کے متعلق بخاری و مسلم میں لکھا ہے کَاَنَّہٗ حَمِدَہٗ (گویا رسول اللہ صلعم نے اس شخص کی تعریف (حمد) کی۔ بخاری باب الصدقۃ علی الیتامیٰ جلد ۱ صفحہ ۱۷۹ مصری و مسلم باب تخوف ما یخرج من زھرۃ الدنیا جلد ۱ صفحہ ۳۸۷ مصری و مشکوٰۃ کتاب الرقاق)

(۳) اِفْعَلْ ھٰذَا الَّذِیْ اٰمُرُکَ بِہٖ لِنُقِیْمَکَ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا یَحْمَدُکَ الْخَلَائِقُ کُلُّھُمْ وَخَالِقُھُمْ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی" (تفسیر ابن کثیر جلد ۶ صفحہ ۹۲) کہ عَسٰٓی اَنْ یَّبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا" کا مطلب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کہتا ہے یہ جو میں نے تجھے حکم دیا اس کو بجا لا۔ تا کہ میں تجھ کو قیامت کے دن مقام محمود پر کھڑا کروں تمام دنیا تیری حمد کرے گی اور خالق کون و مکاں (خدا تعالیٰ) نے بھی تیری حمد کریگا۔

(۴) قرآن مجید میں ہے وَیُحِبُّوْنَ اَنْ یُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ یَفْعَلُوْا (آل عمران ع ۱۹)

کر وہ چاہتے ہیں کہ ان کی بغیر کسی کام کرنے کے ہی تعریف کی جائے۔ علیٰ ہذا القیاس متعدد مثالیں ہیں جنکو بخوفِ تطویل درج نہیں کیا گیا۔

"حجر اسود منم"

حضرت فرماتے ہیں کہ خواب میں کسی شخص نے میرے پاؤں کو بوسہ دیا میں نے کہا کہ حجر اسود میں ہوں۔

جواب:۔ خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس کی تشریح فرمادی ہے:۔ "وَاِنِّیْ اَنَا الْحَجَرُ الْاَسْوَدُ الَّذِیْ وُضِعَ لَہُ الْقَبُوْلُ فِی الْاَرْضِ وَالنَّاسُ بِمَسِّہٖ یَتَبَرَّکُوْنَ" اس پر حاشیہ میں لکھتے ہیں "قَالَ الْمُعَبِّرُوْنَ اَنَّ الْمُرَادَ مِنَ الْحَجَرِ الْاَسْوَدِ فِیْ عِلْمِ الرُّؤْیَا اَلْمَرْءُ الْعَالِمُ الْفَقِیْہُ الْحَکِیْمُ" (الاستفتاء عربی ص۱۴)۔

کہ میں وہ حجر اسود ہوں جس کو خدا نے دنیا میں قبولیت دی ہے اور جس کو لوگ برکت حاصل کرنے کے لئے چھوتے ہیں۔ حاشیہ میں لکھتے ہیں کہ استادانِ فن تعبیر نے لکھا ہے۔ کہ علم رؤیا میں حجرِ اسود سے مراد عالم، فقیہہ اور حکمت والا انسان ہوتا ہے۔

گویا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس رؤیا کی تعبیر بھی فرمادی ہے۔

(۲) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علیؓ کو فرماتے ہیں:۔ "یَا عَلِیُّ اَنْتَ بِمَنْزِلَۃِ الْکَعْبَۃِ" (فردوس الاخبار دیلمی ورق ۳۱۲ باب ۱۱ب)

یعنی اے علی تو بمنزلہ کعبہ کے ہے۔

"ٹیچی ٹیچی"

سوال:۔ مرزا صاحب کا الہام ہے "ٹیچی ٹیچی"

جواب :۔ بالکل غلط ہے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ایسا کوئی الہام نہیں۔ ایک خواب ضرور ہے۔ جس میں حضور نے ایک آدمی دیکھا جو فرشتہ معلوم ہوتا تھا۔ اور اس نے اپنا نام "ٹیچی" بتایا۔ پنجابی زبان میں ٹیچی کے معنی ہیں "وقت مقررہ پر آنے والا" پس اس خواب کی تعبیر یہ تھی۔ کہ اللہ تعالےٰ حضرت مسیح موعودؑ کی بروقت امداد فرمائے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور جو مشکلات لنگر کے اخراجات کی نسبت اس خواب کے دیکھنے سے پہلے درپیش تھیں۔ وہ اس خواب کے بعد جلد ہی دور ہو گئیں۔ پس یہ کہنا کہ مرزا صاحب کو "ٹیچی ٹیچی" الہام ہوا محض شرارت ہے۔

سوال :۔ کیا "ٹیچی ٹیچی" بھی فرشتہ ہوتا ہے ؟

جواب :۔ اول تو جیسا کہ اوپر بتایا گیا ہے حضرت نے کہیں بھی تحریر نہیں فرمایا کہ وہ "فرشتہ" تھا۔ بلکہ اسے فرشتہ نما انسان قرار دیا ہے لیکن ذرا تم یہ بتاؤ کہ۔ کیا فرشتے کانے بھی ہوا کرتے ہیں ؟ بخاری میں ہے :۔ "عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اُرْسِلَ مَلَكُ الْمَوْتِ اِلٰی مُوْسٰی عَلَیْهِ السَّلَامُ۔ فَلَمَّا جَاءَهٗ صَکَّهٗ فَرَجَعَ اِلٰی رَبِّهٖ فَقَالَ اَرْسَلْتَنِیْ اِلٰی عَبْدٍ لَا یُرِیْدُ الْمَوْتَ فَرَدَّ اللّٰهُ عَلَیْهِ عَیْنَهٗ وَقَالَ ارْجِعْ فَقُلْ لَهٗ یَضَعُ یَدَهٗ عَلٰی مَتْنِ ثَوْرٍ فَلَهٗ بِکُلِّ مَا غَطَّتْ بِهٖ یَدُهٗ بِکُلِّ شَعْرَةٍ سَنَةٌ قَالَ اَیْ رَبِّ ثُمَّ مَاذَا قَالَ الْمَوْتُ" (بخاری کتاب الصلوٰة باب من احب الدفن فی الارض المقدسة جلد ۱ صفحہ ۱۵۳)

مطبع الميمنيه مصر - نيز مشكوٰة باب بدء الخلق وذكر الانبياء وصفحہ ۵۱۵ اصح المطابع) اس کا ترجمہ "تجرید البخاری اردو" شائع کردہ مولوی فیروزالدین اینڈ سنز لاہور سے نقل کیا جاتا ہے :-

"حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ کہ ملک الموت حضرت موسےٰؑ کے پاس بھیجا گیا۔ جب وہ آیا۔ تو حضرت موسےٰؑ نے اسے ایک طمانچہ مارا جس سے اس کی ایک آنکھ پھوٹ گئی۔ پس وہ اپنے پروردگار کے پاس لوٹ گیا۔ اور عرض کی کہ تو نے مجھے ایسے بندے کے پاس بھیجا جو مرنا نہیں چاہتا۔ اللہ نے اس کی آنکھ دوبارہ عنایت کی۔ اور ارشاد ہوا۔ پھر جا کر ان سے کہو کہ وہ اپنا ہاتھ ایک بیل کی پیٹھ پر رکھیں۔ پس جسقدر بال ان کے ہاتھ کے نیچے آئیں گے۔ ہر بال کے عوض میں انہیں ایک ایک سال زندگی دی جائے گی۔ حضرت موسےٰؑ بولے اے پروردگار! پھر کیا ہوگا! اللہ نے فرمایا پھر موت آئیگی جس پر موسےٰ علیہ السلام نے کہا تو پھر ابھی سہی" (تجرید البخاری اردو جلد ۱ صفحہ ۲۵۱) بھلا "ٹیچی" تو محض نام ہے۔ تم تو عملاً عزرائیلؑ کو بھی کانا مانتے ہو۔

(۲) حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یہ نہیں فرمایا کہ وہ فرشتہ تھا بلکہ فرمایا ہے کہ "فرشتہ معلوم ہوتا تھا" (مکاشفات صفحہ ۳۸) نیز خواب میں جو اس فرشتہ نما انسان نے اپنا نام بتایا ہے وہ صرف "ٹیچی" ہے۔ مگر تم محض شرارت سے "ٹیچی ٹیچی" کہتے ہو۔ جو یہود کی مثل يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَن مَّوَاضِعِهِ کا مصداق بننا ہے۔

عزرائیل کو طمانچہ مار کر کانا کرنے کی حدیث بخاری جلد ۲ صفحہ ۱۵۴
کتاب بدء الخلق باب وفات موسیٰ ؑ وذکرہ بعدہٗ۔ نیز مسلم جلد ۲ صفحہ ۲۱۵
مطبع العامرہ مصری کتاب الفضائل باب فضائل موسیٰ ؑ نیز مشکوٰۃ صفحہ ۴۹۹
مطبع حیدری باب بدء الخلق ذکر الانبیاء فصل الاوّل میں بھی موجود ہے۔

(۳) حضرت مسیح موعود ؑ نے اس کا ترجمہ بتایا ہے "ٹیچی پنجابی زبان میں "وقت مقررہ" کو کہتے ہیں۔ یعنی عین ضرورت کے وقت آنے والا" (حقیقۃ الوحی صفحہ ۳۳۲)

(۴) اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ وہ کوئی فرشتہ تھا تو اس پر کیا اعتراض ہے۔ یہ تو ایک صفاتی نام ہے۔ نبی کی اپنی زبان (پنجابی) میں گویا خدا تعالےٰ نے الہام کیا ہے۔ اور تم اس پر ہنستے ہو اور مذاق اڑاتے ہو۔ اگر نبی کی اپنی زبان میں الہام نہیں ہوتا تو اس پر اعتراض کرتے ہو۔ کہ غیر زبان میں الہام کیوں ہوا۔ خدا تعالےٰ نے تم کو اسی کشف کے ذریعہ سے ملزم اور ماخوذ کیا ہے۔ کہ تمہاری پنجابی زبان تو ایسی زبان ہے۔ کہ غالباً اس کے اکثر حصہ پر مذاق ہی مذاق اڑایا جا سکتا ہے۔ اسی لئے عام طور پر خدا تعالےٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو افصح الالسنہ (عربی) میں الہام کیا۔ کیونکہ ضرورت زمانہ اور ملہم کی فطرتی پاکیزگی مقتضی تھی۔ کہ فصاحت اور بلاغت کا معجزہ اسے دیا جاتا۔ مگر پنجابی زبان اس کی متحمل نہ ہو سکتی تھی۔ اس لئے آپ کو الہامات کا اکثر حصہ عربی زبان میں ہوا

(۵) باقی رہا تمہارا کہنا کہ اس نے جھوٹ بولا۔ اور پہلے کہا میرا کوئی نام

نہیں، اور بعد میں دوبارہ پوچھنے پر اپنا نام بتایا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ "ٹیچی" جیسا کہ بیان ہوا۔ اس کا ذاتی نام (عَلَم) نہیں۔ بلکہ صفاتی نام ہے۔ گویا نفی ذاتی نام کی ہے۔ اور اثبات صفاتی کا۔ جب اس نے کہا کہ میرا کوئی نام نہیں، تو اس نے اپنے ذاتی نام (یعنی عَلَم) کی نفی کی، اور جب اس کو کہا گیا کہ "کچھ" تو بتاؤ۔ تو اس نے اپنی ڈیوٹی (یعنی وقت پہ پہنچ کر مدد کرنا) کو مدنظر رکھ کر اپنا صفاتی نام بتا دیا۔ اب اس کو جھوٹ کہنا انہی لوگوں کا کام ہو سکتا ہے۔ جو انبیاء کو بھی جھوٹ بولنے کا عادی قرار دیا کرتے ہیں۔ گویا ہر بات میں ان کو جھوٹ ہی نظر آتا ہے۔ (اس کی تفصیل آگے آئیگی)

(۶) بخاری شریف کے پہلے باب کی دوسری حدیث میں ہے "قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلعم اَحْیَانًا یَأْتِیْنِیْ مِثْلَ صَلْصَلَۃِ الْجَرَسِ" کہ اکثر دفعہ فرشتہ وحی لے کر ٹن ٹن ٹلی کی آواز کی طرح آتا تھا۔ یہ اب "ٹن ٹلی" کوئی فرشتہ نہیں۔ بلکہ اس کی آمد کی کیفیت بیان کی ہے۔ اسی طرح یہاں بھی "ٹیچی" اس کی صفت ہے۔

(۷) ہاں فرشتوں کے نام "صفاتی بھی" ہوتے ہیں۔ جو ان کے ذاتی نام (عَلَم) کے سوا ہوتے ہیں۔ حدیث میں ہے "اسم جبرئیل عبد اللّٰہ واسم میکائیل عبید اللّٰہ واسم اسرافیل عبد الرحمٰن (دیلمی صفحہ ۵۵) باب الالف، راوی ابو امامہ رضی، آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ جبرائیل کا نام عبداللہ ہے۔ اور حضرت میکائیل کا نام عبیداللہ۔ اور حضرت اسرافیل کا نام عبدالرحمٰن ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ فرشتوں کے صفاتی نام بھی ہوتے ہیں۔ جو ان کی ڈیوٹیوں کے اعتبار سے لگائے گئے ہیں۔ اب

حضرت جبرائیلؑ کا نام آنحضرت صلعم نے "عبد اللہ" بتایا ہے۔ اگر کوئی از راہِ تمسخر شرارت سے حضرت جبرائیلؑ کے متعلق یہ کہے کہ "میاں عبد اللہ" یہ وحی لایا۔ تو جو جواب تمہارا۔ سو وہی ہمارا سمجھ لو۔

"کمنزین کا بیڑا غرق ہو گیا"! (البشریٰ جلد ۲)

یہ مرزا صاحب کو اپنے متعلق الہام ہوا۔

جواب:۔ تم دھوکہ سے کام لیتے ہو۔ "البشریٰ" جس میں یہ الہام درج ہے۔ اس کے آگے ہی تشریح بھی موجود ہے "کمنزین کا بیڑا غرق ہو گیا" (یعنی کسی کے قول کی طرف اشارہ ہے۔ یا شاید کمنزین سے مراد کوئی شریر مخالف ہے) (البشریٰ جلد ۲ صفحہ ۱۲۰) تم "لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوۃَ" تو پڑھتے ہو۔ مگر "وَاَنْتُمْ سُکَارٰی" ہضم کر جاتے ہو۔ کچھ تو لوگو خدا سے شرماؤ۔

"میں سوتے سوتے جہنم میں پڑ گیا"

جواب:۔ "وَاَنْتُمْ سُکَارٰی" بھی پڑھو۔ لکھا ہے "اس وحی کے بعد ایک ناپاک روح کی آواز آئی۔ میں سوتے سوتے جہنم میں پڑ گیا۔" (البشریٰ جلد ۲ صفحہ ۹۵)

گویا تمہارے جیسی ناپاک روح کے متعلق ہے۔ جو حضرت مسیح موعود کی مخالفت میں خدا تعالیٰ کے عذاب سے بے خبر ہے۔ اور اسی حالت نیند میں ہی اپنے لئے سامانِ جہنم بہم پہنچا رہی ہے۔ واقعہ یوں ہے کہ حضرت کا اپنے متعلق الہام ہے:۔

"خوش باش کہ عاقبت نکو خواہد بود" (البشریٰ جلد ۲ صفحہ ۹۵)

(۲) اس الہام کو حضرت اقدس نے اس زلزلہ کے متعلق قرار دیا ہے جو ۳۱ مئی ۱۹۳۵ء کو کوئٹہ میں موسم بہار کے آخری دن (الوصیت ص۱۳ حاشیہ) میں آیا۔ جبکہ رات کو لوگ غفلت کی نیند سوتے تھے۔ مگر بعض بدکاروں کی بداعمالیوں کے باعث زلزلۂ قیامت بن کر ان کو ہلاک کر دیا۔ اور ان میں سے ناپاک روحیں سوتے سوتے داخل جہنم ہوئیں (مرنے والوں میں سے کئی نیک بھی تھے۔ جیسا کہ طوفانِ نوح میں غرق ہونے والوں میں شیرخوار بچے عورتیں اور جانور بھی شامل تھے) چنانچہ حضرت اپنے اشتہار ۱۸ اپریل ۱۹۰۵ء متعلقہ زلزلہ مذکور میں تحریر فرماتے ہیں:۔ "جب خدا تعالیٰ اس وحی کے الفاظ میرے دل پر نازل کر چکا تو ایک روح کی آواز میرے کان میں پڑی جو ایک ناپاک روح تھی اور میں نے اس کو یہ کہتے سنا۔ "میں سوتے سوتے جہنم میں پڑ گیا۔ (دیکھو اشتہار ۱۸ اپریل ۱۹۰۵ء بعنوان "الانذار" آخری صفحہ)۔ پس اس الہام میں یہ بتایا گیا کہ وہ زلزلہ رات کو آئیگا۔ جبکہ بعض بدکار سوتے سوتے داخل جہنم ہو جائینگے۔ (تذکرہ ص۴۹۲)

"ہم مکہ میں مرینگے یا مدینہ میں"

جواب:۔ اس کی حضرت مسیح موعود نے خود یہ تشریح فرمائی ہے:۔

یعنی خائب و خاسر کی طرح تیری موت نہیں ہے اور یہ کلمہ کہ ہم مکہ میں مرینگے یا مدینہ میں۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ قبل از موت مکی فتح نصیب ہوگی۔ جیسا کہ وہاں کے دشمنوں کو قہر کے ساتھ مغلوب کیا گیا تھا۔ اسی طرح یہاں بھی دشمن قہری نشانوں سے مغلوب کئے جائینگے۔ دوسرے یہ معنی ہیں کہ قبل از موت مدنی

فتح نصیب ہو گی۔ خود بخود لوگوں کے دل ہماری طرف مائل ہو جائینگے فقرہ کتب اللہ لاغلبن انا ورسلی مکہ کی طرف اشارہ کرتا ہے اور فقرہ سلاماً سلاماً مدینہ کی طرف (البشری جلد ۲ صفحہ ۱۰۶ و تذکرہ صفحہ ۵۲۶ و الحکم جلد ۱۰ صفحہ ۲)

خاکسار پیپرمنٹ

کیا پیپرمنٹ بھی بولتا ہے؟

الجواب:۔ یہ حضرت کا کشف ہے۔ آپ کو ایک شیشی دکھائی گئی جس کے لیبل پر لکھا تھا "خاکسار پیپرمنٹ" جس کا مطلب یہ تھا کہ اس بیماری کا جس میں آپ اس وقت مبتلا تھے علاج پیپرمنٹ ہے۔ (تذکرہ صفحہ ۴۸۶) پیپرمنٹ تو نہیں بولا۔ مگر تم ذرا بخاری میں پڑھو جہاں لکھا ہے کہ حضرت موسیٰ ننگے نہا رہے تھے کہ پتھر جس پر آپ نے کپڑے رکھے ہوئے تھے۔ آپ کے کپڑے لیکر بھاگ گیا۔ آپ اس کے پیچھے دوڑے اور اسے پکڑ کر سوٹیاں ماریں۔ حضرت ابو ہریرہ رضہ فرماتے ہیں۔ خدا کی قسم اب تک اس پتھر پر حضرت موسیٰ کی سوٹیوں کے نشان موجود ہیں۔ فذھب مرۃ یغتسل فوضع ثوبہ علی حجر ففر الحجر بثوبہ فخرج موسیٰ فی اثرہ یقول ثوبی یا حجر ثوبی یا حجر۔ (بخاری کتاب الصلوٰۃ باب من اغتسل عریاناً جلد ۱ صفحہ ۴۲ مطبوعہ الوہبیہ مصری نیز مشکوٰۃ مجتبائی صفحہ ۵۰۶ باب بدء الخلق و ذکر الانبیاء) کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک مرتبہ نہانے گئے۔ اور اپنے کپڑے اتار کر آپ نے ایک پتھر پر رکھے۔ پس وہ پتھر بھاگ گیا۔ اور موسیٰ علیہ السلام اس کے پیچھے ننگے بھاگے۔ بھاگتے جاتے تھے اور کہتے جاتے تھے۔

"اے پتھر! میرے کپڑے دے جا۔ او پتھر میرے کپڑے دے جا۔ تمہارے ہاں پتھر کپڑے اٹھا کر بھاگ سکتا ہے۔ مسجد نبویؐ کا شہتیر اور یعفور گدھا باتیں کر سکتے ہیں۔ لیکن اگر ہمارے ہاں عالم کشف میں کسی شیشی پر خاکسار پیپرمنٹ" لکھا ہوا مل جاتے تو اس پر بھی اعتراض کر دیتے ہو۔ حالانکہ اسمیں کوئی قابل اعتراض بات نہیں۔ یہ ایک کشفی نظارہ ہے۔ جس میں علاج کی طرف توجہ دلائی گئی ہے اور ظاہر ہے۔ کہ اس میں کوئی امر محل اعتراض نہیں۔ کیونکہ لکھا ہے۔ کہ تمام علم طب اور علم تاثیر الادویہ الہامی ہے۔ ملاحظہ ہو۔

" قَدْ ثَبَتَ اَنَّ عِلْمَ الطِّبِّ وَمَنَافِعَ الْاَدْوِیَةِ وَمَضَارِّهَا اِنَّمَا عُرِفَتْ بِالْوَحْیِ"۔ (نبراس ص۲۷)

کہ یہ امر ثابت ہو گیا ہے کہ علم طب۔ ادویہ کے فوائد اور نقصانات محض وحیٔ الٰہی سے معلوم ہوئے ہیں۔ فلا اعتراض۔

"اُفْطِرُ وَ اَصُوْمُ"

جواب :- حضرت مسیح موعود علیہ السلام اس کی تشریح فرماتے ہیں: "ظاہر ہے کہ خدا روزہ رکھنے اور افطار کرنے سے پاک ہے اور یہ الفاظ اپنے اصلی معنوں کی رو سے اس کی طرف منسوب نہیں ہو سکتے۔ پس یہ صرف ایک استعارہ ہے۔ اور اس کا اصل مطلب یہ ہے کہ کبھی میں اپنا قہر نازل کرونگا۔ اور کبھی کچھ مہلت دونگا۔ اس شخص کی مانند جو کبھی کھاتا ہے۔ اور کبھی روزہ رکھ لیتا ہے اور اپنے تئیں کھانے سے روکتا ہے اور اس قسم کے استعارے خدا کی کتابوں میں بہت ہیں۔ جیسا کہ ایک حدیث میں لکھا ہے" کہ قیامت کو خدا کہیگا۔ کہ میں بیمار تھا۔ میں بھوکا تھا۔ ننگا تھا"۔ (حقیقۃ الوحی ص۱۰۲)

(۲) پھر فرماتے ہیں: "میں اپنے وقتوں کو تقسیم کر دونگا - کہ کچھ حصہ برس کا تو میں افطار کرونگا یعنی طاعون سے لوگوں کو ہلاک کرونگا - اور کچھ حصہ برس کا میں روزہ رکھونگا - یعنی امن رہیگا اور طاعون کم ہوجائیگی - یا بالکل نہیں رہیگی"

(دافع البلاء - صفحہ ۸ نیز دیکھو تذکرہ صفحہ ۳۹۵ حاشیہ ۱ د ب)

(۳) وہ حدیث جس کا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے حوالہ دیا ہے مسلم میں ہے -

"عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ یَقُوْلُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ یَا ابْنَ اٰدَمَ مَرِضْتُ فَلَمْ تَعُدْنِیْ ..... یَا ابْنَ اٰدَمَ اسْتَطْعَمْتُكَ فَلَمْ تُطْعِمْنِیْ ..... یَا ابْنَ اٰدَمَ اسْتَسْقَیْتُكَ فَلَمْ تَسْقِنِیْ"۔

(مسلم عیادۃ المریض)

حضرت ابوہریرہ رضہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ قیامت کو کہیگا - اے ابن آدم! میں بیمار تھا - تو نے میری تیمارداری نہ کی - اے ابن آدم! میں نے تجھ سے کھانا مانگا - تو نے مجھے کھانا نہ کھلایا ... اے ابن آدم! میں نے تجھ سے پانی مانگا - مگر تو نے مجھے نہ پلایا" - الخ (بحوالہ ریاض الصالحین صفحہ ۲۰۵ مصری) پس خدا بیمار ہو سکتا ہے - بھوکا پیاسا ہو سکتا ہے - مگر روزہ نہیں رکھ سکتا؟

"اُخْطِیْ وَاُصِیْبُ"

جواب: - حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس کی مندرجہ ذیل تشریح فرمائی ہے - "اپنے ارادہ کو کبھی چھوڑ بھی دونگا - اور کبھی ارادہ پورا کرونگا ... جیسا کہ احادیث میں لکھا ہے کہ میں مومن کے قبض روح کے وقت تردد میں پڑتا ہوں حالانکہ

خدا تردد سے پاک ہے - اس کے یہ معنی ہیں کہ کبھی میں اپنی تقدیر اور ارادہ کو منسوخ کر دیتا ہوں - اور کبھی وہ ارادہ جیسا کہ چاہا ہوتا ہے"۔

(حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۰۳ حاشیہ)

(۲) وہ حدیث جس کی طرف حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اشارہ فرمایا ہے - بخاری میں ہے۔ "وَمَا تَرَدَّدْتُ عَنْ شَيْءٍ اَنَا فَاعِلُهٗ تَرَدُّدِيْ عَنْ نَفْسِ الْمُؤْمِنِ"۔ (بخاری کتاب الرقاق باب التواضع جلد ۴ صفحہ ۸۰ مصری)

خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے کسی چیز کے متعلق کبھی اتنا تردد نہیں کیا جتنا ایک مومن کی روح قبض کرنے کے وقت مجھے تردد ہوتا ہے"۔

کرمھائے تو مارا کرد گستاخ

یہ حضرت مرزا صاحب کا الہام ہے مگر حضرت مرزا محمود احمد صاحب فرماتے ہیں۔ "نادان ہے وہ شخص جس نے کہا کرم ہائے تو مارا کرد گستاخ۔ کیونکہ خدا کے فضل انسان کو گستاخ نہیں کرتے اور سرکش نہیں بناتے بلکہ اور زیادہ شکر گزار اور فرمانبردار بناتے ہیں"۔ (الفضل ۲۳ جنوری ۱۹۱۷ء)

الجواب:۔ یہ الہام تو ہے مگر حکایتاً عن الغیر خدا کا کلام ہے جس طرح قرآن کریم میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق ہے۔ ءَاِنَّا لَتَارِكُوْا اٰلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُوْنٍ نیز سَاحِرٌ كَذَّابٌ۔ وغیرہ۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا خدا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو مخاطب کر کے کہہ رہا ہے کہ "کرمھائے تو مارا کرد گستاخ" (نعوذ باللہ) یا کیا حضرت مسیح موعود علیہ السلام خدا کو کہہ رہے ہیں؟ ظاہر ہے کہ یہ دونوں صورتیں باطل ہیں لفظ "ما" ایک جماعت کو چاہتا ہے۔ جس کا یہ قول حکایتہً نقل ہوا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ جماعت جماعتِ مومنین

نہیں" کیونکہ خدا کے فضل انسان کو گستاخ نہیں بناتے"۔ پس یہ وہی لوگ ہیں جن کے متعلق حضرت کا ایک دوسرا الہام ہے کہ شَرُّ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْہِمْ (کہ شرارت ان لوگوں کی جن پر تو نے انعام کیا) پس یہ اہل پیغام ہیں جنہوں نے حضرت کی مہربانیوں اور لطف و کرم کا نتیجہ گستاخی اور استخفاف سے دیا۔ اور حضرت اور حضرت کے اہل بیت کے دشمن ہو گئے بمطابق الہام "سَیَقُوْلُ الْعَدُوُّ لَسْتَ مُرْسَلًا"۔ (کہ دشمن کہیگا کہ تو رسول نہیں) حضرت کا ایک اور شعر بھی ہے ؎

وَمِنْ عَجَبٍ اُشَرِّ فُکُمْ وَاَدْعُوْا
وَمِنْکَ الْمَشْرَفِیَّۃُ وَالرِّمَاحُ

کہ تعجب ہے کہ میں تمہاری عزت کرتا اور تمہیں بلاتا ہوں۔ مگر تمہاری طرف سے نیزے اور تیر ہیں۔

"خیراتی"

مرزا صاحب کے پاس ایک فرشتہ آیا جس کا نام "خیراتی رام" تھا۔

الجواب:۔ لَعْنَۃُ اللّٰہِ عَلَی الْکَاذِبِیْنَ۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ہرگز "خیراتی رام" نہیں لکھا۔ بلکہ ایک فرشتے کا بحالت رؤیا آنے کا ذکر فرمایا ہے۔ جس نے اپنا نام "خیراتی" بتایا۔ آگے یہ تمہارا کام ہے کہ تم "لَیًّا بِاَلْسِنَتِہِمْ" والی آیت کے مطابق اپنے پاس سے الفاظ کو بگاڑ کے کچھ کا کچھ بنا دو۔ جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن "رَاعِنَا" کو رَاعِیْنَا کر کے پکارتے تھے۔

باقی رہا فرشتے کا نام تو درحقیقت یہ لفظ "خیراتی"۔ ہندی۔ پنجابی یا اردو کا نہیں بلکہ عربی کا لفظ ہے جو خَیْرَاتِیْ ہے۔ جو خَیْرٌ سے نکلا ہے۔ جس کے

معنی ہیں نیکیوں والا "ی" نسبتی ہے۔ یہ اس فرشتے کا صفاتی نام ہے۔ چنانچہ ہمارے مندرجہ بالا معنوں کی تائید حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی مندرجہ ذیل تحریر سے ہوتی ہے۔

"اتنے میں تین فرشتے آسمان سے آئے ایک کا نام ان میں سے خیراتی تھا ..... تب میں نے ان فرشتوں ..... کو کہا کہ آؤ میں ایک دعا کرتا ہوں تم آمین کرو۔ تب میں نے یہ دعا کی کہ رَبِّ اَذْهِبْ عَنِّي الرِّجْسَ وَطَهِّرْنِي تَطْهِيرًا اس کے بعد وہ تینوں فرشتے آسمان کی طرف اُٹھ گئے۔ اور میری آنکھ کھل گئی اور آنکھ کھلتے ہی میں نے دیکھا کہ ایک طاقتِ بالا مجھ کو ارضی زندگی سے بلندتر کھینچ کرے گئی اور وہ ایک ہی رات تھی جس میں خدا نے تمام و کمال میری اصلاح کر دی۔ اور مجھ میں وہ تبدیلی واقع ہوئی جو انسان کے ہاتھ سے یا انسان کے ارادہ سے نہیں ہو سکتی۔"

(تریاق القلوب تقطیع کلاں صفحہ ۹۴/۹۵ شائع کردہ بکڈپو ۱۹۲۰ء)

حضرت کا یہ رویاء ۱۸۷۴ء یعنی ماموریت سے پہلے کا ہے۔

تم تو دو فرشتوں کے قائل ہو۔ جو ہر وقت انسان کے ساتھ رہتے ہیں۔ ایک نیکیوں والا اور دوسرا بدیوں والا۔ پھر اعتراض کیوں؟

"جے سنگھ بہادر"

جواب:۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ خدا کے طاقتور شیر کو فتح نصیب ہو گی۔ اور "غلام احمد کی جے" کے نعرے بلند ہونگے۔ جیسا کہ حضرتؑ نے ایک دوسری جگہ فرمایا ہے۔

لوائے ما پنہ ہر سعید خواہد بود ندائے فتح نمایاں بنام ما باشد

اور دشمن کو بتایا گیا ہے۔ کہ وہ ناکام رہے گا۔ ع

ہاتھ شیروں پر نہ ڈال اے روبہ زار و نزار

باقی لفظ جے سنگھ بہادر پر مذاق اڑانا ایسی ہی جہالت ہے۔ جیسے کوئی شخص خدا کے متعلق گاڈ یا پرمیشور کا لفظ سنکر اس پر مذاق اڑائے۔

گورنر جنرل

جواب :۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام تحریر فرماتے ہیں :۔

"مسیح جس کا دوسرا نام مہدی ہے دنیا کی بادشاہت سے ہرگز حصہ نہیں پائیگا۔ بلکہ اس کیلئے آسمانی بادشاہت ہوگی۔ اور یہ جو حدیثوں میں آیا ہے۔ کہ مسیح حکم ہو کر آئیگا اور وہ اسلام کے تمام فرقوں پر حاکم عام ہوگا۔ جس کا ترجمہ انگریزی میں گورنر جنرل ہے۔ سو یہ گورنری اس کی زمین کی نہیں ہوگی بلکہ ضرور ہے کہ وہ حضرت عیسٰی بن مریم کی طرح غربت اور خاکساری سے آوے۔ سو ایسا ہی وہ ظاہر ہوا۔" (تریاق القلوب تقطیع کلاں صـ۹ و مطبوعہ بک ڈپو صـ۱۵)

آریوں کا بادشاہ

جواب :۔ کیا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو "سیّد ولدِ آدم" یعنی تمام انسانوں کا بادشاہ نہیں مانتے۔ کیا آریہ انسان نہیں؟ تو گویا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم آریوں۔ دہریوں۔ عیسائیوں۔ یہودیوں غرضیکہ سب کے بادشاہ ہیں۔

(۲) کیا کسی قوم کا بادشاہ ہونے کا مطلب یہ ہے۔ کہ بادشاہ کا بھی وہی مذہب ہے۔ جو رعایا کا ہو؟ کیا جارج پنجم آریوں کا بادشاہ نہیں۔ تو کیا وہ بھی آریہ ہے؟ اورنگ زیب کیا ہندوؤں کا بادشاہ نہ تھا؟ تو کیا وہ بھی ہندو تھا؟ بادشاہ کی رعایا میں مومن بھی ہوتے ہیں۔ اور کافر بھی شریف لوگ بھی ہوتے ہیں۔ اور بدمعاش بھی۔

وہ سب کا بادشاہ ہوتا ہے۔ آخر انسانوں میں بدمعاش بھی تو شامل ہیں۔ پھر "اَنَا سَیِّدُ وُلْدِ اٰدَمَ" جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں تمام انسانوں کا سردار ہوں۔ تو اس کا کیا مطلب ہوا؟ خدارا اعتراض کرتے وقت کبھی خدا کا خوف بھی دل میں رکھا کرو۔

اِنِّیْ بَایَعْتُکَ بَایَعَنِیْ رَبِّیْ

الحکم جلد ۶ صث

خدا نے مرزا صاحب کی بیعت کی (نعوذ باللہ) البشریٰ میں اس کا یہی ترجمہ لکھا ہے۔ کہ "میں نے تیری بیعت کی۔"

الجواب:۔ بابو منظور الٰہی صاحب کا ترجمہ مندرجہ البشریٰ بالکل غلط ہے۔ نہ جماعت احمدیہ پر حجت ہے۔ بلکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ترجمہ کے بالمقابل کچھ حیثیت نہیں رکھتا حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنی کتاب دافع البلاء کے صث پر اس الہام کا ترجمہ یوں فرماتے ہیں۔

"میں نے تجھ سے ایک خرید و فروخت کی ہے ... تو بھی اس خرید و فروخت کا اقرار کر اور کہدے۔ کہ خدا نے مجھ سے خرید و فروخت کی۔ (نیز دیکھو تذکرہ صـ ۳۹۷)

(۲) اس الہام میں خدا کے ساتھ اس خرید و فروخت کا ذکر ہے۔ جو قرآن مجید کی اس آیت میں مذکور ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ بِاَنَّ لَھُمُ الْجَنَّۃَ (پ۱۱ ع۲) کہ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کے ساتھ ایک سودا کیا ہے۔ اور وہ یہ کہ خدا نے ان کے مال اور جانیں خرید لی ہیں اور ان کے بدلہ

میں ان کو جنت دی ہے۔

"اَسْھَرُ وَاَنَامُ"

جواب:۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس کے متعلق یہی فرمایا ہے کہ خداتعالےٰ سونے سے پاک ہے۔ مطلب اس الہام سے یہ ہے۔ کہ خداتعالیٰ بعض گنہگاروں سے چشم پوشی کرتا ہے۔ اور بعض دفعہ سزا بھی دیتا ہے۔ خداتعالیٰ کے متعلق بھوکا رہنے کھانے پینے کپڑا پہننے ننگا رہنے وغیرہ کے اگر استعارات استعمال ہو سکتے ہیں (جیسا کہ ہم مسلم کی حدیث کے حوالہ سے "افطر و اصوم" کے جواب میں بیان کر آئے ہیں) تو سونے جاگنے کا استعارہ کیوں استعمال نہیں ہو سکتا؟ (ﷺ پاکٹ بک ہذا)

اِصْبِرْ سَنَفْرُغُ یَا مِرْزَا (مکاشفات ص۲۸)

کہ مرزا صبر کر ہم ابھی فارغ ہوتے ہیں۔

جواب:۔ ہاں خداتعالیٰ کبھی یہ بھی فرمایا کرتا ہے۔ کہ اے بندو! ابھی ہم فارغ ہوتے ہیں قرآن مجید میں ہے۔ سَنَفْرُغُ لَکُمْ اَیُّھَا الثَّقَلٰنِ (رحمٰن ع۲) اے دو مخلوقو! یعنی جنو! اور انسانو! ہم عنقریب تمہارے لئے فارغ ہوں گے۔ فلا اعتراض

نوٹ:۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الہام میں لفظ "لک" نہیں ہے۔ اس لئے اس میں تہدید کا پہلو نہیں ہے۔ نیز لفظ "اِصْبِرْ" اس بات کی دلیل ہے۔ کہ یہ کلام تسکین دہی کی غرض سے ہے۔ پس

مولوی محمد علی امیر پیغام کی کتاب بیان القرآن کا حوالہ قابل اعتنا نہیں اور نہ ہم پر حجت ہے۔

قرآن خدا کا کلام اور میرے منہ کی باتیں ہیں

جواب:۔ یہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا الہام ہے۔ کہ خدا تعالےٰ فرماتا ہے۔ قرآن مجید میرے منہ کی باتیں ہیں الہام میں صیغہ غائب سے صیغہ متکلم کی طرف تشریحاً تبدیلی ہوتی ہے۔ جیسا کہ خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جو ملہم ہیں اس کی تشریح فرمادی ہے۔

سوال پیش ہوا کہ الہام الٰہی (قرآن خدا کا کلام اور میرے منہ کی باتیں ہیں۔خادم) میں میرے کی ضمیر کس کی طرف پھرتی ہے؟ یعنی کس کے منہ کی باتیں؟

فرمایا:۔ خدا کے منہ کی باتیں اس طرح کے اختلاف ضمائر کی مثالیں قرآن شریف میں موجود ہیں۔ بدر جلد ۶ ع ۲۸ ؍ ۱۱ جولائی ۱۹۰۷ء صـ ۶) چنانچہ بعینہٖ اس طرح (۱) "اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ" میں پہلے سب غائب کے صیغے ہیں اور پھر یکدم صیغہ حاضر شروع ہوجاتا ہے۔ کیا خدا تعالےٰ نعوذ باللہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو مخاطب کر کے فرما رہا ہے۔ کہ "ایاك نعبد" ہرگز نہیں۔ فلا اعتراض۔

(۲) قرآن مجید میں ہے "وَاللّٰهُ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ الرِّیٰحَ فَتُثِیْرُ سَحَابًا فَسُقْنٰهُ اِلٰی بَلَدٍ مَّیِّتٍ"۔ (فاطر ع ۲)

اور اللہ ہے جو بھیجتا ہے۔ ہوائیں جو بادلوں کو اٹھاتی ہیں پس ہم اس کو ہانک لاتے ہیں۔ مردہ بستی کی طرف۔

اس آیت میں پہلے تو اللہ تعالیٰ کا ذکر بصیغہ غائب کیا گیا ہے۔ مگر اسی آیت میں آگے چل کر یکدم سُقْنا صیغہ متکلم شروع ہو گیا ہے۔ کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ بادل آلودہ ہواؤں کو اٹھاتا تو اللہ تعالیٰ ہے۔ مگر مردہ بستیوں کی طرف ان کو ہانک کر لانے والے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ (نعوذ باللہ)

(۳) وَالَّذِيْ نَزَّلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً بِقَدَرٍ فَاَنْشَرْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا (زخرف ع) اور وہ جس نے اندازہ کے مطابق آسمان سے پانی اتارا اور پھر ہم نے زندہ کیا اس سے مردہ بستی کو (۴) وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَاَخْرَجْنَا بِهٖ نَبَاتَ كُلِّ شَيْءٍ :۔ الخ (انعام ع ۱۲)

وہی ہے جس نے آسمان سے پانی اتارا پھر ہم نے اس میں سے ہر چیز کی سبزی نکالی!

(۶) قرآن مجید میں ہے:۔ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ" (آلِ عمران ع ۱۷) کہ اللہ تعالیٰ مومنوں کو اس حالت پر نہیں چھوڑے گا۔ جس پر کہ تم اب ہو۔ اس آیت میں "المومنین" مفعول بصورت صیغہ غیب ہے۔ مگر "اَنْتُمْ عَلَيْهِ" میں ان ہی "مومنین" کو ضمیر مخاطب سے ذکر کیا ہے۔ حالانکہ اگر معترض کا اسلوبِ بیان مدنظر ہوتا تو "عَلٰى مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ" کی بجائے "عَلٰى مَا هُمْ عَلَيْهِ" چاہیئے تھا۔ مگر صیغہ غائب کو اللہ تعالیٰ نے ایک ہی فقرہ میں

صیغۂ مخاطب میں تبدیل کر کے بتا دیا۔ کہ اللہ تعالیٰ کے کلام میں ایسا ہو جایا کرتا ہے۔ اور اس پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا۔ قرآن مجید میں اس اسلوب بیان کی بیسیوں مثالیں ہیں مگر انہی پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

انگریزی الہامات کی زبان پر اعتراض

مکتوبات جلد ا صفحہ ۶۸ پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ایک الہام بایں الفاظ شائع ہوا ہے۔ you have to go Amritsar (یو ہیو ٹو گو امرتسر) یعنی تمہیں امرتسر جانا ہوگا۔ اس پر اعتراض کیا گیا۔ کہ لفظ گو (go) اور امرتسر کے درمیان لفظ To (ٹو) چاہیئے تھا۔ یعنی عبارت اس طرح ہونی چاہیئے تھی۔ "you have to go To Amritsar" ۔ اس اعتراض کا جواب یہ ہے۔ کہ لفظ To کا اس الہام میں رہ جانا محض سہو کتابت کا نتیجہ ہے۔ اصل الہام سے مفقود نہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام خود اسی جگہ تحریر فرماتے ہیں۔

"فقرات کی تقدیم تاخیر کی صحت بھی معلوم نہیں۔ اور بعض الہامات میں فقرات کا تقدم تاخر بھی ہو جاتا ہے۔ اس کو غور سے دیکھ لینا چاہیئے۔" (مکتوبات جلد ا صفحہ ۶۸ و تذکرہ صفحہ ۱۱۹)

پھر فرماتے ہیں:-

"چونکہ یہ غیر زبان میں الہام ہے۔ اور الہام الٰہی میں ایک سرعت ہوتی ہے۔ اس لیئے ممکن ہے کہ بعض الفاظ کے ادا کرنے میں

کچھ فرق ہو۔ (حقیقۃ الوحی ص۳۰۴ حاشیہ)

اس امر کا ثبوت کہ لفظ "go" کے بعد لفظ "To" کا رہ جانا محض سہو کتابت سے ہے۔ یہ ہے کہ اس الہام سے قبل حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس الہام سے بالکل مشابہ ایک اور الہام ہو چکا ہے۔ جس میں لفظ "To" کو "go" کے بعد استعمال کیا گیا ہے۔ وہ الہام براہین احمدیہ حصہ چہارم ص۴۶۹ و ۴۷۰ پر حاشیہ ع۳ و تذکرہ ص۵۴) پر ہے۔

"Then will you go to Amritsar"

(دِین وِل یُو گو ٹُو امرتسر) یعنی تب تم امرتسر بھی جاؤ گے۔ اس الہام میں فقرہ go to Amritsar استعمال ہوا ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ ملہم (اللہ تعالیٰ) کو تو "go to" کا محاورہ معلوم ہوا تھا۔ مگر اس کے لکھنے میں سہو کتابت کے باعث لفظ "To" رہ گیا۔ اور اس قسم کا سہو اس قدر عام ہے۔ کہ اس کے لئے کسی دلیل کی ضرورت نہیں سمجھی جاتی۔ لیکن ہم نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایک دوسرے الہام کو بطور دلیل پیش کر کے یہ ثابت کر دیا ہے کہ معترضین کا اعتراض سراسر غلط ہے۔

لفظ "ضلع" کا استعمال انگریزی میں

مندرجہ بالا الہام سے اگلا الہام ہے :۔

"He halts in the zilla Peshawar"

کہ وہ ضلع پشاور میں قیام کرتا ہے۔ (تذکرہ صـــ۱۱۹)

اس الہام پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے۔ کہ انگریزی میں لفظ "ضلع" استعمال نہیں ہوتا

جواب:۔ غلط ہے انگریزی میں لفظ "ضلع" کا استعمال ہوتا ہے۔

(۱) آکسفورڈ ڈکشنری صـــ۱۰۵۰ پر ہے۔

Zillah - A demonstrative district

(۲) دی پبلک سروسز انکوائریز ایکٹ کی دفعہ ۸ میں دو دفعہ لفظ "ضلع" انگریزی میں استعمال ہوا ہے۔ دیکھو دی پنجاب کورٹس ایکٹ مرتبہ وشائع کردہ شمیر چند بیرسٹرایٹ لاء مطبوعہ ۱۹۳۳ء صـــ۸۳)

علاوہ ازیں آکسفورڈ ڈکشنری صـــ۹۳۳ پر لفظ "ضلع" موجود ہے۔

"بائی" بمعنی "ساتھ"

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک الہام ہے۔

God is coming by his army

دگاڈ از کمنگ بائی ہز آرمی) (تذکرہ صـــ۶۳)

یعنی خدا اپنی فوج کے ساتھ آرہا ہے۔

اس الہام پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے۔ کہ اس میں لفظ "بائی" کا استعمال درست نہیں۔ اس کی بجائے لفظ with (ودساتھ) استعمال ہونا چاہیئے تھا۔ اس اعتراض کا جواب یہ ہے۔ کہ یہ اعتراض انگریزی

زبان کے نہ جاننے کے باعث پیدا ہوتا ہے۔ کیونکہ انگریزی زبان میں لفظ "By" (بائی) "With" کے معنے میں استعمال ہوتا ہے۔ ثبوت کے لئے ملاحظہ ہو۔ انگلش ڈایالکٹ ڈکشنری مصنفہ جوزف رائٹ صفحہ ۴۶۹۔ اس میں لکھا ہے:۔

"By together with, in company with, I will go if you go by me, come along by me".

یعنی لفظ "بائی" کے معنی ہیں "ساتھ"۔ "ہمراہ" جیسا کہ کہتے ہیں۔ میں تب جاؤں گا۔ اگر تم بھی میرے ساتھ (بائی) جاؤ گے۔ تم میرے "ساتھ" آؤ۔

محولہ بالا ڈکشنری وہ ڈکشنری ہے۔ جس کے متعلق لکھا ہے۔ "Complete vocabulary of all English dialect".

کہ یہ انگریزی زبان کے تمام محاورات کا خزینہ ہے۔

علاوہ ازیں انگریزی کی سب سے بڑی ڈکشنری مصنفہ ویبسٹر (WEBSTER) جس کا نام ہے۔ "انٹرنیشنل ڈکشنری آف انگلش لینگواج" مطبوعہ ۱۹۰۷ء کے صفحہ ۲۸۲ پر لفظ Come کے نیچے لکھا ہے:۔

"Come.- by:- to pass" "by way of"

یعنی "کم بائی" کے معنی ہیں "بذریعہ" پس اس الہامی فقرہ کے معنے ہوں گے کہ اللہ تعالےٰ بذریعہ افواج آرہا ہے۔ یعنی خدا کا آنا بذریعہ افواج قاہرہ ہوگا۔

پس انگریزی زبان میں لفظ بائی "by" "with" کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ لہٰذا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا الہام انگریزی زبان کے لحاظ سے بالکل بامحاورہ اور درست ہے۔

"ایکسچینج بمعنی چینج"

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک الہام ہے۔

"Words of God can not exchange"

ورڈز آف گاڈ کین ناٹ ایکسچینج (تذکرہ ص۱۰۱ و ص۱۱۹) یعنی خدا کے الفاظ تبدیل نہیں ہوسکتے۔

اس پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے۔ کہ اس میں لفظ "Exchange" (ایکسچینج) لفظ "Change" (چینج) کے معنے میں استعمال ہوا ہے۔ حالانکہ بلحاظ قواعد اسلوب اہل زبان یہ لفظ change کے معنے میں استعمال نہیں ہوسکتا۔ اگر الہام میں لفظ ایکسچینج کی بجائے چینج ہوتا تو درست ہوتا۔

اس اعتراض کا جواب یہ ہے۔ کہ یہ شبہ بھی انگریزی زبان سے ناواقفیت کے باعث پیدا ہوا ہے۔ ورنہ انگریزی میں Exchange کا

لفظ change کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ انگریزی زبان کی مشہور اور مروج لغت آکسفورڈ ڈکشنری میں لفظ Exchange کے معنے change لکھے ہیں۔

علاوہ ازیں Murrey's Dictionary میں لفظ Exchange کے ماتحت لکھا ہے۔ کہ یہ لفظ change کے معنے میں استعمال ہوتا ہے۔ اور اس کے استعمال کے ثبوت میں بطور مثال یہ فقرہ لکھا ہے۔

"I return again just to the time, not with the time Exchanged" یعنی میں وقت مقررہ پر واپس آیا ہوں۔ تبدیل شدہ وقت پر نہیں۔ پس انگریزی زبان میں "ایکسچینج" کا لفظ "چینج" کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے الہام میں ہوا۔ [illegible] اعتراض کرنا انگریزی زبان سے ناواقفیت کا ثبوت ہے۔

ایک اور مفہوم

علاوہ ازیں ایکسچینج کا لفظ [illegible] طور پر Interchange کے معنے میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ اگر اس لحاظ سے الہام کے الفاظ کو دیکھا جائے تو الہام کے معنی یہ ہوں گے۔ کہ اللہ تعالیٰ کے الفاظ آپس میں بدل نہیں سکتے۔

مطلب یہ ہوگا۔ کہ اللہ تعالےٰ کا کلام اس قدر فصیح اور ابلغ ہوتا ہے۔ کہ اسکا ہر لفظ اپنی جگہ پر نہایت موزوں ہو کر بیٹھتا ہے۔ اور جو لفظ جہاں استعمال ہو۔ وہ وہاں اپنے صحیح معنے دیتا ہے۔ اور اگر کسی لفظ کو اپنی جگہ سے ہٹا کر اس کی جگہ دوسرا لفظ وہاں پر رکھا جائے۔ تو عبارت کا مفہوم بگڑ جائے گا۔ چنانچہ ہر اعلےٰ کلام کی یہ خصوصیت مسلّم ہے کہ اس کا ہر لفظ بامعنی اور برمحل ہوتا ہے۔ خصوصاً قرآن مجید کا علم رکھنے والے جانتے ہیں۔ کہ اس میں بلاغت کا یہ کمال اس قدر نمایاں ہے۔ کہ اگر اس کا ایک لفظ بھی بدل دیا جائے۔ تو آیت کا مفہوم اس قدر بگڑ جاتا ہے۔ کہ سیاق و سباق عبارت اس کا متحمل نہیں ہوسکتی

پس حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے الہام میں خواہ لفظ "ایکسچینج" کو "ٹیچ" کے معنی میں لیا جائے خواہ انٹرچینج Interchange کے معنے میں الہام کی زبان بالکل درست اور محاورہ اہل زبان کے عین مطابق ہے۔ اور اس پر اعتراض کرنے سے بجز اس کے کہ معترض کی اپنی علمی پردہ دری ہو۔ اور کچھ حاصل نہیں ہوسکتا

قابل تشریح الہامات

قرآن مجید میں حروف مقطعات کہیعص۔ طٰس۔ ن۔ ق یٰسین وغیرہ وغیرہ کے متعلق بھی مخالفین تمہاری طرح گول مول الہام ہونے کا مضحکہ اڑاتے ہیں۔

(۲) تمہارے ہی جیسے دشمنانِ حق نے حضرت شعیب سے بھی کہدیا تھا کہ تمہارے الہامات گول مول ہیں، جن کی ہمیں سمجھ نہیں آتی۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے یَا شُعَیْبُ مَا نَفْقَهُ کَثِیْرًا مِّمَّا تَقُوْلُ (هود ع ۸) کہ اے شعیب ہمیں اکثر باتوں کی جو تو کرتا ہے سمجھ نہیں آتی۔

(۳) حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ الاقتصاد فی الاعتقاد میں لکھتے ہیں۔

"قرآن مجید کے سب معانی سمجھنے کی ہمیں تکلیف نہیں دی گئی... ... مقطعات قرآنی ایسے حروف یا الفاظ ہیں۔ جو اہل عرب کی اصطلاح میں کسی معنے کے لئے موضوع نہیں"۔ (علم الکلام اردو ترجمہ الاقتصاد فی الاعتقاد صفحہ ۶۶)

(۴) حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث اپنی کتاب الفوز الکبیر میں قرآن مجید کی ان آیات کے متعلق جن میں تخصیص نہ ہو لکھتے ہیں۔ اجتہاد را دریں قسم دخلے ہست و تقصص متعددہ را آنجا گنجائش ہست (الفوز الکبیر صفحہ ۴۲) کہ اس کے الہامات میں اجتہاد کا راستہ کھلا ہے۔ اور کئی قصوں کی ان آیات کی تشریح پر شامل کئے جانے کی گنجائش ہے۔

(۵) وَقَوْلُهُ تَعَالٰی "الٓمّٓ" وَمَا يَجْرِيْ مَجْرَاهُ مِنَ الْفَوَاتِحِ فَقَوْلَانِ اِنَّ هٰذَا عِلْمٌ مَسْتُوْرٌ وَسِرٌّ مَحْجُوْبٌ اِسْتَأْثَرَهُ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی بِهٖ۔ قَالَ اَبُوْبَكْرِ الصِّدِّيْقُ فِیْ كُلِّ كِتَابٍ سِرٌّ وَسِرُّهٗ فِی الْقُرْاٰنِ اَوَائِلُ السُّوَرِ (تفسیر کبیر جلد

صفحہ ۲۲۷)

کہ "الٓمٓ" وغیرہ مقطعات کے متعلق دو قول ہیں۔

پہلا قول یہ ہے کہ یہ چھپا ہوا علم اور راز پس پردہ ہے۔ جس کا علم سوائے خدا کے اور کسی کو نہیں۔ اور حضرت ابوبکر صدیق نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالےٰ کا کوئی نہ کوئی بھید ہر کتاب میں ہوتا ہے۔ اور قرآن میں اس کا بھید قرآن مجید کی سورتوں کے ابتدائی مقطعات ہیں۔

(۶) لَا بُعْدَ فِی تَکَلُّمِ اللّٰہِ تَعَالٰی بِکَلَامٍ مُفِیْدٍ فِی نَفْسِہٖ لَا سَبِیْلَ لِاَحَدٍ اِلٰی مَعْرِفَتِہٖ۔ اَلَیْسَتْ فَوَاتِحُ السُّوَرِ مِنْ ھٰذَا الْقَبِیْلِ وَھَلْ یَجُوْزُ لِاَحَدٍ اَنْ یَقُوْلَ اِنَّہٗ کَلَامٌ غَیْرُ مُفِیْدٍ وَھَلْ لِاَحَدٍ سَبِیْلٌ اِلٰی دَرْکِہٖ۔" (السراج الوہاج شرح مسلم جلد ۲ صہ، مصنفہ نواب صدیق حسن خان)

یعنی یہ امر کوئی بعید نہیں۔ کہ خدا تعالےٰ کی طرف سے ایسا الہام یا وحی نازل ہو۔ جو اپنی ذات میں مفید تو ہو۔ مگر اس کے معنے کوئی نہ سمجھ سکے۔ کیا قرآن مجید کے حروف مقطعات اس طرح کے نہیں ہیں۔ کیا کسی کے لیئے یہ کہنا جائز ہے۔ کہ ان کا کوئی فائدہ نہیں۔ پھر کیا کوئی ان کا علم حاصل کر سکتا ہے؟ (یعنی نہیں حاصل کر سکتا) غرضیکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وہ الہامات جو خاص واقعات کے متعلق ہیں۔ ان کی تشریح خود حضرت صاحب نے فرما دی۔ اور جو بعض آئندہ زمانہ کی پیشگوئیوں پر مشتمل ہیں۔ وہ اپنے وقت پر پورے ہونگے۔ اور رہے

معنے واقعات کی روشنی میں کھل جائینگے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے۔

سَیُرِیْکُمْ اٰیٰتِہٖ فَتَعْرِفُوْنَھَا (نمل آخری رکوع)

کہ ہم تم کو اپنے نشان دکھائیں گے۔ تو تم ان کو پہچان لوگے۔

اور بعض الہامات جو عام ہیں۔ ان کی تشریح و تفسیر کے لئے اجتہاد کا دروازہ کھلا ہے۔ جیسا کہ شاہ ولی اللہ صاحب کے حوالے سے اوپر درج کیا جا چکا ہے

بہرحال ان الہامات کو گول مول قرار دینا یا ان کو غیر مفید بتانا یہ شقاوت قلبی اور کور باطنی پر مہر تصدیق ثبت کرنا ہے

اب ذیل میں چند الہامات معہ تشریح درج کئے جاتے ہیں۔

(ا) غُثَم غُثَم غُثَم بے معنی فقرہ ہے

جواب۔ تمہارے جیسے نادانوں نے حضرت شعیب کو کہا تھا "یا شُعَیْبُ مَا نَفْقَہُ کَثِیْرًا مِّمَّا تَقُوْلُ (ھود رکوع ۸) یعنی اے شعیب تیری اکثر باتیں تو ہماری سمجھ میں نہیں آتیں

(ب) حضرت امام غزالی فرماتے ہیں۔ "قرآن مجید کے سب معنی سمجھنے کی ہمیں تکلیف نہیں دی گئی۔ . . . مقطعات قرآنی ایسے حروف یا الفاظ ہیں۔ جو اہل عرب کی اصطلاح میں کسی معنے کے لئے موضوع نہیں (علم الکلام ترجمہ اردو الاقتصاد فی الاعتقاد ص۵۶)

(ج) غَثَم غَثَم غَثَم حضرت کا کوئی الہام نہیں ہے بلکہ غَثَم غَثَم غَثَم ہے۔ اور اس کے معنے ہیں۔ اس کو مال یکدم دیا گیا۔ الہام

کے ساتھ ترجمہ بھی الہام ہوا ہے۔ الہام کے یہ الفاظ ہیں غَثَمَ غَثَمَ
غَثَمَ لَهٗ وَدُفِعَ اِلَيْهِ مِنْ مَالِهٖ دُفْعَةً" (تذکرہ ص۳۱۱) دیا گیا
اسکو مال الٰہی" لغت میں ہے۔ غَثَمَ لَهٗ دَفَعَ دُفْعَةً جَيِّدَةً
مِنَ الْمَالِ (منجد زیر لفظ غثم) کہ غثم کے معنے ہیں اسکو یکدم مال
دیا گیا۔ پھر عربی انگریزی ڈکشنری "الفرائد الدریۃ" میں لکھا ہے۔

غَثَمَ To give at once any one

یکدم کسی کو مال دینا۔ پس یہ الہام بے معنی نہیں۔ اور تمہارا اسکو غُثُم
غُثُم پڑھنا ایسا ہی ہے۔ جیسے کوئی بدزبان دشمن اسلام الٓمّ
کو اُلَم اُلَم کرکے پڑھ کر اس پر تمسخر اڑائے
نیز دیکھو لسان العرب میں لکھا ہے۔ غَثَمَ لَهٗ مِنَ الْمَالِ غَثْمَةً
اِذَا دَفَعَ لَهٗ دُفْعَةً" گویا غَثَمَ لَهٗ کے معنی لفظاً لفظاً لغت
میں دیئے ہیں جو حضرت صاحب کے الہام میں ہیں۔ نیز دیکھو اقرب الموارد

"ایک ہفتہ تک کوئی باقی نہ رہیگا"

بے معنی ہے

جواب۔ خداتعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے۔ "اِنَّ يَوْمًا عِنْدَ اللّٰهِ
كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ" کہ خداتعالیٰ کے نزدیک ایک دن انسانوں
کے ہزار سال کے برابر ہے۔ اور انجیل میں بھی ہے "یہ خاص بات تم پہ پوشیدہ نہ رہے
کہ خداوند کے نزدیک ایک دن ہزار برس کے برابر ہے۔ اور ہزار برس ایک
دن کے برابر۔ خداوند اپنے وعدہ میں دیر نہیں کرتا" (پطرس ۳/۸)

پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو خدا تعالےٰ نے بتایا۔ کہ دنیا کی عمر سات ہزار سال ہے۔ اور سات ہزار سال کے بعد دنیا پر قیامت آجائے گی۔ چنانچہ حجج الکرامہ صفحہ ۳۸ پر لکھا ہے:۔

"در بعض روایات آمدہ کہ عمر دنیا ہفت ہزار سال است۔ پس پس۔ چنانچہ حکیم ترمذی در نوادر الاصول در حدیث طویل ...... باسناد خود تا ابو ہریرہ روایت کردہ کہ فرمود رسول خدا صلعم ...... مدت دنیا از روزیکہ مخلوق شدہ تا آں روز کہ فنا شود بماند آں ہفت ہزار سال ست ...... وانس بن مالک گفتہ کہ فرمود رسول خدا صلعم ...... عمر دنیا کہ ہفت ہزار سال است اخرجہ ابن عساکر فی تاریخہ دنیز دیلمی (ابن عساکر) مرفوعاً۔ از انس روایت کردہ کہ عمر دنیا ہفت روز ست۔ لیکن بطریق صحیح از ابن عباس آمدہ کہ دنیا ہفت روز است و ہر روز ہزار سال (حجج الکرامہ ص۳۹)

(۲) خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس الہام کی تشریح بہ تفصیل بیان فرمائی ہے۔ چنانچہ اس الہام کے متعلق تو حضرت فرماتے ہیں۔ "اور دنیا کی عمر بھی ایک ہفتہ بتلائی گئی ہے۔ اس جگہ ہفتہ سے مراد سات ہزار سال ہیں ایک دن ایک ہزار سال کے برابر ہوتا ہے۔ جیسا کہ قرآن شریف میں آیا ہے۔ اِنَّ یَوْمًا عِنْدَ رَبِّکَ کَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ۔

(بدر ۲۸ر فروری ۱۹۰۷ء)

(۳) دنیا کی عمر سات ہزار سال کے متعلق تفصیلی بحث دیکھو تحفہ گولڑویہ

(براہین حصہ پنجم)

۴۔ "پہلے بیہوشی پھر غشی پھر موت"

بے معنی الہام ہے

جواب۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام خود فرماتے ہیں:۔ "۳۰ جون ۱۸۹۹ء کو مجھے یہ الہام ہوا پہلے بیہوشی پھر غشی پھر موت۔ ساتھ ہی اس کے یہ تفہیم ہوئی۔ کہ یہ الہام ایک مخلص دوست کے متعلق ہے جس کی موت سے ہمیں رنج پہونچے گا۔ چنانچہ اپنی جماعت کے بہت سے لوگوں کو یہ الہام سنایا گیا۔ اور الحکم ۳۰ر جون ۱۸۹۹ء میں درج ہو کر شائع کیا گیا۔ پھر آخر جولائی ۱۸۹۹ء میں ہمارے ایک نہائت مخلص دوست یعنی ڈاکٹر محمد بوڑے خان اسسٹنٹ سرجن ایک ناگہانی موت سے قصور میں گزر گئے۔ اول بے ہوش رہے۔ پھر یک دفعہ غشی طاری ہو گئی۔ پھر اس ناپائیدار دنیا سے کوچ کیا۔ اور ان کی موت اور اس الہام میں صرف بیس بائیس دن کا فرق تھا۔" (حقیقۃ الوحی صفحہ ۲۱۳ و صفحہ ۲۱۴ و نزول المسیح صفحہ ۲۳۱)

"موت ۱۳ ماہ حال کو۔ ایک دم میں دم رخصت ہوا پیٹ پھٹ گیا۔"

سوال:۔ کس کا؟

جواب:۔ یہ الہام ۵ر شعبان ۱۳۲۴ھ کو ہوا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں۔ مجھ کو ۳۰ر جولائی ۱۹۰۶ء میں اور بعد اس کے کئی تاریخوں میں وحی الہٰی کے ذریعہ سے تلایا گیا۔ کہ ایک شخص اس جماعت سے ایک دم میں رخصت ہو جائے گا۔ اور پیٹ پھٹ جائیگا۔ اور شعبان

کے مہینے میں وہ فوت ہو جائیگا۔ چنانچہ اس پیشگوئی کے مطابق شعبان سنہ ۱۳۲۴ھ میں میاں صاحب نور صاحبہ جو صاحبزادہ عبداللطیف صاحب کی جماعت میں سے تھا یکدفعہ ایک دم میں پیٹ پھٹنے کے ساتھ مرگیا۔ (تتمہ حقیقۃ الوحی صفحہ ۴۴)

۴۔ ایلی اوس!

جواب۔ "ایلی" کا ترجمہ ہے اے میرے خدا اور "اوس" کا ترجمہ ہے "انعام" "عطیہ" المنجد میں ہے

اَسَ۔ اَوْساً وَ اِیَاساً۔ اَعْطٰی۔ عَوَّضَ۔ اَلْاَوْسُ اَلْعَطِیَّۃُ

(المنجد صفحہ ۱۳)

کہ "اس" "اوساً" کے معنے ہیں اس نے انعام دیا۔ معاوضہ دیا۔ اُوسؔ کے معنے ہیں "عطیہ" اور یہی معنے "الفرائد الدریہ" میں بھی مذکور ہیں۔ پس ایلی اوس کے معنے ہوں گے۔ اے میرے خدا مجھ پر انعام کر مجھے اجر دے۔

۵۔ ھوَ شعنا نعسا

جواب (ا) ھوَ شعنا کے معنے ہیں "کرم کرکے نجات دے" اے خداوند میں منت کرتا ہوں۔ کہ نجات بخشئے (دیکھو زبور $\frac{118}{25}$)

(ب) انجیل مطبوعہ ۱۹۲۸ء میں ہے "ابن داؤد کو ھوشعنا اور اسی آیت میں ھوشعنا پر حاشیہ میں لکھا ہے۔ "اس کے معنے ہیں کرم کرکے نجات دے۔" (متی $\frac{21}{9}$)

(ج) نَعِیسَا کا ترجمہ عبرانی میں ہے Granted (قبول ہوئی)
گویا "ھُوَ شَعْنَا" میں جو دعا تھی وہ نَعِیسَا کے لفظ میں ساتھ ہی اس کی قبولیت بھی الہاماً بتادی گئی۔

(۲) خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس الہام کا ترجمہ تحریر فرمایا ہے:۔

"جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "ھُوَ شَعْنَا نَعِیسَا" ترجمہ اے خدا میں دعا کرتا ہوں کہ مجھے نجات بخش۔ اور مشکلات سے رہائی فرما۔ ہم نے نجات دے دی۔ یہ دونوں فقرے عبرانی زبان میں ہیں۔ اور یہ ایک پیشگوئی ہے۔ جو دعا کی صورت میں کی گئی۔ اور پھر دعا کا قبول ہونا ظاہر کیا گیا۔ اور اس کا حاصل مطلب یہ ہے کہ موجودہ مشکلات ہیں۔ یعنی تنہائی۔ بے کسی۔ ناداری۔ کسی آئندہ زمانہ میں وہ دور کر دی جائینگی چنانچہ ۲۵ برس کے بعد یہ پیشگوئی پوری ہوئی۔ اور اس زمانہ میں ان مشکلات کا نام نہ رہا۔" (براہین احمدیہ حصہ پنجم ص۸)

الہام۔ آسمان مٹھی بھر رہ گیا

جواب۔ اس الہام کا مطلب یہ ہے۔ کہ عنقریب آسمان سے قہری نشان ظاہر ہونگے ع آسماں اسے تمانو اب آگ برسانے کو ہے (مسیح الموعود)

نیز حضرت نے جنگِ یورپ کی پیشگوئی کرتے ہوئے بھی فرمایا ؎

اک نمونہ قہر کا ہوگا وہ ربانی نشان
آسماں حملے کریگا کھینچ کر اپنی کمان

(براہین احمدیہ حصہ پنجم)

۷۔ ایک دانا کس کس نے کھانا

جواب۔ یہ الہام ۸ر فروری ۱۹۰۶ء کا ہے۔ اس کے باقی میں جو الہامات ہیں وہ درج ذیل ہیں۔

زمین کہتی ہے یَا نَبِیَّ اللّٰہِ کُنْتُ لَا اَعْرِفُکَ یُخْرِجُ ھَمُّہٗ وَغَمُّہٗ دَوْحَۃَ اِسْمٰعِیْلَ فَاَخْفِہَا حَتّٰی یَخْرُجَ۔ ایک دانا کس کس نے کھانا (بدر جلد ۲ ۱۹۰۶ء صہ ۲ والحکم جلد ۱۰ ع ۵ صہ ۱۱ و تذکرہ صہ ۵۳۹) زمین کہتی ہے اے اللہ کے نبی! میں تجھے نہیں پہچانتی تھی۔ اس کا (مسیح موعود کا) ھم اور غم اسمٰعیل کے درخت کو اگانے کا موجب ہوگا۔ پس اسکو پوشیدہ رکھ یہاں تک کہ وہ ظاہر ہو جائے۔ ایک دانہ کس کس نے کھانا ظاہر ہے۔ کہ یہاں دانہ سے مراد دَوْحَۃَ اِسْمٰعِیْلَ۔ یعنی اسمٰعیل کے درخت کا دانہ ہے۔ یعنی وہ غم اور قوم کا درد جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دل میں تھا۔ وہ بطور بیج کے ہو کر ایک دن اسمٰعیل کا عظیم الشان درخت بن جائے گا۔ یعنی شوکت اسلام کے ظہور کا موجب ہوگا۔ اور تمام دنیا اس سے برکت پائے گی۔ غرضکہ یہ غم جسکو آج اکیلا خدا کا مسیح کھا رہا ہے۔ ایک دن رحمت و برکت کا موجب بنکر ثمر دار درخت بن جائیگا۔ اور پھر سب دنیا اس پھل کو کھائیگی۔ یہی وہ "ایک دانہ" جسے کس کس نے کھانا۔"

(۲) یہ دانہ قرآن مجید بھی ہو سکتا ہے۔ کہ جو باوجود اس قدر مختصر ہونے کے پھر بھی تمام دنیا کے لئے روحانی غذا بنکر ان کی بھوک کو مٹاتا ہے

کیونکہ اسمٰعیل کے درخت (یعنی شوکت سلسلہ محمدیہ) کا رب سے اونچا اور خوبصورت پھل یہی قرآن مجید ہے

۸۔ پچیس دن۔ یا پچیس دن تک

جواب۔ یہ الہام ۷ مارچ ۱۹۰۷ء کا ہے (دیکھو بدر جلد ۶ ۱۱ صہ ۳ والحکم جلد ۱۱ صہ ۹ بحوالہ تذکرہ صہ ۶۹۹) حضرت نے اسی دن اس کی تشریح میں فرمایا تھا

"ایک ہولناک یا تعجب انگیز واقعہ . . . ہوگا" (بدر ۱۴ مارچ ۱۹۰۷ء صہ ۳) چنانچہ اس الہام سے پورے پچیسویں دن یعنی ۳۱ مارچ ۱۹۰۷ء کو (اس الہام کے شائع ہو چکنے کے کئی دن بعد) ایک پُرہیبت آتشیں گولہ آسمان پر سے مختلف شہروں میں گرتا ہوا نظر آیا۔ چنانچہ لاہور کے مشہور انگریزی اخبار سول اینڈ ملٹری گزٹ نے بھی اس پر لکھا۔ "کئی نامہ نگاروں نے ہمیں اس شہاب کے متعلق خطوط لکھے۔ جو اتوار (۳۱ مارچ) کی شام کو پونے پانچ بجے کے قریب دکھا گیا۔ یہ نہائت چمکدار تھا۔ اور لاہور میں جب یہ گرتا دکھا گیا۔ تو اس کے پیچھے ایک بہت لمبی دوہری دھار ایسی تھی۔ جیسے دھواں ہوتا ہے (۳ اپریل ۱۹۰۷ء سول)

نوٹ:۔ ۹۔ الہام الیسوسی ایشن میں جماعت احمدیہ کے قیام کی پیشگوئی ہے۔

۱۰۔ الہام مشفر صحت

میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی محنت شاقہ و شب بیداری کا ذکر ہے

اور الہام "آثار صحت" میں ایک آدمی کی بحالی صحت کی خبر دی گئی ہے۔
جس کے لیے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس دن دعا فرمائی تھی۔ (دیکھیے
بدر جلد ۲ صفحہ ۱۶)

۱۲۔ زندگی کے فیشن سے دُور جا پڑے ہیں

جواب:۔ اس کے ساتھ ایک اور الہام بھی ہے "فَسَحِّقْهُمْ تَسْحِيقًا"
(دیکھو تذکرہ صفحہ ۴۷۱) جس کی تشریح میں حضرت صاحب نے اپنی دعا کا
ذکر کیا ہے۔ کہ اے خدا اپنے دشمنوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دے۔ اور خدا تعالیٰ
نے اس دعا کی قبولیت اس الہام میں فرمائی۔ چنانچہ ۱۹۰۷ء جس میں یہ الہام
ہوا طاعون کا دور دورہ ہوا۔ اور لاکھوں دشمن ہلاک ہوئے۔ تعیین تو
اس صورت میں کی جاتی۔ اگر ایک دو دشمنوں نے ہلاک ہونا ہوتا۔

۱۳۔ شَرُّ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ

الجواب:۔ یہ الہام بدر جلد ۱ نمبر ۶ صفحہ ۲ و الحکم جلد ۹ نمبر ۱۸ صفحہ پر بھی ہے
اور اس الہام کی وجہ یہ ہے کہ شیخ رحمت اللہ صاحب لاہوری کے ذریعہ
یہ پیغامی پارٹی کے رکن ہو گئے تھے اس کے لیے حضور نے دعا فرمائی
تو الہام ہوا

شَرُّ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ

یعنی شرارت ان لوگوں کی جن پر تو نے انعام کیا۔ اس الہام میں یہ
بتایا گیا تھا۔ کہ وہی لوگ جن پر حضرت اقدس کی طرف سے بے شمار

مہربانیاں ہوتی تھیں۔ ایک وقت آئے گا۔ کہ حضور کی شان میں استخفاف کر کے
حضور کے مشن کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرینگے۔ چنانچہ فتنۂ غیر مبائعین
اٹھا۔ اور شیخ رحمت اللہ صاحب اس کے رکن رکین بن گئے۔

۱۴۔ "لاہور میں ایک بے شرم ہے"

(محمدیہ پاکٹ بک صفحہ)

الجواب:۔ یہ الہام ۱۲ مارچ ۱۹۰۷ء کا ہے۔ اور بدر جلد ۶ نمبر ۱۱ صفحہ ۳ والحکم جلد ۱۱ نمبر ۹ تذکرہ صفحہ ۷۰۱ پر درج ہے۔ اس کی تشریح کے لئے ضروری ہے کہ اس کے ساتھ کے الہامات بھی درج کئے جائیں۔

"لاہور میں ایک بے شرم ہے۔ قُلْ تَلَطَّفْ وَ لَا تَخَافُ إِنِّي نُعِيتُ إِنِّي أَنَا اللّٰهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنَا۔ إِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصَّادِقِينَ۔ ایک امتحان ہے بعض اس میں پکڑے جائیں گے۔ اور بعض چھوڑ دیئے جائینگے۔ إِنَّمَا يُرِيدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَ يُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا" ترجمہ "لاہور میں ایک بے شرم ہے۔ اسے بے شرم تجھ پر اور تیرے جھوٹ پر لعنت۔ میں نے ایک شخص کی وفات کی خبر دی۔ میں ہی شک میں ہی خدا ہوں۔ میرے سوا اور کوئی خدا نہیں۔ خدا سچوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ ایک امتحان ہے بعض اس میں پکڑے جائینگے۔ اور بعض چھوڑ دیئے جائینگے۔ اسے اہل بیت خدا نے ارادہ کیا ہے۔ کہ تمہاری پلیدی کو دور کرے اور تمہیں پاک کرے۔"

یہ سب الہامات ۱۲ مارچ کے ہیں۔ ان میں مندرجہ ذیل امور کی خبر دی

گئی ہے۔

(۱) کوئی شخص فوت ہو گا۔

(۲) اس دن ایک بہت بڑا فتنہ ہو گا۔

(۳) اس فتنہ میں دو فریق ہو جائینگے (ایک فریق "پکڑا جائیگا" دوسرا چھوڑا جائے گا۔) اور دونو اپنے مقصد کی کامیابی کے لئے کوشش کریں گے۔

(۴) وہ فریق جو اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائے گا۔ سچا ہو گا۔ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصَّادِقِیْنَ

(۵) اس فتنہ میں کوئی شخص جس کا تعلق لاہور سے ہو گا۔ انتہائی بے شرمی کا اظہار کرے گا۔ اور ایسا طرز عمل اختیار کرے گا جس میں کذب بیانی اور دھوکا سے کام لیا گیا ہو گا۔

(۶) حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اہلبیت یعنی حضور کی بیوی اور بچوں کے خلاف بھی وہ فتنہ اٹھایا جائے گا۔ لیکن خدا تعالےٰ ان کو ان حملوں سے محفوظ رکھیگا۔

(۷) وہ لاہور کا "بے شرم" اپنی بہتان طرازی سے اپنی "بے شرمی" کا ثبوت کسی شخص کی وفات سے پہلے دے چکا ہو گا۔ یعنی وفات بعد میں ہوگی۔ مگر اس سے قبل وہ جھوٹ وغیرہ کا واقعہ ہو چکا ہو گا۔ کیونکہ لاہور میں ایک بے شرم اور اس کے جھوٹ کا ذکر الہام میں پہلے ہے۔ اور اس کے بعد وفات کا ذکر ہے:

اب دیکھو یہ سب پیشگوئیاں کس عظیم الشان طور پر پوری ہوئیں۔

۱۳؍مارچ کے دن یہ الہام ہوا تھا۔ اور عین ۱۳؍مارچ ۱۹۱۴ء کو یعنی الہام ہی کی تاریخ کو حضرت خلیفۃ المسیح اوّل رضی اللہ عنہ کی وفات حسرت آیات ہوئی۔ اور "اِنِّی نُعِیْتُ" کا الہام پورا ہوا۔ (کہ میں نے کسی کے فوت ہونے کی خبر دی) آپ کی وفات سے قبل خفیہ طور پر مولوی محمد علی صاحب ایم اے لاہوری پارٹی کے امیر نے ایک ٹریکٹ لکھ کر اور طبع کرا کے اس انتظار میں رکھا ہوا تھا کہ جب حضرت خلیفہ اوّل فوت ہو جائیں گے۔ اس وقت اس کو تقسیم کیا جائیگا۔ اس ٹریکٹ میں حضرت مسیح موعودؑ کی تعلیم اور وصیت کے متعلق انتہائی کذب آفرینی سے کام لیا گیا تھا۔ وہ ٹریکٹ ۱۳؍مارچ کو حضرت خلیفہ اوّل کی وفات کے دن تقسیم کیا گیا جس کے نتیجہ میں جماعت احمدیہ ایک خطرناک "امتحان" میں پڑ گئی۔ ۲ فریق ہو گئے۔ مولوی محمد علی صاحب کا لاہوری فریق آئندہ کیلئے خلافت کو مٹانا چاہتے تھے۔ اور اس کوشش میں تھے۔ کہ حضرت خلیفہ اوّل کا کوئی جانشین منتخب نہ کیا جائے۔ مگر دوسری طرف ایک دوسرا فریق تھا جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تعلیم اور حضرت خلیفہ اوّل کی وصیت کے مطابق انتخاب خلافت کو ضروری قرار دیتا تھا۔ حضرت مسیح موعودؑ کے اہلِ بیت بھی اسی دوسرے گروہ کے ہم خیال تھے۔

چنانچہ نتیجہ یہ ہوا کہ دوسرا گروہ کامیاب ہو گیا۔ اور لاہوری فریق ناکام ہوا۔

حضرت سیدنا مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ

بنصرہ العزیز خلیفہ منتخب ہوئے۔ صادقین کو حمایتِ الٰہی حاصل ہوئی۔ اور اہلبیت پر جو الزامات لگائے جاتے تھے۔ اُن سے اُنکی تطہیر کا وعدہ پورا ہوا۔

غرضیکہ یہ سب پیشگوئیاں عظیم الشان طور پر پوری ہوئیں۔ جو صداقت حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر زبردست گواہ ہیں۔

اِس قدر تفصیل اور بسط کے باوجود بھی اگر کسی کو "لاہور میں ایک بے شرم ہے" کا مطلب سمجھ میں نہ آئے۔ تو اس کا کیا علاج؟

۱۵۔ ایک اُمتحان ہے بعض اس میں پکڑے جائینگے

اس کی تفصیل مندرجہ بالا اعتراض کے جواب میں دیکھیں۔

۱۶۔ جدھر دیکھتا ہوں اُدھر تُو ہی تُو ہے

الجواب:۔ یہ الہام ۱۲ راپریل ۱۹۰۴ء کا ہے۔ اور اس سے پہلا الہام "اے بسا خانۂ دشمن کہ تُو ویراں کردی" ہے۔ یہ دونوں الہامات الحکم مورخہ ۲۴ راپریل ۱۹۰۴ء میں درج ہیں۔ اور ساتھ ہی یہ بھی لکھا ہے کہ یہ طاعون کے متعلق ہیں۔ پس ان کا مطلب واضح ہے۔

۱۷۔ "لوگ آئے اور دعویٰ کر بیٹھے۔ شیر خدا نے انکو پکڑا"

الجواب:۔ یہ الہام اپنے ساتھ کے سابقہ الہامات سے متعلق ہے۔ جو درجِ ذیل ہیں:۔

"آپ کے ساتھ انگریزوں کا نرمی کے ساتھ ہاتھ تھا۔ اُسی طرف خدا تعالیٰ تھا۔ جدھر آپ تھے۔ آسمان پر دیکھنے والوں کو ایک رائی برابر غم نہیں ہوتا۔ خدا تیرے سب کام درست کر دیگا اور تیری ساری مُرادیں تجھے دیگا۔

ربّ الافواج اس طرف توجّہ کریگا۔ اگر مسیح ناصری کی طرف دیکھا جائے۔ تو معلوم ہوگا۔ کہ اس جگہ اس سے برکات کم نہیں ہیں۔ اور مجھے آگ سے مت ڈراؤ۔ کیونکہ آگ ہماری غلام بلکہ غلاموں کی غلام ہے۔ لوگ آئے۔ اور دعویٰ کر بیٹھے۔ "شیرِ خدا نے اُن کو پکڑا۔ شیرِ خدا نے فتح پائی۔"

(اربعین ۳ صفحہ ۳۸ و تذکرہ صفحہ ۳۷۰ تا صفحہ ۳۷۲)

اِن الہامات میں انگریزوں کے ساتھ جماعت احمدیہ کے اچھے تعلقات کو لفظ "تھا"، (صیغہ ماضی) کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ ایک زمانہ آئیگا جبکہ ان تعلقات میں کشیدگی پیدا ہوگی۔ اور موجودہ خوشگوار تعلقات ایک دِن داستانِ "عہد گذشتہ" اور حکایت ماضی بن کے رہ جائینگے۔ ایک نہایت اہم اور "تعجب" انگیز تغیر ہوگا۔ حکومت کی فوجیں۔ اور احرار کے ادعائے باطل جماعت احمدیہ کو "غم" میں ڈالیں گے۔ مگر خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے جس طرح مسیح ناصری اور اسکی جماعت کو باوجود اس کے کہ حکومتِ وقت بھی ان کے خلاف ہوگئی تھی۔ یہودی بھی ان کے خلاف سازش کر کے متحد ہوگئے تھے۔ پھر بھی کامیاب و کامران کیا تھا۔ اسی طرح اب بھی وہ جماعت احمدیہ کی مدد کریگا۔ اور اپنی بے پناہ آسمانی فوجوں سے جماعت کو منصور و مظفر بنائے گا۔ اسی ضمن میں احرار اور دُوسرے مخالفین احمدیت کی لاف و گزاف اور تعلّیوں کا ذکر کر کے فرماتا ہے کہ اِن لوگوں نے دعویٰ کر دیا۔ کہ وہ احمدیت کو کُچل کے رکھدیں گے۔ مگر خدا تعالیٰ کا شیر (حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز)

انتہائی دلیری اور شجاعت اور اولوالعزمی کے ساتھ ان کا مقابلہ کریگا۔
اور ان کو شکستِ فاش دے گا۔

اب دیکھ لو یہ کتنی عظیم الشان پیشگوئیاں ہیں۔ جو آج سے ۴۵ سال قبل کی گئیں۔ اور پھر یہ کس قدر خارق عادت طور پہ پوری ہوئیں اور احرار کو کس قدر شکستِ فاش نصیب ہوئی۔ ع

کافی ہے سوچنے کو اگر اہل کوئی ہے

۱۸۔ اُعْطِیْتُ صِفَتَ الْاِفْنَاءِ وَالْاِحْیَاءِ

الجواب:۔ (۱) حضرت کا دعویٰ مسیح موعود ہونے کا تھا۔ پہلے مسیح کی صفت "احیاءِ موتیٰ" کو تو تم بھی مانتے ہو۔ مگر اس پہ کوئی اعتراض نہیں کرتے ہو۔ پھر مسیح محمدی پہ اعتراض کیوں؟ کیا پہلے مسیح کا قول قرآن مجید میں درج نہیں کہ "اُحْیِ الْمَوْتٰی بِاِذْنِ اللّٰہِ" کہ میں اللہ کے حکم سے مُردے زندہ کرتا ہوں۔ اور حضرت صاحبؑ بھی فرماتے ہیں:۔

"اُعْطِیْتُ صِفَتَ الْاِفْنَاءِ وَالْاِحْیَاءِ مِنْ رَّبِّ الْفَعَّالِ"

کہ مجھے ربِّ قادر کی طرف سے مارنے اور زندہ کرنے کی صفت دی گئی ہے۔ پھر اس پہ اعتراض کیوں؟

(۲) ہاں اگر کہو کہ "مُردے زندہ کرنا" تو بیشک شانِ مسیحیت ہے۔ مگر مارنے کی صفت تو پہلے مسیح میں نہ تھی؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ مسیح محمدی کو اللہ تعالیٰ نے دونوں صفتوں سے متصف فرمایا ہے۔ جیسا کہ مسیح موعودؑ کی صفت "اہلاک" کا ذکر حدیث میں بھی ہے۔ کہ مسیح موعودؑ کے دم سے

دشمن ہلاک ہونگے۔ چنانچہ لکھا ہے :۔ " فَلَا یَحِلُّ لِکَافِرٍ یَجِدُ مِنْ رِیْحِ نَفْسِہٖ اِلَّا مَاتَ " (مسلم و مرقات۔ (ملا علی قاری) جلد ۵ صفحہ ۱۹۷ و مشکوٰۃ صفحہ ۴۷۳ مطبع اصح المطابع باب العلامات بین یدی الساعۃ) کہ جس کافر تک مسیح کا دم پہنچے گا۔ وہ ہلاک ہو جائے گا۔

چنانچہ حضرت مسیح موعودؑ کے سینکڑوں دشمن لیکھرام۔ آتھم۔ ڈوئی سعد اللہ لدھیانوی وغیرہ آپؑ کے دم سے ہلاک ہوئے۔

(۳) حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے جس ارشاد کا تم نے حوالہ دیا ہے وہ خطبہ الہامیہ میں ہے۔ اور اسی خطبہ الہامیہ میں اس سے ذرا آگے چل کر حضرتؑ نے خود ہی اس کی تشریح کر دی ہے کہ مارنے اور زندہ کرنے سے کیا مراد ہے۔ ملاحظہ ہو :۔ " دُعَائِیْ دَوَاءٌ مُجَرَّبٌ۔ اُرِیْ قَوْمًا جَلَالًا وَقَوْمًا اٰخَرِیْنَ جَمَالًا وَبِیَدِیْ حَرْبَۃٌ اُبِیْدُ بِھَا عَادَاتِ الظُّلْمِ وَالذُّنُوْبِ وَفِی الْاُخْرٰی شَرْبَۃٌ اُعِیْدُ بِھَا حَیَاتَ الْقُلُوْبِ فَاْسٌ لِلْاِفْنَاءِ وَاَنْفَاسٌ لِلْاِحْیَاءِ " (خطبہ الہامیہ صفحہ ۲۸)

ترجمہ :۔ مجھے تکلیف دینا ایک تیز نیزہ ہے۔ اور میری دُعا ایک مجرب دوا ہے۔ میں ایک قوم کو اپنا جلال دکھاتا ہوں۔ اور دوسری قوم کو جمال دکھاتا ہوں۔ اور میرے ایک ہاتھ میں ایک ہتھیار ہے جس کے ساتھ میں ظلم اور گناہ کی عادتوں کو ہلاک کرتا ہوں۔ اور دوسرے ہاتھ میں ایک شربت ہے۔ جس سے میں دلوں کو دوبارہ زندہ کرتا ہوں۔ گویا ایک کلہاڑی فنا کرنے کے لئے ہے۔ اور دم زندہ کرنے کے لئے۔"

اب دیکھیے حضرت صاحبؑ نے اِسی خطبہ الہامیہ میں زندہ کرنے اور مارنے کی صفت کی کِس خوبی سے تشریح فرمادی ہے۔ کہ مارنے سے مُراد کفر۔ گُنا اور ظلم کو مارنا ہے۔ اور زندہ کرنے سے مُراد رُوحانیت عطا کر کے دل کو زندگی بخشنا ہے۔ جیسا کہ پہلا مسیح کرتا تھا۔ نہ پہلے مسیح نے حقیقی مُردے زندہ کیے۔ نہ دُوسرے مسیح نے ایسا کیا۔ اور نہ خدا کے سوا کوئی جسمانی مُردوں کو زندہ کر سکتا ہے۔ ہاں رُوحانی طور پر انبیاءؑ میں یہ صفت پائی جاتی ہے۔ اور اِسی کا اظہار محوّلہ عبارت میں کیا گیا ہے۔

مرزا صاحب کو شیطانی الہامات ہوتے تھے

جواب:۔(۱) قرآن مجید میں ہے۔ کہ "تَنَزَّلُ عَلٰی کُلِّ اَفَّاکٍ اَثِیْمٍ" کہ شیطانی الہامات بدکار اور جھوٹے لوگوں کو ہوا کرتے ہیں۔ مگر حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کا معاملہ اس کے برعکس ہے۔ حضورؑ نے تذکرۃ الشہادتین صـ۶۲ پر چیلنج دیا ہے۔ کہ "اور تم کوئی عیب افتراء جھوٹ یا دغا کا میری پہلی زندگی پر نہیں لگا سکتے۔۔۔۔ کون تم میں ہے۔ جو میری سوانح زندگی میں کوئی نکتہ چینی کر سکتا ہے" اور پھر حضرت کی پاکیزہ زندگی کی مولوی محمد حسین جیسا شدید دشمن بھی گواہی دے چکا ہے۔

(۲) "اَکْثَرُھُمْ کَاذِبُوْنَ" کہ شیطانی الہامات اکثر جھوٹے ہوتے

ہیں۔ حضرت مسیح موعودؑ کی اکثر پیشگوئیاں پوری ہوئیں۔ جن پر تم کوئی اعتراض نہیں کر سکے۔ بلکہ خاموشی سے ان کے صدق پر مُہر تصدیق ثبت کرتے ہو۔

(۳) حضرت مسیح موعودؑ نے اپنی کتاب "انجام آتھم" کے صٖ۵۱ میں اپنے الہامات کے خدائی ہونے پر غیر احمدی علماء کو "مباہلہ" کا چیلنج دیا ہے۔ تم اس وقت کیوں مقابلہ پر نہ آئے۔

(۴) تم تو ہر نبی پر القائے شیطانی ہو جانے کے قائل ہو۔ یہاں تک کہ آنحضرتؐ کے متعلق بھی تمہارے مولویوں نے مانا ہے کہ آپؐ کو شیطانی الہام ہوا۔ اس لئے اگر حضرت مرزا صاحبؑ پر بھی یہی بہتان باندھو۔ تو معذور ہو:۔ "قَدْ قَرَءَ النَّبِيُّ صلعم فِي سُوْرَةِ النَّجْمِ بِمَجْلِسٍ مِنْ قُرَيْشٍ بَعْدَ اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى" بِالْقَاءِ الشَّيْطَانِ عَلٰى لِسَانِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ غَيْرِ عِلْمِهٖ بِهٖ "تِلْكَ الْغَرَانِيْقُ الْعُلٰى وَاِنَّ شَفَاعَتَهُنَّ لَتُرْتَجٰى" فَفَرِحُوْا بِذٰلِكَ۔" (جلالین مجتبائی صٖ۲۸۲) کہ آنحضرت صلعم نے مشرکین قریش کی ایک مجلس میں سورۃ النجم کی آیات "اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى" کے آگے القاء شیطانی کے باعث یہ پڑھ دیا۔ تِلْكَ الْغَرَانِيْقُ الْعُلٰى الخ کہ یہ بہت عظیم الشان بُت ہیں۔ اور قیامت کو ان کی شفاعت کی توقع رکھنی چاہیئے۔ بُتوں کی یہ تعریف سُنکر مشرک بہت خوش ہوئے۔

اس میں آپ نے لکھا ہے۔ کہ جبرائیل آئے۔ اور انہوں نے آنحضرت صلعم کو بتایا۔ کہ یہ الہام الٰہی نہیں۔ بلکہ شیطانی القاء ہے۔ تمہارے اکثر مفسرین نے "مَا مِنْ نَّبِيٍّ وَّلَا رَسُوْلٍ اِلَّا اِذَا تَمَنّٰى اَلْقَى الشَّيْطَانُ فِيْٓ اُمْنِيَّتِهٖ" کا ترجمہ یہی لیا ہے۔ کہ ہر نبی کو القاء شیطانی ہوتا رہا ہے۔ اور سورۃ النجم کی تفسیر میں انہوں نے مندرجہ بالا فضول اور لچر قصہ آنحضرت صلعم کی طرف منسوب کیا ہے۔

(استغفر اللہ العیاذ باللہ) پس تم لوگ جو تمام نبیوں کے سردار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی القائے شیطانی سے پاک نہیں سمجھتے۔ بحالیکہ آپ کی محبت کا دم بھرتے ہو۔ تو حضرت مرزا صاحبؑ کو اگر شیطانی الہامات پانے والا کہدو۔ تو کیا گلہ ہو سکتا ہے۔؎

مجھ کو کیا تم سے گلہ ہو کہ مرے دشمن ہو
جب یونہی کرتے چلے آئے ہو تم پیر دل سے

غیر زبانوں میں الہامات

مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ

جواب:- (۱) اس آیت میں یہ کہاں لکھا ہے کہ نبی کو "الہام" اس کی قوم کی زبان میں ہوتا تھا۔ مفسرین نے اس کے یہ معنے کئے ہیں:- "اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ اَیْ مُتَكَلِّمًا بِلُغَةِ مَنْ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ مِنَ الْاُمَمِ" (روح المعانی جلد ۴ صفحہ ۲۰۹) کہ "اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ" کا مطلب یہ ہے۔ کہ وہ نبی اس قوم کی زبان بولا کرتا تھا۔ جس کی طرف

وہ مبعوث ہوتا تھا۔

(ب) "اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ اِلَّا مُتَكَلِّمًا بِلُغَتِهِمْ" (تفسیر مدارک التنزیل زیر آیت مَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ الخ و برحاشیہ خازن جلد ۳ صفحہ ۸۲) کہ نبی اپنی قوم کی زبان بولا کرتا تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام بھی پنجابی اور اردو ہی بولتے تھے۔

(۲) اس آیت میں گذشتہ انبیاءؑ کا ذکر ہے۔ جیسا کہ لفظ "اَرْسَلْنَا" بصیغہ ماضی سے ثابت ہے۔ اور دوسرا قرینہ ان معنوں کی تائید میں "قَوْمِهٖ" کا لفظ ہے۔ کیونکہ گذشتہ انبیاءؑ مخصوص قوموں کی طرف مبعوث ہوتے تھے۔ مگر جو نبی کسی خاص قوم کی طرف مبعوث نہ ہو۔ بلکہ تمام قوموں کی طرف مبعوث ہو۔ وہ اس آیت میں شامل نہیں ہو سکتا۔ اگر قوم سے نبی کی قومیت رکھنے والے لوگ مراد لو جیسا کہ آنحضرت صلعم کے ساتھ قریش تھے۔ تو یہ بھی غلط ہے کیونکہ آنحضرت صلعم کو سارا قرآن مجید قریش کی زبان میں الہام نہیں ہوا۔ جیسا کہ آیت "اِنَّ هٰذٰنِ لَسٰحِرٰنِ" (طٰہٰ) قریش کی زبان میں "اِنَّ هٰذَيْنِ" چاہیے تھی۔

(۳) اگر کہو کہ اس آیت میں نبی کا اس کی قوم کی زبان میں الہام ہونا ہی مراد ہے۔ خواہ لفظ الہام اس آیت میں موجود ہو یا نہ ہو تو یہ بھی غلط ہے۔ کیونکہ قرآن میں حضرت سلیمانؑ کے متعلق ہے۔ "عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ" (نمل ع ۲) حضرت سلیمانؑ کہتے ہیں کہ

مجھے اللہ تعالیٰ نے پرندوں کی بولی سکھائی۔ گویا ان کو کوؤں۔ چیلوں۔ کبوتروں۔ بٹیروں۔ ہدہدوں اور تمام دیگر جانوروں کی زبان میں الہام ہوا۔ آخر انگریزی۔ عربی۔ فارسی وغیرہ تو انسانوں ہی کی زبانیں ہیں۔ جن میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو الہام ہوا مگر "کان کان" تو انسانوں کی زبان نہیں۔ اس میں بھی اگر نبی کو الہام ہوسکتا ہے۔ تو یہاں کیا اعتراض ہے۔ آخر خدا تعالیٰ نے حضرت سلیمانؑ کو پرندوں کی زبان سکھانے کیلئے اسکے قواعد اور اسکے الفاظ بھی بتائے ہونگے۔ فلا اعتراض

نوٹ:۔ یہ کہنا کہ "عُلِّمْنَا" کے لفظ میں طبعی فہم و تفہیم ہی داخل ہے۔ پلہ چھوڑانے کے لیئے کافی نہیں۔ کیونکہ "مَآ اَرْسَلْنَا" والی آیت زیر بحث میں بھی تو "الہام" کا لفظ نہیں۔ وہاں بھی طبعی فہم و تفہیم کیوں مراد نہ لی جائے؟ یعنی وہ الہام جو محض طبعی فہم و تفہیم کے لیئے ہوں۔ وہ تو نبی کی اپنی زبان میں ہوں۔ مگر جو دوسری قوموں کی ہدایت کے لیئے ہوں۔ وہ مختلف زبانوں میں ہو سکتے ہیں۔

(۲) یہ کہنا کہ حضرت سلیمانؑ کو پرندوں کی زبان والے الہام جو ہوتے تھے تو وہ انسانوں کی ہدایت کے لیئے نہ تھے محض دھوکا ہی ہے کیونکہ خواہ وہ کسی کی ہدایت کے لیئے ہوتے تھے سوال تو یہ ہے کہ کیا وہ حضرت سلیمان کی اپنی زبان تھی یا نہیں؟ کیا وہ ان کی قوم کی زبان تھی۔ نہیں ہرگز نہیں۔ پس تمہاری نادلیل سے ثابت ہوگیا کہ "مَآ اَرْسَلْنَا" والی آیت کا مطلب وہ نہیں جو تم بیان کرتے ہو۔ بلکہ یہ ہے کہ ہر نبی اپنی قوم کی زبان بولتا تھا۔ تاکہ تبلیغ و اشاعت کے لیئے شاگرد تیار کر سکے۔ اسکے الہامات کی

زبان کا وہاں ذکر ہی نہیں نیز یہ کہ یہ آیت آنحضرت صلعم سے پہلے انبیاء کے متعلق ہے۔ فافہم

۴۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام انگریزی زبان کا ایک لفظ بھی نہ جانتے تھے مگر پھر بھی آپ پر اس زبان میں الہام ہونا ایک معجزہ ہے۔ خصوصاً اس حالت میں کہ قادیان میں بھی کوئی انگریزی دان اسوقت موجود نہ تھا۔ یہ دلیل ان لوگوں کو دی گئی۔ جو الہام کو نبی کے دماغی خیالات قرار دیتے ہیں۔ تاکہ یہ معلوم ہو کہ الہام میں نبی کے اپنے خیالات کو دخل نہیں ہوتا۔ بلکہ الہام ایسی زبان میں بھی نازل ہو سکتا ہے جس کو نبی خود بھی نہ جانتا ہو۔ پھر اکثر اس الہام کے معنی خدا تعالےٰ خود ہی ملہم کو بتا دیتا ہے۔ خواہ جلد یا بدیر۔ جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ساتھ ہوا۔

۵۔ اور ہم نے یہ جو لکھا کہ آیت "مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِہٖ" میں آنحضرتؐ سے پہلے انبیاء کا ذکر ہے کیونکہ وہ خاص خاص قوموں کی طرف رسول ہو کر آتے تھے۔ اسکی تائید حدیث سے بھی ہوتی ہے۔ چنانچہ مشکوٰۃ فضائل نبویؐ کے ضمن میں ایک حدیث ہے۔ جس کا مضمون حضرت ابن عباسؓ کے مندرجہ ذیل قول کے مطابق ہے:۔

"عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی فَضَّلَ مُحَمَّدًا عَلَی الْاَنْبِیَاءِ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِہٖ لِیُبَیِّنَ لَھُمْ فَیُضِلُّ اللّٰہُ مَنْ یَّشَآءُ الْاٰیَۃَ وَقَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی لِمُحَمَّدٍ صلعم "وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا کَآفَّۃً لِّلنَّاسِ" فَاَرْسَلَہُ اللّٰہُ اِلَی الْجِنِّ وَالْاِنْسِ" (مشکوٰۃ کتاب الفتن باب فی فضائل نبینا صلعم

فصل الثالث ص۱۵ مجتبائی دہلی کانپور) حضرت ابن عباس نے فرمایا۔ کہ ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اسکی قوم کی زبان کے ساتھ تاکہ انکے سامنے خوب کھول کر بیان کر سکے۔ مگر ہمارے نبی کریم صلعم کی نسبت فرمایا۔ کہ ہم نے آپکو تمام انسانوں کی طرف بھیجا ہے۔ گویا آپکو اللہ تعالیٰ نے جن و انس کی طرف رسول کر کے بھیجا۔ "ھٰذا الحدیث صحیح الاسناد" (مستدرک للحاکم مطبوعہ حیدر آباد جلد ۲ ص۳۵۰) کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ اور اسکی سند مضبوط ہے۔ مندرجہ بالا عبارت سے چار باتیں ثابت ہوئیں۔ (۱) وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ والی آیت گذشتہ انبیاء کے متعلق ہے (۲) آنحضرتؐ بھی اس آیت میں شامل نہیں صرف آپؐ سے پہلے رسول ہی شامل ہیں۔ (۳) قوم سے مراد وہ لوگ ہیں جن کی ہدایت کیلئے وہ نبی آئے۔ (۴) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم تمام دنیا ہے۔ کیونکہ آپؐ تمام دنیا کی طرف بھیجے گئے۔

پس اس آیت میں حضرت مسیح موعودؑ بھی داخل نہیں۔ کیونکہ آپؑ بھی کسی خاص قوم کی طرف نہیں بلکہ ساری دنیا کی طرف آئے تھے۔

غیر احمدی:۔ حضرت مرزا صاحب نے چشمہ معرفت ص۲۰۹ پر لکھا ہے۔

"یہ بالکل غیر معقول اور بیہودہ امر ہے کہ انسان کی اصلی زبان تو اور ہو اور الہام اسکو کسی اور زبان میں ہو۔ جس کو وہ سمجھ بھی نہیں سکتا۔ کیونکہ اس میں تکلیف مالا یطاق ہے۔"

الجواب۔ خدا کیلئے دھوکہ نہ دو۔ وہاں چشمہ معرفت میں یہ کہاں لکھا ہے کہ "ملہم" جس زبان کو نہ سمجھتا ہو۔ اس میں اسکو الہام نہیں ہو سکتا۔ وہاں تو

ذکر یہ ہے کہ آریہ کہتے ہیں الہامی کتاب اس زبان میں نازل ہونی چاہیئے جو کسی انسان کی زبان نہ ہو تا کہ ایشور جی مہاراج نا انصاف نہ ٹھہریں۔ یہی وجہ ہے کہ وید سنسکرت میں نازل ہوئے جو کہیں بولی نہیں جاتی حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس سوال کا جواب دیا ہے کہ یہ بالکل غیر معقول اور بیہودہ امر ہے کہ انسان کی (نہ کہ ملہم کی) زبان تو کوئی اور ہو اور الہام اس کو کسی اور زبان میں ہو۔ جس کو کوئی (انسان) سمجھتا ہی نہ ہو۔ کیونکہ یہ تکلیف "مالا یطاق" ہے۔ کیونکہ اس کو ملہم کسی دوسرے سے بھی سمجھ نہیں سکتا۔ لیکن کسی ایسی زبان میں الہام ہونا جو انسانی زبان ہو "تکلیف مالا یطاق" نہیں۔ کیونکہ اگر ملہم خود اس زبان کو نہیں جانتا۔ تو دوسروں سے معلوم کر سکتا ہے۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس مضمون کو بیان فرماتے ہوئے صنہ۲۱ پر تحریر فرمایا ہے کہ مجھے مختلف زبانوں میں الہامات ہوتے ہیں۔

نوٹ:۔ اس سوال کے جواب کے لئے چشمۂ معرفت صفحہ ۲۰۸ و ۲۰۹ و ۲۱۰ کا مطالعہ کرنا ضروری ہے۔ کیونکہ اس دھوکہ کا علم اصل عبارت کو پڑھنے سے ہی ہو سکتا ہے۔

بعض الہامات مرزا صاحب سمجھ نہ سکے اور بعض کے غلط معنی سمجھے!

جواب:۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام تحریر فرماتے ہیں "انبیاء اور ملہمین صرف وحی کی سچائی کے ذمہ وار ہوتے ہیں۔ اپنے اجتہاد کے خلاف واقعہ نکلنے سے وہ ماخوذ نہیں ہو سکتے کیونکہ وہ انکی اپنی رائے ہے نہ کہ خدا کا کلام۔" (اعجاز احمدی ص۸)

"اصلی بات یہ ہے کہ جس یقین کو نبی کے دل میں اسکی نبوت کے بارے میں بٹھایا

جاتا ہے وہ دلائل تو آفتاب کیطرح چمک اٹھتے ہیں اور اسقدر تواتر سے جمع ہوتے ہیں کہ وہ امر بدیہی ہو جاتا ہے۔ اور پھر بعض دوسری جزئیات میں اگر اجتہاد کی غلطی ہو بھی تو وہ اس یقین کو مضر نہیں ہوتی جیسا کہ جو چیزیں انسان کے قریب لائی جائیں اور آنکھوں کے قریب کی جائیں تو انسان کی آنکھ انکو پہچاننے میں غلطی نہیں کھاتی۔ اور قطعاً حکم دیتی ہے کہ یہ فلاں چیز ہے اور اس مقدار کی ہے۔ اور وہ صحیح ہوتا ہے۔ لیکن اگر کوئی چیز قریب نہ لائی جائے اور مثلاً نصف میل یا پاؤ میل سے کسی انسان کو پوچھا جائے کہ وہ سفید شے کیا ہے۔ تو ممکن ہے کہ ایک سفید کپڑے والے انسان کو ایک سفید گھوڑا خیال کرے۔ یا ایک سفید گھوڑے کو انسان سمجھ لے۔ پس ایسا ہی نبیوں اور رسولوں کو ان کے دعویٰ اور انکی تعلیموں کے متعلق بہت نزدیک سے دکھایا جاتا ہے۔ اور اس میں اس قدر تواتر ہوتا ہے جسمیں کچھ شک باقی نہیں رہتا لیکن بعض جزوی امور جو اہم مقاصد میں سے نہیں ہوتے انکو نظر کشفی دور سے دیکھتی ہے اور ان میں کچھ تواتر نہیں ہوتا۔ اسلئے کبھی انکی تشخیص میں دھوکہ بھی کھا لیتی ہے۔" (اعجاز احمدی صفحہ ۲۶)

(۲) حدیث میں ہے:- "قَالَ اَبُوْ مُوْسٰی عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ اٰلِہٖ وَسَلَّمَ رَاَیْتُ فِی الْمَنَامِ اَنِّیْ اُھَاجِرُ مِنْ مَکَّۃَ اِلٰی اَرْضٍ بِھَا نَخْلٌ فَذَھَبَ وَھْلِیْ اِلٰی اَنَّھَا الْیَمَامَۃُ اَوْ ھَجَرُ فَاِذَا ھِیَ الْمَدِیْنَۃُ یَثْرِبُ" (بخاری باب ہجرۃ النبی صلعم واصحابہ الی المدینہ جلد ۲ صفحہ ۲۰۲ و کتاب الرؤیا باب اذا رأی بقر تنحر جلد ۴ صفحہ ۱۳۲ مطبوعہ مطبع الٰہیہ)

ترجمہ:- حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ

مَیں نے خواب میں دیکھا کہ مَیں مکہ سے ایک ایسی زمین کی طرف ہجرت کر رہا ہوں۔ جہاں کہ بہت کھجوریں ہیں۔ پس میرا خیال اس طرف گیا کہ وہ یمامہ ہے یا ہجر۔ مگر دراصل وہ تھا مدینہ (یثرب) اور "رُؤْیَا النَّبِیِّ وَحْیٌ" (بخاری جلد ۱ ص ۳ حاشیہ و جلد ۲ ص ۱۴۰ حاشیہ) نبی کی رؤیا وحی ہوتی ہے۔ چنانچہ بخاری میں رؤیائے نبوی کو وحی میں شامل کیا گیا ہے۔ "اَوَّلُ مَا بُدِیَٔ بِہٖ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِنَ الْوَحْیِ الرُّؤْیَا الصَّادِقَۃُ۔" (بخاری جلد ۴ ص ۱۲۷ باب التفسیر) کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی میں سب سے پہلے رؤیا صادقہ شروع ہوئیں۔

(۳) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج سے فرمایا۔ "اَسْرَعُکُنَّ لُحُوْقًا بِیْ اَطْوَلُکُنَّ یَدًا۔" یعنی تم میں سے سب سے پہلے میری وفات کے بعد جو آکر مجھ سے اگلے جہان میں ملے گی وہ وہ ہے جس کے ہاتھ تم سب سے زیادہ لمبے ہیں۔ بیویوں نے حضورؐ کے سامنے ہی اپنے اپنے ہاتھ ناپے۔ تو ہاتھ لمبے حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے تھے۔ مگر وفات سب سے پہلے حضرت زینبؓ نے پائی جس سے معلوم ہوا۔ کہ لمبے ہاتھ سے مراد ظاہری ہاتھوں کا لمبا ہونا نہ تھا۔ بلکہ سخاوت کرنے والی مراد تھی۔ (بخاری و مسلم بحوالہ مشکوٰۃ ص ۱۶۵ مطبع اصح المطابع باب الانفاق)۔

(۴) قرآن مجید میں بھی حضرت نوحؑ کا واقعہ مذکور ہے "وَاصْنَعِ الْفُلْکَ بِاَعْیُنِنَا وَوَحْیِنَا وَلَا تُخَاطِبْنِیْ فِی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا اِنَّھُمْ مُّغْرَقُوْنَ" کہ خدا تعالیٰ نے حضرت نوحؑ کو وحی کی۔ اور حکم دیا۔ کہ تو ہمارے حکم سے ایک کشتی بنا۔ اور تو ظالموں کے متعلق مجھ سے کوئی بات نہ کرنا۔ کیونکہ وہ ضرور غرق ہو جائینگے۔

پھر لکھا ہے:- "قُلْنَا احْمِلْ فِيهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَأَهْلَكَ إِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ وَمَنْ آمَنَ" (ہود رکوع ۴)

کہ ہم نے کہا کہ اے نوحؑ! اس کشتی میں سوار کر ہر ایک جوڑے میں سے دو دو۔ اور اپنے "اہل" کو بھی بجز اس کے جس کے متعلق پہلے ہم کہہ چکے ہیں اور مومنوں کو بھی۔ پس جب طوفان تلاطم خیز آیا۔ اور حضرت نوحؑ کا بیٹا (جو ظالم تھا۔ اور جس کے متعلق حکم تھا۔ إِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ (کہ اس کو کشتی میں نہ بٹھانا) جب وہ ڈوبنے لگا تو:- "نَادَى نُوحٌ ابْنَهُ وَكَانَ فِي مَعْزِلٍ يَا بُنَيَّ ارْكَبْ مَعَنَا" تو حضرت نوحؑ نے اس کو آواز دی اور کہا کہ اے بیٹا۔ ہمارے ساتھ کشتی میں سوار ہو جا۔ مگر وہ نہ آیا۔ اور ڈوب گیا۔ اس پر حضرت نوحؑ خدا تعالے کو کہتے ہیں:- "وَنَادَى نُوحٌ رَبَّهُ فَقَالَ رَبِّ إِنَّ ابْنِي مِنْ أَهْلِي وَإِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ وَأَنْتَ أَحْكَمُ الْحَاكِمِينَ قَالَ يَا نُوحُ إِنَّهُ لَيْسَ مِنْ أَهْلِكَ إِنَّهُ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ فَلَا تَسْأَلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ إِنِّي أَعِظُكَ أَنْ تَكُونَ مِنَ الْجَاهِلِينَ" (ہود رکوع ۴) اور پکارا نوحؑ نے اپنے رب کو اور کہا۔ اے اللہ میرا بیٹا تو میرے اہل میں سے تھا۔ اور تیرا وعدہ تو سچا (ہوتا) ہے۔ اور تُو (تو) احکم الحاکمین (یعنی سب سے سچا فیصلہ کرنیوالا) ہے خدا تعالے نے فرمایا۔ اے نوحؑ! وہ تیرے "اہل" میں سے نہیں تھا۔ کیونکہ اسکے عمل اچھے نہ تھے۔ پس تو مجھ سے ایسی بات کے متعلق گفتگو نہ کر جس کا تجھ کو علم نہیں۔ میں تجھ کو نصیحت کرتا ہوں۔ کہ تو جاہلوں میں سے نہ بن۔

ان آیات سے صاف طور پر ثابت ہوا کہ نبی ایک وقت تک وحی کے سمجھنے میں غلطی کر سکتا ہے۔ ہاں خدا تعالےٰ اس کو غلطی پر قائم نہیں رکھتا جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی فرمایا ہے۔ اگر سوال ہو کہ حضرت نوح علیہ علیہ السلام کتنا عرصہ تک اس اجتہادی غلطی میں مبتلا رہے۔ تو اس کے لئے تفسیر حسینی کا ملاحظہ کرنا چاہیئے۔ لکھا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کو جب یہ الہام ہوا کہ "لَا تُخَاطِبْنِي فِي الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا اِنَّهُمْ مُغْرَقُوْنَ" وغیرہ۔ تو اس کے بعد انہوں نے وہ درخت بویا جس کی لکڑی سے کشتی بنائی گئی۔ وہ درخت بیس سال میں مکمل ہوا۔ اسے کاٹ کر حضرت نوحؑ دو سال تک کشتی بناتے رہے۔ چالیس دن رات طوفان نے جوش مارا۔ اور کشتی طوفان میں چھ ماہ تک رہی۔ گو اصل "اصل" والے الہام کے نازل ہونے سے لے کر کشتی سے اترنے تک کم از کم ½ ۲۲ سال ہوتے ہیں۔ (تفسیر قادری موسومہ بہ تفسیر حسینی مترجم اردو جلد ا صفحہ ۶۳/۴۶۴ سورہ ہود نمبر پ ۱۲)

(۵) پھر اہلسنت والجماعت کے عقائد کی مشہور و معروف کتاب "نبراس شرح الشرح لعقائد نسفی" میں لکھا ہے "اِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ قَدْ يَجْتَهِدُ فَيَكُوْنُ خَطَاءً كَمَا ذَكَرَهُ الْاُصُوْلِيُّوْنَ وَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ يُشَاوِرُ الصَّحَابَةَ فِيْمَا لَمْ يُوْحَ اِلَيْهِ وَهُمْ يُرَاجِعُوْنَهٗ فِيْ ذَالِكَ ۔۔۔۔ وَفِي الْحَدِيْثِ صَلْعَمْ مَا حَدَّثْتُكُمْ عَنِ اللّٰهِ سُبْحَانَهٗ فَهُوَ حَقٌّ وَمَا قُلْتُ فِيْهِ مِنْ قِبَلِ نَفْسِيْ فَاِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ اُخْطِئُ وَاُصِيْبُ (نبراس صفحہ ۳۹۲) کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھی اجتہاد بھی کرتے تھے۔ اور وہ کبھی غلط بھی ہو جاتا تھا۔ جیسا کہ اصولیوں

اُنے لکھا ہے۔ اور ان امور میں جن کے متعلق آپ پر وحی نازل نہ ہوئی ہو۔ آپ اپنے صحابہ سے مشورہ لیا کرتے تھے۔ اور حدیث میں ہے۔ کہ آپؐ نے فرمایا کہ جو بات میں اللہ تعالےٰ کی طرف سے کہوں۔ تو وہ درست ہوتی ہے (یعنے اس میں غلطی کا امکان نہیں) ہاں جو بات میں اس وحی الٰہی کی تشریح میں اپنی طرف سے کہوں۔ تو یاد رکھو۔ کہ میں بھی انسان ہوں۔ اجتہاد میں غلطی بھی کرتا ہوں اور درست اجتہاد بھی۔

نبی کا الہام بھول جانا

مرزا صاحب اپنے بعض الہامات بھول گئے؟

جواب:۔ وحی دو قسم کی ہوتی ہے (۱) جو لوگوں کے لئے بطور نشان اور بغرض ہدایت نازل ہوتی ہے (۲) نبی کی اپنی ذات کے متعلق ہوتی ہے۔ اور اس کا لوگوں کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ اوّل الذکر قسم کی وحی نبی کو بھول نہیں سکتی ہاں دوسری قسم کی وحی بعض دفعہ خدا تعالےٰ اپنی خاص حکمت کے ماتحت نبی کے لوح دل سے محو فرما دیتا ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں بھی ہے۔ "سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰٓى اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ" (سورہ اعلیٰ پ ۳۰ ع ۱) کہ اے نبی ہم تیرے سامنے قرآن مجید پڑھیں گے۔ اس کو مت بھولنا۔ سوائے اس کے جس کو خدا تعالےٰ خود بھلانا چاہے۔

(۲) يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَيُثْبِتُ (رعد رکوع ۶) کہ خدا تعالےٰ جس وحی کو چاہتا ہے۔ مٹا دیتا ہے۔ اور جس کو چاہتا ہے مضبوط کر کے دل میں

ثبت کر دیتا ہے۔

(۳) بخاری میں ہے "عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ سَمِعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلًا يَقْرَءُ فِي الْمَسْجِدِ فَقَالَ رَحِمَهُ اللهُ لَقَدْ اَذْكَرَنِي كَذَا وَكَذَا آيَةً اَسْقَطْتُهُنَّ مِنْ سُوْرَةِ كَذَا وَكَذَا" (بخاری کتاب الشہادات باب شہادت الاعمیٰ وامرہا جلد ۲ ص۱۲۶ مصری)

ترجمہ:۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں۔ کہ رسول خدا صلعم نے ایک شخص کو مسجد میں قرآن پڑھتے ہوئے سنا۔ تو آپ نے فرمایا" اللہ اس پر رحمت کرے۔ اس نے فلاں فلاں سورت کی فلاں فلاں آیت جو میں بھول گیا تھا مجھے یاد دلا دی"۔

(۴) یہ ضروری نہیں کہ جو وحی نبی پر نازل ہو۔ وہ سب لوگوں تک پہنچائی جائے قرآن مجید سے ثابت ہے۔ کہ کئی ایسے الہامات آنحضرت صلعم کو ہوئے جو قرآن مجید میں من وعن مذکور نہیں۔ جیسے وَاِذْ يَعِدُكُمُ اللهُ اِحْدَى الطَّائِفَتَيْنِ (انفال رکوع۱) وہ اصل وعدہ قرآن میں کہاں ہے؟ مفصل دیکھو مضمون" اہل قرآن سے چار سوالات" مشمولہ پاکٹ بک ہذا۔

(۵) بخاری میں ہے۔ فَقَالَ اِعْتَكَفْنَا مَعَ النَّبِيِّ صلعم۔ اَلْعَشْرَ الْاَوْسَطَ مِنْ رَمَضَانَ فَخَرَجَ صَبِيْحَةَ عِشْرِيْنَ فَخَطَبَنَا وَقَالَ اِنِّيْ اُرِيْتُ لَيْلَةَ الْقَدْرِ ثُمَّ اُنْسِيْتُهَا اَوْ نُسِّيْتُهَا فَالْتَمِسُوْهَا فِي الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ فِي الْوِتْرِ" (بخاری کتاب الصلوٰۃ التراویح۔ باب

التماس لیلۃ القدر فی السبع الاواخر جلد ۱ صـ۲۲۵) حضرت ابو سعید خدریؓ فرماتے ہیں۔ کہ ہم نے آنحضرت صلعم کے ہمراہ رمضان کے درمیانی عشرہ میں اعتکاف کیا۔ پھر آپ بیسویں تاریخ کی صبح کو باہر تشریف لائے۔ اور ہم سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ کہ مجھے لیلۃ القدر دکھائی گئی تھی۔ مگر پھر مجھ سے بھلا دی گئی ۔۔ یا یہ فرمایا کہ "میں بھول گیا" پس اب تم اس کو (رمضان کے) آخری عشرہ کی طاق راتوں میں تلاش کرو۔

(۶) بخاری میں اس سے بھی زیادہ واضح حدیث اس باب میں حضرت عبادہ بن صامتؓ کی روایت ہے۔ وہ فرماتے ہیں "خَرَجَ النَّبِیُّ صلعم یُخْبِرُنَا بِلَیْلَۃِ الْقَدْرِ فَتَلَاحیٰ رَجُلَانِ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ فَقَالَ خَرَجْتُ لِاُخْبِرَکُمْ بِلَیْلَۃِ الْقَدْرِ فَتَلَاحیٰ فُلَانٌ وَفُلَانٌ فَرُفِعَتْ وَعَسیٰ اَنْ یَّکُوْنَ خَیْرًا لَّکُمْ۔" (بخاری کتاب التراویح باب رفع معرفۃ لیلۃ القدر جلد ۱ صـ۲۵۵ مصری)

کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن ہمیں لیلۃ القدر کا پتہ بتانے کے لئے باہر تشریف لائے۔ تو (آپؐ نے دیکھا کہ) مسلمانوں میں سے دو آدمی آپس میں جھگڑ رہے تھے۔ آپؐ نے فرمایا۔ کہ میں باہر آیا تھا۔ تاکہ تم کو لیلۃ القدر بتاؤں۔ پس فلاں فلاں دو آدمی آپس میں جھگڑے۔ اس لئے (لیلۃ القدر) مجھے بھلا دی گئی۔ اور قریب تھا کہ اس کا علم تمہارے لئے مفید ہوتا۔"

حصّۂ دوم

پیشگوئیوں پر اعتراضات کے جوابات

پیشگوئی متعلقہ مرزا احمد بیگ وغیرہ

خدا تعالیٰ کی سنتِ قدیمہ

جب کوئی قوم اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے عذاب کی مستحق ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس قوم کو عذاب نازل کرنے سے قبل آخری اتمام حجت کے طور پر ایک حکم دیا کرتا ہے۔ وہ حکم اپنی ذات میں نہایت معمولی حکم ہوتا ہے۔ مگر اس کی خلاف ورزی "اونٹ کی پیٹھ پر آخری تنکا" ثابت ہوتی ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ اسی قانون کو ان الفاظ میں بیان فرماتا ہے۔ وَاِذَآ اَرَدْنَآ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا فِيْهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِيْرًا ○ (بنی اسرائیل ع ۲) کہ جب ہم کسی بستی کو تباہ کرنے کا ارادہ کرتے ہیں۔ تو اس کے خوشحال لوگوں کو ایک حکم دیتے ہیں۔ جسے وہ نافرمانی کرتے ہیں اس کی۔ پس ان پر فردِ جرم لگ جاتا ہے۔ اور ہم اس کو

بالکل تباہ و برباد کر دیتے ہیں۔

چنانچہ اس قسم کی اتمام حجت کی ایک مثال سورۃ الشمس میں بیان فرمائی ہے
فَقَالَ لَهُمْ رَسُولُ اللّٰهِ نَاقَةَ اللّٰهِ وَسُقْيٰهَا۔ فَكَذَّبُوْهُ فَعَقَرُوْهَا
فَدَمْدَمَ عَلَيْهِمْ رَبُّهُمْ بِذَنْبِهِمْ فَسَوّٰهَا۔ پس قوم ہود سے اللہ
کے نبی (صالح ؑ) نے فرمایا۔ کہ خدا کی اس اونٹنی کا خیال رکھو۔ اور اس کو پانی
پلاؤ۔ پس انہوں نے اس کا انکار کیا۔ اور اونٹنی کے پاؤں کاٹ دئیے۔ پس
ان کو خدا تعالےٰ نے ان کے گناہ اور نافرمانی کے باعث ہلاک کر دیا۔

پس یہی سنت الہیہ تھی۔ جس کے ساتھ اللہ تعالےٰ نے حضرت مسیح موعود
علیہ السلام کے قریبی رشتہ داروں کے ساتھ معاملہ کیا۔ وہ لوگ (جیسا کہ تفصیل
آگے آئے گی) خدا تعالےٰ کے منکر۔ آنحضرت صلعم اور قرآن کے دشمن تھے
ہندو تہذیب اور ہندوانہ رسوم کا ان پر گہرا اثر تھا۔ جس طرح ہندوؤں کے
ہاں اپنی گوت اور خاندان میں نکاح ناجائز سمجھا جاتا ہے۔ اسی طرح وہ لوگ،
(مرزا احمد بیگ وغیرہ) بھی یہ خیال کرتے تھے۔ کہ اسلام نے جو چچا۔ ماموں اور
خالہ کی لڑکی کے ساتھ نکاح کو جائز قرار دیا ہے یہ نہایت قابل اعتراض ہے۔
وہ لوگ کہا کرتے تھے۔ کہ مندرجہ بالا رشتوں میں سے کسی کے ساتھ نکاح
کرنا حقیقی ہمشیرہ کے ساتھ نکاح کرنے کے مترادف ہے۔ اس لئے آنحضرت
صلعم نے جو اپنی خالہ کی لڑکی (حضرت زینب ؓ) سے نکاح کیا وہ بھی ناجائز
تھا۔ سو خدا تعالےٰ نے ان کی بدکرداریوں اور نافرمانیوں کے باعث (جن کی
تفصیل آگے آئیگی) ان کو قوم صالح کی طرح ایک آخری حکم دیا کہ وہ (احمد بیگ)

اپنی لڑکی کا نکاح حضرت مسیح موعودؑ کے ساتھ کر دیں گے۔ تو یہ نکاح قرآن مجید کی آیت "کُونُوا مَعَ الصَّادِقِیْنَ" کے مطابق (کہ صادقین کے ساتھ تعلق پیدا کرو) موجب رحمت اور برکت ہوگا (۲) چونکہ حضرت کا رشتہ ان لوگوں کے ساتھ اسی قسم کا تھا جس کو ہندوانہ رسوم کے ماتحت برا سمجھتے تھے۔ اس لئے خدا تعالیٰ نے خصوصیت سے اسی امر کو چنا جس طرح آنحضرت صلعم کے زینبؓ (مطلقہ زیدؓ) کے ساتھ نکاح کے متعلق خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ۔

لِكَيْلَا يَكُونَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ حَرَجٌ فِي أَزْوَاجِ أَدْعِيَائِهِمْ إِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا (احزاب ع ۵)

ہم نے یہ نکاح کیا تاکہ مومن اپنے متبنّوں کی مطلقہ بیویوں کے ساتھ نکاح کرنے کو برا نہ سمجھیں۔ گویا اس بدرسم کو مٹانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلعم کا زینبؓ سے نکاح کیا۔ بعینہ اس جگہ بھی اسی امر کو چنا۔ تا ان کی اصلاح ہو اور یہ خیالات فاسدہ ان کے دماغ سے نکل جائیں۔

(۳) تیسری حکمت اس میں یہ تھی۔ کہ چونکہ اللہ تعالیٰ کو ان کی اصلاح مقصود تھی۔ اور تاریخ اسلامی سے ثابت ہے کہ بعض اوقات نبی کے ساتھ جسمانی رشتہ لڑکی کے خاندان کی اصلاح کا موجب ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ ام حبیبہؓ بنت ابوسفیان۔ اور سودہ بنت زمعہ کے آنحضرت صلعم کے نکاح میں آ جانے کی وجہ سے ان کے خاندان حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ اس لئے خدا تعالیٰ نے اتمام حجت کے لئے یہ آخری حکم مرزا احمد بیگ وغیرہ کو دیا۔

مخالفینِ انبیاء کا شیوۂ تکذیب

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی یہ پیشگوئی ایک عظیم الشان پیشگوئی تھی۔ جو اپنی تمام شروط کے ساتھ لفظاً لفظاً پوری ہوگئی۔ جیسا کہ خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام تحریر فرماتے ہیں:۔ "اور ہم نے سلطان محمد کے بارے میں اس کی موت کی وجہ تاخیر علیحدہ اشتہار میں ایسے طور پر ثبت کر دی ہے۔ جس کے قبول کرنے سے کسی ایماندار کو عذر نہیں ہوگا۔ اور بے ایمان جو چاہے سو کہے۔ یاد رکھنا چاہئے۔ کہ یہ پیشگوئی اپنی تمام عظمتوں کے ساتھ پوری ہوئی۔ جس سے کوئی دانشمند انکار نہیں کر سکتا" (انوار اسلام ص ۱)

نوٹ:۔ بعض ان لوگوں نے جن کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتابوں کا علم نہیں خاکسار پر طعن کیا ہے۔ کہ گویا یہ دعویٰ کہ یہ پیشگوئی پوری ہوگئی خاکسار کی ایجاد ہے جیسا کہ مولوی ثناء اللہ جس نے اس پاکٹ بک کی نقل کر کے ایک اشتہاری پاکٹ بک "ثنائی پاکٹ بک" کے نام سے شائع کی ہے۔ اس کے صفحہ ۶۷ پر یہی اعتراض لکھا ہے۔ حالانکہ یہ محض اس کی لاعلمی کا نتیجہ ہے۔ کیونکہ یہ میرا دعویٰ نہیں۔ بلکہ خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا دعویٰ ہے۔ خادم

اہل بصیرت نے اس پیشگوئی کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت اور حقانیت کی ایک دلیل سمجھا۔ اس خاندان سے تعلق رکھنے والے بیسیوں آدمی حلقہ بگوش احمدیت ہوئے۔ مگر "علماء ہم" اپنے شیوۂ استہزاء و تمسخر سے باز نہ آئے۔

خدا تعالےٰ نے قرآن مجید میں آنحضرت صلعم کو مخاطب کر کے فرمایا تھا۔ فَلَمَّا قَضٰی زَیْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا۔ کہ جب زیدؓ نے حضرت زینبؓ کو طلاق دیدی۔ تو ہم نے آپ کے ساتھ آسمان پر نکاح پڑھ دیا۔ یہی لفظ "زَوَّجْنٰكَهَا" حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو خدا تعالےٰ نے محمدی بیگم کے متعلق فرمایا۔ وہاں شرائط کے تحقق کے باعث حضرت زینب کا نکاح ہو گیا۔ مگر پھر بھی مخالفین اس پہ اعتراض کرنے سے باز نہ آئے۔ اور آجتک اس کے متعلق ہرزہ سرائی کرتے رہتے ہیں۔ یہاں شرائط کے عدم تحقق کے باعث محمدی بیگم کا نکاح نہ ہوا۔ تو اس پر بھی مخالفین اعتراضات کرنے میں پیش از پیش ہیں۔ غرضیکہ نکاح کا ہونا یا نہ ہونا باعث اعتراض نہیں۔ بلکہ اس کا باعث درحقیقت وہ فطری بغض ہے جو روز اول سے معاندین و مکذبین کے شامل حال رہا ہے۔

چنانچہ ہم محمدی بیگم کے ساتھ متعلقہ پیشگوئی کو کسی قدر تفصیل کے ساتھ درج ذیل کر کے اہل بصیرت حضرات سے اپیل کرتے ہیں۔ اگر وہ خدا کے لئے انصاف و خدا ترسی کے ساتھ اس پیشگوئی پر نظر ڈالیں گے تو ان پر روز روشن کی طرح واضح ہو جائے گا۔ کہ نہ صرف یہ کہ اس پیشگوئی پہ مخالفین کی طرف سے جس قدر اعتراضات کئے جاتے ہیں وہ سراسر باطل ہیں۔ بلکہ یہ بھی کہ یہ پیشگوئی بعینہٖ اسی طرح جسطرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس کو بیان فرمایا تھا پوری ہوئی۔ وَاللّٰهُ الْمُوَفِّق۔

مخالف علماء کی غلط بیانیاں

مخالف علماء اس پیشگوئی پہ اعتراض کرنے کیلئے ہمیشہ صداقت اور انصاف

کو بالائے طاق رکھ کر یہ کہا کرتے ہیں۔ کہ مرزا صاحب نے فرمایا تھا:۔ کہ محمدی بیگم کے ساتھ میرا نکاح ہو جائیگا۔ اگر میرا نکاح محمدی بیگم سے نہ ہُوا تو میں جھوٹا ہو جاؤں گا۔ اور "بد سے بدتر ٹھہروں گا" چونکہ مرزا صاحب کا نکاح محمدی بیگم سے نہیں ہُوا۔ لہذا مرزا صاحب جھوٹے ہیں (نعوذ باللہ) یہ وہ طریق ہے جس سے وہ اس پیشگوئی کو پیش کر کے عوام کو دھوکہ دیتے ہیں۔ حالانکہ خدا شاہد ہے کہ یہ سب جھوٹ ہے۔ افترا اور دھوکہ ہے۔ اگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اسی طرح پیشگوئی فرمائی ہوتی۔ تو غیر احمد علماء کا اعتراض درست ہوتا۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ مخالف علماء ہمیشہ اصل واقعات کو حذف کر کے بے حد تحریف کے ساتھ پیش کر کے لوگوں کو دھوکہ دیتے ہیں۔

پیشگوئی کی غرض وغایت

اس پیشگوئی کے سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ پہلے اسکی اصل غرض وغایت کو بیان کر دیا جائے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام خود تحریر فرماتے ہیں:۔

"اِنَّ اللّٰهَ رَاٰی اَبْنَاءَ عَمِّی وَغَیْرَهُمْ مِنْ شُعُوْبِ اَبِیْ رُوْحِیْ الْمَغْمُوْرِیْنَ فِی الْمُهْلِکَاتِ وَالْمُسْتَغْرِقِیْنَ فِی السَّیِّئَاتِ مِنَ الرُّسُوْمِ الْقَبِیْحَةِ وَالْعَقَائِدِ الْبَاطِلَةِ وَالْبِدْعَاتِ وَرَاٰهُمْ مُنْقَادِیْنَ لِجَذَبَاتِ النَّفْسِ وَاسْتِیْفَاءِ الشَّهَوَاتِ وَالْمُنْکِرِیْنَ لِوُجُوْدِ اللّٰهِ وَمِنَ الْمُفْسِدِیْنَ" (آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۵۶۶ مطبوعہ سنہ ۱۸۹۳ء)

خدا تعالیٰ نے میرے چچیرے بھائیوں اور دوسرے رشتہ داروں .... (احمد بیگ وغیرہ) کو مہلک خیالات و اعمال میں مبتلا اور رسوم قبیحہ عقائد

باطلہ اور بدعات میں مستغرق پایا۔ اور انکو دیکھا کہ وہ اپنے نفسانی جذبات کے لحاظ سے پیروانِ جذبات و شہوات نفسانیہ ہیں اور نیز یہ کہ وہ وجود خداوندی کے منکر اور فسادی ہیں۔ اس کے آگے یہانتک فرمایا کہ وَکَانُوْا اَشَدَّ کُفْرًا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَالْمُنْکِرِیْنَ لِقَضَاءِ اللّٰہِ وَقَدَرِہٖ وَمِنَ الدَّھْرِیِّیْنَ (آئینہ کمالات اسلام ص۵۶۲) وہ لوگ خدا اور رسول کے پکے منکر اور قضا اور قدر کے نہ ماننے والے بلکہ دہریہ تھے ان کی بے دینی اور دہریت کا پوری طرح علم مندرجہ ذیل واقعہ سے ہو سکتا ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے آئینہ کمالات اسلام میں تحریر فرمایا ہے:۔

"فَاتَّفَقَ ذَاتَ لَیْلَۃٍ اِنِّیْ کُنْتُ جَالِسًا فِیْ بَیْتِیْ اِذْ جَاءَنِیْ رَجُلٌ بَاکِیًا فَفَزِعْتُ مِنْ بُکَائِہٖ فَقُلْتُ اَجَاءَکَ نَعْیُ مَوْتٍ قَالَ بَلْ اَعْظَمُ مِنْہُ اِنِّیْ کُنْتُ جَالِسًا عِنْدَ ھٰؤُلَاءِ الَّذِیْنَ ارْتَدُّوْا مِنْ دِیْنِ اللّٰہِ فَسَبَّ اَحَدُھُمْ رَسُوْلَ اللّٰہِ سَبًّا شَدِیْدًا غَلِیْظًا مَا سَمِعْتُہٗ قَبْلَہٗ مِنْ فَمِ کَافِرٍ وَرَاَیْتُھُمْ اَنَّھُمْ یَجْعَلُوْنَ الْقُرْاٰنَ تَحْتَ اَقْدَامِھِمْ وَیَتَکَلَّمُوْنَ بِکَلِمَاتٍ یَرْتَعِدُ الْاِنْسَانُ مِنْ نَقْلِھَا۔ وَیَقُوْلُوْنَ اَنَّ وُجُوْدَ الْبَارِیْ لَیْسَ بِشَیْءٍ وَمَا مِنْ اِلٰہٍ فِی الْعَالَمِ اِنْ ھُوَ اِلَّا کِذْبُ الْمُفْتَرِیْنَ قُلْتُ اَوَلَمْ حَذَّرْتُکَ مِنْ مَجَالِسِھِمْ فَاتَّقِ اللّٰہَ وَلَا تَقْعُدْ مَعَھُمْ وَکُنْ مِنَ التَّائِبِیْنَ۔" (آئینہ کمالات اسلام ص۵۶۸)

یعنی ایک رات ایسا اتفاق ہوا۔ کہ ایک شخص میرے پاس روتا ہوا آیا۔ میں اس کے رونے کو دیکھ کر خائف ہوا۔ اور اس سے پوچھا۔ کہ تم کو کسی کے

مرنے کی اطلاع ملی ہے؟ اس نے کہا نہیں۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ ابھی ان لوگوں کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ جو دین خداوندی سے مرتد ہو چکے ہیں۔ پس ان میں سے ایک نے آنحضرت صلعم کو نہایت گندی گالی دی۔ ایسی گالی کہ اس سے پہلے میں نے کبھی کسی کافر کے منہ سے بھی نہیں سُنی۔ اور میں نے انہیں دیکھا۔ کہ وہ قرآن مجید کو اپنے پاؤں کے نیچے روندتے ہیں۔ اور ایسے کلمات بولتے ہیں کہ زبان بھی ان کو نقل کرتے سے گندی ہوتی ہے۔ اور وہ کہتے ہیں کہ خدا کا وجود کوئی چیز نہیں ہے اور یہ کہ دنیا میں کوئی معبود نہیں۔ یہ صرف ایک جھوٹ ہے جو مفتریوں نے بولا۔ میں نے آپ سے کہا کہ کیا میں نے تمہیں ان کے پاس بیٹھنے سے منع نہیں کیا تھا۔ پس خدا سے ڈرو اور آئندہ ان کے ساتھ کبھی نہ بیٹھنا۔ اور توبہ کرو۔"

"وَكَانُوا يَسْتَهْزِءُونَ بِاللهِ وَرَسُولِهٖ وَيَقُولُونَ (قَاتَلَهُمُ اللهُ) اِنَّ الْقُرْاٰنَ مِنْ مُفْتَرَيَاتِ مُحَمَّدٍ (صلعم) وَكَانُوْا مِنَ الْمُرْتَدِّيْنَ (ص ۵۶۸) کہ وہ خدا اور رسول پر تمسخر کرتے اور کہتے تھے کہ قرآن نعوذ باللہ...... آنحضرتؐ کا افترا ہے اور وہ مرتد تھے۔

غرضیکہ ان لوگوں کی یہ حالت تھی۔ جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مامور من اللہ ہونے کا دعویٰ فرمایا۔ ایسے لوگوں کے لئے جو خدا کی ہستی ہی کے سرے سے منکر تھے۔ ایسا دعویٰ اور زیادہ استہزا اور تمسخر کا محرک ہوا۔ چنانچہ انہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ساتھ نہایت بے باکی اور شرارت کے ساتھ سلوک کرنا شروع کیا

اور کہا "فَلْیَاتِنَا بِاٰیَةٍ اِنْ کَانَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ" (صفحہ ۵۶۸ آئینہ کمالات اسلام) کہ اگر سچا ہے۔ تو کوئی نشان ہمیں دکھائے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:۔ "فَکَتَبُوْا کِتَابًا کَانَ فِیْهِ سَبُّ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ۔ وَسَبُّ کَلَامِ اللّٰهِ تَعَالٰی وَاِنْکَارُ وُجُوْدِ الْبَارِیْ عَزَّ اِسْمُهٗ وَمَعَ ذَالِكَ طَلَبُوْا فِیْهِ اٰیَاتِ صِدْقِیْ مِنِّیْ وَاٰیَاتِ وُجُوْدِ اللّٰهِ تَعَالٰی وَاَرْسَلُوْا کِتَابَهُمْ فِی الْاٰفَاقِ وَالْاَقْطَارِ اَعَانُوْا بِهَا کَفَرَةَ الْهِنْدِ وَعَتَوْا عُتُوًّا کَبِیْرًا" (آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۵۶۸)

کہ انہوں نے ایک خط لکھا۔ جس میں آنحضرت صلعم اور قرآن مجید کو گالیاں دی ہوئی تھیں۔ اور خدا تعالےٰ کی ہستی کے لئے نشان طلب کیا ہوا تھا۔ اور انہوں نے اپنا یہ خط آفاق و اقطار میں شائع کیا۔ اور ہندوستان کے دوسرے غیر مسلموں (عیسائیوں) نے اس میں ان کی بہت مدد کی۔ اور انہوں نے انتہائی سرکشی کی۔ (یہ خط اخبار چشمہ نور اگست ۱۸۸۵ء میں شائع ہوا تھا)

ان کی اس انتہائی شوخی اور مطالبہ نشان پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے خدا تعالےٰ سے دعا فرمائی۔ جس کا ذکر حضرت نے آئینہ کمالات اسلام کے صفحہ ۵۶۹ پر بدیں الفاظ شروع فرمایا ہے:۔

"وَقُلْتُ یَا رَبِّ یَا رَبِّ انْصُرْ عَبْدَكَ وَاخْذُلْ اَعْدَاءَكَ" الخ کہ میں نے کہا۔ اے میرے خدا!! اپنے بندے کی مدد فرما

اور اپنے دشمنوں کو ذلیل کر۔

اس کے جواب میں خدا تعالےٰ کی طرف سے حضور کو الہاماً وہ نشان دیا گیا۔ جس کے لئے وہ لوگ اس قدر بے تاب ہو رہے تھے۔ چنانچہ خدا تعالےٰ نے فرمایا۔ "إِنِّي رَأَيْتُ عِصْيَانَهُمْ وَطُغْيَانَهُمْ فَسَوْفَ أَضْرِبُهُمْ بِأَنْوَاعِ الْآفَاتِ أُبِيدُهُمْ مِنْ تَحْتِ السَّمٰوٰتِ وَسَتَنْظُرُ مَا أَفْعَلُ بِهِمْ وَكُنَّا عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَادِرِينَ۔ إِنِّي أَجْعَلُ نِسَاءَهُمْ أَرَامِلَ وَأَبْنَاءَهُمْ يَتَامٰى۔ وَبُيُوتَهُمْ خَرِبَةً لِيَذُوقُوا طَعْمَ مَا قَالُوا وَمَا كَسَبُوا وَلٰكِنْ لَا أُهْلِكُهُمْ دَفْعَةً وَاحِدَةً بَلْ قَلِيْلًا قَلِيْلًا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ وَيَكُوْنُوْنَ مِنَ التَّوَّابِيْنَ إِنَّ لَعْنَتِيْ نَازِلَةٌ عَلَيْهِمْ وَعَلٰى جُدْرَانِ بُيُوْتِهِمْ وَعَلٰى صَغِيْرِهِمْ وَكَبِيْرِهِمْ وَنِسَائِهِمْ وَرِجَالِهِمْ وَنَزِيْلِهِمُ الَّذِيْ دَخَلَ أَبْوَابَهُمْ وَكُلُّهُمْ كَانُوْا مَلْعُوْنِيْنَ۔"

(آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۵۶۹)

ترجمہ: میں نے ان کی بدکرداری اور سرکشی دیکھی پس میں عنقریب انکو مختلف قسم کی آفات سے ماروں گا۔ اور ان کو زیر آسمان ہلاک کردوں گا۔ اور عنقریب تو دیکھے گا کہ میں ان کے ساتھ کیا سلوک کرتا ہوں؟ اور ہم ایک چیز پر قادر ہیں۔ میں ان کی عورتوں کو بیوائیں۔ ان کے بچوں کو یتیم اور انکے گھروں کو ویران کردوں گا۔ تاکہ وہ اپنے کئے کی سزا پائیں۔ لیکن میں انہیں یکدم ہلاک نہیں کروں گا۔ بلکہ آہستہ آہستہ۔ تاکہ وہ رجوع کریں۔ اور توبہ کرنے والوں میں سے ہو جائیں۔ اور میری لعنت ان پر اور

ان کے گھروں کی چار دیواری پر اور ان کے بڑوں اور ان کے چھوٹوں اور ان کی عورتوں اور ان کے مردوں پر اور ان کے مہمانوں پر جو ان کے گھروں میں اتریں نازل ہونے والی ہے۔ اور وہ سب کے سب ملعون ہوں گے۔

پیشگوئی کی مزید تفصیل

مندرجہ بالا عبارت میں صاف طور پر بتایا گیا تھا۔ کہ خدا ان کی عورتوں کو بیوائیں اور ان کے بچوں کو یتیم کر دے گا۔ مگر اس کے ساتھ ہی توبہ اور رجوع کی شرط بھی مذکور ہے۔ کہ خدا تعالیٰ ان کو یکدم ہلاک نہیں کرے گا۔ تاکہ اگر وہ توبہ کرلیں تو بچ جائیں۔

ان عورتوں کو بیوائیں اور بچوں کے یتیم بننے کی تفصیل حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس طرح بیان فرمائی ہے۔ کہ اگر مرزا احمد بیگ اپنی دختر کلاں (محمدی بیگم) کا رشتہ حضرت مسیح موعود سے کر دے گا۔ تو وہ اور اس کا خاندان اسی طرح روحانی برکات سے حصہ پائے گا۔ جس طرح ام حبیبہ رضی اللہ عنہا بنت ابوسفیان اور سودہ رضی اللہ عنہا بنت زمعہ نے خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آکر اپنے قبیلہ اور خاندان کو پہنچایا۔ (کہ ان کے خاندان اور قبیلے ان کے نکاح کے باعث اسلام میں داخل ہو گئے)

الہام الٰہی نے ساتھ ہی یہ بھی بتا دیا۔ کہ وہ اپنی اندرونی حالت (جس کا ذکر اوپر آچکا ہے) کے باعث ہرگز یہ رشتہ نہیں کرے گا۔ اور اس صورت میں جس دن وہ کسی اور شخص سے اس کا نکاح کر دیگا۔ اس کے بعد تین سال کے عرصہ میں۔ اور جس شخص سے اس

لڑکی کا نکاح ہو گا۔ وہ ۲½ سال کے عرصہ میں ہلاک ہو جائے گا۔ اور لڑکی بیوہ ہونے کے بعد حضرت کے نکاح میں آئے گی۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اپنے الفاظ حسب ذیل ہیں:-

"اس خدائے قادر حکیم مطلق نے مجھ سے فرمایا کہ اس شخص (احمد بیگ) کی دختر کلاں کے نکاح کے لئے سلسلہ جنبانی کر۔ اور ان کو کہہ دے کہ تمام سلوک اور مروّت تم سے اس شرط سے کیا جائے گا۔ اور یہ نکاح تمہارے لئے موجب برکت اور ایک رحمت کا نشان ہو گا۔ اور تمام برکتوں اور رحمتوں سے حصّہ پاؤ گے۔ جو اشتہار ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء میں درج ہیں۔ لیکن اگر نکاح سے انحراف کیا تو اس لڑکی کا انجام نہایت ہی برا ہو گا۔ اور جس کسی دوسرے شخص سے بیاہی جائے گی۔ وہ روز نکاح سے اڑھائی سال تک اور والد اس دختر کا تین سال تک فوت ہو جائیگا۔"
(آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۲۸۶)

الہام الٰہی نے ساتھ ہی ایک اور بات بتا دی کہ (۱) مرزا احمد بیگ اپنی لڑکی کا نکاح ضرور کسی دوسری جگہ کر دے گا۔ چنانچہ اس کے لئے الہامات یہ ہیں:- "کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَکَانُوْا بِھَا یَسْتَھْزِءُوْنَ فَسَیَکْفِیْکَھُمُ اللّٰہُ وَیَرُدُّھَا اِلَیْکَ"
(آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۲۸۶)

یعنی انہوں نے ہمارے نشانوں کو جھٹلایا۔ اور ان کے ساتھ تمسخر و استہزاء کیا۔ خدا تعالیٰ انجام کار اس لڑکی کو تمہاری طرف واپس لائیگا۔ یہ دونو الہامات بتا رہے ہیں کہ لڑکی کا رشتہ ضرور کسی دوسری جگہ ہو جائیگا۔ وہ لوگ اس نشانِ الٰہی کی تکذیب کرینگے۔ اور لڑکی کا دوسری جگہ نکاح کر دینگے۔ دوسرا الہام تو صریح طور پہ بتا رہا ہے کہ نکاح ضرور دوسری جگہ ہو گا۔ "واپس لانا" (یردھا) کا لفظ اس پہ صریح نص ہے۔ اس کے ساتھ دوسری (۲) بات یہ بھی بتا دی گئی کہ احمد بیگ اور اس کے داماد وغیرہ کی ہلاکت توبہ اور رجوع نہ کرنے کی صورت میں ہو گی۔

"لَا اُهْلِكُهُمْ دَفْعَةً وَاحِدَةً بَلْ قَلِيْلًا قَلِيْلًا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ وَيَكُوْنُوْنَ مِنَ التَّوَّابِيْنَ" (آئینہ کمالات اسلام ص۵۶۹)

کہ میں ان کو یکدم ہلاک کرونگا۔ بلکہ آہستہ آہستہ تاکہ وہ رجوع کرلیں۔ اور توبہ کرنے والوں میں سے ہو جائیں۔

(۳) "اگر وہ توبہ نہ کرینگے۔ تو خدا اُن پر بلا پر بلا نازل کریگا۔ یہانتک کہ وہ نابود ہو جائینگے۔ ان کے گھر بیواؤں سے بھر جائینگے۔ اور اُنکی دیوار وں پر غضب نازل ہو گا۔ لیکن اگر وہ رجوع کرینگے۔ تو خدا رحم کے ساتھ رجوع کرے گا۔" (اشتہار ۲۰ رفروری ۱۸۸۶ء۔ ضمیمہ اخبار ریاض ہند امرتسر مارچ ۱۸۸۶ء مشمولہ آئینہ کمالات اسلام۔ و تبلیغ رسالت جلد ا ص۶۱ و نیز حاشیہ ص۶۰،۶۱)۔

دونوں عبارتیں بالکل واضح ہیں۔ اور کسی تشریح کی محتاج نہیں۔ صاف طور پر ان میں توبہ کی شرط مذکور ہے۔ اور بتایا گیا ہے۔ کہ ان لوگوں پر (جن کی ہلاکت کی پیشگوئی کی تھی) اگر وہ توبہ نہ کریں۔ اور رجوع نہ لائیں گے۔ تو عذاب نازل ہو گا۔ لیکن اگر وہ رجوع کریں گے۔ تو خدا رحم کے ساتھ رجوع کرے گا۔

(۳) تیسرا ثبوت اس امر کا کہ پیشگوئی میں توبہ کی شرط مذکور تھی حضرت مسیح موعودؑ کے مندرجہ ذیل الہامات ہیں۔ جو حضورؑ نے اس پیشگوئی کے متعلق شائع فرمائے:۔

"رَأَیْتُ ہٰذِہِ الْمَرْءَۃَ وَاَثَرُ الْبُکَاءِ عَلٰی وَجْھِھَا فَقُلْتُ اَیَّتُھَا الْمَرْءَۃُ تُوْبِیْ تُوْبِیْ فَاِنَّ الْبَلَاءَ عَلٰی عَقِبِکِ وَالْمُصِیْبَۃُ نَازِلَۃٌ عَلَیْکِ یَمُوْتُ وَیَبْقٰی مِنْہُ کِلَابٌ مُتَعَدِّدَۃٌ"

(اشتہار ۱۵ر جولائی ۱۸۸۸ء حاشیہ و تبلیغ رسالت جلد ا صفحہ ۱۲۰)۔

"کہ میں نے اس عورت (محمدی بیگم کی نانی) کو کشفی حالت میں دیکھا اور رونے کے آثار اس کے چہرے سے ظاہر تھے۔ پس میں نے اس سے کہا۔ کہ اے عورت! توبہ کر۔ کیونکہ بلا تیری اولاد پر ہے۔ اور مصیبت تجھ پر نازل ہونے والی ہے۔ ایک مرد مر جائیگا۔ اور اس کی طرف سے کتّے باقی رہ جائیں گے"

ان الہامات میں "توبی توبی" کے الفاظ صاف طور پر بتا رہے ہیں کہ وہ مصیبت جو اس خاندان پر آنیوالی تھی۔ وہ توبہ سے ٹل سکتی تھی

اور "توبی توبی" میں محمدی بیگم کی نانی کو مخاطب کرنے سے خدا تعالیٰ کا مقصد یہ ہے کہ اس انذاری پیشگوئی میں "توبہ" کا دروازہ بہت وسیع ہے۔

کبیرہ گناہوں کو چھوڑ کر جو دوسرے صغیرہ گناہ ہوتے ہیں۔ ان کیلئے ایک آدمی کی دُعا سے دوسرے کے گناہ معاف ہو سکتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ التحیات میں یہ دُعا سکھائی گئی :-

"رَبَّنَا اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ" کہ اے ہمارے رب! مجھے اور میرے والدین کو بخش۔ اسی طرح سے اپنی "ذریت" کے لئے بھی دعا سکھائی گئی۔ کہ رَبِّ اجْعَلْنِيْ مُقِيْمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ۔ "کہ اے اللہ مجھے اور میری ذریت کو بھی نماز کا قائم کرنے والا بنا۔

غرضیکہ "توبی توبی" میں محمدی بیگم کی نانی کو مخاطب کرکے بتایا گیا ہے کہ اس پیشگوئی میں جو "توبہ" کی شرط لگائی گئی ہے۔ تو اس کیلئے دروازہ بہت کھلا ہے۔ یہاں تک کہ "نانی" کی دُعا اور استغفار سے نواسی کی مصیبت ٹل سکتی ہے۔ چہ جائیکہ وہ خود توبہ اور استغفار کریں۔ پس ثابت ہوا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اصل پیشگوئی یہ نہ تھی۔ کہ "محمدی بیگم میرے نکاح میں آجائیگی" بلکہ پیشگوئی یہ تھی۔ کہ احمد بیگ اور سلطان محمد "اگر توجہ نہ کریں گے" (دیکھو مندرجہ بالا اقتباس ۲ از اشتہار ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء) تو تین اور اڑھائی سال کے عرصہ میں ہلاک ہو جائیں اور ان کی ہلاکت کے بعد محمدی بیگم بیوہ ہو کر "حضرت کے نکاح میں آئے گی۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے خود اپنی اشتہار

۲۰ر فروری ۱۸۸۶ء میں صاف طور پر تحریر فرمادیا ہے:۔

"خداتعالےٰ نے اس عاجز کے مخالف اور منکر رشتہ داروں کے حق میں نشان کے طور پر یہ پیشگوئی ظاہر کی ہے۔ کہ ان میں سے جو ایک شخص احمد بیگ نام ہے۔ اگر وہ اپنی بڑی لڑکی اس عاجز کو نہیں دیگا۔ تو تین برس کے عرصہ تک۔ بلکہ اس سے قریب فوت ہو جائیگا۔ اور وہ جو نکاح کرے گا۔ روزِ نکاح سے اڑھائی برس کے عرصہ میں فوت ہو جائیگا۔ اور آخر وہ عورت میرے نکاح میں آئیگی"

(۲) اس سے بھی واضح حوالہ جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ محمدی بیگم کا حضرت کے نکاح میں آنا۔ احمد بیگ اور سلطان محمد دونوں کی موت پر موقوف تھا۔ یہ ہے:۔ "یَمُوْتُ بَعْلُهَا وَ اَبُوْهَا اِلٰی ثَلَاثِ سَنَةٍ مِنْ یَوْمِ النِّکَاحِ ثُمَّ نَرُدُّهَا اِلَیْكَ بَعْدَ مَوْتِهِمَا" (کرامات الصادقین آخری ٹائیٹل پیج) کہ اس کا خاوند اور باپ یوم نکاح سے تین سال کے عرصہ میں مرجائینگے۔ اور ان دونوں کی مرنے کے بعد ہم اس عورت کو تیری طرف واپس لائیں گے۔

(۳) اس سے بھی واضح حوالہ جس سے یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ نکاح کی پیشگوئی اصل پیشگوئی نہ تھی بلکہ اصل پیشگوئی احمد بیگ اور سلطان محمد کی ہلاکت تھی یہ ہے:۔ "کَانَ اَصْلُ الْمَقْصُوْدِ الْاِھْلَاكَ وَتَعْلَمُ اَنَّهٗ ھُوَ الْمِلَاكُ وَ اَمَّا تَزْوِیْجُهَا اِیَّایَ بَعْدَ اِھْلَاكِ الْھَالِکِیْنَ وَ الْھَالِکَاتِ فَھُوَ لِاَعْظَمِ الْاٰیَةِ فِی

آعُبُنِ الْمَخْلُوْقَاتِ ۔ (انجام آتھم صـ ۲۱۶) کہ میری پیشگوئی کا اصل مقصد تو (ان دونوں کا) ہلاک کرنا تھا۔ اور اس عورت کا میرے نکاح میں آنا ان کی موت کے بعد ہے۔ اور وہ بھی محض نشان کی عظمت کو لوگوں کی نظر میں بڑھانے کے لیے نہ کہ اصل مقصود۔

غرضیکہ یہ ثابت ہوگیا کہ حضرتؑ کی اصل پیشگوئی یہ تھی کہ مرزا سلطان محمد اور احمد بیگ "اگر توبہ نہ کریں گے" تو تین سال کے عرصہ میں فوت ہو جائیں گے اور "ان کی وفات کے بعد" محمدی بیگم حضرتؑ کے نکاح میں آئے گی۔

یہاں پر طبعاً سوال پیدا ہوتا ہے کہ خدا تعالے نے حضرت مرزا صاحب کو یہ بتایا کہ احمد بیگ اور سلطان محمد اگر توبہ نہ کریں گے تو تین برس کے عرصہ میں ہلاک ہو جائیں گے۔ جب خدا نے توبہ کی شرط لگا دی ہے۔ تو اب سوال یہ ہے کہ کیا وہ اس شرط سے فائدہ اٹھائیں گے یا نہیں؟ اور اگر اٹھائیں گے تو کس حد تک؟ کیونکہ خدا تعالیٰ تو عالم الغیب ہے۔ اس کو تو معلوم تھا کہ احمد بیگ اور سلطان محمد توبہ کی شرط سے فائدہ اٹھائیں گے یا نہیں تو اس سوال کا جواب "توبی توبی" والے الہام کے ساتھ ہی اگلے الفاظ میں دیا ہے۔ فرمایا "تُوْبِیْ تُوْبِیْ فَاِنَّ الْبَلَاءَ عَلٰی عَاقِبِکِ وَ الْمُصِیْبَۃُ نَازِلَۃٌ عَلَیْکِ یَمُوْتُ وَ یَبْقٰی مِنْہُ کِلَابٌ مُتَعَدِّدَۃٌ" (تتمہ اشتہار ۱۵ر جولائی حاشیہ اشتہار ۱۵ر جولائی ۱۸۸۸ء تبلیغ رسالت صـ ۱۲۳ جلد ۱ حاشیہ) کہ اے عورت توبہ کر توبہ کر۔ تجھ پر اور تیری لڑکی کی لڑکی پر عذاب نازل ہونے والا ہے۔ (ان دونوں) مرد دل

احمد بیگ اور سلطان محمد میں سے) ایک مرد ہی مریگا۔ (یعنی وہ توبہ نہیں کریگا۔ لیکن دوسرا توبہ کر کے شرط سے فائدہ اُٹھائیگا۔ اور نہیں مریگا۔ اور اِس طرح سے عورت بیوہ نہ ہوگی نہ نکاح ہوگا) اور کُتّے بھونکتے رہ جائیں گے "کہ نکاح کیوں نہیں ہوا۔ یعنی بے وجہ اعتراض کرتے رہینگے۔

اِس الہام میں صاف طور پر بتا دیا گیا ہے کہ احمد بیگ اور سلطان محمد میں سے ایک شخص توبہ کی شرط سے فائدہ نہیں اُٹھائیگا۔ اور اسکی موت ہوگی۔ دُوسرا شخص اس شرط سے فائدہ اُٹھاکر بچ جائے گا۔

" یَمُوْتُ " واحد مضارع مذکر کا صیغہ ہے۔ جس کا ترجمہ یہ ہے۔ کہ " ایک مرد مرے گا "۔ خادم

اَب ہم مندرجہ بالا بحث میں یہ ثابت کر چکے ہیں۔ کہ درحقیقت حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پیشگوئی یہ تھی :۔

(۱) احمد بیگ ضرور اپنی لڑکی کا نکاح کسی دوسرے شخص سے کرے گا۔ (یَرُدُّھَا اِلَیْکَ)۔

(۲) نکاح کرنے کے بعد " اگر توبہ نہ کریں گے " تو تین سال کے عرصہ میں احمد بیگ اور اس کا داماد مر جائیں گے۔ اور اندریں صورت لڑکی بیوہ ہو کر میرے نکاح میں آئے گی "۔ (اشتہار ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء و ضمیمہ ریاض ہند امرتسر مارچ ۱۸۸۶ء)۔

(۳) توبہ کی شرط سے دونوں میں سے ایک فائدہ نہیں اٹھائیگا۔ اور مر جائے گا۔ (یَمُوْتُ)

(۴) دُوسرا شخص اس شرط سے فائدہ اُٹھائیگا۔ اور توبہ کرکے بچ جائے گا۔ (یَمُوْتُ کیونکہ دونوں میں سے ایک نے مرنا ہے۔

(۵) لڑکی بیوہ نہ ہوگی۔ (نتیجہ شق چہارم)

(۶) اس وجہ سے نکاح نہ ہوگا۔ (کیونکہ نکاح بیوہ ہونے کے بعد ہی ہونا تھا۔ انجام آتھم صـ۲۱۶)۔

(۷) اور وہ لوگ جو ہر حالت میں زبان نکالنے کے عادی ہیں (جنکو قرآن نے اعراف رکوع ۲۲ میں "یَلْہَث" کے لفظ سے یاد کیا ہے) وہ اس پر اعتراض کرتے رہیں گے۔ (یَبْقیٰ مِنْہُ کِلَابٌ مُتَعَدِّدَۃٌ)

پیشگوئی پُوری ہوگئی

غرضیکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پیشگوئی مندرجہ بالا اُمور پر مشتمل تھی۔ آؤ! اب ذرا واقعات پر نگاہ ڈالیں۔ اور دیکھیں کہ کیا خدا کے مسیح موعودؑ کی بیان فرمودہ باتیں پُوری ہوئیں یا نہ؟ واقعات نے بتادیا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جس طرح پیشگوئی کی تھی۔ حرف بحرف اسی طرح پُوری ہوئی۔

(۱) احمد بیگ نے محمدی بیگم کا نکاح ۷ر اپریل ۱۸۹۲ء کو مرزا سلطان محمد سے کردیا۔

(۲) احمد بیگ نے توبہ کی شرط سے فائدہ نہ اُٹھایا اور روز نکاح سے پانچ مہینے ۲۳ دن بعد یعنی ۳۰ ستمبر ۱۸۹۲ء کو فوت ہوگیا اور "تموت" والے الہام کا ایک پہلو پورا ہوگیا

(۳) سلطان محمد نے "توبہ" کی شرط سے پیشگوئی کے مطابق فائدہ اُٹھایا۔ اور

توبہ کرکے بچ گیا۔ (یموت کا دوسرا پہلو بھی پورا ہوگیا۔)

(۴) چونکہ سلطان محمدؐ توبہ کی شرط سے فائدہ اُٹھا کر بچ گیا۔ اس لئے محمدی بیگم بیوہ نہ ہوئی۔

(۵) چونکہ بیوہ نہ ہوئی۔ اس لئے نکاح بھی نہ ہوا۔ (کیونکہ نکاح بیوہ ہونے کے بعد ہونا تھا۔ انجام آتھم صـــ۲۱۶)

(۶) معترضین آجتک اعتراض کرتے اور اپنی مخصوص ہرزہ سرائی سے باز نہیں آتے۔ اور خود بخود" یبقیٰ منہُ کلابٌ متعددۃ "والے الہام کو پورا کرتے ہیں۔

غرضیکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جس طریق سے پیشگوئی فرمائی تھی۔ بعینہٖ اسی طرح پوری ہوئی۔ ہم بیان کر چکے ہیں کہ پیشگوئی میں "توبہ" کی شرط تھی۔ محمدی بیگم کا حضرتؑ کے نکاح میں آنا تین سال میں سلطان محمد اور احمد بیگ کی موت پر موقوف تھا۔ اور ان دونوں کا تین سال میں مرنا انکے توبہ نہ کرنے پر موقوف تھا۔ سلطان محمدؐ نے "توبہ کی" وہ تین سال میں نہ مرا۔ محمدی بیگم بیوہ نہ ہوئی۔ لہٰذا نکاح نہ ہوا۔ اِذَا فَاتَ الشرط فات المشروط۔

ہمارے تمام بیان کا انحصار صرف دو باتوں پر ہے:۔

۱۔ پیشگوئی میں توبہ کی شرط موجود تھی۔

۲۔ سلطان محمدؐ نے "توبہ" کی شرط سے فائدہ اُٹھایا۔

اگر یہ دونوں باتیں ثابت ہوں۔ تو پھر کسی منصف مزاج اور حق پسند

انسان کو اس پیشگوئی پر کوئی معمولی سے معمولی اعتراض بھی نہیں ہو سکتا کیونکہ اگر یہ ثابت ہو جائے۔ کہ محمدی بیگم کا نکاح حضرت مسیح موعود سے صرف اس صورت میں ہونا تھا۔ کہ سلطان محمد توبہ نہ کرے۔ اور تین سال میں مرجائے۔ اور پھر یہ بھی ثابت کر دیا جائے۔ کہ سلطان محمد نے واقعی توبہ کی۔ اور اس وجہ سے تین سال میں مرنے سے بچ گیا۔ تو معاملہ بالکل صاف ہو جاتا ہے۔ سو اس بات کا ثبوت کہ اصل پیشگوئی میں "توبہ" کی شرط موجود تھی؟ ہم صفحہ ۷۶۹ پر آئینہ کمالات اسلام ص۵۶۹ و اشتہار ۲۰ر فروری ۱۸۸۶ء و الہام "تُوْبِیْ تُوْبِیْ فَاِنَّ الْبَلَآءَ عَلٰی عَقِبِکِ" درج کر آئے ہیں۔ اس موقع پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی دو۲ اور تحریریں درج کرتے ہیں:۔

(۱) "مَا کَانَ اِلْہَامٌ فِیْ ھٰذِہِ الْمُقَدِّمَۃِ اِلَّا وَکَانَ مَعَہٗ شَرْطٌ" (انجام آتھم ص۲۲۳) کہ اِس پیشگوئی کے متعلق مجھے ایک بھی الہام نہیں ہوا جس میں شرط مذکور نہ ہو۔

(۲) "اور بعض ناداں کہتے ہیں کہ احمد بیگ کے داماد کی نسبت پیشگوئی پوری نہیں ہوئی۔ اور وہ نہیں سمجھتے کہ یہ پیشگوئی شرطی تھی۔ اور اس میں خدا تعالیٰ کی وحی اسکی منکوحہ کی نانی کو مخاطب کرکے یہ تھی۔ "تُوْبِیْ تُوْبِیْ فَاِنَّ الْبَلَآءَ عَلٰی عَقِبِکِ"۔ یعنی اے عورت توبہ کر توبہ کر کہ تیری لڑکی کی لڑکی پر بلا آنے والی ہے۔" (ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم ص۱۹۷)

سُلطان محمدؐ کی توبہ کا ثبوت

اَب صرف اس امر کا ثبوت دینا ہمارے ذمہ باقی رہا کہ مرزا سلطان محمد نے توبہ کی۔ اور فی الواقع پیشگوئی کی اس شرط سے فائدہ اٹھایا؟ سو یاد رہے کہ اس کی توبہ کے پانچ ثبوت ہیں:۔

(۱) سب سے پہلا ثبوت اس امر کا کہ سلطان محمدؐ نے توبہ کی فطرتِ انسانی ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ جب دو انسانوں کے متعلق ایک ہی حالت میں سے گذرنے کی پیشگوئی ہو۔ اور ان دونوں میں سے ایک پر بعینہٖ پیشگوئی کے مطابق حالت طاری ہو جائے تو دوسرے کو بھی یقین ہو جائیگا کہ میری بھی یہی کیفیت ہونے والی ہے۔ زید اگر عمرو اور بکر کو یہ کہے کہ تم دونوں دو گھنٹے کے اندر کنوئیں میں گر کر مر جاؤ گے۔ اب اگر ایک ہی گھنٹہ بعد عمرو واقعی کنوئیں میں گر کر مر جائے۔ تو طبعاً و فطرتاً بکر کو اپنی موت کا یقین ہو جائیگا۔

پس جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے احمد بیگ اور سلطان محمد دونوں کی موت کی پیشگوئی کی تھی۔ اور احمد بیگ عین میعاد مقررہ کے اندر حسب پیشگوئی مر گیا۔ تو سلطان محمد پر خوف طاری ہونا اور اس کا توبہ و استغفار کی طرف رجوع کرنا یقینی اور لازمی امر تھا۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام تحریر فرماتے ہیں:۔

(الف) ”سو ایک ذرا سوچ سکتا ہے کہ احمد بیگ کے مرنے کے بعد جسکی موت پیشگوئی کا ایک جزو تھی۔ دُوسری جزو والے کا کیا حال ہوا

ہوگا؟ گویا وہ جیتا ہی مرگیا ہوگا۔ چنانچہ اسکے بزرگوں کی طرف سے دو خط ہمیں بھی پہنچے۔ جو ایک حکیم صاحب باشندہ لاہور کے ہاتھ سے لکھے ہوئے تھے۔ جن میں انہوں نے اپنی توبہ اور استغفار کا حال لکھا تھا۔ اور ان تمام قرائن کو دیکھ کر ہمیں یقین ہوگیا تھا کہ تاریخ وفات سلطان محمد قائم نہیں رہ سکتی۔" (اشتہار ۶ ستمبر ۱۸۹۴ء صد ۳)

(ب) "اور جب احمد بیگ فوت ہوگیا۔ تو اسکی بیوہ عورت اور دیگر پسماندگان کی کمر ٹوٹ گئی۔ وہ دعا اور تضرع کی طرف بدل متوجہ ہوگئے۔ جیسا کہ سنا گیا ہے کہ اب تک احمد بیگ کے داماد کی والدہ کا کلیجہ اپنے حال پر نہیں آیا۔ سو خدا دیکھتا ہے۔ کہ وہ شوخیوں میں کب آگے قدم رکھتے ہیں۔ پس اسی وقت وعدہ اس کا پورا ہوگا۔" (حجۃ اللہ صد ۱۱ مطبوعہ ۲۶ مئی ۱۸۹۷ء)

(۲) سلطان محمد کی توبہ کا دوسرا ثبوت اس کا مندرجہ ذیل تحریری اور دستخطی بیان ہے:۔

"ازانبالہ چھاؤنی

۲۱ $\frac{۳}{۱۳}$ برادرم سلمہٗ

نوازش نامہ آپ کا پہنچا۔ یاد آوری کا مشکور ہوں۔ میں جناب مرزاجی صاحب مرحوم کو نیک بزرگ۔ اسلام کا خدمتگذار۔ شریف النفس خدا یاد پہلے بھی اور اب بھی خیال کر رہا ہوں۔ مجھے انکے مریدوں سے کسی قسم کی مخالفت نہیں ہے۔ بلکہ افسوس کرتا ہوں کہ چند ایک امورات کیوجہ سے انکی زندگی میں انکا شرف حاصل نہ کر سکا۔

نیاز مند سلطان محمد از انبالہ

رسالہ نمبر ۹"

زنانہ چھاونی
۳/دسمبر ۲۵ء

برادرم معظم

السلام علیکم۔ نوازش نامہ آپکا پہونچا یاد آوری کا مشکور

ہوں جناب مرزا جی صاحب مرحوم کو

ساتھ بزرگ اسلام کا خدا رسیدہ النفس

خدا یار پہلے بھی اور اب بھی خیال کرتا

ہوں۔ سمجھی اونکے مریدوں سے کسی قسم کا

مخالفت نہیں ہے بلکہ افسوس کرتا ہوں کیونکہ

چند ایک امورات کی وجہ اونکے زندگی

میں اول نشر ختم جاحد ہے

نیازمند سلطان محمد از انبالہ

رسالہ ۶/۹

مندرجہ بالا الفاظ اگر کسی عام آدمی نے لکھے ہوں تو کوئی اہم بات نہ ہو۔ مگر سلطان محمد جس کے متعلق حضرت مسیح موعودؑ نے موت اور اس کی بیوہ کے اپنے نکاح میں آنے کی پیشگوئی کی تھی۔ اور اپنی متعدد کتب و اشتہارات میں اس کا ذکر بھی فرمایا تھا۔ اس کو حضرت مسیح موعودؑ سے طبعاً انتہائی دشمنی اور عناد ہونا چاہیئے تھا۔ علاوہ ازیں حضرتؑ بار بار تحریر فرما رہے تھے کہ سلطان محمد نے توبہ کی ہے۔ اور وہ خود تو اس امر کو جانتا تھا کہ اس نے توبہ کی ہے یا نہیں؟ اگر فی الواقع ... توبہ نہ کی تھی۔ تو وہ جانتا تھا کہ حضرت صاحبؑ نعوذ باللہ سچ نہیں فرما رہے۔ تو ایسے شخص کے قلم سے یہ نکلنا کہ میں جناب مرزا جی صاحب کو نیک بزرگ وغیرہ سمجھتا ہوں۔ اگر معجزہ نہیں تو اور کیا ہے؟

(۳) تیسرا ثبوت سلطان محمد کی توبہ کرنے کا اس کا اپنا بیان ہے:

"میرے خسر جناب مرزا احمد بیگ صاحب واقع میں عین پیشگوئی کے مطابق فوت ہوئے مگر خدا تعالیٰ غفور الرحیم بھی ہے۔ اپنے دوسرے بندوں کی بھی سنتا اور رحم کرتا ہے۔ ... میں ایمان سے کہتا ہوں کہ یہ نکاح والی پیشگوئی میرے لئے کسی قسم کے بھی شک و شبہ کا باعث نہیں ہوئی۔ باقی رہی بیعت کی بات۔ سو میں قسمیہ کہتا ہوں کہ جو ایمان اور اعتقاد مجھے حضرت مرزا صاحب پر ہے۔ میرا خیال ہے کہ آپ کو بھی جو بیعت کر چکے ہیں۔ اتنا نہیں ہوگا۔ ... باقی میرے دل کی حالت کا آپ اس سے اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اس پیشگوئی کے

وقت آریوں نے لیکھرام کی وجہ سے اور عیسائیوں نے آتھم کی وجہ سے مجھے لاکھ لاکھ روپیہ دینا چاہا۔ تا میں کسی طرح مرزا صاحب پر نالش کروں۔ اگر روپیہ میں لیتا۔ تو امیر کبیر بن سکتا تھا۔ مگر وہی ایمان اور اعتقاد تھا جس نے مجھے اس فعل سے روکا"۔ (الفضل ۹/۱۳ جون ۱۹۲۱ء)

(۴) چوتھا ثبوت مرزا سلطان محمد صاحب کی توبہ کا وہ تحریری بیان ہے جو انکے صاحبزادہ برادرم مرزا محمد اسحاق بیگ صاحب نے الفضل میں شائع کرایا:۔

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

احباب کرام۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ پیشتر اسکے کہ میں اپنا اصل مدعا ظاہر کروں۔ یہ عرض کر دینا چاہتا ہوں کہ واللہ میں کسی لالچ یا دنیوی غرض یا کسی دباؤ کے ماتحت جماعت احمدیہ میں داخل نہیں ہوا۔ بلکہ خدا تعالےٰ کے فضل کے ماتحت ایک لمبے عرصہ کی تحقیق حق کے بعد اس بات پر ایمان لایا ہوں کہ حضرت مرزا صاحبؑ اپنے ہر دعوے میں صادق اور مامور من اللہ ہیں۔ اور اپنے قول و فعل میں ایسے صادق ثابت ہوئے ہیں کہ کسی حق شناس کو اس میں کلام نہیں ہو سکتا۔ آپکی تمام پیشگوئیاں ٹھیک ٹھیک پوری ہوئیں۔ یہ الگ سوال ہے کہ بعض لوگ تعصب یا نہ سمجھنے کی وجہ سے بعض پیشگوئیوں کو پیش کر کے عوام کو دھوکہ دیتے ہیں کہ وہ پوری نہیں ہوئیں۔ مثلاً ان میں سے ایک پیشگوئی مرزا احمد بیگ صاحب ہوشیارپوری کے متعلق ہے۔ اس پیشگوئی کو ہر جگہ پیش کر کے مطالبہ کیا جاتا ہے کہ اس کا پورا ہونا ثابت کرو۔ حالانکہ وہ بھی صفائی کے ساتھ پوری

ہوگئی۔ میں اس پیشگوئی کے متعلق ذکر کرنے سے پیشتر یہ بیان کرنا چاہتا ہوں کہ یہ ایک انذاری پیشگوئی تھی! اور ایسی انذاری پیشگوئیاں خدا تعالیٰ نے اپنے نبی کے ذریعہ اسلئے کرایا کرتا ہے کہ جنکے متعلق ہوں۔ انکی اصلاح ہو جائے چنانچہ قرآن کریم میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَمَا نُرْسِلُ بِالْآيَاتِ إِلَّا تَخْوِيفًا۔ کہ ہم انبیاءؑ کو نشانات اسلئے دیتے ہیں کہ لوگ ڈر جائیں۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے یہ اصل بیان فرما دیا ہے کہ ایسی انذاری پیشگوئیاں لوگوں کی اصلاح کی غرض سے کی جاتی ہیں۔ جب وہ قوم اللہ تعالیٰ سے ڈر جائے اور اپنی صلاحیت کی طرف رجوع کرے۔ تو اللہ تعالیٰ اپنا معلق عذاب بھی ٹال دیتا ہے۔ جیسا کہ حضرت یونس علیہ السلام کی قوم کا واقعہ نیز حضرت موسیٰؑ کی قوم کے حالات وَلَمَّا وَقَعَ عَلَيْهِمُ الرِّجْزُ سے ظاہر ہے۔ اس صورت میں انذاری پیشگوئی کا لفظی طور پر پورا ہونا ضروری نہیں ہوتا۔ یہی نقشہ یہاں نظر آتا ہے کہ جب حضرت مرزا صاحبؑ کی قوم اور رشتہ داروں نے گستاخی کی۔ یہانتک کہ خدا تعالیٰ کی ہستی سے انکار کیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور قرآن پاک کی ہتک کی۔ اور اشتہار دے دیا کہ ہمیں کوئی نشان دکھایا جائے۔ تو اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے اپنے مامور کے ذریعہ پیشگوئی فرمائی۔ اس پیشگوئی کے مطابق میرے نانا جان مرزا احمد بیگ صاحب ہلاک ہو گئے۔ اور باقی خاندان ڈر کر اصلاح کی طرف متوجہ ہو گیا۔ جس کا ناقابلِ تردید ثبوت یہ ہے کہ اکثر نے احمدیت قبول کر لی۔ تو اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت غفور الرحیم کے

ماتحت قہر کو رحم میں بدل دیا۔ میں پھر زوردار الفاظ میں اعلان کرتا ہوں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی یہ پیشگوئی بھی پوری ہوگئی۔ میں ان لوگوں سے جنکو احمدیت قبول کرنے میں یہ پیشگوئی حائل ہے۔ عرض کرتا ہوں کہ وہ مسیح الزمان پر ایمان لے آئیں۔ میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں۔ یہ وہی مسیح موعود ہیں جنکی نسبت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیشگوئی فرمائی تھی۔ اور انکا انکار... نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انکار ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کیا ہی درست فرمایا ہے۔ ؎

صدق سے میری طرف آؤ اسی میں خیر ہے
ہیں درندے ہر طرف میں عافیت کا ہوں حصار
اک زماں کے بعد اب آئی ہے یہ ٹھنڈی ہوا
پھر خدا جانے کہ کب آویں یہ دن اور یہ بہار

خاکسار مرزا محمد اسحاق بیگ۔ پٹی۔ ضلع لاہور۔ حال وارد چک ۱۶۵ ۔ ۲ بی

(منقول از "الفضل" ۲۶ فروری ۱۹۳۲ء صفحہ ۹)

(۵) پانچواں ثبوت: مرزا سلطان محمد صاحب کی توبہ کا وہ چیلنج ہے۔ جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے معترض علماء کو دیا۔ فرمایا:۔

"فیصلہ تو آسان ہے۔ سو اگر جلدی کرنا ہے۔ تو احمد بیگ کے داماد سلطان محمد سے کہو۔ کہ تکذیب کا اشتہار دے۔ پھر اسکے بعد جو میعاد خدا تعالیٰ مقرر کرے۔ اگر اس سے اس کی موت تجاوز کرے۔ تو میں جھوٹا ہوں۔"

"اور ضرور ہے۔ کہ یہ وعید کی موت اس سے تھمی رہے۔ جبتک کہ وہ گھڑی نہ آجائے کہ اس کو بیباک کردے۔ سو اگر جلدی کرنا ہے

تو اٹھو۔ اور اس کو بے باک اور مکذب بناؤ۔ اور اس سے اشتہار دلاؤ۔ اور خدا کی قدرت کا تماشا دیکھو۔" (انجام آتھم حاشیہ ص۳۲)

اس اعلان کو شائع ہوئے ۱۴ سال ہو گئے۔ اور حضرت مسیح موعودؑ اس اعلان کے بعد بارہ ۱۲ سال تک زندہ رہے۔ مگر کوئی مخالف مولوی مرزا سلطان محمد صاحب سے تکذیب کا اشتہار نہ دلا سکا۔

پس مندرجہ بالا پانچ دلائل سے یہ بات بھی روزِ روشن کی طرح واضح ہو گئی۔ کہ مرزا سلطان محمد نے پیشگوئی کے مطابق توبہ کی۔ اور اس وجہ سے تین سالہ میعاد کے اندر فوت نہ ہوئے۔ محمدی بیگم بیوہ نہ ہوئی اور اس لئے نکاح نہ ہوا۔ (اذا فات الشرط فات المشروط)

اور ان سب امور کا نتیجہ یہ ہوا کہ "کلاب متعددہ" نے مختلف مواقع پہ اپنی بدگوئی کی عادت کے مطابق حضرتؑ کی اس پیشگوئی پہ تمسخر اور استہزا کیا۔ اور حضرتؑ کی یہ پیشگوئی اپنی پوری شان کے ساتھ پوری ہوئی حضرت مسیح موعودؑ نے بے شک ازالہ اوہام اور اپنی دوسری کتابوں میں زور دیا ہے۔ کہ ضرور ضرور نکاح محمدی بیگم سے ہو جائے گا۔ اور بڑی سخت دعویٰ یانہ عبارتیں تحریر فرمائی ہیں۔ مگر سوال یہ ہے کہ نکاح کب ہوگا؟۔ ظاہر ہے کہ جب سلطان محمد کی موت پہ وہ بیوہ ہو جائیگی سلطان محمد کی موت کب ہوگی؟ "اگر وہ توبہ نہ کرے گا۔"

پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ہر عبارت جو مخالف مولوی پیش کرتے ہیں درست ہے۔ ہمیں مسلم ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ پیشگوئی کے بعد اگر

سلطان محمد توبہ نہ کرتا۔ اور پھر بھی زندہ رہتا۔ اور نکاح نہ ہوتا۔ تو حضرت مسیح موعود کی پیشگوئی پر اعتراض ہو سکتا تھا۔ مگر یہاں تو نکاح سلطان محمد کی عدم توبہ کے ساتھ مشروط تھا۔ اس لئے جسقدر عبارات نکاح کے متعلق ہیں وہ بھی سلطان محمد کے توبہ نہ کرنے کے ساتھ مشروط ہیں

بیعت کیوں نہ کی ؟

بعض غیر احمدی کہا کرتے ہیں۔ کہ سلطان محمد نے توبہ کرلی تو کیا ہوا بات تو جب تھی کہ وہ بیعت کرلیتا۔ سو اس کے جواب میں یاد رکھنا چاہیے کہ پیشگوئی ۱۸۸۶ء سے لے کر ۱۸۸۸ء تک مکمل ہوئی۔ اور توبہ کی شرط بھی اشتہار ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء اور ۱۵ جولائی ۱۸۸۸ء میں ہے۔ اس زمانہ میں حضرت مسیح موعودؑ کا دعویٰ نہ نبی ہونیکا تھا نہ مسیح موعود اور مہدی ہونیکا نہ آپ اس وقت بیعت لیتے تھے۔ بلکہ جو شخص بیعت کرنے آتا تھا۔ حضور "لَسْتُ بِمَأْمُوْرٍ" (کہ میں مامور نہیں ہوں) کہہ کر انکار کر دیتے تھے (بیعت ۱۸۸۹ء میں ہوئی) نہ اس زمانہ میں احمدی غیر احمدی کا سوال تھا۔ کیونکہ حضور نے اپنی جماعت کا نام "مسلمان فرقہ احمدیہ" ۱۹۰۰ء میں رکھا۔ پس "توبہ" کی شرط سے مراد ہرگز ہرگز "بیعت" یا نبوت مسیحیت و مہدیت کا اقرار یا احمدی ہونا نہ تھا۔ اس زمانہ میں حضرت کا دعوےٰ صرف اسقدر تھا کہ میں اسلام کا خدمت گزار ہوں۔ (آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۲۷۵) اور اسی بات کا احمد بیگ اور سلطان محمد نے انکار کیا تھا اب سلطان محمد کے خط کو دیکھ لو۔ اس میں اس نے حضرت کو مسلمان کا

خدمت گذار" تسلیم کیا ہے۔ نیز خدا یاد" کہہ کر خدا کی ہستی کا بھی اقرار کر دیا ہے اور" شریف النفس" کہہ کر تسلیم کر دیا ہے۔ کہ حضرت مسیح موعودؑ کی یہ پیشگوئی ہرگز ہرگز نفسانیت کے جوش کے ماتحت نہ تھی۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان تھا۔ جس کی تعمیل میں حضرت نے اس کو شائع کیا۔ پس اگر سلطان محمد کو اس پیشگوئی کی صداقت میں ذرہ بھر بھی شبہ ہوتا۔ تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اسلام کا خدمت گذار" اور" شریف النفس" اور" خدا یاد" نہ کہتا۔ پس جس چیز کا پیشگوئی کی اشاعت کے وقت ان لوگوں کو انکار تھا بعینہٖ انہی امور کا اقرار اس خط میں موجود ہے۔ پس سلطان محمد نے مکمل توبہ کی ہے بیعت وغیرہ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

تقدیر مبرم

حضرت مسیح موعودؑ نے انجام آتھم میں نکاح کو" تقدیر مبرم" قرار دیا ہے مگر حضرت مسیح موعودؑ کی تحریرات کی رو سے یہ ثابت ہے کہ تقدیر بعض حالات اور شرائط کے ساتھ مشروط ہونے کی صورت میں" تقدیر مبرم" بنتی ہے اور جب تک وہ شرط یا شرائط پوری نہ ہوں۔ اس وقت تک اس تقدیر کے "قطعی مبرم" ہونے کا تحقق نہیں ہوتا۔ چنانچہ حضرت مسیح موعودؑ آتھم کے متعلق تحریر فرماتے ہیں "اب آتھم صاحب قسم کھا لیویں۔ تو وعدہ ایک سال قطعی اور یقینی ہے جس کے ساتھ کوئی بھی شرط نہیں۔ اور" تقدیر مبرم" ہے" (ضیاء الحق ص۱۶) گویا آتھم کی موت" تقدیر مبرم" اس صورت میں ہوگی جبکہ وہ قسم کھائیگا قسم نہ کھانیکی صورت میں" تقدیر مبرم" نہ ہوگی

پس جسطرح اس "تقدیر مبرم" کے ساتھ "قسم کھانے" کی شرط ہے۔ اسی طرح محمدی بیگم کے نکاح میں، سلطان محمد کی توبہ کی شرط ہے۔ جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تحریرات سے اوپر ثابت کیا جاچکا ہے۔

(۲) "تقدیر مبرم" کا دعا اور صدقہ سے ٹل جانا احادیث نبویہ صلعم سے بھی ثابت ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے (۱) "اَکْثِرْ مِنَ الدُّعَاءِ فَاِنَّ الدُّعَاءَ یَرُدُّ الْقَضَاءَ الْمُبْرَمَ" (کنز العمال جلد ۱ ص۱۶۷ کتاب الصواب) کہ کثرت سے دعا کرو۔ کیونکہ دعا تقدیر مبرم کو بھی ٹال دیتی ہے۔

(۲) "رُوِیَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ الصَّدَقَةَ لَتَدْفَعُ الْبَلَاءَ الْمُبْرَمَ النَّازِلَ مِنَ السَّمَاءِ" (روض الریاحین بر حاشیہ قصص الانبیاء ص۳۶۴) روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ صدقہ بلاء مبرم کو بھی جو آسمان سے نازل ہونیوالی ہو روک دیتا ہے۔

(۳) "اَلدُّعَاءُ جُنْدٌ مِنْ اَجْنَادِ اللّٰہِ مُجَنَّدَةٌ یَرُدُّ الْقَضَاءَ بَعْدَ اَنْ یُبْرَمَ" (فردوس الاخبار دیلمی ص۱۰۷ آخری سطر) کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ دعا خدا تعالےٰ کے لشکروں میں سے ایک لشکر جرار ہے جو قضاء کو اس کے مبرم ہونے کے بعد بھی ٹلا دیتی ہے۔

(۴) روح البیان جلد ۱ ص۲۵۷ مطبوعہ سطر ۲ پر بھی قضا مبرم کے ٹلنے کا ذکر ہے۔

(۵) حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا یہی مذہب تھا کہ قضاء مبرم دعا اور صدقہ سے ٹل سکتی ہے۔ اور جہاں حضورؑ نے یہ لکھا ہے کہ یہ "تقدیر مبرم ہے جو ٹل نہیں سکتی"۔ تو اس کا مطلب صرف اسقدر ہے۔ کہ توبہ اور دعا

بغیر ٹل نہیں سکتی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے :۔
"اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ" (نساء ع ۷ پ ۵ وع ۱۸ پ ۵) کہ اللہ تعالیٰ کبھی نہیں بخشیگا اس گناہ کو کہ خدا کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا جائے۔ اور اس گناہ کے سوا باقی جس کو چاہے بخش دے۔ مگر دوسری جگہ فرمایا۔ "قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِہِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَۃِ اللّٰہِ اِنَّ اللّٰہَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا اِنَّہٗ ھُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ" (سورہ زمر ع ۶ پ ۲۴) کہ اے میرے بندو! جنہوں نے گناہ کیا۔ تم خدا کی رحمت سے ناامید مت ہو۔ اللہ تعالیٰ سب گناہوں کو بخش دے گا۔
اور وہ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے
اس آیت میں جملہ گناہوں کے معاف کرنے کا ذکر ہے۔ پس تطبیق کی صورت یہی ہے کہ شرک کے گناہ کی معافی کو توبہ کی شرط سے مشروط کیا جائے۔ یعنی سورہ نساء کی مندرجہ بالا آیت کا مطلب یہ لیا جائے۔ کہ اللہ تعالیٰ شرک کو بغیر توبہ کے نہیں بخشے گا۔ اسی طرح حضرت مسیح موعود نے جہاں تقدیر مبرم کے نہ ٹلنے کا ذکر فرمایا ہے۔ وہاں بھی مراد بصورت عدم دعا اور توبہ ہی ہے نہ کہ مطلقاً۔ کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے حقیقۃ الوحی صـ ۲۱۹ پر تحریر فرمایا ہے کہ جب میں نے عبدالرحیم خلف حضرت نواب محمد علی خانصاحب کی صحت یابی کے لئے دعا کی تو معلوم ہوا کہ تقدیر مبرم کی طرح ہے۔ مگر جب زیادہ تضرع اور

ابتہال سے دعا فرمائی تو اللہ تعالیٰ نے اس تقدیر کو ٹلا دیا۔ اور عبد الرحیم اچھا ہو گیا۔ پس معلوم ہوا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے نزدیک مبرم قسم کی تقدیر بھی دعا اور توجہ سے ٹل سکتی ہے۔

ثناء اللہ کا خط

مولوی ثناء اللہ امرتسری نے ہزاروں جتن کر کے اہل حدیث ۱۲ مارچ سنہ ۱۹۲۴ء میں حضرت مسیح موعودؑ کی وفات کے سولہ سال بعد ایک غیر معتبر تحریر مرزا سلطان محمد کی طرف منسوب کر کے شائع کی۔ ہماری طرف سے مطالبہ کیا گیا۔ کہ یا تو اصل تحریر ہمیں دکھائی جائے۔ یا اس کا عکس شائع کیا جائے (جس طرح ہم نے کیا ہے) تاکہ پبلک پر اصل حقیقت واضح ہو۔ مگر آج تک مولوی صاحب ہمارے اس مطالبہ سے عہدہ برآ نہیں ہو سکے۔ نیز اگر ایسی کوئی تحریر ہو بھی تو وہ قابل اعتنا نہیں۔ ع "مشتے کہ بعد از جنگ یاد آید" کا مصداق ہے۔ کیونکہ حضرت مسیح موعودؑ کے چیلنج کے الفاظ یہ ہیں۔ "پھر اس کے بعد جو میعاد خدا تعالیٰ مقرر کرے۔ اگر اس سے اس کی موت تجاوز کرے تو میں جھوٹا ہوں۔" (انجام آتھم صفحہ ۳۲ حاشیہ)

پس اس عبارت کے پیش نظر سلطان محمد کی کسی ایسی تحریر کا حضرتؑ کی زندگی میں شائع ہونا ضروری تھا۔

مقدمہ "دیوار" میں حضرت میاں کا

بعض غیر احمدی مولوی حضرت مسیح موعودؑ کے بیان مقدمہ گورداسپور متعلقہ "دیوار" سے یہ الفاظ پیش کر کے عوام کو مغالطہ دیا کرتے ہیں۔

کہ حضرت نے فرمایا "میرے ساتھ اس کا نکاح ضرور ہوگا یہ امید بلکہ مجھے یقین ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ لوگ یہودیانہ تحریف سے حضرت کے درمیانی الفاظ حذف کر دیا کرتے ہیں۔ اصل الفاظ یہ ہیں۔

"میرے ساتھ اس کا بیاہ ضرور ہوگا۔ جیسا کہ پیشگوئی میں ہے وہ سلطان محمد سے بیاہی گئی۔ جیسا کہ پیشگوئی میں تھا ... ایک وقت آتا ہے کہ عجیب اثر پڑے گا۔ پیشگوئی کے الفاظ سے صاف معلوم ہوتا ہے۔ اور یہی پیشگوئی تھی کہ وہ دوسرے کے ساتھ بیاہی جائے گی۔ اس لڑکی کے باپ کے مرنے اور خاوند کے مرنے کی پیشگوئی شرطی تھی۔ اور شرط توبہ اور رجوع الی اللہ تھی۔ لڑکی کے باپ نے توبہ نہ کی۔ اس لئے وہ بیاہ کے بعد چند مہینوں کے اندر مرگیا۔ اور پیشگوئی کی دوسری جزو پوری ہوگئی۔ اس کا خوف اس کے خاندان پر پڑا۔ خصوصاً شوہر پر پڑا جو پیشگوئی کا ایک جز تھا۔ انہوں نے توبہ کی۔ چنانچہ اس کے رشتہ داروں اور عزیزوں کے خط بھی آئے۔ عورت اب تک زندہ ہے۔"

(الحکم ۱۰ اگست ۱۹۰۱ء صفحہ ۱۵-۱۴ جلد ۲۹ ۵ بیان حضرت مسیح موعود)

نکاح فسخ یا تاخیر میں!

حضرت مسیح موعود نے حقیقۃ الوحی میں تحریر فرمایا ہے کہ "نکاح فسخ ہوگیا یا تاخیر میں پڑ گیا"۔ اس عبارت کا مطلب یہ ہے۔ کہ اگر سلطان محمد اپنی توبہ پر قائم رہے اور بے باکی کرکے تکذیب کا اشتہار نہ دے۔ تو اس صورت میں وہ حضرت کی زندگی میں نہیں مرے گا۔ اور محمدی بیگم کا نکاح حضرت سے نہیں ہوگا

دفسخ ہوگیا) لیکن اگر انجام آتھم کے چیلنج کے جواب میں اس نے حضرت کی زندگی میں تکذیب کا اشتہار دیدیا" تو پھر خدا کی مقرر کردہ میعاد کے اندر اندر مرجائے گا۔ اور محمدی بیگم حضرت کے نکاح میں آجائے گی۔ اندریں صورت نکاح "تاخیر" میں پڑا منصور ہو گا۔ یہی معنی ہیں حضرت مسیح موعودؑ کی عبارت "بَلِ الْاَمْرُ قَائِمٌ عَلٰى حَالِهٖ" کے کہ سلطان محمد کی توبہ سے کلی طور پر معاملہ ختم نہیں ہوگیا۔ اور وعیدی موت اس سے ہمیشہ کے لئے نہیں ٹل گئی بلکہ اب بھی اس کے سر پر "ننگی" ہوئی کھڑی ہے۔ جس وقت وہ تکذیب کرے گا۔ اسی وقت خدا کی مقرر کردہ میعاد کے مطابق پکڑا جائے گا۔ غرضیکہ حضرت مسیح موعودؑ کی تحریرات اس پیشگوئی کے متعلق بالکل صاف اور واضح ہیں۔

"زَوَّجْنٰكَهَا"

یہ الہام درحقیقت قرآن مجید کی ایک آیت ہے "فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا" (احزاب) کہ ہم نے آنحضرت صلعم کا نکاح زینب کے ساتھ اس کے مطلقہ ہونے کے بعد کر دیا۔

حضرت کو یہ الہام محمدی بیگم کے متعلق ہوا۔ پس اس کا مطلب یہ ہوگا کہ سلطان محمد کی بیوہ ہونے کے بعد ہم نے آپ سے اس کا نکاح کر دیا چنانچہ خود حضرت مسیح موعودؑ نے اس الہام کو انجام آتھم ص۶۰ پر درج کر کے اس کا مندرجہ ذیل ترجمہ فرمایا ہے:۔

"بعد واپسی کے ہم نے نکاح کر دیا"

یعنی سلطان محمد کی موت پر "يَرُدُّهَا اِلَيْكَ" کا دوسرا مفہوم جب پورا ہوگا

تو اس وقت خدا تعالیٰ نے نکاح پڑھ دیا ہے۔

(۲) حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس کو اور واضح فرمایا ہے:۔

"اور یہ امر کہ الہام میں یہ بتایا گیا تھا۔ کہ اس عورت کا نکاح آسمان پر میرے ساتھ پڑھا گیا ہے۔ یہ درست ہے۔ مگر جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں اس نکاح کے ظہور کے لئے جو آسمان پر پڑھا گیا۔ خدا کی طرف سے ایک شرط بھی تھی جو اسی وقت شائع کی گئی تھی۔ اور وہ یہ ہے کہ اَیَّتُہَا الْمَرْأَۃُ تُوْبِیْ تُوْبِیْ فَاِنَّ الْبَلَاءَ عَلٰی عَقِبِکِ۔ پس جب ان لوگوں نے اس شرط کو پورا کر دیا تو نکاح فسخ ہو گیا یا تاخیر میں پڑ گیا" (حقیقۃ الوحی ص ۱۳۲) (فسخ یا تاخیر کی تشریح اوپر آ چکی ہے)

(۳) حدیث میں آتا ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا:۔ "اخرج الطبرانی وابن عساکر عن ابی امامۃ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلعم قَالَ لِخَدِیْجَۃَ اَمَا شَعَرْتِ اِنَّ اللّٰہَ زَوَّجَنِیْ مَرْیَمَ اِبْنَتَ عِمْرَانَ وَ کُلْثُوْمَ اُخْتَ مُوْسٰی وَامْرَاَۃَ فِرْعَوْنَ قَالَتْ ھَنِیْئًا لَکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ۔ (فتح البیان جلد ۷ ص ۲ نیز فردوس الاخبار دیلمی ص ۲۵۸) کہ طبرانی اور ابن عساکر نے ابو امامہ سے روایت کیا ہے۔ کہ آنحضرت صلعم نے حضرت خدیجہؓ سے فرمایا۔ کہ "اے خدیجہؓ! کیا تجھے معلوم نہیں کہ خدا نے میرا نکاح پڑھ دیا ہے عیسےٰؑ کی ماں مریم۔ موسیٰ کی بہن کلثوم۔ اور فرعون کی بیوی آسیہ کے ساتھ۔ حضرت خدیجہؓ نے فرمایا۔ یا رسول اللہ آپ کو مبارک ہو" حدیث کے الفاظ میں بھی "زَوَّجَنِیْ" اسی طرح ماضی ہے۔ جس طرح "زوّجنٰکھا" میں

واضح رہے کہ آنحضرت صلعم کو یہ الہام ہونے کے بعد کہ حضرت زینبؓ آپؐ

کی بیوی ہیں۔ پھر بھی حضرت زینب زید کے پاس رہیں۔ ملاحظہ ہو: "اَنَّہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَرَادَ اَنْ یُّزَوِّجَھَا زَیْدًا فَکَرِھَتْ ذَالِکَ ثُمَّ اِنَّھَا رَضِیَتْ بِہٖ فَتَزَوَّجَھَا اِیَّاہُ ثُمَّ اَعْلَمَ اللّٰہُ نَبِیَّہٗ بَعْدُ اَنَّھَا مِنْ اَزْوَاجِہٖ فَکَانَ یَسْتَحِیْ اَنْ یَّاْمُرَہٗ بِطَلَاقِھَا وَکَانَ لَا یَزَالُ بَیْنَ زَیْدٍ وَّ زَیْنَبَ مَا یَکُوْنُ بَیْنَ النَّاسِ فَاَمَرَہٗ اَنْ یُّمْسِکَ عَلَیْہِ زَوْجَتَہٗ وَکَانَ یَخْشَی النَّاسَ اَنْ یَّعِیْبُوْا عَلَیْہِ" (جلالین مع کمالین مجتبائی صفحہ ۳۵۲ حاشیہ)

"یعنی آنحضرت صلعم نے ارادہ فرمایا۔ کہ زینبؓ کا نکاح زیدؓ کے ساتھ کر دیں۔ لیکن پہلے حضرت زینب نے کراہت کی۔ پھر بعد میں راضی ہو گئیں پس ان دونوں کی شادی ہو گئی۔ اس کے بعد اللہ تعالےٰ نے آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کو بتا دیا۔ کہ زینب آپ صلعم کی بیویوں میں سے ہے۔ پس آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم شرماتے تھے اس بات سے کہ زید کو حکم دیں کہ وہ زینب کو طلاق دیدے۔ اور اس عرصہ میں زینب اور زید میں میاں بیوی کے تعلقات قائم رہے۔ پس آنحضرت صلعم نے زید کو حکم دیا۔ کہ وہ اپنی بیوی کو اپنے پاس رکھے۔ اور آپؐ ڈرتے تھے کہ لوگ آپ پر الزام نہ لگائیں۔"

اس حوالہ سے تمسخر اور استہزاء کا بھی جو بعض بد زبان مخالف کیا کرتے ہیں۔ جواب ہو گیا۔ کہ خدا کی طرف سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو علم ہو چکنے کے باوجود کہ زینبؓ آپؐ کی بیوی ہے۔ پھر بھی وہ ایک

عرصہ تک زید کے پاس رہیں۔

پیشگوئی کے نتائج

اس پیشگوئی کے بعد مندرجہ ذیل اصحاب اسی خاندان میں سے سلسلہ احمدیہ میں داخل ہوئے۔

(۱) اہلیہ مرزا احمد بیگ صاحب (والدہ محمدی بیگم) یہ موصیہ ہیں۔ (۲) ہمشیرہ محمدی بیگم۔ (۳) مرزا محمد احسن بیگ جو مرزا احمد بیگ کے داماد ہیں۔ اور اہلیہ مرزا احمد بیگ کے بھانجے ہیں۔ (۴) عنایت بیگم ہمشیرہ محمدی بیگم (۵) مرزا محمد بیگ صاحب پسر مرزا احمد بیگ صاحب (۶) مرزا محمود بیگ پوتا مرزا احمد بیگ (۷) دختر مرزا نظام الدین اور ان کے گھر کے سب افراد احمدی ہیں (۸) مرزا گل محمد صاحب پسر مرزا نظام الدین صاحب (۹) اہلیہ مرزا غلام قادر صاحب (موصیہ تھیں) (۱۰) محمودہ بیگم ہمشیرہ محمدی بیگم (۱۱) مرزا محمد اسحٰق بیگ صاحب ابن مرزا سلطان محمد صاحب پٹی۔ یہ وہ افراد ہیں جو خاص طور پر اس خاندان کے ساتھ تعلق رکھنے والے ہیں۔ اور یہ سب کے سب اس نکاح والی پیشگوئی کے بعد ہی داخل سلسلہ احمدیہ ہوئے ہیں۔ پیشگوئی میں اگر کوئی قابل اعتراض امر ہوتا۔ تو پہلے ان لوگوں کو اس پر اعتراض کرنا چاہئے تھا۔ مگر وہ لوگ جو اس کے متعلق سب سے بڑھ کر مقام غیرت پر ہو سکتے ہیں ایمان لاتے ہیں اور خود مرزا سلطان محمد صاحب کہتے ہیں۔ کہ "میں ایمان سے کہتا ہوں۔ کہ یہ پیشگوئی میرے لئے کسی قسم کے شک وشبہ کا باعث نہیں ہوئی"

ان حالات میں ان مخالف مولویوں کا اس پر اعتراض کرنا صداقت
پر " یَمُوتُ وَیَبْقَی مِنْہُ کِلَابٌ مُتَعَدِّدَۃٌ " کے الہام کو پورا
کرتا ہے۔ اور اس کے سوا ان لوگوں کا اور کوئی مقصد نہیں۔

پیشگوئی کی غرض

باقی رہا استہزاء اور مذاق۔ اور یہ کہنا کہ نعوذ باللہ یہ پیشگوئی کسی نفسانی
خواہش کے ماتحت کی گئی تھی۔ ایسے امور ہیں۔ جن کا جواب کوئی مہذب انسان
دینے کے لئے تیار نہیں ہو سکتا۔

پیشگوئی کی غرض و غایت کو ہم ابتداء میں نہایت واضح طور پر بیان کر آئے
ہیں۔ کہ ان لوگوں کی مذہبی اور عملی حالت اس نشان کا باعث تھی۔ چنانچہ
مولوی محمد یعقوب مصنف عشرہ کاملہ جیسا دشمن بھی اپنی کتاب تحقیق لاثانی
میں لکھتا ہے۔ " مرزا صاحب کی اس پیشگوئی کی بنیاد بھی تکذیب ہی ہے
جیسا کہ نکاح آسمانی کے متعلق ان کا پہلا الہام ہے۔ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا
وَکَانُوْا بِھَا یَسْتَھْزِءُوْنَ " (تحقیق لاثانی ص۱۱)

لیکن اگر مولوی لوگ ان روشن واقعات کے باوجود یہی کہتے جائیں۔
کہ یہ پیشگوئی نفسانی تھی۔ تو ان پر کوئی تعجب نہیں ہونا چاہیئے۔ کیونکہ اگر
یہ لوگ خدا کے اس برگزیدہ نبی پر جس کو یہ نہیں مانتے ہیں۔ اس قسم کے
حملے کریں تو معذور ہیں۔ خصوصاً جبکہ ان لوگوں کے ہاتھوں سے وہ مقدس
انبیاء علیہم السلام بھی جن کو یہ لوگ بھی نبی مانتے اور ان کی عزت کرنے کا
دعویٰ کرتے ہیں نہیں بچ سکے۔

اور تو اور خود آنحضرت صلعم جن کی امت میں سے ہونے اور جن کا کلمہ پڑھنے کے یہ لوگ مدعی ہیں۔ ان کے متعلق ان علماء نے یہ لکھا ہے۔

اَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ زَيْنَبَ وَذَالِكَ اَنَّهُ رَاٰهَا بَعْدَ مَا اَنْكَحَهَا زَيْدٌ فَوَقَعَ فِي نَفْسِهِ وَقَالَ سُبْحَانَ اللّٰهِ مُقَلِّبُ الْقُلُوْبِ (بیضاوی زیر آیت اَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ و کمالین برحاشیہ جلالین صـ۳۵۲) کہ نعوذ باللہ آنحضرت صلعم نے زینب کو دیکھا۔ اس وقت کہ اس کا زید کے ساتھ نکاح ہو چکا تھا پس آپ کے دل میں ان کی محبت پیدا ہوگئی۔ اور فرمایا پاک ہے وہ اللہ جو دلوں کو پھیر دیتا ہے۔

(۲) حضرت یوسفؑ جن کی بریت کے لئے ایک سورۃ قرآن مجید میں نازل ہوئی۔ ان کے متعلق لکھتے ہیں۔

"وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ قَصَدَتْ مُخَالِطَتَهُ وَهَمَّ بِهَا قَصَدَ مُخَالِطَتَهَا لِمَيْلِ الشَّهْوَاتِ الْغَيْرِ الْاِخْتِيَارِيْ"

(جامع البیان صـ۲۰۳ نیز جلالین مجتبائی صـ۱۹۰)

کہ نعوذ باللہ حضرت یوسف علیہ السلام نے بھی زلیخا سے زناہ کا ارادہ کیا

(۳) حضرت داؤد علیہ السلام کے متعلق ان مفسرین نے لکھا ہے "طَلَبَ اِمْرَأَةَ شَخْصٍ لَيْسَ لَهٗ غَيْرُهَا وَتَزَوَّجَهَا وَدَخَلَ بِهَا" (جلالین مجتبائی صـ۳۷۰ حاشیہ) کہ حضرت داؤدؑ نے ایک شخص (اوریاہ نامی)، کی بیوی لے لی۔ اور اپنی سو بیویاں پوری کیں (نعوذ باللہ من شرورھم)

(۴) اسی طرح حضرت سلیمانؑ کے متعلق اسی جلالین ص۳۸۱ پر لکھا ہے کہ آپ ایک عورت پر عاشق ہوگئے۔ اور پھر اس سے نکاح کر لیا۔ (معاذ اللہ) غرضیکہ پہلے انبیاء کے متعلق بھی یہی بیہودہ گوئی رہی ہے اگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے متعلق معاندین وہی شیوہ اختیار کریں تو انہیں معذور سمجھنا چاہیئے۔

بہو کو طلاق دلوانا

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بے شک احمد بیگ وغیرہ کو لکھا تھا کہ اگر تم یہ رشتہ نہ دو گے۔ تو میں اپنے بیٹے فضل احمد کو کہہ کر تمہاری بہن لڑکی کو طلاق دلوا دوں گا۔ مگر اس میں کوئی قابل اعتراض بات نہیں۔ کیونکہ شریعت اسلامی کے مطابق خسر کو حق حاصل ہے۔ کہ اگر وہ چاہے تو اپنے بیٹے کو حکم دے کر بہو کو طلاق دلوا سکتا ہے۔ خواہ بیٹا رضامند ہو یا نہ ہو۔ چنانچہ حدیث میں ہے۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَتْ تَحْتِيْ اِمْرَاَةٌ اُحِبُّهَا وَكَانَ اَبِيْ يَكْرَهُهَا فَاَمَرَنِيْ اَنْ اُطَلِّقَهَا فَاَبَيْتُ فَذَكَرْتُ ذَالِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا عَبْدَ اللّٰهِ ابْنَ عُمَرَ طَلِّقْ اِمْرَاَتَكَ (ترمذی کتاب الطلاق و مشکوٰۃ مجتبائی ص۴۲۱ باب الشفقۃ)

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ میری ایک بیوی تھی۔ جس سے مجھے بہت محبت تھی۔ لیکن میرے باپ (حضرت عمرؓ) اس سے نفرت کرتے تھے۔ پس انہوں نے مجھے حکم دیا کہ میں اسے طلاق دیدوں۔ مگر میں نے

انکار کیا۔ پھر میں نے آنحضرت صلعم سے اس کا ذکر کیا۔ تو آپ نے فرمایا اے عبداللہ بن عمرؓ اپنی بیوی کو طلاق دیدو۔

(ب) اَلطَّلَاقُ لِرِضَاءِ الْوَالِدَیْنِ فَھُوَ جَائِزٌ۔ (مشکوٰۃ صفحہ مطبع حیدری) کہ اپنے والدین کی خواہش کے ماتحت طلاق دینا جائز ہے

(ج) بخاری شریف میں ہے۔ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام مکہ میں حضرت اسمٰعیلؑ کو چھوڑ آئے۔ اور ان کے وہاں پر جوان ہو جانے کے بعد مکہ گئے حضرت اسمٰعیلؑ گھر پر نہ تھے۔ ان کی بیوی گھر پر تھی۔ آپ اس سے باتیں کرتے رہے۔ اور جاتی دفعہ بیوی سے کہہ گئے کہ جب اسمٰعیل گھر آئیں۔ تو انہیں میرا السلام علیکم کہہ دینا۔ اور کہنا کہ "غَیِّرْ عَتَبَةَ بَابِكَ" کہ اپنے دروازہ کی دہلیز کو بدل دو۔ جب حضرت اسمٰعیلؑ گھر آئے۔ تو ان کی بیوی نے حضرت ابراہیم کا پیغام دیا۔ تو حضرت اسمٰعیل نے فرمایا " ذَاكِ أَبِي وَقَدْ أَمَرَنِي أَنْ أُفَارِقَكِ اَلْحِقِي بِأَهْلِكِ فَطَلَّقَهَا وَتَزَوَّجَ مِنْهُمْ أُخْرٰى" (بخاری جلد ۲ صفحہ کتاب بدء الخلق باب یزفون النسلان فی المشی) کہ وہ میرے والد (حضرت ابراہیمؑ) تھے۔ اور وہ مجھے یہ حکم دے گئے ہیں۔ کہ میں تجھے طلاق دیدوں۔ پس تو اپنے والدین کے پاس چلی جا۔ پس آپ نے اسے طلاق دیدی۔ اور بنو جرہم کی ایک عورت سے شادی کر لی۔

(۲) قرآن مجید میں خدا تعالےٰ فرماتا ہے۔ کہ لَا تَرْكَنُوْا اِلَى الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ" کہ ظالم لوگوں سے ساتھ تعلقات نہ رکھو ورنہ تم کو بھی عذاب پہنچ جائے گا۔

پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اگر اپنے بیٹے کو انبیاء گذشتہ کی سنت پر عمل کر کے ان لوگوں سے قطع تعلق کرنے کی ہدایت کی ۔ جو خدا اور اس کے رسول کے دشمن اور دہریہ تھے ۔ تو اپنے فرض کو ادا کیا ۔

(۱۴) حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو خصوصاً اس معاملہ میں یہ الہام ہوا تھا کہ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَقَطَعُوْا تَعَلُّقَهُمْ مِنْهُمْ وَ بَعُدُوْا مِنْ مَجَالِسِهِمْ فَاُولٰٓئِکَ مِنَ الْمَرْحُوْمِیْنَ (آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۵۷۰)

کہ سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے ۔ اور نیک کام کئے ۔ اور ان سے قطع تعلق کیا ۔ اور ان کی مجالس سے دور رہے ۔ پس ان پر رحم کیا جائے گا ۔ (باقی ان سب پر عذاب نازل ہوگا ۔) پس حضرت مسیح موعودؑ کو " وَقَطَعُوْا تَعَلُّقَهُمْ مِنْهُمْ " پر عمل کرنا چاہئے تھا

کوشش کیوں کی گئی ؟

باقی رہا تمہارا یہ کہنا ۔ کہ اگر وعدہ خدا کی طرف سے تھا ۔ تو پھر اس کو پورا کرنے کے لئے کوشش کیوں کی گئی ۔ اور دوسرے فریق کے بعض لوگوں کو خطوط کیوں لکھے گئے ؟

جواب :- سو یاد رکھنا چاہیئے ۔ کہ اللہ تعالےٰ کی سنت یہی ہے ۔ کہ وہ جن لوگوں سے وعدہ فرماتا ہے ۔ ان کی مدد اسی صورت میں فرمایا کرتا ہے ۔ جب وہ خود بھی جہانتک ممکن ہو سکے اس وعدہ الٰہی کے پورا کرنے میں

کوشش کریں۔ مثلاً آنحضرت صلعم کے ساتھ فتح کا وعدہ تھا۔ مگر کیا حضورؐ نے جنگ کے لئے تیاری نہیں فرمائی؟ کیا لشکر تیار نہیں کیا؟ حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ اللہ تعالےٰ کا وعدہ تھا۔ کہ وہ ان کو کامیاب و کامران کرے گا۔ "لتنبئنھم بامرھم ھذا" پھر بھی حضرت یوسف علیہ السلام نے جیلخانہ میں سے ایک مشرک شخص سے سفارش کروائی۔ (اور) اسے کہا کہ "اذکرنی عند ربک" (یوسف ع۵) کہ بادشاہ کے سامنے میرا ذکر کرنا۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے وعدہ تھا۔ کہ تمام عرب مسلمان ہوگا۔ پھر کیا حضورؐ نے تبلیغ کا کام بند کر دیا تھا؟

پس رعایت اسباب ضروری ہے۔ نیز اتمام حجت کی غرض سے بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ان لوگوں کو خطوط لکھنا ضروری تھا۔ کیونکہ اگر بصورت عدم توبہ اُن پر عذاب آتا۔ تو وہ کہہ سکتے تھے۔ کہ ہمیں اس پیشگوئی کا علم ہی نہ تھا۔ اس لئے ہم بے قصور ہیں۔ خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام تحریر فرماتے ہیں:-

"... یہ اعتراض بھی کرتے ہیں۔ کہ احمد بیگ کی لڑکی کے لئے طرح طرح کی امید دینے سے کیوں کوشش کی گئی۔ نہیں سمجھتے کہ وہ کوشش اسی غرض سے تھی۔ کہ وہ تقدیر اس طور سے ملتوی ہو جائے۔ اور وہ عذاب ٹل جائے۔ یہی کوشش عبداللہ آتھم اور لیکھرام سے بھی کی گئی تھی۔ یہ کہاں سے معلوم ہوا۔ کہ پیشگوئی کے پورا کرنے کے لئے کوئی جائز کوشش کرنا حرام ہے۔ ذرہ غور اور حیا سے سوچو۔ کہ کیا آنحضرت صلعم کو قرآن شریف

جن بیہ وعدہ نہیں دیا گیا تھا۔ کہ عرب کی بت پرستی نابود ہوگی؟ اور بجائے بت پرستی کے اسلام قائم ہوگا؟ اور وہ دن آئے گا۔ کہ خانہ کعبہ کی کنجیاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں ہوں گی۔ اور خدا یہ سب کچھ آپ کرے گا۔ مگر کبھی اسلام کی اشاعت کے لئے ایسی کوشش ہوئی جس کی تفصیل کی ضرورت نہیں۔" (ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم ص۱۹۶)

بستر عیش

حضرت کا یہ الہام ہرگز محمدی بیگم والی پیشگوئی کے متعلق نہیں ہے۔ بلکہ جیسا کہ اس کے سیاق سباق سے ظاہر ہے۔

(۱) یہ الہام حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے متعلق نہیں بلکہ آپ کی مقدس جماعت بھی اس الہام میں مخاطب ہے۔

(۲) یہ الہام اس دنیاوی زندگی کے متعلق نہیں بلکہ آخرت کے متعلق ہے۔ چنانچہ یہ الہام مکمل طور پر یوں ہے:۔

"۵ دسمبر ۱۹۰۵ء بَلَاءٌ وَّ اَنْوَارٌ۔ بستر عیش۔ خوش باش کہ عاقبت نکو خواہد بود۔ فَبَشِّرْ ہٰی لِلْمُؤْمِنِیْنَ (پس مومنوں کے لئے بشارت ہے)" (البدر جلد ۳ ۔ ص۶ کالم ۳ و البشریٰ جلد ۲ ص۸۸)

فارسی الہام صاف طور پر بتا رہا ہے کہ یہ "عاقبت" کے متعلق ہے۔ عربی الہام بتا رہا ہے کہ اس میں جماعت احمدیہ بھی مخاطب ہے۔

(۳) لفظ "عیش" بھی ہمارا مؤید ہے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے:۔

"لَا عَیْشَ اِلَّا عَیْشُ الْاٰخِرَۃِ" کہ حقیقی زندگی (عیش) آخرت ہی کی ہے۔

(۴) قرآن مجید میں اہل جنت کے متعلق ہے "مُتَّكِئِيْنَ عَلٰى فُرُشٍ بَطَآئِنُهَا مِنْ اِسْتَبْرَقٍ" (رحمٰن ع ۳) تکیہ لگائے ہوں گے بستروں پر جن کے استر گاڑھے ریشم کے ہوں گے۔

(۵) اَلْفِرَاشُ مَايُفْرَشُ وَيُنَامُ عَلَيْهِ (المنجد صـ۶۴۶) وہ جو بچھایا جائے اور اس پر سویا جائے۔ گویا جنت کی "عیش" (زندگی) میں ہر مومن کا "بستر" ہو گا۔ پس "الہام بستر عیش" میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔

بِكْرٌ وَّثَيِّبٌ

یعنی کنواری اور بیوہ!

اَلجواب :- یہ الہام جیسا کہ خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تحریر فرمایا ہے حضرت ام المومنین کے نکاح کے متعلق تھا (دیکھو نزول مسیح حاشیہ صـ۱۴۶) جس کا مطلب یہ تھا۔ کہ آپ حضرت کے گھر میں کنواری ہوں گی جب آئیں گی مگر بیوہ رہ جائیں گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ (بتایا یہ گیا تھا۔ کہ حضرت صاحب کی وفات کے بعد بھی زندہ رہیں گی۔ اور حضور کی زندگی میں فوت نہ ہوں گی) محمدی بیگم کی یہ پیشگوئی چونکہ عدم توبہ اور اس کے نتیجہ میں ہلاکت سلطان محمد سے مشروط تھی اس لئے اس کے عدم تحقق کے باعث یہ الہام بجائے اس رنگ میں پورا ہونے کے دوسرے رنگ میں، جیسا کہ اوپر ذکر ہوا پورا ہو گیا۔

وعید کا ٹلنا

ہم اس مضمون کے شروع میں یہ ثابت کر چکے ہیں کہ محمدی بیگم (۱) ا

پیشگوئی میں "توبہ" کی شرط تھی۔ اور سلطان محمد نے اس شرط سے فائدہ اٹھایا
لیکن اگر پیشگوئی میں توبہ کی شرط نہ بھی ہوتی۔ تو بھی یہ وعیدی پیشگوئی تھی۔
اور خدا تعالیٰ کی سنت قدیمہ کے مطابق سلطان محمد کا توبہ و استغفار سے
تین سال کے عرصہ میں بچ جانا کوئی غیر ممکن امر نہ تھا۔

چنانچہ:۔ ۱۔ خدا تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے۔ "وَمَا كَانَ اللّٰهُ
مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ" (انفال رکوع ۴) کہ خدا تعالیٰ
استغفار کرنے والوں پر عذاب نازل نہیں کرتا۔

۲۔ حضرت یونس علیہ السلام نے اپنی قوم کو کہا تھا "اِنَّ اَجَلَكُمْ
اَرْبَعُوْنَ لَيْلَةً" کہ تمہاری زندگی بس چالیس راتیں ہیں۔ اس میں
کوئی شرط توبہ وغیرہ کی مذکور نہ تھی۔ مگر وہ لوگ بہت ڈرے۔ توبہ
اور استغفار کی "فَتَضَرَّعُوْا اِلَى اللّٰهِ فَرَحِمَهُمْ وَكَشَفَ عَنْهُمْ"
(تفسیر کبیر جلد ۵ صفحہ ۴۲ و فتح البیان جلد ۴ صفحہ ۵۷ و تفسیر ابن جریر
جلد ۱۱ صفحہ ۱۱۱ حاشیہ) کہ وہ لوگ خدا کے سامنے گڑگڑائے۔ پس
خدا تعالیٰ نے ان پر رحم کیا اور ان پر سے عذاب کو ٹلا دیا۔

۳۔ روح المعانی میں تخلف وعید کے متعلق لکھا ہے:۔
"اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى عَزَّ وَجَلَّ يَجُوْزُ اَنْ يُّخْلِفَ الْوَعِيْدَ وَ
اِنِ امْتَنَعَ اَنْ يُّخْلِفَ الْوَعْدَ وَبِهٰذَا وَرَدَتِ السُّنَّةُ فَفِيْ
حَدِيْثِ اَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ وَعَدَهٗ عَلٰى عَمَلِهٖ ثَوَابًا فَهُوَ مُنْجِزٌ لَهٗ
وَمَنْ اَوْعَدَهٗ عَلٰى عَمَلِهٖ عِقَابًا فَهُوَ بِالْخِيَارِ"

وَمِنْ اَدْعِیَۃِ الْاَئِمَّۃِ الصَّادِقِیْنَ یَا مَنْ اِذَا وَعَدَ وَفَا وَاِذَا تَوَعَّدَ عَفَا۔ (روح المعانی جلد ۲ صفحہ ۶۵ مصری)

ترجمہ۔ کہ خدا تعالےٰ اکیلے جانتا ہے کہ وہ وعید (عذاب کی پیشگوئی میں) تخلف کرے۔ اگرچہ وعدہ میں تخلف ممتنع ہے۔ اور احادیث سے بھی ثابت ہے۔ جیسا کہ حضرت انسؓ سے روایت ہے۔ کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ کہ اگر خدا تعالےٰ کسی سے انعام و ثواب کا وعدہ کرے تو اسے ضرور پورا کرتا ہے۔ ہاں عذاب (وعید) کی صورت میں وہ مختار ہے۔ کبھی سزا دیتا ہے۔ اور کبھی نہیں۔ اور آئمہ صادقین کی دعاؤں میں سے ایک یہ ہے کہ "اے وہ اللہ جب وعدہ کرے تو پورا کرے اور جب ڈرائے (وعید کرے) تو معاف فرمائے"

۴۔ "اَلْاَنْ نَعْلَمُ اَنَّ الْمَشْھُوْرَ فِی الْجَوَابِ اَنَّ اٰیَاتِ الْوَعْدِ مُطْلَقَۃٌ وَّاٰیَاتِ الْوَعِیْدِ وَاِنْ وَرَدَتْ مُطْلَقَۃً حُذِفَ قَیْدُھَا لِمَزِیْدِ التَّخْوِیْفِ (روح المعانی جلد ۴ صفحہ ۱۹ مطبوعہ مصر) وعدہ ہمیشہ مطلق اور (غیر مشروط) ہوتا ہے۔ اور "وعید" خواہ وہ بظاہر غیر مشروط ہی کیوں نہ ہو۔ پھر بھی اس میں کوئی نہ کوئی شرط حذف کر دی گئی ہوتی ہے۔ تاکہ خوف زیادہ بڑھ جائے۔

(۵) حضرت علامہ فخر الدین رازی فرماتے ہیں "وَ یَقْتَضِیْ جَمِیْعُ الْوَعِیْدِ اِنْ دَشْمَہٗ وَطَلَبَہٗ بِعَدَمِ الْعَفْوِ فَلَا یَلْزَمُ مِنْ تَرْکِہٖ دُخُوْلُ الْکِذْبِ فِیْ کَلَامِ اللّٰہِ" (تفسیر کبیر جلد ۲ صفحہ ۶۰۰ مطبوعہ مصر)

کہ میرے نزدیک تمام وعیدی پیشگوئیوں میں شرط ہوتی ہے کہ اگر خدا تعالے نے معاف نہ کر دیا۔ تب پوری ہوگی۔ پس اگر وعید پورا نہ ہو تو اس سے خدا کا کلام جھوٹا ہونا ثابت نہیں ہوتا۔

(۶) تفسیر بیضاوی میں ہے "بِاَنَّ وَعِیْدَ الْفُسَّاقِ مَشْرُوْطٌ بِعَدْمِ الْعَفْوِ" (بیضاوی تفسیر سورہ آلِ عمران پہلا رکوع زیر آیت اِنَّ اللّٰہَ لَا یُخْلِفُ الْمِیْعَادَ۔)

کہ "خدا تعالے کافروں کے متعلق عذاب کی پیشگوئی کرتا ہے۔ تو ہمیشہ اس میں مخفی طور پر یہ شرط ہوتی ہے۔ کہ اگر خدا تعالے نے معاف نہ کر دیا۔ تو عذاب آ جائے گا"

(۷) مسلم الثبوت ص ۲۸ "اِنَّ الْاِیْعَادَ فِیْ کَلَامِہٖ تَعَالٰی مُقَیَّدٌ بِعَدْمِ الْعَفْوِ" کہ خدا تعالے کی طرف سے ہر وعید میں عدم عفو کی شرط ہوتی ہے۔

آنحضرت صلعم کی پیشگوئی

بعض مخالفین کہا کرتے ہیں کہ حضرت صاحب نے تحریر فرمایا ہے۔ کہ "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی "یَتَزَوَّجُ وَیُوْلَدُ لَہٗ" نکاح محمدی بیگم کے متعلق ہے۔ تو اس کے جواب میں یاد رکھنا چاہیئے کہ:۔

۱۔ نکاح محمدی بیگم حضرت اقدس کی پیشگوئی کے مطابق سلطان محمد کی موت بصورت عدم توبہ کے ساتھ مشروط تھا۔ لہذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی کو بھی شرائط بالا کے ساتھ مشروط تسلیم کرنا پڑے گا۔ پس

بوجہ عدم تحقیق شرائط آنحضرتؐ کی یہ پیشگوئی محمدی بیگم کے نکاح کے ساتھ پوری ہونے کی بجائے دوسرے رنگ میں پوری ہوگئی۔ یعنی وہ "موعود" اولاد حضرت صاحب کو اس دوسرے نکاح سے عطا کی گئی۔ جو حضرت ام المومنین کے ساتھ ہوا۔

(۲) چنانچہ یہ ہمارا اپنا ہی خیال نہیں بلکہ خود حضرت مسیح موعودؑ تحریر فرماتے ہیں:-

"کئی برس پہلے خبر دی گئی تھی۔ یعنی مجھے بشارت دی گئی تھی کہ تمہاری شادی خاندان سادات میں ہوگی۔ اور اس میں سے اولاد ہوگی تاکہ پیشگوئی حدیث "یَتَزَوَّجُ وَیُوْلَدُ لَہٗ" پوری ہو جائے۔ یہ حدیث اشارت کر رہی ہے۔ کہ مسیح موعودؑ کو خاندان سیادت سے تعلق دامادی ہوگا۔ کیونکہ مسیح موعودؑ کا تعلق جس سے وعدہ "یُوْلَدُ لَہٗ" کے موافق صالح اور نیک اولاد پیدا ہو۔ اعلیٰ اور طیب خاندان سے چاہیئے۔ اور وہ خاندان سادات ہے" (اربعین نمبر ۳ صفحہ ۳۶ حاشیہ آخری صفحہ)

ایک سوال

ایک سوال یہ ہو سکتا ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مرزا احمد بیگ کی موت کے لئے تین سال کی میعاد۔ اور سلطان محمد کی موت کے لئے اڑھائی سال کی میعاد مقرر فرمائی تھی جس سے بادی النظر میں یہی معلوم ہوتا ہے۔ کہ پہلے سلطان محمد کو مرنا چاہیئے تھا۔

ا۔ سو یاد رکھنا چاہیئے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا سلطان محمد

کے لئے اڑھائی سال اور مرزا احمد بیگ کے لئے تین سال کی میعاد مقرر فرمانا ہر اہل بصیرت انسان کے لئے حضرت مسیح موعودؑ کی صداقت اور راستبازی کی ایک دلیل ہے۔ کیونکہ احمد بیگ عمر کے لحاظ سے بڑھا تھا۔ اور اس کا داماد جوان۔ طبعی طور پر احمد بیگ کی موت کے متعلق یہ خیال کیا جاسکتا تھا کہ وہ سلطان محمد سے پہلے مرے گا۔ اور اگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنی طرف سے اندازہ لگا کر پیشگوئی کرتے۔ تو احمد بیگ کی وفات کے لئے سلطان محمد سے کم میعاد مقرر فرماتے۔ لیکن الہام میں ایسا نہیں۔ بلکہ احمد بیگ کے لئے تین سال۔ اور سلطان محمد کے لئے اڑھائی سال کا وعدہ کیا گیا۔ پس اس سے یہ ثابت ہوا۔ کہ یہ پیشگوئی انسانی دماغ کا اختراع نہ تھا۔

دوسرا امر جو اس میعاد کے تعین سے معلوم ہوتا ہے وہ یہ کہ یہ پیشگوئی جذبات انسانی کے نتیجہ میں نہیں کی گئی تھی۔ کیونکہ زیادہ قصور احمد بیگ کا تھا اور مستہزئین اور مکفرین کے گروہ میں شامل تھا۔ نیز رشتہ کے لئے اسی کے ساتھ ہی سلسلہ جنبانی کی گئی تھی۔ اور یہ سب کچھ اسی کے انکار کا نتیجہ تھا۔ اور اگر جذبات انسانیہ کا کوئی اثر ہو سکتا تھا۔ تو یہی کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام طبعاً احمد بیگ کی موت کی میعاد کم مقرر فرماتے۔ مگر واقعہ اس کے خلاف ہوا۔ جس سے صاف طور پر ثابت ہوتا ہے۔ کہ یہ پیشگوئی جذبات کا نتیجہ نہ تھی۔ بلکہ جس طرح خدا تعالےٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اطلاع دی۔ اسی طرح اسے شائع فرما دیا۔

(۳) پیشگوئی میں زیادہ سے زیادہ مدت بتائی گئی تھی۔ پس اگر احمد بیگ

اور سلطان محمد اپنی اسی حالت پر بدستور قائم رہتے جس حالت میں کہ وہ پیشگوئی کے بیان کرنے کے وقت تھے۔ تو ان کی موت کی میعاد علی الترتیب تین و اڑھائی سال ہوتی۔ مگر احمد بیگ اپنی پہلی حالت پر قائم نہ رہا۔ اور لڑکی کا نکاح کر دینے کے بعد اور زیادہ شوخ ہو گیا۔ اس لئے وہ میعاد مقررہ کے اندر بہت ہی جلدی پکڑا گیا۔ بخلاف سلطان محمد کے کہ اس نے اصلاح کی۔ اور توبہ استغفار کی طرف رجوع کیا۔ مگر اصل یہی وجہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے احمد بیگ کی میعاد تین سال مقرر کر کے ساتھ ہی یہ بھی بتا دیا تھا۔ کہ یہ زیادہ سے زیادہ مہلت ہے جو احمد بیگ کو دی جاتی ہے۔ مگر وہ اس سے فائدہ نہیں اٹھائے گا۔ تو تین سال سے بہت پہلے جلد ہی مر جائے گا۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے احمد بیگ کو جو خط ۱۳۰۶ھ میں لکھا تھا۔ اس میں حضور نے تحریر فرمایا تھا:۔

"وَاٰخِرُ الْمَصَائِبِ مَوْتُکَ۔ فَتَمُوْتُ بَعْدَ النِّکَاحِ اِلٰی ثَلٰثِ سِنِیْنَ بَلْ مَوْتُکَ قَرِیْبٌ" (آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۵۷۳) ترجمہ یہ ہے۔ کہ تیرے خاندان پر جو آخری مصیبت آئے گی وہ تیری موت ہوگی۔ تو روزِ نکاح سے تین سال کے عرصہ میں مر جائے گا۔ بلکہ تیری موت اس سے بھی قریب ہے۔

(ب) حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنے اشتہار ۲۰ اپریل ۱۸۸۶ء میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"خدا نے اس عاجز کے مخالف اور منکر رشتہ داروں کے حق میں نشان

کے طور پر یہ پیشگوئی ظاہر کی ہے۔ کہ ان میں سے جو ایک شخص احمد بیگ ہے۔ اگر وہ اپنی لڑکی اس عاجز کو نہیں دے گا۔ تو تین برس کے عرصہ تک بلکہ اس سے قریب فوت ہو جائے گا" (حاشیہ اشتہار ۲۰ اپریل ۱۸۸۶ء ضمیمہ اخبار ریاض ہند امرتسر مارچ ۱۸۸۶ء منقولہ آئینہ کمالات)

مندرجہ بالا دونوں حوالجات میں حضرت نے صراحت فرما دی ہے۔ کہ احمد بیگ کو اگر وہ زیادہ شوخی نہ کرے۔ تو زیادہ سے زیادہ تین سال مہلت مل سکتی ہے۔ لیکن وہ شوخی کر کے جلدی فوت ہو جائے گا چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

ایک قابل غور امر

مندرجہ بالا عربی عبارت از آئینہ کمالات اسلام ص۵۷۳ میں سے فقرہ "اخر المصائب موتک" کہ تیرے خاندان پر جو آخری مصیبت آئے گی۔ وہ تیری موت ہو گی خاص طور پر قابل غور ہے۔ کیونکہ اسمیں بھی ایک زبردست پیشگوئی ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے احمد بیگ کو بتا دیا تھا۔ کہ خدا تعالےٰ نے یوں مقدر فرمایا ہے۔ کہ اس کی موت کو اس کے خاندان کے لئے "آخری مصیبت" بنائے۔ اور اس کے بعد پھر کوئی مصیبت اس خاندان پر اس پیشگوئی کے ماتحت نہ آئے۔ اس لئے احمد بیگ کی موت جب ۱۸۹۲ء میں ہو گئی۔ تو "اخر المصائب موتک" کے مطابق ضروری تھا۔ کہ سلطان محمد اس کے بعد فوت نہ ہو۔ غرضیکہ احمد بیگ کی موت کا واقعہ ہو جانا۔ اور پیشگوئی کے مطابق خاتمہ

ہوجانا۔ اس پیشگوئی کے عظیم الشان نتائج کی خوشخبری دیتا تھا۔ جو اس خاندان کے اکثر افراد کے حلقہ بگوش احمدیت ہونے کی صورت میں نمودار ہوئے اور اس طرح سے یہ پیشگوئی اس خاندان کے مطالبہ "فَلْيَأْتِنَا بِآيَةٍ إِنْ كَانَ مِنَ الصَّادِقِينَ" کہ اگر یہ سچا ہے تو نشان دکھائے" کے جواب میں ایک زبردست نشان ثابت ہوئی۔ جس نے ان لوگوں کی جو دہریت اور ارتداد کی تاریکیوں میں بھٹک رہے تھے۔ کایا پلٹ دی۔ اور ان کو خدا کے پیارے مسیح موعودؑ کی شناخت اور قبولیت کی روشنی سے منور کر دیا۔ دہریت کی جگہ اسلام نے۔ اور ارتداد کی جگہ تعلق و محبت رسولؐ نے لے لی۔ اور یہی وہ عظیم الشان تغیر ہے۔ جس کو دنیا میں پیدا کرنے کے لئے خدا تعالےٰ کے تمام انبیاء تشریف لائے۔ اور جس کی جھلک خدا نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے رشتہ داروں میں اس پیشگوئی کے ذریعہ دکھائی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

۱۔ "کس قدر میرے دعوٰی کی تائید میں مجھ سے نشان ظاہر ہوئے۔ اور جو کچھ کہا جاتا ہے۔ کہ فلاں پیشگوئی پوری نہ ہوئی۔ یہ محض افترا ہے۔ بلکہ تمام پیشگوئیاں پوری ہو گئیں۔ اور میری کسی پیشگوئی پر ایسا اعتراض نہیں ہو سکتا۔ جو پہلے نبیوں کی پیشگوئیوں پر جاہل اور بے ایمان لوگ نہیں کر چکے۔" (ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم صفحہ ۱۲۹)

۲۔ "اے نادان! اپنے تعصب کا پردہ اپنی آنکھوں پر سے اٹھا۔ تب تجھے معلوم ہو جائے گا۔ کہ سب پیشگوئیاں پوری ہو گئیں۔ خدا تعالےٰ

کی نصرت ایک تند اور تیز دریا کی طرح مخالفوں پر حملہ کر رہی ہے۔ پر افسوس کہ ان لوگوں کو کچھ بھی محسوس نہیں ہوتا۔ زمین نے نشان دکھائے۔ اور آسمان نے بھی۔ اور دوستوں میں بھی نشان ظاہر ہوئے۔ اور دشمنوں میں بھی۔ مگر اندھے لوگوں کے نزدیک ابھی کوئی نشان ظاہر نہیں ہوا۔ لیکن خدا اس کام کو ناتمام نہیں چھوڑے گا۔ جب تک کہ وہ پاک اور پلید میں فرق کر کے نہ دکھلا دے۔" (ضمیمہ براہین حصہ پنجم ص۱۲۷)

(۳) "ایک یہ بھی ان کا اعتراض ہے کہ پیشگوئیاں پوری نہیں ہوئیں۔ اس اعتراض کے جواب میں تو صرف اسی قدر لکھنا کافی ہے کہ "لعنۃ اللہ علی الکاذبین"۔ اگر وہ میری کتابوں کو غور سے دیکھتے۔ یا میری جماعت کے اہل علم و واقفیت سے دریافت کرتے۔ تو معلوم ہوتا۔ کہ کئی ہزار پیشگوئیاں اب تک پوری ہو چکی ہیں۔ اور ان پیشگوئیوں کے پورا ہونے کے صرف ایک دو گواہ نہیں۔ بلکہ ہزارہا انسان گواہ ہیں۔" (ضمیمہ براہین حصہ پنجم ص۱۴۴)

۴ " ایک دو اور پیشگوئیوں پر بھی اعتراض کرتے ہیں۔ کہ وہ پوری نہیں ہوئیں۔ مگر یہ سراسر ان کا افترا ہے۔ اور صحیح اور واقعی یہی بات ہے۔ کہ میری کوئی ایسی پیشگوئی نہیں۔ کہ جو پوری نہیں ہو گئی اگر کسی کے دل میں شک ہو۔ تو وہ سیدھی نیت سے ہمارے پاس آ جائے۔ اور بالمواجہ کوئی اعتراض کرے۔ اگر شافی کافی جواب نہ سُنے تو ہم ہر ایک تاوان کے سزاوار ہو سکتے ہیں۔"

(حقیقت المہدی ص۷)

ڈاکٹر عبد الحکیم مرتد والی پیشگوئی
اپنی وفات کے متعلق حضرت مسیح موعودؑ کے الہامات

جواب ا:-

۱- دسمبر ۱۹۰۵ء میں اپنی وفات سے اڑھائی سال قبل حضرت نے "الوصیت" شائع فرمائی۔ اس کے صفحہ ۲ پہ یہ الہامات درج ہیں "قَرُبَ اَجَلُکَ الْمُقَدَّرُ" (تیری وفات کا مقررہ وقت آگیا ہے) "قَلَّ مِیْعَادُ رَبِّکَ" (تیرے رب کی طرف سے بہت کم وقت باقی رہ گیا ہے) "بہت تھوڑے دن رہ گئے ہیں"۔

۲- ریویو دسمبر ۱۹۰۵ء میں ہے۔ رؤیا (خواب) "ایک کوری ٹنڈ میں مجھے کچھ پانی دیا گیا۔ پانی صرف دو تین گھونٹ اس میں باقی رہ گیا ہے لیکن نہایت صاف اور مقطر پانی ہے۔ اس کے ساتھ الہام ہوا "آبِ زندگی" (ریویو دسمبر ۱۹۰۵ء) اس میں "دو تین گھونٹ" زندگی کا پانی باقی رہنا مذکور ہے۔ اور اس کے پورے اڑھائی سال بعد حضور فوت ہوئے۔ گویا کل میعاد ڈھائی سال بتائی گئی۔ جس کو بعد میں عبد الحکیم نے چرا کر اپنے نام سے شائع کیا جیسا کہ آگے آئے گا۔

۳- ۲۰ فروری ۱۹۰۵ء "افسوسناک خبر آئی ہے۔ اور انتقال فرما گئے لاہور کی طرف ہوا ہے۔ ان کی لاش کفن میں لپیٹ کر لائے ہیں۔" (ریویو جلد ۴)

۴- ۲ دسمبر ۱۹۰۶ء :- "بخرام کہ وقتِ تو نزدیک رسید" ۲۷ کو

ایک واقعہ ہمارے متعلق "اَللّٰہُ خَیْرٌ وَّ اَبْقٰی" (یعنی اللہ ہی سب سے اچھا اور باقی رہنے والا ہے) حضور کی وفات کی یہ "افسوس ناک خبر" لاہور کی طرف سے آئی۔ اور حضور ۲۷ مئی ۱۹۰۸ء کو کفن میں لپیٹ کر قادیان لائے گئے + ۵-۷ مارچ ۱۹۰۸ء "ماتم کدہ" اس کے بعد دیکھا کہ جنازہ آتا ہے"

عبدالحکیم مرتد کی پیشگوئی

حضرت مسیح موعود نے جب "الوصیت" شائع فرمادی۔ اور اپنا وہ رویا بھی شائع فرمادیا۔ جس میں حضور کی عمر "دو تین سال" بتائی گئی تھی۔ تو اس کے پورے سات مہینہ بعد عبدالحکیم مرتد نے ۱۲ جولائی ۱۹۰۶ء کو لکھا۔

سہ سالہ پیشگوئی:۔ "مرزا مسرف کذاب اور عیار ہے۔ صادق کے سامنے شریر فناہ ہو جائے گا۔ اور اس کی میعاد تین سال بتائی گئی ہے"

(کانا دجال صفحہ ۵ و اعلان الحق و اتمام الحجت و تکملہ صفحہ ۶)

حضرت مسیح موعودؑ کا جواب

اس کے جواب میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ۱۶ اگست ۱۹۰۶ء کو اشتہار "خدا سچے کا حامی ہو" شائع فرمایا۔ اور اس میں خدا کا یہ الہام درج کیا:۔ "خدا کے مقبولوں میں قبولیت کے نمونے اور علامتیں ہوتی ہیں۔ اور وہ سلامتی کے شہزادے کہلاتے ہیں۔ اور ان پر کوئی غالب نہیں آسکتا۔ خدا کے فرشتوں کی کھنچی ہوئی تلوار تیرے آگے ہے۔ پر تو نے وقت کو نہ پہچانا۔ نہ دیکھا نہ جانا رَبِّ فَرِّقْ بَیْنَ صَادِقٍ وَّ کَاذِبٍ

وَ اَنْتَ تَرٰی کُلَّ مُصْلِحٍ وَّ صَادِقٍ (یعنی اے رب! سچے اور جھوٹے میں فرق کرکے دکھا دے۔ اور تُو ہر مصلح اور سچے کو جانتا ہے)

پہلی پیشگوئی منسوخ اور ۱۴ ماہ بعد نئی پیشگوئی

عبدالحکیم مرتد "شجرۂ خبیثہ" تھا۔ جو "مَا لَھَا مِنْ قَرَارٍ" کے مطابق اپنی بات پر قائم نہ رہا۔ اور اپنی سہ سالہ پیشگوئی کو بدیں الفاظ منسوخ کرتے ہوئے لکھا:- "اللہ نے مرزا کی شوخیوں اور نافرمانیوں کی سزا میں سہ سالہ میعاد میں سے جو ۲۱ جولائی ۱۹۰۹ء کو پوری ہونی تھی۔ دس مہینے اور گیارہ دن کم کر دئیے۔ اور مجھے یکم جولائی ۱۹۰۷ء کو الہاماً فرمایا کہ "مرزا آج سے چودہ ماہ تک بسزائے موت ہاویہ میں گرایا جائیگا۔"

(دیکھو رسالہ اعلان الحق و اتمام الحجت و تکملہ صفحہ ۶ مؤلفہ عبدالحکیم مرتد)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا جواب

اس کے جواب میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ۵ نومبر ۱۹۰۷ء کو "تبصرہ" نامی اشتہار شائع فرمایا:- "اپنے دشمن سے کہہ دے کہ خدا تجھ سے مؤاخذہ لے گا۔ اور تیری عمر کو بھی بڑھاؤں گا۔ یعنے دشمن جو کہتا ہے۔ کہ جولائی ۱۹۰۷ء سے چودہ مہینہ تک تیری عمر کے دن رہ گئے ہیں۔ یا ایسا ہی دوسرے دشمن پیشگوئی کرتے ہیں۔ ان سب کو میں جھوٹا کروں گا۔ اور تیری عمر کو بڑھاؤں گا۔ تا معلوم ہو کہ میں خدا ہوں۔ اور ہر ایک امر میرے اختیار میں ہے۔"

نوٹ:۔ اس الہام میں لفظ "چھوٹا کر دوں گا" اور "عمر کو بڑھاؤں گا" خاص طور پر قابل غور ہیں۔ کیونکہ "بڑھاؤں گا" کا لفظ بتاتا ہے۔ کہ حضور کی تاریخ وفات تو حضرت کے اپنے الہامات کے مطابق یکم ستمبر ۱۹۰۸ء سے پہلے ہی ہے۔ مگر محض دشمن کو جھوٹا کرنے کی غرض سے خدا تعالےٰ اس کو بڑھانے کی پیشگوئی کرتا ہے۔ گویا عمر بڑھانا محض دشمن کو "جھوٹا" کرنے کی غرض سے ہے۔ اور بس۔

چودہ ماہیہ پیشگوئی بھی منسوخ

چودہ ماہ والی پیشگوئی کے مطابق میعاد پیشگوئی یکم ستمبر ۱۹۰۸ء نکلتی تھی۔ مگر تبصرہ کے شائع ہونے کے بعد مرتد ڈاکٹر نے اس میں اور تبدیلی کر دی۔ اور لکھا "الہام ۱۶ فروری ۱۹۰۸ء" مرزا ۲۱ ساون سمت ۱۹۶۵ مطابق ۴ اگست ۱۹۰۸ء تک ہلاک ہو جائیگا۔
(دیکھو اعلان الحق و اتمام الحجۃ صفحہ ۶)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا جواب

جب عبد الحکیم نے ۱۶ فروری ۱۹۰۸ء کو ۴ اگست ۱۹۰۸ء تک والی پیشگوئی شائع کی۔ تو اس وقت حضرت مسیح موعود علیہ السلام چشمہ معرفت لکھ رہے تھے۔ حضور نے اس کی یہ پیشگوئی چشمہ معرفت میں نقل فرمائی۔ اور تحریر فرمایا "میں اس کے شر سے محفوظ رہوں گا" (چشمہ معرفت صفحہ ۳۲۲)

۴ر اگست والی پیشگوئی منسوخ

مگر عبد الحکیم مرتد اس پر بھی قائم نہ رہا۔ اور لکھا۔ "مگر کسی طرح اس (حضرت مسیح موعودؑ) کی بے باکی اور سرکشی میں کمی نہ ہوئی۔ اور مرزائیوں کا ارتداد اور کفر بے حد بڑھتا گیا جس کی تفصیل کانا دجال کے مطالعہ سے ظاہر ہو گی۔ ایک موقعہ پر بے اختیاری میری زبان سے یہ بد دعا نکلی اے خدا اس ظالم کو جلد غارت کر۔ اے خدا اس بد معاش (خاکش بدہن۔ خادم) کو جلد غارت کر۔ اس لئے ۴ر اگست ۱۹۰۸ء مطابق ۲۱ ساون سمت ۱۹۶۵ تک کی میعاد بھی منسوخ کی گئی" (اعلان الحق واتمام الحجۃ وتکملہ ص۹)

(۲) اپنے ۸ر مئی ۱۹۰۸ء کے خط میں لکھتا ہے "مرزا قادیانی کے متعلق میرے جدیدہ الہامات شائع کر کے ممنون فرما دیں۔

۱۔ مرزا ۲۱ ساون سمت ۱۹۶۵ (۴ر اگست ۱۹۰۸ء) کو مرض مہلک میں مبتلا ہو کر ہلاک ہو جائے گا۔

۲۔ مرزا کے کنبہ میں ایک بڑی معرکۃ الآرا عورت مرجائے گی۔"

(پیسہ اخبار ۱۹۰۸ء۔ ۱۵ مئی واہلحدیث ۱۵ مئی ۱۹۰۸ء)

گویا اب اس نے ۴ر اگست ۱۹۰۸ء کی تعیین کر دی۔ اب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی عمر بڑھانے کی ضرورت نہ رہی۔ آپ ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء کو فوت ہوئے۔ اور اس کے "شر سے محفوظ" رہے۔ وہ "جھوٹا ہو گیا"۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اپنی پیشگوئیوں کے مطابق ۲۷ کو حضور کا جنازہ لاہور سے قادیان کی طرف لایا گیا۔ اور حضور دارالامان میں مدفون ہوئے۔

"کو" کی صحت کا ثبوت

(۱) ۴ اگست "تک" والا "الہام" ۱۲ فروری کا ہے (اعلان الحق و تکملہ و اتمام الحجۃ صث) مگر ۴ اگست "کو" والا "الہام" مئی کے پہلے ہفتہ کا ہے۔ (دیکھو اعلان الحق و اتمام الحجۃ و تکملہ ص۲ سطر ۱۸)

(۲) "تک" والا "الہام" "جدید" نہیں بلکہ تین مہینے کا پرانا "الہام" تھا۔ ۵ مئی کو اس نے "کو" والا الہام لکھا ہے اور اس کو "جدید" قرار دیا ہے۔ اور خود اقرار کیا ہے۔ کہ مئی ۱۹۰۸ء میں مجھے "کو" والا الہام ہوا تھا۔ (دیکھو اعلان الحق وغیرہ ص۳۲)

(۳) دوسرا "الہام" جو معرکۃ الآرا عورت کی موت کے متعلق ہے وہ ۸ مئی ۱۹۰۸ء کا ہے۔ یعنی اس دن کا جس دن اس نے یہ "الہام" بغرض اشاعت اخبارات میں بھی بھیجا ہے (دیکھو اعلان الحق ص۵ آخری سطر) مگر "تک" والے الہام کے ساتھ معرکۃ الآرا عورت کی موت کا ذکر نہیں۔

(۴) عبد الحکیم نے خود اقرار کیا ہے۔ جیسا کہ اوپر درج ہو چکا۔ کہ ۴ اگست تک والی میعاد منسوخ کی گئی (اعلان الحق وغیرہ ص۹)

عبد الحکیم مرتد جھوٹا ہو گیا

مولوی ثناء اللہ امرتسری کی شہادت

"ہم خدا لگتی کہنے سے رک نہیں سکتے۔ کہ ڈاکٹر صاحب اگر اسی پر بس کرتے یعنی چودہ ماہیہ پیشگوئی کر کے مرزا کی موت کی تاریخ مقرر

نہ کر دیتے۔ جیسا کہ انہوں نے کیا۔ چنانچہ ۱۵ مئی ۱۹۰۸ء کے "اہل حدیث" میں ان کے الہامات درج ہیں کہ ۲۱ ساون یعنی ۴ اگست کو مرزا مریگا۔ تو آج وہ اعتراض نہ ہوتا۔ جو معزز ایڈیٹر پیسہ اخبار نے ڈاکٹر صاحب کے اس الہام پر چھپتا ہوا کیا ہے۔ کہ ۲۱ ساون کو کی بجائے "۲۱ ساون تک" ہوتا تو خوب ہوتا۔" (اہلحدیث ۱۲ جون ۱۹۰۸ء)

ضروری نوٹ :- حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بے شک "تبصرہ" میں لکھا ہے۔ کہ میرا دشمن میری آنکھوں کے سامنے ہی اصحاب فیل کی طرح نیست و نابود ہو جائے گا۔ مگر (۱) یہ حضرت کا اپنا اجتہاد ہے الہام تو جو حضور کو ہوا۔ وہ یہی درج ہے "اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِأَصْحَابِ الْفِيلِ" حضرت صاحب نے "تَرَ" کے لفظ سے یہ استدلال فرمایا ہے۔ کہ گویا وہ میری آنکھوں کے سامنے ہی ہلاک ہو جائیگا۔ حالانکہ یہ آیت قرآن مجید میں جہاں آتی ہے وہاں آنحضرت صلعم کو اصحاب فیل کی تباہی کا واقعہ بیان کرتے ہوئے مخاطب کرتی ہے اور "اَلَمْ تَرَ" کے الفاظ اس موقعہ پر مستعمل ہوتے ہیں۔ حالانکہ اصحاب فیل کی تباہی کا واقعہ آنحضرت صلعم نے اپنی آنکھوں سے اپنی زندگی میں نہیں دیکھا۔ بلکہ وہ آپ کی ولادت سے بھی قبل ہو چکا تھا۔ اسی طرح اس الہام میں بھی حضرت مسیح موعود کو بتایا گیا تھا۔ کہ عبد الحکیم پر جو عذاب آئے گا۔ آپ اپنی زندگی میں اس کو دیکھ نہیں سکیں گے۔ جسطرح اصحاب فیل کی تباہی کو آنحضرت صلعم نے نہ دیکھا تھا۔ اور نبی کے اجتہاد سے یہ ممکن ہے۔ جیسا کہ

نیز اس شرح الشرح عقائد نسفی میں ہے:۔ "کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ یَجْتَہِدُ وَیَکُوْنُ خَطَأً کَمَا ذَکَرَہُ الْاُصُوْلِیُّوْنَ ..... وَفِیْ حَدِیْثٍ صلعم مَا حَدَّثْتُکُمْ مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ فَہُوَ حَقٌّ وَمَا اَقُوْلُ فِیْہِ مِنْ قِبَلِ نَفْسِیْ فَاِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ اُخْطِیُٔ وَ اُصِیْبُ" (۳۹۲) کہ آنحضرت صلعم بعض اوقات اجتہاد کرتے تھے۔ تو وہ غلط بھی ہوتا تھا۔ جیسا کہ اصولیوں نے لکھا ہے۔ اور حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ جو بات تو میں کہوں۔ کہ خدا نے کہی ہے تو وہ بالکل درست اور حق ہوگی۔ مگر جو بات اس کی تشریح کرتے ہوئے میں اپنی طرف سے کہوں۔ ضروری نہیں کہ درست ہی ہو۔ کیونکہ میں بھی تمہاری طرح انسان ہوں۔ کبھی درست بات بتاتا ہوں۔ اور کبھی مجھ سے بھی خطا ہو جاتی ہے۔ (مفصل دیکھو صفحہ ۲۷۹ پاکٹ بک ہذا)

(۲) حضرت مسیح موعود کی یہ سب تحریرات عبدالحکیم کی پیشگوئیوں کے بالمقابل ہیں۔ جب اس نے اپنی طرف سے شرائط کو تبدیل کر دیا۔ تو حضرت کے جوابات بھی بجا نہ رہے۔ تمہ الزام تو اس صورت میں دیتے کہ وہ اپنی بات پر قائم رہتا۔ اور پھر حضرت پر اعتراض کرنے کا اسے موقعہ ملتا۔ حضرت کی غرض تو "فَرْقٌ بَیْنَ صَادِقٍ وَّ کَاذِبٍ" کی تھی۔ کیا سچے جھوٹے میں فرق نہیں ہوا؟ کیا حضرت اُس شرط سے محفوظ نہیں رہے؟ اور اس کو خداتعالیٰ نے جھوٹا نہیں کیا۔ اور پھر کیا وہ سنہ ۱۹۱۹ء میں پھیپھڑے کی مرض (سل) سے ہلاک نہیں ہوا؟ اور وہ فرشتوں کی

کبھی ہوئی تلوار سے مسلول نہیں کیا گیا۔ اگر یہ سب واقعات سچے ہیں اور یقیناً سچے ہیں۔ تو حضرت مسیح موعودؑ کی صداقت میں کون سے شک و شبہ کی گنجائش ہے؟

مولوی ثناء اللہ کیساتھ آخری فیصلہ

سوال:۔ مرزا صاحب نے ثناء اللہ کی موت کی پیشگوئی کی۔

جواب:۔ یہ افتراء ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ہرگز ثناء اللہ کی موت کی پیشگوئی نہیں کی۔ چنانچہ آپ اشتہار "آخری فیصلہ" میں لکھتے ہیں وہ یہ کسی الہام یا وحی کی بناء پر پیشگوئی نہیں" کوئی مخالف حضرت مسیح موعودؑ کی کسی تحریر سے یہ ثابت نہیں کر سکتا۔ کہ حضرت نے ثناء اللہ کے متعلق حضور کی زندگی میں مرنے کی پیشگوئی کی تھی۔ ہاں اس کو دعوت مباہلہ دی تھی۔ جس کی تفصیل درج ذیل ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی کتاب انجام آتھم میں تمام علماء گدی نشینوں اور پیروں کو "آخری فیصلہ" (مباہلہ) کی دعوت دی۔ چنانچہ آپ لکھتے ہیں:۔ "وَاٰخِرُ الْعِلَاجِ خُرُوْجُھُمْ اِلٰی بِرَازِ الْمُبَاھَلَةِ ھٰذَا اٰخِرُ حِیَلٍ اَرَدْنَاہُ فِیْ ھٰذَا الْبَابِ" (انجام آتھم ص۱۶۵) پس آخری علاج تمہارے لئے میدانِ مباہلہ میں نکلنا ہے .... اور یہی آخری طریق فیصلہ ہے۔ جس کا ہم نے ارادہ کیا ہے۔

اس دعوت مباہلہ میں آپ نے فرمایا۔ کہ فریقین ایک دوسرے کے حق میں بد دعا کریں۔ کہ فریقین میں سے جو فریق جھوٹا ہے۔ اے خدا تو اسکو

"ایک سال کے عرصہ تک نہایت سخت دُکھ کی مار میں مبتلا کر۔ کسی کو اندھا کر دے۔ اور کسی کو مجذوم اور کسی کو مفلوج۔ اور کسی کو مجنون اور کسی کو مصروع اور کسی کو سانپ یا سگِ دیوانہ کا شکار بنا۔ اور کسی کے مال پر آفت نازل کر۔ اور کسی کی جان پر اور کسی کی عزت پر" (انجام آتھم صلا۶۶) اور اس کے بعد لکھا:۔ "گواہ رہ اے زمین اور اے آسمان! کہ خدا کی لعنت اس شخص پر کہ اس رسالہ کے پہنچنے کے بعد نہ مباہلہ میں حاضر ہو۔ اور نہ توہین اور تکفیر کو چھوڑے۔ اور نہ ٹھٹھا کرنے والی مجلسوں سے الگ ہو" (انجام آتھم صلا۶۶)

اس رسالہ کے مخاطبین میں سے مولوی ثناء اللہ کا نمبر گیارہ تھا۔ مولوی ثناء اللہ صاحب نے اس چیلنج کا کچھ جواب نہ دیا۔ اور اپنی مہر خاموشی سے اس جری اللہ فی حلل الانبیاءؑ کی صداقت پر مہر تصدیق ثبت کر دی۔ لیکن جب ہر طرف سے ان پر دباؤ ڈالا گیا۔ تو اس بد قسمت جانور کی طرح جو شیر کو دیکھ کر انتہائی بدحواسی سے خود ہی اس پر حملہ کر بیٹھتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ساتھ مباہلہ پر آمادگی ظاہر کی۔ جس کے جواب میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے لکھا۔

حضرت مسیح موعودؑ کا جواب

"مولوی ثناء اللہ امرتسری کی دستخطی تحریر میں نے دیکھی ہے۔ جس میں وہ یہ درخواست کرتا ہے۔ کہ میں اس طور سے فیصلہ کے لئے بدل خواہشمند

ہوں۔ کہ فریقین یعنی میں اور وہ یہ دعا کریں۔ کہ جو شخص ہم دونوں میں سے جھوٹا ہے وہ سچے کی زندگی میں مرجائے" (اعجاز احمدی صفحہ ۱۴)

"اگر وہ اس چیلنج پر مستعد ہوئے۔ کہ کاذب صادق کے پہلے مرجائے تو ضرور وہ پہلے مریں گے" (اعجاز احمدی صفحہ ۳۷)

"اب اس پہ قائم رہیں تو بات ہے" (اعجاز احمدی صفحہ ۱۴)

ثنائی حیلہ جوئی

"چونکہ یہ خاکسار نہ واقع میں۔ نہ آپ کی طرح نبی یا رسول یا ابن اللہ یا الہامی ہے۔ اس لئے ایسا مقابلہ کی جرأت نہیں کر سکتا۔۔۔۔ میں افسوس کرتا ہوں کہ مجھے ان باتوں پر جرأت نہیں" (الہامات مرزا صفحہ ۸۵ طبع دوم وصفحہ ۱۱۱ طبع ششم) لیکن جب ہر طرف سے لعن طعن ہوئی تو لکھا۔

ثناءاللہ کی دوبارہ آمادگی

"البتہ آیت ثانیہ (فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَاءَنَا وَاَبْنَاءَكُمْ ... ثُمَّ نَبْتَهِلْ الخ) پر عمل کرنے کے لئے ہم تیار ہیں۔ میں اب بھی ایسے مباہلہ کے لئے تیار ہوں جو آیت مرقومہ سے ثابت ہوتا ہے۔ جسے مرزا صاحب نے خود تسلیم کیا ہے" (اہلحدیث ۲۲ جون ۱۹۰۶ء صفحہ ۱۴)

"مرزائیو! سچے ہو تو آؤ۔ اور اپنے گورو کو ساتھ لاؤ۔ وہی میدان عیدگاہ امرتسر تیار ہے۔ جہاں تم پہلے صوفی عبدالحق غزنوی سے مباہلہ کرکے آسمانی ذلت اٹھا چکے ہو (کھوٹ ہے وہاں ہرگز کوئی ایسا مباہلہ نہیں ہوا جس میں فریقین نے ایک دوسرے کے حق میں بددعا کی ہو جس کا نتیجہ

موعود ؑ نے کوئی بددعا نہیں کی تھی - خادم) اور انہیں ہمارے سامنے لاؤ - جس نے ہمیں رسالہ انجام آتھم میں مباہلہ کے لئے دعوت دی ہے - کیونکہ جب تک پیغمبر جی سے فیصلہ نہ ہو سب امت کے لئے کافی نہیں ہو سکتا" (اہلحدیث ۲۹ مارچ ۱۹۰۷ء)

مولوی ثناء اللہ صاحب کی یہ تحریر ۲۹ مارچ ۱۹۰۷ء کی ہے - مگر اس سے کچھ دن قبل حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام حقیقۃ الوحی میں (جو اس وقت زیر تصنیف تھی) یہ تحریر فرما چکے تھے - "میں بخوشی قبول کروں گا - اگر وہ (ثناء اللہ) مجھ سے درخواست مباہلہ کریں" (تتمہ حقیقۃ الوحی ص۳۱) "مباہلہ کی درخواست کرے" (تتمہ حقیقۃ الوحی ص۳۲) حضرت صاحب کی یہ تحریر ۲۵ فروری ۱۹۰۷ء کی ہے جیسا کہ تتمہ حقیقۃ الوحی کے ص۳۶ سطر ۱۷ سے معلوم ہوتا ہے اس تحریر سے ظاہر ہے کہ حضرت کا ارادہ یہ تھا کہ اب اگر مولوی ثناء اللہ مباہلہ پر آمادگی کا اظہار کرے - تو اسے کھلا نہ دیا جائے - چنانچہ جب اس نے ۲۹ مارچ ۱۹۰۷ء کو دعوت مباہلہ دی (جو اوپر درج ہو چکی ہے) پہلے تو حضرت کی طرف سے مندرجہ ذیل جواب "بدر" ۴ اپریل ۱۹۰۷ء میں دیا گیا - لیکن مولوی ثناء اللہ پھر فرار کی راہ اختیار کرنے لگا - جیسا کہ اس کے جواب میں مندرجہ اہلحدیث ۱۹ اپریل ۱۹۰۷ء سے ظاہر ہے - تو اس کے جواب کی اشاعت سے قبل ہی اللہ تعالے نے حضرت اقدس ؑ کو اس کے ارادہ سے مطلع فرما دیا - اور حضور نے ۱۵ اپریل ۱۹۰۷ء کا اشتہار آخری فیصلہ شائع فرما دیا - تا کہ ثناء اللہ کے لئے گول مول

کرکے ٹالنے کی گنجائش ہی نہ رہے۔ اور وہ مجبور ہو کر تصرف الٰہی کے ماتحت موت کو اپنے سر پر سوار دیکھتے ہوئے اپنے ہاتھ سے لکھ دے کہ "تمہاری یہ تحریر مجھے منظور نہیں۔ اور نہ کوئی دانا اسکو منظور کرسکتا ہے" چنانچہ اس کی تفصیل درج ذیل کی جاتی ہے۔

حضرت مسیح موعودؑ کا جواب

"مولوی ثناءاللہ صاحب کو بشارت دیتا ہوں۔ کہ مرزا صاحب نے ان کے اس چیلنج کو منظور کر لیا ہے بے شک (آپ) قسم کھا کر بیان کریں۔ کہ یہ شخص (حضرت مسیح موعودؑ) اپنے دعویٰ میں جھوٹا ہے۔ اور بے شک یہ بات کہیں۔ کہ اگر میں اس بات میں جھوٹا ہوں۔ تو لَعْنَۃُ اللّٰہِ عَلَی الْکَاذِبِیْنَ" مباہلہ کی بنیاد جس آیت قرآنی پر ہے اس میں تو صرف لَعْنَۃَ اللّٰہِ عَلَی الْکَاذِبِیْنَ آیا ہے (اخبار بدر ۴ اپریل ۱۹۰۷ء)

ثنائی فرار

"میں نے آپ کو مباہلہ کے لئے نہیں بلایا۔ میں نے تو قسم کھانے پر آمادگی کی ہے۔ مگر آپ اس کو مباہلہ کہتے ہیں۔ حالانکہ مباہلہ اس کو کہتے ہیں۔ جو فریقین مقابلہ پر قسمیں کھائیں۔ میں نے حلف اٹھانا کہا ہے۔ مباہلہ نہیں کہا۔ قسم اور ہے مباہلہ اور ہے" (اہلحدیث ۱۹ اپریل ۱۹۰۷ء صفحہ)

ابھی یہ ثنائی فرار معرض ظہور میں نہیں آیا تھا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے جو علیم و خبیر ہے اپنے مسیح موعودؑ کو اس کی اطلاع دے کر اپنے فنکار کو دنیا کے

سامنے شرمندہ کرنے کیلئے ایک طریق کی تحریک فرمائی۔ چنانچہ اس کے مطابق حضور نے آخری اتمام حجت کے طور پر ۱۵ اپریل ۱۹۰۷ء کو اپنی طرف سے "دعائے مباہلہ" مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری کے ساتھ "آخری فیصلہ" کے عنوان سے شائع فرما دی۔ جس میں اپنی طرف سے دعا فرمائی۔ کہ خدا تعالےٰ سچے کی زندگی میں جھوٹے کو ہلاک کر دے۔ اور بالآخر لکھا۔ کہ مولوی ثناء اللہ صاحب اس اشتہار کو "اہلحدیث" میں شائع فرما کر جو چاہیں اس کے نیچے لکھ دیں۔ اب فیصلہ خدا کے ہاتھ میں ہے" مولوی ثناء اللہ نے اس اشتہار کو اہلحدیث ۲۶ اپریل ۱۹۰۷ء میں شائع کیا۔ اور اس کے نیچے یہ لکھا۔

"اول اس دعا کی منظوری مجھ سے نہیں لی۔ اور بغیر میری منظوری کے اس کو شائع کر دیا" "تمہاری یہ تحریر کسی صورت میں بھی فیصلہ کن نہیں ہو سکتی" "میرا مقابلہ تو آپ سے ہے۔ اگر میں مر گیا۔ تو میرے مرنے سے اور لوگوں پر کیا حجت ہو سکتی ہے" "خدا کے رسول چونکہ رحیم و کریم ہوتے ہیں۔ اور ان کی ہر وقت یہی خواہش ہوتی ہے کہ کوئی شخص ہلاکت میں نہ پڑے۔ مگر اب کیوں آپ میری ہلاکت کی دعا کرتے ہیں" "خدا تعالےٰ جھوٹے۔ دغا باز۔ مفسد اور نافرمان لوگوں کو لمبی عمریں دیا کرتا ہے۔ تاکہ وہ اس مہلت میں اور بھی برے کام کر لیں" نوٹ:۔ یہ آخری عبارت نائب ایڈیٹر کی طرف سے لکھی گئی۔ مگر مولوی ثناء اللہ نے اس کی تصدیق کی اور لکھا۔ کہ "میں اس کو صحیح جانتا

ہوں" (اہلحدیث ۳ جولائی ۱۹۰۸ء) "مختصر یہ کہ ... یہ تحریر تمہاری مجھے منظور نہیں۔ اور نہ کوئی دانا اسے منظور کر سکتا ہے" (اقتباسات از اہلحدیث ۲۶ اپریل ۱۹۰۷ء صفحہ ۵) مولوی ثناء اللہ پھر کہتا ہے: "آنحضرت صلعم باوجود سچا نبی ہونے کے مسیلمہ کذاب سے پہلے انتقال فرما گئے۔ اور مسیلمہ باوجود کاذب ہونے کے صادق کے پیچھے مرا۔" (مرقع قادیانی اگست ۱۹۰۷ء صفحہ ۹) "کوئی ایسی نشانی دکھاؤ جو ہم بھی دیکھ کر عبرت حاصل کریں۔ مر گئے تو کیا دیکھیں گے اور کیا ہدایت پائیں گے۔" (اخبار وطن امرتسر ۲۶ اپریل ۱۹۰۷ء صفحہ ۱۱)

پس چونکہ مولوی ثناء اللہ صاحب نے اپنی پرانی عادت کے مطابق نجران کے عیسائیوں کی سنت پر عمل کرتے ہوئے مباہلہ سے فرار اختیار کیا۔ اس لئے مباہلہ نہ ہوا۔ اور ثناء اللہ کو خدا تعالیٰ نے اس کے تسلیم کردہ اصول کی رو سے "جھوٹے۔ دغاباز۔ مفسد اور نافرمان لوگوں" کی طرح لمبی عمر دی۔ اور اسے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پیچھے زندہ رکھ کر "مسیلمہ کذاب" ثابت کر دیا

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا اشتہار "مسودہ مباہلہ" ہے۔ جس طرح قرآن مجید کی آیت مباہلہ میں "لَعْنَتَ اللّٰہِ عَلَی الْکَاذِبِیْنَ" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے "مسودہ مباہلہ" تھی۔ وہاں چونکہ عیسائی بھاگ گئے اس لئے مباہلہ نہ ہوا۔ اور وہ نہ مرے۔ آنحضرت نے فرمایا کہ "لَمَا حَالَ الْحَوْلُ عَلَی النَّصَارٰی کُلِّھِمْ حَتّٰی یَھْلِکُوْا" (تفسیر کبیر جلد ۸ صفحہ ۲۵۹) کہ اگر عیسائی مباہلہ کر لیتے۔ اور آنحضرت صلعم کی طرح "لَعْنَتَ اللّٰہِ عَلَی الْکٰذِبِیْنَ" کہہ دیتے۔ تو ان میں سے ہر ایک۔ ایک سال

کے اندر ہلاک ہو جاتا۔ اسی طرح ہم بھی کہتے ہیں۔ کہ اگر مولوی ثناء اللہ بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مقابلہ میں میدان مباہلہ سے بھاگ نہ جاتا۔ اور حضرت کی خواہش کے مطابق وہی بددعا کرتا۔ تو یقیناً ہلاک ہو جاتا۔ جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے خود تحریر فرمایا ہے "اگر وہ (ثناء اللہ) اس چیلنج پر مستعد ہوئے کہ کاذب صادق کے پہلے مرجائے۔ تو ضرور وہ پہلے مریں گے" (اعجاز احمدی ص۳۶)

پس جس طرح وہاں پر نجران کے عیسائیوں کا فرار "خدائی فیصلہ" ہو وئے مباہلہ" کے رستہ میں روک کا موجب ہوا یہاں بھی ثناء اللہ کا مندرجہ بالا فرار اس کو ہلاکت سے بچا گیا۔ نہ حضرت مسیح موعودؑ آنحضرتؐ سے بڑے ہیں۔ اور نہ مولوی ثناء اللہ نجران کے عیسائیوں سے بڑا ہے۔

اشتہار آخری فیصلہ مسودہ مباہلہ تھا

۱۔ خود مولوی ثناء اللہ لکھتا ہے۔ "مرزا قادیانی نے ۱۵ اپریل ۱۹۰۷ء کو میرے ساتھ مباہلہ کا اشتہار شائع کیا تھا۔" (مرقع قادیانی جون ۱۹۰۸ء ص۱۸)

۲۔ "آجتک مرزا صاحب نے کسی مخالف سے ایسا کھلا مباہلہ نہیں کیا تھا۔ بلکہ ہمیشہ گول مول رکھا کرتے تھے" (اشتہار مرزا قادیانی کا انتقال اور اس کا نتیجہ شائع کردہ ثناء اللہ ۲۱ مئی ۱۹۰۸ء)

۳۔ حضرت کے اشتہار کا عنوان ہے "مولوی ثناء اللہ کے ساتھ

"آخری فیصلہ" اور مولوی ثناء اللہ صاحب کے نزدیک "آخری فیصلہ" مباہلہ ہی ہوتا ہے۔ جیسا کہ وہ لکھتے ہیں:۔

"ایسے لوگوں کو جو کسی دلیل کو نہ جانیں۔ کسی علمی بات کو نہ سنیں بدرا بدرا بائید رسانید کہہ دے۔ کہ آؤ ایک آخری فیصلہ بھی سنو ہم اپنے بیٹے اور تمہارے بیٹے۔ اپنی بیٹیاں اور تمہاری بیٹیاں اپنے بھائی بند نزدیکی۔ اور تمہارے بھائی بند نزدیکی بلائیں۔ پھر عاجزی سے جھوٹوں پر خدا کی لعنت کریں۔ خدا خود فیصلہ کر دے گا۔" (تفسیر ثنائی جلد ۲ صفحہ ۳۲)

۴۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے نزدیک بھی یہ دعا مباہلہ ہی تھی۔ جیسا کہ حضور فرماتے ہیں "مباہلہ بھی ایک آخری فیصلہ ہوتا ہے۔ آنحضرتؐ نے بھی نصاریٰ کو مباہلہ کے واسطے طلب کیا تھا مگر ان میں سے کسی کو جرأت نہ ہوئی۔" (بدر ۱۷ مئی ۱۹۰۶ء)

۵۔ حضرت اقدس نے بعینہٖ "آخری فیصلہ" والی دعاء کے مطابق ایک اشتہار ۲۱ نومبر ۱۸۹۸ء کو مولوی محمد حسین بٹالوی وغیرہ کے متعلق شائع فرمایا تھا۔ اس کے متعلق حضرت صاحب فرماتے ہیں

"۲۱ نومبر ۱۸۹۸ء کا ہمارا اشتہار جو مباہلہ کے رنگ میں شیخ محمد حسین اور اس کے دو ہمراز رفیقوں کے مقابل پہ نکلا ہے وہ صرف ایک دعا ہے" (راز حقیقت صفحہ ۲)

"اب یہ اشتہار ۲۱ نومبر ۱۸۹۸ء ایک آخری فیصلہ ہے

چاہیے کہ ہر ایک طالب صادق صبر سے انتظار کرے۔" درازِ حقیقت گویا حضرت صاحب نے اس اشتہار کو جو "مباہلہ" کے رنگ میں ہے ایک "دعا" پر مشتمل تھا" "آخری فیصلہ" قرار دے کر بتا دیا ہے کہ حضرت کے نزدیک، آخری فیصلہ سے مراد مباہلہ ہی ہوتا ہے۔"

حضور تحریر فرماتے ہیں "کیونکہ جب کسی طرح جھگڑا فیصلہ نہ ہو سکے۔ تو آخری طریق خدا کا فیصلہ ہے جس کو مباہلہ کہتے ہیں۔" تبلیغ رسالت جلد ۷ صفحہ ۵۲۔ نیز دیکھو تبلیغ رسالت مجموعہ اشتہارات جلد ۷ صفحہ ۶ و صفحہ ۶۶)

۶۔ ورنہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے نزدیک صرف اور صرف مباہلہ کی صورت میں جھوٹا سچے کی زندگی میں مرتا ہے۔ جیسا کہ حضور تحریر فرماتے ہیں۔ "یہ کہاں لکھا ہے کہ جھوٹا سچے کی زندگی میں مر جاتا ہے۔ ہم نے تو اپنی تصانیف میں ایسا نہیں لکھا ہے۔ ہم نے تو یہ لکھا ہے۔ کہ مباہلہ کرنے والوں میں سے جو جھوٹا ہو وہ سچے کی زندگی میں مر جاتا ہے۔ کیا آنحضرت صلعم کے سب اعداء ان کی زندگی میں ہلاک ہو گئے تھے۔ ہزاروں اعداء آپ کی وفات کے بعد زندہ رہے۔ ہاں جھوٹا مباہلہ کرنے والا سچے کی زندگی میں ہلاک ہوا کرتا ہے۔ ایسے ہی ہمارے مخالف بھی ہمارے مرنے کے بعد زندہ رہیں گے۔ ہم تو ایسی باتیں سن کر حیران ہو جاتے ہیں۔ دیکھو ہماری باتوں کو کیسے الٹ پلٹ کر کے پیش کیا جاتا ہے

اور تحریف کرنے میں وہ کمال کیا ہے کہ یہودیوں کے بھی کان کاٹ دیئے ہیں۔ کیا کسی نبی۔ ولی۔ قطب۔ غوث کے زمانہ میں ایسا ہوا۔ کہ سب اعداء مر گئے ہوں۔ بلکہ کافر منافق باقی رہ گئے تھے۔ ہاں اتنی بات صحیح ہے۔ کہ سچے کے ساتھ جو جھوٹے مباہلہ کرتے ہیں۔ تو وہ سچے کی زندگی میں ہلاک ہوتے ہیں۔ ایسے اعتراض کرنے والے سے پوچھیں۔ کہ ہم نے کہاں لکھا ہے۔ کہ بغیر مباہلہ کرنے کے ہی جھوٹے سچے کی زندگی میں تباہ اور ہلاک ہو جاتے ہیں۔ وہ جگہ تو نکالو جہاں یہ لکھا ہے۔" (الحکم ۱۰ اکتوبر ۱۹۰۷ء صفحہ ۹)

۷۔ ثناء اللہ اگر اس کو اشتہار مباہلہ نہ سمجھتا تھا۔ تو اس کے جواب میں یہ کیوں لکھا کہ "اس دعا کی منظوری مجھ سے نہیں لی۔ اور بغیر میری منظوری کے اس کو شائع کر دیا۔"

کیونکہ ظاہر ہے کہ یکطرفہ بد دعا کرنے کے لئے دوسرے کی اجازت کی ضرورت نہیں ہوتی۔ منظوری یا عدم منظوری کا سوال صرف اور صرف اسی صورت میں ہو سکتا ہے۔ کہ یہ دعا مباہلہ ہو۔

۸۔ عنوان اشتہار ہے "مولوی ثناء اللہ صاحب کے ساتھ آخری فیصلہ" "ساتھ" کا لفظ صاف طور پر بتا رہا ہے کہ یہ یکطرفہ دعا نہیں۔ بلکہ دونوں فریقوں کی رضامندی کا سوال ہے۔ اگر یکطرفہ دعا ہوتی تو "مولوی ثناء اللہ صاحب کے متعلق آخری فیصلہ" ہونا چاہیئے تھا۔ مجسٹریٹ جب فیصلہ کرتا ہے۔ تو زید یا بکر کے "متعلق" فیصلہ کرتا ہے۔

جب یہ کہا جائے کہ "زید نے بکر کے ساتھ فیصلہ کیا" تو اس کا مطلب یہ ہوگا۔ کہ زید اور بکر دونوں کی رضامندی سے یہ فیصلہ ہوا اگر ایک فریق بھی نارضامند ہو تو اندریں صورت وہ "فیصلہ" قائم نہ رہیگا۔ پس چونکہ مولوی ثناءاللہ اس فیصلہ پہ رضامند نہ ہوا۔ اور لکھا کہ "یہ تحریر تمہاری مجھے منظور نہیں۔ اور نہ کوئی دانا اس کو منظور کر سکتا ہے" تو وہ دعا "فیصلہ" نہ رہی۔ اسی وجہ سے ثناءاللہ نے بھی لکھا تھا۔ کہ "یہ دعا فیصلہ کن نہیں ہو سکتی"

۹۔ حضرت کا لکھنا کہ "جو چاہیں اس کے نیچے لکھ دیں" صاف طور پر بتاتا ہے۔ کہ حضرت اس مسودۂ مباہلہ کو مکمل اسی صورت میں سمجھتے تھے جب ثناءاللہ بھی اس کے نیچے اپنی منظوری لکھ دے۔ ورنہ اگر یکطرفہ دعا ہوتی تو اس کے نیچے ثناءاللہ کے لکھنے یا نہ لکھنے کا سوال پیدا نہ ہوتا۔

(۱۰) حضرت کا لکھنا کہ "اس تمام مضمون کو اپنے پرچہ میں چھاپ دیں" صاف طور پر ثابت کرتا ہے کہ حضرت کا منشا یہی تھا۔ کہ ثناءاللہ کے ہاتھ سے حضور کی دعا اور اپنی تصدیق دونو ایک ہی جگہ جمع ہو جائیں۔ تا مسودہ مباہلہ مکمل ہو کر ثناءاللہ کا خاتمہ کر دے۔ (۱۱) مولوی ثناءاللہ خود لکھتا ہے "مرزا جی نے میرے ساتھ مباہلہ کا ایک طولانی اشتہار دیا تھا (مرقع قادیانی دسمبر ۱۹۰۸ء صفحہ ۳) (۱۲) وہ (حضرت مسیح موعود کے خادم) اپنے اشتہار مباہلہ ۱۵ اپریل ۱۹۰۷ء میں چیخ اٹھا تھا۔ کہ اہلحدیث نے میری عمارت کو ہلا دیا ہے" (اہلحدیث ۱۹ جون ۱۹۰۸ء) (۱۳) حضرت لکھتے ہیں "میں جانتا ہوں کہ مفسد اور کذاب کی بہت عمر نہیں ہوتی اور

آخر وہ ذلت اور حسرت کے ساتھ اپنے دشمنوں کی زندگی میں ہی ناکام ہلاک ہو جاتا ہے"۔

اور ہم ابھی صفحہ ۸۳۰ پر حضرتؑ کے ملفوظات (از الحکم ۱۰ اکتوبر ۱۹۰۷ء) سے دکھا چکے ہیں کہ یہ اصل صرف اور صرف مباہلہ ہی کی صورت میں ہوتا ہے۔

(۱۴) حضرتؑ نے اپنے اس اشتہار میں جو انجام جھوٹے کا تحریر فرمایا ہے۔ وہ بعینہٖ وہی ہے جو انجام آتھم میں حضرتؑ نے جھوٹا مباہلہ کرنیوالے کا تحریر فرمایا ہے۔ (حوالہ اوپر گزر چکا ہے۔ دیکھو صفحہ ۸۲۱ و ۸۲۲)

(۱۵) مولوی ثناء اللہ لکھتا ہے :۔ "مرزائیو! کسی نبی نے بھی اس طرح اپنے مخالفوں کو اس طریق سے فیصلہ کے لئے بلایا ہے۔ بتلاؤ۔ تو انعام لو" (اہلحدیث ۲۶ اپریل ۱۹۰۷ء)

اگر حضرت کا اشتہار ۱۵ اپریل محض یک طرفہ بد دعا تھی۔ تو یہ کوئی ایسی بات نہیں۔ جو پہلے انبیاءؑ میں نہ ملتی ہو۔ اور جس کا ثناء اللہ کو انکار ہو۔ جیسا کہ وہ لکھتا ہے :۔

"اس قسم کے واقعات بیشمار ملتے ہیں۔ جن میں حضرات انبیاء علیہم السلام نے مخالفوں پر بد دعائیں کیں" (روئداد مباحثہ لدھیانہ صفحہ ۶۷)

پس مولوی ثناء اللہ کے مطالبہ کا مطلب صرف یہی ہے کہ انبیاءؑ جب مباہلہ کیلئے بلاتے ہیں تو پہلے اپنے مخالفوں کی منظوری لے لیتے ہیں۔ یہاں پر حضرتؑ نے ثناء اللہ کی بغیر منظوری کے اس کو شائع کر دیا۔ پس ثناء اللہ اس طریق کار کی مثال مانگتا تھا نہ کہ محض

بددعا کی۔ کیونکہ اس کے لئے منظوری کی ضرورت نہیں۔

ثنائی عُذرات

ثناءاللہ کو عذر ہے کہ مباہلہ کیلئے شرط یہ تھی کہ حقیقۃ الوحی شائع ہونے اور ثناءاللہ کو بذریعہ رجسٹری بھیجنے کے بعد مباہلہ ہوگا۔ اب حضرت مرزا صاحبؑ نے حقیقۃ الوحی کے چھپنے سے قبل ہی اسکو کیوں شائع کردیا؟ سو اس کا جواب یہ ہے کہ ثناءاللہ نے اپنے اخبار ۲۹ر مارچ ۱۹۰۷ء میں جب چیلنج مباہلہ دیا۔ تو حضرتؑ نے اس کو مہلت دینا ہی پسند فرمایا کہ "باوجود اس قدر شوخیوں اور دلآزاریوں کے جو ثناءاللہ سے ہمیشہ ظہور میں آتی ہیں۔ حضرت اقدسؑ نے اس پر رحم کرکے فرمایا ہے کہ مباہلہ چند روز بعد ہوجبکہ ہماری کتاب حقیقۃ الوحی چھپ کر شائع ہوجائے۔" (بدر ۴ر اپریل ۱۹۰۷ء) لیکن چونکہ ثناءاللہ نے ۱۹ر اپریل ۱۹۰۷ء کے اہلحدیث میں پھر فرار اختیار کرلینا تھا۔ (جس کا حوالہ اُوپر ذکر ہوچکا ہے۔ صفحہ ۸۲۵) اور خدا تعالیٰ کو اس کا علم تھا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو پندرہ اپریل ہی کو اس کے فرار کے شائع ہونے سے پہلے ہی دُعاء مباہلہ لکھنے کی ہدایت فرمادی۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

"ثناءاللہ کے متعلق جو کچھ لکھا گیا ہے۔ یہ دراصل ہماری طرف سے نہیں بلکہ خدا ہی کی طرف سے اسکی بنیاد رکھی گئی ہے۔" (بدر ۲۵ر اپریل ۱۹۰۷ء)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ثناءاللہ سے کوئی "معاہدہ" نہ تھا کہ حقیقۃ الوحی چھپنے تک مباہلہ نہ ہوگا۔ یہ صرف حضرت مسیح موعودؑ کا اپنا ارادہ تھا بوجہ رحم کے

ثناء اللہ نے اس تجویز کی منظوری کا اعلان نہیں کیا تھا کہ وہ "معاہدہ" کی صورت اختیار کر لیتا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت کے ارادہ کو (بوجہ اس فرار کے جو ثناء اللہ کرنیوالا تھا) بدل دیا۔ اس بات کا ثناء اللہ کیلئے کوئی فرق نہ تھا کہ مباہلہ حقیقۃ الوحی کے چھپنے سے پہلے ہو۔ یا بعد میں۔ کیونکہ وہ تو ۲۹ مارچ ۱۹۰۷ء کے اہلحدیث میں مباہلہ پر آمادگی ظاہر کر چکا تھا۔ اب مباہلہ حقیقۃ الوحی کے چھپنے سے قبل ہو یا بعد میں۔ یہ حضرت مسیح موعودؑ کی مرضی پر موقوف تھا۔ حضرت کا ارادہ کتاب کے چھپنے کے بعد مباہلہ کرنے کا تھا۔ تا ثناء اللہ کو ایک اور موقع دیا جائے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے ثناء اللہ کی بدنیتی کو دیکھ کر فوراً حضرتؑ کے ارادہ کو بدل دیا۔ پس ثناء اللہ کا اعتراض کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔

ایڈیٹر صاحب بدر کی تحریر

باقی رہا مولوی ثناء اللہ کا یہ کہنا کہ بدر ۱۳ر جون ۱۹۰۷ء میں ایڈیٹر صاحب بدر نے لکھا ہے کہ مباہلہ قرار نہیں پایا۔ تو اس کا جواب یہ ہے۔ کہ مولوی ثناء اللہ خود مانتا ہے کہ یہ تحریر ایڈیٹر صاحب بدر کی اپنی ہے۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے۔ "بے نور بدر کے ایڈیٹر نے کمال ایمانداری سے اپنا جواب تو شائع کر دیا۔" (مرقع قادیانی نومبر ۱۹۰۷ء صـ۲۲) (ب) خود ایڈیٹر صاحب اخبار بدر کا بیان ہے۔ کہ یہ تحریر ان کی اپنی طرف سے تھی۔ حضرت مسیح موعودؑ کے حکم یا علم سے نہیں لکھی گئی۔ جیسا کہ وہ لکھتے ہیں:۔

"اخبار بدر مورخہ ۱۳ر جون ۱۹۰۷ء صـ۲ کالم ما میں جو نوٹ بعنوان "نقل خط بنام مولوی ثناء اللہ صاحب" شائع ہوا ہے۔ یہ مولوی ثناء اللہ

امرتسری کے مطالبہ حقیقۃ الوحی کا جواب ہے جو میں نے خود لکھا تھا۔ اور یہ میرے ہی الفاظ ہیں۔ کیونکہ حضرت اقدسؑ نے اس کے متعلق کوئی ہدایت نہ دی تھی۔ میں نے اپنی طرف سے جواب لکھدیا تھا۔ اس بیان کی اشاعت مناسب ہے۔ تا کوئی شخص اس نوٹ کو حضرت کی طرف منسوب کر کے مغالطہ نہ دے سکے۔" (تجلیات رحمانیہ صفحہ ۱۷۴)

جیسا کہ ہم اوپر ثابت کر چکے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اس اشتہار کو دُعاء مباہلہ سمجھتے ہیں۔ اور خود مولوی ثناء اللہ بھی اس کو دعاء مُباہلہ ہی قرار دیتا تھا۔ تو اس کے بالمقابل ایڈیٹر صاحب بدر کی تحریر حجت نہیں ہو سکتی۔ جیسا کہ خود اہلحدیث حدیث کے مقابلہ میں کسی صحابی بلکہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی تفسیر تک کو نہیں مانتے۔ (اہلحدیث ۱۷ر اکتوبر ۱۹۳۱ء)

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی تحریر

مولوی ثناء اللہ یہ کہا کرتا ہے۔ کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے حضرت مسیح موعودؑ کی وفات کے موقع پر جو مضمون "محمود اور محمدی مسیح کے دشمنوں کا مقابلہ" بعنوان "صادقوں کی روشنی" شائع کیا۔ اس میں لکھا ہے کہ یہ دعا "دعائے مباہلہ" نہیں تھی۔ اب تم کیوں اس کو مباہلہ کی دعا قرار دیتے ہو۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ صریح دھوکا ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے یہ نہیں فرمایا۔ کہ اشتہار "آخری فیصلہ" دُعائے مباہلہ نہ تھا۔ بلکہ حضور نے تو اس میں یہ لکھا ہے کہ وہ "مباہلہ" نہ تھا۔ کیونکہ مباہلہ تو اس صورت میں ہوتا کہ ثناء اللہ بھی بالمقابل قسم کھاتا یا دُعا کرتا۔ مگر چونکہ اس نے بالمقابل دعا نہیں کی

اسلئے مباہلہ نہیں ہوُا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے اسی مضمون میں صفائی اور صراحت کے ساتھ اس مجوزہ طریق کار کو "مباہلہ" قرار دیا ہے۔ اور پھر ثناء اللہ کے انکار کا ذکر کر کے فرمایا ہے کہ "مباہلہ" نہیں ہوُا چنانچہ چند اقتباسات اس مضمون سے یہاں درج کئے جاتے ہیں "یہ ایک فیصلہ کا طریق تھا جس سے جھوٹے اور سچے میں فرق ہو جائے۔ اور اس کی غرض سوائے اسکے کچھ نہ تھی کہ حق اور باطل میں کچھ ایسا امتیاز پیدا ہو جائے کہ ایک گروہ بنی نوع انسان کا اصل واقعات کی تہ تک پہنچ جائے۔ اور شرافت اور نیکی کا مقتضا یہ تھا کہ مولوی ثناء اللہ اس دُعا کو پڑھ کر اپنے اخبار میں شائع کر دیتا۔ کہ ہاں مجھ کو یہ فیصلہ منظور ہے۔ مگر جیسا کہ مَیں پہلے لکھ آیا ہوں۔ اس کو سوائے ہوشیاری اور چالاکی کے اور کسی بات سے تعلق ہی نہیں۔ اور اگر وہ ایسا کرتا۔ تو خداوند تعالےٰ اپنی قدرت دکھلاتا اور ثناء اللہ اپنی تمام گندہ دہانیوں کا مزہ چکھ لیتا۔ اور اسے معلوم ہو جاتا کہ ایک ذات پاک ایسی بھی ہے جو جھوٹوں اور سچوں میں فرق کر دکھلاتا ہے۔ اور جو بدی اور بدذاتی کرتا ہے۔ اپنے کئے کی سزا کو پہنچتا ہے۔ اور شریر اپنی شرارت کیوجہ سے پکڑا جاتا ہے۔ مگر جبکہ برخلاف اسکے اس نے اس فیصلہ سے بھی انکار کیا اور لکھ دیا کہ مجھ کو یہ فیصلہ منظور نہیں۔ تو آج جبکہ حضرت صاحبؑ فوت ہو گئے ہیں۔ اس کا یہ دعویٰ کرنا کہ میرے ساتھ مباہلہ کرنے کی وجہ سے فوت ہوئے ہیں اور یہ میری سچائی کی دلیل ہے۔ کہاں تک سچائی پر مبنی ہے"۔ (تشحیذ الاذہان جلد ۳ نمبر ۶ و ۷ صفحہ ۲۶۲ و ۲۶۳)

"یہ جان بوجھ کر حضرت کی وفات کو اس دُعا کی بنا پر قرار دیتا ہے کیونکہ

باوجود اقرار کرنے کے کہ مَیں نے انکار کر دیا تھا۔ پھر اپنی سچائی ظاہر کرتا ہے کیا یہ اتنی بات سمجھنے سے بھی قاصر ہے کہ اس مباہلہ یا دعا کی ضرورت تو سچے اور جھوٹے کے فیصلہ کے لئے تھی۔" (ص ۲۶۷ بحوالہ سابق)

"اسوقت تو سچائی کے رُعب میں آ کر اس نے حیلہ بازی سے اپنا سر عذابِ الٰہی کے نیچے سے نکالنا چاہا۔ مگر جبکہ اس کے انکارِ مباہلہ سے وہ عذاب اور طرح سے بدل گیا۔ تو اس نے اس منسوخ شدہ فیصلہ کو پھر دُہرانا شروع کر دیا۔" (ص ۲۶۸)

مندرجہ بالا تینوں اقتباسات سے صاف طور پر عیاں ہے کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے اشتہار ۱۵ اپریل ۱۹۰۷ء کو مسودہ اور دعائے مباہلہ ہی قرار دیا ہے۔ اور ثناء اللہ کے انکار کو "انکار مباہلہ" کے لقب سے موسوم کیا ہے۔ پس ثناء اللہ کا یہ کہنا کہ حضرت نے اس کو دعائے مباہلہ قرار نہیں دیا۔ سرتاسر دھوکا ہے۔ (۲) چنانچہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے حافظ محمد حسن مرحوم اہلحدیث لاہور کے مطالبہ کے جواب میں مندرجہ ذیل حلفی بیان دیا:۔

"میں خدا تعالیٰ کو حاضر و ناظر جان کر شہادت دیتا ہوں کہ مجھے کامل یقین ہے کہ اگر مولوی ثناء اللہ صاحب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مقابلہ پر اس اعلان کے مطابق آتے جو آپ نے مولوی ثناء اللہ صاحب کے خلاف ۱۹۰۷ء میں کیا تھا۔ تو وہ ضرور ہلاک ہوتے اور مجھے یہ یقین ہے جیسا کہ حضرت مسیح موعودؑ کی وفات پر جو میں نے مضمون لکھا تھا۔ اس میں بھی لکھ چکا ہوں کہ مولوی ثناء اللہ کے ساتھ آخری فیصلہ کے متعلق جو کچھ حضرت مسیح موعودؑ نے لکھا تھا وہ دعائے مباہلہ تھی۔ پس چونکہ مولوی ثناء اللہ صاحب نے اسکے مقابل پر دعا نہیں کی بلکہ

اسکے مطابق فیصلہ چاہنے سے انکار کر دیا۔ وہ مباہلہ کی صورت میں تبدیل نہ ہوئی۔ اور مولوی صاحب عذاب سے ایک مدت کے لئے بچ گئے۔ میری اس تحریر کے شاہد میری کتاب "صادقوں کی روشنی" کے یہ فقرات ہیں:-

"مگر جبکہ اسکے انکارِ مباہلہ سے وہ عذاب اور طرح بدل گیا تو اس نے منسوخ شدہ فیصلہ کو پھر دہرانا شروع کر دیا۔" نیز "اگر وہ ایسا کرتا تو خداوند تعالےٰ اپنی قدرت دکھاتا۔ اور ثناء اللہ اپنی گندہ دہانیوں کا مزہ چکھ لیتا۔" غرض میرا یہ ہمیشہ سے یقین ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ کی دعا دعاءِ مباہلہ تھی۔ لیکن بوجہ اسکے کہ مولوی صاحب نے اسکے قبول کرنے سے انکار کیا وہ دعا۔ مباہلہ نہیں تھی۔ اور اللہ تعالیٰ نے عذاب کے طریق کو بدل دیا۔" (خاکسار مرزا محمود احمد ۱۶/۲/۳۱)

جملہ خبریہ

مولوی ثناء اللہ صاحب کہا کرتے ہیں کہ "آخری فیصلہ" کے اشتہار میں سب جملے خبریہ ہیں۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ اشتہار بطور پیشگوئی کے ہے۔ نیز حضرت کا الہام ہے۔ "اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ۔" تو اس کا جواب یہ ہے کہ خود حضرت نے اس میں صاف طور پر لکھ دیا ہے۔ کہ "یہ کسی الہام یا وحی کی بنا پر پیشگوئی نہیں۔ بلکہ محض دعا کے طور پر میں نے فیصلہ چاہا ہے۔" پھر اس کو کس طرح "پیشگوئی" قرار دیا جا سکتا ہے۔ اور پھر "دعا" کو "جملہ خبریہ" قرار دینا بھی ثناء اللہ جیسے "عالم" کے سوا اور کسی کا کام نہیں۔ کیونکہ "دعا" کبھی جملہ خبریہ نہیں ہو سکتا۔ بلکہ وہ ہمیشہ "جملہ انشائیہ" ہوتا ہے۔ (۲) حضرت کا الہام "اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ" اگر فرض کر لیا جائے

کہ وہ اس دعا کے متعلق ہے تو پھر بھی کوئی اعتراض نہیں پڑتا۔ کیونکہ جیسا کہ ہم ثابت کر آئے ہیں کہ یہ دعائے مباہلہ تھی۔ جس کا نتیجہ اس صورت میں نکلنا تھا کہ فریقین اس پر متفق ہو جاتے۔ اور اس کی منظوری کے معنی یہی ہو سکتے ہیں کہ اگر فریق ثانی نے اس طریق فیصلہ کو منظور کر لیا۔ تو یقیناً یقیناً وہ ہلاک ہو جائیگا جیسا کہ آنحضرت صلعم نے نجران کے مفرور عیسائیوں کے متعلق فرمایا ہے "لَمَا حَالَ الْحَوْلُ عَلَی النَّصَارٰی کُلِّھِمْ حَتّٰی یَھْلِکُوْا" (تفسیر کبیر جلد ۲ صفحہ ۲۹۹) گویا آنحضرت صلعم کی طرف سے جو دعا "لَعْنَتُ اللّٰہِ عَلَی الْکَاذِبِیْنَ" قرآن مجید میں مذکور ہے۔ اس کو اللہ تعالیٰ نے قبول فرما لیا۔ اور اگر عیسائی اس طریق فیصلہ کو منظور کر لیتے تو وہ یقیناً یقیناً ہلاک ہو جاتے۔

لطیفہ:۔ ثناء اللہ۔ آپ لوگ تو مجھ کو ابوجہل کہا کرتے ہیں۔ خدا نے مرزا صاحب کی دعا کے اثر کو ابوجہل کی خواہش کے مطابق کیوں بدل دیا؟ ابوجہل تو آنحضرتؐ سے پہلے مر گیا تھا؟

احمدی:۔ اگر محض بددعا ہوتی۔ تو نہ ٹلتی۔ وہ دعائے مباہلہ تھی جس کے لئے اللہ تعالیٰ کے قانون کے مطابق سچے کے بالمقابل جھوٹے فریق کی منظوری بھی ضروری ہے (جس کی تفصیل اوپر مذکور ہے) لیکن پہلے ابوجہل نے تو بددعا کی تھی کہ اے اللہ اگر آنحضرت صلعم سچے ہیں۔ تو مجھ کو ہلاک کر۔ اسلئے وہ ہلاک ہو گیا۔ تم بھی ذرا اسی قسم کی بددعا کرو۔ پھر اگر بچ جاؤ تو ہم تمہیں "ابوجہل" نہیں کہینگے۔ تم تو "ابوجہل" کے لقب پر فخر کیا کرتے ہو۔ ذرا ابوجہل کی مماثلت کو پورا بھی کرو تو بات ہے۔ بددعا کر کے پھر بچ کر یہ ثابت

کیوں نہیں کر دیتے۔ کہ در حقیقت تم ابو جہل نہیں ہو؟

ایک اور ثبوت

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات تک مولوی ثناء اللہ اشتہار آخری فیصلہ کو "دعائے مباہلہ" اور "مسودہ مباہلہ" ہی سمجھتا رہا۔ چنانچہ اس کا ثبوت یہ ہے کہ جب ۱۵ اپریل ۱۹۰۷ء (تاریخ دُعا) سے ایک سال کا عرصہ گذر گیا۔ تو حضرت مسیح موعودؑ کی وفات سے چند دن پہلے اپنے ایک مضمون میں جو مرقع قادیانی میں پہلی جون کو چھپا لکھتا ہے:۔ "مرزائی جماعت کے جوشیلے ممبرو! اب کس وقت کے منتظر ہو۔ تمہارے پیر مغاں کی مقرر کردہ مباہلہ کی میعاد کا زمانہ تو گذر گیا۔" (مرقع قادیانی یکم جون ۱۹۰۸ء)

گویا وہ اس اشتہار کو دعاءِ مباہلہ ہی قرار دیتا ہے۔ مگر کہتا ہے کہ دیکھ لو۔ میں ایک سال میں نہیں مرا۔ اور نہ مرزا صاحب فوت ہوئے ہیں۔ لہذا وہ دُعا بے اثر گئی۔ لیکن جب حضور فوت ہو گئے۔ تو جھٹ کہنے لگ گیا کہ مباہلہ کے نتیجہ میں مرزا صاحب فوت ہوئے ہیں۔ اسپر جب اسے پکڑا گیا۔ کہ مباہلہ تو اس صورت میں ہوتا کہ تم بھی اس کا اقرار کر کے بد دُعا کرتے۔ تو (اپنی غلطی کو محسوس کرتے ہوئے) جھٹ پینترا بدلا۔ اور اب یہ کہتا ہے۔ کہ وہ مباہلہ کی دُعا نہیں تھی۔ بلکہ ایک طرفہ دُعا تھی۔ سچ ہے۔ جیسا کہ حضرت فرماتے ہیں:۔

بدگمانی نے تمہیں مجنون و اندھا کر دیا
ورنہ تھے میری صداقت پر براہیں بیشمار

اپنی عمر کے متعلق پیشگوئی

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو خدا تعالیٰ نے فرمایا:۔

"ثَمَانِیْنَ حَوْلًا اَوْ قَرِیْبًا مِّنْ ذَالِكَ" کہ تیری عمر اسّی برس یا اس کے قریب ہوگی۔ حضور فرماتے ہیں:۔ "جو الفاظ وحی عمر کے متعلق ہیں۔ وہ چوہتر اور چھیاسی سال کے اندر اندر عمر کی تعیین کرتے ہیں" (براہین احمدیہ حصہ پنجم صہ۹۷ حاشیہ)

پھر حضور کو الہام ہوا:۔

"اسی یا اس پر پانچ چار زیادہ یا پانچ چار کم" (حقیقۃ الوحی صہ۹۶)

چنانچہ اس پیشگوئی کے مطابق حضرت مسیح موعود علیہ السلام ساڑھے پچھتر (۷۵½) سال کی عمر میں فوت ہوئے۔

طرزِ تحقیق

کسی کی عمر کا ٹھیک ٹھیک حساب لگانے کے لئے دو باتوں کا علم ضروری ہے:۔

(۱) تاریخ پیدائش (۲) تاریخ وفات۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تاریخ وفات ۲۴ ربیع الثانی ۱۳۲۶ھ مطابق ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء ہے مگر حضور کی تاریخ پیدائش حضرت اقدس کی کسی کتاب میں درج نہیں۔ کیونکہ حضور کی پیدائش جس زمانہ میں ہوئی۔ اس میں پیدائش کی یادداشت رکھنے کا دستور نہ تھا اور نہ کوئی سرکاری رجسٹر تھے۔ جن میں اس کا اندراج ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ محض اندازوں کے باعث حضرت صاحب کی عمر کے

متعلق متعدد تحریرات میں مختلف اندازے لکھے ہوئے ہیں۔ چنانچہ خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام تحریر فرماتے ہیں:۔

"عمر کا اصل اندازہ تو خدا تعالیٰ کو معلوم ہے۔ مگر جہاں تک مجھے معلوم ہے۔ میری عمر ستر برس کے قریب ہے، واللہ اعلم۔" (ضمیمہ براہین حصہ پنجم صفحہ ۱۹۳) پس معلوم ہوا کہ حضور کی تاریخ پیدائش محفوظ نہیں۔ بایں بعض ایسے قرائن اور تعیینیں حضرت کے ملفوظات میں موجود ہیں۔ جن سے صحیح اور پکا اور پختہ علم حضور کی تاریخ پیدائش کا ہو جاتا ہے۔ چنانچہ از روئے حساب حضور کی تاریخ پیدائش ۱۴ر شوال سنہ ۱۲۵۰ھ مطابق ۱۳ر فروری سنہ ۱۸۳۵ء بروز جمعہ ثابت ہوتی ہے۔ جس کے لئے جو دلائل ہیں۔ ان کو درج ذیل کیا جاتا ہے:۔

اندازہ عمر میں اختلاف

لیکن پہلے یہ بتا دینا ضروری ہے کہ عمر کے اندازہ میں اختلاف کوئی قابلِ اعتراض چیز نہیں۔ ایسا اختلاف ابتداء سے ہی چلا آتا ہے۔ چنانچہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر کے اندازہ میں بھی اختلاف ہے۔ ملاحظہ ہو:۔

"بعض ساٹھ برس کی اور بعض ۶۲ برس چھ ماہ کی اور بعض ۶۵ برس کی کہتے ہیں۔ مگر ارباب تحقیق ۶۳ برس لکھتے ہیں۔" (احوال الانبیاء جلد ۲ صفحہ ۲۳)

اب دیکھو کہ باوجود اسکے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کے تمام حالات محفوظ ہیں۔ پھر بھی حضور کی تاریخ ولادت کے متعلق اختلاف ہے اور یہ محض اندازہ کے باعث ہے۔ پس اسی قسم کا اختلاف حضرت اقدس

کی عمر کے متعلق بھی ہے۔ اور مختلف مقامات پر محض اندازاً عمر لکھی گئی ہے۔ جو حساب کر کے اور گن کر نہیں بتائی گئی۔ جیسے عام طریق ہے کہ عمر کے متعلق گفتگو کرتے ہوئے کہا کرتے ہیں کہ فلاں کی عمر ۶۰/۶۲ کی ہوگی۔ وہ ۷۰/۸۰ کا ہے۔ میری عمر ۴۵/۵۰ سال کی ہے وغیرہ۔ اب خواہ ۵/۱۰ سال کا اختلاف کتنا اہم ہو۔ پھر بھی طریق کلام یہی ہے پس محض اسی قسم کے اندازہ کو بطور دلیل پیش کرنا۔ اور "تناقض" قرار دے کر اس پر اعتراض کرنا نادانی ہے۔

تاریخ پیدائش کی تعیین

ہم نے حضرتؑ کی جو تاریخ ولادت لکھی ہے اس کیلئے مندرجہ ذیل دلائل ہیں:۔

(۱) حضرت مسیح موعود علیہ السلام تحریر فرماتے ہیں:۔

"میری پیدائش جمعہ کے دن۔ چاند کی چودھویں تاریخ کو ہوئی تھی"

(تحفہ گولڑویہ طبع اول صفحہ ۱۱۱ حاشیہ)

(۲) "میری پیدائش کا مہینہ پھاگن تھا۔ چاند کی چودھویں تاریخ تھی۔ جمعہ کا دن تھا۔ اور پچھلی رات کا وقت تھا"

(ذکر حبیب صفحہ ۲۳۸ و صفحہ ۲۳۹)

اب مندرجہ بالا قطعی اور یقینی تعیین ہے کہ جس میں کسی غلطی یا غلط فہمی کی گنجائش نہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تاریخ پیدائش کا از روئے حساب معلوم کرنا نہایت آسان ہے۔ کیونکہ پھاگن کے مہینہ میں جمعہ کا دن اور چاند کی چودھویں تاریخ مندرجہ سالوں میں

جمع ہوئیں :۔

تاریخ انگریزی	تاریخ اسلامی (چاند)	دن	تاریخ ہندی
۴ر فروری سنہ ۱۸۳۱ء	۲۰ر شعبان سنہ ۱۲۴۶ھ	جمعہ	۷ر پھاگن سنہ ۱۸۸۷ بکرمی
۱۷ر فروری سنہ ۱۸۳۲ء	۱۴ر رمضان سنہ ۱۲۴۷ھ	جمعہ	یکم پھاگن سنہ ۱۸۸۸ بکرم
۱۸ر فروری سنہ ۱۸۳۳ء	۱۷ر رمضان سنہ ۱۲۴۸ھ	جمعہ	۴ر پھاگن سنہ ۱۸۸۹ بکرم
۲۸ر فروری سنہ ۱۸۳۴ء	۱۸ر شوال سنہ ۱۲۴۹ھ	جمعہ	۵ر پھاگن سنہ ۱۸۹۰ بکرم
۱۳ر فروری سنہ ۱۸۳۵ء	۱۴ر شوال سنہ ۱۲۵۰ھ	جمعہ	یکم پھاگن سنہ ۱۸۹۱ بکرم
۲۵ر فروری سنہ ۱۸۳۶ء	۱۷ر شوال سنہ ۱۲۵۱ھ	جمعہ	۳ر پھاگن سنہ ۱۸۹۲ بکرم
۲۴ر فروری سنہ ۱۸۳۷ء	۱۸ر ذیقعد سنہ ۱۲۵۲ھ	جمعہ	۴ر پھاگن سنہ ۱۸۹۳ بکرم
۵ر فروری سنہ ۱۸۳۸ء	۲۰ر ذیقعد سنہ ۱۲۵۳ھ	جمعہ	۷ر پھاگن سنہ ۱۸۹۴ بکرم
یکم فروری سنہ ۱۸۳۹ء	۱۵ر ذیقعد سنہ ۱۲۵۴ھ	جمعہ	۳ر پھاگن سنہ ۱۸۹۵ بکرم
۲۱ر فروری سنہ ۱۸۴۰ء	۱۶ر ذی الحجہ سنہ ۱۲۵۵ھ	جمعہ	۴ر پھاگن سنہ ۱۸۹۶ بکرم

(دیکھو توفیقاتِ الہامیہ مصری و تقویم عمری ہندی)

اس نقشہ سے صاف طور پر معلوم ہو جاتا ہے کہ ماہ پھاگن میں جمعہ کو چاند کی چودھویں تاریخ صرف دو سالوں میں آئی (۱) ۱۷ر فروری سنہ ۱۸۳۲ء (۲) ۱۳ر فروری سنہ ۱۸۳۵ء مطابق ۱۴ر شوال سنہ ۱۲۵۰ ہجری۔ اب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی دوسری تحریرات کو دیکھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ :۔

"یہ عجیب امر ہے اور میں اس کو خدا تعالیٰ کا ایک نشان سمجھتا ہوں کہ ٹھیک سنہ ۱۲۹۰ھ میں خدا تعالیٰ کی طرف سے یہ عاجز شرف مکالمہ و مخاطبہ پا چکا تھا۔" (حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۹۹)

گویا ٹھیک ۱۲۹۰ھ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر سلسلہٴ وحی والہام شروع ہوا۔ اُس وقت حضورؑ کی عمر کتنی تھی؟ فرماتے ہیں:۔

"جب میری عمر چالیس برس تک پہنچی تو خدا تعالیٰ نے اپنے الہام اور کلام سے مجھے مشرف کیا۔" (تریاق القلوب ص۶۸)

پھر دُوسری جگہ فرماتے ہیں:۔

تھا برس چالیس کا میں اِس مسافر خانہ میں
جب کہ میں نے وحیِ ربانی سے پایا افتخار

(براہین حصہ پنجم و درثمین اُردو)

پس ثابت ہُوا کہ ۱۲۹۰ھ میں حضور علیہ السلام کی عمر چالیس برس کی تھی ۱۲۹۰-۴۰=۱۲۵۰- پس حضور کی پیدائش کا سال ۱۲۵۰ھ ثابت ہُوا۔ غرضیکہ مندرجہ بالا تحقیق کی رُو سے قطعی اور یقینی طور پر معلوم ہو گیا کہ حضرت اقدس علیہ السلام کی تاریخ ولادت ۱۴ر شوال ۱۲۵۰ھ مطابق ۱۳ر فروری ۱۸۳۵ء بروز جمعہ ہے۔ حضرتؑ کی وفات ۲۴ر ربیع الثانی ۱۳۲۶ھ مطابق ۲۶ر مئی ۱۹۰۸ء کو ہوئی۔ اب ۱۳۲۶-۱۲۵۰=۷۶ سال۔ گویا حضورؑ کی عمر ۷۵ سال ۶ ماہ اور ۱۰ دن ہوئی۔ جو عین پیشگوئی کے مطابق ہے۔

ایک دھوکہ

بعض مخالفین حضرت اقدسؑ کی بعض ایسی تحریرات پیش کر کے دھوکہ دیا کرتے ہیں جن میں حضرتؑ نے تحریر فرمایا ہے کہ میں چودھویں صدی کے سر پر

آیا۔ اور اس سے مُراد ۱۳۰۰ھ لیتے ہیں۔ حالانکہ یہ غلط ہے۔ "صدی کے سر" سے مُراد صدی کے پہلے سال کے شروع ہونے سے دس سال پہلے یا ۱۰/۲۰ سال بعد تک کا زمانہ ہوتا ہے۔ یعنی جب پہلی صدی پر ۸۰/۹۰ سال گذر جاتے ہیں تو کہا جاتا ہے کہ اگلی صدی کا سر آپہنچا ہے۔ اور جب اگلی صدی میں سے ۱۰/۱۵ سال گذر جاتے ہیں۔ تب بھی وہ اس صدی کا سر ہی کہلاتا ہے کیونکہ یہی طریق کلام ہے کہ جب حساب دہاکوں کا ہو تو کسور حذف ہو جاتی ہیں یعنی ۱ سے ۹ تک اور جب حساب صدیوں کا ہو تو اکائی کسور دہاکے ہوتے ہیں جو حذف کر دیئے جاتے ہیں۔ اور ہزاروں کے حساب میں کسور صدیاں ہوتی ہیں۔ چنانچہ دیکھ لو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ اِنِّیْ لَا اُرَانِیْ اِلَّا ذَاھِبًا عَلٰی رَأْسِ السِّتِّیْنَ (حجج الکرامہ صـ ۴۲۸) کہ میں ساٹھ برس کے سر پہ پہنچونگا۔ اب حضورؐ کی عمر پورے ساٹھ سال کی نہیں تھی بلکہ ۶۳/۶۵ سال تھی۔ جیسا کہ احوال الانبیا جلد ۲ صـ ۳۳ کے حوالہ سے اُوپر درج ہو چکا ہے۔ اب ۶۳ یا ۶۵ کو بھی ساٹھ کا "سر" ہی کہینگے کیونکہ اہل عرب میں کسور حذف کر دیئے جاتے ہیں۔

(۲) اسی طرح سے نبراس شرح عقائد نسفی صـ ۵۸۰ پر ہے۔ "وَجَاءَ فِیْ رِوَایَةٍ اِنَّهٗ یَمْکُثُ خَمْسًا وَّ اَرْبَعِیْنَ ... فَلَا یُنَافِیْهِ حَدِیْثُ اَرْبَعِیْنَ لِاَنَّ النَّیْفَ کَثِیْرًا مَا یُحْذَفُ" کہ ایک حدیث میں آتا ہے۔ کہ امام مہدی ۴۵ برس زندہ رہیگا یہ دُوسری حدیث کے جس میں چالیس برس آتا ہے خلاف نہیں۔ کیونکہ عام

طور پر کسور کو دہاکوں میں سے حذف کر دیا جاتا ہے۔

(۳) نواب صدیق حسن خانصاحب لکھتے ہیں:۔

"اولیتِ مائۃ تابست و پنج سال از آغازِ ہر مائتہ محتمل است بلکہ تا نصف مائتہ" (حجج الکرامہ صفحہ ۱۳۴)۔

کہ "صدی کے سر" سے مُراد صدی کے شروع ہونے سے ۲۵ سال تک بلکہ ۵۰ سال تک ہو سکتی ہے"

غرضیکہ حضرت اقدسؑ نے جس جس جگہ چودھویں صدی کے "سر" پر اپنا ظاہر ہونا یا آنا لکھا ہے۔ تو اس سے مُراد ۱۲۹۰ھ ہی ہے نہ کہ ٹھیک ۱۳۰۰ھ۔ پس اس دھوکہ سے بچنا چاہیئے۔

دیگر اندازے

جیساکہ اُوپر درج ہوا حضرت اقدسؑ کی تاریخ پیدائش کی تعیین ہو جانے کے باعث حضرت کی عمر ٹھیک معلوم ہوگئی۔ کہ عین پیشگوئی کے مطابق تھی۔ لیکن چونکہ بعض تحریرات مخالفین اس قسم کی پیش کیا کرتے ہیں جن میں محض اندازہ کی بنا پر عمر بیان کی گئی ہے۔ اور وہ بوجہ اندازے ہونے کے حجت اور دلیل نہیں بن سکتے۔ لیکن یہ بتانے کے لئے کہ محض اندازے کی بنا پر جو عمر بتائی جائے۔ وہ قطعی اور یقینی نہیں ہوتی۔ خود حضرت اقدسؑ کی بعض تحریرات پیش کی جاتی ہیں جن سے حضرت اقدسؑ کی عمر حضورؑ کی تاریخ وفات تک ۷۴ اور ۷۶ کے درمیان ہی ثابت ہوتی ہے:۔

(۱) "میری طرف سے ۲۳ اگست ۱۹۰۳ء کو ڈوئی کے مقابل پر انگریزی

میں یہ اشتہار شائع ہوا تھا۔ جس میں یہ فقرہ ہے کہ میں عمر میں ستر برس کے قریب ہوں اور ڈوئی جیسا کہ وہ بیان کرتا ہے۔ پچاس برس کا جوان ہے۔" (تتمہ حقیقۃ الوحی صفحہ ۷۱ حاشیہ) گویا ۲۳ اگست ۱۹۰۳ء کو حضرت کی عمر ستر برس کے قریب تھی۔ اس کے پانچ سال بعد ۱۹۰۸ء میں حضور فوت ہوئے۔ تو بوقت وفات آپ کی عمر ۷۵ برس کے قریب ثابت ہوئی۔ اور قمری لحاظ سے ۷۷ برس!

(۲) "مجھے دکھاؤ کہ آتھم کہاں ہے۔ اسکی عمر تو میری عمر کے برابر تھی۔ یعنی قریب ۶۴ سال کے۔ اگر شک ہو۔ تو اس کی پنشن کے کاغذات دفتر سرکار سے دیکھ لو۔" (اعجاز احمدی صفحہ ۳)۔ (ب) "آتھم کی عمر قریباً میرے برابر تھی۔" (انجام آتھم حاشیہ صفحہ ۲)۔ (ج) "مسٹر عبداللہ آتھم صاحب ۲۷ جولائی ۱۸۹۶ء کو بمقام فیروزپور فوت ہو گئے۔" (انجام آتھم صفحہ ۱)۔ گویا حضرت کی عمر بوقت وفات ۶۴ + ۱۲ = ۷۶ گویا قریباً ۷۶ سال ہوئی۔

نوٹ:۔ بعض لوگ اخبار بدر ۸ اگست ۱۹۰۴ء صفحہ ۵ کالم ۳ کا حوالہ دیکر یہ مغالطہ دیا کرتے ہیں کہ گویا اس حوالہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کتاب اعجاز احمدی کی تصنیف کے وقت جو آپ کی عمر تھی۔ اس کا مقابلہ عبداللہ آتھم کی عمر سے کیا ہے۔" حالانکہ خوب اچھی طرح سے یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ بالکل غلط ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ایک دوسری تحریر اس بات کو بالکل واضح کر دیتی ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام آتھم کی زندگی ہی میں آتھم کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں۔ "اگر آپ چونسٹھ سال

کے ہیں۔ تو میری عمر بھی قریب ساٹھ سال کے ہو چکی"۔ (اشتہار ۱۵ر اکتوبر ۱۸۹۴ء منقول از تبلیغ رسالت جلد ۳ صہ ۱۶۱)۔

گویا اس حساب سے ۱۸۹۴ء میں حضرتؑ کی عمر قریباً ساٹھ تھی۔ اس کے چودہ سال بعد ۱۹۰۸ء میں آپؑ فوت ہوئے ۶۰+۱۴=۷۴ اور قمری ۷۶ گویا حضرت مسیح موعودؑ کی عمر عبد اللہ آتھم کی عمر کے مطابق حساب کی رُو سے کم از کم ۷۴ سال بنتی ہے۔ جو عین پیشگوئی کے مطابق ہے۔ اس حوالہ سے یہ بھی ثابت ہو گیا۔ کہ ۱۹۰۲ء میں اعجاز احمدی کی تصنیف کے وقت آپؑ کی عمر قریباً ۶۸ سال تھی نہ کہ ۶۴ سال۔ جیسا کہ مخالفین بدر کی عبارت پیش کر کے دھوکہ دینا چاہتے ہیں۔

(۳) حضرتؑ اپنی کتاب نصرۃ الحق (۱۹۰۵ء) میں یہ تحریر فرما کر کہ خدا نے مجھے بتایا ہے کہ میری عمر ۸۰ سے پانچ سال کم و بیش ہو گی۔ فرماتے ہیں:- "اب میری عمر ۷۰ برس کے قریب ہے"۔ اس کے تین سال بعد آپؑ فوت ہوئے تو اس لحاظ سے آپؑ کی عمر ۷۳ سال کے قریب اور قمری لحاظ سے ۷۵ سال کے قریب ثابت ہوئی۔

مخالفین کی شہادت:- (۱) ظفر علی آف زمیندار کے والد مولوی سراج الدین صاحب نے حضرت مسیح موعودؑ کی وفات پر لکھا:- "مرزا غلام احمد صاحب ۱۸۶۰ء یا ۱۸۶۱ء کے قریب سیالکوٹ میں محرر تھے اسوقت آپکی عمر ۲۲ و ۲۳ سال کی ہو گی۔ اور ہم چشم دید شہادت سے کہہ سکتے ہیں کہ جوانی میں نہایت صالح اور متقی بزرگ تھے"۔ (زمیندار ۸ر جون ۱۹۰۸ء صہ ۵)

(۲) مولوی ثناء اللہ امرتسری :۔ "مرزا صاحب ... کہہ چکے ہیں کہ میری موت عنقریب اسّی سال سے کچھ نیچے اُوپر پر ہے ۔ جسکے سب نینے غالباً آپ طے کر چکے ہیں۔" (اہل حدیث ۳ر مئی ۱۹۰۷ء) اس تحریر کے پورا ایک سال بعد حضرت فوت ہوئے ۔

(۳) "چنانچہ خود مرزا کی عمر بقول اس کے پچھتر سال کی ہوئی ۔" (اہلحدیث ۲۱ر جولائی ۱۹۰۸ء صـ۳ کالم ۲)۔

(۴) "مرزا صاحب رسالہ اعجاز احمدی میں عبداللہ آتھم ... عیسائی کی بابت لکھتے ہیں :۔ کہ اس کی عمر میری عمر کے برابر تھی ۔ یعنی قریب چونسٹھ سال کے (صـ۳) ۔ اِس عبارت سے پایا جاتا ہے کہ عبداللہ آتھم کی موت کے وقت مرزا صاحب کی عمر چونسٹھ سال کی تھی ۔ آئیے ۔ اب ہم تحقیق کریں کہ آتھم کب مرا تھا؟ شکر ہے کہ اس کی موت کی تاریخ بھی مرزا صاحب کی تحریروں میں پائی جاتی ہے ۔ مرزا صاحب رسالہ انجام آتھم صـ۱ پر لکھتے ہیں :۔ (چونکہ مسٹر عبداللہ آتھم صاحب ۲۷ر جولائی ۱۸۹۶ء کو بمقام فیروز پور فوت ہو گئے ہیں) اِس عبارت سے معلوم ہوا کہ ۱۸۹۶ء میں مرزا صاحب کی عمر چونسٹھ سال کے قریب تھی ۔ بہت خوب ! آئیے اب یہ معلوم کریں کہ آج ۱۹۰۸ء میں ۱۸۹۶ء کو گذرے ہوئے کے سال ہوئے ۔ ہمارے حساب میں (اگر کوئی مرزائی غلطی نہ نکالے تو) گیارہ سال ہوتے ہیں ۔ بہت اچھا ۔ چونسٹھ کے ساتھ گیارہ کو ملانے سے پچھتر سال ہوتے ہیں ۔ تو ثابت ہوا کہ مرزا صاحب کی عمر آجکل پچھتر سال ہے ۔" (مرقع قادیانی فروری ۱۹۰۸ء صـ۱۲) گویا فروری ۱۹۰۸ء

میں حضرت کی عمر بقول ثناء اللہ ۷۵ سال تھی۔ اسکے تین مہینہ بعد حضورؑ فوت ہوئے۔ تو حضرت کی عمر بہر حال مذکورہ بالا عمر سے زیادہ ہی ہوگی۔ کم تو نہیں ہو سکتی۔ جیسا کہ اب ثناء اللہ اور دوسرے دشمن کہتے ہیں۔

(۵) "جو شخص ستر برس سے متجاوز ہو جیسے خود بدولت (مرزا صاحب) بھی ہیں"۔ (تفسیر ثنائی مطبوعہ ۱۸۹۹ء حاشیہ صفحہ ۱۰۲ و طبع دوم صفحہ ۹۰)

گویا ۱۸۹۹ء میں حضرت کی عمر ستر سال سے زیادہ تھی۔ ۱۹۰۸ء میں یعنی ۹ سال بعد آپؑ فوت ہوئے۔ تو اس حساب سے حضرتؑ کی عمر ۷۹ سال سے زیادہ ثابت ہوئی۔

(۶) مولوی محمد حسین بٹالوی رسالہ اشاعۃ السنۃ ۱۸۹۳ء میں حضرتؑ کے متعلق سخت غصہ میں آکر لکھتا ہے "۶۳ برس کا تو وہ ہو چکا ہے" اس کے بعد حضرت چودہ برس زندہ رہے۔ گویا ۶۳ + ۱۴ = ۷۷ سال ہوئی اور یہ امر خاص طور پر یاد رکھنے کے لائق ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی عمر کے متعلق مولوی محمد حسین بٹالوی کی یہ شہادت جو اس نے حضرتؑ کی وفات سے قبل دی۔ بمقابلہ مخالفین سب سے زیادہ قابل استناد ہے کیونکہ وہ حضرتؑ کا بچپن سے دوست اور ہم مکتب بھی تھا۔ چنانچہ وہ خود لکھتا ہے "مؤلف براہین احمدیہ کے حالات و خیالات سے جس قدر ہم واقف ہیں۔ ہمارے معاصرین سے ایسے واقف کم نکلیں گے۔ مؤلف صاحب ہمارے ہم وطن ہیں۔ بلکہ اوائل عمر کے (جب ہم قطبی و شرح ملا پڑھا کرتے تھے) ہمارے ہم مکتب بھی ہیں" (اشاعۃ السنۃ جلد ۷ صفحہ ۶)۔

ایک اعتراض اور اُس کا جواب

بعض مخالفین نے اعتراض کیا ہے کہ جب حضرت کی تاریخ پیدائش ہی معلوم نہیں تو پھر عمر کی پیشگوئی دلیل صداقت کیونکر ہو سکتی ہے؟ کیونکہ اس کا صدق و کذب معلوم نہیں ہو سکتا!

الجواب:۔ اس کا پہلا جواب تو یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے حضرت اقدسؑ ہی کے ملفوظات میں ایسے قرائن جمع کرا دیئے تھے کہ جن سے تاریخ پیدائش معلوم ہو کر تم پر حجت ہو سکتی تھی۔ چنانچہ اب جبکہ تاریخ پیدائش تحقیق کے رُو سے معین ہو گئی تو تمہارا اعتراض بھی ساتھ ہی اُڑ گیا۔

(۲) اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ فرض کرو تاریخ پیدائش معین نہ بھی ہوتی پھر بھی یہ پیشگوئی دلیل صداقت تھی۔ وہ اس طرح سے کہ:۔

۱۔ مخالفین احمدیت مثلاً مولوی ثناء اللہ امرتسری و مولوی محمد حسین بٹالوی وغیرہ کی شہادت غیر احمدیوں پر حجت ہے۔

۲۔ یہ بات کہ حضور کی عمر ۷۴ اور ۸۶ کے درمیان ہوگی۔ الہام الٰہی کی بناء پر معلوم ہوئی۔ اب حضرت اقدسؑ کی وفات کے متعلق بھی الہاماتِ الٰہی بکثرت موجود ہیں۔ جن کے عین مطابق حضورؑ فوت ہوئے۔ مثلاً:۔

(۱) حضرت مسیح موعود علیہ السلام دسمبر ۱۹۰۵ء میں الوصیت شائع فرماتے ہیں۔ اور اس میں لکھتے ہیں کہ مجھے الہام ہُوا ہے۔ جاء

وَقْتُكَ قَرُبَ اَجَلُكَ الْمُقَدَّرُ" یعنی تیرا وقتِ وفات آگیا۔ اور تیری عمر کی جو میعاد مقرر کی گئی تھی اس کے پورا ہونے کا وقت آگیا۔ گویا اللہ تعالیٰ نے صاف بتا دیا کہ ۷۴ سال سے متجاوز عمر پانے کی جو پیشگوئی حضورؑ نے کی تھی اس کے مطابق حضورؑ کی عمر پوری ہو گئی۔ اب تم اس کو الہام مانو یا نہ مانو۔ بہر حال اتنا تو تسلیم کرنا ہی پڑیگا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے نزدیک تو حضورؑ کی وفات عین پیشگوئی کے مطابق ۷۴ اور ۷۶ سال کے اندر اندر ہوئی۔ پھر حضورؑ فرماتے ہیں:۔

رویاء:۔ "ایک کوری ٹنڈ میں مجھے کچھ پانی دیا گیا۔ پانی صرف دو تین گھونٹ اس میں باقی رہ گیا ہے۔ لیکن نہایت صاف اور مقطر پانی ہے۔ اس کے ساتھ الہام ہوا۔ آبِ زندگی" (ریویو اردو دسمبر ۱۹۰۵ء صفحہ ۴۸۰)

اس میں "دو تین گھونٹ" زندگی کا پانی باقی رہنا بتایا گیا ہے۔ سو اس کے مطابق پورے ۲½ سال بعد حضور فوت ہوئے۔ غرضیکہ جس ملہم نے یہ بتایا۔ کہ آپؑ کی عمر ۷۴/۸۶ کے درمیان ہوگی۔ اسی ملہم نے وفات کے قریب بتا دیا کہ وہ میعاد اب قریب الاختتام ہے۔ اور اب اس میں دو تین سال رہ گئے ہیں۔ سو اس کے مطابق عین ۷۵½ سال کی عمر میں حضورؑ کی وفات ہوئی۔

ایک شبہ کا ازالہ

بعض مخالفین یہ اعتراض کیا کرتے ہیں۔ کہ الہام میں جو "یا۔یا" کا لفظ آتا ہے۔ کہ "اسی سال" یا اس سے چار پانچ سال کم یا چار یا پانچ سال زیادہ۔ یہ متکلم کے دل میں شک اور شبہ پر دلالت کرتا ہے۔ کیا اللہ تعالےٰ کو صحیح معلوم نہ تھا؟

الجواب:- اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو تو صحیح صحیح معلوم تھا۔ لیکن عمر کی تعیین کرکے اس کو تعیین کے ساتھ ظاہر کرنا مناسب نہ تھا۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ کو معلوم تھا کہ عبدالحکیم مُرتد اور ثناء اللہ جیسے دشمنوں کے ساتھ حضرت اقدسؑ کا مقابلہ ہوگا۔ اور وہ حضورؑ کی وفات کے متعلق منگھڑت پیشگوئیاں شائع کر دینگے۔ اور اس طرح سے حق مشتبہ ہو جائیگا۔ چنانچہ عبدالحکیم مُرتد نے "اسی دو تین گھونٹ پانی" والے رؤیا کے شائع ہونے پر جھٹ تین سال کی میعاد لگاکر پیشگوئی شائع کر دی۔ سو اللہ تعالیٰ کی حکمت نے بجائے کوئی سال وفات کیلئے معین کرنے کے آپؑ کی عمر کی پہلی اور آخری حد بتادی۔ تاکہ مخالفین کو جھوٹا کرنے کی گنجائش رہے۔ اسی طرح مولوی ثناء اللہ کے ساتھ "آخری فیصلہ" بھی حضورؑ نے تحریر فرمایا۔ اب مولوی ثناء اللہ اگر مباہلہ پر آمادہ ہوتے۔ تو یقیناً اللہ تعالےٰ حضرت کو اور عمر دیتا۔ اور مولوی ثناء اللہ صاحب کو حضورؑ کی زندگی ہی میں موت دیتا۔ پس "یا۔ یا" کے الفاظ سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ ملہم کو

مشتبہ ہے۔ بلکہ اسکے برعکس یہ معلوم ہوتا ہے کہ ملہم کو حضرت کی وفات سے سو سال قبل ہی آپؑ کی وفات کے قریب کے حالات کا علم تھا کہ دشمن کس طرح آپ کے الہامات پیشگوئیاں اُڑا کر حضورؑ کی وفات کو اپنی پیشگوئی کا نتیجہ قرار دے کر حق کو مشتبہ کرنے کی ناپاک کوشش کرینگے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے "نُزِیْدُ عُمْرَكَ" کے الہام کے لئے بھی گنجائش رکھ لی۔

(۲) "یا" "یا" کا لفظ کئی دفعہ خدا تعالیٰ کے کلام میں بھی آجایا کرتا ہے اور اس میں کوئی حکمت ہوتی ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں بھی ہے:۔
"اِمَّا نُرِیَنَّكَ بَعْضَ الَّذِیْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّیَنَّكَ" (یونس رکوع ۵)۔ کہ اے نبی! یا تو ہم آپکو آپ کی بعض پیشگوئیاں پوری ہوتی دکھا دینگے یا آپ کو وفات دے دینگے۔

(۳) قرآن مجید میں ہے "وَاٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ اِمَّا یُعَذِّبُهُمْ وَاِمَّا یَتُوْبُ عَلَیْهِمْ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ" (توبہ ع ۱۳ پ ۱۱) کہ کچھ اور بھی ہیں (یعنی وہ تین صحابہ کعب بن مالک۔ ہلال بن امیہ اور مرارہ بن ربیع جو جنگ تبوک میں جانے سے پیچھے رہ گئے تھے) خدا تعالیٰ کے حکم کی انتظار میں جن کا معاملہ تاخیر میں ڈالا گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ انکو عذاب دیگا یا معاف فرما دیگا۔ اللہ تعالیٰ جاننے والا اور حکمت والا ہے۔

اس آیت میں بھی "یا" "یا" آیا ہے۔ اسکے متعلق تفسیر حسینی میں لکھا ہے:۔
"یا عذاب کریگا اللہ اُن پر اگر وہ اس گناہ پر اڑے رہینگے نادم یا توبہ دیگا انہیں اگر نادم ہونگے اس کام سے۔ یہ تردید یعنی "یہ یا یہ" کہنا بندوں

کے واسطے ہے۔ ورنہ اللہ کے نزدیک تردید نہیں" (تفسیر قادری مترجم ص۴۹۴ جلد۱) یعنی اللہ تعالیٰ کو نتیجہ کا علم تھا۔ مگر اللہ تعالیٰ چونکہ لوگوں کو تردد میں رکھنا چاہتا تھا۔ اسلئے "یا" کا لفظ استعمال کیا گیا۔ یہی حال یہاں ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ عبدالحکیم اور الٰہی بخش وغیرہ دشمنوں سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے وقتِ وفات کو مصلحتاً مخفی رکھنا چاہتا تھا۔ تاکہ کوئی جھوٹی پیشگوئی بنا کر حق کو مشتبہ نہ کر سکے۔ اسلئے "او" کا لفظ رکھا گیا۔ پس محض لفظ "یا" کی بناء پر اللہ تعالیٰ پر اعتراض کرنا نادانی ہے

نوٹ:۔ یہ بالکل غلط ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ نے الحکم ۱۷؍۲۴ دسمبر ۱۹۰۲ء میں یہ فرمایا ہے کہ میں نے کسی بزرگ سے دعا کروا کے ۱۵ سال عمر بڑھوائی ہے اور اب میری عمر ۹۵ سال ہوگی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے قطعاً عمر کا ۹۵ سال ہونا نہیں فرمایا۔ بلکہ ایک خواب کا واقعہ بیان فرمایا ہے اور خواب تعبیر طلب ہے جس طرح آنحضرت صلعم کا سونے کے کنگن پہننے کا خواب۔ اور حضرت یوسفؑ کا خواب۔

(۲) مردان علی صاحب حیدرآبادی نے ۵ سال اپنی عمر کے کاٹ کر حضرت کے پیش کئے۔ تو یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ حضرت نے اسے قبول فرمالیا تھا۔ کوئی شخص اپنی عمر کاٹ کر دوسرے کو نہیں دے سکتا۔ ورنہ صحابہؓ اپنی زندگیاں آنحضرت صلعم کو دے دیتے۔ مردان علی صاحب نے اپنے اخلاص کا اظہار اس طریق سے کیا۔ وہ حوالہ دکھاؤ جس میں حضرتؑ نے یہ فرمایا ہو کہ میں نے مردان علی صاحب کی پیشکش کو منظور کر لیا۔

(۳) مولوی عبدالکریم صاحب سے حضرت کا خواب میں اصرار سے اپنی اس قدر عمر پانے کیلئے جو حضورؑ کی جماعت کو مستحکم کرنے کیلئے کافی ہو۔ دُعا کرانا۔ مگر حضرت مولوی صاحب مرحوم کا دُعا نہ کرنا اور بجائے دُعا کے ہاتھ اُوپر اُٹھا کر اکیس ۲۱ اکیس ۲۱ کہتے جانا (دیکھو تذکرہ ص ۵۲۶)۔ حضرت مسیح موعودؑ کی صداقت کی ایک دلیل ہے۔ اور وہ اس طرح سے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مولوی عبدالکریم صاحبؓ کی زبان سے بتا دیا کہ حضرت مسیح موعودؑ کو اپنی جماعت کے استحکام کیلئے کل اکیس ۲۱ سال ملینگے۔ چنانچہ حضرتؑ نے بیعت ۱۳۰۶ھ کے اوائل میں لی ہے۔ اور وفات ۱۳۲۶ھ میں ہوئی۔ گویا آپؑ بیعت کے ۲۱ سال تک اپنے سلسلہ کو مستحکم فرما کر تشریف لے گئے۔

عُمرِ دُنیا اور حضرت مسیح موعودؑ کی بعثت

مرزا صاحب کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ مرزا صاحب ہزار ہفتم سے گیارہ سال قبل پیدا ہوئے اور گیارہ برس کے اندر ہی آپ فوت ہوئے۔ کیونکہ آپکی وفات کے قریب کی کتابوں میں یہی لکھا ہے کہ ابھی ہزار ششم ختم نہیں ہوا۔

الجواب:۔ اسکے جواب کے لئے مندرجہ ذیل حوالجات یاد رکھنے چاہئیں:۔

(۱) حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تحفہ گولڑویہ ص ۱۵۰ حاشیہ پر یہ لکھا ہے "آنحضرت صلعم حضرت آدم علیہ السلام سے قمری حساب کے رُو سے ۴۷۳۹ برس بعد میں مبعوث ہوئے۔ نیز آدم صفی اللہ کی پیدائش کو آنحضرت صلعم کے وقت تک یہی مدت گذری تھی یعنی ۴۷۳۹ برس بحساب قمری (تحفہ گولڑویہ ص ۱۵۱ حاشیہ)۔ ان دونوں حوالوں میں "بعثت"۔ "وقت" اور "زمانہ" "آنحضرت

صلے اللہ علیہ وسلم سے مراد آنحضرت صلعم کی پیدائش یا چالیس برس کی عمر نہیں بلکہ "وفاتِ نبوی" ہے۔ جیسا کہ حضرت محولہ بالا عبارتوں کے آگے چلکر فرماتے ہیں "حضرت آدم علیہ السلام سے آنحضرت صلعم کے مبارک عصر تک جو عہدِ نبوت ہے ۴۷۳۹ برس ابتدائے دُنیا سے آنحضرت صلعم کے روز وفات تک قمری حساب سے ہیں۔ اس حساب کی رُو سے میری پیدائش اسوقت ہوئی جبکہ ۶ ہزار برس سے گیارہ برس رہتے تھے۔" (حاشیہ در حاشیہ)

(۲) حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جو تحریر فرمایا ہے کہ مسیح موعود کی "بعثت" "ہزار ششم کے آخر میں" ہوئی۔ (تحفہ گولڑویہ تقطیع کلاں حاشیہ ص ۱۹۴) اس عبارت میں "مسیح موعود کی بعثت" سے مراد "ماموریت" نہیں۔ بلکہ "پیدائش" ہے۔ جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں "پیدائش مسیح موعود ہزار ششم کے آخر میں ہے۔" (تحفہ گولڑویہ ص ۱۸۵ طبع سوم نیز دیکھو لیکچر سیالکوٹ ص ۶ حقیقۃ الوحی ص ۲۱ سطر ۲ وازالہ اوہام (تحفہ گولڑویہ ص ۱۵۴ و ص ۱۸۱ حاشیہ)

(۳) تحفہ گولڑویہ سے ہی ثابت ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی میں ہی ہزار ششم ختم ہو گیا۔ بلکہ ہزار ہفتم میں سے بھی نصف صدی سے زیادہ آپکی زندگی میں گزر چکی تھی۔ چنانچہ لکھتے ہیں "مدت ہوئی کہ ہزار ہفتم گزر گیا اور اب قریباً پچاسواں سال اس پر زیادہ جا رہا ہے۔ اور اب دنیا ہزار ہفتم کو بسر کر رہی ہے۔ (تحفہ گولڑویہ ص ۱۵۵ حاشیہ)۔

(۴) چشمۂ مسیحی ۱۹۰۶ء میں جو حضور نے چھٹے ہزار کو جاری مانا ہے۔ تو اس کا باعث یہ ہے کہ تحفہ گولڑویہ ص ۱۵۴ پر جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے

آنحضرت صلعم کی وفات تک ۴۷۳۹ برس تحریر فرمائے ہیں تو یہ قرآنی حساب یعنی سورۃ العصر کے حروف ابجد کی بنا پر ہے۔ ورنہ عام مروجہ اور مشہور تاریخیں جو عیسائیوں کے حساب کے مطابق ہیں۔ انکے رُو سے آدم علیہ السلام سے لیکر آنحضرت صلعم کی وفات تک ۴۶۳۶ برس بنتے ہیں (تحفہ گولڑویہ صفحہ ۱۵۵ حاشیہ) عیسائیوں کے حساب سے جسپر تمام مدار بائیبل کا رکھا گیا ہے ۴۶۳۶ برس ہیں یعنی حضرت آدم سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے آخیر زمانہ تک ۴۶۳۶ برس "۔ اس حساب سے سنہ ۱۹۰۶ء (سنہ ۱۳۲۴ھ) میں ۵۹۱۰ برس بنتے ہیں یعنی ابھی چھٹا ہزار ہی جاری ثابت ہوتا ہے پس چشمۂ مسیحی میں حضرت نے عیسائیوں کا یہی عام مروجہ حساب مُراد لیا ہے۔ سورہ العصر کے حروف ابجد والا حساب مُراد نہیں لیا۔ (نیز دیکھو حقیقۃ الوحی صفحہ ۲۰۱) (ب) حضور فرماتے ہیں "چونکہ عرب کی عادت میں یہ داخل ہے کہ وہ کسور کو حساب سے ساقط رکھتے ہیں اور مخل مطلب نہیں سمجھتے۔ اسلئے ممکن ہے کہ سات ہزار سے اس قدر زیادہ بھی ہو جائے جو آٹھ ہزار تک نہ پہنچے مثلاً دو تین سو برس زیادہ ہو جائے" (تحفہ گولڑویہ صفحہ ۱۵۴ حاشیہ) چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اہل عرب کے جس قاعدہ کا ذکر کیا ہے اس کا ثبوت یہ ہے:۔ وَجَاءَ فِي رِوَايَةٍ أَنَّهُ يَمْكُثُ خَمْسًا وَأَرْبَعِيْنَ ... فَلَا يُنَافِيْهِ حَدِيْثُ أَرْبَعِيْنَ لِأَنَّ النَّيْفَ كَثِيْرًا مَا يُحْذَفُ عَنِ الْعَشَرَاتِ (نبراس صفحہ ۵۸۷) کہ ایک روایت میں آتا ہے کہ مسیح موعود دُنیا میں ۴۵ سال رہیگا ... پس یہ روایت اس حدیث کے مخالف نہیں جس میں آتا ہے کہ وہ چالیس سال تک رہیگا۔ کیونکہ عام طور پر کسر دہائیوں سے حذف کر دیجاتی ہے۔

پس اس لحاظ سے بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی عبارت پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا۔

منظور محمد صاحب کے ہاں بیٹا

اعتراض:۔ حضرت مرزا صاحب نے فرمایا تھا کہ میاں منظور محمد صاحب کے گھر بیٹا ہوگا جس کا نام بشیر الدولہ اور عالم کباب وغیرہ ہوگا۔

جواب:۔ حضرت کے اصل الفاظ درج کئے جاتے ہیں:۔

"۱۹ر فروری ۱۹۰۶ء کو رؤیا دیکھا کہ منظور محمد صاحب کے ہاں لڑکا پیدا ہوا ہے اور دریافت کرتے ہیں کہ اس لڑکے کا کیا نام رکھا جائے۔ تب خواب سے حالت الہام کی طرف چلی گئی اور یہ الہام ہوا "بشیر الدولہ" فرمایا کئی آدمیوں کے واسطے دعا کی جاتی ہے۔ معلوم نہیں کہ منظور محمد کے لفظ سے کس کی طرف اشارہ ہے۔" (بدر جلد ۲ نمبر ۸ مکاشفات صفحہ ۴۶ و تذکرہ صفحہ ۵۲۱ حاشیہ)

پس حضرت صاحب نے صاف فرما دیا ہے کہ منظور محمد کی تعیین نہیں کی جا سکتی۔ اور نہ الہاماً یہ تعیین کی گئی۔ اور حضرت نے ضروری قرار نہیں دیا کہ منظور محمد سے مراد میاں منظور محمد صاحب ہی ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ خواب ہے اور خواب میں نام صفات کے لحاظ سے بتائے جاتے ہیں۔ پس منظور محمد سے وہ شخص مراد ہے جو محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے زیادہ منظورِ نظر اور محبوب ہے۔ ہاں وہ جس کے متعلق آنحضرت صلعم نے "اِسْمُہٗ اِسْمِیْ" کا ارشاد فرمایا۔ وہی جس کو آپ نے اپنا "سلام" دیا۔ پس وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے خادم حضرت مسیح موعود علیہ السلام ہی ہیں۔ جنہوں نے فرمایا۔ "مَنْ فَرَّقَ بَیْنِیْ وَبَیْنَ الْمُصْطَفٰی

فَمَا عَرَفَنِیْ وَمَا رَآنِیْ"۔ (خطبہ الہامیہ صفحہ ۱۷۱) پس اللہ تعالیٰ نے اس رؤیا کے ذریعہ یہ خبر دی تھی کہ وہ "کلمۃ اللہ" اور سلسلہ احمدیہ کی اقبال مندی کا نشان عنقریب اپنی عظیم الشان صفات کے ساتھ دنیا پر ظاہر ہونیوالا ہے۔ اور اسکی وہ موعودہ صفات جو ۱۹۰۶ء تک دنیا کی نظر سے مخفی تھیں۔ اب ان کے ظہور کا وقت قریب آگیا ہے۔ چنانچہ ۱۹۰۶ء ہی میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز اپنے سن بلوغ کو پہنچے۔ اور آپ نے رسالہ "تشحیذ الاذہان" جاری فرمایا۔ جس کی خوبیوں کا اعتراف مولوی محمد علی صاحب ایم۔ اے کو بھی کرنا پڑا۔ ۱۹۱۴ء میں ۲۵ سال کی عمر میں آپ خلیفۃ المسیح ہوئے اور اسی سال زلزلۂ عظیمہ کی پیشگوئی جنگ عظیم کی صورت میں پوری ہوئی۔

ایک اور ثبوت

علاوہ حضرت اقدسؑ کے صریح ارشاد کے کہ "معلوم نہیں منظور محمدؐ کے لفظ سے کس طرف اشارہ ہے؟" بعض اور بھی قرائن ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ "عالم کباب" لڑکے سے مراد حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد ایدہ اللہ بنصرہ العزیز ہی ہیں نہ کوئی اور (۱) "عالم کباب" لڑکے کے مندرجہ ذیل نام اور صفات بیان کی گئی ہیں:۔

(۱) کلمۃ اللہ۔ کلمۃ العزیز۔ (۲) بشیر الدولہ۔

(۳) ناصر الدین۔ فاتح الدین۔ شادی خاں۔

(۴) ھٰذَا یَوْمٌ مُّبَارَکٌ۔ (تذکرہ صفحہ ۵۶۸)

حضرت اقدسؑ نے ان کی تشریح بھی فرمائی ہے:۔

"بشیر الدولہ سے یہ مراد ہے کہ وہ ہماری دولت اور اقبال کے لئے

بشارت دینے والا ہوگا۔ اس کے پیدا ہونے کے بعد یا اس کے ہوش سنبھالنے کے بعد زلزلہ عظیمہ کی پیشگوئی اور دوسری پیشگوئیاں ظہور میں آئینگی۔ اور گروہ کثیر مخلوقات کا ہماری طرف رجوع کریگا اور عظیم الشان فتح ظہور میں آئیگی۔ (۲) عالم کباب سے یہ مُراد ہے کہ اس کے پیدا ہونے کے بعد چند ماہ تک یا جبتک کہ وہ اپنی بُرائی بھلائی شناخت کرے۔ دُنیا پر ایک سخت تباہی آئیگی ۔ ۔ ۔ اِس وجہ سے اُس کا نام عالم کباب رکھا گیا"۔ (الحکم ۱۰ر جون ۱۹۰۶ء و تذکرہ صفحہ ۵۶۳)

غرضیکہ "عالم کباب" کی صفت بشیرالدولہ اور ناصرالدین اور کلمۃ اللہ اور فاتح الدین وغیرہ سے سلسلہ کی ترقی کی بشارت ہے۔ اب دیکھئے بعینہٖ یہی صفات اور نام حضرت خلیفۃ المسیح الثانی مصلح موعود کے ہیں۔ ملاحظہ ہو:۔

(۱) "وہ کلمۃ اللہ ہے"۔ (اشتہار ۲۰ر فروری ۱۸۸۶ء و تذکرہ صفحہ ۱۴۱)۔

(۲) "بشیرالدین"۔

(۳) "وہ دُنیا میں آئیگا اور اپنے مسیحی نفس اور رُوح الحق کی برکت سے بہتوں کو بیماریوں سے صاف کریگا ۔ ۔ ۔ وہ جلد جلد بڑھے گا۔ اور اسیروں کی رستگاری کا موجب ہوگا۔ اور زمین کے کناروں تک شہرت پائیگا۔ اور قومیں اس سے برکت پائیں گی"۔ (تذکرہ صفحہ ۱۴۱)۔

(۴) "فتح اور ظفر کی کلید تجھے ملتی ہے"۔ (تذکرہ صفحہ ۱۳۹)۔

اب دیکھ لیجئے کہ بشیرالدولہ کے بالمقابل "بشیرالدین"۔ "کلمۃ اللہ" اور کلمۃ العزیز کے بالمقابل "کلمۃ اللہ"۔ مصلح موعود حضرت خلیفۃ المسیح الثانی

کے نام ہیں۔ جماعت کی ترقی کے متعلق بعینہٖ ایک ہی قسم کے الفاظ دونوں کے متعلق ہیں۔ عالم کباب کا نام "فاتح الدین" ہے۔ تو مصلح موعود کو "فتح" کی کلید قرار دیا گیا ہے۔ اگر "عالم کباب" کی آمد کو "ھذا یوم مبارک" کہا ہے۔ تو مصلح موعود کی بشارت میں "دوشنبہ ہے مبارک دوشنبہ" فرمایا ہے۔ اور اگر "عالم کباب" کی یہ تشریح فرمائی ہے کہ وہ مخالفین و معاندین کیلئے عذاب الٰہی کا موجب ہوگا۔ نیز فرمایا کہ وہ لڑکا نیکوں کیلئے اور اس سلسلہ کیلئے ایک سعد ستارہ ہوگا۔ مگر بدوں کیلئے اس کے برخلاف ہوگا۔" (تذکرہ صفحہ ۵۶۵)

تو بعینہٖ اسی طرح مصلح موعود کے متعلق فرمایا ہے "کہ تا حق اپنی تمام برکتوں کے ساتھ آجائے۔ اور باطل اپنی تمام نحوستوں کے ساتھ بھاگ جائے . . . اور مجرموں کی راہ ظاہر ہو جائے . . . جس کا نزول بہت مبارک اور جلال الٰہی کے ظہور کا موجب ہوگا۔" (اشتہار ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء نیز تذکرہ صفحہ ۱۳۹ تا صفحہ ۱۴۲) ۔ غرضیکہ دونوں کے نام اور صفات ایک ہی ہیں۔

پس ثابت ہوا کہ یہ دونوں پیشگوئیاں ایک ہی وجود کے متعلق ہیں۔

ایک اعتراض

بعض لوگ ریویو اور بدر کے حوالہ سے ایک ڈائری پیش کیا کرتے ہیں کہ گویا حضرت صاحب نے الہامًا منظور محمد کی تعیین فرما دی ہے۔ اور اپنے قلم سے لکھا ہے کہ مجھے الہامًا معلوم ہوا ہے کہ وہ لڑکا میاں منظور محمد صاحب کے ہاں ان کی بیوی محمدی بیگم کے پیٹ سے پیدا ہوگا۔

جواب:۔ محمدیہ پاکٹ بک کے مصنف کا یہ لکھنا کہ ڈائری محمود کہ از

ریویو جون ۱۹۰۶ء حضرت کے قلم سے لکھی گئی (محمدیہ پاکٹ بک صفحہ ۱) محض جہالت ہے۔ وہ حضرت صاحب کی تحریر نہیں۔ بلکہ ڈائری نویس نے محض اپنی یادداشت کی بناء پر تحریر کر کے طبع کرائی ہے۔ وہ ڈائری مندرجہ ذیل وجوہ کی بناء پر قابل قبول نہیں۔

(۱) وہ ڈائری حضرت اقدس کی تصریح مندرجہ بدر جلد ۲ نمبر ۸ و مکاشفات صفحہ ۴۴ و ریویو مارچ ۱۹۰۶ء صفحہ ۱۲۲ و الحکم جلد ۱۰ نمبر ۷ کے خلاف ہے۔ جس کا حوالہ اوپر درج ہو چکا ہے۔ کہ "معلوم نہیں منظور محمد سے کس کی طرف اشارہ ہے"

(۲) حضرت اقدس کی دوسری ڈائریوں سے صاف طور پر معلوم ہو جاتا ہے۔ کہ مخالفین کی محولہ ڈائری (ریویو ماہ جون ۱۹۰۶ء نیز بدر جلد ۲ نمبر ۲۴ صفحہ ۲) محض ڈائری نویس کی غلطی کا نتیجہ ہے۔

وہ لکھتا ہے کہ حضرت نے فرمایا۔

"بذریعہ الہام الٰہی معلوم ہوا کہ میاں منظور محمد صاحب کے گھر میں یعنی محمدی بیگم کا ایک لڑکا پیدا ہوگا۔"

حالانکہ الحکم جلد ۱۰ نمبر ۲۰ پرچہ ۱۰ جون ۱۹۰۶ء میں جو حضرت صاحب کے الفاظ لکھے ہیں وہ یہ ہیں۔

"یہ ہر دو نام بذریعہ الہام الٰہی ہوئے" اسی طرح الحکم جلد ۱۰ نمبر ۲۲ و بدر جلد ۲ نمبر ۲۵ صفحہ ۳ پر لکھا ہے

"میاں منظور محمد کے اس بیٹے کے نام جو بطور نشان ہوگا بذریعہ الہام الٰہی مفصلہ ذیل معلوم ہوئے"

پس ثابت ہوا کہ دراصل الہام الٰہی سے صرف اس لڑکے کے نام ہی معلوم ہوئے تھے۔ یہ امر کہ وہ لڑکا منظور محمد کے گھر ان کی بیوی محمدی بیگم کے پیٹ سے پیدا ہوگا۔ یہ تعیین الہامی نہیں ہے۔ ڈائری نویس نے اس فرق کو نہ سمجھنے کے باعث بجائے یہ لکھنے کے کہ "میاں منظور محمد صاحب کے گھر میں جو لڑکا پیدا ہوگا بذریعہ الہام معلوم ہوا کہ اسکے دو نام ہونگے" لفظ "الہام الٰہی" کو فقرہ کے شروع میں رکھ دیا ہے۔ جس سے مضمون بگڑ کر وہ مفہوم بن گیا ہے۔ جو حضرت اقدس کے دوسرے ملفوظات اور واقعات کے صریح خلاف ہے۔ پس دوسری ڈائریوں سے ریویو والی ڈائری (جس کا مخالف نے حوالہ دیا ہے۔) مردود ثابت ہوئی اس سے جماعت احمدیہ کے خلاف حجت نہیں پکڑی جا سکتی۔ کیونکہ وہ حضرت صاحب کی تحریر نہیں۔ بلکہ حاضرین مجلس میں سے کسی کی اپنی یادداشت کی بناء پر لکھی ہوئی تحریر ہے۔ جس میں ایک لفظ کا ادھر ادھر ہو جانا کوئی مشکل امر نہیں:

حقیقۃ الوحی کا حوالہ

حضرت اقدس نے حقیقۃ الوحی میں تحریر فرمایا ہے۔ کہ اس لڑکے کا پیدا ہونا معرض التوا میں پڑ گیا۔ کیونکہ حضور نے دعا فرمائی تھی۔ کہ "رب اخّر وقت ھٰذا" کہ اے اللہ زلزلہ میں تاخیر ڈال دے۔ اور اللہ تعالیٰ نے حضور کو بتا دیا۔ کہ "اخّرہ اللہ الٰی وقت مسمّی"۔ کہ اللہ تعالیٰ نے زلزلہ کو کسی اور وقت پر ڈال دیا ہے۔

حقیقۃ الوحی کے حوالہ میں یہ بتایا گیا ہے۔ کہ وہ زلزلہ اسی وقت ظاہر

ہوگا۔ جبکہ عالم کباب ظاہر ہوجائیگا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا

باقی رہا تمہارا یہ کہنا کہ "منظور محمد" اور "محمدی بیگم" کا لفظ موجود ہے۔ پھر ان سے کوئی دوسرا کیونکر مراد ہوسکتا ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے۔ کہ یہ سوال علم دین سے ناواقفیت کا نتیجہ ہے۔ کیونکہ حدیث میں ہے۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ تمام دنیا کے خزانوں کی وُضِعَتْ فِیْ یَدَیَّ (بخاری کتاب الرویا جلد ۴ صفہ ۱۲ مطبع الہیہ مصر) کہ وہ چابیاں میرے ہاتھ میں رکھی گئیں۔ حالانکہ ظاہر ہے۔ کہ قیصر و کسرٰے کے خزانوں کی کنجیاں آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کی زندگی میں حاصل نہیں ہوئیں۔ بلکہ حضور کی وفات کے بعد حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت میں فتح ہوئیں۔ پس اگر آنحضرت صلعم سے مراد حضرت عمرؓ ہو سکتے ہیں۔ تو منظور محمد سے مراد حضرت مسیح موعود علیہ السلام کیوں نہیں ہو سکتے۔ جو حقیقی اور اصلی منظور محمد ہیں۔

(۲) پھر حضرت یوسفؑ کے خواب میں اگر چاند سے مراد حضرت یوسفؑ کی والدہ۔ سورج سے مراد حضرت یعقوب۔ اور ستاروں سے مراد بھائی ہو سکتے ہیں۔ حالانکہ صریح لفظ چاند۔ سورج اور ستاروں کا موجود ہے۔ تو پھر اسی خواب میں منظور محمد کی تعبیر کیوں نہیں ہو سکتی؟

(۳) اسی طرح لکھا ہے۔

قَالَ السُّہَیْلِیُّ قَالَ اَھْلُ التَّعْبِیْرِ رَاٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّے اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِی الْمَنَامِ اُسَیْدَ بْنَ اَبِی الْعِیْصِ وَالِیًا عَلٰے

مَلَکَۃً مُسْلِماً فَمَاتَ عَلَی الْکُفْرِ وَکَانَتِ الرُّؤْیَا لِوَلَدِہٖ عَتَّابٍ

اَسْلَمَ (تاریخ الخمیس جلد ۲ ص۱۱) یعنی سہیل کہتے ہیں۔ کہ اہل تعبیر کہتے

ہیں۔ کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص اسید بن ابی العیص کو خواب

میں دیکھا۔ کہ وہ مسلمان ہو گیا۔ اور مکہ شریف کا گورنر بنا ہوا ہے۔ لیکن اسید

مذکور بغیر مسلمان ہوئے مر گیا۔ لیکن یہ خواب اس کے بیٹے عتاب کے حق

میں نکلی۔ جو مسلمان ہو گیا۔ پس اگر اسید کا فر سے مراد عتاب مسلمان بھی ہو سکتا

ہے۔ تو ایک مومن کی جگہ دوسرا اس سے اعلےٰ مومن کیوں نہیں ہو سکتا۔

انبیاء کی ذمہ واری

قرآن مجید۔ احادیث نبوی اور اقوال ائمہ سلف سے یہ بات پایہ ثبوت

کو پہونچتی ہے۔ اور انبیاء اور خدا تعالےٰ کے مامورین صرف اور صرف اس

چیز کی صحت کے لئے جواب دہ ہوتے ہیں۔ جو ان کو اللہ تعالےٰ کی طرف

سے الہام ہوتی ہے۔ وہ اپنے اجتہاد کے ذمہ وار نہیں ہوتے۔ جیسا کہ

آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں

مَا حَدَّثْتُکُمْ مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ سُبْحَانَہٗ فَھُوَ حَقٌّ وَمَا قُلْتُ

فِیْہِ مِنْ قِبَلِ نَفْسِیْ فَاِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ اُخْطِیُٔ وَاُصِیْبُ (نبراس

ص۲۹۲) یعنی جو بات تو میں اللہ تعالےٰ کی طرف سے کہوں وہ حق ہے مگر

جو اس کی تشریح میں اپنی طرف سے کروں۔ اس کے متعلق یاد رکھو۔ کہ میں

انسان ہوں۔ کبھی میرا خیال درست ہوگا اور کبھی غلط۔

اسی طرح لکھا ہے۔ " اِنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ

قَدْ یَجْتَہِدُ فَیَکُوْنُ خَطَاءً (نبراس ص۲۹۲)
کہ آنحضرت صلعم کئی دفعہ اپنی وحی کی تعبیر یا تشریح اپنی طرف سے فرماتے تھے۔ تو وہ بعض دفعہ غلط بھی ہوتی تھی۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام تحریر فرماتے ہیں :-

" انبیاء اور ملہمین صرف وحی کی سچائی کے ذمہ وار ہوتے ہیں۔ اپنے اجتہاد کے خلاف واقعہ نکلنے سے وہ ماخوذ نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ وہ انکی رائے ہے۔ نہ خدا کا کلام" (اعجاز احمدی ص۳)

پس جبکہ واقعات اور حضرت اقدس کے دو ٹوک اقوال سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ گئی۔ کہ اس پیشگوئی کے مصداق حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہُ اللہ تعالےٰ بنصرہ العزیز ہیں۔ اور حضور کے سوا کسی شخص کے لئے یہ پیشگوئی نہ تھی۔ تو پھر بھی ایک ڈائری کو (جس کی صحت اور محفوظیت مسلم نہیں) پیش کر کے اعتراض کرتے جانا طریق انصاف نہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام تحریر فرماتے ہیں۔

" اگر کسی پہلو پر پیشگوئی کا ظہور نہ ہو۔ اور کسی دوسرے پہلو پر ظاہر ہو جائے۔ اور اصل امر جو اس پیشگوئی کا خارق عادت ہوتا ہے۔ وہ دوسرے پہلو میں بھی پایا جائے۔ اور واقعہ کے ظہور کے بعد ہر ایک عقلمند کو سمجھ آجائے۔ کہ یہی صحیح معنے پیشگوئی کے ہیں۔ جو واقعہ نے اپنے ظہور سے کھولے ہیں۔ تو اس پیشگوئی کی عظمت اور وقعت میں کچھ بھی فرق نہیں آتا۔ اور اس پر ناحق نکتہ چینی کرنا شرارت اور بے ایمانی اور ہٹ دھرمی

ہے" (براہین پنجم ضمیمہ ص۹۰)

ولادت معنوی

بعض مخالف کہا کرتے ہیں۔ کہ ۱۹۰۶ء میں جب یہ پیشگوئی حضرت صاحب نے کی ہے۔ اس وقت حضرت خلیفۃ المسیح الثانی پیدا ہو چکے تھے۔

الجواب۔ تو اس کا جواب یہ ہے۔ کہ الہام میں "ولادت" سے ولادت جسمانی نہیں۔ بلکہ ولادت معنوی مراد ہے۔ جیسا امام الشیخ سہروردی تحریر فرماتے ہیں۔

"یصیرُ المرید جزءَ الشیخ کما انّ الولدَ جزءُ الوالد فی الولادۃ الطبیعیۃ وتصیر ھٰذہ الولادۃ انفاً ولادۃً معنویۃً کما ورد عن عیسیٰ صلوٰۃ اللہ علیہ لن یلج ملکوتَ السّماءِ من لم یولد مرّتین فبالولا الاولیٰ لیصیر لہ ارتباط بالملکوتِ قال اللہ تعالیٰ و کذالک نری ابراھیم ملکوت السّمٰوات والارض و لیکون من الموقنین وصرف الیقین علی الکمال یحصل فی ھٰذہ الولادۃ و بھٰذہ الولادۃ یستحق میراث الانبیاء ما وُلِدَ (عوارف المعارف ص۴۵ جلد ۱)

یعنی مرید اپنے پیر کے جسم کا حصہ بن جاتا ہے۔ جس طرح بیٹا اپنے باپ کا ولادت طبعی میں۔ مرید کا یہ پیدا ہونا حقیقی پیدا ہونا نہیں۔ بلکہ معنوی اور استعاری طور پر ہوتا ہے۔ جیسا کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے متعلق

آتا ہے۔ کہ انہوں نے فرمایا کہ کوئی شخص خدا کی بادشاہت میں داخل نہیں ہو سکتا۔ جب تک کہ دو دفعہ پیدا نہ ہو ولادت طبعی (حقیقی) میں انسان کا تعلق دنیا سے ہوتا ہے۔ مگر ولادت معنوی میں اُس کا تعلق آسمان (ملکوت اعلےٰ) سے ہوتا ہے۔ یہی معنی اس آیت کے ہیں کہ ہم نے اسی طرح ابراہیم کو ملکوت سماوی و ارضی دکھائی۔ تا کہ وہ یقین کرے۔ دراصل حقیقی اور کامل یقین اسی ولادت معنوی سے ہی حاصل ہوتا ہے۔ اور اسی ولادت کے باعث انسان وراثت انبیاء کا مستحق ہو جاتا ہے۔ اور جس شخص کو وراثت انبیاء نہ ملی۔ وہ پیدا نہ ہوا۔"

پس اس پیشگوئی سے بھی ولادت سے مراد طبعی ولادت نہیں۔ بلکہ ولادت معنوی ہے۔ جو انسان کو انبیاء کا وارث بناتی ہے۔ سو یہ عجیب بات ہے۔ کہ ۱۹۰۶ء میں ہی حضرت صاحب نے اس لڑکے کی پیدائش کی پیشگوئی فرمائی۔ ۱۹۰۶ء ہی میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے رسالہ تشحیذ جاری فرمایا۔ جس سے حضور کے کمالات دینیہ و روحانیہ کا اظہار شروع ہوا۔ اور "سلطان القلم" کی وراثتِ حقیقی کا تمغہ حضور کو ملا۔

پھر ۱۹۱۴ء میں حضور اپنے معنوی بلوغ کو پہنچ کر سریر آرائے خلافت ہو کر کامل و مکمل طور پر "عالم کباب" کا مصداق بنے۔ جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے۔

قادیان میں طاعون

اعتراض۔ مرزا صاحب نے کہا تھا۔ کہ قادیان میں ہرگز طاعون نہیں

آئے گی۔ یہ پیشگوئی غلط نکلی۔

الجواب:۔ یہ بالکل جھوٹ ہے کہ حضرت نے قادیان میں طاعون کا آنا ممنوع قرار دیا ہے۔ بلکہ حضرت نے تو فرمایا ہے۔ کہ قادیان طاعون آئے گی تو سہی۔ مگر طاعون جارف یعنی جھاڑ دینے والی طاعون نہیں آئے گی چنانچہ حضرت دافع البلاء میں فرماتے ہیں۔ "ہم دعویٰ سے لکھتے ہیں کہ قادیان میں کبھی طاعون جارف نہیں پڑے گی۔ جو گاؤں کو ویران کرنے والی۔ اور کھا جانے والی ہوتی ہے"۔ ص۵۔

(۲) پھر فرماتے ہیں۔ "میں قادیان کو اس تباہی سے محفوظ رکھوں گا خصوصاً ایسی تباہی سے۔ کہ لوگ کتوں کی طرح طاعون سے مریں۔ یہانتک کہ بھاگنے اور منتشر ہونے کی نوبت آئے"۔ (دافع البلاء ص۱۰)

(۳) "کچھ حرج نہیں کہ انسانی برداشت کی حد تک کبھی قادیان میں بھی کوئی واردات شاذ و نادر طور پر ہو جائے۔ جو بربادی بخش نہ ہو۔ اور موجب فرار و انتشار نہ ہو۔ کیونکہ شاذ و نادر حکم معدوم کا رکھتا ہے"۔ (دافع البلاء ص۵)

(۴) "اٰوٰی کا لفظ عربی زبان میں اس پناہ دینے کو کہتے ہیں۔ کہ جب کوئی آدمی کسی حد تک مصیبت رسیدہ ہو کر پھر امن میں آجاتا ہے۔ اس کے یہ معنی ہیں۔ کہ خدا تعالےٰ کسی قدر عذاب کے بعد اس گاؤں کو اپنی پناہ میں لے لیگا۔ یہ معنی نہیں کہ ہرگز اس میں طاعون نہیں آئے گی"۔ (حقیقۃ الوحی ص۲۳۴)

"اٰوٰی" کا لفظ زبان عرب میں ایسے موقع پر استعمال ہوتا ہے۔ کہ جب

کسی شخص کو کسی قدر مصیبت یا ابتلا کے بعد اپنی پناہ میں لیا جائے۔ اور کثرت مصائب اور تلف ہونے سے بچایا جائے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "اَلَمْ یَجِدْکَ یَتِیْمًا فَاٰوٰی" اسی طرح تمام قرآن شریف میں "اٰوٰی" لفظ ایسے ہی موقعوں پر استعمال ہوا ہے کہ جہاں کسی شخص یا کسی قوم کو کسی قدر تکلیف کے بعد آرام دیا گیا" تذکرۃ الشہادتین صے حاشیہ طبع اول ۱۹۰۳ء) پس ان پیشگوئیوں کے مطابق قادیان کو ایک دفعہ "کسی قدر" عذاب کے بعد اپنی امان میں لے لیا گیا۔ اور اسی کو حضرت نے صرف قادیان ہی کی نسبت سے "طاعون زوروں پر تھا" قرار دیا ہے۔ (حقیقۃ الوحی صفحہ) چنانچہ خود اسی حقیقۃ الوحی میں دوسری جگہ تحریر فرماتے ہیں کہ "صرف ایک دفعہ کسی قدر شدت سے طاعون قادیان میں آئی" صہ۲۳۲ ع وَبِضِدِّهَا تَتَبَیَّنُ الْاَشْیَاءُ

پس قادیان میں کبھی بھی طاعون جارف نہیں آئی۔ جو بربادی افگن ہوتی ہے۔ ہاں حضرت نے اعلان فرمایا تھا۔ اِنِّیْ اُحَافِظُ کُلَّ مَنْ فِی الدَّارِ وَاُحَافِظُکَ خَاصَّۃً" کہ تیرے گھر کی چار دیواری میں رہنے والے طاعون سے محفوظ رہیں گے۔ اور تیری تو خاص حفاظت کی جائیگی (خواہ چار دیواری کے اندر ہوں یا باہر) چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ حضرت نے ببانگ دہل اعلان فرمایا "میرا یہی نشان ہے۔ کہ ہر ایک مخالف خواہ وہ امروہہ میں رہتا ہے خواہ امرتسر میں۔ اور خواہ دہلی میں اور خواہ کلکتہ میں۔ اور خواہ بٹالہ میں۔ اگر وہ قسم کھا کر کہے گا۔ کہ اس کا فلاں مقام

طاعون سے پاک رہے گا۔ تو ضرور وہ مقام طاعون میں گرفتار کیا جائیگا۔ کیونکہ اس نے خدا تعالےٰ کے مقابل پر گستاخی کی" (دافع البلاء مثہ)
چنانچہ چراغ الدین جموئی ہلاک ہوا۔ تفصیل دیکھو حقیقۃ الوحی میں۔
اس چیلنج کو کوئی منظور نہ کر سکا۔ لہذا حضرت کی صداقت ثابت ہوئی۔

محمد حسین بٹالوی کا ایمان

حضرت مرزا صاحب نے لکھا ہے۔ کہ محمد حسین بٹالوی ایمان لائے گا۔

مگر وہ ایمان نہیں لایا؟

الجواب:۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے محمد حسین بٹالوی کو فرعون قرار دیا ہے (دیکھو براہین احمدیہ حصہ پنجم صفحہ ۶۴ و ۶۵ و ۶۶)
پھر فرماتے ہیں" فرعون سے مراد محمد حسین ہے۔ خدا تعالےٰ کی طرف سے ایک کشف ظاہر کر رہا ہے۔ کہ وہ بالآخر ایمان لائے گا۔ مگر مجھے معلوم نہیں کہ وہ ایمان فرعون کی طرح صرف اسی قدر ہوگا کہ" اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِیْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِیْلَ" یا پرہیزگار لوگوں کی طرح (وَاللّٰهُ اَعْلَمُ)" (استفتا اردو ص۲۲ حاشیہ)

فرعون کے ایمان لانے کا واقعہ جس کی طرف حضرت نے محولہ بالا عبارت میں اشارہ فرمایا ہے (قرآن مجید سورہ یونس ع ۹ میں ہے) کہ جب فرعون غرق ہونے لگا۔ تو اس نے آواز دی کہ" اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِیْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِیْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ" کہ میں ایمان لایا کہ وہی ایک خدا ہے۔ جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے اور

مسلمان ہوں ۔ اب فرعون کے ایمان لانے کا بجز خدا تعالےٰ کی شہادت کے اور کون انسان گواہ ہے ۔ بعینہٖ اسی طرح محمد حسین کے ایمان کا بھی خدا کا الہام گواہ ہے ۔ اب کوئی آریہ یا عیسائی تم سے فرعون کے ایمان لانے کا ثبوت پوچھے ۔ تو جو جواب تم اس کو دوگے وہی جواب ہماری طرف سے بھی سمجھ لو ۔

جواب ۲ ۔ حضرت صاحب کی پیشگوئی میں تھا " اِنِّیْ ھٰذَا الرَّجُلَ یُؤْمِنُ بِاِیْمَانِیْ " کہ مولوی محمد حسین میرا مومن ہونا مان لے گا چنانچہ یہ پیشگوئی پوری ہو گئی ۔ کیونکہ مولوی محمد حسین بٹالوی اجمل المکفرین نے ۱۹۱۲ء میں لالہ دیوکی نندن صاحب مجسٹریٹ درجہ اول کی عدالت میں مقدمہ ۱۳۰۰ میں حلفاً بیان کیا ۔ کہ میں احمدی جماعت کو مسلمان سمجھتا ہوں ۔

اب بھلا حضرت صاحب کی زندگی میں کسی کو یہ وہم بھی ہو سکتا تھا کہ کسی وقت بھی مولوی محمد حسین جو سب سے پہلے فتویٰ کفر دینے والا ہے خود حضرت صاحب اور ان کی جماعت کو مسلمان سمجھنے لگ جائے گا ۔

عبداللہ آتھم

یہ ثابت کرنے کے لئے کہ حقیقی اور سچا مذہب خدا کے نزدیک اسلام ہی ہے ۔ اور یہ کہ موجودہ عیسائیت کسی صورت میں بھی اس مذہب کی قائم مقام نہیں ہو سکتی ۔ جو حضرت مسیح ناصری علیہ السلام کے پاک ہاتھوں سے قائم ہوا تھا ۔ خدا تعالےٰ نے آپ کو عیسائیت پر کھلا کھلا غلبہ عطا کیا ۔ عیسائیوں نے اپنے نمائندہ ڈپٹی عبداللہ آتھم کو جون ۱۸۹۳ء

میں خدا کے مسیح موعودؑ کے مقابل کھڑا کیا۔ جب اس پر دلائل بینہ اور براہین قاطعہ کی رو سے کامل طور پر حجت ہو چکی۔ تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے خدائے بزرگ و برتر سے اطلاع پا کر اعلان فرمایا۔ کہ ڈپٹی عبداللہ آتھم نے ہمارے آقا و سردار حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کو نعوذ باللہ "دجال" کہا ہے۔ اس لئے اس جرم کی پاداش میں خدا تعالےٰ نے فیصلہ فرمایا ہے۔ کہ اگر وہ "حق کی طرف رجوع نہ کرے" تو پندرہ ماہ کے عرصہ میں ہاویہ میں گرایا جائے گا۔ اور اس سے یہ ثابت ہوگا۔ کہ خدا تعالےٰ کو اپنے پیارے رسول حضرت محمد مصطفےٰ صلعم کے لئے بے انتہا غیرت ہے۔ اور یہ کہ اس کے نزدیک سچا دین صرف اور صرف اسلام ہے۔ خدا کے پیارے مسیح موعودؑ کی یہ ہیبت ناک پیشگوئی شائع کر دی گئی۔ اور اس میں آتھم کو ہلاکت سے بچنے کا طریق بھی بتا دیا گیا۔ کہ اگر وہ حق کی طرف رجوع کرے گا۔ تو اس ہلاکت سے بچ جائے گا۔

پیشگوئی کا شائع ہونا تھا کہ ڈپٹی آتھم کے لئے جس ہاویہ کی پیشگوئی کی گئی تھی اس کے آثار ظاہر ہونے شروع ہو گئے۔ وہ توبہ اور استغفار، دعا اور رجوع میں لگ گیا۔ وہ اس گستاخی کے لئے جو اس نے پاکبازوں کے سردار حضرت محمد مصطفےٰ کی شان میں کی تھی۔ روتا اور گڑگڑاتا رہا۔ وہ برابر پندرہ ماہ تک انتہائی پریشانی سراسیمگی اور بدحواسی کے ساتھ دربدر پھرتا رہا۔ وہی عیسائیت جس کی اشاعت اور تبلیغ (اس پیشگوئی سے قبل)

اس کی غذا تھی۔ اب اس کو موت کا پیالہ نظر آتی تھی۔ وہی اسلام اور بانیٔ اسلام جن کی تردید کرنا۔ اور جن کو گالیاں دینا وہ اپنی زندگی کا مقصد سمجھتا تھا۔ اب اس کی نظر میں اس قدر قابل اعتراض و تردید نظر نہ آتے تھے۔

وہی عبد اللہ آتھم جس کے لئے ایک دن بھی عیسائیت کی تبلیغ اور اسلام کی تردید کے بغیر گذارنا غیر ممکن تھا۔ متواتر پندرہ مہینے ایک غیر منقطع سکوت اور انتہائی خاموشی کے ساتھ شہر بشہر پھرتا رہا۔ اور ایک حرف بھی اپنی زبان سے اسلام یا بانیٔ اسلام کے خلاف نہیں نکالا۔

یہ معنی خیز خاموشی۔ حیرت انگیز سکوت۔ اور عبرتناک سراسیمگی اسلام اور خدا کے مسیح موعودؑ کی صداقت پر زبردست دلیل تھی۔ اور اس طرح سے عبد اللہ آتھم کا پندرہ ماہ کا عرصہ گذرنا سعید الفطرت انسانوں کے لئے یقیناً خدا کے زبردست مگر رحم دل ہاتھ کی کرشمہ نمائی کا زبردست ثبوت تھا۔ مگر دین کے دشمنوں نے اس سے فائدہ نہ اٹھایا۔ اور اپنی شرمندگی کو مٹانے کے لئے یہ مشہور کرنا شروع کر دیا۔ کہ عبد اللہ آتھم نے درحقیقت رجوع نہیں کیا تھا۔ اور یہ خدا کے مسیح موعودؑ کی پیشگوئی نعوذ باللہ جھوٹی نکلی خدا کا مسیح موعود ایک دفعہ پھر خدا کی طرف سے حجتِ باہرہ اور دلائل بینہ کی تلوار ہاتھ میں لے کر میدان میں نکلا۔ اور عبد اللہ آتھم ہی کے ذریعہ ایک دوسرے نشان سے صاف اور واضح طور پر اس بات پر مہر ثبت کر دی کہ سچا اور حقیقی دین خدا کے نزدیک اسلام ہی ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے پے در پے اشتہارات شائع کئے کہ اگر

تم لوگ اس دعوئی میں سچے ہو۔ کہ عبد اللہ آتھم نے رجوع نہیں کیا۔ تو تم اسے کہو کہ وہ حلف اٹھا کر کہہ دے۔ کہ میں نے حق کی طرف نہیں کیا۔ اگر اس حلف کے بعد وہ ایک سال تک زندہ رہ جائے تو میں جھوٹا ہوں۔

آپ نے اس پر اکتفا نہیں کیا۔ بلکہ چار ہزار روپیہ کا انعامی اشتہار شائع کیا۔ اور یہ بھی لکھ دیا۔ کہ عبد اللہ آتھم ہرگز قسم نہیں کھائے گا۔ کیونکہ اُس سے زیادہ اس بات کو اور کوئی نہیں جانتا۔ کہ اس نے فی الحقیقت حق کی طرف رجوع کیا۔ لیکن اب اگر آتھم عیسائیوں کے اس قول کی تردید نہ کرے۔ اور نہ قسم کھائے۔ تو بھی وہ عذاب سے بچ نہ سکے گا۔ چنانچہ حضرت تحریر فرماتے ہیں :۔ "اس ہماری تحریر سے کوئی یہ خیال نہ کرے کہ جو ہونا تھا وہ ہو چکا۔ اور آگے کچھ نہیں"۔ (انوار الاسلام صلا)

"اب اگر آتھم صاحب قسم کھالیں۔ تو وعدہ ایک سال قطعی اور یقینی ہے۔ جس کے ساتھ کوئی بھی شرط نہیں۔ اور تقدیر مبرم ہے۔ اور اگر قسم نہ کھائیں۔ تو پھر بھی خدا تعالیٰ ایسے مجرم کو بے سزا نہیں چھوڑیگا۔ جس نے حق کا اخفا کر کے دنیا کو دھوکہ دینا چاہا۔ اور وہ دن نزدیک ہیں دور نہیں"۔ (اشتہار انعامی چار ہزار روپیہ صلا) چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ "وہ دن" جو عبد اللہ آتھم کی سزادہی کے لئے مقرر کیا گیا تھا وہ بہت "نزدیک" تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے آخری اشتہار پر ابھی سات مہینے نہیں گذرے تھے کہ آتھم ۲۷ جولائی ۱۸۹۶ء کو بمقام فیروز پور راہی ملک عدم ہوا۔ خدا تعالیٰ نے آتھم کے ذریعے اسلام اور آنحضرت صلعم کی صداقت پر زندگی

اور موت کے دو نشان ظاہر فرمائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کرنے سے آتھم نے پندرہ ماہ کے عرصہ میں "زندگی" پائی۔ اور اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کے نشان کو چھپانے کے نتیجہ میں اسے "موت" حاصل ہوئی۔ اور اس نشان میں اس بات کی طرف لطیف اشارہ ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت حقیقی زندگی بخشتی ہے۔ اور آپ کی مخالفت ایک موت کا پیالہ ہے۔ جس کا پینے والا روحانی موت سے بچ نہیں سکتا۔ (بقیہ دیکھو ص۱۷۹ پاکٹ بک ہذا)

محمد حسین کی ذلت

مرزا صاحب نے لکھا تھا کہ محمد حسین ذلیل ہوگا۔ یہ پیشگوئی پوری نہ ہوئی۔

الجواب:۔ محمد حسین پر کئی ذلتیں آئیں تفصیل کیلئے دیکھو کتاب "بطالوی کا انجام" مصنفہ جناب میر قاسم علی صاحب۔ اجمالاً یہاں کچھ لکھا جاتا ہے (۱) محمد حسین نے حضرت پر اس وجہ سے فتویٰ کفر لگایا۔ کہ آپ گویا مہدی خونی کے قائل نہیں مگر بعد میں اس نے خود گورنمنٹ سے زمین حاصل کرنے کے لئے بطور خوشامد یہ لکھا کہ کوئی ایسا جنگ اور جہاد کرنے والا مہدی نہیں آئے گا۔ اور یہ کہ اس مہدی کے بارے میں جس قدر حدیثیں ہیں۔ سب موضوع اور ضعیف ہیں۔ چنانچہ اس نے ۱۴ اکتوبر ۱۸۹۸ء کو ایک انگریزی فہرست شائع کی جس میں مہدی کی آمد کا انکار کیا۔ اسپر غیر احمدی علماء سے حضرت نے مہدی خونی کے منکر کے متعلق فتویٰ کفر حاصل کر لیا۔ پس محمد حسین اپنی مسلمات کی رو سے ذلیل ہوا (تفصیل دیکھو حضرت مسیح موعودؑ کا اشتہار ۲۷ جنوری ۱۸۹۹ء) (۲) محمد حسین نے حضرت کے الہام "عجب" و تعجب (تعجب) پر نحوی اعتراض کیا تھا

کہ "عجب" کا صلہ لام نہیں آتا۔ اس کے جواب میں جب حضرت نے احادیث، کتب لغت اور شعراء عرب کے کلام سے "عجب" کے صلہ لام کی مثالیں شائع کیں۔ تو محمد حسین نے خود اپنی غلطی کا اعتراف کیا۔ اور اپنی خفت کو یہ کہکر مٹانا چاہا۔ کہ میں نے کہا تھا۔ کہ قرآن میں "عجب" کا "من" صلہ آیا ہے (الہامات مرزا مصنفہ ثناء اللہ امرتسری صفحہ ۸۳) (۳) محمد حسین نے خونی مہدی کا انکار کر کے گورنمنٹ سے زمین حاصل کی۔ اور بخاری میں ہے۔ کہ جس گھر میں ہل داخل ہو جاتا ہے وہ ذلیل ہو جاتا ہے

عَنْ اَبِی اُمَامَۃَ الْبَاھِلِیِّ قَالَ وَرَاٰی سِکَّۃً وَّشَیْئًا مِنْ اٰلَۃِ الْحَرْثِ فَقَالَ سَمِعْتُ النَّبِیَّ صلعم یَقُوْلُ لَا یَدْخُلُ ھٰذَا بَیْتَ قَوْمٍ اِلَّا اَدْخَلَہُ الذُّلَّ (بخاری کتاب الوکالۃ باب مایحذر من عواقب جلد ۲ صفحہ ۲۱۱ مصری و مشکوٰۃ باب المساقاۃ والمزارعۃ مطبع اصح المطابع صفحہ ۲۵۷) حضرت ابو امام باہلی رضہ سے روایت ہے۔ کہ انہوں نے ہل کا ایک پھل اور کھیتی کرانے کا ایک آلہ دیکھا۔ تو فرمایا کہ میں نے رسول کریم صلعم کو یہ فرماتے سنا ہے۔ کہ یہ جس قوم کے گھر میں داخل ہوتا ہے۔ اس میں ذلت آجاتی ہے۔ محمد حسین بٹالوی کا حاکم اور غیر زمیندار ہو کر "اَخْلَدَ اِلَی الْاَرْضِ" کا مصداق بننا یقیناً حدیث کے الفاظ میں اس کے لئے ذلیل ہونا تھا۔ لیکن حضرت مسیح موعود نے اپنے گھر میں ہل کو "داخل" نہیں کیا۔ بلکہ حضور تو پیدا ہی زمیندار خاندان میں ہوئے تھے۔ کیونکہ آنحضرت صلعم کی پیشگوئی مندرجہ ابوداؤد حارث حراث (ابوداؤد بحوالہ مشکوٰۃ مطبع نظامی دہلی صفحہ ۴۷۱ باب اشراط الساعۃ) والی پوری ہوئی۔ اس لئے آپ کیلئے یہ موجب ذلت نہیں۔

نوٹ:۔ یاد رہے کہ یہاں حدیث میں صرف ان لوگوں کا ذکر ہے۔ جو تجارت یا دوسرے پیشے چھوڑ کر غیر زمینداری سے زمینداری اختیار کرتے ہیں نیز اس زمینداری کا ذکر ہے جو انسان کو دنیاداری میں مشغول کر دے۔

اور اپنے مذہبی عقائد سے منحرف کرائے۔ جیسا کہ محمد حسین کے ساتھ ہوا۔
ورنہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے امام مہدی کو بھی زمیندار قرار دیکر
بتا دیا کہ زمینداری بُرا پیشہ نہیں۔

نَافِلَةً لَّكَ

مرزا صاحب نے پیشگوئی کی تھی کہ ایک اور بیٹا مبارک احمد کے بعد پیدا ہوگا۔
مگر وہ پیدا نہ ہوا۔

الجواب:۔ حضرت نے خود اس الہام کی تشریح فرمادی ہے "چند روز ہوئے
الہام ہوا تھا۔ اِنَّا نُبَشِّرُکَ بِغُلَامٍ نَافِلَةً لَّکَ ممکن ہے کہ اس کی تعبیر
ہو کہ محمود کے ہاں لڑکا پیدا ہو کیونکہ "نافلہ" پوتے کو بھی کہتے ہیں۔ یا بشارت
کسی اور وقت تک موقوف ہو" (الحکم ۱۰ اپریل ۱۹۰۶ء صفحہ) پھر حضرت مسیح موعود
علیہ السلام حقیقۃ الوحی میں فرماتے ہیں۔ "اِنَّا نُبَشِّرُکَ بِغُلَامٍ نَافِلَةً لَّکَ
ہم ایک لڑکے کی تجھے بشارت دیتے ہیں جو تیرا پوتا ہوگا۔ (صفحہ ۹۵) پس وہ نافلہ
جس کی بشارت دی گئی تھی۔ صاحبزادہ حافظ مرزا ناصر احمد صاحب مولوی فاضل
فرزند اکبر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز ہیں (والعلم عند اللہ)
اسی طرح حضرت خلیفۃ المسیح ثانی اور حضور کے بھائیوں کے کئی ایک اور صاحبزادے ہیں
گویا دشمنوں کے ابتر ہونے کے مقابلہ میں حضرت صاحب کو پوتوں تک بشارت دی
گئی۔ (نوٹ:۔ بعض لوگ کہا کرتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے "پسر خامس"
کی بھی پیشگوئی فرمائی تھی۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت کے الہام "نُبَشِّرُکَ بِنَافِلَةٍ
بِخَامِسٍ" (یعنی پسر خامس) سے بھی مراد پوتا ہے۔ (دیکھو حقیقۃ الوحی صفحہ ۲۱۸ و ۲۱۹)

حصّہ سوم

تحریرات پر اعتراضات

شاعر ہونا

قرآن مجید یا ہے۔ "وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِي لَهُ" "وَالشُّعَرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُونَ" - نبی شاعر نہیں ہوتا مرزا صاحب شاعر تھے۔

جواب - بیشک قرآن مجید میں ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم شاعر نہیں ہیں - اور قرآن مجید نے شاعر کی تعریف بھی کردی ہے - فرمایا "أَلَمْ تَرَ أَنَّهُمْ فِي كُلِّ وَادٍ يَهِيمُونَ وَأَنَّهُمْ يَقُولُونَ مَا لَا يَفْعَلُونَ" (الشعراء ۱۱ رکوع) کہ کیا تو نہیں دیکھتا کہ شاعر ہر وادی میں سرگرداں پھرتے ہیں یعنی ہوائی گھوڑے دوڑاتے ہیں - اور جو کچھ وہ کہتے ہیں کرتے نہیں - گویا شاعر وہ ہے۔ (۱) جو ہوائی گھوڑے دوڑائے - خیالی پلاؤ پکائے (۲) اس کے قول و فعل میں مطابقت نہ ہو - فرمایا "وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ" کہ ہم نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو ہوائی گھوڑے دوڑانا اور محض باتیں بنانا نہیں سکھایا - حضرت مسیح موعود علیہ السلام میں بھی دونوں باتیں پائی نہیں جاتیں۔

(۲) لغت میں لکھا ہے: "وقوله تعالىٰ حكاية عن الكفار بل افتراه بل هو شاعر، وقوله شاعر مجنون ... لم يقصدوا هذا المقصد فيما رموه به وذلك انه ظاهر من الكلام انه ليس على اساليب الشعر ولا يخفى ذالك على الاغتام فضلاً عن بلغاء

الْعَرَبِ وَاِنَّمَا رَمَوْهُ بِالْكَذِبِ فَاِنَّ الشِّعْرَ يُعَبَّرُ بِهٖ عَنِ الْكَذِبِ وَالشَّاعِرُ
الْكَاذِبِ ..... قِيْلَ اَحْسَنُ الشِّعْرِ اَكْذَبُهٗ - (مفردات راغب ص ۲۶۲
و ص ۲۶۳) کہ قرآن مجید میں جو یہ آتا ہے - کہ کافر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم
کو ..... شاعر اور مجنون کہتے ہیں - اس سے مراد یہ نہیں کہ کلام موزوں
کہنا نہیں تھی بلکہ جس بات کا آنحضرت پر اعتراض کیا جاتا تھا - وہ اور تھی - ورنہ
قرآن کا نثر ہونا تو ایسی بات ہے کہ کلام سے خود ہی ظاہر ہے - کہ یہ شعر کی
کی طرز پر نہیں - اور یہ امر ایک عام آدمی پر بھی مخفی نہیں رہ سکتا چہ جائیکہ بلغاء
عرب نثر اور نظم میں تمیز نہ کر سکتے ہوں - پس اصل بات یہ ہے کہ انہوں نے
آنحضرت صلعم پر جھوٹ بولنے کا حملہ کیا تھا - کیونکہ شعر سے مراد جھوٹ لی
جاتی ہے - اور شاعر کے معنی ہیں "کاذب" (جھوٹا) عربی ضرب المثل ہے - کہ
سب سے اچھا شعر وہ ہے جس میں سب سے زیادہ جھوٹ ہو - (۲) منطق کے
امام علامہ شریف کہتے ہیں - وَالشِّعْرُ ..... اِنَّ مَدَارَهٗ عَلَى الْاَكَاذِيْبِ
وَمِنْ ثَمَّةَ قِيْلَ اَحْسَنُ الشِّعْرِ اَكْذَبُهٗ" - (الحاشیۃ الکبریٰ علی شرح المطالع
ص ۲۲ مصری) کہ شعر کا مدار جھوٹ پر ہوتا ہے - اور ضرب المثل میں ہے کہ سب
سے اچھا شعر وہ ہے - جس میں بہت جھوٹ ہو -

تیسرا جواب - قرآن مجید میں ہے "وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ" کہ ہم نے
آنحضرت صلعم کو شعر نہیں سکھایا - اب اگر "شعر" سے مراد کلام موزوں لیا جائے - تو
یہ غلط ہے - کیونکہ قرآن جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سکھایا گیا ہے اس میں
کلام موزوں ہے - جیسا کہ یہ آیت: - جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ - اِنَّ
الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا - (۲) حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

نے جنگِ حنین کے موقعہ پر فرمایا ؎

أَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبْ   أَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ

(بخاری کتاب المغازی باب قول اللہ تعالیٰ ویوم حنین جلد ۳ صفحہ ۲۱ مصری) کہ میں نبی ہوں جھوٹا نہیں۔ اور میں عبد المطلب کا بیٹا ہوں۔ اب وزن کے لحاظ سے یہ بحرِ رجز محذوف ہے۔ اور قافیہ بھی ملتا ہے (۳) پھر حدیث میں ہے کہ ایک جنگ کے موقعہ پر جب آنحضرت کی انگلی پر زخم آگیا تو آپ نے اس انگلی کو مخاطب کر کے یہ شعر پڑھا ؎

هَلْ أَنْتِ إِلَّا إِصْبَعٌ دَمِيْتِ   وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَا لَقِيْتِ

(بخاری کتاب الجہاد والسیر باب من ینکب فی سبیل اللہ جلد ۲ صفحہ ۸۶ مصری) کہ سوائے اس کے نہیں کہ تو ایک انگلی ہے جس میں سے کہ خون بہہ رہا ہے۔ اور یہ جو کچھ تجھے ہوا خدا کی راہ میں ہوا ہے۔ اب یہ بھی کلام موزون ہے۔ پس اگر شعر سے مراد کلام موزون لیا جائے تو یہ بالبداہت باطل ہے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ علیہ وآلہ وسلم پر اس کی زد پڑتی ہے۔ پس ثابت ہوا کہ شعر سے مراد جھوٹ ہی ہے۔ پس نفس شعر بلحاظ کلام موزون کے بُری چیز نہیں۔ ورنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شعر نہ کہتے اور نہ پڑھتے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا ہے ؎

کچھ شعر و شاعری سے اپنا نہیں تعلق   اس ڈھب سے کوئی سمجھے بس مدعا یہی ہے

نیز حضرت کا الہام ہے "در کلام تو چیزے ست کہ شعرا را دراں دخلے نیست"

غلط حوالے اور جھوٹ کے الزامات

مرزا صاحب نے اپنی کتابوں میں بعض حوالے غلط دیئے ہیں۔ مثلاً "ھٰذا خلیفۃ اللہ المہدی" بخاری میں نہیں ہے۔

الجواب:- نبی کو سہو اور نسیان سے پاک نہیں مانتے۔ (۱) قرآن میں ہے۔ نَسِیَ اٰدَمُ کہ آدم بھول گیا۔ نیز حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق نَسِیَا حُوْتَہُمَا کہ وہ مچھلی بھول گئے اور آگے لکھا ہے کہ شیطان نے انہیں بھلا دیا۔ خود آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے۔ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ۔ نیز اُخْطِئُ وَاُصِیْبُ" (نبراس شرح الشرح لعقائد نسفی ص۳۱۲) کہ میں بھی تمہاری طرح انسان ہوں۔ بعض دفعہ خطا کرتا ہوں۔ (۲) بخاری میں ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دفعہ عشاء یا عصر کی نماز پڑھائی اور دو رکعتیں پڑھ کر سلام پھیر دیا۔ وَرَجُلٌ یَدْعُوْہُ النَّبِیُّ صلعم ذُوالْیَدَیْنِ فَقَالَ اَنَسِیْتَ اَمْ قُصِرَتْ فَقَالَ لَمْ اَنْسَ وَلَمْ تُقْصَرْ قَالَ بَلٰی قَدْ نَسِیْتَ فَصَلّٰی رَکْعَتَیْنِ۔ دوسری روایت میں ہے۔ فَقَالَ اَکَمَا یَقُوْلُ ذُوالْیَدَیْنِ۔ فَقَالُوْا نَعَمْ فَتَقَدَّمَ فَصَلّٰی مَا تَرَکَ۔" (بخاری کتاب الصلوٰۃ باب من یکبر فی السجدۃ السہو جلد۱ ص۱۴۱ و باب تشبیک الاصابع جلد۱ ص۶۴ مصری۔) کہ ایک شخص وہاں موجود تھا جس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ذوالیدین کے نام سے پکارا کرتے تھے۔ اس نے آنحضرت صلعم سے پوچھا کہ کیا آپ بھول گئے ہیں۔ یا نماز قصر کر کے حضور نے پڑھی ہے؟ آنحضرتؐ نے جواب دیا کہ نہ تو میں بھولا ہوں۔ اور نہ نماز قصر کی گئی ہے۔ اس پر اس صحابی رضؓ نے جواب دیا کہ حضور بھول گئے ہیں۔ دوسری روایت میں ہے۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے باقی صحابہ سے پوچھا کہ کیا ذوالیدین ٹھیک کہتا ہے تو سب نے جواب دیا کہ ہاں وہ ٹھیک کہتا ہے۔ پس آنحضرت صلعم قبلہ رو کھڑے ہوئے اور دو رکعتیں جو آپ نے چھوڑ دی تھیں پڑھیں

اور بعد میں سجدہ سہو بھی کیا۔ (نیز دیکھو صحیح مسلم جلد ا صفحہ ۲۱۵) اب کیا آنحضرت صلعم کے قول لَمْ اَنْسَ وَلَمْ تُقْصَرْ کو کوئی شخص جھوٹ قرار دیسکتا ہرگز نہیں (۲) صحیح ترمذی کتاب المناقب میں ہے۔ عَنْ اُبَیِّ بْنِ کَعْبٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلعم قَالَ لِیْ اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی اَمَرَنِیْ اَنْ اَقْرَءَ عَلَیْکَ الْقُرْاٰنَ فَقَرَءَ عَلَیْہِ لَمْ یَکُنِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا۔ وَقَرَءَ فِیْہَا اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْحَنِیْفِیَّۃُ الْمُسْلِمَۃُ وَلَا الْیَھُوْدِیَّۃُ وَلَا النَّصْرَانِیَّۃُ وَلَا الْمَجُوْسِیَّۃُ وَمَنْ یَّعْمَلْ خَیْرًا فَلَنْ یُّکْفَرَہٗ وَلَوْ کَانَ لِاِبْنِ اٰدَمَ وَادِیًا مِّنْ مَّالٍ لَابْتَغٰی اِلَیْہِ ثَانِیًا وَلَوْ کَانَ لَہٗ ثَانِیًا لَابْتَغٰی اِلَیْہِ ثَالِثًا وَلَا یَمْلَأُ جَوْفَ ابْنِ اٰدَمَ اِلَّا التُّرَابُ وَیَتُوْبُ اللّٰہُ عَلٰی مَنْ تَابَ اِلَی اللّٰہِ ھٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ صَحِیْحٌ (ترمذی باب المناقب ابی ابن کعب جلد ۲ صفحہ ۲۲۹ مجتبائی) کہ حضرت ابی ابن کعب فرماتے ہیں کہ ایک دن آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے مجھے فرمایا کہ خدا تعالےٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تجھ کو قرآن پڑھ کے سناؤں۔ چنانچہ آنحضرت صلعم نے لَمْ یَکُنِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا والی سورت پڑھی۔ اور اس میں یہ بھی پڑھا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں دین صرف خالص اسلام ہے۔ نہ یہودیت نہ نصرانیت اور نہ مجوسیت۔ پس جو اچھا کام کرے۔ اس کو نقصان نہیں پہنچیگا۔ اور اگر بنی آدم (انسان) کے لئے ایک وادی مال و دولت سے بھری ہوتی۔ تو ضرور وہ ایک۔ دوسری وادی چاہتا۔ اور اگر اس کو دوسری وادی بھی مل جاتی۔ تو وہ تیسری کی تلاش کرتا۔ اور انسان کے پیٹ کو سوا۔ ئے مٹی کے اور کوئی چیز نہیں بھر سکتی۔ اور خدا تعالیٰ توبہ کرنیوالوں کی توبہ قبول کرتا ہے"۔ اور یہ حدیث صحیح ہے۔ اب اس حدیث سے یہ پتہ چلتا ہے کہ آنحضرت صلعم نے اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ

اللّٰہِ الْحَنِیْفِیَّۃُ الْمُسْلِمَۃُ اِلَی الْاٰخِرْ کو قرآن مجید لَمْ یَکُنِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا
والی سورت کی آیات قرار دیا ہے۔ ذرا کوئی مولوی صاحب لَمْ یَکُنِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا
والی سورت میں تو کجا سارے قرآن میں سے کسی جگہ سے نکال کر دکھا دیں۔

نوٹ:۔ (۱) یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ آیات "منسوخ ہو گئی ہیں۔ کیونکہ یہ بات کہ خدا کے نزدیک دین حنفیۃ المسلمہ ہے۔ اور یہ کہ انسان بڑا حریص ہے وغیرہ یہ سب اخبار ہیں نہ کہ احکام۔ اور اس پر سب غیر احمدی علماء کا اتفاق ہے کہ اخبار میں نسخ جائز نہیں۔ (۲) کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ اب خدا کے نزدیک دین "حنیفۃ المسلمہ" نہیں بلکہ یہودیت اور نصرانیت ہو گیا ہے۔ (۳) ان آیات کی ناسخ کونسی آیت ہے جس کی وجہ سے آیات منسوخ ہو گئی ہیں۔ یاد رکھنا چاہئے کہ حدیث مذکورہ بالا میں لفظ قَرَءَ فِیْھَا ہے یعنی آنحضرت صلعم نے اس سورت میں یہ عبارت پڑھی تھی۔ اس کو سورت کی تفسیر قرار نہیں دیا جا سکتا۔ ورنہ قال فیہا کہنا چاہئے تھا۔

(۵) علامہ سعد الدین تفتازانی (۱) خسرو۔ ملا عبد الحکیم ان تینوں نے لکھا ہے کہ حدیث یَکْثُرُ لَکُمُ الْاَحَادِیْثُ بَعْدِیْ بخاری میں ہے۔ حالانکہ یہ حدیث موجودہ بخاری میں نہیں ہے۔ (توضیح شرح تلویح جلد ۱ صفحہ ۳۲) اسی طرح سے حدیث خَیْرُ السُّوْدَانِ ثَلَاثَۃٌ لُقْمَانُ وَبِلَالٌ وَمِھْجَعٌ مَوْلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صلعم رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ فِیْ صَحِیْحِہٖ عَنْ وَاثِلَۃَ ابْنِ الْاَسْقَعِ مَرْفُوْعًا کَذَا ذَکَرَہُ ابْنُ الرَّبِیْعِ لٰکِنْ قَوْلُ الْبُخَارِیِّ سَھْوٌ وَ تَغْیِیْرٌ اِمَّا مِنَ النَّاقِلِ اَوْ مِنَ الْمُصَنِّفِ فَاِنَّ الْحَدِیْثَ لَیْسَ فِی الْبُخَارِیِّ (موضوعات کبیر صفحہ ۴۲) کہ حدیث سوڈان کے بہترین آدمی تین ہیں۔ یعنی (۱) لقمان (۲) بلال (۳) مہجع۔ جو آنحضرت کے غلام تھے"۔ یہ حدیث بخاری میں واثلہ بن الاسقع سے مرفوعاً مروی ہے۔ حضرت ملا قاری فرماتے ہیں کہ علامہ ابن ربیع کا یہ کہنا کہ یہ حدیث بخاری میں ہے یا تو

مصنف کا سہو قلم ہے اور یا کاتب کا۔ کیونکہ یہ حدیث بخاری میں نہیں ہے۔ وہ مولوی جو ھذا خلیفۃ اللہ المہدیؒ والی حدیث کے بخاری میں سے نہ ملنے پر حضرت مسیح موعودؑ پر کاذب ہونے کا الزام لگاتے ہیں۔ گیا وہ اپنے علامہ تفتازانی ملا خسرو۔ ملا عبد الحکیم اور علامہ ابن الربیع کو بھی کاذب" کہینگے۔ (۶) امام بیہقی کی کتاب الاسماء والصفات میں لکھا ہے کہ کَیْفَ اَنْتُمْ اِذَا نَزَلَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ فِیْکُمْ مِنَ السَّمَآءِ وَاِمَامُکُمْ مِنْکُمْ رَوَاہُ الْبُخَارِیْ" کہ بخاری میں ہے کہ کَیْفَ اَنْتُمْ اِذَا نَزَلَ ..... مِنَ السَّمَآءِ" حالانکہ بخاری میں قطعاً مِنَ السَّمَآءِ کا لفظ نہیں۔ (ھٰذَا خَلِیْفَۃُ اللّٰہِ الْمَہْدِیُّ) حضرت مسیح موعودؑ کی کتاب شہادت القرآن میں جو یہ لکھا ہے۔ کہ یہ حدیث بخاری میں ہے۔ اس کے متعلق بھی ہم وہی جواب دیتے ہیں۔ جو حضرت ملا قاری نے امام ابن الربیعؒ کی طرف سے دیا تھا" دیکھی قَوْلُ الْبُخَارِیْ نَسْھُوْ قَلَمٍ اِمَّا مِنَ النَّاقِلِ اَوْ مِنَ الْمُصَنِّفِ" کہ یہ قول کہ یہ حدیث بخاری میں ہے یا تو سہو کتابت ہے یا سبقت قلم مصنفؒ۔ ورنہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ازالہ اوہام میں صاف طور پر فرما دیا ہے" اور میں کہتا ہوں کہ مہدی کی خبریں ضعف سے خالی نہیں ہیں۔ اس وجہ سے امامین حدیث (بخاری ومسلم منہ نادم) نے ان کو نہیں لیا" (ازالہ اوہام ص۲۱۵ طبع سوم وحمامۃ البشریٰ ص۳۵) گویا بخاری ومسلم میں مہدی کے متعلق کوئی حدیث نہیں ہے۔ اور ظاہر ہے۔ کہ ھٰذَا خَلِیْفَۃُ اللّٰہِ الْمَہْدِیُّ (آسمان سے آواز آنا کہ یہ خدا کا خلیفہ مہدی ہے) بہرحال مہدی کے متعلق ہے۔ پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اپنے صاف بیان کے مطابق یہ حدیث بخاری میں نہیں ہاں یہ حدیث اسی طرح صحیح ہے۔ جس طرح بخاری کی دوسری احادیث۔ کیونکہ کتنا ذکر اس کا

السیوطی فی الزوائد ھذا اسناد صحیح رجالہ ثقات و رواہ الحاکم فی المستدرک وقال صحیح علی شرط الشیخین" (ابن ماجہ جلد ۲ صفحہ ۲۶۹ حاشیہ مطبوعہ مصر) کہ حدیث "ھذا خلیفۃ المھدی" کو سیوطی نے بھی ذکر کیا ہے اور زوائد میں ہے۔ کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔ اس کو امام حاکم نے مستدرک میں درج کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث بخاری اور مسلم کی شرائط کے مطابق بھی صحیح ہے۔ نیز یہ حدیث ابو نعیم اور تلخیص المتشابہ و حجج الکرامہ صفحہ ۳۶۶ پر درج ہے۔ بھلا تم لوگ بھی حضرت مسیح موعود پر جھوٹ بولنے کا الزام لگا سکتے ہو۔ جو حضرت ابراہیم علیہ السلام جن کو تم بھی نبی مانتے ہو اور جن کے متعلق قرآن مجید میں ہے۔ "صدیقا نبیا" کہ وہ سچ بولنے والے نبی تھے۔ تم ان کے متعلق بھی یہ کہتے اور مانتے ہو کہ انہوں نے تین جھوٹ بولے (۱) بخاری میں ہے۔ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلعم لم یکذب ابراھیم الا ثلاثا..... عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال لم یکذب ابراھیم علیہ السلام الا ثلاث کذبات"۔ (بخاری کتاب بدء الخلق باب قول اللہ تعالیٰ واتخذ اللہ ابراھیم خلیلا جلد ۲ صفحہ ۱۴۹ مطبوعہ مطبع الہیہ و مشکوٰۃ مطبع نظامی صفحہ ۴۳۱ باب بدء الخلق و ذکر الانبیاء علیہم السلام نیز مسلم جلد ۲ صفحہ ۲۳۵ کتاب الفضائل باب فضل ابراہیم خلیل اللہ مطبوعہ مطبعۃ العامرہ و مشکوٰۃ مطبع حیدری صفحہ ۴۹۱) کہ حضرت ابو ہریرہ رض سے روایت ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ حضرت ابراہیم نے کبھی جھوٹ نہیں بولا مگر تین مرتبہ اور حضرت ابو ہریرہ رض فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم نے کبھی جھوٹ نہ بولا مگر تین جھوٹ۔ (۲) صحیح ترمذی میں ہے۔ عن ابی ھریرۃ رض قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

لَمْ يَكْذِبْ اِبْرَاهِيْمُ فِيْ شَيْئٍ اِلَّا فِيْ ثَلَاثٍ قَوْلُهٗ اِنِّيْ سَقِيْمٌ وَلَمْ يَكُنْ سَقِيْمًا وَقَوْلُهٗ بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا وَقَوْلُهٗ لِسَارَةَ اُخْتِيْ …. هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ - (ترمذی کتاب التفسیر سورہ انبیاء جلد ۲ صفحہ ۱۴۶ مجتبائی و ص ۱۶۳ مطبع احمدی) کہ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ ابراہیمؑ نے کبھی کسی چیز میں جھوٹ نہ بولا مگر صرف تین موقعوں پر۔ ان کا کہنا کہ میں بیمار ہوں۔ حالانکہ وہ بیمار نہ تھے۔ پھر ان کا کہنا کہ یہ بت ان کے بڑے بت نے توڑے ہیں۔ اور ان کا اپنی بیوی سارہ کو کہنا کہ یہ میری بہن ہے …. یہ حدیث صحیح ہے۔ (۳) بخاری میں ہے کہ قیامت کے دن جب سخت گھبراہٹ طاری ہوگی۔ اور لوگ بھاگے بھاگے سب انبیاء کے پاس جائینگے کہ وہ ان کی خدا تعالیٰ کے حضور شفاعت کریں تو سب انکار کر دینگے جب وہ لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس جائینگے تو فَيَقُوْلُ لَهُمْ اِنَّ رَبِّيْ غَضِبَ الْيَوْمَ غَضَبًا لَمْ يَغْضَبْ قَبْلَهٗ مِثْلَهٗ وَلَنْ يَغْضَبَ بَعْدَهٗ مِثْلَهٗ وَاِنِّيْ قَدْ كُنْتُ كَذَبْتُ ثَلَاثَ كَذِبَاتٍ فَذَكَرَهُنَّ اَبُوْحَيَّانَ فِي الْحَدِيْثِ نَفْسِيْ نَفْسِيْ اِذْهَبُوْا اِلٰى غَيْرِيْ (بخاری کتاب التفسیر سورہ بنی اسرائیل باب ذریۃ من حملنا مع نوح جلد ۲ ص ۹۳ مصری) حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کو جواب دینگے کہ میرا رب آج سخت غصہ میں ہے۔ ایسے غصے میں کہ اس سے قبل کبھی اتنا غضبناک نہ ہوا تھا۔ اور نہ آج کے بعد کبھی ایسا غضبناک ہوگا۔ اور میں نے تین جھوٹ بولے تھے۔ (ابو حیان نے ایک حدیث میں ان تینوں جھوٹوں کی تفصیل دی ہے) پس مجھے تو اپنے نفس کی فکر ہے۔ تم میرے سوا کسی اور کے پاس جاؤ۔ جس نبی کو قرآن کریم سچا کہتا ہے۔ تم اس کے متعلق کہتے ہو کہ اس نے نعوذ باللہ تین جھوٹ

ہوئے گویا تمہارے نزدیک جھوٹ بولنا معیار صداقت ہے۔ پھر حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر اگر تم اعتراض کرو۔ تو معذور ہو۔

مجھ کو کیا تم سے گلہ ہو جو مرے دشمن ہوئے ٭ جب یونہی کرتے چلے آئے ہو تم پیروں سے

قرآن وحدیث میں طاعون

مرزا صاحب نے لکھا ہے کہ قرآن وحدیث میں طاعون کی پیشگوئی ہے۔ یہ جھوٹ ہے

الجواب:۔ قرآن مجید میں ہے وَاَخْرَجْنَا لَهُمْ دَآبَّةً مِّنَ الْاَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ۔ سورہ نمل رکوع ۶) کہ ہم ان کے لئے زمین سے ایک کیڑا نکالینگے جو ان کو کاٹیگا۔ کیونکہ لوگ خدا کی آیات پر یقین نہیں کرتے تھے۔ تُكَلِّمُهُمْ کے معنے کاٹنے کے ہی ہیں۔ جیسا کہ لغت کی کتاب المنجد میں ہے۔ کَلَمَهٗ كَلْمًا جَرَحَهٗ فَهُوَ كَلِيْمٌ (ض) یعنی کلمہ کے معنی ہیں۔ اس نے اس کو زخم لگایا۔ کَلَّمَهٗ۔ كَلْمًا۔ کلم کے معنی بھی زخم لگانے کے ہیں۔ (۲) بخاری میں ہے۔ عَنِ النَّبِيِّ صلعم قَالَ كُلُّ كَلْمٍ يُكْلَمُهُ الْمُسْلِمُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يَكُوْنُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كَهَيْئَتِهَا" (بخاری کتاب الوضوء باب مَا يَقَعُ مِنَ النَّجَاسَاتِ جلد ۱ صفحہ ۳۷ مصری) کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ ہر ایک زخم جو کسی مسلم کو خدا کی راہ میں لگے قیامت کے دن اپنی اسی حالت میں ہوگا۔ چنانچہ طاعون کا کیڑا انسانوں کو کاٹتا ہے۔ جس سے طاعون ہوتی ہے۔ حدیث صحیح مسلم میں ہے۔ فَيَرْغَبُ نَبِيُّ اللّٰهِ عِيْسٰى وَاَصْحَابُهٗ فَيُرْسِلُ اللّٰهُ عَلَيْهِمُ النَّغَفَ فِيْ رِقَابِهِمْ فَيُصْبِحُوْنَ فَرْسٰى كَمَوْتِ نَفْسٍ وَّاحِدَةٍ (مسلم جلد ۲ کتاب الفتن صفحہ ۴۰۲ مصری باب ذکر صفت الدجال) یعنی خدا کا نبی مسیح موعود اور اس کے صحابی متوجہ ہونگے اور خدا تعالیٰ انکے مخالفوں کے خیموں میں ایک پھوڑا (طاعون) ظاہر کریگا۔ پس وہ صبح

کو ایک آدمی کی موت کی طرح ہو جائینگے (" تنغف" کے معنی پھوڑا اور طاعون)۔ دیکھو عربی ڈکشنری مصنف Lane دس بحار نوار میں ہے:۔ " قدام القائم موتان موت احمر وموت ابیض الموت الاحمر السیف والموت الابیض الطاعون" (بحار الانوار جلد ۱۳ ص۱۵۶) کہ امام مہدی کی علامات میں ہے۔ کہ اس کے سامنے دو قسم کی موتیں ہونگی۔ پہلی سرخ موت اور دوسری سفید موت۔ پس سرخ موت تو تلوار (لڑائی) ہے۔ اور سفید موت طاعون ہے۔ (۲) حوالہ مندرجہ بالا میں جو ہم نے قرآن مجید کی آیت واخرجنا لہم دابۃ من الارض تکلمہم (نمل ع ۶) کا ترجمہ یہ کیا ہے کہ اس زمانہ میں ایک کیڑا نکلیگا جو ان کو کاٹیگا۔ اس کی تائید بحار الانوار کے مندرجہ ذیل حوالہ سے بھی ہوتی ہے:۔ " ثم قال ابو عبد اللہ (امام حسین) وقرء تکلمہم من الکلم وھو الجرح والمراد بہ الوسم" یعنی حضرت امام باقر فرماتے ہیں کہ قرآن مجید کی مندرجہ بالا دابۃ الارض والی آیت کے متعلق حضرت امام حسینؑ نے فرمایا کہ اس آیت میں " تکلمہم" سے مراد یہ ہے کہ وہ کیڑا ان کو کاٹے اور زخم پہنچائیگا۔ (بحار الانوار جلد ۱۳ ص۲۳۲)

خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی کتب میں قرآن مجید کی آیات و احادیث کا حوالہ دیا ہے۔ چنانچہ حضور فرماتے ہیں:۔

خدا تعالیٰ کی کتابوں میں بہت تصریح سے بیان کیا گیا ہے۔ کہ مسیح موعود کے زمانہ میں ضرور طاعون پڑیگی اور اس مری کا انجیل میں بھی ذکر ہے۔ اور قرآن مجید میں بھی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وان من قریۃ الا نحن مہلکوھا قبل یوم القیامۃ او معذبوھا الخ (بنی اسرائیل ع ۶) یعنی کوئی ایسی بستی نہیں ہوگی۔

جس کو ہم کچھ مدت پہلے قیامت سے یعنی آخری زمانہ میں جو مسیح موعود کا زمانہ ہے۔ ہلاک نہ کر دیں۔ یا عذاب میں مبتلا نہ کریں" (نزول المسیح ص۱۸)

(۲) "یہی طاعون ہے۔ اور یہی وہ دابۃ الارض ہے جس کی نسبت قرآن شریف میں وعدہ تھا کہ آخری زمانہ میں ہم اس کو نکالینگے۔ اور وہ لوگوں کو اس لئے کاٹیگا کہ وہ ہمارے نشانوں پر ایمان نہیں لاتے تھے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے" وَاِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَیْهِمْ اَخْرَجْنَا لَهُمْ دَابَّةً مِّنَ الْاَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ اَنَّ النَّاسَ كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا لَا يُوْقِنُوْنَ" اور جب مسیح موعود کے بھیجنے سے حجت الٰہیہ پوری ہو جائیگی تو ہم زمین میں سے ایک جانور نکال کھڑا کرینگے۔ وہ لوگوں کو کاٹیگا اور زخمی کریگا۔ اس لئے کہ لوگ خدا کے نشانوں پر ایمان نہیں لاتے تھے۔

(دیکھو سورۃ النمل الجزو نمبر ۲۰۔ نزول المسیح صفحہ ۳۸)

(۳) یہ جو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا کہ وہ دابۃ الارض یعنی طاعون کا کیڑا زمین میں سے نکلیگا۔ اس میں یہی بھید ہے۔ کہ تا وہ اس بات کی طرف اشارہ کرے کہ وہ اس وقت نکلیگا کہ جب مسلمان اور ان کے علماء زمین کی طرف جھک کر خود دابۃ الارض بن جائینگے۔ ہم اپنی بعض کتابوں میں یہ لکھ آئے ہیں کہ اس زمانہ کے ایسے مولوی اور سجادہ نشین جو متقی نہیں ہیں۔ اور زمین کی طرف جھکے ہوئے ہیں یہ دابۃ الارض ہیں۔ اور اب ہم نے اس رسالہ میں یہ لکھا ہے۔ کہ دابۃ الارض طاعون کا کیڑا ہے۔ ان دونوں بیانوں میں کوئی شخص تناقض نہ سمجھے۔ قرآن شریف ذو المعارف ہے۔ اور کئی وجوہ سے اس کے معنی ہوتے ہیں۔ جو ایک دوسرے کی ضد نہیں" (نزول المسیح ص۴۱)

(۴) یاد رہے کہ اہلسنت کی صحیح مسلم اور دوسری کتابوں اور شیعہ کی کتاب

اکمال الدین میں بتصریح لکھا ہے کہ مسیح موعود کے وقت طاعون پڑے گی۔ بلکہ اکمال الدین جو شیعہ کی بہت معتبر کتاب ہے۔ اس کے صہ ۳۴۸ میں ..... لکھا ہے۔ کہ یہ بھی اس کے ظہور کی نشانی ہے۔ کہ قبل اس کے ذائم ہو۔ یعنی عام طور پر قبول کیا جائے۔ دنیا میں سخت طاعون پڑے گی۔" (نزول المسیح صہ ۱۸)

تورات وانجیل میں طاعون کی پیشگوئی

مرزا صاحب نے لکھا ہے کہ تورات اور انجیل (زکریا ۱۴/۱۲) میں طاعون کی پیشگوئی ہے۔ یہ جھوٹ ہے۔

جواب:۔ جھوٹ نہیں بلکہ تمہاری اپنی بدقسمتی ہے کہ بے وجہ نبی کے منکر ہو گئے ہو۔ انجیل متی کا حوالہ حضرت نے دیا ہے۔ اور یہ حوالہ درست ہے۔ انجیل مطبوعہ ۱۸۵۷ء میں متی ۲۴/۷ پر مذکور ہے کہ مسیح موعود کی ایک نشانی مری کا پڑنا بھی ہے۔ لیکن بعد میں عیسائیوں نے اس کو متی ۲۴/۷ سے نکال دیا ہے۔ یُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ۔ لیکن اگر تم نے مزید تسلی کرنی ہو تو انجیل لوقا ۲۱/۱۱ پر جو ۱۹۲۸ء میں چھپی ہے۔ اس میں بھی موجود ہے۔ جابجا کال اور مری پڑے گی۔" (تفصیل دیکھو زیر عنوان "مسیح کی آمد ثانی کی علامات پاکٹ بک ہذا)

تورات:۔ حضرت مسیح موعودؑ نے تورات میں بھی طاعون کی پیشگوئی کا ذکر کیا ہے (کشتی نوح صہ ۵) چنانچہ اس کے لئے زکریا ۱۴/۱۲ دیکھو۔ اور انگریزی بائیبل میں تو لفظ پلیگ بھی موجود ہے۔

And this shall be the plague wherewith The Lord will smite all the people (زکریا ۱۴/۱۲)

• یعنی یہ پلیگ ہوگی جس سے خدا تعالیٰ خدا کے گھر کے خلاف لڑائی کرنیوالوں کو ہلاک کریگا۔ (نوٹ) (۱) بائیبل کے اس حوالہ میں جو لفظ "پلیگ" استعمال ہوا ہے اس کا ترجمہ طاعون ہی ہے۔ چنانچہ ملاحظہ ہو انگریزی عربی ڈکشنری موسومہ بہ "القاموس العصری انگلیزی عربی مؤلفہ الیاس انطون صفحہ ۴۸۹" جہاں لکھا ہے۔ "طاعون PLAGUE یعنی پلیگ، کے معنی ہیں طاعون۔ (۲) اسی طرح عربی سے انگریزی اور فارسی سے انگریزی ڈکشنریوں میں لفظ "طاعون" کا ترجمہ پلیگ اور PensTilence لکھا ہے۔ اور یہ عجیب بات ہے کہ لفظ پلیگ تو تورات ذکریا ۱۴/۱۲ میں آتا ہے۔ اور لفظ "Penstilence" مسیح کی آمد ثانی کی علامات میں لوقا ۲۱/۱۱ میں ہے (دیکھیے آمد ثانی کی علامات پاکٹ بک ہذا) نیز حضرت نے متی ۲۴/۸ کا حوالہ دیا ہے۔ جو انگریزی انجیل متی ۲۴/۸ میں اب بھی موجود ہے) اور جیسا کہ ثابت ہوا ہر دو لفظوں کا ترجمہ طاعون ہے پس حضرت مسیح موعودؑ نے تو بائیبل کا حوالہ درست دیا ہے۔ ذرا لکھتے ہاتھ "اسمہٗ احمد" (صف ع) اور "النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِیْلِ" کے مطابق تورات اور انجیل سے "احمد" کا نام اور ایک امی نبی" کی پیشگوئی نکال دینا تا کہ تمہیں معلوم ہو کہ انجیل و تورات محرفہ ہے اگر کوئی حوالہ نہ ملے تو یہ مصنف کی غلطی نہیں۔ بلکہ عیسائیوں کی ہوشیاری کا نتیجہ ہے کہ وہ ہر دس سال کے بعد انجیل کو تبدیل کر دیتے ہیں۔ (دیکھیے مضمون تحریف بائیبل پاکٹ بک ہذا)

غلام دستگیر قصوری کا مباہلہ

مرزا صاحب نے لکھا ہے کہ غلام دستگیر قصوری نے بددعا کی تھی۔ یہ جھوٹ ہے۔ اس کے ساتھ کوئی مباہلہ نہ ہوا تھا۔

الجواب: حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے انجام آتھم صفحہ پر جن علماء کو مباہلہ کے لئے مقابل پر بلایا ہے۔ اور اپنی طرف سے ان کے لئے بددعا کردی ہے۔ ان میں مولوی غلام دستگیر قصوری کا بھی نام ہے۔ (انجام آتھم صفحہ) اس کے بالمقابل ان میں سے جو شخص بھی بددعا کر دیگا۔ اس کا مباہلہ حضرت کے ساتھ متحقق ہو جائیگا۔ چنانچہ مولوی غلام دستگیر قصوری نے بددعا کی۔ "اَللّٰھُمَّ یَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ یَا مَالِکَ الْمُلْکِ۔ جیسا کہ تو نے ایک عالم ربانی حضرت محمد طاہر مؤلف مجمع بحار الانوار کی دعا اور سعی سے اس مہدی کاذب اور جعلی مسیح کا بیڑا غرق کیا۔ (جو ان کے زمانہ میں پیدا ہوا تھا) ویسا ہی دعا اور التجا اس فقیر قصوری کی ہے۔ جو سچے دل سے تیرے دینِ متین کی تائید میں حتی الوسع ساعی ہے۔ کہ تو مرزا قادیانی اور اس کے حواریوں کو توبہ نصوح کی توفیق عطا فرما۔ اور اگر یہ مقدر نہیں۔ تو ان کو مورد اس آیت قرآنی کا بنا۔ فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔ اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ وَبِالْاِجَابَةِ جَدِیْرٌ تَبًّا لَّهٗ وَلِاَتْبَاعِہٖ"

(مولفہ غلام دستگیر قصوری صفحہ ۲۶، ۲۷ نیز حقیقۃ الوحی صفحہ ۳۴۱)

مولوی محمد اسمٰعیل علیگڑھی کی بددعا

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے حقیقۃ الوحی صفحہ ۳۴۲ حاشیہ پر لکھا ہے "مولوی اسمٰعیل نے اپنے ایک رسالہ میں میری موت کے لئے بددعا کی تھی پھر بعد اس بددعا کے جلد مر گیا۔ اور اس کی بددعا اسی پر پڑ گئی۔"

جواب :- تم نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے کیوں یہ حوالہ طلب کیا؟ جس سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ تم کو اصل بات کا علم ہے۔ بات یہ تھی کہ علی گڑھی نے ایک لکھی۔ جس میں یہ بددعا تھی! ابھی وہ کتاب چھپ رہی تھی کہ علی گڑھی مرگیا۔ مولویوں نے اسکی کتاب میں سے وہ سب بددعائیں نکالڈالیں تاکہ حضرت مسیح موعودؑ کی صداقت پر گواہ نہ بن جائے۔ وہ کتاب جو ابھی زیر طباعت تھی۔ مولوی عبداللہ صاحب سنوری نے دیکھی تھی۔ اور انہوں نے اس کے متعلق شہادت بھی دی تھی کہ اس کتاب کا سائز "فتح اسلام" (مؤلفہ حضرت مسیح موعودؑ) کا سائز تھا۔ اگر اس نے کوئی ایسی بددعا نہ کی تھی۔ تو تم نے حضرت مسیح موعود سے کیوں حوالہ نہ مانگا۔ تمہاری تحریف کی تو یہ حالت ہے۔ کہ شرح فقہ اکبر مطبوعہ مصر کے صفحہ ۹۹ پر "لَوْ کَانَ مُوْسٰی حَیًّا" کردیا ہے۔ تاکہ کسی طرح عیسیٰ علیہ السلام کی وفات ثابت نہ ہو۔ ع

کچھ تو لوگو خدا سے شرماؤ

حدیث سو سال کے بعد قیامت آجائیگی اس کا حوالہ دو!

جواب :- یہ حدیث متعدد کتب حدیث میں ہے:۔ (۱) "عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ لَمَّا رَجَعْنَا مِنْ تَبُوْکَ سَأَلَ رَجُلٌ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلعم فَقَالَ مَتَی السَّاعَۃُ فَقَالَ لَا یَاْتِیْ عَلَی النَّاسِ مَائَۃُ سَنَۃٍ وَعَلٰی ظَھْرِ الْاَرْضِ نَفْسٌ مَنْفُوْسَۃٌ اَلْیَوْمَ" (معجم صغیر طبرانی صفحہ ۱۵ مطبوعہ مطبع انصاری دہلی)۔ ابو سعید کہتے ہیں کہ جب ہم جنگ تبوک سے واپس آئے تو ایک شخص نے آنحضرت صلعم سے دریافت کیا کہ قیامت کب ہوگی۔

حضور صلعم نے فرمایا کہ تمام بنی آدم پر سو سال نہ گذرے گا۔ مگر آج کے زندوں میں سے ایک بھی روئے زمین پر نہ ہوگا۔ یاد رہے کہ سائل کا سوال قیامت کے متعلق ہے۔ (۲) فَقَالَ اَرَأَیْتَکُمْ لَیْلَتَکُمْ ھٰذِہٖ عَلٰی رَأْسِ مِائَۃِ سَنَۃٍ مِنْھَا لَا یَبْقٰی مِمَّنْ ھُوَ عَلٰی ظَھْرِ الْاَرْضِ اَحَدٌ " (ترمذی کتاب الفتن جلد ۲ ص ۴۹) آنحضرتؐ نے فرمایا کہ آج کی اس رات سے سو سال نہ گزریگا کہ روئے زمین کے موجودہ زندوں میں سے کوئی باقی نہ رہیگا۔

(۳) اس حدیث پر یہ حاشیہ لکھا ہے " اِنَّ الْغَالِبَ عَلٰی اَعْمَارِھِمْ اَنْ لَّا یَتَجَاوَزَ ذَالِکَ الْاَمْرَ الَّذِیْ اَشَارَ اِلَیْہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَیَکُوْنُ قِیَامَۃُ اَھْلِ ذَالِکَ الْعَصْرِ قَدْ قَامَتْ " (ترمذی ابواب الفتن حاشیہ جلد ۲ ص مجتبائی) کہ ان کی عمر کے لئے غالب امر یہی تھا کہ وہ اس مدت سے جس کی تعیین آنحضرت صلعم نے کی تھی۔ تجاوز نہ کریں۔ پس اس زمانہ کے تمام لوگوں پر قیامت آگئی۔

(۴) صحیح مسلم میں ہے " مَا مِنْ نَفْسٍ مَنْفُوْسَۃٍ الْیَوْمَ یَاْتِیْ عَلَیْھَا مِائَۃُ سَنَۃٍ وَھِیَ حَیَّۃٌ " (کنز العمال جلد ۶ ص ۱۲۰ و مسلم کتاب الفتن) یعنی سو سال نہیں گزریگا کہ آج کے زندوں میں سے کوئی بھی زندہ جان باقی ہو"

(۵) مولوی ثناء اللہ امرتسری لکھتا ہے "آنحضرت فداہ امی و ابی نے فوت ہوتے وقت فرمایا تھا۔ کہ جو جاندار زمین پر ہیں۔ آج سے سو سال تک کوئی بھی زندہ نہ رہے گا" (تفسیر ثنائی جلد ۲ ص ۱۰۵)

"دجال" یا "رجال"؟

اعتراض:۔ مرزا صاحب نے " یَخْرُجُ فِیْ اٰخِرِ الزَّمَانِ دَجَّالُوْنَ یَخْتِلُوْنَ الدُّنْیَا بِالدِّیْنِ" کو حدیث قرار دیا ہے۔ اور یہ دجّال نہیں۔ بلکہ " رجال" " ر" کے ساتھ ہے۔

الجواب:۔ یہ "دجّال" " دال" کے ساتھ ہی ہے۔ چنانچہ کنز العمال جلد ۷ صہ مطبوعہ دائرۃ المعارف نظامیہ حیدر آباد دکن میں " دال" ہی کے ساتھ ہے۔ (۲) قلمی نسخہ میں بھی " دال" ہی کے ساتھ ہے۔ چنانچہ مولینا مخدوم بیگ صاحب نائب شیخ الحدیث لکھتے ہیں " جلد سابع صہ یَخْرُجُ فِیْ اٰخِرِ الزَّمَانِ دَجَّالُوْنَ یَخْتِلُوْنَ الدُّنْیَا بِالدِّیْنِ الخ عن ابی ھریرۃ قلمی نسخہ میں دجّال بِالدّال صاف طور پر لکھا ہے۔ مخدوم بیگ عفی عنہ مدرس مدرسہ نظامیہ منقول از تجلیاتِ رحمانیہ صہ ۹۲)

قرآنی پیشگوئی دربارہ تکفیر مسیح موعودؑ

بعض غیر احمدی مولوی یہ اعتراض کیا کرتے ہیں کہ حضرت مسیح موعودؑ نے تحریر فرمایا ہے کہ قرآن مجید میں یہ پیشگوئی ہے کہ جب مسیح موعودؑ آئے گا تو اس پر کفر کا فتویٰ لگایا جائیگا۔ یہ جھوٹ ہے۔

الجواب: حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جن آیات قرآنی سے استنباط فرما کر یہ تحریر فرمایا ہے کہ مسیح موعودؑ پر کفر کا فتویٰ لگیگا۔ حضورؑ نے اپنی تحریرات میں ان آیات کا حوالہ بھی دیا ہے۔

(۱) "قرآن نے بہت سی امثال بیان کر کے ہمارے ذہن نشین کر دیا ہے کہ وضع عالم دَوری ہے۔ اور نیکوں اور بدوں کی جماعتیں ہمیشہ بروزی طور پر دُنیا میں آتی رہتی ہیں۔ وہ یہودی جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے وقت میں موجود تھے۔ خدا نے دُعاء غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ سکھلا کر اشارہ فرما دیا۔ کہ وہ بروزی طور پر اس اُمت میں بھی آنے والے ہیں۔ تاکہ بروزی طور پر وہ بھی اس مسیح موعود کو جو اس امت میں بروزی طور پر آنے والا ہے۔ ایذا دیں۔" (تریاق القلوب تقطیع کلاں ص۱۵۹ و مطبوعہ ۱۹۲۲ء ص۳۸۳)۔

(۲) "وَمَنْ کَفَرَ بَعْدَ ذَالِکَ فَاُولٰئِکَ ھُمُ الْفَاسِقُوْنَ (نور ع ۷) پس اس آیت سے سمجھا جاتا ہے۔ کہ مسیح موعودؑ کی بھی تکفیر ہوگی۔ کیونکہ وہ خلافت کے آخری نقطہ پر ہے۔" (تحفہ گولڑویہ حاشیہ ص۹۹)

(۳) نیز دیکھو تحفہ گولڑویہ صفحہ ۱۰۸ و ۱۰۹ و ۲۲۶)

(۴) مفصل و مزید بحث دیکھو پاکٹ بک ہذا ص۱۰۴۸ پر۔

مفتری جلد پکڑا جاتا ہے

اعتراض:۔ حضرت نے لکھا ہے۔ "دیکھو خدا تعالیٰ قرآن کریم میں صاف فرماتا ہے کہ جو میرے پر افترا کرتے ہیں۔ اس سے بڑھ کر کوئی ظالم نہیں اور میں جلد مفتری کو پکڑتا ہوں۔" . . . حالانکہ قرآن پاک میں کہیں نہیں لکھا کہ میں مفتری کو جلد ہلاک کرتا ہوں۔ بلکہ اسکے الٹ ہے۔ "اِنَّ الَّذِیْنَ یَفْتَرُوْنَ عَلَی اللّٰہِ الْکَذِبَ لَا یُفْلِحُوْنَ مَتَاعٌ فِی الدُّنْیَا۔" (محمدیہ پاکٹ بک ص۱۶۳)

الجواب :- (۱) اِفترا عَلَى اللّٰہِ کرنیوالے کو پکڑنے کے متعلق الٰہی قانون پر ہم نے مفصل بحث صداقت حضرت مسیح موعودؑ کی دوسری دلیل کے ضمن میں کر دی ہے۔ (دیکھو پاکٹ بک ہذا صــــ)

(۲) مگر اس جگہ جو آیت تم نے پیش کی ہے۔ اسکے مفہوم کے متعلق کچھ عرض کیا جاتا ہے :-

"مَتَاعٌ فِی الدُّنْیَا" سے مُراد مُعترض نے غالباً "لمبی مہلت" لی ہے۔ تبھی تو اس کو "جلد پکڑے جانے" کے "اُلٹ" قرار دیا ہے۔ حالانکہ یہ قطعاً غلط ہے۔ تم خود اپنی محمدیہ پاکٹ بک صــ۲۷۲ پر اپنے ہاتھ کاٹ چکے ہو۔ جہاں پر قرآن مجید کی مندرجہ ذیل آیت نقل کی ہے :-

"اِنَّ الَّذِیْنَ یَفْتَرُوْنَ عَلَی اللّٰہِ الْکَذِبَ لَا یُفْلِحُوْنَ مَتَاعٌ قَلِیْلٌ وَّلَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ" (نحل ع ۱۵) اور خود ہی یہ ترجمہ بھی کیا ہے۔ "تحقیق مفتری نجات نہیں پائیں گے۔ اُنہیں نفع تھوڑا ہے۔ عذاب دردناک" گویا پہلی آیت میں جو حرف "مَتَاعٌ" کا لفظ تھا جس سے تم نے مغالطہ دینا چاہا تھا کہ گویا مُفتری کو لمبی مہلت ملتی ہے۔ اس آیت نے صاف کر دیا۔ کہ "مَتَاعٌ قَلِیْلٌ" کہ لمبی مہلت نہیں بلکہ "تھوڑی مہلت" ملتی ہے۔

ہاں تمہارا یہ کہنا کہ ۲۳ برس کی مہلت کو "جلد" کیونکر قرار دیا جاتا ہے۔ اور کیا ۲۳ سال کا "جلد" ہوتا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ۲۳ برس تو زیادہ سے زیادہ مُہلت ہے۔ جس تک کسی صورت میں

بھی کوئی مفتری نہیں بچ سکتا۔ اور سچے کے لئے کوئی حد مقرر نہیں۔ خواہ سو سال جیئے۔ مگر ہاں بعض دفعہ ۲۳ سال کیا ۱۴۰۰ سال کا بھی جلد ہوا کرتا ہے۔ ملاحظہ ہو:۔

(۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "اَنَا وَالسَّاعَۃُ کَھَاتَیْنِ" کہ میں اور قیامت اس طرح ہیں جس طرح دو جڑی ہوئی انگلیاں۔ مگر ۱۳۶۵ سال گزر گئے۔ ابھی تک وہ "جلد" ختم نہیں ہوا۔

(۲) ہاں سنو! قرآن مجید میں ہے۔ "اِقْتَرَبَتِ السَّاعَۃُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ" کہ قیامت "قریب" آگئی۔ اور چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ ۱۴۰۰ سال گزرنے کو آئے۔ مگر ابھی تک قیامت نہ آئی فرمائیے یہ "جلد" کتنا طویل ہو گیا؟

انبیاء گذشتہ کے کشوف

حضرت مرزا صاحب نے اربعین ۲ میں لکھا ہے کہ "اسلام کے موجودہ ضعف اور دشمنوں کے متواتر حملوں نے گواہی دی اور انبیاءؑ گذشتہ کے کشوف نے اس بات پر قطعی مُہر لگا دی کہ وہ چودھویں صدی کے سر پر ہوگا۔" کسی نبیؑ کے کشف کا حوالہ دو؟

جواب:۔ دراصل حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے "اربعین" یا کسی دوسری کتاب میں اس ضمن میں "انبیاءؑ گذشتہ" کا لفظ نہیں لکھا۔ بلکہ "اولیاء گذشتہ" لکھا ہے۔ چنانچہ اصل اربعین (جو حضرت اقدسؑ کے زمانہ میں چھپی ہے) اور اس کے دونوں ایڈیشنوں میں

علی الترتیب صـ۲۳ و صـ۲۵ پر "اولیاء گذشتہ" ہی کا لفظ ہے۔ ہاں اربعین کے ایک نئے ایڈیشن میں جو "بک ڈپو" نے شائع کیا ہے۔ کاتب کی غلطی سے لفظ "اولیاء" کی بجائے "انبیاء" لکھا گیا ہے۔ وہ حجت نہیں۔ تمہیں شرم آنی چاہیئے۔ کہ محض کتابت کی غلطیوں کی بنا پر مخلوقِ خدا کو دھوکا دیکر حق کے رستہ میں روکاوٹیں پیدا کرتے ہو۔ حالانکہ تم بارہا مناظرات میں اربعین ۲ ایڈیشن اول علیحدہ صـ۲۳ اور مجموعہ ۱ تا ۲ صـ۲۵ سے لفظ "اولیاء" دکھایا بھی جا چکا ہے۔

انبیاءِ گذشتہ کی پیشگوئی

حضرت مرزا صاحب نے لکھا ہے کہ ہر نبی نے مسیح موعود کی آمد کی خبر دی ہے۔ اس کا حوالہ دو؟

الجواب:۔ بخاری شریف میں ہے۔ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا بُعِثَ نَبِیٌّ اِلَّا اَنْذَرَ اُمَّتَہُ الْاَعْوَرَ الْکَذَّابَ۔ (بخاری کتاب الفتن باب ذکر الدجال جلد ۲ صفحہ ۱۳۲ مطبع الہیہ مصر)۔ کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ کوئی نبی ایسا نہیں گذرا جس نے اپنی امت کو دجال سے نہ ڈرایا ہو"

پس جہاں تمام انبیاء دجال کا ذکر کرتے رہے ہے۔ ضروری ہے کہ اس کے قاتل مسیح موعود کا بھی اس کے ساتھ ہی ذکر کرتے رہے ہوں۔

(۲) ذرا مہربانی کر کے پہلے تمام نبیوں کی کتابوں سے "کانے دجال" کا ذکر نکال کر دکھا دو۔ ہم وہیں سے مسیح موعود کی آمد کی پیشگوئی بھی

نکال دیں گے۔

(۳) ہم نے ذکر کیا ہے کہ یہ کس طرح ممکن ہے کہ انبیاءؑ گذشتہ اپنی اُمتوں سے دجّال کی آمد کا تو ذکر کریں۔ مگر اس کے قاتل مسیح موعود کا ذکر نہ کریں۔ اسکی تائید دلائل النبوت کے مندرجہ ذیل حوالہ سے ہوتی ہے۔

"عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ... قَالَ (مُوْسٰی) یَارَبِّ اِنِّیْ اَجِدُ فِی الْاَلْوَاحِ اُمَّۃً یُؤْتُوْنَ الْعِلْمَ الْاَوَّلَ وَالْاٰخِرَ فَیَقْتُلُوْنَ قُرُوْنَ الضَّلَالَۃِ الْمَسِیْحَ الدَّجَّالَ فَاجْعَلْھَا اُمَّتِیْ قَالَ تِلْکَ اُمَّۃُ اَحْمَدَ" (دلائل النبوۃ جلد ا صفحہ ۴۲) حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے سامنے عرض کی کہ اے اللہ! میں نے اپنی الواح میں لکھا دیکھا ہے کہ ایک ایسی قوم ہو گی جن کو اگلا اور پچھلا سب علم دیا جائیگا۔ اور وہ گمراہی کی طاقتوں یعنی "دجّال" کو قتل کرینگے۔ اے خدا! میری اُمت کو وہ قوم بنا دے۔ اللہ تعالیٰ نے جواب دیا۔ کہ "نہیں" وہ قوم تو احمدؑ کی جماعت ہے۔"

اس روایت میں دجّال کے خروج اور مسیح موعود کی بعثت کو علت و معلول اور لازم و ملزوم قرار دیا گیا ہے۔ نیز یہ بھی بتایا گیا ہے کہ دجّال کا مقابلہ کرنے والی جماعت احمدؑ کے ساتھ تعلق رکھنے والی ہو گی۔

مکتوبات کا حوالہ

بعض مخالفین کہا کرتے ہیں۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے

حقیقۃ الوحی صفحہ ۳۹۰ پر جو حوالہ مکتوبات کا دیا ہے کہ جسپر کثرت سے اُمور غیبیہ ظاہر ہوں۔ وہ نبی ہوتا ہے۔ یہ غلط ہے۔ مکتوبات میں لفظ نبی نہیں۔ بلکہ مُحدّث کا ہے۔

الجواب:۔ مکتوبات امام ربانی کی زبان فارسی ہے۔ مگر حضرتؑ نے حقیقۃ الوحی صفحہ ۳۹۰ پر اردو عبارت لکھی ہے۔ پس حضرت نے مکتوبات کی اصل عبارت نقل نہیں فرمائی۔ بلکہ مکتوبات کی کسی عبارت کا مفہوم درج فرمایا ہے۔ اور مکتوبات میں ایسی عبارت موجود ہے۔ جس کا مفہوم وہی ہے۔ جو حضرتؑ نے حقیقۃ الوحی میں تحریر فرمایا ہے۔ چنانچہ وہ عبارت درج ذیل کی جاتی ہے:۔

"متشابہاتِ قرآنی نیز از ظاہر مصروف اند و بر تاویل محمول قال اللہ تعالیٰ وَمَا یَعۡلَمُ تَاۡوِیۡلَہٗۤ اِلَّا اللّٰہُ۔ یعنی تاویل آں متشابہ را ہیچ کس نمی داند مگر خدائے عزّ و جل۔ پس معلوم شد کہ متشابہ نزد خدائے جل و علا نیز محمول بر تاویل ست و از ظاہر مصروف و علمائے راسخین را نیز از علم ایں تاویل نصیبے عطا می فرمائد چنانچہ بر علمِ غیب کہ مخصوص باوست سبحانہٗ خاص رسل را اطلاع می بخشد۔ آں تاویل را خیال نکنی کہ در رنگِ تاویل "ید" ست بقدرت و تاویلِ "وجہ" بذات حاشا و کلاّ آں تاویل از اسرار است کہ بہ اخص خواص علم آں عطا می فرمائد۔"

(مکتوبات امام ربانی جلد ۱ صفحہ ۴۲۶ مطبع نولکشور مکتوب ۳۱۰)

یعنی قرآن مجید کے متشابہات بھی ظاہری معنی سے پھر کر محمول برتاویل ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے۔ "کہ ان کی تاویل سوائے خدا کے اور کوئی نہیں جانتا" پس معلوم ہوا۔ کہ متشابہات خدائے بزرگ و برتر کے نزدیک بھی محمول برتاویل ہیں۔ اور ان کے ظاہری معنی مراد نہیں۔ اور خدائے تعالیٰ علمائے راسخین کو بھی اس علم کی تاویل سے حصہ عطا فرماتا ہے۔ چنانچہ اس سے بڑھ کر علم غیب جو کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے۔ اس کی اطلاع صرف رسولوں کو ہی عطا فرماتا ہے۔ اس تاویل کو ویسی نہ سمجھنا چاہیئے جیسی کہ "ہاتھ" سے مراد "قدرت" اور "وجہ" سے مراد "ذات" الٰہی ہے۔ حاشا و کلّا ایسا نہیں۔ بلکہ اس تاویل کا علم تو وہ اپنے خاص الخاص بندوں کو ہی عطا فرماتا ہے۔

اس عبارت میں حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رح نے بتصریح تحریر فرمایا ہے کہ اسرارِ قرآنی کو اللہ تعالیٰ اپنے الہام سے خواصِ امت پر کھولتا ہے۔ مگر جن کو اپنے مخصوص علم غیب سے اطلاع دیتا ہے۔ وہ "رسولؑ" ہوتے ہیں۔ پس تمہارا اعتراض بے محل ہے۔

تفسیر ثنائی اور حضرت ابوہریرہ رض

حضرت نے تفسیر ثنائی کے حوالہ سے لکھا ہے۔ کہ حضرت ابوہریرہ رض کی روایت کمزور تھی۔ حالانکہ تفسیر ثنائی مصنفہ مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری میں یہ کہیں نہیں ملتا۔

الجواب:۔ تجاہلِ عارفانہ سے کام نہ لو۔ "تفسیر ثنائی" سے مراد" مولوی

ثناء اللہ امرتسری" کی نام نہاد تفسیر نہیں۔ بلکہ جناب مولانا ثناء اللہ صاحب پانی پتی کی مشہور و معروف تفسیر ہے۔ چنانچہ خود حضرت مسیح موعود دوسری جگہ معترض کی محوّلہ کتاب (براہین حصہ پنجم) سے کئی سال پہلے تصریح فرما چکے ہیں:۔

"قَالَ صَاحِبُ التَّفْسِيْرِ الْمَظْهَرِيِّ اَنَّ اَبَا هُرَيْرَةَ صَحَابِيٌّ جَلِيْلُ الْقَدْرِ لٰكِنَّهٗ اَخْطَاَ فِيْ هٰذَا التَّاْوِيْلِ" (حمامۃ البشریٰ ص)

کہ مصنّف تفسیر مظہری نے لکھا ہے کہ گو حضرت ابوہریرہ ایک جلیل القدر صحابی ہیں لیکن انہوں نے "اِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتَابِ" والی آیت میں اپنی طرف سے تاویل کرنے میں غلطی کھائی ہے۔

پس حضرت اقدس نے جس تفسیر کا حوالہ دیا ہے۔ وہ مولوی ثناء اللہ امرتسری کی تفسیر نہیں۔ بلکہ "تفسیر مظہری" مؤلفہ جناب مولوی ثناء اللہ صاحب پانی پتی ہے۔ اس تفسیر میں بعینہٖ آیت محوّلہ "وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتَابِ" کے نیچے لکھا ہے:۔

"تَاْوِيْلُ الْاٰيَةِ بِاِرْجَاعِ الضَّمِيْرِ الثَّانِيْ اِلٰى عِيْسٰى مَمْنُوْعٌ اِنَّمَا هُوَ زَعْمٌ مِّنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ لَيْسَ ذٰلِكَ فِيْ شَيْءٍ فِي الْاَحَادِيْثِ الْمَرْفُوْعَةِ وَكَيْفَ يَصِحُّ هٰذَا التَّاْوِيْلُ مَعَ اِنَّ كَلِمَةَ "اِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتَابِ" شَامِلٌ لِلْمَوْجُوْدِيْنَ فِيْ زَمَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ... وَلَا وَجْهَ اَنْ يُّرَادَ بِهٖ فَرِيْقٌ مِّنْ اَهْلِ

الْكِتَابِ يُوْجَدُوْنَ حِيْنَ نُزُوْلِ عِيْسٰى عَلَيْهِ السَّلَام۔"
(تفسیر مظہری تفسیر سورۃ النساء زیر آیت" وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتَابِ
اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ۔" ع ۲۷) یعنی آیت" اِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتَابِ
اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ۔" میں" قَبْلَ مَوْتِهٖ" کی ضمیر کو
عیسٰی علیہ السلام کی طرف پھیرنا ممنوع ہے۔ (حضرت ابوہریرہ رضؓ
نے اس سے حضرت عیسٰی مُراد لیئے ہیں تو) یہ حضرت ابوہریرہؓ کا اپنا
زعم ہے جس کی تصدیق کسی صحیح حدیث سے نہیں ہوتی۔ اور ان کا یہ
خیال درست ہو کیونکر سکتا ہے جبکہ کلمہ" اِنْ مِّنْ" میں تمام وہ لوگ
بھی شامل ہیں۔ جو آنحضرت صلعم کے زمانہ میں موجود تھے۔ اور اس بات
کی کوئی وجہ نہیں کہ اس سے مُراد صرف وہ یہودی لیئے جائیں جو حضرت
عیسٰی علیہ السلام کے نزول کے وقت موجود ہونگے۔

حضرت ابوہریرہؓ کا اجتہاد

باقی عبارت محولہ میں حضرت اقدس ؑ نے حضرت ابوہریرہؓ کے
اجتہاد کو جو مردود قرار دیا ہے۔ تو یہ درست ہے۔ ملاحظہ ہو:۔

۱۔ اصول حدیث کی مستند کتاب اصول شاشی میں ہے:۔
" اَلْقِسْمُ الثَّانِيْ مِنَ الرُّوَاةِ هُمُ الْمَعْرُوْفُوْنَ بِالْحِفْظِ
وَالْعَدَالَةِ دُوْنَ الْاِجْتِهَادِ وَالْفَتْوٰى كَاَبِيْ هُرَيْرَةَ وَاَنَسِ
بْنِ مَالِكٍ۔" (اصول شاشی ص۷۵) کہ راویوں میں سے دُوسری قسم
کے راوی وہ ہیں جو حافظہ اور دیانتداری کے لحاظ سے تو مشہور ہیں۔ لیکن

اجتہاد اور فتویٰ کے لحاظ سے قابل اعتبار نہیں۔ جیسے حضرت ابوہریرہؓ اور انس بن مالکؓ "

(۲) عَنْ اَبِیْ حَسَّانٍ اَنَّ رَجُلَیْنِ دَخَلَا عَلٰی عَائِشَةَ فَحَدَّثَہَا اَنَّ اَبَا ھُرَیْرَةَ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔ قَالَ الطِّیَرَةُ فِی الْمَرْأَةِ وَالْفَرَسِ وَالدَّارِ فَغَضِبَتْ غَضَبًا شَدِیْدًا فَقَالَتْ مَا قَالَہٗ اِنَّمَا قَالَ کَانَ اَھْلُ الْجَاھِلِیَّةِ یَتَطَیَّرُوْنَ مِنْ ذَالِكَ۔" (مَاثَبَتَ بِالسُّنَّةِ ص ۲۹)

کہ دو شخص حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے اور کہا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ عورت۔ گھوڑے اور گھر میں بدشگونی ہوتی ہے۔ اس پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سخت ناراض ہوئیں اور فرمایا کہ یہ آنحضرت صلعم نے قطعاً نہیں فرمایا۔ بلکہ آپؐ نے تو یہ فرمایا تھا۔ کہ زمانۂ جاہلیت میں لوگ ان کو بدشگون سمجھتے تھے۔

(۳) "حضرت ابوہریرہؓ بے شک روزہ دار کے حق میں فتویٰ دیتے تھے کہ صبح ہونے سے پہلے غسل کر چکے۔ اور عائشہ صدیقہؓ کی روایت چونکہ مرفوع ہے۔ اس لئے بحکمِ اصولِ حدیث وہ مقدم ہے۔ کیونکہ شارع علیہ السلام کا فعل ہے۔ اور ابوہریرہؓ کا فتویٰ انکا اجتہادی ہے۔" (اہلحدیث ۱۸ر جولائی سنہ ۱۹۳۰ء)

(۴) " فقہا میں بعض اس بات کے قائل ہیں کہ آگ پر پکی ہوئی چیز

کے کھانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضؓ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضؓ کے سامنے جب اس مسئلہ کو آنحضرت صلعم کی طرف منسوب کیا۔ تو حضرت عبداللہ بن عباس رضؓ نے کہا۔ اگر یہ صحیح ہو۔ تو اس پانی کے پینے سے بھی وضو ٹوٹ جائیگا جو آگ پر گرم کیا گیا ہو۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضؓ حضرت ابو ہریرہ رضؓ کو ضعیف الروایت نہیں سمجھتے تھے۔ لیکن چونکہ ان کے نزدیک یہ روایت درایت کے خلاف تھی۔ اسلئے انہوں نے تسلیم نہیں کی۔ اور یہ خیال کیا کہ سمجھنے میں غلطی ہو گئی ہے" (اہلحدیث ۲۲ نومبر ۱۹۲۹ء)

مبارک احمدؐ کی وفات کی پیشگوئی

صاحبزادہ مرزا مبارک احمدؐ کی وفات پر حضرت مرزا صاحب نے لکھا تھا کہ اس کی وفات کے متعلق میں پہلے سے پیشگوئی کر چکا ہوں کہ وہ بچپن میں فوت ہو جائے گا۔ یہ جھوٹ ہے۔ (نعوذ باللہ)

جواب:۔ مبارک احمدؐ کی وفات پر حضرت اقدس ؑ نے جو کچھ فرمایا۔ اسی حوالہ میں موجود ہے:۔

"اللہ تعالے نے اس کی پیدائش کے ساتھ ہی موت کی خبر دے رکھی تھی۔ تریاق القلوب میں لکھا ہے۔" اِنِّیْ اَسْقُطُ مِنَ اللّٰہِ وَ اُصِیْبُہٗ" مگر قبل از وقت ذہول رہتا ہے۔ اور ذہن منتقل نہیں ہوا کرتا" (الحکم ۲۴ ستمبر ۱۹۰۷ء صہ)

(۱) تریاق القلوب صہ۴۲ (جس کا حوالہ حضرت نے دیا ہے) اس میں ہے

"اِنِّیْ اُسْقِطُ مِنَ اللّٰہِ وَاُصِیْبُہٗ" کہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے آیا ہوں اور اسی کی طرف چلا جاؤں گا۔ حضرت مسیح موعودؑ تریاق القلوب میں اس الہام کو مع ترجمہ درج فرما کر اپنی طرف سے لکھتے ہیں:۔ "اس کا مطلب ہے کہ یہ لڑکا چھوٹی عمر میں فوت ہو جائیگا۔ یا یہ کہ رجوع بحق ہوگا"

(۲) ۱۸ر نومبر ۱۹۰۶ء:۔ "دیکھا کہ ہمارے باغ (بہشتی مقبرہ۔ خادم) میں کچھ لوگ ایک جڑھ لگا رہے ہیں۔ ساتھ ہی الہام ہوا "مبارک"
(الحکم ۲۴ر نومبر ۱۹۰۶ء)

(۳) "خواب میں دیکھا کہ ایک عورت کو تین روپیہ دے رہا ہوں۔ اور اس سے کہتا ہوں کہ کفن کے لئے میں آپ دونگا۔ گویا کوئی مر گیا ہے۔ اسکی تجہیز و تکفین کے لئے تیاری ہے" (الحکم ۱۳ر جولائی ۱۹۰۷ء صہ ۳)

حضرت صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب ۱۶ر ستمبر ۱۹۰۷ء کو فوت ہوئے۔ (۴) "میں نے خواب میں دیکھا کہ گڑھا قبر کے اندازہ کی مانند ہے۔ اور ہمیں معلوم ہوا ہے کہ اس میں ایک سانپ ہے۔ اور پھر ایسا خیال آیا کہ وہ سانپ گڑھے میں سے نکل کر کسی طرف بھاگ گیا ہے۔ اس خیال کے بعد مبارک احمد نے اس گڑھے میں قدم رکھا۔ اس کے قدم رکھنے کے وقت محسوس ہوا کہ وہ سانپ ابھی گڑھے میں ہے۔ اور سانپ نے حرکت کی" (الحکم ۱۷ر فروری ۱۹۰۷ء صہ ۱)

(۵) "اِنَّ خَبَرَ رَسُوْلِ اللّٰہِ وَاقِعٌ" کہ اللہ نے جو خبر بتلائی تھی۔ وہ واقع ہونے والی ہے۔ فرمایا کسی پیشگوئی کے ظہور کا وقت آگیا ہے"

... ایک بڑا ستارہ ٹوٹا ہے"۔ (الحکم ۲۴ر اگست ۱۹۰۷ء)

کَانَ فِی الْھِنْدِ نَبِیًّا

(الف) مرزا صاحب نے چشمہ معرفت میں حدیث لکھی ہے کہ کَانَ فِی الْھِنْدِ نَبِیًّا اَسْوَدُ اللَّوْنِ اِسْمُہٗ کَاھِنًا"۔ اس کا حوالہ دو؟

(ب) مرزا صاحب نے ایسے شخص کو نبی کہا ہے جس کا قرآن میں نام نہیں؟

الجواب:۔ (الف) یہ حدیث تاریخ ہمدان دیلمی باب الکاف میں ہے

(ب) قرآن مجید میں ہے (۱) وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِیْ کُلِّ اُمَّۃٍ رَّسُوْلًا (نحل رکوع ۵ پ ۱۴) کہ ہم نے ہر قوم میں نبی بھیجے ہیں۔ (۲) وَ اِنْ مِّنْ اُمَّۃٍ اِلَّا خَلَا فِیْھَا نَذِیْرٌ"۔ (فاطر رکوع ۴ پ ۲۲)۔ (۳) وَ لِکُلِّ قَوْمٍ ھَادٍ"۔ (رعد رکوع ۲ پ ۱۳) پس ان آیات سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ نزول قرآن مجید کے قبل بھی ہندوستان میں کوئی نبی ہو چکا ہے۔

(ج) باقی رہا ان کو نبی قرار دینا جن کا نام قرآن میں بطور نبی لکھا ہوا ہو تو آپ ہی کے علماء نے مندرجہ ذیل بزرگوں کو نبی کیسے قرار دیا؟

(۱) ذو القرنین نبی تھا (تفسیر کبیر جلد ۵ صفحہ ۵۲۷) حالانکہ قرآن مجید میں کہیں نہیں لکھا کہ ذو القرنین نبی تھا۔ (۲) خضر (تفسیر کبیر جلد ۵ صفحہ ۴۲۷) حالانکہ قرآن مجید میں خضر کا نام تک نہیں (۳) لقمان (ابن جریر جلد ۲۱ صفحہ ۴۳ مصری)۔ (۴) فَعَزَّزْنَا بِثَالِثٍ والی آیت سورۃ یٰس کے متعلق مفسرین نے (خصوصاً حضرت ابن عباسؓ نے) (۱) یوحنا (۲) پولس

(۳) شمعون کو "ھُمْ رُسُلُ اللّٰہِ" کہا ہے۔ (روح المعانی جلد ۷ صـــ۲۰۲)

(۵) خالد بن سنان نبی تھا (جمل لابی بقاء جلد ۱ صـــ۹۹ وتفسیر حسینی جلد ۱ صـــ۱۲۹) نیز مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی نے بھی کرشن کو نبی مانا ہے۔ (دھرم پرچار صـــ۸ ومباحثہ شاہجہان پور صـــ۳۱)

گر ایں مُشتِ خاک را نہ بخشم چہ کنم

مرزا صاحب نے لکھا ہے کہ آنحضرت صلعم کو فارسی زبان میں مندرجہ بالا الہام ہوا۔ اس کا حوالہ دو؟

جواب:۔ یہ حدیث کتاب کوثر النبی باب الفاء میں ہے۔ جو قادیان کے کتب خانہ میں موجود ہے۔ باقی رہا نبی کو غیر زبان میں الہام ہونا۔ تو اس کا جواب بالتفصیل الہامات پر اعتراضات کے جواب میں گزر چکا ہے۔ دیکھو پاکٹ بک

طاعون کے وقت شہر سے باہر نکلنا

مرزا صاحب نے لکھا ہے کہ حدیث میں ہے کہ جس شہر میں وبا ہو۔ اس شہر کے لوگ بلا توقف شہر سے باہر نکل آئیں۔ (ریویو جلد ۶ صـــ۳۶۵) حوالہ دو؟

جواب:۔ (الف) یَا اَیُّھَا النَّاسُ اِنَّ ھٰذَا الطَّاعُوْنَ رِجْسٌ فَتَفَرَّقُوْا عَنْہُ فِی الشِّعَابِ "اے لوگو! یہ طاعون نہایت خبیث ہے پس تم گھاٹیوں اور میدانوں میں پھیل جاؤ۔ (قول عمرو بن عبسہ) (کنز العمال جلد ۲ صـــ۳۲۴)۔ (ب) قرآن مجید میں ہے۔ "وَاَحْیَیْنَا بِہٖ بَلْدَۃً مَّیْتًا" (ق ع ۱) پس شہر یا گاؤں کی ملحقہ زمینیں شہر ہی میں شامل ہیں۔ آنحضرتؐ نے جو منع فرمایا ہے وہ شہر سے باہر نکلنے سے ہے۔

اِس امر سے منع نہیں فرمایا کہ شہر یا گاؤں کی ملحقہ اراضیات میں بھی نہ جایا جائے۔

چاند و سُورج کو دُو دفعہ گرہن

حضرت مرزا صاحب نے لکھا ہے کہ حدیث میں ہے کہ مہدی کے وقت میں کسوف خسوف رمضان دُو دفعہ ہو گا۔ چنانچہ امریکہ اور ہندوستان میں دُو دفعہ یہ کسوف و خسوف ہوُا۔ جو میری صداقت کی دلیل ہے۔ حوالہ دو جہاں دُو مرتبہ خسوف کا ذکر ہو؟

الجواب:۔ اس کے حوالہ کے لئے دیکھو حجج الکرامہ صفحہ ۳۴۴۔ "پیش ازیں کہ ماہ رمضان گذشتہ باشد۔ دروے دُو کسوفِ شمس و قمر شدہ باشد۔ انتہیٰ و در اشاعت گفتہ دُو بار در رمضان خسوفِ قمر شود"۔

وَکَمْ نَدِمْتُ عَلیٰ مَا کُنْتُ قُلْتُ بِہٖ
وَمَا نَدِمْتُ عَلیٰ مَا لَمْ تَکُنْ تَقُلٖ

معیارِ طہارت

حضرت مرزا صاحب نے اپنے ایک مکتوب میں جو الفضل ۲۲ فروری ۱۹۲۴ء کو شائع ہوُا صحابہ کے متعلق لکھا ہے۔ کہ "وہ کپڑے پر منی گرتی تھی تو خشک ہونے کے بعد اسکو جھاڑ دیتے تھے۔ ایسے کوؤں سے پانی پیتے تھے۔ جس میں حیض کے لتے پڑتے تھے۔ عیسائیوں کے ہاتھ کا پنیر کھا لیتے تھے حالانکہ مشہور تھا کہ سؤر کی چربی اس میں پڑتی ہے۔ کسی مرض کے وقت اُونٹ کا پیشاب بھی پی لیتے تھے"۔ ان امور کا ثبوت دو؟

جواب:۔ یہ سب امور حضرت اقدس نے یہ ثابت کرنے کیلئے تحریر

فرمائے ہیں کہ محض شک اور شبہ کی بناء پر آدمی کو غسل کرنے اور کپڑے دھونے کا وہم نہیں کرنا چاہیئے۔ چنانچہ حضرت اقدس اسی خط میں تحریر فرماتے ہیں۔

"اسی طرح شک و شبہ میں پڑنا بہت منع ہے۔ شیطان کا کام ہے جو ایسے وسوسے ڈالتا رہتا ہے۔ ہرگز وسوسہ میں نہیں پڑنا چاہیئے گناہ ہے۔ اور یاد رہے کہ شک کے ساتھ غسل واجب نہیں ہوتا۔ اور نہ صرف شک سے کوئی چیز پلید ہو سکتی ہے۔ آنحضرت صلعم اور آپ کے اصحاب وہمیوں کی طرح ہر وقت کپڑا صاف نہیں کرتے تھے۔" اس کے بعد آپؑ نے وہ مثالیں درج فرمائی ہیں۔ جن کا حوالہ معترض نے دیا ہے۔ باقی رہا ان اُمور کا جن کا حضور نے ذکر فرمایا ثبوت۔ تو سُنو:۔

(۱) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پُوچھا گیا کہ اگر کوئی سمجھے کہ اسے رات کو احتلام ہوا تھا مگر تری نہ دیکھے۔ تو اسے غسل کے متعلق کیا حکم ہے؟ حضور صلعم نے فرمایا اس پر غسل نہیں ہے۔" (منتقی لابن تیمیہ صہ ۲۵)

(۲) کُنْتُ اَفْرُکُ الْمَنِیَّ مِنْ ثَوْبِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔ اِذَا کَانَ یَابِسًا۔" (منتقی لابن تیمیہ صہ ۲۷)

یعنی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے پر سے خشک شدہ منی کھرچ دیتی تھی۔

(۳) حضرت ابو سعید الخدری نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ کیا ہم بئر بضاعتہ کے پانی سے وضو کر لیا کریں۔ تو حضور صلعم نے

فرمایا۔ "اَلْمَاءُ طَهُوْرٌ لَا یُنَجِّسُهٗ شَیْءٌ"۔ کہ یہ پانی پاک ہے پلید نہیں۔ پس بیشک وضو کر لیا کرو۔ حالانکہ وہیں پر لکھا ہے:۔

"هِيَ بِئْرٌ تُلْقٰى فِیْهَا الْحِیَضُ وَلُحُوْمُ الْكِلَابِ" کہ یہ وہ کنواں تھا۔ جس میں خون حیض اور کتوں کا گوشت پڑتا تھا۔ وہیں پر ابو داؤد کی روایت کے حوالہ سے یہ بھی لکھا ہے کہ اس کوئیں کا پانی صحابہ پی بھی لیا کرتے تھے۔" (منتقی مؤلفہ ابن تیمیہ صد۲)

(۴) عیسائیوں کے ہاتھ کا پنیر کھانے میں کوئی قابلِ اعتراض بات نہیں کیونکہ قرآن مجید میں ہے۔ "طَعَامُ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ" (مائدہ ع۱) کہ عیسائیوں اور یہودیوں کے ہاتھ کا یا اُن کا بنا ہوا کھانا حلال ہے۔ باقی رہا اس کے متعلق یہ مشہور ہونا کہ اس میں سؤر کی چربی ہوتی ہے۔ تو اس کے متعلق حضرت کا مکمل فقرہ یوں ہے:۔

"عیسائیوں کے ہاتھ کا پنیر کھالیتے تھے حالانکہ مشہور تھا کہ اس میں سؤر کی چربی پڑتی ہے اصول یہ تھا کہ جب تک یقین نہ ہو۔ ہر ایک چیز پاک ہے۔ محض شک سے کوئی چیز پلید نہیں ہو جاتی۔"

پس یہ کہنا کہ اس پنیر میں فی الواقع سؤر کی چربی ہوتی تھی حضرت مسیحؑ پر افترا ہے۔ حضرتؑ نے تو یہ فرمایا ہے کہ بات غلط طور پر لوگ مشہور کرتے تھے۔ مگر چونکہ یہ بات غلط تھی۔ اور صحابہ کے علم کے رُو سے بھی اس پنیر میں سؤر کی چربی نہ ہوتی تھی۔ اسی لئے وہ اس کو استعمال کر لیتے تھے۔ غرضیکہ اس میں کوئی قابلِ اعتراض

بات نہیں ہے۔ اور صحابہ کا یہ فعل قرآن مجید کی مندرجہ بالا آیت کے عین مطابق تھا۔

(۵) حضرت اُمّ قیس بنت محصن اپنا ایک شیرخوار بچہ نبی کریم صلعم کے پاس لائیں۔ بچہ نے آنحضرت صلعم کے کپڑوں پر پیشاب کر دیا۔ لکھا ہے:۔ "فدعا بماءٍ فنضحه علیه ولم یغسله۔" (منتقی صلا) کہ آپ صلعم نے پانی منگایا۔ اور اپنے کپڑے پر اس کا چھینٹا دیا۔ مگر کپڑے کو نہ دھویا۔

(۶) عکل یا عرینہ کے چند مسلمان آنحضرت صلعم کے پاس آئے۔ مدینہ میں بباعث ناموافقت آب وہوا وہ بیمار ہو گئے۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اونٹوں کا پیشاب اور اونٹنیوں کا دودھ پینے کا حکم دیا۔ (منتقی صلا)

غرضیکہ حضرت اقدس نے جو اس ضمن میں تحریر فرمایا ہے۔ اس میں کسی شک وشبہ کی یا اعتراض کی گنجائش نہیں۔

تورات کے چار سو نبی

اعتراض:۔ حضرت مرزا صاحب نے لکھا ہے کہ تورات میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ چار سو نبیوں کو شیطانی الہام ہوا تھا۔ تورات میں ہرگز یہ نہیں لکھا۔ بلکہ وہاں تو یہ لکھا ہے۔ کہ وہ بعل بت کے پجاری تھے۔ (۱۔ سلاطین باب ۱۶)۔

الجواب:۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جن چار سو نبیوں کا ذکر فرمایا ہے۔ وہ جھوٹے نبی نہیں تھے۔ اور نہ وہ بعل بُت کے پجاری تھے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے خود تورات کا حوالہ دیا ہے:۔

"مجموعہ تورات میں سے سلاطین اوّل باب بائیس آیت اُنیس میں لکھا ہے کہ ایک بادشاہ کے وقت میں چار سو نبی اُسکی فتح کے بارے میں پیشگوئی کی اور وہ جھوٹے ہوئے اور بادشاہ کو شکست ہوئی۔" (ازالہ اوہام طبع سوم ۲۵۵)

مگر جو جھوٹے نبی بعل بُت کے پجاری تھے ان کا ذکر باب ۲۲ میں نہیں۔ بلکہ ۱۶ میں ہے۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے حوالہ باب ۲۲ کا دیا ہے۔ نہ کہ باب ۱۶ کا!

(۲) حضرتؑ نے فرمایا ہے:"بائیبل میں لکھا ہے۔ کہ ایک مرتبہ چار سو نبی کو شیطانی الہام ہوا تھا۔ . . . اور ایک پیغمبر جس کو جبرائیل سے الہام ہوا تھا۔ . . . سو یہ خوشخبری سچی نکلی۔ اور ان چار سو نبیوں کی پیشگوئی جھوٹی ثابت ہوئی۔" (ضرورت الامام صفحہ ۱۷ و ۱۸)

اور یہ سب کچھ ۱۔ سلاطین باب ۲۲ آیت ۹ میں لکھا ہوا موجود ہے۔ اور یہوسفط نے شاہ اسرائیل سے کہا۔ آج کے دن خداوند (نہ کہ بعل۔ خادم) کی مرضی الہام سے دریافت کیجئے۔ تب شاہِ اسرائیل نے اس روز نبیوں کو جو چار سو کے قریب تھے، اکٹھا کیا۔ اور ان سے پوچھا۔ پھر یہوسفط بولا۔ ان کے سوا خداوند کا کوئی نبی ہے؟ (اس کے بعد لکھا ہے کہ میکایاہ نبی کو بلایا گیا۔ خادم)

اس (میکایاہ) نے جواب میں کہا ۔۔۔ دیکھ خداوند نے تیرے ان سب نبیوں کے منہ میں جھوٹی روح ڈالی ہے اور خداوند ہی نے تیری بابت (مجھ کو) بری خبر دی ہے۔" (۱۔ سلاطین باب ۲۲)۔

غرضیکہ باب ۲۲ والے نبی بعل والے نبی نہیں ہیں۔ بعل والے نبیوں کا ذکر باب ۱۶ میں الگ طور پر درج ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ان کا ذکر نہیں فرمایا۔ اور ان کی تعداد چار سو نہیں۔ بلکہ چار سو پچاس تھی۔ (۱۔ سلاطین ۱۸/۲۲)۔ پس حضرتؑ نے ان کا ذکر نہیں فرمایا۔

(۳) جہاں تک حوالہ کا تعلق تھا۔ وہ گذر چکا۔ لیکن ہمیں حیرت ہے کہ تورات کے ان نبیوں پر شیطانی الہام کے ذکر سے تم اتنا کیوں چمکے ہو۔ جبکہ تم ایک لاکھ چوبیس ہزار نبیوں کے سردار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بھی مانتے ہو۔ کہ ایک دفعہ ان کو بھی شیطانی الہام ہوگیا تھا (نعوذ باللہ) دیکھو جلالین مجتبائی صـ۲۸۲ و زرقانی شرح مواہب المدنیہ جلد ۱ صـ۳۴۰)۔ مفصل بحث کیلئے دیکھو پاکٹ بک ہذا مضمون حضرات انبیاء علیہم السلام پر غیر احمدی علماء کے بہتانات صـ۱۰۹۸)

وعدہ خلافی

مرزا صاحب نے براہین احمدیہ کا اشتہار دیا۔ لوگوں سے روپے لے کر تین سو دلائل لکھونگا۔ مگر سب روپیہ کھا گئے۔ اور دلائل شائع نہ کئے۔ جس سے قومی نقصان ہوا۔ اور وعدہ خلافی بھی۔

الجواب :۔ اس اعتراض کے تین حصے ہیں :۔

(۱) وعدہ خلافی ۔ (۲) روپیہ ۔ (۳) قومی نقصان ۔ یعنی اگر وہ دلائل شائع ہوتے ۔ تو ان سے بہت فائدہ پہنچتا ۔ سو وعدہ خلافی کے متعلق یاد رکھنا چاہیئے ۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ابتدا ارادہ توفی الواقع تین سو دلائل براہین احمدیہ نامی کتاب ہی میں لکھنے کا تھا ۔ مگر ابھی چار حصے ہی لکھنے پائے تھے کہ خدا تعالےٰ نے آپ کو مامور فرمادیا ۔ اور اس سے زیادہ عظیم الشان کام کی طرف متوجہ کر دیا ۔ اس لئے حضور ؑ کو مجبوراً براہین احمدیہ کی تالیف کا کام چھوڑنا پڑا ۔ اور یہ بات اہل اسلام کے ہاں مسلّم ہے کہ حالات کے تبدیل ہونے کے ساتھ وعدہ بھی تبدیل ہو جاتا ہے ۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے ۔ کہ خدا تعالیٰ مومن مردوں اور مومن عورتوں کے ساتھ جنّت کا وعدہ کرتا ہے ۔ اب اگر ایک مومن مُرتد ہو جائے ۔ تو گو پہلے خدا کا اس کے ساتھ وعدہ جنّت کا تھا ۔ مگر اب وہ دوزخ کے وعدہ کا مستحق ہو جائیگا ۔ اسی طرح اگر ایک ہندو بعد میں مسلمان ہو جائے ۔ تو گو اس کے ساتھ پہلے وعدہ جہنّم کا تھا مگر اب تبدیلی حالات کی وجہ سے وہ جنّت کا مستحق بن جائے گا ۔ حضرت مسیح موعود ؑ نے تبدیلی حالات کا ذکر براہین احمدیہ حصّہ چہارم کے ٹائیٹل پیج کے آخری صفحہ پر فرمایا ہے

(۲) حدیث میں ہے کہ ایک دن حضرت جبرائیل آنحضرت صلعم کے ساتھ رات آنے کا وعدہ کر گئے ۔ مگر حسب وعدہ نہ آئے ۔ دوسرے دن جب آئے ۔ تو آنحضرت صلعم نے دریافت فرمایا :۔ " لَقَدْ کُنْتَ وَعَدْتَنِیْ

اَنْ تَلْقَانِیْ فِی الْبَارِحَۃِ قَالَ اَجَلْ وَلٰکِنَّا لَا نَدْخُلُ بَیْتًا فِیْہِ کَلْبٌ وَّلَا صُوْرَۃٌ ۔ (مشکوٰۃ باب التصاویر ص ۳۸۵ مجتبائی)

کہ آپ تو کل آنے کا وعدہ کر گئے تھے۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہاں وعدہ تو کر گئے تھے۔ مگر ہم ایسے مکان میں داخل نہیں ہوا کرتے۔ جس میں کُتّا یا صُورت ہو۔

(۳) عَنْ مُجَاھِدٍ اَنَّہٗ قَالَتِ الْیَھُوْدُ لِقُرَیْشٍ اِسْئَلُوْہُ عَنِ الرُّوْحِ وَعَنْ اَصْحَابِ الْکَھْفِ وَذِی الْقَرْنَیْنِ فَسَئَلُوْہُ فَقَالَ اِیْتُوْنِیْ غَدًا اُخْبِرْکُمْ وَلَمْ یَسْتَثْنِ فَاَبْطَأَ عَنْہُ الْوَحْیُ بِضْعَۃَ عَشَرَ یَوْمًا حَتّٰی شَقَّ عَلَیْہِ وَکَذَّبَتْہُ قُرَیْشٌ۔

(تفسیر کمالین بر حاشیہ جلالین صفحہ ۲۴۱ مجتبائی)

مجاہد سے روایت ہے۔ کہ ایک دفعہ یہودیوں نے قریش سے کہا۔ کہ آنحضرت صلعم سے رُوح۔ اصحاب کہف اور ذوالقرنین کے متعلق سوال کرو۔ پس انہوں نے آنحضرت صلعم سے پُوچھا۔ تو آپؐ نے فرمایا۔ کل آنا۔ مَیں تم کو بتاؤنگا۔ اس میں آنحضرت صلعم نے کوئی استثناء نہ کی۔ بلکہ انشاءاللہ بھی نہ فرمایا۔ پس آنحضرت صلعم سے قریباً عشرہ تک وحی رُکی رہی۔ یہاں تک کہ آنحضرت صلعم پر یہ امر شاق گذرا اور آنحضرت صلعم کو قریش نے جھوٹا آدمی قرار دیا۔

دُوسرا سوال:۔ براہین احمدیہ کا روپیہ۔ اس کے لئے حضرت مسیح موعودؑ کا یہ اعلان پڑھو: "ایسے لوگ جو آئندہ کسی وقت جلد یا بدیر اپنے روپیہ کو

یاد کر کے اِس عاجز کی نسبت کچھ شکوہ کرنے کو تیار ہیں یا اُنکے دل میں بھی بدظنی پیدا ہو سکتی ہے۔ وہ براہِ مہربانی اپنے ارادہ سے مجھے مطلع فرمادیں اور میں اُن کا روپیہ واپس کرنے کیلئے یہ انتظام کرونگا۔ کہ ایسے شہر میں یا اس کے قریب اپنے دوستوں میں سے کسی کو مقرر کر دونگا کہ تا چار حصّے کتاب کے لیکر روپیہ اُن کے حوالے کرے۔ اور ایسے صاحبوں کی بدزبانی اور بدگوئی اور دُشنام دہی کو بھی محض اللہ بخشتا ہوں۔ کیونکہ میں نہیں چاہتا کہ کوئی میرے لئے قیامت کو پکڑا جائے۔ اور اگر ایسی صورت ہو کہ خریدار کتاب فوت ہو گیا ہو۔ اور وارثوں کو کتاب بھی نہ ملی ہو۔ تو چاہیئے کہ وارث چار معتبر مسلمانوں کی تصدیق خط میں لکھوا کر کہ اصلی وارث وہی ہے۔ وہ خط میری طرف بھیجدے۔ تو بعد اطمینان وہ روپیہ بھی بھیجدیا جائیگا۔" (تبلیغ رسالت جلد ۳ صفحہ ۳۵-۳۶ نیز دیکھو اربعین ۴ صفحہ ۲۸ پر حضرتؑ کا عام اشتہار۔ و تبلیغ رسالت جلد ۷ صفحہ ۷۷ اشتہار یکم مئی ۱۸۹۳ء و کتاب ایام الصلح صفحہ ۱۷۳)۔ اِس بات کا ثبوت کہ حضرت مسیح موعودؑ نے محض اعلان پر ہی اکتفا نہیں فرمایا۔ بلکہ اس کے مطابق عملی طور پر روپیہ واپس بھی کیا۔ دشمن سلسلہ ڈاکٹر عبدالحکیم خان کا مندرجہ ذیل معاندانہ بیان ہے:۔

"پوری قیمت وصول کر کے اور سوا سو آدمیوں کو قیمت واپس دیکر کل کیطرف سے اپنے آپکو فارغ البال سمجھا جائے۔" (الذکر الحکیم صفحہ ۶ (کانا دجال نمبر ۴) آخری سطر)

گویا شدید سے شدید دشمن بھی تسلیم کرتا ہے کہ قیمت واپس دی گئی۔ گو وہ اپنے دجّالانہ فریب سے حق کو چھپانے کی کوشش کر رہا ہے۔ تاہم حق بات

اس کے قلم سے نکل گئی ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام تحریر فرماتے ہیں:۔

(۱) "پس جن لوگوں نے قیمتیں دی تھیں اکثر نے گالیاں بھی دیں۔ اور اپنی قیمت بھی واپس لی۔" (دیباچہ براہین احمدیہ حصہ پنجم صہ)۔

(۲) "ہم نے . . . . دو مرتبہ اشتہار دے دیا کہ جو شخص براہین احمدیہ کی قیمت واپس لینا چاہے۔ وہ ہماری کتابیں ہمارے حوالے کرے۔ اور اپنی قیمت لے لے۔ چنانچہ وہ تمام لوگ جو اس قسم کی جہالت اپنے اندر رکھتے تھے انہوں نے کتابیں بھیجدیں اور قیمت واپس لے لی۔ اور بعض نے تو کتابوں کو بہت خراب کر کے بھیجا۔ مگر پھر بھی ہم نے قیمت دے دی . . . خدا تعالیٰ کا شکر ہے کہ ایسے ذی الطبع لوگوں سے خدا تعالیٰ نے ہم کو فراغت بخشی۔" (تبلیغ رسالت جلد ۷، صہ وایام الصلح طبع اول صہ ۱۷۳ و طبع ثانی صہ ۱۹۸)۔

باقی رہا تیسرا سوال کہ تین سو دلائل لکھتے۔ تو اسلام کو فائدہ ہوتا تو اس کا جواب یہ ہے کہ براہین احمدیہ کے پہلے چار حصوں میں حضرتؑ نے اسلام کی صداقت پر دو قسم کے دلائل دیئے ہیں۔ (۱) اعلیٰ تعلیمات۔ (۲) زندہ معجزات۔ اور حقیقت یہ ہے کہ یہی دونوں ہزارہا دلائل پر حاوی ہیں۔ چنانچہ خود حضرتؑ نے تحریر فرمایا ہے:۔ "میں نے پہلے ارادہ کیا تھا کہ اثبات حقیقت اسلام کے لئے تین سو دلائل براہین احمدیہ میں لکھوں۔ لیکن جب میں نے غور سے دیکھا۔ تو معلوم ہوا کہ یہ دو قسم کے دلائل ہزارہا

نشانوں کے قائم مقام ہیں۔ پس خدا نے میرے دل کو اس ارادے سے پھیر دیا۔ اور مذکورہ بالا دلائل کے لکھنے کیلئے مجھے شرح صدر عنایت فرمایا۔" (دیباچہ براہین احمدیہ حصہ پنجم) نیز حضرتؑ نے اپنی متعدد کتب میں جو ۸۰ سے بھی زیادہ ہیں۔ ان میں صداقت اسلام کے تین سو سے بھی زائد دلائل بیان فرمائے ہیں۔ اگر غیر احمدی علماء مقابل پر آئیں تو ہم ان کتابوں میں سے وہ دلائل نکال کر دکھا سکتے ہیں۔

ایک ضمنی اعتراض

مرزا صاحب نے لکھا ہے کہ میں نے براہین احمدیہ کے پچاس حصے لکھنے کا ارادہ کیا تھا۔ مگر اب صرف پانچ ہی لکھتا ہوں۔ پانچ بھی پچاس ہی کے برابر ہیں۔ صرف ایک نقطے کا فرق ہے۔ (دیباچہ براہین احمدیہ حصہ پنجم)

جواب:۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جو پانچ کو پچاس کے برابر قرار دیا ہے تو یہ حساب اپنی طرف سے نہیں لگایا۔ بلکہ خدا تعالیٰ کا بتایا ہوا حساب ہے۔ اگر اعتبار نہ ہو تو بخاری کی یہ حدیث پڑھو۔ "فَقَالَ هِيَ خَمْسٌ وَهِيَ خَمْسُوْنَ" (بخاری کتاب الصلوٰۃ پہلی حدیث جلد ا صفحہ ۵۰ مصری) کہ معراج کی رات جب آنحضرت صلعم حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مشورہ سے پچاس نمازوں میں تخفیف کرانے کیلئے آخری مرتبہ اللہ تعالیٰ کے پاس حاضر ہوئے تو خدا تعالیٰ نے فرمایا۔ "لیجئے۔ یہ پانچ یہ پچاس ہیں۔" اور مشکوٰۃ کتاب الصلوٰۃ میں حدیث معراج کے یہ الفاظ ہیں۔ قَالَ هٰذِهٖ خَمْسُ صَلَوَاتٍ لِكُلِّ وَاحِدٍ عَشْرٌ فَهٰذِهٖ خَمْسُوْنَ صَلَوَاتٍ۔ کہ خدا تعالیٰ نے فرمایا۔ یہ پانچ نمازیں ہیں۔ ہر ایک دس کے برابر ہے۔ پس یہ پچاس

نمازیں ہوگئیں۔ فلا اعتراض۔

مُبالغہ کا الزام

مرزا صاحب نے مبالغے کئے ہیں۔ لکھا ہے کہ میرے شائع کردہ اشتہارات ساٹھ ہزار کے قریب ہیں اور میری کتابیں پچاس الماریوں میں سما سکتی ہیں؟

جواب:۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اربعین ۳ صـ ۳۵ کی محولہ عبارت میں یہ نہیں لکھا کہ میں نے ساٹھ ہزار اشتہار تحریر یا تصنیف کیا ہے۔ بلکہ لکھا ہے کہ "شائع" کیا ہے۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ اربعین کی تحریر (۱۹۰۰ء) تک جسقدر اشتہارات حضورؑ نے شائع فرمائے تھے۔ انکی مجموعی "تعداد اشاعت" ساٹھ ہزار کے قریب تھی جو درست ہے۔ کیونکہ حضورؑ کے کل اشتہارات جو میر قاسم علی صاحب کو دستیاب ہو سکے وہ ۲۶۱ ہیں۔ میر صاحب نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ تبلیغ رسالت میں مطبوعہ اشتہارات کے سوا اور کوئی اشتہار حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا شائع کردہ نہیں۔

ان مطبوعہ اشتہارات میں سے اکثر اشتہارات کی "تعداد اشاعت" سات سات سو ہے۔ جیسا کہ ان میں سے بعض اشتہارات کے آخر میں درج ہے۔ (تبلیغ رسالت جلد ۷ صفحہ ۵۰ و ۷۰ و جلد ۸ صفحہ ۳۸ و ۴۶ و جلد ۱۰ صـ ۹) بعض اشتہارات کی تعداد اشاعت چھ ہزار بھی ہے۔ (تبلیغ رسالت جلد ۱۰ صـ ۹۲) اور بعض کی تین ہزار (جلد ۸ صـ ۸۸) اور بعض کی دو ہزار (جلد ۷ صـ ۴۸) اور بعض کی چودہ صد (جلد ۷ صـ ۵۵) اور بعض کی ایک ہزار بھی ہے (جلد صـ ۵۸)۔ غرضیکہ تعدادِ اشاعت

اشتہارات کی مختلف ہے۔ اگر فی اشتہار تین صد اوسط سمجھ لی جائے
تو اس حساب سے تبلیغ رسالت میں مجموعہ ۲۶۱ اشتہارات کی تعداد
۷۸۲۰۰ بنتی ہے۔ اور اربعین ۱۵ دسمبر ۱۹۰۰ء تک ۲۲۶ اشتہارات
کی تعدادِ اشاعت ۶۷۸۰۰ بنتی ہے۔ جس کو حضرت مسیح موعود علیہ
السلام نے "ساٹھ ہزار" کے قریب قرار دیا ہے۔ اسی طرح اپنی کتب کی
تصنیف کے لحاظ سے تعداد حضرت اقدس نے تمہاری محولہ
تریاق القلوب کی عبارت میں نہیں بتائی۔ بلکہ حضور نے اپنے رسائل
اور کتب کی اشاعت کے لحاظ سے تعداد مدِ نظر رکھ کر تحریر فرمایا ہے کہ
"اگر وہ رسائل اور کتابیں اکٹھی کی جائیں تو پچاس الماریاں ان سے بھر
سکتی ہیں۔" اور یہ درست ہے کیونکہ حضور کی تصنیف کردہ کتب کی
تعداد خود مصنف محمدیہ پاکٹ بک نے بھی اسّی تسلیم کی ہے۔
جن میں سے براہین احمدیہ۔ تحفہ گولڑویہ۔ ازالہ اوہام
آئینہ کمالات اسلام۔ حقیقۃ الوحی۔ چشمہ معرفت جیسی ضخیم
کتابیں بھی ہیں۔ جن کی تعداد اشاعت ۲۵۰۰ (نزول المسیح ۔
تذکرۃ الشہادتین ۸۰۰۔ تریاق القلوب ۷۰۰۔ ایام الصلح ۷۰۰۔
اربعین ۷۰۰۔ براہین حصہ پنجم ۱۶۰۰ وغیرہ ہیں۔ پس ان
کتب کے جملہ نسخوں کو اگر الماریوں میں رکھا جائے۔ تو پچاس ۵۰
الماریاں بھر سکتی ہیں۔ لہٰذا کوئی مبالغہ نہیں۔
اسی طرح اپنے نشانات کی تعداد کے بارے میں جو حضرت

اقدس ؑ کی تحریرات ہیں ان میں بھی کوئی مبالغہ نہیں کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جو اپنے نشانات کی تعداد دس لاکھ قرار دی ہے۔ اس کی تشریح بھی خود ہی فرمائی ہے۔ حضور ؑ فرماتے ہیں :-

" یہ سات قسم کے نشان ہیں۔ جن میں سے ہر ایک نشان ہزارہا نشانوں کا جامع ہے۔ مثلاً یہ پیشگوئی کہ یَأْتِیْکَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ جس کے معنی یہ ہیں کہ ہر ایک جگہ سے اور دُور دراز ملکوں سے نقد اور جنس کی امداد آئے گی۔ اور خطوط بھی آئینگے۔ اب اس صورت میں ہر ایک جگہ سے جو اب تک کوئی روپیہ آتا ہے یا پارچات یا دوسرے ہدیے آتے ہیں یہ سب بجائے خود ایک ایک نشان ہیں۔ کیونکہ ایسے وقت میں ان باتوں کی خبر دی گئی تھی۔ جبکہ انسانی عقل اس کثرتِ مدد کو دُور از قیاس و محال سمجھتی تھی ایسا ہی دُوسری پیشگوئی یعنی یَأْتُوْنَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ ... اِس زمانہ میں وہ پیشگوئی بھی پُوری ہو گئی۔ چنانچہ اب تک کئی لاکھ انسان قادیان میں آ چکے ہیں۔ اور اگر خطوط بھی اس کے ساتھ شامل کئے جائیں تو شاید یہ اندازہ کروڑ تک پہنچ جائے۔ مگر ہم صرف مالی مدد اور بیعت کنندوں کی آمد پر کفایت کر کے اِن نشانوں کو تخمیناً دس لاکھ نشان قرار دیتے ہیں۔ بے حیا انسان کی زبان کو قابو میں لانا تو کسی نبی کے لئے ممکن نہیں ہوا۔" (براہین احمدیہ حصہ پنجم صفحہ ۶۱)

پس نشانات کی تعداد کے متعلق حضور ؑ کی تحریرات میں مختلف طریق سے اندازہ لگایا گیا ہے۔ مبالغہ نہیں ہے۔

اسی طرح کشتی نوح کی محوّلہ عبارت کہ " دُنیا میں کروڑہا انسان مَرتے ہیں" یہ محاورۂ زبان ہے جو کثرت کے اظہار کیلئے استعمال کیا جاتا ہے۔ گنتی کے معنوں میں استعمال نہیں ہوُا۔ تمہارے جیسا عقلمند تو قرآن مجید کی آیت " مَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖ اَعْمٰى " پڑھ کر ان اندھوں کے لئے " سُرمۂ تریاق چشم " تجویز کرنے بیٹھ جائیگا۔ یا کُفّار کے لئے " شَرُّ الْبَرِيَّه " کا لفظ دیکھ کر اُن کے فی الواقع جانور ہونے کا تصوّر کریگا؟ یہ تو تھا حقیقی جواب لیکن ذرا یہ تو بتا دو۔ کہ " لَا عَيْشَ اِلَّا عَيْشُ الْاٰخِرَةِ " (الحدیث) کے کیا معنی ہیں؟ کیا تم اور تمہارے سب لواحقین " مُردہ " ہیں؟ کیا دُنیا کے جملہ انسانوں میں سے ایک بھی زندہ نہیں ہے۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو فرماتے ہیں۔ کہ یہ زندگی ہی نہیں ہے۔ پھر ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا۔ " اَلْاَئِمَّةُ مِنْ قُرَيْشٍ " کہ امام اور امیر کے لئے قریشی النسل ہونا ضروری ہے۔ پھر فرمایا:۔ " لَا يَزَالُ هٰذَا الْاَمْرُ فِيْ هٰذَا الْحَيِّ مِنْ قُرَيْشٍ " (بخاری) یعنی امیر کا قریشی ہونا ضروری ہے۔ مگر دُوسری جگہ فرماتے ہیں:۔ اِسْمَعُوْا وَ اَطِيْعُوْا وَاِنْ وُلِّيَ عَلَيْكُمْ عَبْدٌ حَبْشِيٌّ " سو اِن ہر دو اقوال کو نقل کرکے ابن خلدون لکھتا ہے:۔

"وقوله صلى الله عليه وسلم اسمعوا واطيعوا وان ولي عليكم عبد حبشي ذو زبيبة وهذا لا تقوم به حجة في ذالك فانه خرج مخرج التمثيل والفرض للمبالغة في ايجاب السمع والطاعة" (مقدمہ ابن خلدون مصری ص۱۶۲ الفصل الخامس والعشرون في معنى الخلافة والامامة) یعنی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول ـ کہ اگر تم پر کوئی حبشی بھی حکمران بنایا جائے۔ تو تم پر فرض ہے کہ تم اس کی اطاعت کرو۔ اس امر کی حجت نہیں ہو سکتا کہ امیر کے لئے قریشی النسل ہونا ضروری نہیں کیونکہ اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اطاعت اور فرمانبرداری پر زور دینے کے لئے تمثیل اور مبالغہ سے کام لیا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ کسی چیز پر زور دینے کے لئے مبالغہ سنت نبوی ہے۔ لہٰذا تمہارا اعتراض باطل ہو گیا۔

تمہارے جیسا معترض تو شاید قرآن مجید کی آیت "وَلَا يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِي سَمِّ الْخِيَاطِ" (اعراف ع ۵ پ) کو پڑھکر ایسی سوئی کی تلاش میں نکل کھڑا ہو۔ کہ جس کے ناکے میں اونٹ گذر سکے۔ اور نہ مل سکنے پر قرآن مجید پر مبالغہ آمیزی کا الزام لگانے لگ جائے۔ اسی طرح حدیث "مَنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ" (مسلم) اور دوسری مثالیں بھی پیش کی جاسکتی ہیں۔

تناقضات

اعتراض:۔ حضرت مرزا صاحب کے اقوال میں تناقض ہے۔

الجواب (۱):۔ حضرت مرزا صاحب کے اقوال میں کوئی تناقض نہیں۔ ہاں یہ

ہو سکتا ہے کہ نبی پہلے ایک بات اپنی طرف سے کہے۔ مگر اس کے بعد خدا تعالیٰ نے
اس کو بتا دے کہ یہ بات غلط ہے اور درست اس طرح ہے۔ تو دوسرا قول نبی
کا نہیں بلکہ خدا کا ہوگا۔ لہٰذا تناقض نہ ہوا۔ تناقض کے لئے ضروری ہے
کہ ایک ہی شخص کے اپنے دو اقوال میں ہو۔

(۲) قرآن مجید میں ہے:۔ "لَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ
اخْتِلَافًا كَثِيْرًا" (نساء ع۱۱) کہ اگر یہ خدا کا کلام نہ ہوتا۔ بلکہ خدا کے سوا کسی
اور کا ہوتا۔ تو اس میں اختلاف ہوتا۔ پس ثابت ہوا کہ کلام اللہ کے سوا باقی
سب کے کلام میں اختلاف ہونا چاہیئے۔ نبی بھی انسان ہے۔ اور وہ بھی "رَبِّ
زِدْنِیْ عِلْمًا" (طٰہٰ ع۷) کی دعا کیا کرتا ہے۔ جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام
کی کہ اے اللہ میرا علم بڑھا۔ پس جو کلام نبی خدا کے بتائے ہوئے علم سے پہلے
کرے گا۔ وہ ہوسکتا ہے کہ اس کلام کے مخالف ہو۔ جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے
دے دیا جائے۔ مثلاً حضرت نوح علیہ السلام کا قول قرآن مجید میں ہے کہ:۔
"اِنَّ ابْنِیْ مِنْ اَھْلِیْ" کہ یقیناً میرا بیٹا میرے اہل میں سے ہے۔ مگر خدا تعالیٰ
نے فرمایا "اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ" (ھود ع۴) کہ وہ یقیناً آپ کے اہل میں سے
نہیں ہے۔ اب اس وحی الٰہی کے بعد اگر حضرت نوح علیہ السلام اپنے بیٹے کو
اہل میں شمار نہ کریں۔ (جیسا کہ واقعہ ہے) تو اس پر کوئی اعتراض نہیں ہوسکتا
کیونکہ پہلا قول حضرت نوحؑ کا اپنا خیال تھا۔ مگر دوسرا قول خدا کے بتائے
ہوئے علم کی بنا پر ہے۔ ہاں الہام الٰہی میں اختلاف نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ
وہ علیم کل ہستی کی طرف سے ہوتا ہے۔

یہی وجہ ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ آنحضرت صلعم کو مخاطب کر کے فرماتا ہے۔ "وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمْ" (نساء ۱۷) کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو وہ علم دیا ہے۔ جو پہلے آپ کو نہ تھا۔ اب ظاہر ہے کہ آپ کے زمانۂ قبل از علم کے کلام اور زمانۂ بعد از علم کے کلام میں اختلاف ہونا ضروری ہے۔ مگر یہ امر آپ کی نبوت کے منافی نہیں۔ بلکہ ایک لحاظ سے دلیل صداقت ہے۔ کیونکہ یہ عدم تصنع پر دلالت کرتا ہے۔ اسی قسم کا اختلاف وفات مسیح کے مسئلہ کے متعلق ہے۔ کہ حضرتؑ نے پہلے اپنا خیال براہین میں لکھ دیا۔ لیکن بعد میں جو اللہ تعالیٰ نے آپ پر منکشف فرمایا وہ بھی کچھ براہین احمدیہ اور کچھ بعد کی تحریرات میں درج فرما دیا۔ اب ظاہر ہے۔ کہ وہ پہلا قول جس میں حضرت مسیح کو زندہ قرار دیا گیا ہے۔ وہ حضرت مسیح موعودؑ کا ہے۔ مگر جس میں ان کو وفات یافتہ قرار دیا گیا ہے وہ اللہ تعالیٰ کا ہے۔ پس ان میں تناقض نہ ہوا۔

(۲) مندرجہ بالا قسم کی مثالیں حدیث میں بھی ہیں:۔

(۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "لَا تُخَيِّرُوْنِيْ عَلٰى مُوْسٰى" (بخاری فی الخصومات۔ باب ما یذکر فی الاشخاص جلد ۲ صفحہ ۳۷ مصری) کہ مجھ کو موسیٰ سے اچھا نہ کہو۔ پھر فرماتے ہیں:۔ "مَنْ قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْ يُّوْنُسَ بْنِ مَتّٰى فَقَدْ كَذَبَ" (بخاری کتاب التفسیر سورۃ النساء جلد ۳ صفحہ ۱۱ مصری) کہ جو یہ کہے کہ میں یونسؑ بن متی سے افضل ہوں وہ جھوٹا ہے۔ مسلم شریف کی حدیث میں آتا ہے کہ "جَاءَ رَجُلٌ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا خَيْرَ الْبَرِيَّةِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

ذاک ابراہیم علیہ السلام (مسلم جلد ۲ ص ۳۰۷) کہ ایک آدمی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا۔ اور حضور کو مخاطب کر کے کہا۔ اے تمام انسانوں سے افضل! ۔ اس پر آنحضرت صلعم نے فرمایا ''وہ تو ابراہیم علیہ السلام ہیں''۔ یعنی ابراہیم تمام انسانوں سے افضل تھے (مشکوٰۃ باب المفاخرۃ والعصبیۃ مطبع اصح المطابع) پر اس حدیث کی شرح میں حضرت ملا علی قاری لکھتے ہیں:۔

''ذٰلِکَ اِبْرَاهِیْمُ قِیْلَ ذٰلِکَ تَوَاضُعٌ مِّنْهُ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَقِیْلَ کَانَ قَبْلَ عِلْمِهٖ بِاَنَّهٗ سَیِّدُ وُلْدِ اٰدَمَ (مرقاۃ برحاشیہ مشکوٰۃ اصح المطابع ص ۴۱۷ حاشیہ ۵) کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا فرمانا کہ وہ ابراہیم ہے۔ کہا گیا ہے۔ کہ حضور کا یہ فرمانا از راہ انکسار تھا۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے۔ کہ حضور نے جب یہ فرمایا تھا۔ اس وقت تک اللہ تعالےٰ کی طرف سے حضور کو ابھی یہ اطلاع نہ ملی تھی۔ کہ حضور صلعم سب انسانوں سے افضل ہیں۔ بعد میں خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ ''اَنَا سَیِّدُ وُلْدِ اٰدَمَ وَلَا فَخْرَ'' (کہ میں تمام انسانوں کا سردار ہوں۔ اور یہ فخر نہیں ہے) ''اَنَا سَیِّدُ النَّاسِ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ'' (مسلم بحوالہ مشکوٰۃ اصح المطابع ص ۵۱۱) میں قیامت کے روز تمام انسانوں کا سردار ہوں گا۔ پھر فرمایا ''اَنَا اِمَامُ النَّبِیِّیْنَ'' ''اَنَا سَیِّدُ النَّبِیِّیْنَ'' (دیلمی) میں تمام نبیوں کا امام ہوں۔ میں تمام نبیوں کا سردار ہوں۔

(۴) اس ضمن میں حُجَّۃُ اللّٰهِ الْبَالِغَۃ کا مندرجہ ذیل حوالہ بھی ملاحظہ ہو:۔
اِعْلَمْ اَنَّ النَّسْخَ قِسْمَانِ اَحَدُهُمَا اَنْ یَّنْظُرَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْاِرْتِفَاقَاتِ اَوْ وُجُوْهِ الطَّاعَاتِ فَيَضْبِطُهَا
بِوُجُوْهِ الضَّبْطِ عَلٰى قَوَانِيْنِ التَّشْرِيْعِ وَهُوَ اِجْتِهَادُ النَّبِيِّ
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ لَا يُقَرِّرُهُ اللّٰهُ بَلْ يَكْشِفُ عَلَيْهِ
مَا قَضَى اللّٰهُ فِي الْمَسْئَلَةِ مِنَ الْحُكْمِ اَمَّا بِنُزُوْلِ الْقُرْاٰنِ
حَسْبَ ذٰلِكَ اَوْ تَغْيِيْرِ اِجْتِهَادِهٖ اِلٰى ذٰلِكَ وَتَقْرِيْرِهٖ
عَلَيْهِ مِثَالُ الْاَوَّلِ مَا اسْتَنَّهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ
الْاِسْتِقْبَالِ قِبَلَ بَيْتِ الْمَقْدِسِ ثُمَّ نَزَلَ الْقُرْاٰنُ
بِنَسْخِهٖ وَمِثَالُ الثَّانِيْ اَنَّهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى
عَنِ الْاِنْتِبَاذِ اِلَّا فِي السِّقَاءِ ثُمَّ اَبَاحَ لَهُمْ اِنْتِبَاذًا فِيْ كُلِّ
اٰنِيَةٍ..... وَعَلٰى هٰذَا التَّخْرِيْجِ هٰذَا مِثَالُ الْاِخْتِلَافِ
الْحُكْمِ حَسْبَ اِخْتِلَافِ الْمَذَاهِبِ وَفِيْ هٰذَا الْقِسْمِ
قَوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَلَامِيْ لَا يَنْسَخُ كَلَامَ اللّٰهِ
وَكَلَامُ اللّٰهِ يَنْسَخُ كَلَامِيْ" (حجۃ اللہ البالغہ مترجم جلد ا صفحہ
۲۳۸ باب اسباب النسخ) اس عربی عبارت کا اردو ترجمہ بھی اسی کتاب سے
نقل کیا جاتا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی فرماتے ہیں:۔
"جاننا چاہیئے کہ نسخ کی دو قسمیں ہیں:۔ (۱) یہ کہ پیغمبر امور نافع
اور عبادات کے طریقوں میں خوض کرکے شریعت کے قوانین کے ڈھنگ
پر ان کو کر دیتے ہیں۔ ایسا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اجتہاد سے ہوا
کرتا ہے لیکن خدا تعالیٰ اس حکم و اجتہاد کو باقی نہیں رکھتا بلکہ اس

حکم کو آنحضرت صلعم پر ظاہر کر دیتا ہے۔ جو خدا نے اس مسئلہ کے متعلق قرار دیا ہے۔ اس حکم کا اظہار یوں ہوتا ہے۔ کہ قرآن میں وہ وارد کیا جائے یا اس طرح پر کہ آنحضرت صلعم کے اجتہاد ہی میں تبدیل ہو جائے۔ اور دوسرا اجتہاد آپ کے ذہن میں قرار پا جائے۔ پہلی صورت کی مثال یہ ہے کہ آنحضرت صلعم نے نماز میں بیت المقدس کی طرف منہ کرنے کا حکم دیا تھا۔ پھر قرآن میں اس حکم کی منسوخیت نازل ہوئی۔ اور دوسری صورت کی مثال یہ ہے۔ کہ آنحضرت صلعم نے بجز چھاگل کے ہر برتن میں نبیذ بنانے سے ممانعت کر دی تھی۔ پھر ہر ایک برتن میں نبیذ بنانا لوگوں کے لئے جائز کر دیا۔ اس توجیہہ کے لحاظ سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ موقعوں کے بدلنے سے حکم بدل دیا جایا کرتا ہے۔ اسی قسم کے متعلق آپ نے فرمایا۔ کہ میرا کلام کلام الٰہی کو منسوخ نہیں کر سکتا۔ اور کلام الٰہی میرے کلام کو منسوخ کرتا ہے" (کتاب حجۃ اللہ البالغہ مع اردو ترجمہ۔ المسمیٰ یہ شموس اللہ البازغہ۔ مطبوعہ مطبع حمایت اسلام پریس لاہور جلد ا صفحہ ۲۳۶/۲۳۴ باب ۸۷)

اس عبارت میں جو دوسری قسم نسخ کی بیان ہوئی ہے۔ وہ خاص طور پر قابل غور ہے۔ کیونکہ اس میں ضروری نہیں۔ کہ وحی کے ذریعہ نبی کے پہلے حکم کو منسوخ کیا جائے۔ بلکہ خود اللہ تعالےٰ کا تصرف قلب ملہم پر ہی ایسا ہو سکتا ہے۔ کہ وہ اپنے پہلے اجتہاد کو منسوخ کر دے۔ مگر یہ پھر بھی تناقض نہ ہو گا۔ کیونکہ پہلا خیال ملہم کا اپنا تھا۔ مگر دوسرا خیال خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ حدیث میں ہے" کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلعم

يَنْسَخُ حَدِيْثَهُ بَعْضُهُ بَعْضًا" (مسلم جلد اکتاب الطہارت) کہ آنحضرت صلعم اپنے ایک قول سے اپنے ایک گذشتہ قول کو منسوخ کر دیتے

(۶) بعض اوقات نبی اپنے اجتہاد اور خیال سے اپنی وحی یا الہام کے ایک معنی بیان کرتا ہے۔ مگر بعد میں واقعات سے اس کے دوسرے معنی ظاہر ہو جاتے ہیں۔ جو وحی الٰہی کے تو مطابق ہوتے ہیں۔ مگر نبی کے اپنے خیال یا اجتہاد کے مطابق نہیں ہوتے۔ مثلاً حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلعم کو بتایا گیا۔ کہ آپ کی ہجرت ایسے شہر کی طرف ہوگی جہاں بہت کھجوریں ہیں۔ آپؐ نے سمجھا کہ اس سے مراد یمامہ یا ہجر ہیں۔ لیکن وہ درحقیقت مدینہ شریف تھا۔ جیسا کہ بعد کے واقعات سے معلوم ہوا۔ (بخاری جلد ۲ صفحہ ۱۴۳ مصری)

(۷) بعض دفعہ تحقیقات کے بعد نبی کی رائے بدل جاتی ہے۔ مثلاً بخاری شریف میں حدیث ہے کہ "اَتَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَنِيْ حَارِثَةَ فَقَالَ اَرَاكُمْ يَا بَنِيْ حَارِثَةَ قَدْ خَرَجْتُمْ مِنَ الْحَرَمِ ثُمَّ الْتَفَتَ فَقَالَ بَلْ اَنْتُمْ فِيْهِ (بخاری کتاب الحج باب حرم المدینۃ جلد ۱ صفحہ ۲۱۲ مصری و تجرید بخاری مترجم اردو مع متن حصہ اوّل صفحہ ۳۸۰)

یعنی ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک قبیلہ بنو حارثہ کے ہاں گئے۔ اور فرمایا کہ بنی حارثہ میرا خیال ہے کہ تم لوگ حرم سے باہر نکل گئے ہو۔ پھر حضور نے ادھر ادھر دیکھا۔ اور فرمایا۔ نہیں تم حرم کے اندر ہی ہو۔ اب آنحضرت صلعم کے پہلے

خیال کہ "فَقَدْ خَرَجْتُمْ مِنَ الْحَرَمِ" اور دوسرے خیال کہ "بَلْ اَنْتُمْ بِنِیَّةٍ" میں تناقض ہے یا نہیں؟ یہ اسی طرح کا تناقض ہے کہ جس طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے پہلے ایک انگریز مؤرخ کی تحقیق کے پیش نظر مسیح ناصری کی قبر شام میں لکھی لیکن بعد میں تحقیقات اور الہٰی تائید سے معلوم ہوا کہ قبر مسیح کشمیر میں ہے۔ تب آپ نے پہلے خیال کی تردید کر دی۔

نوٹ:- مندرجہ بالا حدیث کے جواب میں یہ کہنا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے تو بنو حارث کو حرم سے باہر قرار دیا۔ تو یہ ظن اور گمان کے تحت تھا۔ (محمدیہ پاکٹ بک صفحہ ۱۲۷) محض دفع الوقتی ہے۔ کیونکہ ہمارا مقصود محض یہ دکھانا ہے۔ کہ بعض اوقات نبی ایک خیال کا اظہار کرتا ہے۔ مگر بعد میں تحقیق سے وہ خیال غلط ثابت ہونے پر نبی اس کی تردید کر دیتا ہے اور یہ امر خلاف نبوت نہیں۔

(۸) حدیث میں ہے کہ "کَانَ یُحِبُّ مُوَافَقَةَ اَهْلِ الْكِتَابِ فِیْمَا لَمْ یُؤْمَرْ بِهٖ" (مسلم جلد ۲ صفحہ ۲۹۶ مطبوعہ مصر) کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان تمام امور میں یہود اور نصاریٰ کی موافقت کرتے تھے۔ جن کے متعلق خود حضور کو کوئی حکم نہ ملا تھا"

(۹) قرآن مجید کی آیات کے متعلق بھی مخالفین اسلام نے اعتراض کیا ہے کہ ان میں اختلاف ہے۔ جماعت احمدیہ تو خدا کے فضل سے نہ قرآن مجید میں تناقض یا اختلاف کی قائل ہے۔ نہ ناسخ منسوخ فی القرآن کو ہم مانتے

ہیں۔ لیکن ان اعتراضات کے وزنی ہونے کا یہ ثبوت ہے کہ تم لوگوں نے تنگ آکر اور لاجواب ہو کر یہ تسلیم کر لیا۔ کہ قرآن مجید کی بعض آیات بعض کی ناسخ ہیں۔ گویا بعض آیات کے مضمون میں اختلاف ہے۔ اور جن میں باہم تطبیق نہیں ہو سکتی۔ ان میں سے جو پہلے نازل ہوئی وہ منسوخ ہے۔ اور جو بعد میں نازل ہوئی وہ اس کی ناسخ ہے۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی لکھتے ہیں:۔ "علی ما حررت لا یتعین النسخ الا فی خمس مواضع" (الفوز الکبیر صفحہ ۲۱۔۱۸) کہ میری تحریر کی رو سے قرآن مجید کی صرف پانچ آیات منسوخ ثابت ہوتی ہیں۔

قرآن مجید کی منسوخ قرار دی جانے والی آیات میں سے چند درج ذیل ہیں:۔ (۱) یاایھا الذین امنوا اذا لقیتم الذین کفروا زحفاً فلا تولوھم الادبار (انفال ع ۲ پ ۹) (تفسیر قادری مترجم جلد ۱ صفحہ ۳۶۰) (۲) "ان یکن منکم عشرون صابرون یغلبوا مائتین" (انفال ع ۹ پ ۱۰) (تفسیر قادری جلد ۱ صفحہ ۳۰۲، دیگر آیات کے لئے تفسیر حسینی جلد ۱ صفحہ ۳۹۰ و صفحہ ۵۳۴)

پس تم لوگوں کے منہ سے (جو قرآن مجید میں بھی اختلاف اور تناقض کے قائل ہیں) حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اپنے اقوال میں تناقض کا الزام کچھ بھلا معلوم نہیں دیتا۔

(۱۰) مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری لکھتے ہیں:۔ "آپ (آنحضرت صلعم) نے لوگوں کی مشرکانہ عادت دیکھ کر قبرستان کی زیارت سے منع

فرمایا۔ بعد اصلاح اجازت دیدی۔ اور ان کے بخل کے مٹانے کی غرض سے قربانیوں کے گوشت تین روز سے زائد رکھنے سے منع کر دیا تھا جس کی بعد میں اجازت دیدی۔ ایسا ہی شراب کے برتنوں میں کھانا پینا منع کیا تھا۔ مگر بعد میں ان کے استعمال کی اجازت بخشی" (تفسیر ثنائی جلد ۱ صفحہ ۱۳۳ حاشیہ)

(۱۱) ہم ضمن ۹ میں اشارہ کر آئے ہیں۔ کہ قرآن مجید کی آیات کے متعلق بھی منکرین اسلام نے تمہاری طرح یہ کہہ کر کہ ان میں اختلاف ہے اپنی بد باطنی کا ثبوت دیا ہے۔ چنانچہ پنڈت دیانند بانی آریہ سماج اپنی کتاب ستیارتھ پرکاش میں لکھتا ہے "کہیں خدا کو محیط کل لکھا ہے۔ اور کہیں محدود المکان۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ قرآن ایک شخص کا بنایا ہوا نہیں ہے۔ بلکہ بہت لوگوں کا بنایا ہوا ہے۔"

(ستیارتھ باب ۱۴ دفعہ ۶۲ صفحہ ۷۳۰)

"کہیں قرآن میں لکھا ہے۔ کہ اونچی آواز سے اپنے پروردگار کو پکارو۔ اور کہیں لکھا ہے کہ دھیمی آواز سے خدا کو یاد کرو۔ اب کہئے کون سی بات سچی اور کونسی جھوٹی ہے۔ ایک دوسرے کے متضاد باتیں پاگلوں کی بکواس کی مانند ہوتی ہیں۔"

(ستیارتھ پرکاش باب ۱۴ دفعہ ۷۵ صفحہ ۷۳۴)

چنانچہ چند آیات قرآنی بطور نمونہ لکھی جاتی ہیں۔ جن میں تمہارے جیسے بد باطن دشمنوں کو اپنی کوتاہ فہمی سے تناقض اور اختلاف معلوم ہوتا ہے۔

(۱) "یا ایھا النبی جاھد الکفار والمنٰفقین واغلظ علیھم" (توبہ ع ۱۰) یعنی اے نبی! کافروں اور منافقوں سے جہاد کر۔ اور ان پر سختی کر۔ اور دوسرے مقام پہ فرماتا ہے "لا اکراہ فی الدین" (بقرہ ع ۳۴) کہ دین میں جبر جائز نہیں۔

(۲) "ووجدک ضالا فھدیٰ" (الضحیٰ ع ۱) کہ اے نبی ہم نے آپ کو "ضال" پایا۔ اور ہدایت دی۔ مگر دوسری جگہ فرمایا "ما ضل صاحبکم وما غویٰ" (نجم ع ۱) کہ آنحضرت صلعم "ضال" نہیں ہوئے۔

نوٹ: محمدیہ پاکٹ بک کے مصنف نے اس کے متعلق لکھا ہے۔ کہ پہلی آیت میں "ضال" بمعنی گمراہ نہیں بلکہ "طالب خیر" اور متلاشی کے معنوں میں ہے۔ مگر دوسری آیت میں بمعنی گمراہ ہے۔ اس کے متعلق یاد رکھنا چاہیے کہ اس سے ثابت ہو گیا۔ کہ بعض دفعہ دو عبارتوں میں ایک ہی لفظ کا استعمال ایک جگہ بصورت ایجاب مگر دوسری جگہ بصورت سلب ہوتا ہے مگر اس لفظ کے مختلف معانی ہونے کے باعث دونوں جگہ اس کے الگ الگ مفہوم ہوتے ہیں۔ لہٰذا ان میں تناقض قرار دینا تمہارے جیسے "سیاہ باطن" انسانوں ہی کا کام ہو سکتا ہے۔ بعینہٖ اسی طرح حضرت اقدس کی تحریرات میں مسیح یا انجیل یا نبوت کے الفاظ دو مختلف مفہوموں کے لحاظ سے استعمال ہوئے ہیں کسی جگہ مسیح سے مراد انجیلی یسوع ہے۔ اور کسی جگہ قرآنی مسیح۔ اسی طرح کسی جگہ انجیل سے مراد محرف و مبدل انجیل ہے۔ اور کسی جگہ اصل انجیل جو مسیح علیہ السلام پہ نازل ہوئی تھی۔ کسی جگہ

نبوت سے مراد تشریعی براہ راست نبوت ہے (اور اس کی اپنے متعلق نفی فرمائی ہے) مگر دوسری جگہ نبوت سے مراد بالواسطہ غیر تشریعی نبوت ہے۔ (اور اس کو اپنے وجود میں تسلیم فرمایا ہے) پس ایسی تحریرات کو متناقض اور متخالف قرار دینا بھی انتہائی سبیہ باطنی ہے۔ خادم

(۳) اللہ تعالےٰ ایک جگہ فرماتا ہے "اِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ وَجِلَتْ قُلُوْبُھُمْ" (انفال) کہ جب مومنوں کے سامنے اللہ تعالےٰ کا ذکر ہوتا ہے۔ تو ان کے دل جوش مارنے لگ جاتے ہیں۔ مگر دوسری جگہ فرمایا "اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ" (رعد ع۴) ۔ کہ اللہ تعالےٰ کے ذکر سے دل میں سکون اور اطمینان پیدا ہوتا ہے

(۴) ایک جگہ فرمایا "اَلَمْ یَجِدْکَ یَتِیْمًا فَاٰوٰی" (الضحیٰ) کہ اے نبی! ہم نے تجھے یتیم پایا۔ اور تجھے اپنی پناہ میں لے لیا۔ مگر دوسری جگہ فرمایا "فَلَا تَقُلْ لَّھُمَا اُفٍّ" (بنی اسرائیل ع۳) کہ تو اپنے والدین کو اُف تک نہ کہہ۔

(۵) ایک جگہ فرمایا۔ "فَانْکِحُوْا مَا طَابَ لَکُمْ مِّنَ النِّسَآءِ..... فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَۃً" (نساء ع۱) کہ دو دو چار چار بیویاں کرو۔ اور اگر تمہیں ڈر ہو کہ تم عدل نہ کر سکو گے۔ تو پھر ایک ہی کرو مگر دوسری جگہ فرمایا "وَلَنْ تَسْتَطِیْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَیْنَ النِّسَآءِ" (نساء ع ۱۹) کہ تم ہرگز اپنی بیویوں میں انصاف نہیں کر سکو گے۔ خواہ تم کتنی خواہش کرو۔

۔ غرضیکہ اور بھی بہت سی آیات ہیں۔ اب ظاہر ہے۔ کہ گو بظاہر ان میں اختلاف اور تناقض معلوم ہوتا ہے۔ مگر درحقیقت تناقض نہیں کیونکہ ہمارے نزدیک ان میں تناقض کی وحدتیں پائی نہیں جاتیں۔ ہر ایک ان میں سے مختلف مواقع پر مختلف حالات کے لحاظ سے مختلف مضامین کی حامل ہیں۔ لہذا بوجہ عدم تحققِ وحدت ان میں تناقض نہیں۔ بعینہٖ اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اقوال میں بھی درحقیقت کوئی تناقض یا اختلاف نہیں۔ مگر جس طرح دشمنان اسلام نے قرآن مجید پر تناقض اور اختلاف کا جھوٹا الزام لگایا تھا۔ اسی طرح دشمنان احمدیت نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اقوال کے متعلق تناقض کا الزام لگایا ہے پس " تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ " کے مطابق دونوں اعتراض کنندگان غلطی پر ہیں۔ نہ قرآن مجید میں اختلاف۔ اور نہ خادمِ قرآن حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اقوال میں تناقض ہے

اب ہم ذیل میں ان مقامات کو لیتے ہیں۔ جن کو پیش کر کے مخالفین حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اقوال میں تناقض ثابت کرنے کی ناکام کوشش کیا کرتے ہیں۔

تناقض کی تعریف

لیکن قبل اس کے کہ ہم مفصل بحث کریں۔ تناقض کی تعریف از روئے منطق درج کرتے ہیں مشہور شعر ہیں ؎

در تناقض ہشت وحدت شرط داں ÷ وحدتِ موضوع و محمول و مکاں

وحدتِ شرط و اضافت - جزو کل ، قوت و فعل ست در آخر زماں

یعنی موضوع - محمول - مکان - شرط - اضافت - جزو کل اور بالقوہ و بالفعل

اور زمانہ کے لحاظ سے اگر دو قضیئے متفق ہوں - مگر ان میں ایجاب و سلب کا

اختلاف بلحاظِ حکم اور موجہ میں کیفیت اور محصورہ میں کمیّت کا اختلاف ہو - تو

وہ دونوں قضیئے متناقض کہلائیں گے ۔

کسی سے قرآن پڑھنا

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی کتاب " ایام الصلح " اردو کے صفحہ ۱۴۷ پر تحریر فرمایا ہے کہ " کوئی ثابت نہیں کر سکتا - کہ کسی شخص سے میں نے قرآن حدیث یا تفسیر کا ایک سبق بھی پڑھا ہے " لیکن دوسری جگہ کتاب البریہ حاشیہ ۱۴۹ پر رقم فرماتے ہیں - کہ " جب میں چھ سات سال کا تھا - تو ایک فارسی خوان معلم میرے لئے نوکر رکھا گیا - جس سے میں نے قرآن کریم پڑھا " (ملخصاً)

جواب :- اس کے متعلق گذارش یہ ہے - کہ اعتراض کرتے وقت علماء بنی اسرائیل کے نقش قدم پہ چلتے ہوئے ازراہ تحریف ایام الصلح صفحہ ۱۴۷ کی نصف عبارت پیش کرتے ہیں - اصل حقیقت کو واضح کرنے کے لئے عبارت متنازعہ کا مکمل فقرہ درج ذیل ہے :-

" سو آنے والے کا نام جو " مہدی " رکھا گیا - تو اس میں یہی اشارہ ہے - کہ وہ آنے والا علم دین خدا سے ہی حاصل کرے گا - اور قرآن اور حدیث میں کسی استاد کا شاگرد نہیں ہوگا - میں حلفاً کہہ سکتا ہوں - کہ میرا حال یہی ہے کوئی ثابت نہیں کر سکتا - کہ کسی شخص سے میں نے قرآن - حدیث یا تفسیر کا ایک

مسبق بھی پڑھا ہے۔ پس یہی مہدویت ہے۔ جو نبوت محمدیہ کے منہاج پر
مجھے حاصل ہے۔ اور اسرارِ دین بلا واسطہ میرے پر کھولے گئے ہیں۔ (ایام الصلح ص ۱۴۷)

معترض کی پیش کردہ عبارت کے سیاق میں "علم دین" اور "سیاق میں"
"اسرارِ دین" کے الفاظ صاف طور پر مذکور ہیں۔ جن سے ہر اہلِ انصاف پر یہ
بات روزِ روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے۔ کہ اس عبارت کے قرآن کریم کے
ناظرہ پڑھنے کا سوال نہیں۔ بلکہ اس کے معانی و مطالب۔ حقائق و معارف
کے سیکھنے کا سوال ہے۔ اور عبارت کا مطلب یہ ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام
فرماتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آنے والے موعود کا نام جو مہدی رکھا
تو وہ اس لحاظ سے کہ وہ علوم و اسرارِ دین کسی انسان سے نہیں سیکھے گا
گویا حقائق و معارف قرآن مجید میں اس کا کوئی استاد نہیں ہوگا۔ چنانچہ
حضور فرماتے ہیں۔ کہ اس لحاظ سے میرا بھی کوئی استاد نہیں۔ جس سے میں نے
"علم دین" یا "اسرار دین" کی تعلیم پائی ہو۔ اور ظاہر ہے کہ قرآن مجید کے
الفاظ کا بلا ترجمہ و تشریح کسی شخص سے پڑھنا۔ علم و اسرار دین سیکھنے کے
مترادف نہیں ہے۔ کیونکہ "الفاظ قرآن" اور "علم قرآن" میں خود قرآن مجید
نے فرق کیا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ "هُوَ الَّذِي بَعَثَ
فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَ
يُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ (الجمعة ع۱) کہ رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم
کو اللہ تعالیٰ نے مبعوث فرمایا ہے۔ آپ لوگوں کے سامنے اللہ تعالیٰ کی
آیات (یعنی الفاظ قرآن) پڑھتے۔ ان کا تزکیہ نفس کرتے۔ اور ان کو کتاب

(یعنی قرآن مجید) اور حکمت کا "علم" بھی دیتے ہیں۔

اس آیت میں یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ اٰیٰتِہٖ کے الفاظ میں "الفاظ قرآن" کا ذکر فرمایا ہے۔ اور یُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ فرما کر قرآن مجید کے مطالب و معانی اور حقائق و معارف کا تذکرہ فرمایا ہے۔ پس مندرجہ بالا آیت نے صاف طور پر ثابت ہو گیا۔ کہ صرف "قرآن کا پڑھنا" "علم قرآن" حاصل کرنا نہیں ہے۔ یا یوں کہو کہ الفاظ قرآن کے کسی شخص سے پڑھنے کا مطلب یہ نہیں ہوتا۔ کہ علم دین بھی اس شخص سے حاصل کیا گیا۔

دوسری عبارت، جو معترضین کتاب البریہ سے پیش کرتے ہیں۔ اس میں صرف اس قدر ذکر ہے۔ کہ چھ برس کی عمر میں ایک استاد سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے قرآن مجید پڑھا۔ اس میں یہ ذکر نہیں ہے۔ کہ حضور نے "علم دین" یا "اسرار دین" یا قرآن مجید کے حقائق و معارف یا معانی و مطالب کسی شخص سے پڑھے ہیں۔ تا یہ خیال ہو سکے۔ کہ حضرت مسیح موعودؑ کی دونوں عبارتوں میں تناقض ہے۔ ہمارا دعویٰ ہے۔ کہ کتاب البریہ کی عبارت میں چھ برس کی عمر میں، ایک استاد سے قرآن مجید ناظرہ پڑھنے کا ذکر ہے۔ اور ایام الصلح ص ۱۴۷ کی عبارت میں کسی شخص سے قرآن مجید کے مطالب و معارف سیکھنے کی نفی کی گئی ہے۔ گویا جس چیز کی نفی ہے وہ اور ہے اور دوسری جگہ جس چیز کا اثبات ہے وُہ اور ہے۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ

ممکن ہے کوئی معترض یہ کہے کہ سیاق و سباق دیکھنے کی کیا ضرورت ہے۔

دونوں عبارتوں میں قرآن مجید ہی کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ ہم تو دونوں جگہ اس کے ایک ہی معنی لیں گے۔ اس شبہ کا جواب یہ ہے۔ کہ یہ بالکل ممکن ہے کہ ایک جگہ ایک لفظ بول کر نفی کی ہو۔ اور دوسری جگہ اسی لفظ کا استعمال کرکے اس کا اثبات کیا گیا ہو۔ مگر اس کے باوجود مفہوم اس لفظ کا دونو جگہ مختلف ہو۔ بغرض تشریح دو مثالیں لکھتا ہوں۔

ایک مثال

۱۔ قرآن مجید کی رُو سے بحالت روزہ بیوی سے مباشرت ممنوع ہے۔ مگر بخاری، مسلم، اور مشکوۃ تینوں میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مندرجہ ذیل روایت درج ہے عَنْ عائشۃ رضی اللہ عنہا قالت کان اَملککم لِاِرَبِہٖ (بخاری جلد ا کتاب الصوم و مشکوۃ ص۱۷۶ مطبع اصح المطابع باب تنزیہ الصوم) کہ حضرت عائشہ رضؓ سے روایت ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم روزہ میں ازواج کے بوسے لیا کرتے تھے۔ اور ان سے مباشرت کرتے تھے۔ اس حالت میں کہ آپ کا روزہ ہوتا تھا۔ مگر آپ اپنی خواہش پر تم سب سے زیادہ قابو رکھتے تھے۔

اب کیا قرآن کریم کے حکم لَاتُبَاشِرُوْهُنَّ کو مندرجہ بالا روائت کے الفاظ یُبَاشِرُ وَھُوَ صَائِمٌ کے بالمقابل رکھ کر کوئی ایماندار شخص یہ کہنے کی جرأت کرسکتا ہے۔ کہ دونو جگہ ایک ہی چیز کی نفی اور ایک ہی چیز کا اثبات کیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ حدیث مندرجہ بالا میں "مباشرت" سے مراد مجامعت نہیں۔ بلکہ محض عورت کے قریب ہونا ہے۔ اور اس پر قرینہ

اسی روایت کا اگلا جملہ وَکَانَ اَملکُکُم لِاِربہٖ ہے۔

لیکن اس کے برعکس قرآن مجید میں جہاں لفظ مباشرت آیا ہے۔ وہاں اس سے مراد "مجامعت" ہے۔ پس گو دونوں جگہ لفظ ایک ہی استعمال ہوا ہے مگر اس کا مفہوم دونوں جگہ مختلف ہے۔ اور سیاق وسباق عبارت سے ہمارے لیئے اس فرق کا سمجھنا نہایت آسان ہے۔

دوسری مثال

دوسری مثال قرآن مجید میں ہی ہے۔ ایک جگہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے مَا ضَلَّ صَاحِبُکُمْ وَمَا غَوٰی (سورۃ النجم ع۱) کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم "ضال" نہیں ہوئے اور نہ راہ راست سے بھٹکے۔ لیکن دوسری جگہ فرمایا۔ وَوَجَدَکَ ضَالًّا فَھَدٰی (سورۃ الضحیٰ ع۱) کہ اے رسول ہم نے آپ کو ضال پایا۔ اور آپ کو ہدایت دی۔ دونوں جگہ "ضال" ہی کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ ایک جگہ اس کی نفی کی گئی ہے۔ مگر دوسری جگہ اس کا اثبات ہے۔ کیا کوئی ایماندار کہہ سکتا ہے۔ کہ ان دونوں عبارتوں میں تناقض ہرگز نہیں۔ کیونکہ ہر اہل علم دونوں عبارتوں کے سیاق وسباق سے سمجھ سکتا ہے۔ کہ دونوں جگہ لفظ "ضال" ایک معنی پر استعمال نہیں ہوا بلکہ دونوں جگہ اس کا مفہوم مختلف ہے۔ ایک جگہ اگر "گمراہ" مراد ہے اور اس کی نفی ہے۔ تو دوسری طرف تلاش کرنے والا قرار دینا مقصود اور اس امر کا اثبات ہے۔ پس ہمارے مخالفین کا یہ کہہ کر جا بجا جھگڑے کی کوشش کرنا کہ "لفظ دونوں جگہ" ایک ہی ہے سیاق وسباق عبارت

دیکھنے کی کیا ضرورت ہے" حد درجہ کی ناانصافی ہے۔

قرآن کریم کا ترجمہ حضرت مسیح موعودؑ نے کسی سے نہیں پڑھا

ہم معترض کی پیش کردہ دونوں عبارتوں پر ان کے سیاق و سباق کے لحاظ سے جب غور کرتے ہیں۔ تو صاف طور پر معلوم ہوتا ہے۔ کہ کتاب البریہ کی عبارت میں حضرت مسیح موعودؑ نے یہ ذکر فرمایا ہے۔ کہ میری چھ سات سال کی عمر میں میرے والد صاحب نے میرے لئے ایک استاد مقرر کیا۔ جس سے میں نے قرآن مجید پڑھا۔ اور ہر عقلمند انسان بآسانی سمجھ سکتا ہے۔ کہ چھ سات سال کے عرصہ میں بچہ قرآن مجید کے معانی و مطالب اور حقائق و معارف سمجھنے کی اہلیت ہی نہیں رکھتا۔ پس یہ امر تسلیم ہی نہیں کیا جا سکتا۔ کہ حضرت کے والد بزرگوار نے چھ سات سال کی عمر کے بچہ کو معارف قرآنیہ سکھانے کے لئے ایک استاد مقرر کیا ہو۔ پس اس عبارت میں چھ سات سال کی عمر کا ذکر ہی اس امر کا کافی ثبوت ہے۔ کہ حضور نے اس حوالہ میں قرآن مجید کے مجرد الفاظ کا استاد سے پڑھنا تسلیم فرمایا ہے۔ مگر حضور کی کسی تحریر سے یہ ثابت نہیں۔ کہ قرآن مجید کا ترجمہ یا قرآنی مطالب بھی حضور نے خدا کے سوا کسی استاد سے پڑھے ہوں۔ اس کے بالمقابل معترض کی پیش کردہ عبارت از "ایام الصلح" میں حضرت نے صاف لفظوں میں یہ فرمایا ہے۔ "علم دین" اور "اسرار دین" کے لحاظ سے قرآن مجید کسی سے نہیں پڑھا۔ اور یہ حقیقت ہے۔ جس کی نفی کسی دوسری عبارت میں نہیں کی گئی۔ اس امر کے ثبوت میں کہ ایام الصلح کی عبارت میں قرآن مجید کے

الفاظ کا ذکر نہیں۔ بلکہ قرآن مجید کے معانی و مطالب کے کسی انسان سے سیکھنے کی نفی ہے۔ ہم ایام الصلح کی عبارت کا سیاق و سباق اور اس کا مضمون دیکھتے ہیں۔ ایام الصلح کو دیکھنے سے معلوم ہوگا۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اس موقعہ پر اپنے دعویٰ مہدویت کی صداقت کے دلائل کے ضمن میں ایک دلیل ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔

"آنے والے کا نام جو مہدی رکھا گیا ہے۔ اس میں یہی اشارہ ہے۔ کہ وہ آنے والا علم دین خدا سے ہی حاصل کرے گا۔ اور قرآن و حدیث میں کسی استاد کا شاگرد نہیں ہوگا۔ میں حلفاً کہہ سکتا ہوں۔ کہ میرا یہی حال ہے۔ کوئی ثابت نہیں کر سکتا کہ کسی شخص سے میں نے قرآن و حدیث یا تفسیر کا ایک سبق بھی پڑھا ہے۔ پس یہی مہدویت ہے۔ جو نبوت محمدیہ کے منہاج پر مجھے حاصل ہوئی ہے۔ اور اسرارِ دین بلاواسطہ مجھ پر کھولے گئے۔" (صفحہ ۱۴۷)

(ب) اس مضمون پر بحث کرتے ہوئے ذرا آگے چل کر فرماتے ہیں:۔

"مہدویت سے مراد وہ بے انتہا معارف الہیہ اور علوم حکمیہ اور علمی برکات ہیں۔ جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو بغیر واسطہ کسی استاد کے علم دین کے متعلق سکھائے گئے۔" (صفحہ ۱۴۹)

اس عبارت میں بعینہ وہی مضمون ہے جو معترض کی پیش کردہ عبارت میں ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی اس میں ان الفاظ کی مکمل تشریح بھی موجود ہے۔ جن کے اجمال سے معترض نے ناجائز فائدہ اٹھانے کی ناکام کوشش کی ہے۔

(ج) اگلے صفحہ پر اسی مضمون کو مندرجہ ذیل الفاظ میں سہ کر بیان فرمایا ہے

"روحانی اور عرفانی برکتیں جو ہدایتِ کاملہ اور قوتِ ایمانی کے عطا کرنے اور معارف اور لطائف اور اسرارِ الٰہیہ اور علوم حکمیہ کے سکھانے سے مراد ہے۔ ان کے پانے کے لحاظ سے وہ مہدی کہلائے گا۔" (صـــ۱۵۰)

اس عبارت میں بھی "مہدویت" کی تعریف کو دہرایا گیا ہے۔ "معارف" "لطائف" "اسرارِ الٰہیہ اور علوم حکمیہ" کے الفاظ اس بات کی قطعی دلیل ہیں کہ معترض کی پیش کردہ صـــ۱۴۷ والی عبارت میں بھی انہی امور کا ذکر ہے قرآن مجید کے الفاظ کے پڑھنے کا ذکر نہیں۔ جیسا کہ اس عبارت میں "علم دین" اور "اسرارِ دین" کے الفاظ اس پہ گواہی دے رہے ہیں۔ اور جن کے متعلق اوپر لکھا جا چکا ہے۔

(د) اسی دلیل کو اور زیادہ وضاحت سے بیان کرتے ہوئے صـــ۱۵۶ پر حضرت فرماتے ہیں: "ہزار ہا اسرار علم دین کھل گئے۔ قرآنی معارف اور حقائق ظاہر ہوئے۔ کیا ان باتوں کا پہلے نشان تھا"

اس عبارت میں بھی حضور نے جن چیزوں کے خدا تعالےٰ سے سیکھنے کا ذکر فرمایا ہے۔ وہ "قرآنی معارف و حقائق" ہیں نہ کہ الفاظِ قرآنی!

(س) آگے چل کر بطور نتیجہ تحریر فرماتے ہیں۔ "سو میری کتابوں میں ان برکات کا نمونہ بہت کچھ موجود ہے۔ براہین احمدیہ سے لے کر آج تک جس قدر متفرق کتابوں میں اسرار اور نکاتِ دین خدا تعالےٰ نے میری زبان پہ باوجود نہ ہونے کسی استاد کے جاری کئے ہیں...... اس کی نظیر اگر موجود ہے۔ تو کوئی صاحب پیش کریں" (ایام الصلح صـــ۱۵۸)

(ن) پھر فرماتے ہیں:۔ " جو دینی اور قرآنی معارف۔ حقائق اور اسرار مع لوازم بلاغت وفصاحت کے میں لکھ سکتا ہوں۔ دوسرا ہر گز نہیں لکھ سکتا اگر ایک دنیا جمع ہو کر میرے اس امتحان کے لئے آئے۔ تو مجھے غالب پائیگی"

(ص ۱۵۹) (س) اس عبارت پر حاشیہ لکھتے ہیں " مہوتسو کے جلسہ میں بھی اس کا امتحان ہو چکا ہے"

(ش) اسی طرح ص ۱۶۱ پر بھی حقائق ومعارف اور نکات اور اسرار شریعت کے الفاظ موجود ہیں۔ غرضیکہ ایام الصلح کے مندرجہ بالا اقتباسات جو سیاق کے سب معترضین کی پیش کردہ عبارت کے ساتھ ملحق ہیں۔ یہ امر روز روشن کی طرح ثابت ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کسی انسان سے جس چیز کے پڑھنے کی نفی فرمائی ہے۔ وہ قرآنی الفاظ نہیں بلکہ حقائق ومعارف قرآنیہ ہیں۔ حضرت نے ایام الصلح یا کسی اور کتاب میں ایک جگہ بھی یہ تحریر نہیں فرمایا۔ کہ میں نے قرآن مجید ناظرہ کبھی کسی شخص سے نہیں پڑھا۔ نہ یہ چیلنج دیا ہے۔ کہ میں باوجود استاد نہ ہونے کے قرآن مجید کے الفاظ خوب اچھی طرح پڑھ لیتا ہوں۔ اور یہ کہ فن قرأت میں میرا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا۔ ہاں حضور نے یہ ضرور دعویٰ فرمایا ہے۔ کہ قرآن مجید کے حقائق ومعارف۔ مطالب اور نکات حضور کے الہام الرحمٰن علم القرآن کے مطابق حضور کو براہ راست اللہ تعالےٰ کی طرف سے حاصل ہوئے اور اس لحاظ سے یقیناً حضور نے قرآن مجید کسی انسان سے نہیں پڑھا اور اسی امر کا دعویٰ حضور نے ایام الصلح ص ۱۴۷ پر بھی کیا ہے۔ جس کو معترضین

جماعت احمدیہ انتہائی ناانصافی سے بطور اعتراض پیش کر کے ناواقف لوگوں کو دھوکہ دیتے ہیں ؎

مِن تلبیسھم قد حرفوا الفاظ تفسیرا
وَ قَدْ بانت ضلالتھم ولذا القوا المعاذیرا (المسیح الموعود)

حضرت مسیح کی چڑیوں کی پرواز

مرزا صاحب نے آئینہ کمالات ص۳۱۷ میں لکھا ہے۔ کہ حضرت مسیح کی چڑیوں کا پرواز قرآن مجید سے ثابت ہے۔ لیکن ازالہ ص۳۰۷ پر لکھا ہے کہ پرواز ثابت نہیں؟

جواب:۔ اصل عبارتیں درج ذیل ہیں:۔

"اس فن (عمل الترب) کے ذریعہ سے ایک جماد میں حرکت پیدا ہوتی ہے۔ اور وہ جانداروں کی طرح چلنے لگتا ہے۔ تو اگر اس میں پرواز بھی ہو تو بعید کیا ہے۔ مگر یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ ایسا جانور جو مٹی یا لکڑی وغیرہ سے بنایا جائے۔ اور عمل الترب سے اپنی روح کی گرمی اس کو پہنچائی جائے وہ درحقیقت زندہ نہیں ہوتا۔ بلکہ بدستور بے جان اور جماد ہوتا ہے صرف عامل کی روح کی گرمی بارود کی طرح اسکو جنبش میں لاتی ہے اور یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ ان پرندوں کا پرواز کرنا قرآن شریف سے ہرگز ثابت نہیں ہوتا۔ بلکہ ان کا ہلنا اور جنبش کرنا بھی بپایہ ثبوت کو نہیں پہنچتا۔ اور نہ درحقیقت ان کا زندہ ہو جانا ثابت ہوتا ہے"

(ازالہ اوہام ص۳۰۷ طبع اول)

آئینہ کمالات اسلام کی عبارت مندرجہ ذیل ہے:۔

"حضرت مسیح کی چڑیاں باوجودیکہ معجزہ کے طور پر ان کا پرواز قرآن کریم سے ثابت ہے۔ مگر پھر بھی مٹی کی مٹی تھیں۔ اور کہیں خدا تعالے نے یہ نہ فرمایا کہ وہ زندہ بھی ہوگئیں" (آئینہ کمالات اسلام صہ ۶۸) پس کوئی اختلاف نہیں۔ کیونکہ انکار حقیقی زندگی کے ساتھ سچ مچ کے پرواز کا ہے۔ اور اقرار غیر حقیقی اور عارضی پرواز کا۔

مریدوں کی تعداد

مرزا صاحب نے پہلے اپنے مریدوں کی تعداد پانچ ہزار بیان کی لیکن جب ایک سال کے بعد ہی انکم ٹیکس کا سوال ہوا۔ تو جھٹ لکھ دیا کہ میرے مریدوں کی تعداد دو صد ہے۔

جواب:۔ پہلی تعداد حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے مریدوں کی عورتوں اور بچوں سمیت مجموعی لکھی ہے۔ اور دوسری ضرورت الامام" والی تعداد صرف چندہ دینے والے مردوں کی ہے۔ اس میں چندہ نہ دینے والے بچے اور عورتیں شامل نہیں ہیں۔ کیا اس فہرست میں حضرت ام المومنین حضرت خلیفۃ المسیح الثانی وغیرہ کے نام ہیں۔ ظاہر ہے کہ مؤخرالذکر موقعہ پر سوال آمدنی کا تھا۔ اور وہی لسٹ مطلوب تھی جو ان لوگوں کی ہو۔ جو خود کماتے اور چندہ دیتے ہیں۔ پس جب مجسٹریٹ نے ان لوگوں کی لسٹ طلب کی جو چندہ دیتے تھے۔ تو کیا اس کے جواب میں ان لوگوں کی فہرست دیدی جاتی۔ جو چندہ نہیں دیتے تھے ع برین عقل و دانش بباید گریست

منکرین پر فتویٔ کفر

اعتراض - تریاق القلوب میں لکھتے ہیں کہ "میرے دعویٰ کے انکار سے کوئی کافر نہیں ہوتا" مگر عبدالحکیم مرتد کو لکھتے ہیں۔ کہ جس شخص کو میری دعوت پہنچی ہے۔ اور وہ مجھے نہیں مانتا۔ وہ مسلمان نہیں ہے۔

جواب:- حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے خود اس اعتراض کا مفصل جواب حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۶۳ تا صفحہ ۱۶۷ پہ دیا ہے وہاں سے دیکھا جائے۔

(۲) پہلی عبارت میں لکھا ہے کہ میرے دعویٰ کے انکار سے کوئی کافر نہیں ہوتا۔ کیونکہ "اپنے دعویٰ کے انکار سے کافر قرار دینا ...... انہی نبیوں کی شان ہے۔ جو خدا تعالےٰ کی طرف سے نئی شریعت لاتے ہیں۔ گویا صرف تشریعی نبی کا انکار کفر ہے۔ اب حقیقۃ الوحی میں حضرتؑ نے اپنے دعویٰ کے متعلق لکھا ہے کہ "جو مجھے نہیں مانتا۔ خدا اور رسول کو بھی نہیں مانتا کیونکہ میری نسبت خدا اور رسول کی پیشگوئی موجود ہے" (حقیقۃ الوحی ص۱۶۳)

"جو شخص خدا اور رسول کے بیان کو نہیں مانتا...... تو وہ مومن کیونکر ہو سکتا ہے" (حقیقۃ الوحی ص۱۶۴)

پس ثابت ہوا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا انکار خواہ اپنی ذات میں کفر نہ ہو۔ مگر بوجہ اس کے کہ آپ کا انکار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم (جو تشریعی نبی ہیں) کے انکار کو مستلزم ہے۔ لہٰذا کفر ہے۔ پس دونوں عبارتوں میں کوئی تناقض نہیں۔ کیونکہ تریاق القلوب کی عبارت میں بتایا گیا ہے

کہ غیر تشریعی انبیاء کا انکار بالذات کفر نہیں ہوتا۔ اور حقیقۃ الوحی کی عبارت میں بتایا گیا ہے۔ کہ چونکہ غیر تشریعی نبی کا انکار مستلزم ہوتا ہے تشریعی نبی کے انکار کو۔ اس لئے وہ بالواسطہ کفر ہے۔

تشریعی نبوّت کا دعویٰ

حضرت نے اپنی متعدد تصانیف میں تحریر فرمایا ہے۔ کہ میں غیر تشریعی نبی ہوں صاحب شریعت نہیں۔ مگر اربعین نمبر۲ صفحہ۶ پر لکھا ہے کہ میں صاحب شریعت نبی ہوں۔

جواب:۔ سراسر افتراء ہے حضرت نے ہرگز اربعین چھوڑ کسی اور کتاب میں بھی تحریر نہیں فرمایا۔ کہ میں تشریعی نبی ہوں۔ بلکہ حضور نے اپنی آخری تحریر میں بھی شدت کیساتھ اس الزام کی تردید فرمائی ہے۔ جیسا کہ فرماتے ہیں:۔

"یہ الزام جو میرے ذمہ لگایا جاتا ہے۔ کہ میں اپنے تئیں ایسا نبی سمجھتا ہوں کہ قرآن کریم کی پیروی کی کچھ حاجت نہیں سمجھتا۔ اور اپنا علیحدہ کلمہ اور علیحدہ قبلہ بناتا ہوں۔ اور شریعت اسلام کو منسوخ کی طرح قرار دیتا ہوں۔ یہ الزام میرے پر صحیح نہیں۔ بلکہ ایسا دعویٰ میرے نزدیک **کفر** ہے۔ اور نہ آج سے بلکہ ہمیشہ سے اپنی ہر ایک کتاب میں یہی لکھتا آیا ہوں۔ کہ اس قسم کی نبوت کا مجھے کوئی دعوی نہیں۔ اور یہ سراسر میرے پر تہمت ہے۔"

(اخبار عام ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء)

۲۔ جو حوالہ تم اربعین سے پیش کرتے ہو۔ اس میں ہرگز یہ نہیں لکھا ہوا کہ میں تشریعی نبی ہوں۔ آپ نے تو مخالفین کو ملزم کرنے کے لئے لو تقول کی

بحث کے ضمن میں تحریر فرمایا ہے۔ کہ اگر کہو کہ لو تقول والا ۲۳ سالہ معیار تشریعی انبیاء سے متعلق ہے۔ تو یہ دعویٰ بلا دلیل ہے۔" پھر معترض کو مزید ملزم اور لاجواب کرنے کے لئے کہتے ہیں۔ کہ تمہاری مراد "صاحب شریعت" سے کیا ہے۔ اگر کہو "صاحب شریعت" سے مراد وہ ہے جس کی وحی میں امر اور نہی ہو۔" تو اس تعریف کی رو سے بھی ہمارے مخالف ملزم ہیں۔ کیونکہ میری وحی میں امر بھی ہیں اور نہی بھی۔"

گویا حضرتؑ نے اپنے مخالفین کو محض "اس تعریف کے رو سے ملزم" کیا ہے۔ نہ یہ کہ صاحب شریعت نبی کی تعریف اپنی مسلمہ پیش کی ہے۔ چنانچہ حضرت نے اس کے آگے اپنی وحی جو پیش کی ہے "قل للمومنین یغضوا من ابصارھم ویحفظوا فروجھم" یہ قرآن مجید کی آیت ہے۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر "تجدید" کے رنگ میں نازل ہوئی ہے۔ پس حضرت اقدس کی وحی قرآنی شریعت کی "تجدید" کر کے از سر نو اس کو دنیا میں شائع کرنے کے لئے ہے مستقل طور پر نہ اس میں کوئی نئے اوامر ہیں نہ نواہی۔ پس آپ کا دعویٰ "صاحب شریعت" ہونے کا نہ ہوا۔ بلکہ شریعت کے مجدد ہونے کا ہوا۔ چنانچہ اسی صفحہ ۶ کے حاشیہ پر حضرت نے صاف طور پر تحریر فرما دیا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے امر اور نہی میری وحی میں تجدید کے رنگ میں نازل فرمائے ہیں۔ (دیکھو اربعین ۴ صفحہ ۶ حاشیہ)

اب ظاہر ہے کہ صاحب شریعت نبی اس کو کہتے ہیں جس کی وحی میں نئے اوامر اور نئے نواہی ہوں۔ جو پہلی شریعت کے اوامر و نواہی کو

منسوخ کرنے والے ہوں۔ مگر حضرت اقدس کی وحی میں ہرگز ایسا نہیں۔ لہٰذا یہ کہنا کہ حضرت نے تشریعی نبوت کا دعویٰ کیا ہے محض افتراء اور بہتان ہے۔ کہاں الزامی جواب جو حضرت نے محولہ عبارت میں دیا ہے۔ اور کہاں اپنی طرف سے اپنا ایک عقیدہ بیان کرنا ؏

کہا ہم نے جو دل کا درد تم اس کو گلہ سمجھے
تصدق اس سمجھ کے مرحبا سمجھے تو کیا سمجھے

دعویٰ نبوت اور اس کی نفی

اس کے متعلق ہم مفصل بحث مسئلہ ختم نبوت کے ضمن میں کر آئے ہیں۔ وہاں سے ملاحظہ ہو۔

یسوع کی مذمت اور حضرت مسیح کی تعریف

اس کے متعلق مفصل بحث دیکھو مضمون قرآنی مسیح و انجیلی یسوع ......

(۲) ہم اصولی طور پر تناقضات کے مضمون کے شروع میں صفحہ ۹۲۳ پر ثابت کر آئے ہیں۔ کہ محض ایک لفظ کے دو جگہ استعمال ہونے۔ اور اس کے ایجاب وسلب سے تناقض ثابت نہیں ہوتا۔ جہاں یسوع کی مذمت ہے۔ اور اس کی تعلیم کو ناقص قرار دیا ہے۔ وہاں عیسائیوں کے بالمقابل انجیلی مسلمات پر اعتراض کیا ہے۔ اور جہاں مسیح علیہ السلام یا یسوع کی تعریف کی ہے۔ وہاں اسلامی تعلیم کے لحاظ سے اہل اسلام کو مخاطب کیا ہے۔ پس دونوں عبارتوں میں تناقض نہیں۔ اسی طرح حاشیہ ضمیمہ انجام آتھم صفحہ ۵ پر جو ایک شریر کے جسم میں "یسوع" کی روح قرار دی ہے۔ وہاں "انجیلی یسوع" مراد ہے۔ مگر تحفہ قیصریہ میں حقیقی

اور اسلامی مسیح مراد ہیں۔ لہذا کوئی تناقض نہیں ہے۔

حیاتِ مسیح میں اختلاف

مسیح کی زندگی اور موت اور دوبارہ نزول کے متعلق مفصل بحث مسئلہ وفاتِ مسیح کے ضمن میں ملاحظہ ہو۔

مسیح کی بادشاہت

مسیح کی بادشاہت کی جو تاویل حضرت اقدس نے براہین حصہ پنجم پر کی ہے وہ حضور کی اپنی طرف سے اسلامی نقطۂ نگاہ ہے۔ اور اعجاز احمدی ص۱۲ پر حضرت نے یہودیوں کا اعتراض نقل کیا ہے۔ وہ اپنی طرف سے نہیں۔ ظاہر ہے کہ براہین حصہ پنجم والی تاویل میں حضرت صاحب نے اپنی طرف سے "بادشاہت" کو "آسمانی بادشاہت" قرار دے کر حضرت مسیح کی اجتہادی غلطی تسلیم فرمائی ہے اب یہ تاویل یہودی معترضین پر حجت نہیں۔ نہ ان کو مسلم ہے۔ اسی وجہ سے اعجاز احمدی ص۱۳ پر حضرت صاحب نے اپنے مخالفین کو کہا ہے۔ کہ بتاؤ یہود کو ان اعتراضات کا تم کیا جواب دے سکتے ہو؟ پس دونوں عبارتوں میں کوئی تناقض نہ ہوا۔

سخت کلامی کا الزام

مرزا صاحب نے مولویوں کو گالیاں دی ہیں۔ مثلاً "اے بذات فرقہ مولویان" (انجام آتھم)

الجواب: حضرت صاحب نے کسی مولوی کو گالی نہیں دی۔ بلکہ آپ نے تو آنحضرت صلعم کی حدیث کا بڑا نرم ترجمہ کیا ہے۔ حدیث میں ہے عُلَمَاءُ هُمْ شَرٌّ مَنْ تَحْتَ أَدِيْمِ السَّمَاءِ (مشکوٰۃ کتاب العلم مطبع احمدی ص۳۸) کہ وہ علماء آسمان کے نیچے بدترین مخلوق ہوں گے۔ گویا

اگر آسمان کے نیچے بدذات بھی رہتے ہیں۔ تو فرمایا " شَرُّهُم " یعنی ان سے بھی د
بدتر ہوں گے۔ پس حضرت نے تو نرم الفاظ استعمال فرمائے ہیں۔ ورنہ آنحضرت
صلعم نے تو تفضیل کل کا صیغہ بولا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمادیا
" کَتَبْنَا کَلَامُنَا هٰذَا فِی اَخْیَارِهِم بَلْ فِی اَشْرَارِهِم " (الہدیٰ ص
کہ ہم نے جو کچھ لکھا ہے۔ یہ صرف شریر علماء کی نسبت لکھا ہے۔ ورنہ غیر احمد
میں سے جو علماء شریر نہیں۔ ہم نے ان کی نسبت یہ نہیں کہا۔
(۲) نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ هَتْکِ عُلَمَاءِ الصَّالِحِیْنَ وَقَدْحِ الشُّرَفَا
الْمُهَذَّبِیْنَ سَوَاءٌ کَانُوْا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ اَوِ الْمَسِیْحِیِّیْنَ اَوِ الْآرِ
(لجۃ النور ص) ہم نیک علماء کی ہتک اور شرفاء کی توہین سے خدا کی
مانگتے ہیں۔ خواہ ایسے لوگ مسلمان ہوں یا عیسائی یا آریہ۔

علماء کی حالت اور غیر احمدی گواہیاں (۱) نواب صدیق حسن خانصاحب آف بھوپال لک
ہیں :۔" اب اسلام کا صرف نام۔ قرآن کا فقط نقش
رہ گیا ہے...... علماء اس امت کے بدتر ان کے ہیں جو نیچے زمین کے ہیں۔ ا
سے فتنے نکلتے ہیں۔ انہیں کے اندر پھر کر جاتے ہیں " (اقتراب الساعۃ
(۲) " اگر نمونہ یہود خواہی کہ بینی علماء سوء کہ طالب دنیا باشند " الفوز الکبیر
مصنفہ شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی) (۳) " آجکل کے تھرڈ کلاس مولوی جو ذر
ذرہ بات پر عدم جواز اقتداء کا فتویٰ دیدیا کرتے ہیں۔ سو ان کی بابت
عرصہ ہوا فیصلہ ہو چکا ہے۔ ؎
هَلْ اَفْسَدَ النَّاسَ اِلَّا الْمُلُوْکُ ۔ وَعُلَمَاءُ سُوْءٍ وَرُهْبَانُ

(اہل حدیث ۷ جون ۱۹۱۲ء) شعر کا مطلب یہ ہے کہ کیا بادشاہوں۔ علماء سُو اور رہبان کے سوا کسی اور چیز نے لوگوں کو خراب کیا ہے؟

(۴) "افسوس ہے ان مولویوں پر جن کو ہم ہادی رہبر ورثۃ الانبیاء سمجھتے ہیں ان میں یہ نفسانیت یہ شیطنت بھری ہوئی ہے۔ تو پھر شیطان کو کس لئے بُرا بھلا کہنا چاہیئے۔ (اہلحدیث ۱۷ نومبر ۱۹۱۱ء)

(۵) "مولوی اب طالب جیفۂ دنیا ہو گئے۔ وارثِ علم پیمبر کا پتہ لگتا نہیں"
(اہلحدیث ۳ مئی ۱۹۱۲ء)

(۶) "بعینہ وہی عقائد باطلہ جن کی تنسیط کیلئے خدا نے ہزارہا انبیاء علیہم السلام بھیجے تھے۔ ان تمام کے مسلمانوں نے اختیار کر رکھے ہیں" (تفسیر ثنائی امرتسری جلد ۱ صفحہ ۹۷)

(۷) "تمام کے بنی اسرائیل تو آنکھوں سے اوجھل ہو گئے۔ اور صفحۂ دنیا سے نام غلط کی طرح مٹ گئے۔ مگر دو بکاؤ کے بنی اسرائیل اب بھی موجود و ترقی پذیر ہیں۔ ہم نے سجادہ نشینی کا فخر حاصل کیا۔ اور عنان اسرائیلی ہاتھ میں لے لی۔ اور اپنا گھوڑا گھوڑ دوڑ میں بنی اسرائیل سے بھی آگے بڑھا دیا۔ صادق اور مصدوق فداہ ابی و امی رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے آج سے ساڑھے تیرہ سو برس قبل ہماری اس شہ سواری اور گوئے سبقت کی پیش بری کی ان الفاظ میں پیشگوئی فرمائی تھی۔ کہ یقیناً میری امت کے بھی لوگ ہو بہو بنی اسرائیل کیطرح اعمال بد میں منہمک ہوں گے۔ حتیٰ کہ اگر ان میں سے کسی نے اپنی ماں سے زنا کیا ہو گا۔ تو میری امت میں بھی ماں سے زنا کرنیوالے افراد موجود ہوں گے واقعہ یہ ہے کہ آج ہم مدعی اہلحدیث بھی حذو النعل۔ بالنعل بنی اسرائیل کی طرح ہر معاملہ

میں مصلحت دور اندیشی ضرورت وقت و پالیسی زرپرستی - کاسہ لیسی - خوشامد و چاپلوسی کو معبودِ حق سمجھ کر اسی کی پوجا کرنے لگے"۔ (اہلحدیث ۲۵ ستمبر ۱۹۳۱ء صفحہ ۱۱)

(۷) "مشکوٰۃ صفحہ ۳۸ میں حضرت علیؓ سے ایک حدیث مروی ہے۔ کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا۔ کہ لوگوں پر عنقریب ایسا زمانہ آئیگا۔ کہ اسلام کا نام رہ جائے گا۔ اور قرآن کا رسم خط۔ اس وقت مولوی آسمان کے تلے بدترین مخلوق ہوں گے۔ سارا فتنہ وفساد انہی کی طرف سے ہوگا۔ ہم دیکھ رہے ہیں کہ آجکل وہی زمانہ آگیا ہے"۔ (اہلحدیث ۲۵ اپریل ۱۹۳۰ء صفحہ ۵)

(۸) مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری لکھتے ہیں "قرآن مجید میں یہودیوں کی مذمت کی گئی ہے۔ کہ کچھ حصہ کتاب کو مانتے ہیں۔ اور کچھ نہیں مانتے۔ افسوس ہے کہ آج ہم اہلحدیثوں میں بالخصوص یہ عیب پایا جاتا ہے"۔ (اہلحدیث ۱۹ اپریل ۱۹۰۷ء صفحہ ۹)

گالی اور سخت کلامی میں فرق

گالی اور ہے اور اظہار واقعہ اور چیز۔ اگر کوئی شخص جو خود اندھا ہو اور دوسرے کو کانا کہے۔ تو دوسرے آدمی کا حق ہے۔ کہ اسے کہے کہ میں تو کانا نہیں۔ چونکہ تم اندھے ہو اسلئے تمہیں میری آنکھ نظر نہیں آتی۔ اب یہ اظہار واقعہ ہے مگر گالی نہیں۔ خود قرآن مجید نے اپنے منکروں کو "شَرُّ الْبَرِيَّة" (بدترین مخلوق) "کالانعام" (چوپایوں کی طرح) قرار دیا ہے۔ بلکہ "زنیم" (حرامزادہ) بھی قرار دیا ہے

نوٹ:۔ زنیم کے معنی ہیں حرامزادہ۔ دیکھو تفسیر کبیر زیر آیت "وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِينٍ الخ" نیز "زنیم" کے معنی ہیں۔ "دَعِيٌّ فِي الْقَوْمِ لَيْسَ مِنْهُمْ" ایک ایسا شخص جس کا باپ کسی دوسرے قبیلے کا ہو۔ مگر دوسرے قبیلے اور قوم کے آدمی کی طرف منسوب ہوتا ہو (۲) بخاری میں ہے کہ صلح حدیبیہ کے موقعہ پر کفار مکہ کا سفیر عروہ بن مسعود

آنحضرت صلعم سے گفتگو کر رہا تھا۔ تو حضرت ابو بکر صدیقؓ جو پاس ہی گفتگو سن رہے تھے غصہ میں آگئے"۔ فَقَالَ لَهُ اَبُوْ بَكْرٍ الصِّدِّيْقُ اُمْصُصْ بِبَظْرِ اللَّاتِ (بخاری کتاب الشروط باب الشروط فی الجہاد جلد ۳ صـ۷۵ مصری و زاد المعاد جلد صـ۲۷۵)

اس کا ترجمہ بخاری مترجم اردو شائع کردہ مولوی فیروز الدین اینڈ سنز لاہور سے نقل کیا جاتا ہے "حضرت ابو بکرؓ نے (یہ سن کر) عروہ سے کہا۔ کہ لات کی شرمگاہ چوس (یہ عرب میں نہایت سخت گالی سمجھی جاتی تھی)" (جلد ۲ صـ۱۳) یاد رکھنا چاہیئے کہ وہ شخص حضرت ابو بکرؓ سے نہیں۔ بلکہ آنحضرتؐ سے باتیں کر رہا تھا۔ اور اس نے آنحضرت کو گالی نہیں دی تھی۔ بلکہ صرف اتنا کہا تھا۔ کہ اے محمدؐ! یہ مسلمان اگر ذرا سی بھی تیز لڑائی ہوئی۔ تو آپ کو تنہا چھوڑ کر بھاگ جائیں گے۔ اس پر حضرت ابو بکرؓ نے "اُمْصُصْ بِبَظْرِ اللَّاتِ" کہا۔ آنحضرت صلعم حضرت ابو بکرؓ کے فقرے کو بھی سن رہے تھے۔ مگر آپ نے حضرت ابو بکر کو منع نہیں فرمایا۔

(۳) گو مندرجہ بالا حدیث "حدیث تقریہ" کا درجہ رکھتی ہے۔ مگر پھر بھی ایک اور حدیث درج کی جاتی ہے:- "عَنْ اُبَيِّ ابْنِ كَعْبٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ تَعَزّٰى بِعَزَاءِ الْجَاهِلِيَّةِ فَاَعِضُّوْهُ بِهَنِ اَبِيْهِ وَلَا تُكَنُّوْا" (مشکوٰۃ کتاب الآداب باب المفاخرۃ والعصبیہ صـ۲۵۶ مطبع انصاری دہلی) اس حدیث کا اردو ترجمہ "المُلتقطات شرح مشکوٰۃ" سے درج کیا جاتا ہے:- "روایت ہے ابی بن کعبؓ سے کہ کہا۔ سنا میں نے رسول اللہ صلعم سے۔ فرماتے تھے۔ جو کوئی کہ نسبت کرے ساتھ نسبت جاہلیت کے۔ پس کٹواؤ اس کو ستر باپ اس کے کا۔ اور کنایہ نہ کرو۔ یعنی یوں کہو کہ اپنے باپ کا ستر کاٹ کھا

اپنے منہ میں لے لے۔ اس حدیث میں نہایت تشدید ہے فخر الآباء پر۔ اور حقیقت میں اپنی قوم کی برائی کرنا عبث ہے۔ (المشکوٰۃ با لمنتقطات جلد ۳ صفحہ ۲۲۔ مطبوعہ مطبع احمدی سنہ ۱۳۲۱ھ)

(۲) ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ اس کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"اَلْعَضُّ اَخْذُ الشَّیْءِ بِالْاَسْنَانِ بِهَنِ اَبِيْهِ بِفَتْحِ الْهَاءِ وَ تَخْفِيْفِ النُّوْنِ كِنَايَةٌ عَنِ الْفَرْجِ اَيْ قُوْلُوْا لَهٗ "اَعْضُضْ بِذَكَرِ اَبِيْكَ" وَ اَيْرِهٖ اَوْ فَرْجِهٖ وَلَا تَكْنُوْا بِذِكْرِ الْهَنِ مِنَ الْاَيْرِ بَلْ صَرِّحُوْا لَهٗ"

(مرقاۃ بر حاشیہ مشکوٰۃ صفحہ ۴۱۶ مطبع انصاری) کہ "عضّ" کے معنی ہیں۔ کسی چیز کا دانتوں سے پکڑنا ...... الخ۔ غیر احمدی علماء نے حضرت مسیح موعودؑ کو جو گالیاں دیں۔ ان کے لکھنے کی ضرورت نہیں۔ صرف اتنا کہنا کافی ہے کہ عبد الحکیم مرتد نے اپنے رسالہ "اعلان الحق" صفحہ ۳۰ میں حضرت مسیح موعودؑ اور آپ کی جماعت کو "حرامزادہ" لکھا ہے۔ (لعنۃ اللہ علیٰ من قال مثل ذالک۔ خادم) نیز محمد علی بوپڑی نے اپنے رسالہ "صوت ربانی بر سرِ دجال قادیانی" میں بھی یہی لفظ لکھا ہے۔

ذُرِّيَّةُ الْبَغَايَا (آئینہ کمالات)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے قطعاً غیر احمدیوں کو "ذُرِّيَّةُ الْبَغَايَا" نہیں کہا۔ بوجوہات ذیل۔

جواب:۔ ۱۔ آئینہ کمالات کی اشاعت تک تو حضرت غیر احمدیوں

کو کافر بھی نہیں کہتے تھے۔ چہ جائیکہ "ذریۃ البغایۃ" آپ کی طرف سے

شائع کی حقیقۃ الوحی ۱۹۰۷ء میں شائع ہوا ہے۔

(۲) اس موقعہ پر حضور نے اپنی خدمات اسلامی کا ذکر کیا ہے اور فرمایا ہے "قد حُبّب اِلَیَّ منذ دنوتُ العشرین ان انصر الدین واُجادل البراھمۃ والقسیسین" کہ جب میں بیس سال کا ہوا تھی سے میری یہ خواہش رہی۔ کہ میں آریوں اور عیسائیوں کے ساتھ مقابلہ کروں۔ چنانچہ میں نے براہین احمدیہ۔ اور سرمہ چشم آریہ اور آئینہ کمالات اسلام وغیرہ کتابیں لکھیں۔ جو اسلام کی تائید میں ہیں۔ "کُلُّ مُسْلِم" (یعنی ہر مسلمان) ان کتابوں کو بنظر استحسان دیکھتا۔ اور ان کے معارف سے مستفید ہوتا۔ اور میری دعوت اسلام کی تائید کرتا ہے۔ مگر ذریۃ البغایا جن کے دلوں پر خدا نے مہر کر دی ہے۔ وہ ان کے مخالف ہیں۔ چنانچہ براہین احمدیہ اور سرمہ چشم آریہ کے جواب میں لیکھرام آریہ نے "خبط احمدیہ" اور "تکذیب براہین احمدیہ" شائع کیں۔ غیر احمدیوں نے ان کی تائید کی۔ چنانچہ محمد حسین بٹالوی نے براہین پر ریویو لکھا۔ مسلم بک ڈپو لاہور نے سرمہ چشم آریہ کو اپنے خرچ پر شائع کیا۔

(ب) اس امر کا ثبوت کہ آئینہ کمالات اسلام کی محولہ بالا عبارت میں غیر احمدی مسلمانوں کو مخاطب نہیں کیا گیا۔ یہ ہے کہ حضرت صاحب نے اسی آئینہ کمالات اسلام میں جس کے صفحہ ۵۴۷ کا تم نے حوالہ دیا ہے صفحہ ۵۲۵ پر ملکہ وکٹوریہ آنجہانی قیصرۂ ہند کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں۔

"وفی آخر کلامی انصح لکِ یا قیصرۃ خالصًا للّٰہ وھو

إِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ عَضُدُكِ الْخَاصُّ وَلَهُمْ فِی مُلْكِ خُصُوْصِيَّةٌ تَفْهِيْمِنَا فَانْظُرِیْ اِلَی الْمُسْلِمِيْنَ بِنَظَرٍ خَاصٍّ وَّ اَقِرِّیْ اَعْيُنَهُمْ وَاَلِّفِیْ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَاجْعَلِیْ اَكْثَرَهُمْ مِنَ الَّذِيْنَ (مقربین) يُقَرَّبُوْنَ التفضيل التفضيل التخصيص التخصيص"

(آئینہ کمالات صـ۵۳۵)

"یعنی اے ملکہ میں تجھے نصیحت کرتا ہوں۔ کہ مسلمان تیرا بازو ہیں۔ پس تو ان کی طرف نظرِ خاص سے دیکھ۔ اور ان کی آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچا۔ اور ان کی تالیفِ قلوب کر۔ اور ان کو اپنا مقرب بنا۔"

غرضیکہ اسی آئینہ کمالاتِ اسلام میں مخالفین کی پیش کردہ عبارت سے پہلے تو یہ لکھتے ہیں۔ کہ مسلمانوں کے ساتھ نرمی کا برتاؤ۔ اور ان کی تالیف قلوب لازمی ہے۔ پھر یہ کس طرح ممکن ہے۔ کہ اسی جگہ اس کے متعلق ایسے الفاظ استعمال کئے گئے ہوں۔ جو ان کی دل شکنی کا باعث ہوں۔ (۲)

علاوہ ازیں ذریۃ البغایا والی عبارت میں جو یہ لفظ ہے کہ "یقبلنی ویصدق دعوتی" کہ مجھے قبول کرتا اور میری دعوت کی تصدیق کرتا ہے تو اس جگہ دعوت سے مراد۔ دعوت الی الاسلام اور اسی کا قبول کرنا ہے۔ ملاحظہ ہو آئینہ کمالات صـ۲۸۹ و ازالہ اوہام حصہ اول خورد صـ۱۱۲۔

(۳) تاج العروس میں ہے۔ البغی الامۃ فاجرۃ کانت او غیر فاجرۃ" کہ "بغی" کے معنی لونڈی کے ہیں۔ خواہ وہ بدکار نہ ہو۔ تب بھی یہ لفظ اس پر بولا جاتا ہے۔ اَلْبَغِیَّۃُ فِی الْوَلَدِ نَقِیْضُ الرُّشْدِ وَیُقَالُ

هُوَ ابْنُ بَغِيَّةٍ (تاج العروس) کہ کسی کو یہ کہنا کہ وہ ابن بغیہ ہے۔ تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ ہدایت سے دور ہے۔ کیونکہ لفظ "بغیہ" "رشد" یعنی صلاحیت کا مخالف ہے۔ گویا "ذریۃ البغایا" کا ترجمہ ہوگا "ہدایت سے دور" (۴) حضرت مسیح موعودؑ نے خود "ابن بغاء" کا ترجمہ "سرکش انسان" کیا ہے۔ سعد اللہ لدھیانوی کا ذکر ہوا۔ تو فرمایا کہ میں نے اپنے قصیدہ انجام آتھم میں اسکے متعلق لکھا تھا

اٰذَیْتَنِیْ خُبْثًا فَلَسْتُ بِصَادِقٍ اِنْ لَمْ تَمُتْ بِالْخِزْیِ یَا ابْنَ بَغَاءِ

یعنی خباثت سے تو نے مجھے ایذا دی ہے۔ پس اگر تو اب رسوائی سے ہلاک نہ ہوا تو میں اپنے دعویٰ میں سچا نہ ٹھہرونگا اے سرکش انسان۔" (الحکم جلد ۱۱ ۸ بابت ۲۴ فروری ۱۹۰۷ء صلا) معلوم ہوا کہ "ابن بغا" کا ترجمہ "سرکش انسان" ہے۔ نہ کہ کنجری کا بیٹا۔ اور اس سے وہ اعتراض بھی دور ہو گیا۔ جو بعض غیر احمدی انجام آتھم کے عربی قصیدہ کے فارسی ترجمہ سے "اے نسل بدکاراں" کے الفاظ پیش کر کے کرتے ہیں۔ کیونکہ انجام آتھم کی عربی عبارت کے نیچے جو ترجمہ ہے۔ وہ مولوی عبدالکریم صاحب سیالکوٹی رحمۃ اللہ کا ہے۔ مگر ہمارا پیش کردہ ترجمہ خود حضرت مسیح موعودؑ کا بیان فرمودہ ہے۔ جو بہرحال مقدم ہے۔ (۵) حضرت امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ "مَنْ شَهِدَ عَلَيْهَا بِالزِّنَا فَهُوَ وَلَدُ الزِّنَا (کتاب الوصیت ص۳۱ مطبوعہ حیدرآباد) کہ جو حضرت عائشہؓ پر زنا کی تہمت لگائے وہ حرامزادہ ہے۔ اس موقعہ پر جو حل طلب معمہ ہے وہ یہ کہ حضرت عائشہؓ پر تہمت زنا لگانے سے ایک انسان کی اپنی ولادت پر (جو سالہا سال پہلے واقعہ ہو چکی ہو) کس طرح اثر پڑتا ہے؟ مَا هُوَ جَوَابُكُمْ فَهُوَ جَوَابُنَا۔ (۶) شیعوں کی معتبر ترین کتاب کافی کلینی

کے حصہ سوم موسوم بہ "فروع کافی" کے آخری حصہ یعنی کتاب الروضہ میں ہے:

"عَنْ اَبِیْ حَمْزَةَ عَنْ اَبِیْ جَعْفَرٍ عَلَیْهِ السَّلَامُ قَالَ قُلْتُ لَهٗ اِنَّ بَعْضَ اَصْحَابِنَا یَفْتَرُوْنَ وَیَقْذِفُوْنَ مَنْ خَالَفَهُمْ فَقَالَ الْکَفُّ عَنْهُمْ اَجْمَلُ ثُمَّ قَالَ وَاللّٰهِ یَا اَبَا حَمْزَةَ اِنَّ النَّاسَ کُلَّهُمْ اَوْلَادُ الْبَغَایَا مَا خَلَا شِیْعَتِنَا" (کتاب الروضہ مذکورہ بالا ص۱۳۵)

ابو حمزہ کہتے ہیں۔ کہ میں نے حضرت امام باقرؒ سے کہا کہ بعض لوگ اپنے مخالفین پر کئی طرح بہتان لگاتے اور افترا کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا ایسے لوگوں سے بچ کر رہنا اچھا ہے پھر آپ نے فرمایا۔ اے ابو حمزہ خدا کی قسم! ہمارے شیعوں کے سوا باقی تمام لوگ اولاد بغایا ہیں۔

(۷) حضرت امام جعفر صادقؒ کا مندرجہ ذیل قول بھی ملاحظہ ہو "مَنْ اَحَبَّنَا کَانَ نُطْفَةَ الْعَبْدِ وَمَنْ اَبْغَضَنَا کَانَ نُطْفَةَ الشَّیْطَانِ" (فروع کافی جلد ۲ کتاب النکاح ص۲۱۶)

کہ جو شخص ہمارے ساتھ محبت کرتا ہے وہ تو اچھے آدمی کا نطفہ ہے۔ مگر وہ جو ہم سے عداوت رکھتا ہے وہ نطفہ شیطان ہے"

اب ایک طرف امام ابو حنیفہؒ کا فتویٰ پڑھو۔ کہ حضرت عائشہؓ پر زنا کی تہمت لگانے والے سب حرامزادے ہیں۔ اور دوسری طرف حضرت امام باقرؒ کا فتویٰ پڑھو۔ کہ سوائے شیعوں کے باقی سب لوگ اولاد بغایا۔ اور ہم سے نفرت کرنے والے شیطان کا نطفہ ہیں۔ پھر بتاؤ اگر ان الفاظ کا لفظی ترجمہ کیا جائے۔ تو ان فقرات کے کوئی

معنی بنتے ہیں؟ اور اس طرح روئے زمین کا کوئی انسان ولد الزنا ہونے سے بچ سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ پس ان فقرات میں بھی مراد ہدایت سے دور۔ اور سرکش لوگ ہیں نہ کہ "ولد الزنا" یا حرامزادے۔

جنگل کے سؤر

۵۔ اِنَّ الْعِدَا صَارُوْا خَنَازِیْرَ الْفَلَا
وَنِسَاءُھُمْ مِنْ دُوْنِھِنَّ الْاَکْلُبُ (نجم الہدیٰ)

جواب:۔ یہ عام خطاب نہیں۔ بلکہ صرف ان دشمنوں کو ہے جو گندی گالیاں دیتے تھے۔ خواہ وہ مرد ہوں۔ خواہ عورتیں۔ چنانچہ اس کا اگلا شعر ہے ۔ "سَبُّوْا وَمَا اَدْرِیْ لِاَیِّ جَرِیْمَۃٍ (نجم الہدیٰ)
کہ وہ مجھ کو گالیاں دیتے ہیں۔ اور میں نہیں جانتا۔ کہ وہ کیوں اور کس جرم کے بدلے ایسا کرتے ہیں۔ نیز دیکھو نجم الہدیٰ ص۵ و حاشیہ ص۱۴ و ۱۵)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام تحریر فرماتے ہیں:۔

(ا) "دشنام دہی اور چیز ہے۔ اور بیان واقعہ گو وہ کیسا ہی تلخ اور سخت ہو۔ دوسری شے ہے۔ ہر ایک محقق اور حق گو کا فرض ہوتا ہے کہ سچی بات کو پورے پورے طور پر مخالف گم گشتہ کے کانوں تک پہنچا دے پھر اگر وہ سچ کو سن کر افروختہ ہو۔ تو ہوا کرے۔" (ازالہ اوہام)

(ب) "مخالفوں کے مقابل پر تحریری مباحثات میں کسی قدر میرے الفاظ میں سختی استعمال میں آئی تھی۔ لیکن وہ ابتدائی طور پر سختی نہیں ہے۔ بلکہ وہ تمام تحریریں نہایت سخت حملوں کے جواب میں لکھی گئی ہیں۔ مخالفوں کے الفاظ

ایسے سخت اور دشنام دہی کے رنگ میں تھے۔ جن کے مقابل پر کسی قدر سختی مصلحت تھی۔ اس کا ثبوت اس مقابلہ سے ہوتا ہے۔ جو میں نے اپنی کتابوں اور مخالفوں کی کتابوں کے سخت الفاظ اکھٹے کر کے کتاب مسلسل مقدمہ مطبوعہ کے ساتھ شامل کئے ہیں۔ جن کا نام میں نے کتاب البریّہ رکھا ہے۔ اور باایں ہمہ میں نے ابھی بیان کیا ہے۔ کہ میرے سخت الفاظ جوابی طور پر ہیں۔ ابتداء سختی کی مخالفوں کی طرف سے ہے۔ اور میں مخالفوں کے سخت الفاظ پر بھی صبر کر سکتا تھا۔ لیکن دو مصلحت کے سبب سے میں نے جواب دینا مناسب سمجھا تھا۔ اول یہ کہ تا کہ مخالف لوگ اپنے سخت الفاظ کا سختی میں جواب پا کر اپنی روش بدلا لیں۔ اور آئندہ تہذیب سے گفتگو کریں۔ دوم یہ کہ مخالفوں کی نہایت ہتک آمیز اور غصّہ دلانے والی تحریروں سے۔ عام مسلمان جوش میں نہ آئیں۔ اور سخت الفاظ کا جواب بھی کسی قدر سخت پا کر اپنی پرجوش طبیعتوں کو اس طرح سمجھا لیں۔ کہ اس طرف سے سخت الفاظ استعمال ہوئے تو ہماری طرف سے بھی کسی قدر سختی کے ساتھ ان کو جواب مل گیا۔ اور اسطرح وہ وحشی انتقاموں سے دست کش رہیں۔ ...... یہ بات بالکل صحیح ہے کہ اگر سخت الفاظ کے مقابل پر دوسری قوم کی طرف سے کچھ سخت الفاظ استعمال نہ ہوں تو ممکن ہے۔ اس قوم کے جاہلوں کا غیظ و غضب کوئی اور راہ اختیار کرے۔ مظلوموں کے بخارات نکلنے کے لئے یہ ایک حکمت عملی ہے۔ کہ وہ بھی مباحثات میں سخت حملوں کا سخت جواب دیں۔ (کتاب البریہ صفحہ ۱۰-۱۱ نیز دیکھو ازالہ اوہام صفحہ ۳۴-۳۵ تقطیع کلاں نیز کتاب البریہ صفحہ ۹۳۔ تبلیغ رسالت جلد ۷ صفحہ ۱۷ و تتمہ حقیقۃ الوحی صفحہ ۲۰-۲۱)

مبارک احمد کا قبل از ولادت بولنا

مرزا صاحب نے لکھا ہے۔ کہ میرے بچے مبارک احمد نے اپنی والدہ کے شکم میں باتیں کیں۔

جواب:۔ مبارک احمد کے جس کلام کا ذکر تریاق القلوب صـ ۳۹ وصـ ۴۰ پر ہے وہ براہ راست بچے کا کلام نہیں۔ بلکہ الہام الہٰی ہے۔ جو خدا تعالےٰ کی طرف سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر نازل ہوا۔ یعنی اللہ تعالےٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو فرمایا کہ "اِنِّیْ اَسْقُطُ مِنَ اللّٰہِ وَاُصِیْبُہٗ" (یعنی میں اللہ تعالےٰ کی طرف سے آیا ہوں۔ اور جلد ہی خدا کی طرف واپس چلا جاؤں گا) یہ الفاظ اللہ تعالےٰ نے حضرت کو مبارک احمد کی ولادت سے پہلے الہام کئے اور یہ کلام حکایتاً مبارک احمد کی طرف سے تھا۔ جیسا کہ قرآن مجید کی آیۃ اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ" کہ خدا تعالےٰ نے اپنے نیک بندوں کی طرف سے یہ الفاظ الہام کئے ہیں۔ پس اسی طرح چونکہ الہامی فقرہ میں اللہ تعالےٰ نے یہ کلام مبارک احمد کی طرف سے کیا تھا۔ اور جملہ کا متکلم بلا واسطہ مبارک احمد تھا۔ اس لئے حضرت اقدس نے استعارۃً لکھا ہے۔ کہ گویا اس کے بچے ہی نے باتیں کیں۔ یہ قول صاحبزادہ مبارک احمد کا ایسا ہی ہے۔ جیسے قرآن مجید سورہ آل عمران رکوع ۵ میں ہے۔ کہ جب فرشتہ حضرت مریمؑ کے پاس حضرت مسیح کی ولادت کی بشارت لے کر آیا۔ تو اس بشارت کے ساتھ ہی " اِنِّیْ جِئْتُکُمْ بِاٰیَۃٍ مِّنْ رَّبِّکُمْ" شروع ہو جاتا ہے۔ (کہ میں آیا ہوں۔ تمہاری

طرف خدا کی طرف سے نشان لے کر) مختصر یہ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام
کی تحریر کی رو سے وہ آواز مبارک احمد کی طرف سے نہ آئی تھی۔ بلکہ الہامی
کلام میں اللہ تعالیٰ نے حکایتاً اس کی طرف سے کلام کیا تھا۔

۲۔ لیکن تمہارے ہاں تو یہانتک لکھا ہے۔ کہ ایک دفعہ حضرت "پیران پیر"
سید عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ نے آپ سے کچھ بات کہی۔
تو اس کے جواب میں آپ نے فرمایا۔ اے اماں! کیا تجھے یاد نہیں۔ کہ جب
میں تیرے پیٹ میں تھا۔ تو ان دنوں ایک سائل فقیر بھیک مانگنے تیرے
دروازہ پہ آیا۔ تو اسے جب بھیک ڈالنے لگی۔ تو اس کی نیت بد ہو گئی۔ اس
وقت اسے ایک شیر کھانے کے لئے دوڑا تھا۔ جس سے ڈر کر وہ سائل بھاگ
گیا تھا۔ کیا تجھے معلوم نہیں کہ وہ شیر میں ہی تھا ۔ (گلدستہ کرامات صـــ ۲۱۵)

(۳) لو اور سنو! "بحار الانوار جلد عاشر میں علامہ مجلسی علیہ الرحمۃ
مصباح الانوار سے۔ اور امالی شیخ صادق سے روایت کرتے ہیں جس کے
ترجمے پہ اکتفا کی جاتی ہے۔

"مفضل ابن عمر بیان کرتے ہیں۔ کہ میں نے حضرت صادق علیہ السلام کی
خدمت میں عرض کیا۔ کہ جناب سیدہ (حضرت فاطمہؓ۔ خادم) کی ولادت
کس طرح ہوئی۔ آپ نے فرمایا۔ کہ جب خدیجہؓ سے جناب رسول اللہؐ نے شادی
کی۔ تو مکہ کی عورتوں نے انہیں چھوڑ دیا۔ نہ وہ ان کے پاس آتی تھیں۔ نہ
ان کو سلام کرتی تھیں۔ اور نہ کسی اور عورت کو ان کے پاس آنے دیتی
تھیں۔ اس بات سے جناب خدیجہؓ کو بہت دہشت ہوئی۔ اور ادھر جناب

رسول اللہ کی طرف سے بھی خوف دامنگیر تھا۔ اس حالت میں جناب سیدہ کا حمل قرار پایا۔ جناب سیدہ۔ خدیجہؓ سے باتیں کیا کرتی تھیں۔ اور انہیں تسلی و دلاسا دیتی رہتی تھیں۔ اور صبر کی تلقین فرماتی تھیں۔ خدیجہؓ نے رسول اللہؐ سے یہ بات چھپا رکھی تھی۔ ایک روز رسول اللہؐ تشریف لائے تو آپؐ نے سنا۔ کہ خدیجہؓ۔ جناب فاطمہؓ سے باتیں کر رہی ہیں۔ پوچھا "یہ کس سے باتیں کرتی ہیں۔ خدیجہؓ نے یہ عرض کیا۔ کہ یہ بچہ جو میرے شکم میں ہے مجھ سے باتیں کرتا ہے۔ اور میری وحشت کو دور کرتا ہے۔ آپؐ نے فرمایا "اے خدیجہؓ! جبرائیل نے مجھے بشارت دی ہے۔ کہ یہ بچہ لڑکی ہے۔" (سیرۃ الفاطمہ یعنی سوانح عمری حضرت سیدہ صلوٰۃ اللہ علیہا تصنیف سید حکیم ذاکر حسین صاحب مترجم نہج البلاغت مطبوعہ سنہ ۱۹۲۱ء صفحہ ۲۹، ۳۰)

بکرے کا دودھ

سُرمہ چشم آریہ میں مرزا صاحب نے لکھا ہے۔ کہ مظفر گڑھ میں ایک بکرے نے اڑھائی سیر دودھ دیا۔

جواب:۔ امام ابن جوزی فرماتے ہیں۔ فَبَعَثَ بِهٖ اِلَى الْخَلِيفَةِ الْمُقْتَدِرِ وَاَهْدَى مَعَهٗ تَيْسًا لَهٗ ضَرْعٌ يُحْلَبُ لَبَنًا حَكَاهُ۔ الصولی وابن کثیر" (حجج الکرامہ صفحہ ۲۵۹) کہ ایک بیسے قد کا آدمی خلیفہ مقتدر کے پاس بھیجا گیا۔ اور اس کے ساتھ ہی ایک بکرا بھی ہدیۃً بھیجا گیا۔ اس بکرے کے تھن تھے۔ اور وہ دودھ دیتا تھا۔ اس واقعہ کو صولی اور حافظ ابن کثیر نے بیان کیا ہے۔

(ب) مولوی شبلی نعمانی لکھتے ہیں" جہانگیر کا جانور خانہ حقیقت میں ایک عجائب خانہ تھا۔ اس میں ایسے بھی بہت سے جانور تھے۔ جن کی خلقت غیر معمولی خلقت تھی۔ ان میں ایک بکرا تھا جو بقدر ایک پیالہ کے دودھ دیتا تھا"

(مقالات شبلی صفحہ۹ نیز توزک جہانگیری صفحہ۲۹)

نوٹ ۱:۔ جماعت احمدیہ آنبہ ضلع شیخوپورہ نے خاص طور پر ایک دودھ دینے والا بکرا خریدا تھا۔ اور مولوی صاحبان کیلئے "الفضل" میں اشتہار دیا گیا تھا۔ کہ وہ اس بکرے کو دیکھ کر تسلی کرلیں .... ۲۸ نومبر ۱۹۳۲ء تک وہ بکرا جماعت کے پاس ہی تھا۔ خادم * نوٹ ۲:۔ یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ ہم وفات مسیح کے اس لئے قائل نہیں۔ کہ گویا ہمارے نزدیک خدا کسی کو زندہ رکھنے پر قادر نہیں بلکہ اس لئے کہ خداتعالےٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے۔ کہ عیسےٰؑ فوت ہوچکے ہیں۔ اور یہ کہ کوئی انسان آسمان پر نہیں جاسکتا۔ چونکہ خداتعالےٰ جھوٹ نہیں بول سکتا۔ اور نہ وعدہ خلافی کرسکتا ہے۔ اس لئے عیسےٰؑ بھی زندہ نہیں رہ سکتے نیز اگر "اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْئٍ قَدِیْر" کا وہ مفہوم درست ہو جو تم لوگ لیتے ہو۔ تو ذرا یہ تو بتادو۔ کہ کیا خدا اگر چاہے تو اپنے جیسا ایک خدا بنا سکتا ہے؟ یاد رکھنا کہ خدا غیر مخلوق اور قدیم ہے۔ اور جو پیدا ہوگا۔ وہ بہر حال مخلوق ہوگا۔

عورت مرد ہوگئی

سرمہ چشم آریہ میں مرزا صاحب نے لکھا ہے۔ کہ ایک مرد نے اپنے بچہ کو اپنا دودھ پلایا۔

الجواب:۔ حجج الکرامہ میں لکھا ہے۔ وَفِی سنہ ۷۷۶ھ اخبرنا الی الاشمونین

إلى الأمير منجك بنتًا عمرها خمس عشر سنة فذكر أنها تزل بنتًا إلى هذه الغاية فاشتد الفرج وظهر لها ذكر و أنثيان واحتملت فشاهدوها وسموها محمدًا ولهذه القضية نظير ذكرها ابن كثير في تاريخه وقال الحافظ ابن حجر وقع في عصرنا نظير ذالك في ٨٤٢ھ (حجج الکرامہ صفحہ ٣٦٣ سطر ١)

کہ ٢٧٦ھ میں والی اشمونین نے امیر منجک کے سامنے ایک لڑکی پیش کی جس کی عمر پندرہ سال کی تھی۔ اور اس نے ذکر کیا۔ کہ وہ اب تک تو لڑکی رہی۔ مگر بعد میں اس کی شرمگاہ مفقود ہوگئی۔ اور اعضاء مردمی ظاہر ہوگئے۔ پھر وہ محتلم ہوئی اور انہوں نے یہ سب باتیں اس میں مشاہدہ کیں۔ اور اس کا نام محمد رکھا۔ اور اسی قسم کا ایک اور واقعہ بھی ہے۔ جس کو ابن کثیر نے اپنی تاریخ میں بیان کیا ہے۔ اور حافظ ابن حجر نے کہا ہے کہ ہمارے زمانہ میں ٨٤٢ھ میں اسی قسم کا ایک واقعہ ظہور میں آیا ہے۔

مرزا صاحب نے بددعائیں دیں

الجواب:۔ قرآن مجید سے حضرت نوحؑ کی بددعا سورۃ نوح میں پڑھو "رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكَافِرِينَ دَيَّارًا" کہ میرے رب! زمین پر ایک بھی کافر نہ چھوڑیو۔ (٢) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو رحمۃ للعالمین ہیں۔ انہوں نے بھی بددعا کی۔ بخاری شریف میں ہے:۔ "قَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَللّٰهُمَّ عَلَيْكَ بِقُرَيْشٍ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ فَشَقَّ عَلَيْهِمْ اِذْ دَعَا عَلَيْهِمْ ..... ثُمَّ سَمّٰى اَللّٰهُمَّ عَلَيْكَ بِاَبِي جَهْلٍ وَعَلَيْكَ بِعُتْبَةَ بْنِ

رَبِیْعَةَ وَشَیْبَةَ اِبْنَ رَبِیْعَةِ الْاٰخَر" (بخاری کتاب الصلوٰۃ باب اذا اُلقِیَ عَلٰی ظَھْرِ الْمُصَلّی" جلد ا صفحہ ۳۸) کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ کہ اے اللہ! قریش کو ضرور ہلاک کر۔ آپؐ نے یہ تین مرتبہ فرمایا۔ پس قریش پر یہ شاق گزرا کیونکہ آپ نے ان کو بد دعا دی تھی..... پھر آنحضرت صلعم نے نام لے کر فرمایا اے اللہ! ابوجہل کو ضرور ہلاک کر۔ اے اللہ عتبہ بن ربیعہ۔ اور شیبہ بن ربیعہ کو ہلاک کر۔ (۳) اسی طرح قریش ہی کے متعلق آنحضرت صلعم کی بد دعا کا ذکر بخاری جلد ا کتاب الصلوٰۃ باب یہوی بالتکبیر صفحہ ۹۷ مطبع الٰہیہ مصر میں لکھی ہے :۔

"عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَةَ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حِیْنَ یَرْفَعُ رَأْسَهٗ یَقُوْلُ سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَهٗ رَبَّنَا وَلَکَ الْحَمْدُ فَیَقُوْلُ..... اَللّٰھُمَّ اشْدُدْ وَطْأَتَکَ عَلٰی مُضَرَ وَاجْعَلْھَا عَلَیْھِمْ سِنِیْنَ کَسِنِیْ یُوْسُفَ وَاَھْلُ الْمَشْرِقِ یَوْمَئِذٍ مِنْ مُضَرَ مُخَالِفُوْنَ لَهٗ" حدیث ہذا کا اردو ترجمہ تجرید البخاری مترجم اردو سے نقل کیا جاتا ہے :۔

"حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم جب رکوع سے اپنا سر اٹھاتے۔ تو سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ۔ رَبَّنَا لَکَ الْحَمْد دونوں کہتے تھے۔..... اے اللہ! اپنی گرفت قبیلہ مضر پر سخت کر دے۔ اور ان پر قحط سالیاں ڈال دے۔ جیسے یوسف کے عہد کی قحط سالیاں تھیں۔ اس زمانہ میں قبیلہ مضر کے مشرقی لوگ آپ کے مخالف تھے"۔ (تجرید مترجم جلد ا صفحہ ۱۸۴ شائع کردہ مولوی فیروز الدین اینڈ سنز لاہور)

(۴) بخاری شریف میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روائت سے ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ بنی سلیم کے بعض آدمیوں کو قبیلہ بنی عامر کی طرف بغرض سفارت و تبلیغ بھیجا۔ مگر انہوں نے دھوکہ سے قتل کر دیا صرف ایک لنگڑے صحابی بچ گئے۔ اس واقعہ کی خبر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ملی۔ تو آپؐ چالیس دن تک قبیلہ بنی عامر کے لئے بد دعا کرتے رہے۔ " فَدَعَا عَلَيْهِمْ اَرْبَعِيْنَ صَبَاحاً عَلٰى رِعْلٍ وَذَكْوَانَ وَبَنِي لِحْيَانَ وَبَنِي عُصَيَّةَ الَّذِيْنَ عَصَوُا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ (بخاری باب الحور العین وصفتهن) تجرید البخاری مترجم مطبوعہ ۱۳۴۱ھ حصہ دوم صـ۱۱۵ و صـ۱۴۶)

ترجمہ:۔ پھر آپؐ نے چالیس دن تک قبیلہ رعل اور ذکوان۔ اور بنی لحیان اور بنی عصیہ (کے لوگوں) پر جنہوں نے اللہ اور اس کے رسولؐ کی نافرمانی کی تھی بد دعا کی" (تجرید حصہ دوم صـ۱۴۶)

(۵) بخاری شریف جلد ۱ صـ۹۹ کتاب الصلوٰۃ مطبع الٰہیہ مصر میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بَعْدَ مَا يَقُوْلُ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ فَيَدْعُوْا لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَيَلْعَنُ الْكُفَّارَ"

کہ آپؐ نماز میں سمع اللہ لمن حمدہ کہنے کے بعد مسلمانوں کے حق میں دعا فرماتے۔ مگر کافروں پر لعنت بھیجا کرتے تھے۔

خود کاشتہ پودہ

حضرت مرزا صاحب نے اپنے مکتوب ۲۴ فروری ۱۸۹۸ء بنام

لفٹنٹ گورنر میں لکھا۔ کہ جماعت احمدیہ انگریزوں کا خود کاشتہ پودا ہے۔

جواب :۔(۱)۔ جھوٹ ہے۔ حضرت اقدس نے ہرگز ہرگز جماعت احمدیہ کو انگریزوں کا "خود کاشتہ پودا" قرار نہیں دیا۔ اگر یہ ثابت کردو۔ کہ حضرت نے اپنی جماعت کو انگریزوں کا "خود کاشتہ پودا" قرار دیا ہے۔ تو منہ مانگا انعام لو۔

(۲)، حضرت اقدس کا یہ مکتوب کوئی مخفی یا پوشیدہ دستاویز نہیں ہے جو تمہارے ہاتھ لگ گئی۔ بلکہ حضرت صاحب نے خود اس مکتوب کو طبع کرا کے اشتہار کی صورت میں بکثرت پبلک میں تقسیم کرایا تھا۔ اور پھر حضور کی وفات پر وہ اشتہار تبلیغ رسالت جلد ہفتم صہ ۱۹ - صہ ۲۰ پر طبع ہوا۔

(۳) اس مکتوب میں حضرت نے "خود کاشتہ پودا" کا لفظ حضرت کے خاندان کی دیرینہ خدمات کے پیش نظر اس خاندان کی نسبت استعمال فرمایا ہے۔ نہ کہ جماعت احمدیہ کے متعلق۔ چنانچہ تحریر فرماتے ہیں :۔

" وہ تمام جانفشانیاں پچاس سالہ میرے والد مرحوم میرزا غلام مرتضےٰ اور میرے حقیقی بھائی مرزا غلام قادر مرحوم کی جن کا تذکرہ سرکاری چٹھیات اور سرلیپل گرفن کی کتاب تاریخ رئیسان پنجاب میں ہے۔ نیز میرے قلم کی وہ خدمات جو میرے اٹھارہ سال کی تالیفات سے ظاہر ہیں سب کی سب ضائع اور برباد ہو جائیں۔ اور خدانخواستہ سرکار انگریزی اپنے قدیم وفادار اور خیر خواہ خاندان کی نسبت کوئی تکدر خاطر اپنے دل میں پیدا کرے اس بات کا علاج تو غیر ممکن ہے۔ کہ ایسے لوگوں کا منہ بند کیا جائے۔ کہ جو اختلاف مذہبی کی وجہ سے۔ یا نفسانی حسد اور بغض اور کسی ذاتی غرض کے سبب سے جھوٹی مخبری پر کمر بستہ ہو جاتے ہیں "

التماس ہے کہ سرکار دولتمدار ایسے خاندان کی نسبت جس کو پچاس برس کے متواتر تجربہ سے ایک وفادار جاں نثار خاندان ثابت کر چکی ہے۔ اور جس کی نسبت گورنمنٹ عالیہ کے معزز حکام نے ہمیشہ مستحکم رائے سے اپنی چٹھیات میں یہ گواہی دی ہے کہ وہ قدیم سے سرکار انگریزی کے پکے خیر خواہ اور خدمتگذار ہیں۔ اِس خود کاشتہ پودہ کی نسبت نہایت حزم اور احتیاط اور تحقیق اور توجہ سے کام لے"۔

(تبلیغ رسالت جلد ہفتم صـ ۱۹ و ۲۰)

عبارت مندرجہ بالا صاف ہے اور کسی تشریح کی محتاج نہیں۔ اس میں حضرت نے جماعت احمدیہ یا اپنے دعاوی کو سرکار کا "خود کاشتہ پودہ" قرار نہیں دیا۔ بلکہ یہ لفظ اپنے خاندان کی گذشتہ خدمات کے متعلق استعمال فرمایا ہے۔ ورنہ اپنے دعاوی کی نسبت تو حضرت صاحبؑ نے اسی خط میں صاف طور پر لفٹنٹ گورنر کو مخاطب کر کے فرمایا ہے کہ میں نے مسیح موعود کا دعوٰی خدا کے حکم سے اس کی وحی اور الہام سے مشرف ہو کر کیا ہے۔

(۴) نیز حضرتؑ کی ساری عمر عیسائیت کے استیصال میں گذری۔ آپؑ وہ پہلے انسان ہیں جنہوں نے انگریزوں اور دوسری یورپین اقوام اور پادریوں کو کھلے کھلے الفاظ میں ۱۸۹۰ء میں (یعنی اس مکتوب سے ۸ سال پہلے) دجّال قرار دیا۔

انجیلی تعلیم اور انجیلی یسوع کی وہ خبر لی کہ ممکن نہیں اس کو پڑھ کر کوئی

عیسائی خوش ہو۔ پس یہ کہنا کہ وہ حکومت انگریزی جس کا مذہب عیسائیت ہے اور جو لاکھوں روپیہ محکمہ چرچ کے ذریعہ تبلیغ عیسائیت میں صرف کرتی ہے۔ اس نے حضرت مسیح موعود کو عیسائیت کی تردید اور استیصال کے لیئے سازش کر کے کھڑا کیا۔ انتہائی شرارت اور کذب آفرینی ہے۔

عدالت میں معاہدہ

حضرت مرزا صاحب نے مجسٹریٹ سے ڈر کر عدالت میں لکھ دیا کہ میں کوئی ایسی پیشگوئی جو کسی کی موت کے متعلق ہو۔ بغیر فریق ثانی کی اجازت کے شائع نہ کرونگا۔

جواب :- حضرت اقدس ؑ کا طریق ابتداء ہی سے یہ تھا کہ حضور ؑ کسی کی موت کی پیشگوئی بغیر اس فریق کی اپنی خواہش اور اجازت کے شائع نہ فرمایا کرتے تھے۔ یہ معاہدہ جس کا تم حوالہ دیتے ہو۔ وہ تو ۱۸۹۹ء کا ہے۔ مگر ۱۸۸۶ء میں یعنی اس معاہدہ سے ۱۳ سال قبل حضرت اقدس ؑ نے لیکھرام پشاوری و اندرمن مراد آبادی کے متعلق جب اپنی انفرادی انذاری پیشگوئی شائع فرمانے کا ارادہ فرمایا کہ اگر تم چاہو تو میں تمہارے قضاء و قدر کے متعلق جو علم اللہ تعالےٰ کی طرف سے دیا گیا ہے۔ اس کو شائع کر دوں۔ اسپر اندرمن مراد آبادی کی طرف سے کوئی جواب نہ ملا۔ اسلیئے حضور ؑ نے اسکی موت کے متعلق کوئی پیشگوئی شائع نہ فرمائی۔ ہاں لیکھرام نے اجازت دی۔ سو اسکی موت کی چھ سالہ پیشگوئی حضور ؑ نے شائع فرما دی۔ پھر جو اس کا انجام ہوا۔ وہ سب کو معلوم ہے۔

چنانچہ حضرت اپنے اشتہار ۲۰؍ فروری ۱۸۸۶ء میں یعنی معاہدہ عدالت سے ۱۳ سال پہلے تحریر فرماتے ہیں :۔

"اگر کسی صاحب پر کوئی ایسی پیشگوئی شاق گذرے۔ تو وہ مجاز ہیں کہ یکم مارچ ۱۸۸۶ء سے یا اس تاریخ سے جو کسی اخبار میں پہلی دفعہ یہ مضمون شائع ہو۔ ٹھیک دو ہفتہ کے اندر اپنی دستخطی تحریر سے مجھے اطلاع دیں۔ تا وہ پیشگوئی جس کے ظہور سے وہ ڈرتے ہیں۔ اندراجِ رسالہ سے علیحدہ رکھی جائے اور موجب دلآزاری سمجھ کر کسی کو اس پر مطلع نہ کیا جائے۔ اور کسی کو اس کے وقتِ ظہور سے خبر نہ دی جائے۔" (اشتہار ۲۰؍ فروری ۱۸۸۶ء و تبلیغ رسالت جلد ۱ صفحہ ۵۸)

پھر حضورؑ عدالت ڈوئی والے معاہدہ کا ذکر کرکے فرماتے ہیں :۔

"یہ ایسے دستخط نہیں ہیں جن سے ہمارے کاروبار میں کچھ بھی حرج ہو۔ بلکہ مدت ہوئی۔ کہ میں کتاب انجام آتھم کے صفحہ آخیر میں بتصریح اشتہار دے چکا ہوں کہ ہم آئندہ ان لوگوں کو مخاطب نہیں کرینگے جبتک خود انکی طرف سے تحریک نہ ہو۔ بلکہ اس بارے میں ایک الہام بھی شائع کر چکا ہوں۔ جو میری کتاب آئینہ کمالات اسلام میں درج ہے۔ . . . مجھے یہ بھی افسوس ہے کہ ان لوگوں نے محض شرارت سے یہ بھی مشہور کیا ہے کہ اب الہام کے شائع کرنے کی ممانعت ہو گئی۔ اور ہنسی سے کہا کہ اب الہام کے دروازے بند ہو گئے۔ مگر ذرا حیا کو کام میں لاکر سوچیں کہ اگر الہام کے دروازے بند ہو گئے تھے تو میری بعد کی تالیفات میں

کیوں الہام شائع ہوئے؟ اِسی کتاب (تریاق القلوب) کو دیکھیں
کہ کیا اِس میں الہام کم ہیں؟" (تریاق القلوب کلاں صـ۸۱ حاشیہ و
خورد صـ۱۶۱ و صـ۱۶۲ حاشیہ) پھر اس معاہدہ سے چھ سال قبل حضور نے تحریر فرمایا ہے:
"اس عاجز نے اشتہار ۲۰ر فروری ۱۸۸۶ء میں اندرمن مراد آبادی
اور لیکھرام پشاوری کو اس بات کی دعوت دی تھی کہ اگر وہ خواہشمند
ہوں تو انکی قضاء و قدر کے متعلق بعض پیشگوئیاں شائع کی جائیں۔ تو
اس اشتہار کے بعد "اندرمن" نے تو اعراض کیا۔ اور کچھ عرصہ کے بعد
فوت ہو گیا۔ لیکن لیکھرام نے بڑی دلیری سے ایک کارڈ اس عاجز کی
طرف روانہ کیا۔ کہ میری نسبت جو پیشگوئی چاہو شائع کر دو۔ میری
طرف سے اجازت ہے۔" (اشتہار ۲۰ر فروری ۱۸۹۳ء و نیز تذکرہ
صـ۲۲۱ و تبلیغ رسالت جلد ۳ صـ۴)۔

اِسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنے اشتہار ۲۰ر جنوری ۱۸۹۹ء
یعنی عدالت میں معاہدہ زیر اعتراض کرنے (۲۴ر فروری ۱۸۹۹ء)
سے ایک ماہ قبل تحریر فرماتے ہیں کہ میرا ابتداء ہی سے یہ طریق ہے
کہ میں نے کبھی کوئی انذاری پیشگوئی بغیر رضامندی مصداق پیشگوئی
کے شائع نہیں کی۔" (تبلیغ رسالت جلد ۸ صـ۲۸)۔

غرضیکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا طریق ابتداء سے ہی یہ تھا کہ
ابتداء اپنی طرف سے نہ کرتے تھے۔ بلکہ فریق مخالف کی رضامندی حاصل
کر کے اس کو شائع فرماتے تھے۔ اُسو نت عدالت کا معاہدہ تو کوئی نہ تھا۔

پس جب سالہا سال بعد عدالت میں یہی طریق فیصلہ قرار پایا۔ تو حضور[ؑ] نے اس کو اپنے سابقہ طرز عمل کے مطابق پاکر اس کا اقرار کرلیا جس میں ڈرنے کا کوئی دخل نہ تھا۔ اگر مجسٹریٹ کسی شخص سے یہ کہے کہ تم سچ بولنے یا نماز پڑھنے کا اقرار کرو۔ اس پر ایک ایسے شخص کا اقرار جو پہلے ہی سے سچ بولتا اور نماز پڑھتا ہو۔ بزدلی یا ڈرنے پر محمول نہ ہوگا بعینہٖ اسی طرح حضرت اقدس[ؑ] کا اقرار آپ کے سابقہ طرز عمل کے عین مطابق ہونے کے باعث محل اعتراض نہیں ہو سکتا۔

(۲) لیکن تم ذرا مندرجہ ذیل امور کے متعلق بھی اپنی رائے کا اظہار کرو۔ بخاری میں ہے:۔

"عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ سَأَلْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْجَدْرِ أَمِنَ الْبَيْتِ قَالَ نَعَمْ... قُلْتُ فَمَا شَأْنُ بَابِهِ مُرْتَفِعًا۔ قَالَ فَعَلَ ذَالِكَ قَوْمُكِ لِيُدْخِلُوا مَنْ شَاءُوْا وَيَمْنَعُوْا مَنْ شَاءُوْا وَلَوْلَا أَنَّ قَوْمَكِ حَدِيْثٌ عَهْدُهُمْ بِالْجَاهِلِيَّةِ فَأَخَافُ أَنْ تُنْكِرَ قُلُوْبُهُمْ أَنْ أُدْخِلَ الْجَدْرَ فِي الْبَيْتِ وَأَنْ أُلْصِقَ بَابَهُ بِالْأَرْضِ۔" (بخاری کتاب الحج)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ کہ میں نے آنحضرت صلعم سے کعبہ کی دیوار کے متعلق دریافت کیا کہ کیا وہ بھی کعبہ میں داخل ہے؟ تو آپ نے فرمایا۔ "ہاں"... پھر میں نے عرض کی کہ دروازہ

کی کیا کیفیت ہے۔ یہ اس قدر اونچا کیوں ہے؟ آپؐ نے فرمایا یہ تمہاری قوم نے اس لئے کیا کہ جسے چاہیں کعبہ میں داخل کریں۔ اور جس کو چاہیں روک دیں۔ اگر تمہاری قوم کا زمانہ جاہلیت کے قریب نہ ہوتا اور مجھے اس بات کا خوف نہ ہوتا کہ وہ اس کو بُرا منائیں گے۔ تو مَیں ضرور دیوار کو کعبہ میں داخل کر دیتا۔ اور اس کے دروازے کو زمین سے ملا دیتا۔" (تجرید بخاری مترجم جلد ۱ ص۳۲۱)

اسی طرح حضرت عائشہؓ ہی کی دُوسری روایت میں ہے۔ کہ آپؐ نے فرمایا کہ اگر تیری قوم جاہلیّت کے زیادہ قریب نہ ہوتی تو کعبہ کو گرا کر اس کے دو۲ دروازے بناتا۔ ایک شرقی دروازہ۔ اور ایک غربی دروازہ۔" (تجرید بخاری مترجم اُردو جلد ۱ ص۳۲۲۔ نیز دیکھو جامع ترمذی جلد ۱ ص۱۰۸ مجتبائی)۔

اس میں عوام کے "خوف" سے دیوار کعبہ کے متعلق نہایت مفید خواہش کی تکمیل سے کنارہ کشی کی گئی ہے۔

(۳) صلح حدیبیہ کا واقعہ سب کو معلوم ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لفظ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اور رسول اللہ کو کٹوا دیا۔ اور اس شرط پر صلح کی کہ اگر کوئی غیر مسلموں میں سے مسلمان ہو کر ہمارے پاس آئیگا۔ تو ہم اس کو واپس کر دینگے۔ لیکن اگر کوئی مسلمان مُرتد ہو کر کافروں کے پاس چلا جائے۔ تو وہ اسے واپس نہ کریں۔ نیز یہ کہ طواف کعبہ بھی اس سال نہ ہوگا۔ پس آنحضرت صلعم اس معاہدہ کے بعد

واپس چلے آئے۔ یہ واقعہ بخاری ومسلم میں موجود ہے۔ اور مشکوٰۃ کتاب الصلح صفحہ ۳۵۳ و صفحہ ۳۵۴ مطبع اصح المطابع وتجرید بخاری مترجم جلد ۲ صفحہ ۱۶۱ میں بھی ہے۔ لیکن اس جگہ حضرت عمرؓ کے مندرجہ ذیل الفاظ درج کئے جاتے ہیں۔ جو لکھا ہے کہ آپ نے صلحنامہ کی تحریر کے وقت کہے۔ لکھا ہے:۔ "وَثَبَتَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ فَاَتٰی اَبَا بَکْرٍ فَقَالَ یَا اَبَا بَکْرٍ اَلَیْسَ بِرَسُوْلِ اللّٰہِ قَالَ بَلٰی قَالَ اَوَ لَیْسَنَا بِالْمُسْلِمِیْنَ قَالَ بَلٰی قَالَ اَوَ لَیْسُوْا بِالْمُشْرِکِیْنَ قَالَ بَلٰی قَالَ فَعَلَامَ نُعْطِی الدَّنِیَّۃَ فِیْ دِیْنِنَا قَالَ اَبُوْ بَکْرٍ یَا عُمَرُ اَلْزِمْ غَرْزَہٗ فَاِنِّیْ اَشْھَدُ اَنَّہٗ رَسُوْلُ اللّٰہِ قَالَ عُمَرُ وَاَنَا اَشْھَدُ اَنَّہٗ رَسُوْلُ اللّٰہِ ثُمَّ اَتٰی رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَلَسْتَ بِرَسُوْلِ اللّٰہِ قَالَ بَلٰی قَالَ اَوَ لَیْسَنَا بِالْمُسْلِمِیْنَ قَالَ بَلٰی قَالَ اَوَ لَیْسُوْا بِالْمُشْرِکِیْنَ قَالَ بَلٰی قَالَ فَعَلَامَ نُعْطِی الدَّنِیَّۃَ فِیْ دِیْنِنَا۔" (سیرۃ ابن ہشام واقعہ حدیبیہ)

ترجمہ:۔ حضرت عمرؓ بن خطاب بڑی تیزی سے ابو بکرؓ کے پاس آئے۔ اور اُن سے کہا۔ اے ابو بکرؓ! کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے رسول نہیں ہیں؟ انہوں نے جواب دیا۔ ہاں ہیں۔ پھر حضرت عمرؓ نے کہا۔ کیا ہم مسلمان نہیں ہیں؟ انہوں نے کہا۔ ہیں۔ پھر حضرت عمرؓ نے کہا۔ کیا وہ لوگ مشرک نہیں ہیں؟ انہوں نے جواب دیا۔

ہاں ۔ پھر حضرت عمرؓ نے کہا ۔ پھر کیا وجہ ہے کہ ہم ان کے ساتھ ایسی شرائط پر صلح کریں ۔ جس میں ہمارے دین کی ہتک ہو ؟ حضرت ابوبکرؓ نے کہا ۔ اے عمرؓ ! آنحضرت صلعم کی رکاب پکڑے رہ ۔ کیونکہ میں شہادت دیتا ہوں کہ آپؐ اللہ کے رسول ہیں حضرت عمرؓ نے کہا کہ میں بھی شہادت دیتا ہوں کہ حضورؐ اللہ کے رسول ہیں ۔ اسکے بعد حضرت عمرؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا ۔ اے رسول اللہ ! کیا آپؐ اللہ کے رسول نہیں ہیں ؟ حضورؐ نے فرمایا ۔ ہاں ہوں ۔ پھر حضرت عمرؓ نے کہا ۔ کیا ہم مسلمان نہیں ہیں ؟ آپؐ نے فرمایا ۔ ہاں ہو ۔ پھر حضرت عمرؓ نے کہا کیا وہ لوگ مشرک نہیں ہیں ؟ حضورؐ نے فرمایا ۔ ہاں ہیں ۔ تو اسپر حضرت عمرؓ نے کہا پھر ہم کیوں دب کر صلح کریں ۔ جس سے ہمارے دین کی ہتک ہو ؟

اب دیکھو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس طرز عمل کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسا جلیل القدر انسان بھی "دب کر صلح کرنا" اور اپنی ہتک قرار دیتا ہے ۔ لیکن کیا فی الحقیقت یہ ایسا ہی تھا ۔ نہیں ہرگز نہیں ۔

بعینہ اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا اقرار بھی تم کو بزدلی نظر آتا ہے ۔ مگر اہل بصیرت اس کو بھی حضرتؑ کی فتح سمجھتے ہیں ۔ کیونکہ اس معاہدہ کے رُو سے مولوی محمد حسین بٹالوی اوّل المکفّرین نے اپنا فتویٰ کفر واپس لے لیا تھا ۔ (تفصیل کیلئے دیکھو تریاق القلوب)

پھر کیا ۱۸۹۹ء کے اس معاہدہ کے بعد حضرت صاحب نے کوئی انذاری پیشگوئی شائع نہیں فرمائی ؟ اسکے بعد غلام دستگیر قصوری ۔ محی الدین لکھوکے

چراغدین جمونی۔ سعد اللہ لدھیانوی۔ ڈوئی امریکن۔ الٰہی بخش اکونٹنٹ وغیرہ ہلاک ہوئے۔ اور ظاہر ہے کہ ان میں سے بعض کی ہلاکت بد دعا اور بعض کی حضرت کی پیشگوئی کے نتیجہ میں ہوئی۔ پس معاہدۂ عدالت الہام الٰہی میں روک نہیں ہوا بلکہ وہ ایسے طریق پر تھا جس پر حضرت ابتدائے دعویٰ ہی سے عمل پیرا تھے۔

جغرافیہ دانی پر اعتراض

مرزا صاحب نے لکھا ہے۔ "قادیان لاہور سے گوشہ مغرب اور جنوب میں واقع ہے۔" (تریاق القلوب صفحہ ح مشمولہ آخر)

جواب:۔ دراصل فقرہ بالا میں لفظ "سے" کاتب کی غلطی سے بجائے "قادیان" اور "لاہور" کے درمیان لکھا جانے کے "لاہور" کے بعد لکھا گیا ہے جس سے مضمون بگڑ گیا ہے۔ اصل فقرہ یوں تھا:۔ "قادیان سے لاہور گوشہ مغرب اور جنوب میں واقع ہے۔" اور یہی درست ہے۔

اس بات کا ثبوت کہ یہ غلطی مصنّف کی نہیں بلکہ کاتب کی ہے۔ یہ ہے کہ خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنی کتاب "ستارۂ قیصریہ" کے پہلے صفحہ پر تحریر فرماتے ہیں:۔ "قادیان لاہور سے مشرق اور شمال کے گوشہ میں واقع ہے۔" (ستارۂ قیصریہ صا)

پس ثابت ہوا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو تو قادیان کی سمت لاہور سے معلوم تھی۔ ہاں اگر کاتب کو معلوم نہ ہو تو اس کی ذمہ داری نہیں۔

مسئلہ جہاد

مرزا صاحب نے جہاد کو حرام کیا۔

جواب:۔ قرآن مجید نے "جہاد کبیر" تو اشاعت تعلیم قرآنی کو قرار دیا ہے،

جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:۔ "وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا (فرقان ع۵)
کہ اے نبی! قرآن مجید کے ساتھ کافروں کے بالمقابل جہاد کر۔"
پس جماعت احمدیہ "جہاد کبیر" کرتی ہے۔ مگر تم؟

(۲) بقول شما ہم لوگ تو تلوار کا جہاد اِسلئے نہیں کرتے کہ ہم موجودہ زمانہ میں اس کو جائز نہیں سمجھتے۔ مگر تم لوگ تو اس کو جائز بلکہ "فرض" سمجھتے ہو۔ پھر تم کیوں "تلوار" کا جہاد نہیں کرتے؟ تمہاری اپنی حالت تو یہ ہے کہ نہ تم تبلیغ قرآن کرتے ہو جو "جہاد کبیر" ہے۔ اور نہ تلوار کے ساتھ جہاد کرتے ہو جو جہاد صغیر ہے۔ محض زبان سے باتیں بنانے اور بلاوجہ اعتراض کرنے سے کیا فائدہ؟

(۳) یہ غلط ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے قیامت تک جہاد کو حرام قرار دیا ہے۔ یا یہ کہ حضورؑ نے قرآن مجید کی آیات متعلقہ جہاد کو منسوخ قرار دیا ہے (معاذ اللہ) جماعت احمدیہ کا یہ ہرگز مذہب نہیں۔ جماعت احمدیہ قرآن مجید کی ایک ایک آیت پر جان و دل سے ایمان رکھتی ہے۔ اور ہر آیت کو قیامت تک واجب العمل یقین کرتی ہے تمہاری طرح قرآن مجید کی آیات کو منسوخ نہیں مانتی۔ (ملاحظہ ہو پاکٹ بک ہذا زیر عنوان "تناقضات" ضمن ۹)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا وہ حوالہ دکھاؤ۔ جہاں حضورؑ نے لکھا ہے کہ قیامت تک جہاد حرام ہے۔ اور یہ کہ قرآن مجید کی آیات متعلقہ جہاد منسوخ ہیں۔ تم ایک حوالہ قیامت تک نہ دکھا سکو گے۔

بلکہ حضرت مسیح موعودؑ نے جو یہ فتویٰ دیا ہے کہ موجودہ حالات میں جہاد بالسّیف فرض نہیں تو یہ فتویٰ بھی اپنے پاس سے نہیں دیا۔ بلکہ شریعتِ اسلامی کی بناء پر ہی دیا ہے۔ چنانچہ حضورؑ فرماتے ہیں:۔

"شریعتِ اسلام کا یہ واضح مسئلہ ہے جس پر تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ ایسی سلطنت سے لڑائی اور جہاد کرنا جس کے زیر سایہ مسلمان لوگ امن اور عافیت اور آزادی سے زندگی بسر کرتے ہوں . . . قطعی حرام ہے۔"

(براہین احمدیہ حصّہ سوم ملحقہ ٹائیٹل پیج صفحہ ا و ب مطبوعہ ۱۸۸۲ء و تبلیغ رسالت جلد ا صفحہ ۶۵)۔

(۴) حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے قیامت تک جہاد کو حرام قرار نہیں دیا۔ بلکہ فرمایا:۔ ع "دین کیلئے حرام ہے اب جنگ اور قتال"

پھر فرمایا:۔ ع "عیسیٰ مسیح جنگوں کا کردے گا التوا"

جس کے معنے یہ ہیں کہ موجودہ زمانہ میں چونکہ حکومت کی طرف سے مداخلت فی الدین نہیں ہوتی۔ لہٰذا اِس حکومت کے خلاف جہاد کرنے کا موجودہ وقت میں قرآن حکم نہیں دیتا۔ اور یہ جہاد اُس وقت تک "ملتوی" ہے۔ جب تک کہ دین میں مداخلت اور عقائد میں جبر شروع نہ ہو۔

چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام تحریر فرماتے ہیں:۔

"تعجب ہے کہ جبکہ اِس زمانہ میں کوئی شخص مسلمانوں کو مذہب کے نام پر قتل نہیں کرتا۔ تو وُہ کس حکم سے ناکردہ گناہ لوگوں کو قتل کرتے ہیں۔" (رسالہ جہاد صفحہ ۱۳)۔

(۵) حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی یہ تعلیم قرآن مجید اور حدیث نبویؐ کے عین مطابق ہے۔ خصوصاً آنحضرت صلعم کی اس پیشگوئی کے مطابق ہے۔ جو آپؐ نے مسیح موعود کے متعلق فرمائی اور جو بخاری میں ہے۔ کہ "یَضَعُ الْحَرْبَ" کہ مسیح موعود کچھ عرصہ کے لئے جہاد کو ملتوی کر دیگا۔ پس "جہاد" سے روکنے کے متعلق فتویٰ حضرت مسیح موعودؑ کا نہیں بلکہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

کیوں بھولتے ہو تم یضع الحرب کی خبر
کیا یہ نہیں بخاری میں دیکھو تو کھولکر
فرما چکا ہے سیدِ کونین مصطفےٰ
عیسیٰ مسیح جنگوں کا کر دے گا التوا
یعنی وہ وقت امن کا ہوگا نہ جنگ کا
بھولینگے لوگ مشغلہ تیر و تفنگ کا

(تحفہ گولڑویہ۔ درثمین اردو)

(۶) اچھی طرح سے سن لو اور یاد رکھو کہ قرآن مجید نے جن شرائط کے ماتحت جہادِ سیفی کو فرض قرار دیا ہے۔ اور جن کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام نے جہاد کیا تھا۔ اگر وہ شرائط آج بھی پائی جائیں۔ تو جماعت احمدیہ یقیناً سیفی جہاد کرے گی۔ جماعت احمدیہ کا یہ عقیدہ کوئی مخفی عقیدہ نہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تحریرات میں موجود ہے۔ بلکہ حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی نے اپنے رسالہ "تحفہ لارڈ ارون" میں اس مسئلہ کو بالوضاحت بیان فرمایا ہے۔

(۷) حضرت مسیح موعود علیہ السلام تحریر فرماتے ہیں:۔

(الف) "اِس زمانہ میں جہاد رُوحانی صُورت سے رنگ پکڑ گیا ہے۔ اور اِس زمانہ کا جہاد یہی ہے کہ اعلائے کلمہ اسلام میں کوشش کریں مخالفوں کے الزامات کا جواب دیں۔ دینِ متین اِسلام کی خوبیاں دُنیا میں پھیلائیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی دُنیا پر ظاہر کریں۔ یہی جہاد ہے۔ جب تک کہ خدا تعالیٰ کوئی دُوسری صُورت دُنیا میں ظاہر کرے"۔ (مکتوب حضرت مسیح موعودؑ بنام حضرت میر ناصر نواب صاحب مندرجہ رسالہ درود شریف صہ ۶۶۔ نیز دیکھو نور الحق صہ ۴۶)۔

(ب) "حقیقۃ المہدی" میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام تحریر فرماتے ہیں:۔

"رُفِعَتْ هٰذِهِ السُّنَّةُ بِرَفْعِ اَسْبَابِهَا فِيْ هٰذِهِ الْاَيَّامِ وَاُمِرْنَا اَنْ نُعِدَّ لِلْكَافِرِيْنَ كَمَا يُعِدُّوْنَ لَنَا وَلَا نَرْفَعَ الْحُسَامَ قَبْلَ اَنْ نُقْتَلَ بِالْحُسَامِ"۔

(حقیقۃ المہدی صہ ۱۹) کہ تلوار کے جہاد کا طریق بوجہ شرائط جہاد موجود نہ ہونے کے اِن ایام میں ہٹایا گیا ہے۔ اور ہمیں حکم ہے کہ ہم کافروں سے ویسا ہی سلوک کریں جیسا کہ وہ ہم سے کرتے ہیں۔ اور ہم اُس وقت تک تلوار نہ اُٹھائیں جبتک کہ وہ ہم پر تلوار نہ اُٹھائیں۔

(ج) تحفہ گولڑویہ میں تحریر فرماتے ہیں:۔ "لَا شَكَّ اَنَّ وُجُوْهَ الْجِهَادِ مَعْدُوْمَةٌ فِيْ هٰذَا الزَّمَنِ وَفِيْ هٰذِهِ الْبِلَادِ" (ضمیمہ تحفہ گولڑویہ صہ ۳) کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ جہاد کے وجوہ اِس زمانہ اور اِس ملک میں پائے نہیں جاتے۔

(۸) یہی وجہ ہے کہ مولوی محمد جعفر صاحب تھانیسری نے بھی لکھا ہے:۔
"جنگ کا نام جہاد نہیں ہے۔ جنگ کو قتال کہتے ہیں اور وہ گاہے ماہے پیش آتی ہے۔ اور جہاد کہ اعلائے کلمۃ اللہ میں کوشش کرنا ہے۔ مدت دراز تک باقی رہتا ہے۔" (سوانح احمدی کلاں صفحہ ۱۴۰)

پھر لکھتے ہیں :۔
"یہ بھی یاد رہے کہ جہاد سے کچھ ملک گیری اور جنگ و جدال ہی مراد نہیں ہے۔ لفظ جہاد کے معنی سعی و کوشش کرنا ہے۔ سو حسبِ طاقت اور حوصلہ خود واسطے اعلائے کلمۃ اللہ اور اطفائے نائرۂ ادیانِ باطل اور ذلتِ کفار کی کوشش کرتے رہنا جہاد ہے۔" (صفحہ ۱۵۷)۔

(۹) تفسیر حقّانی میں لکھا ہے :۔
"اس زمانہ میں ملحدین کے ساتھ بحث و مناظرہ کرنا بھی جہاد ہے۔"
(تفسیر حقّانی طبع ششم صفحہ ۲۱۳ جلد ۴)

(۱۰) حدیث میں ہے:۔ "اَفْضَلُ الْجِهَادِ مَنْ قَالَ کَلِمَةَ حَقٍّ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَائِرٍ" (مشکوٰۃ کتاب الامارۃ و القضاء صفحہ ۳۲۲ مطبع اصح المطابع) کہ سب سے بڑا جہاد سلطان جابر کے سامنے سچی بات کہنا ہے۔

(۱۱) "فتوحات میں لکھا ہے کہ حق تعالیٰ مسلمانوں کو پاس کے کافروں سے قتال کرنے کا حکم فرماتا ہے۔ اور کوئی دشمن نفسِ امّارہ کفرانِ نعمت کرنے والے سے بدتر نہیں ہے۔ اور سب دشمنوں سے زیادہ تیرے قریب وہی ہے کہ اَعْدٰی عَدُوِّكَ نَفْسُكَ الَّذِيْ بَيْنَ

جنبیک (بڑا دشمن تیرا نفس ہے جو تیرے دونوں پہلوؤں میں ہے) تو اس کے قتال میں مشغول ہوتا کہ جہادِ اکبر ہے۔ اولیٰ اور انسب معلوم ہوتا ہے۔ اور مثنوی مولانائے روم علیہ الرحمۃ میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔ ؎

اے شہاں کُشتیم ما خصم بروں	ماند از و خصمی بہتر در اندروں
قد رجعنا من جہاد الاصغریم	ایں زماں اندر جہادِ اکبریم
سہل شیرے داں کہ صفہا بشکند	شیر آنرا داں کہ خود را بشکند

(تفسیر قادری موسومہ بہ تفسیر حسینی جلد ا صفحہ ۴۲ مترجم)

(۱۲) مولوی ابو الکلام آزاد اپنے رسالہ مسئلۂ خلافت و جزیرۂ عرب میں لکھتے ہیں:۔

"جہاد کی حقیقت کی نسبت سخت غلط فہمیاں پھیلی ہوئی ہیں۔ بہت سے لوگ سمجھتے ہیں کہ جہاد کے معنے صرف لڑنے کے ہیں۔ مخالفین اسلام بھی اس غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے۔ حالانکہ ایسا سمجھنا اس عظیم الشان مقدس حکم کی وسعت کو بالکل محدود کر دینا ہے۔ جہاد کے معنے کمال درجہ کوشش کرنے کے ہیں۔ قرآن و سنت کی اصطلاح میں اس کمال سعی کو جو ذاتی اغراض کی جگہ حق پرستی اور سچائی کی راہ میں کی جائے۔ جہاد کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یہ سعی زبان سے بھی ہے۔ مال سے بھی ہے۔ صرف وقت و عمر سے بھی ہے۔ محنت و تکالیف برداشت کرنے سے بھی ہے۔ اور دشمنوں کے مقابلہ میں لڑنے اور اپنا خون بہانے میں بھی ہے۔ جس سعی کی ضرورت ہو۔ اور جو سعی جس کے امکان میں ہو۔ اس پر فرض ہے۔ اور جہاد

فی سبیل اللہ میں لغت اور شرع دونوں اعتبار سے داخل۔ یہ بات نہیں ہے کہ جہاد سے مقصود مجرد لڑائی ہی ہو۔ سورہ فرقان میں ہے: "فَلَا تُطِعِ الْكَافِرِيْنَ وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا" یعنی کافروں کے مقابلہ میں کمال درجہ جہاد کرو۔ سورہ فرقان بالاتفاق مکی ہے اور معلوم ہے کہ جہاد بالسیف یعنی لڑائی کا حکم ہجرتِ مدینہ کے بعد ہوا۔ پس مکی زندگی میں کونسا جہاد تھا۔ جس کا اس آیت میں حکم دیا جارہا ہے۔ جہاد بالسیف تو ہو نہیں سکتا۔ یقیناً وہ حق کی استقامت اور اس کی راہ میں تمام مصیبتیں اور شدتیں جھیل لینے کا جہاد تھا۔ ... اسی پر جہاد کبیر کا اطلاق ہوا۔ اسی طرح منافقوں کے ساتھ بھی جہاد کرنے کا حکم دیا گیا۔ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ۔ حالانکہ منافق تو خود اسلام کے ماتحت مقہورانہ و محکومانہ زندگی بسر کر رہے تھے۔ جنگ و جدال کی ضرورت ہی نہ تھی۔ اور نہ اُن سے جنگ کی گئی۔ سو یہ جہاد بھی تبلیغ حق اور اتمام حجت و مقاومتِ فساد کا جہاد تھا۔ جو قلب و زبان سے تعلق رکھتا ہے۔ ... لڑائی کے الگ کر دینے کے بعد بھی حقیقتِ جہاد باقی رہتی ہے۔" (مسئلہ خلافت و جزیرہ عرب صفحہ ۱۰۶ تا صفحہ ۱۰۹)

(۱۳) مولوی ظفر علی آف زمیندار کہتے ہیں:-

(ل) "جہاد یہی نہیں کہ انسان تلوار اٹھا کر میدانِ جنگ میں نکل کھڑا ہو۔ بلکہ یہ بھی ہے کہ تقریر۔ تحریر۔ سفر۔ حضر ہر طرح سے جدّ و جہد کرے۔" (زمیندار ۱۴ر جون ۱۹۳۶ء)۔

(ب) پھر لکھتے ہیں:۔

"ہندوستان کا اصولِ جہاد بے تشدد جدّ وجہد ہے۔ اسپر تمام ہندوستانیوں کا اتفاق ہے" (زمیندار ۱۴ر جون ۱۹۳۶ء)

(ج) پھر شرائط جہاد بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"اِسلام نے جب کبھی جہاد (بالسیف۔ خادمؔ) کی اجازت دی ہے مخصوص حالات میں دی ہے۔ جہاد ملک گیری کی ہوس کا ذریعہ تکمیل نہیں ہے۔ ۔ ۔ اِس کیلئے امارت شرط ہے۔ اسلامی حکومت کا انتظام شرط ہے۔ دشمنوں کی پیش قدمی اور ابتداء شرط ہے۔ اِتنی شرطوں کے ساتھ جو مسلمان خدا کی راہ میں نکلتا ہے۔ اسکو کوئی شخص مطعون نہیں کرسکتا البتہ اگر مسلمانوں نے اپنی حکومت و سلطنت کے زمانہ میں کبھی ملک گیری کیلئے توسیع مملکت کیلئے اقوام عالم کو غلام بنانے کیلئے تلوار اٹھائی ہے۔ تو اِس کو جہاد سے کوئی تعلق نہیں ہے" (زمیندار ۱۴ر جون ۱۹۳۶ء)

(د) پھر لکھتے ہیں:۔ "حضرت نوح علیہ السلام کا جوش تبلیغ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی توحید پرستی۔ ۔ ۔ حضرت عیسیٰؑ کا جمال حضرت داؤد کا نغمہ حکماء کی تصانیف۔ علماء کے مجاہدے۔ اور زاہدوں کی شب زندہ داریاں سب کی سب جہاد ہی کی مختلف صورتیں ہیں" (زمیندار ۲۵ر جون ۱۹۳۶ء)

(س) پھر لکھتے ہیں:۔ "مختصر یہ کہ اِس آیت (جَاھِدْھُمْ بِہٖ جِھَادًا کَبِیْرًا۔ خادمؔ) میں جَاھِدْ سے مراد یہ ہے کہ کافروں کو وعظ و نصیحت کر۔ اور انہیں دعوت و تبلیغ کر کے سمجھا۔ امام فخرالدین رازی نے

اپنی مشہور تفسیر کبیر میں یونہی روشنی ڈالی ہے۔" (زمیندار ۲۵ رجون ۱۹۳۶ء)

ان تمام اقتباسات سے جو مخالفین احمدیت کے سر برآوردہ بزرگوں کی تحریرات سے لئے گئے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ جہاد کے بارہ میں جو تعلیم حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے دی وہی درست اور صحیح ہے۔ اور اس پر اسلامی تعلیم کے رُو سے کوئی اعتراض نہیں ہوسکتا۔ پس ان حالات میں یہ کہنا کہ حضرت مرزا صاحب نے جہاد کو منسوخ کیا۔ انتہائی ہٹ دھرمی اور ظلم ہے۔

معراج

مرزا صاحب نے لکھا ہے کہ معراج جسمانی نہ تھا۔ بلکہ رُوحانی تھا۔

الجواب:۔ (۱) بخاری میں معراج کی حدیث کے آخر میں ہے "وَاسْتَيْقَظَ وَهُوَ فِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ" (بخاری کتاب التوحید باب قَوْلُهٗ وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا۔ جلد ۴ صفحہ ۱۸۵ مصری) کہ پھر آنحضرت صلعم جاگ پڑے۔ اور آپ مسجد حرام میں تھے۔ کیا آسمان سے اُترنے والا آدمی جاگا کرتا ہے یا سویا ہوا؟ ۔

(۲) حضرت معاویہؓ۔ حضرت عائشہؓ۔ حضرت خدیجہؓ۔ حضرت حسن بصری رحمۃ۔ حضرت شاہ ولی اللہ۔ حضرت امام ابن قیم۔ یہ سب معراج رُوحانی کے قائل تھے۔ چنانچہ تفسیر کشاف میں ہے۔" وَاخْتُلِفَ فِيْ اِنَّهٗ كَانَ فِي الْيَقْظَةِ اَمْ فِي الْمَنَامِ فَعَنْ عَائِشَةَ رَضِ اَنَّهَا قَالَتْ وَاللّٰهِ مَا فُقِدَ جَسَدُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلعم وَلٰكِنْ عُرِجَ بِرُوْحِهٖ وَعَنِ الْحَسَنِ كَانَ فِي الْمَنَامِ رُؤْيَا رَاٰهُ صلعم۔" (تفسیر کشاف صفحہ ۵۷) کہ اس بات میں

اختلاف ہے کہ معراج بیداری کی حالت میں ہوا یا سوتے ہوئے۔ پس حضرت عایشہ رضؓ کا قول ہے کہ آپ نے فرمایا۔ خدا کی قسم آنحضرت صلعم کا جسم یہاں سے گم نہیں ہوا۔ بلکہ آپؐ کی روح اٹھائی گئی تھی۔ اور حضرت معاویہؓ نے بھی فرمایا کہ آپؐ کی روح اٹھائی گئی۔ اور حضرت حسنؓ فرماتے ہیں کہ معراج نیند کی حالت میں ایک خواب تھا۔ جسے آنحضرت صلعم نے دیکھا حضرت عائشہؓ کا قول وغیرہ (زاد المعاد مصنفہ حافظ ابن قیم جلد ا ص ۳۰۴ و تفسیر کبیر جلد ۵ ص ۳۷۸ و سیرت ابن ہشام جلد ا ص ۲۶۵ مطبوعہ لنڈن ابن جریر جلد ۱۵ ص ۱۳ و حجۃ اللہ البالغہ مصنفہ حضرت شاہ ولی اللہ باب الاسرار و تذکرۃ الملوک ص ۱۲ و شرح شفا ملا علی قاری جلد ا ص ۴۰۳ و شہاب علی الشفا جلد ۲ ص ۲۸۷ و تفسیر خازن جلد ۴ ص ۱۱ و افادہ جلد ۲ ص ۴۲ میں درج ہے۔

نوٹ:۔ یاد رکھنا چاہیئے کہ حضرت عائشہؓ کی شہادت خواہ عینی نہ بھی ہو پھر بھی قابل قبول ہے۔ کیونکہ انہوں نے حلف اٹھا کر بیان کی ہے۔ نیز اس کے متعلق لکھا ہے۔ "فَاِذَا لَمْ تُشَاهِدْ ذَالِكَ عَائِشَةُ دَلَّ عَلٰى اَنَّهَا حَدَّثَتْ عَنْ غَيْرِهَا مِنَ الصَّحَابَةِ فَحَدِيْثُهَا مِنْ مُرْسَلَاتِ الصَّحَابَةِ فَهُوَ صَحِيْحٌ اَيْضًا"۔ (شہاب علی الشفا جلد ۲ ص ۱۰۲) کہ جبکہ حضرت عایشہ رضؓ نے یہ واقعہ خود نہیں دیکھا۔ تو اس سے ثابت ہوا کہ حضرت عائشہؓ نے روایت اپنے علاوہ کسی صحابی سے لی ہے۔ پس اندریں صورت یہ حدیث مرسلات صحابہ ہوگی۔ جو وہ بھی صحیح ہے۔ پس حضرت عائشہؓ کی شہادت سب سے زیادہ وزن دار ہے اور ان کا حلف اٹھانا بتاتا ہے کہ غالباً انہوں نے خود آنحضرت صلعم سے یہ بات

معلوم کی ہوگی۔ ورنہ پورے وثوق کے بغیر قسم نہیں اُٹھائی جاسکتی۔ پس جبکہ معراج کے جسمانی یا رُوحانی ہونے کا مسئلہ ابتدا ہی سے اختلافی ہے۔ پھر کیا اعتراض؟

حج بند

مرزا صاحب نے حقیقۃ الوحی میں لکھا ہے کہ خدا نے میرے وقت میں حج بند کر دیا ہے۔ اب کوئی حج کی ضرورت نہیں ہے۔

جواب۔ یہ جھوٹ ہے۔ حقیقۃ الوحی کیا کسی کتاب سے دکھا دو۔ تو انعام لو۔

(۲) حضرتؑ نے تو حقیقۃ الوحی میں یہ لکھا ہے کہ بعض حدیثوں میں آتا ہے کہ مسیح موعود کے وقت میں حج کسی مدت تک روک دیا جائیگا۔ چنانچہ میرے زمانہ میں ایک دفعہ سخت بیماری پڑنے کی وجہ سے ایک سال ۱۹۰۰ء ۹۹ کیلئے روک دیا گیا تھا۔ وبس۔ حضرتؑ نے قطعاً یہ نہیں فرمایا کہ خدا نے اب حج کے فرائض کو منسوخ کر دیا ہے۔ (نعوذ باللہ)۔ (دیکھو حقیقۃ الوحی ص۱۹۰)

(۳) "جس پر حج فرض ہو چکا ہے اور کوئی مانع نہیں وہ حج کرے" (کشتی نوح ص۱۲)

(۴) حدیث جس کی طرف حضرتؑ نے اشارہ فرمایا ہے۔ منتخب کنز العمال جلد ۶ ص۳ پر ہے:۔ "لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰی لَا یُحَجَّ الْبَیْتُ رَوَاہُ اَبُوْ یَعْلٰی وَالْحَاکِمُ"

تقدیر اور ملائکہ کوئی نہیں (از ازالہ اوہام ٹائیٹل پیج)

جواب:۔ جھوٹ ہے۔ ازالہ اوہام کے ٹائیٹل پیج چھوڑ حضرت کی کسی کتاب میں بھی تقدیر اور ملائکہ کا انکار نہیں۔ بلکہ حضرتؑ نے تو بار بار خدا تعالیٰ کی تقدیر اور ملائکہ کا اقرار کیا ہے:۔ سے

قبضۂ تقدیر میں دل ہیں اگر چاہے خدا
پھیر دے میری طرف آجائیں پھر بے اختیار (براہین حصہ پنجم)

پھر فرمایا:۔ ع تیری باتوں کے فرشتے بھی نہیں ہیں رازدار

اے مرے مولا! تو اب فوج ملائک کو اتار (ایضاً)

(۲) "ہم ایمان لاتے ہیں کہ ملائک حق۔ حشر اجساد حق اور حساب حق اور جنت حق اور جہنم حق ہے۔" (ایام الصلح ص۸۶)۔

قرآن میں گالیاں بھری ہیں (ازالہ)

جواب۔ قطعاً جھوٹ ہے حضرتؑ نے تو لکھا ہے کہ اگر ہر وہ بات جو قدرے سخت ہو۔ خواہ وہ امر واقعہ ہو۔ گالی ہے۔ تو پھر ماننا پڑیگا کہ قرآن میں گالیاں ہیں۔ کیونکہ قرآن مجید تو کافروں کے سب پردے کھول کر رکھدیتا ہے۔ انکو گالی قرار دینا خود حماقت ہے۔ کیونکہ اظہار واقعہ اور چیز ہے اور گالی اور۔ حضرت مسیح موعودؑ نے تو شرطی طور پر لکھا ہے۔ نہ کہ مطلق۔

خدا کی طاقتیں تیندوے کے جال کی طرح

لَیْسَ کَمِثْلِهٖ شَیْءٌ۔

جواب۔ خداتعالیٰ "لَیْسَ کَمِثْلِهٖ شَیْءٌ" کا مصداق تو ضرور ہے۔ مگر اسکی بعض صفات کو بیان کرنے کیلئے اگر دنیوی مثال نہ دیجائے تو کہاں سے دیجائے۔ خود قرآن مجید نے "مَثَلُ نُوْرِهٖ کَمِشْکٰوۃٍ" فرمایا ہے۔ گویا خدا کے نور کی مثال ایک قندیل کی طرح ہے۔ جس طرح نور خدا وندی کی مثال مشکوٰۃ سے دیجا سکتی ہے۔ بعینہٖ اسی طرح خدا کی صفات کا ایک ہی وقت میں مختلف

اوقات اور مختلف مقامات میں اثر پذیر ہونا بھی تیندوے کے جال والی مثال سے بیان کیا جا سکتا ہے۔

حضرت مسیح موعودؑ کا عقیدہ دربارہ ولادتِ مسیحؑ

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا عقیدہ یہی تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ کے پیدا ہوئے اور خدا کے فضل سے یہی جماعت احمدیہ کا عقیدہ ہے۔ اہلِ پیغام کے عقیدہ کے ہم ذمہ دار نہیں ہیں اور نہ وہ لوگ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تعلیم کی پرواہ کرتے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتب سے چند حوالجات لکھے جاتے ہیں:- (۱) "ھُوَ خَلْقُ عِیْسٰی مِنْ غَیْرِ اَبٍ بِالْقُدْرَۃِ الْمُجَرَّدَۃِ" (مواہب الرحمٰن ص۷۲) اور وہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا تعالیٰ کی قدرتِ مجردہ سے بے باپ پیدا ہوئے۔

(۲) "کَذٰلِکَ تَوَلُّدُ عِیْسٰی مِنْ دُوْنِ الْاَبِ" (مواہب الرحمٰن ص۷۶)

اسی طرح سے عیسیٰ علیہ السلام کا بے باپ پیدا ہونا ہے۔

(۳) "اور جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام یوسف نجار کے نطفہ سے پیدا ہوئے۔ وہ جہالت کی وجہ سے حقیقت کو نہیں جانتے۔"

(ترجمہ عربی مواہب الرحمٰن ص۷۲)

(۴) کشتی نوح ص۵۴ "مریم صدیقہ نے پارسائی کی"

(۵) "من عجب تر ز مسیح بے پدر" (درثمین فارسی)

(۶) تحفہ گولڑویہ ص۳ و ص۱۱ و حاشیہ ص۱۹۸۔

نبی کی ہر دعا قبول نہیں ہوتی

مرزا صاحب نے مبارک احمد اور مولوی عبدالکریم صاحب کی صحت کیلئے دعائیں کیں مگر قبول نہ ہوئیں اور وہ فوت ہوگئے۔

الجواب:- ضروری نہیں کہ نبی کی ہر دعا قبول ہو:- (۱) صحیح ترمذی میں ہے آنحضرت صلعم نے فرمایا:- "اِنِّیْ سَأَلْتُ اللّٰہَ فِیْھَا ثَلَاثًا فَاَعْطَانِیْ اِثْنَتَیْنِ وَمَنَعَنِیْ وَاحِدَۃً" (ترمذی باب الفتن جلد ۲ صفحہ ۴ مجتبائی) کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے تین دعائیں کیں جن میں سے خدا نے دو منظور کرلیں اور ایک نامنظور کردی۔ وہ نامنظور دعا یہ تھی:- "سَأَلْتُہٗ اَنْ لَا یُذِیْقَ بَعْضَھُمْ بَأْسَ بَعْضٍ فَمَنَعَنِیْھَا" (ایضاً نیز مشکوٰۃ باب فضائل سید المرسلین صفحہ ۵۱۳ مطبع اصح المطابع) کہ میں نے دعا کی میری اُمت کا ایک حصہ دوسرے حصہ سے نہ لڑے۔ مگر خدا نے منظور نہ کی۔

(۲) اِسْتَأْذَنْتُ رَبِّیْ اَنْ اَسْتَغْفِرَ لِاُمِّیْ فَلَمْ یَأْذَنْ لِیْ" (مسلم کتاب الجنائز جلد ۱ صفحہ ۳۵۹ مصری) کہ میں نے خدا تعالیٰ سے درخواست کی کہ مجھے اپنی والدہ کیلئے استغفار کرنے کی اجازت دیجائے۔ مگر خدا تعالیٰ نے مجھے اجازت نہ دی۔ (نیز دیکھو تفسیر قادری موسومہ بہ تفسیر حسینی مترجم اردو جلد ۱ صفحہ ۴۱۵)۔

(۳) حضرت امام غزالی رح اپنی کتاب "الاقتصاد فی الاعتقاد" میں فرماتے ہیں "کئی دفعہ یہ بات ہوئی ہے کہ انبیاء علیہم السلام نے خدا سے دعائیں مانگیں اور ان کو اپنی دعائیں قبول ہونے کا بھی یقین تھا۔ مگر خدا تعالیٰ نے کسی مصلحت کی وجہ سے ان کو قبول نہ کیا" (اردو ترجمہ علم الکلام صفحہ ۱۷)۔

(۴) حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی دعاؤں کی قبولیت کی تفصیل کو حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۸ و صفحہ ۳۲۱ و آسمانی فیصلہ صفحہ ۱۷ طبع سوم پر فرمایا ہے۔

آنحضرت صلعم پر دعویٰ فضیلت کا الزام

(ا) "ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے تین ہزار معجزات ظہور میں آئے۔" (تحفہ گولڑویہ صفحہ ۴۰)

(ب) "اس نے میری تصدیق کے لئے بڑے بڑے نشانات ظاہر کئے جو تین لاکھ تک پہنچتے ہیں۔" (تتمہ حقیقۃ الوحی صفحہ ۶۲)

الجواب۔ تذکرۃ الشہادتین صفحہ ۱۲ "باستثنا قرآن کریم۔" (۲) نزول المسیح صفحہ ۸۹ "ایک جلسہ کرو اور ہمارے معجزات اور پیشگوئیاں سنو۔ اور ہمارے گواہوں کی شہادت رویت جو حلفی شہادت ہوگی۔ قلمبند کرتے جاؤ۔ اور پھر اگر آپ لوگوں کیلئے ممکن ہو تو باستثنا ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا میں کسی نبی یا ولی کے معجزات کو انکے مقابل پر پیش کرو۔" (۳) ایک معجزہ کئی نشانوں پر مشتمل ہو سکتا ہے مگر ایک نشان کئی معجزوں پر مشتمل نہیں ہوتا۔

(۴) حضرت مسیح موعود علیہ السلام تحریر فرماتے ہیں:۔

"اس نے میرا دعویٰ ثابت کرنے کیلئے اس قدر معجزات دکھلائے کہ بہت ہی کم نبی ایسے ہوئے ہیں جنہوں نے اسقدر معجزات دکھائے ہوں۔ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ اس نے اسقدر معجزات کا دریا رواں کر دیا ہے کہ باستثنا ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے باقی تمام انبیاء علیہم السلام میں انکا ثبوت اس کثرت کے ساتھ قطعی اور یقینی طور پر محال ہے۔" (تتمہ حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۳۶)

پھر فرماتے ہیں: "کسی نبی سے اسقدر معجزات ظاہر نہیں ہوئے۔ جس قدر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ... ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات اب تک ظہور میں آرہے ہیں۔ اور قیامت تک ظاہر ہوتے رہیں گے۔ جو کچھ ہماری تائید میں ظاہر ہوتا ہے در اصل وہ سب آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات ہیں۔" (تتمہ حقیقۃ الوحی صفحہ ۳۵)
گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے معجزات سے کئی لاکھ زیادہ ہیں۔ اب اگر یہ سوال ہو کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے آنحضرت صلعم کے تین ہزار معجزات کیوں لکھے ہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ "تین ہزار معجزات" آنحضرت صلعم کے کل معجزات نہیں بلکہ یہ صرف وہ معجزات ہیں جو صحابہ رضوان اللہ علیہم کے سامنے ظاہر ہوئے۔ چنانچہ خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام لکھتے ہیں:۔ "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات تو چاروں طرف سے چمک رہے ہیں وہ کیونکر چھپ سکتے ہیں۔ صرف وہ معجزات جو صحابہ رضؓ کی شہادتوں سے ثابت ہیں وہ تین ہزار معجزہ ہے۔ اور پیشگوئیاں تو دس ہزار سے بھی زیادہ ہونگی۔ جو اپنے وقتوں پر پوری ہوگئیں اور ہوتی جاتی ہیں۔ ماسوائے اس کے بعض معجزات اور پیشگوئیاں قرآن شریف کی ایسی ہیں کہ ہمارے لئے بھی اس زمانہ میں محسوس و مشہود کا حکم رکھتی ہیں۔ اور کوئی اس سے انکار نہیں کر سکتا۔" (تصدیق النبی صفحہ ۲) پس ثابت ہوا کہ
(الف) "تین ہزار معجزات" سے مراد صرف اسقدر معجزات ہیں جو صحابہ رضؓ کی شہادتوں سے ثابت ہیں۔" (ب) پیشگوئیاں ان معجزات میں شامل نہیں۔
(ج) وہ پیشگوئیاں جو آنحضرت صلعم کے زمانہ میں پوری ہوئیں وہ علاوہ ان تین ہزار معجزات کے دس ہزار سے زیادہ تھیں۔
(د) آپ کی پیشگوئیاں اور معجزات قیامت تک ظاہر ہوتے رہیں گے۔ لہٰذا ان کو گنا ہی نہیں جا سکتا۔

پس اندریں حالات حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے "نشانات" جن میں پیشگوئیاں بھی شامل ہیں۔ اگر تین لاکھ کی بجائے دس لاکھ بھی ہوں۔ پھر بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات سے ان کی کوئی نسبت ہی نہیں ٹھہرتی۔

(۵) حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام تحریر فرماتے ہیں:۔

"یہ سہولت کامل (نشرو اشاعت کی) پہلے کسی نبی کو ہرگز نہیں دی گئی۔ مگر ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم اس سے باہر ہیں۔ کیونکہ جو کچھ مجھے دیا گیا۔ وُہ انہی کا ہے۔" (نزول المسیح صـ۲۳ حاشیہ)

اِن عبارات میں حضرت ؑ نے جو اپنے نشانات و معجزات کو آنحضرت صلعم کی طرف منسوب فرمایا ہے۔ تو یہ محض کسر نفسی کے طور پر نہیں بلکہ امر واقع ہے۔ کیونکہ حضرت مسیح موعود ؑ نے اپنے بعض نشانات۔ جو حقیقۃ الوحی صـ۱۹۳ سے اخیر کتاب تک لکھے ہیں۔ اگر ان کو بغور دیکھا جائے۔ تو وہ سب کے سب آنحضرت صلعم ہی کے نشانات اور معجزات ثابت ہوتے ہیں۔ مثلاً حقیقۃ الوحی صـ۱۹۳ پر پہلا نشان حضرت ؑ نے حدیث مجدّدین کو قرار دیا ہے کہ ہر صدی پر مجددین آنے کی پیشگوئی میری صداقت کا نشان ہے۔ اب یہ پیشگوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے اور اس کا چودھویں صدی کے سر پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ذات میں پورا ہونا جہاں حضرت مسیح موعود ؑ کی صداقت کا نشان ہے، وہاں اس سے بڑھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا نشان ہے۔

اسی طرح حقیقۃ الوحی ص۱۹۴ پر حدیث کسوف و خسوف رمضان۔ دار قطنی ص۱۸۸ کو حضرت نے اپنی صداقت کا دوسرا نشان قرار دیا ہے اور درحقیقت یہ بھی آنحضرت صلعم کی پیشگوئی ہے۔ اور اس کا ۱۸۸۶ء میں حضرت اقدس کے زمانہ میں پورا ہونا جہاں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت کا نشان ہے۔ وہاں اس سے بڑھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا نشان ہے۔ علیٰ ہذا القیاس حقیقۃ الوحی ص۱۹۸ پر تیسرا نشان ستارہ ذو السنین کے نکلنے کی پیشگوئی اور اس کا حضرت کے وقت میں ظاہر ہونا قرار دیا گیا ہے۔ اب ظاہر ہے کہ مہدی کے وقت میں ستارہ ذو السنین نکلنے کی پیشگوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے۔ جو حجج الکرامہ ص۲۵ پر درج ہے۔ پس یہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نشان ہے۔ غرضیکہ اسی طرح پانچواں۔ چھٹا۔ ساتواں ھلم جرا۔ نشان حضرت اقدس نے اپنی صداقت پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن مجید کی پیشگوئیوں کو قرار دیا ہے۔

غرضیکہ ان حقائق کے پیش نظر یہ کہنا کہ مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے نشانات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ قرار دئے ہیں انتہائی بددیانتی اور شرارت ہے خصوصاً جبکہ حضرت اقدس کا دعویٰ ہی یہ ہے۔ کُلُّ بَرَکَۃٍ مِّنْ مُّحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔ فَتَبَارَکَ مَنْ عَلَّمَ وَ تَعَلَّمَ کہ میں آنحضرت صلعم کا شاگرد ہوں اور ہر ایک برکت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے پاک وجود سے ہے۔ (حقیقۃ الوحی ص۷)

نیز ؎
وُہ پیشوا ہمارا جس سے ہے نُورسارا
نام اس کا ہے محمدؐ دِلبر میرا یہی ہے
اُس نُور پر فدا ہوں۔ اُس کا ہی مَیں ہُوا ہوں
وُہ ہے مَیں چیز کیا ہوں۔ بس فیصلہ یہی ہے

(درثمین اردو)

میرے لئے دوؔ گرہن

حضرت صاحب نے لکھا ہے کہ آنحضرت صلعم کیلئے ایک نشان گرہن کا ظاہر ہُوا تھا اور میرے لئے دوؔ کا۔ ؎

لَہٗ خَسَفَ الْقَمَرُ الْمُنِیْرُ وَاِنَّ لِیْ
غَسَا الْقَمَرَانِ الْمُشْرِقَانِ اَتُنْکِرُ

الجواب مفصل طور پر پچھلے اعتراض کے جواب میں گذر چکا ہے کہ خسوف و کسوف کا نشان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی مندرجہ دار قطنی صفحہ ۱۸۸ کے مطابق ۱۸۹۴ء کے رمضان میں ظاہر ہُوا۔ اس حدیث میں آنحضرت صلعم نے فرمایا تھا۔ "اِنَّ لِمَھْدِیِّنَا اٰیَتَیْنِ" کہ ہمارے مہدی کے لئے یہ دوؔ نشان ہونگے۔ پس ان دوؔ نشانوں کا آنحضرت صلعم کی پیشگوئی کے مطابق ظاہر ہونا سب سے پہلے تو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا نشان ہے۔ پس یہ دوؔ نشان جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت کے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کے بھی یہ دوؔ نشان ہوئے۔ ایک نشان شق القمر کا جو آنحضرت صلعم کی زندگی میں

ظاہر ہوا۔ وہ اِن دو۲ کے علاوہ ہے۔ غرضیکہ درحقیقت آنحضرت صلعم کی صداقت کے تین نشان ہیں۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت کے اس کے بالمقابل دو۲ نشان!

اب اگر کوئی کہے کہ پھر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کیوں آنحضرت صلعم کا ایک ہی نشان اور اپنے دو۲ نشان لکھے ہیں۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت اِس قصیدہ میں اپنے مخالف علماء مولوی ثناءاللہ وغیرہ کو مخاطب فرما رہے ہیں۔ اب ظاہر ہے کہ مخالف مولوی تو یہ نہیں مانتے کہ حدیث کسوف وخسوف مندرجہ دارقطنی صفحہ ۱۸۸ کے مطابق ۱۸۹۴ء میں چاند سورج کو گرہن لگا۔ وہ تو اسکو حدیث ہی قرار نہیں دیتے بلکہ امام محمد باقر کا قول قرار دیتے ہیں۔ گویا ان کے نزدیک یہ آنحضرت صلعم کی پیشگوئی نہ تھی جو پوری ہوئی۔ بلکہ یا تو کسی جھوٹے راوی کی پیشگوئی تھی۔ یا زیادہ سے زیادہ امام محمد باقر کی۔ پس بخیال غیر احمدیاں آنحضرت صلعم کی تائید میں ایک ہی نشان شق القمر کا ہوا۔ لہذا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ان کو الزامی طور پر یہ کہا کہ آنحضرت صلعم کی تائید میں ایک نشان تھا۔ اور میری تائید میں دو۲ نشان۔

ورنہ حضرت صاحب کے نزدیک تو "جو کچھ ہماری تائید میں ظاہر ہوتا ہے۔ دراصل وہ سب آنحضرت صلعم کے معجزات ہیں" (تتمہ حقیقۃ الوحی صفحہ ۳۵)۔ یہی حقیقت ہے۔

باقی رہا محمدیہ پاکٹ بک کے مصنف کا صفحہ ۲۵۵ پر لکھنا کہ "لہ خسف

اَلْقَمَرُ الْمُنِیْرُ" کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلعم کے زمانہ میں صرف "چاند گرہن" ہوا تھا۔ اور چاند کے دو ٹکڑے نہ ہوئے تھے محض جہالت ہے کیونکہ عربی زبان میں "خسف" کے معنے ٹوٹنے۔ سوراخ دار ہونے کے بھی ہیں۔ اور گرہن لگنے کے بھی۔ پس اعجاز احمدی کے شعر میں جہاں آنحضرت صلعم کیلئے یہ لفظ استعمال ہوا۔ وہاں اس کے معنی "اِنْشَقَّ الْقَمَرُ" ہی کے ہیں۔ اور جہاں حضرت مسیح موعودؑ کے لئے استعمال ہوا۔ وہاں اسکے معنے محض گرہن کے ہیں جیسا کہ واقعہ ہوا تھا۔ "شق القمر" کے متعلق حضرت مسیح موعودؑ کا مذہب "سرمہ چشم آریہ"۔ نیز چشمہ معرفت حصہ دوم ص۱۷۲ پر صاف طور پر مذکور ہے کہ آنحضرت صلعم کی انگلی کے اشارے سے چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے۔

نوٹ:۔ بعض غیر احمدی قاضی اکمل صاحب کا یہ شعر ؎

محمدؐ پھر اتر آئے ہیں ہم میں
اور آگے سے ہیں بڑھ کر اپنی شاں میں

پیش کیا کرتے ہیں۔ سو یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ سیدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے اس شعر کی نسبت تحریر فرمایا ہے کہ "الفاظ ناپسندیدہ اور بے ادبی کے ہیں"۔ (الفضل ۱۹ ر اگست ۱۹۳۴ء ص۵ جلد ۲۲ ؍۲۲)۔

اسی طرح ڈاکٹر شاہنواز صاحب کے ایک مضمون شائع شدہ ریویو آف ریلیجز کا ایک فقرہ کہ "حضرت مسیح موعودؑ کا ذہنی ارتقاء

آنحضرت صلعم سے زیادہ تھا" پیش کیا کرتے ہیں۔ حالانکہ سیدنا حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے ڈاکٹر صاحب موصوف کے اِس نتیجہ کو "غلط" قرار دیا ہے۔ اور ان الفاظ کو نامناسب اور قابلِ اعتراض قرار دیا ہے۔ (الفضل ۱۹ر اگست ۱۹۳۴ء)

صد حسین است در گریبانم

الجواب (۱) اِس شعر میں حضرت نے اپنی فضیلت یا اپنے مقام کا ذکر نہیں فرمایا بلکہ اپنی تکالیف کا ذکر فرمایا ہے جیساکہ مصرع اوّل میں ہے "کربلا ایست سیر ہر آنم" (۲) "گریبان" بمعنی "جیب" نہیں ہوا کرتا بلکہ گریبان قمیص کے نیچے تو انسان کا اپنا وجود خصوصاً دل زیادہ قریب ہوتا ہے۔ پس شعر کا مطلب یہ ہے کہ ہر وقت میں کربلا کے میدان اور شہادت حسینؑ کا خیال ذہنی اور حالی طور پر رکھتا ہوں۔ گویا میرے دل میں سو حسین کیلئے جگہ ہے۔ پس یہ اظہارِ محبت ہے۔ (۳) حضرت نے اپنی اور اپنے معتقدین کی تکالیف اور کابل کے شہداء کے پیش نظر یہ فرمایا ہے (۴) گو اس شعر میں حضرت نے حضرت امام حسین پر اپنی فضیلت کا ذکر نہیں فرمایا بلکہ اپنی تکالیف کو بیان فرمایا ہے مگر تاہم ہمارا ایمان ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نبی ہیں اور نبی بہرحال ایک غیر نبی سے افضل ہے۔ بھلا تم ہی بتاؤ کہ تمہارا مسیح موعود حضرت امام حسین سے بڑا ہوگا یا چھوٹا۔ (۵) امام محمد ابن سیرین کی روایت حجج الکرامہ میں درج ہے۔ "تَكُونُ فِي هٰذِهِ الْاُمَّةِ خَلِيفَةٌ خَيْرٌ مِنْ اَبِي بَكْرٍ وَ عُمَرَ" (حجج الکرامہ صفحہ ۳۸۶) کہ اس اُمت میں ایک خلیفہ ہوگا جو حضرت ابوبکر و عمر سے افضل ہوگا۔ (۶) حضرت مسیح موعودؑ نے تو صرف اسی قدر لکھا ہے

"صد حسین است در گریبانم" تمہارے معنی ہی مان لئے جائیں تو پھر بھی اس پر کوئی اعتراض نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ حضرت سید عبد القادر جیلانی رح پیران پیر فرماتے ہیں:۔ "لَیْسَ فِیْ جُبَّتِیْ سِوَی اللّٰہِ" (مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی جلد ا صفحہ ۳۴۴ مکتوب نمبر ۲۷۲) کہ میرے پیراہن میں اللہ کے سوا اور کچھ نہیں۔ ہزار امام حسینؓ بھی ایک اللہ کے برابر نہیں ہوسکتے۔ فرمائیے! حضرت پیران پیر پر آپ کیا فتویٰ لگاتے ہیں؟ (۷) حضرت پیران پیر فرماتے ہیں:۔ اَلْمَھْدِیُّ الَّذِیْ یَجِیْئُ فِیْ اٰخِرِ الزَّمَانِ فَاِنَّہٗ یَکُوْنُ فِی الْاَحْکَامِ الشَّرْعِیَّۃِ تَابِعًا لِمُحَمَّدٍ صلعم وَفِی الْمَعَارِفِ وَالْعُلُوْمِ وَالْحَقِیْقَۃِ تَکُوْنُ جَمِیْعُ الْاَنْبِیَآءِ وَالْاَوْلِیَآءِ تَابِعِیْنَ لَہٗ کُلُّھُمْ لِاَنَّ بَاطِنَہٗ بَاطِنُ مُحَمَّدٍ صلعم۔ (شرح فصوص الحکم مطبعہ الزاہر مصریہ صفحہ ۵۱-۵۲) کہ امام مہدی علیہ السلام جو آخری زمانہ میں ہونگے۔ چونکہ وہ احکام شرعی میں آنحضرت صلعم کے تابع ہونگے نہ اس لئے معارف اور علوم اور حقیقت میں تمام کے تمام ولی اور نبی اسکے تابع ہونگے کیونکہ اس کا باطن آنحضرت صلعم کا باطن ہوگا۔ (۸) حضرت مسیح موعودؑ کے اس شعر سے حضرت امام حسین رضؓ کی توہین ہرگز مقصود نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:۔ "کوئی شخص حسین یا حضرت عیسیٰؑ جیسے راستباز پر بدزبانی کرکے ایک رات بھی زندہ نہیں رہ سکتا۔ اور وعید مَنْ عَادٰی لِیْ وَلِیًّا فَقَدْ اٰذَنْتُہٗ لِلْحَرْبِ دست بدست اسکو پکڑ لیتا ہے۔" (اعجاز احمدی صفحہ ۳۸۔ نیز مفصل دیکھو حضور کا اشتہار ۸ر اکتوبر ۱۹۰۵ء تبلیغ رسالت جلد ۱۰ صفحہ ۱۰۲ و ۱۰۵)۔

ہر رسوئے نہاں یہ پیراہنم

جواب: حضرت سید عبدالقادر جیلانی رح فرماتے ہیں: "لیس فی جُبّتی سِوی اللّٰہِ" (مکتوبات امام ربانی جلد ا صـ۴۳۴) کہ میرے پیراہن میں اللہ کے سوا اور کچھ نہیں۔ نیز رسالہ صراط مستقیم صـ۱۳ و ۱۴)

منم محمدؐ و احمد کہ مجتبیٰ باشد

الجواب: حضرت پیران پیر سید عبدالقادر جیلانی رح فرماتے ہیں: "میں اپنے جدِ امجد کے قدم پر ہوں۔ نہ اٹھایا کوئی قدم آنحضرت صلعم نے کسی مقام سے کہ نہ رکھا میں نے قدم اپنا اس جگہ پر" روایت شیخ شہاب الدین سہروردی (کتاب بہجۃ الاسرار بحوالہ گلدستہ کرامات مؤلفہ ۱۲۷۰ھ مطبوعہ نولکشور صـ۱۱)

(۲) پھر فرماتے ہیں "ھٰذَا وَجُوْدُ جَدِّیْ صلعم لَا وَجُوْدُ عَبْدِ الْقَادِرْ" (گلدستہ کرامات صـ۸) کہ یہ عبدالقادر کا وجود نہیں بلکہ محمدؐ کا وجود ہے۔ (۳) اَنَّ بَاطِنَہٗ بَاطِنُ مُحَمَّدٍ صلعم" (شرح فصوص الحکم مطبوعۃ الزاہر مصریہ صـ۵۱ و ۵۲) کہ مہدی کا باطن محمد صلعم کا باطن ہوگا۔ (یہ حضرت سید عبدالقادر جیلانی رح کا قول ہے) پس اگر ایک غیر نبی کے اس قسم کے اقوال تمہارے نزدیک محل اعتراض نہیں، تو ایک نبی کے اقوال پر تمہارا اعتراض مضحکہ خیز ہے۔ (۴) حضرت اسمٰعیل شہید صراطِ مستقیم صـ۱۳/۱۴ پر فرماتے ہیں: "چوں امواج جذب کشش رحمانی نفسِ کاملہ ایں طالب را در قعرِ لجح بحار احدیت فرو میکشد۔ زمزمہ "اَنَا الْحَقّ" و "لَیْسَ فِیْ جُبَّتِیْ سِوَی اللّٰہِ" ازاں سر برمے زند کہ کلام ہدایت التیام "کُنْتُ سَمْعَہُ الَّذِیْ یَسْمَعُ بِہٖ" الخ .... و زنہار دریں معاملہ تعجب نہ نمائی

وبانکار پیش نہ آئی۔ زیراکہ چوں از نارِ وادیٔ مقدس ندائے اِنِّیْ اَنَا اللّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ سر بر زد۔ اگر از نفس کاملہ کہ اشرفِ موجودات است ونمونۂ حضرت ذات است۔ آواز انا الحق برآید محلِ تعجب نیست۔"

(۵) امام مہدی کی علامات میں ہے:۔"یَقُوْلُ یَا مَعْشَرَ الْخَلَائِقِ ... اَلَا وَمَنْ اَرَادَ اَنْ یَّنْظُرَ اِلٰی مُحَمَّدٍ ... فَہَا اَنَا ذَا مُحَمَّدٌ"

(بحار الانوار جلد ۳ صفحہ ۲۰۲) یعنی امام مہدی کہیگا اے لوگو! تم میں سے جو کوئی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنا چاہتا ہے۔ وہ سُن لے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں ہوں۔ گویا "منم محمدؐ و احمد کہ مجتبیٰ باشد" کہنا مہدویت کی علامت ہے نہ کہ محلِ اعتراض!۔ (مکمل حوالہ دیکھو پاکٹ بک ہذا صفحہ ۱۰۱۲)

حضرت فاطمہؓ کی ران پر سر رکھنا

مرزا صاحب نے یہ لکھ کر کہ مَیں نے خواب میں حضرت فاطمہؓ کی ران پر سر رکھا۔ حضرت فاطمہؓ کی توہین کی ہے۔

جواب:۔ تمہاری دھوکہ دہی اور تحریف کو طشت از بام کرنے کیلئے حضرت مسیح موعودؑ کی اصل عبارت نقل کی جاتی ہے:۔"کشف ... دیکھا تھا کہ حضرات پنجتن سید الکونین حسنین فاطمۃ الزہراؓ اور علیؓ عین بیداری میں آئے۔ اور حضرت فاطمہؓ نے کمال محبت اور مادرانہ عطوفت کے رنگ میں اس عاجز کا سر اپنی ران پر رکھ لیا۔ ... غرض میرے وجود میں ایک حصہ اسرائیلی ہے اور ایک حصہ فاطمی۔" (تحفہ گولڑویہ صفحہ ۲۱) گویا حضرت مسیح موعود علیہ السلام یہ ثابت فرما رہے ہیں کہ حضورؑ حضرت فاطمہؓ کی اولاد سے ہیں۔ اور عبارت میں "مادرانہ عطوفت" کا لفظ بھی موجود ہے۔ (ب) دوسری جگہ تحریر فرماتے ہیں:۔

"ایک کشف میں . . . میرا سر بیٹوں کی طرح حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی ران پر ہے۔" (نزول المسیح حاشیہ در حاشیہ صہ ۴۹)

(ج) "مادرِ مہربان کی طرح" (براہین احمدیہ حصہ چہارم صہ ۵۰۳ حاشیہ در حاشیہ)

اب دیکھو ان عبارتوں میں کسقدر صراحت کے ساتھ اپنے آپ کو حضرت فاطمۃ الزھراء کا بیٹا قرار دیا گیا ہے!

(۲) لیکن ذرا حضرت سید عبدالقادر جیلانی رح کے اِس کشف کی تعبیر کر دینا۔ "قَالَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ رَاَیْتُ فِی الْمَنَامِ کَاَنِّیْ فِیْ حِجْرِ عَائِشَۃَ اُمِّ الْمُؤْمِنِیْنَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھَا وَاَنَا اَرْضَعُ ثَدْیَھَا الْاَیْمَنَ ثُمَّ اَخْرَجْتُ ثَدْیَھَا الْاَیْسَرَ فَرَضَعْتُہٗ فَدَخَلَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلعم۔" (قلائد الجواہر فی مناقب الشیخ عبد القادر جیلانی رح مطبوعہ مصر صہ ۵۷ سطر ۸) کہ فرمایا حضرت سید عبدالقادر جیلانی رح نے کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ مَیں حضرت عائشہ رض کی گود میں ہوں۔ اور اُن کے دائیں پستان کو چُوس رہا ہوں۔ پھر مَیں نے بایاں پستان باہر نکالا۔ اور اُس کو چُوسا۔ پس اسوقت آنحضرت صلعم اندر تشریف لیے آئے۔

بتائیے! حضرت عائشہ رض کی توہین تو نہیں ہوئی؟

یاد رہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ اور حضرت سید عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا کوئی جسمانی رشتہ (مثلاً نسل حضرت عائشہ رض سے ہونا وغیرہ) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے نہ تھا۔ لیکن حضرت مسیح موعود علیہ السلام تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی نسل سے ہونے کے باعث ان کے فرزند تھے۔ خادم

میں کبھی آدمؑ کبھی موسیٰؑ کبھی یعقوبؑ ہوں

حضرت مرزا صاحب فرماتے ہیں ؎

میں کبھی آدمؑ کبھی موسیٰؑ کبھی یعقوبؑ ہوں
نیز ابراہیمؑ ہوں نسلیں ہیں میری بے شمار

الجواب:۔ اس شعر سے مراد یہ ہے کہ ان انبیاءؑ کی کوئی نہ کوئی صفت حضرت مسیح موعود علیہ السلام میں بھی پائی جاتی ہے۔ یہ نہیں کہ آپؑ جامع جمیع صفات انبیاءؑ ہیں۔ چنانچہ خود حضرتؑ اپنی کتاب حقیقۃ الوحی میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"میں آدمؑ ہوں۔ میں نوحؑ ہوں۔ میں ابراہیمؑ ہوں۔ میں اسحقؑ ہوں۔۔۔ سو ضرور ہے کہ ہر ایک نبی کی شان مجھ میں پائی جائے۔ اور ہر ایک نبی کی ایک صفت کا میرے ذریعے سے ظہور ہو" (تتمہ حقیقۃ الوحی ص۸۵)

(ب) بحار الانوار میں امام باقرؒ فرماتے ہیں:۔ "یَقُوْلُ (الْمَھْدِیُ) یَا مَعْشَرَ الْخَلَائِقِ اَلَا وَمَنْ اَرَادَ اَنْ یَّنْظُرَ اِلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَ اِسْمٰعِیْلَ فَھَا اَنَا ذَا اِبْرَاھِیْمُ وَ اِسْمٰعِیْلُ اَلَا وَمَنْ اَرَادَ اَنْ یَّنْظُرَ اِلٰی مُوْسٰی وَ یُوْشَعَ فَھَا اَنَا ذَا مُوْسٰی وَ یُوْشَعُ اَلَا وَمَنْ اَرَادَ اَنْ یَّنْظُرَ اِلٰی عِیْسٰی وَ شَمْعُوْنَ فَھَا اَنَا ذَا عِیْسٰی وَ شَمْعُوْنُ اَلَا وَمَنْ اَرَادَ اَنْ یَّنْظُرَ اِلٰی مُحَمَّدٍ وَ اَمِیْرِ الْمُؤْمِنِیْنَ فَھَا اَنَا ذَا مُحَمَّدٌ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَ اَمِیْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ" (بحار الانوار جلد ۱۳ صفحہ ۲۰۲) یعنی امام مہدی کہیگا کہ اے لوگو! اگر تم میں سے کوئی ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ کو دیکھنا چاہتا ہے۔ تو سُن لے کہ میں ہی ابراہیم و اسمٰعیلؑ ہوں۔ اور اگر تم میں سے موسیٰؑ و یوشعؑ کو دیکھنا چاہے تو سُن لے کہ میں ہی موسیٰ اور یوشعؑ ہوں۔

اور اگر تم میں سے کوئی عیسیٰؑ و شمعون کو دیکھنا چاہتا ہے۔ تو سُن لے کہ عیسیٰؑ اور شمعونؑ مَیں ہوں۔ اور اگر کوئی تم میں سے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور امیر المومنین علی رضؓ کو دیکھنا چاہتا ہے۔ تو سُن لے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور امیر المؤمنین مَیں ہوں۔"

پھر فرماتے ہیں:۔

"قَوْلُهٗ فَهَا اَنَا ذَا اٰدَمُ یَعْنِیْ فِیْ عِلْمِهٖ وَفَضْلِهٖ وَاَخْلَاقِهٖ" (بحار الانوار جلد ۱۳ صفحہ ۲۰۹)

کہ امام مہدی کا یہ فرمانا کہ مَیں آدم ہوں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آدم کے علم و فضل و اخلاق مجھ میں پائے جاتے ہیں۔

غرضیکہ ؎

میں کبھی آدم کبھی موسیٰ کبھی یعقوب ہوں
نیز ابراہیم ہوں۔ نسلیں ہیں میری بےشمار

کہنا امام مہدی کی علامت ہے۔ اور حضرت اقدسؑ میں اس علامت کا پایا جانا آپ کی صداقت کی دلیل ہے۔ نہ کہ جائے اعتراض۔

غارِ ثور کی خستہ حالت

حضرت مرزا صاحب نے یہ لکھ کر غارِ ثور جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پناہ لی تھی نہایت خستہ حالت میں تھی اس میں جانوروں کا میلا پڑا ہوا تھا۔ آنحضرتؐ کی توہین کی ہے؟

جواب:۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ہرگز توہین نہیں کی۔ بلکہ یہ فرمایا ہے کہ ہمارے لیے غیرت کا مقام ہے کہ ہم اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق تو

یہ مانیں کہ حضورؐ کو جب دشمنوں نے مارنا چاہا تو خدا تعالیٰ نے آپؐ کو مکہ سے رات کی تاریکی میں بھاگنے کا حکم دیا اور پھر ایک نہایت گندے غار میں آپکو پناہ دی مگر جب مسیح کے دشمنوں نے انکو مارنا چاہا تو خدا انکو آسمان پر اٹھا کر لے گیا۔

(ب) غار ثور کی خستہ حالت کے متعلق حضرت اقدسؑ نے جو کچھ لکھا وہ درست ہے ملاحظہ ہو:۔ "صدیق رضی اللہ عنہ چوں دید کہ پائے مبارک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مجروح گشت۔ آنحضرتؐ را بر گردن بنشاند و گفت یا رسول اللہ! اینجا توقف کن تا اول من دریں غار درآیم کہ شب است تاریک غار خالی از حشرات نے باشد تا از اشک دیدہ منزلت را آب زنم و بجاروب مژہ مسکنت را بروبم پس صدیق اکبر ایں گفت و در غار آمد۔ غارے دید بسا خراب شدہ و مدتے کسے آنجا نا رسیدہ و عہد بعید روئے ہیچ نزیلے نہ دیدہ۔ و بر مثالِ سجلاتِ زلات عصاۃ سیاہ و تاریک گشتہ و مانند بیت الاحزانِ محرومانِ بے سامان گشتہ و در غایتِ ضیق و ناہمواری چوں اکباد عشاق پُر از حیات و عقارب۔ پس ابوبکر رضی اللہ عنہ جامہ در بر داشت پارہ پارہ کردہ و بدستِ مبارک خود دراں تاریکی یک یک سوراخ را تفحص کردہ بہ پارۂ آں جامہ محکم میکرد۔ پس ابوبکرؓ بر آں طریقہ تمام سوراخہا مسدود ساخت۔ مگر یک سوراخ کہ جامۂ او بداں وفا نہ کرد و پاشنۂ پائے خود را بآنجا فشرد۔ و آنچہ در خدمتگاری دست میداد پیش مے برد۔ بعد ازاں حضرت رسالت را (صلے اللہ علیہ وسلم) استدعا نمود۔ آنحضرتؐ در غار در آمد۔"

(معارج النبوت رکن ۴ صفحہ ۶۵)

پھر لکھتے ہیں:۔

"پائہائے مبارکِ آں سرور مجروح شد - ابوبکر صدیق اورا بر دوشِ خود داشت و بہ درِ غار رسانید۔ ونخست خود در غار آمد تا آفتے و مکروہے بآنحضرت نرسد و ہوام درآں غار مسکن داشتند۔ پس باندروں رفت و بہ نشست داحتیاط کرد۔ وحجرہ تاریک بود۔ ہر سوراخ کہ یافت وصلہ از جامہ خود کہ بر قیمتی بود۔ پارہ بیساخت و سوراخ باں مضبوط مے کرد۔ ویک سوراخ ماند کہ جامہ باں وفا نہ کرد۔ پاشنۂ پائے خود باں محکم گردانید۔ پس گفت یارسول اللہ۔ ! درآ۔ حضرت در آمد" (مدارج النبوۃ جلد ۲ صفحہ ۸۲ مصنفہ عبدالحق صاحب محدث دہلوی)۔

پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تحفہ گولڑویہ صہ ۱۱۲ پر غارِ ثور کی جس خستہ وخراب حالت کا نقشہ کھینچا ہے وہ بالکل درست ہے۔

باقی تمہارا یہ کہکر دھوکہ دینا کہ صہ ۱۱۳ تحفہ گولڑویہ میں حضرتؑ نے نعوذ باللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقبرہ کا ذکر فرمایا ہے۔ انتہائی شرارت ہے۔ کیونکہ حضورؐ کا روضہ حجرۂ عائشہ رض تھا۔ یعنی وہ مکان تھا جس میں حضورؐ اپنی زندگی میں خود رہتے تھے کیا وہ غیر آباد تھا؟

حضرت مریم کی توہین کا الزام

مرزا صاحب نے چشمۂ مسیحی کے صہ ۱۵ پر حضرت مریم پر نعوذ باللہ تہمت لگائی

جواب۔ یہ جھوٹ ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے حضرت مریم پر زنا کا الزام لگایا ہے۔ اور یہ بھی جھوٹ ہے کہ حضرتؑ نے اپنی طرف سے ان کے

یوسف نجار کے ساتھ نکاح پر کوئی اعتراض کیا ہے۔ یہ اعتراض کہ حضرت مریم نے باوجود ہیکل کی خدمت کا عہد کرنیکے حمل کے سات مہینے بعد یوسف کے ساتھ نکاح کیوں کر لیا۔ یہ حضرت مسیح موعودؑ کا اعتراض نہیں بلکہ انجیل کی تعلیم کی رو سے یہودیوں کا اعتراض ہے جس کو حضرت مسیح موعودؑ نے عیسائیوں کے بالمقابل درج کیا ہے۔

"یہ لوگ (عیسائی۔ خادم) اپنے گریبان میں منہ نہیں ڈالتے اور نہیں دیکھتے کہ انجیل کس قدر اعتراض کا نشانہ ہے۔ دیکھو یہ کس قدر اعتراض ہے کہ مریم کو ہیکل کی نذر کر دیا گیا۔ تاکہ وہ ہمیشہ بیت المقدس کی خادمہ رہے" الخ (چشمہ مسیحی صفحہ ۱۵)

گویا یہ اعتراض انجیل پر وارد ہوتا ہے۔ مگر قرآنی تعلیم پر یہ اعتراض نہیں پڑتا۔ کیونکہ اس اعتراض کو نقل کر کے حضرت مسیح موعودؑ نے اس کے ساتھ ہی فرما دیا ہے "ہم قرآن شریف کی تعلیم کے رو سے یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ وہ حمل محض خدا کی قدرت سے تھا" (چشمہ مسیحی صفحہ ۱۵)

باقی رہا حضرت مریم کا خدا تعالیٰ کی قدرت مجردہ سے حاملہ ہو جانے کے بعد یوسف سے نکاح کر لینا۔ یہ کوئی ناجائز فعل نہیں ہے اور اس کے لئے تاریخی طور پر ثبوت موجود ہے۔ چنانچہ تاریخ کی مشہور و معروف کتاب الکامل ابن اثیر میں لکھا ہے: "قَدْ ذَکَرْنَا حَالَ مَرْیَمَ فِیْ خِدْمَةِ الْکَنِیْسَةِ وَکَانَتْ هِیَ وَابْنُ عَمِّهَا یُوْسُفُ بْنُ یَعْقُوْبَ بْنِ مَاثَانِ النَّجَّارُ یَلِیَانِ لِخِدْمَةِ الْکَنِیْسَةِ وَکَانَ یُوْسُفُ حَکِیْمًا نَجَّارًا یَعْمَلُ بِیَدِهٖ وَیَتَصَدَّقُ بِذَالِکَ. وَقَالَتِ النَّصَارٰی اَنَّ مَرْیَمَ کَانَ قَدْ تَزَوَّجَهَا یُوْسُفُ ابْنُ عَمِّهَا اِلَّا اَنَّهٗ لَمْ یَقْرَبْهَا اِلَّا بَعْدَ رَفْعِ الْمَسِیْحِ

وَاللّٰہُ اَعْلَمُ وَکَانَتْ مَرْیَمُ اِذَا نَفِذَ مَاءُ ھَا وَمَاءُ یُوْسُفَ بْنِ عَمِّھَا اَخَذَ کُلُّ وَاحِدٍ مِنْھُمَا قُلَّتَہٗ وَانْطَلَقَ اِلَی الْمَغَارَۃِ الَّتِیْ فِیْھَا الْمَاءُ یَسْتَعْذِبَانِ مِنْہُ ثُمَّ یَرْجِعَانِ اِلَی الْکَنِیْسَۃِ فَاِذَا کَانَ الْیَوْمُ الَّذِیْ لَقِیَھَا فِیْہِ الْجِبْرَائِیْلُ نَفِذَ مَاءُ ھَا فَقَالَتْ لِیُوْسُفَ لِیَذْھَبَ مَعَھَا اِلَی الْمَاءِ فَقَالَ عِنْدِیْ مِنَ الْمَاءِ مَا یَکْفِیْنِیْ اِلٰی غَدٍ فَاَخَذَتْ قُلَّتَھَا وَانْطَلَقَتْ وَحْدَھَا حَتّٰی دَخَلَتِ الْمَغَارَۃَ فَوَجَدَتْ جِبْرَائِیْلَ" (تاریخ کامل ابن اثیر جلد ۱ ص۱۲۱)

ترجمہ:۔ "حضرت مریم کے کلیسیہ کی خدمت کا حال ہم نے اوپر ذکر کر دیا ہے۔ مریم اور اس کے چچا کا بیٹا یوسف بن یعقوب بن ماثان نجار۔ دونوں کلیسیہ کی خدمت پر مقرر تھے اور یوسف حکیم اور ترکھان تھا جو اپنے ہاتھوں سے کام کر کے صدقہ دیا کرتا تھا۔ اور عیسائی کہتے ہیں کہ مریم سے اس کے چچا کے بیٹے یوسف نے نکاح کر لیا ہوا تھا۔ لیکن حضرت عیسیٰؑ کے رفع کے بعد تک وہ حضرت مریم کے نزدیک نہیں گیا تھا۔ واللہ اعلم! اور مریم اور یوسف کے مشکیزے کا پانی جب ختم ہو جاتا تو وہ دونوں اپنا اپنا برتن لیتے اور اس غار میں جاتے جہاں پانی تھا۔ اور وہاں سے پانی لیکر واپس گرجا میں آ جاتے تھے۔ لیکن جس دن حضرت جبرائیل حضرت مریم سے ملے اس دن حضرت مریم کا پانی ختم ہو گیا۔ اور انہوں نے یوسف سے کہا کہ وہ ان کے ساتھ پانی لینے چلے مگر اس نے جواب دیا۔ میرے پاس ابھی ہنوز پانی ہے۔ جو کل تک کفایت کر جائیگا پس

مریم نے اپنا برتن لیا۔ اور اکیلی چل پڑی۔ یہاں تک کہ غار میں داخل ہوئی۔ اور وہاں پر انہوں نے جبرائیل کو دیکھا۔"

نقل آیاتِ قرآنی

مرزا صاحب نے قرآن مجید کی آیات غلط لکھی ہیں انکو یاد نہ تھیں۔

جواب (۱) قرآن مجید کی آیات کا بھول جانا منافیٔ نبوت نہیں ہے، قرآن مجید میں ہے:۔"سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰى اِلَّا مَا شَاءَ اللّٰهُ" (سورۃ اعلیٰ پ ۳۰ ع ۱) اے نبی ہم تیرے سامنے قرآن مجید کی آیات پڑھتے ہیں۔ ان کو نہ بھولنا سوائے اس کے جو خدا تعالیٰ تجھے بھلا دے۔ گویا قرآن مجید کی بعض آیات کا بھولنا نبی کے لیے ممکن ہے۔

(۲) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جن پر قرآن مجید نازل ہوا اور جنکے متعلق خاص طور پر قرآن مجید میں ہے۔"لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ" (ہود ع ۱۰) کہ ہم اس قرآن مجید کے ذریعہ تیرے دل کو مضبوط کرتے ہیں۔ خود فرماتے ہیں:۔"عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ سَمِعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ اٰلِهٖ وَسَلَّمَ رَجُلًا يَقْرَءُ فِي الْمَسْجِدِ فَقَالَ رَحِمَهُ اللّٰهُ لَقَدْ اَذْكَرَنِيْ كَذَا وَ كَذَا اٰيَةً اَسْقَطْتُهُنَّ مِنْ سُوْرَةِ كَذَا وَ كَذَا۔" (بخاری کتاب الشہادات باب شہادت الاعمیٰ و امرہٖ جلد ۲ صـ ۶۴ مطبعۃ الہیہ مصر)

اس کا ترجمہ تجرید بخاری اردو سے نقل کیا جاتا ہے:۔

"حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو مسجد میں قرآن پڑھتے ہوئے سنا تو فرمایا اللہ اس شخص پر رحمت کرے

بیشک اس نے فلاں فلاں سورہ کی فلاں فلاں آیت جو میں بھول گیا تھا مجھے یاد دلادی"۔
(تجرید بخاری عربی مع اردو مکمل شائع کردہ فیروز اینڈ سنز حصہ دوم صہ)

(۳) "عَنْ اُبَیِّ بْنِ کَعْبٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لِیْ اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی اَمَرَنِیْ اَنْ اَقْرَءَ عَلَیْکَ الْقُرْاٰنَ فَقَرَءَ عَلَیْہِ لَمْ یَکُنِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَقَرَءَ فِیْھَا اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْحَنِیْفِیَّۃُ الْمُسْلِمَۃُ وَلَا الْیَھُوْدِیَّۃُ وَلَا النَّصْرَانِیَّۃُ وَلَا الْمَجُوْسِیَّۃُ ... ھٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ صَحِیْحٌ"۔ (ترمذی جلد ۲ ص ۲۲۹ مجتبائی) حضرت ابی ابن کعب فرماتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ میں تجھے قرآن مجید پڑھ کے سناؤں۔ پس آپ نے سورۃ لَمْ یَکُنِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا پڑھی اور اسی میں حضورؐ نے پڑھا "اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْحَنِیْفِیَّۃُ الْمُسْلِمَۃُ۔ وَلَا الْیَھُوْدِیَّۃُ وَلَا النَّصْرَانِیَّۃُ الخ" کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک دین خالص اسلام ہے۔ نہ یہودیت نہ نصرانیت الخ حالانکہ یہ سب آیات قرآن مجید میں نہیں ہیں۔

(۴) مطبوعہ کتابوں میں کتابت کی غلطیاں اس کثرت سے ہوتی ہیں کہ خود مطبوعہ قرآن مجید بھی ان کتابت کی غلطیوں سے بچ نہیں سکتے۔ حالانکہ ان کیلئے خاص طور پر احتیاط کی جاتی ہے۔ پھر دوسری کتابیں کس طرح ان اغلاط سے مستثنیٰ ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تو خود اپنی کتب کے متعلق تحریر فرمایا ہے کہ بوجہ عجلت نظر ثانی ان میں نہیں کی جا سکی۔ اور پروف غور سے نہیں پڑھے گئے۔ اس لئے کتابت کی غلطیاں کثرت سے رہ گئی ہیں۔ پس میری کتابوں کو دیکھنے کا طریق

یہ ہے کہ ایک عبارت جہاں ایک سے زیادہ مقامات میں آئے دوسری جگہ پر دیکھ لیں۔

(۵) حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی اپنے مکتوبات میں لکھتے ہیں۔ اِمَّا اِنَّ الظَّنَّ لَا یُغْنِیْ عَنِ الْحَقِّ شَیْئًا۔ (مکتوبات جلد ۱ صفحہ ۱۵۶ مکتوب ۱۵۳) حالانکہ آیت قرآن یوں ہے۔ وَاِنَّ الظَّنَّ لَا یُغْنِیْ مِنَ الْحَقِّ شَیْئًا۔ (پارہ ۲۷ ع ۶)۔

اب وہ عقلمند معترض جو اس قسم کی چھوٹی چھوٹی کتابت کی غلطیوں کی بنا پر یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ "علم قرآن" کا فقدان اس سے ثابت ہوتا ہے۔ کیا وہ حضرت امام ربانی پر بھی فتویٰ لگانے کی جرأت کریں گے اور کہیں گے کہ جس مدعی مجددیت نے قرآن مجید کی آیتیں صحیح نہیں لکھی ہیں وہ اپنے دعووں میں سچا نہیں ہو سکتا۔"

(۶) اب میں ذیل میں قرآن مجید کی وہ آیات لکھتا ہوں جن کو غیر احمدی پیش کر کے کہا کرتے ہیں کہ حضرت مسیح موعودؑ نے وہ آیات غلط لکھی ہیں۔ یہ ثابت کرنے کے لئے کہ اگر کسی کتاب کے کسی صفحہ پر وہ آیت درست نہیں چھپی۔ تو وہ محض کتابت کی غلطی کی وجہ سے ہے۔ ورنہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے وہ آیت اسی طرح لکھی ہے جس طرح قرآن مجید میں ہے۔ اس سے یہ ثابت ہو جائیگا کہ حضرت کو ان آیات کا علم تھا۔

(۱) لَئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓی اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِہٖ الخ

ایک عیسائی کے چند سوالوں کے جواب الحکم جلد ۷ نمبر ۲۶ ۱۷ جولائی ۱۹۰۳ء صفحہ ۴ حاشیہ کالم ۳ براہین احمدیہ صفحہ ۲۹۵ حاشیہ در حاشیہ۔ و تصدیق النبیؐ (عیسائی کے تین سوالوں کا جواب) صفحہ ۸ حاشیہ۔

(۲) اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ وَالْمَوْعِظَۃِ الْحَسَنَۃِ وَ

جَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ (پ۱۴ ع ۲۲) - فریاد درد صفحہ ۱۸۱ و
اشلاحی اصول کی فلاسفی بڑا سائز صفحہ ۴۰)

(۳) اِنْ هٰذَا اِلَّا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ - یہ آیت حضرت مسیح موعودؑ نے براہین صفحہ ۱۹۶
حاشیہ پر درست لکھی ہے۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ یہ آیت پارہ ۲۶ کی
بجائے ۲۲ میں ہے۔ سہو کتابت سے ۲۶ لکھا گیا ہے۔ قرآن میں یہ آیت پارہ
۲۲ رکوع ۱۱ میں ہے

(۴) عَسٰی رَبُّکُمْ اَنْ یَّرْحَمَکُمْ (نور الحق ٹائیٹل پیج)

(۵) "اَلَمْ یَعْلَمُوْا اَنَّهٗ مَنْ یُّحَادِدِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ
خَالِدًا فِیْهَا" (حقیقۃ الوحی صفحہ ۳) بیشک سہو کاتب سے فَاِنَّ لَهٗ نَارَ
جَهَنَّمَ کے الفاظ کی بجائے "یُدْخِلْهُ نَارًا" ہے۔ لیکن ترجمہ میں جہنم
ہی کا لفظ ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آیت کتابت کی غلطی سے غلط چھپی ہے۔

(۶) مَا کَانَ لِلّٰهِ اَنْ یَّتَّخِذَ مِنْ وَّلَدٍ (پارہ ۱۶ ع ۵) براہین احمدیہ صفحہ ۴۲۹
حاشیہ پر کتابت کی غلطی سے اَنْ یَّتَّخِذَ وَلَدًا لکھا گیا ہے مگر یہ صاف
طور پر معلوم ہو رہا ہے کہ یہ کتابت کی غلطی ہے۔ ورنہ اگر کاتب کی غلطی نہ
ہوتی۔ تو یَتَّخِذَ وَلَدًا لکھا ہوتا۔ مگر ولد لکھا جانا بتاتا ہے۔ کہ
اس سے قبل لفظ مِنْ سہو کاتب سے حذف ہو گیا ہے۔

(۷) وَمَنْ لَّا یُجِبْ دَاعِیَ اللّٰهِ (پارہ ۲۶ ع ۳) براہین احمدیہ صفحہ ۴۲۳ پر
یہ آیت درج نہیں ہے (جیسا کہ حبیب اللہ کلرک نے حوالہ دیا ہے) ہاں صفحہ ۴۲۳
پر ہے۔ گویا معترض کی کتاب بھی غلطی سے بچ نہیں سکی۔ براہین کے حوالہ مذکورہ

بالا میں "مِنْ" کا لفظ سہو کتابت سے حذف ہو گیا ہے لیکن یہ حضرتؑ کی غلطی نہیں
کیونکہ ترجمہ میں حضرتؑ نے "جو کوئی شخص" کے الفاظ لکھے ہیں۔ جو "وَمَنْ
لَا یُجِبْ" کا ترجمہ ہے نہ کہ "وَلَا یُجِبْ" کا۔

(۸) اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْکَ الْقُرْاٰنَ لَرَادُّکَ اِلٰی مَعَادٍ۔
(پ ۲۰ ع ۱۲) تریاق القلوب صفحہ ۲۲۳۔

(۹) فَمَنْ کَانَ یَرْجُوْا لِقَاءَ رَبِّہٖ۔ (پ ۱۶ ع ۳) تقریروں کا مجموعہ
تقریر لاہور ۲۱ اگست ۱۹۰۴ء صـ ۵ و ست بچن صـ ۱۰۶۔

(۱۰) "وَھُمْ مِنْ خَشْیَتِہٖ مُشْفِقُوْنَ" (پ ۱۷ ع ۲) براہین صـ ۲۳۸ (جس کا
حوالہ معترض دیتے ہیں) پر یہ آیت درست لکھی ہے۔ صرف واؤ کا فرق ہے۔

(۱۱) لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ۔ (پ ۲۴ ع ۱۹) چشمہ معرفت صـ ۲۵۷
و صـ ۲۷ و نسیم دعوت صـ ۵۲ و پیغام صلح صـ ۲۵ و شحنہ حق صـ ۳۵ و ریویو اردو
جلد ۲ صـ ۱۳۴ تبدیلیٔ مذہب کی فلاسفی)

(۱۲) وَاِنْ یَّسْلُبْھُمُ الذُّبَابُ شَیْئًا لَّا یَسْتَنْقِذُوْہُ مِنْہُ
(اسلامی اصول کی فلاسفی صـ ۳۲)

(۱۳) "ذٰلِکَ ھُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ" حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے براہین احمدیہ صـ ۲۳۵
پر یہ آیت لکھی ہے اور حوالہ نہیں دیا۔ یہ آیت درست ہے۔ دیکھو سورۃ یونس ع ۷ و توبہ ع ۱۴

(۱۴) وَاِذْ قَالَ اللّٰہُ یٰعِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ الخ (مائدہ
آخری رکوع) ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم صـ ۶۔

(۱۵) "لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَکْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ" (پ ۲۴ ع ۱۱) تحفہ گولڑویہ صـ ۳۳

(۱۶) قَدْ اَنْزَلَ اللّٰہُ اِلَیْکُمْ ذِکْرًا رَّسُوْلًا " (پ ۲۸ ع ۱۸) ازالہ اوہام حصہ دوم صـ ۶۲۹ وطبع پنجم صـ ۲۶۵)۔

(۱۷) ھَلْ یَنْظُرُوْنَ اِلَّا اَنْ یَّاْتِیَھُمُ اللّٰہُ فِیْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ (پ ۲ ع ۹) حقیقۃ الوحی صـ ۱۵۴ پر حضرتؑ نے یَوْمَ یَاْتِیْ رَبُّکَ فِیْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ" لکھا ہے لیکن حضورؑ نے یہ نہیں لکھا کہ یہ قرآن مجید کی آیت ہے۔ ہاں ایام الصلح فارسی صـ ۱۱۶ پر حضرتؑ نے ھَلْ یَنْظُرُوْنَ اِلَّا اَنْ یَّاْتِیَھُمُ اللّٰہُ الخ لکھا ہے۔ اور ساتھ ہی فرمایا ہے کہ یہ قرآن مجید کی آیت ہے۔ اور یہی درست ہے۔

(۱۸) " فَاَغْرَیْنَا بَیْنَھُمُ الْعَدَاوَۃَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَۃِ " (پ ۶ ع ۶) تحفہ گولڑویہ صـ ۳۱۵ پر " اَغْرَیْنَا " لکھا ہے اور یہ جائز ہے۔ کیونکہ " ف " ترتیب مع التعقیب کے لئے آتا ہے اور جب پچھلا مضمون نقل نہ کیا گیا ہو اس وقت " ف " کا لکھنا ضروری نہیں ہوتا۔

(۱۹) " وَمَا کَانَ اللّٰہُ لِیُعَذِّبَھُمْ وَاَنْتَ فِیْھِمْ " (پ ۹ ع ۱۸) تبلیغ رسالت جلد ۱۰ صـ ۱۰۱ - ایام الصلح صـ ۱۵۶ - براہین احمدیہ صـ ۲۴۱ حاشیہ درحاشیہ)

(۲۰) " فَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ خَیْرًا یَّرَہٗ " (پ ۳۰ ع ۲۴) ازالہ اوہام چھوٹی تقطیع صـ ۱۱۴ و تقریروں کا مجموعہ صـ ۴۳)

(۲۱) " اِنَّکَ لَفِیْ ضَلٰلِکَ الْقَدِیْمِ " (پ ۱۳ ع ۵) آئینہ کمالات اسلام صـ ۱۰۲ ۔

(۲۲) " وَاَنْزَلَ لَکُمْ مِّنَ الْاَنْعَامِ " (پ ۲۳ ع ۱۵) - ازالہ اوہام حصہ اول صـ ۲۸ حاشیہ وطبع پنجم صـ ۱۲ حاشیہ۔

(۲۳) " اٰمَنْتُ اَنَّہٗ لَآ اِلٰہَ اِلَّا الَّذِیْٓ اٰمَنَتْ بِہٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِیْلَ (پ ۱۱ ع ۱۴)

اربعین ۳ صفحہ ۲۵ وضمیمہ تحفہ گولڑویہ صفحہ ۲۹ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے محمد حسین بٹالوی کے متعلق "اٰمَنْتُ بِالَّذِیْٓ اٰمَنُوْا بِہٖ بَنُوْٓا اِسْرَآئِیْلَ" کے الفاظ لکھے ہیں۔ مگر یہ تحریر نہیں فرمایا کہ یہ قرآن مجید کی آیت ہے۔ ہاں حقیقۃ الوحی کے صفحہ ۱۹۲ پر فرعون کے منہ سے جن الفاظ کے نکلنے کا ذکر فرمایا ہے اس میں "اٰمَنْتُ اَنَّہٗ لَآ اِلٰہَ اِلَّا الَّذِیْٓ اٰمَنَتْ بِہٖ بَنُوْٓا اِسْرَآئِیْلَ" لکھا ہے۔ نیز دیکھو تتمہ حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۲۵ نیز "دو تقریریں" تقریر ۲۷ مارچ ۱۹۰۷ء صفحہ ۲۵۔

(۲۴) "وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِکَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِیٍّ" (پ ۱۷ ع ۱۴) یہ آیت درست چھپی ہے۔ دیکھو ازالہ اوہام حصہ اول صفحہ ۳۲۲ کلاں "طبع پنجم" صفحہ ۱۷۶ و براہین احمدیہ صفحہ ۵۴۸ حاشیہ۔

(۲۵) فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا (پ ۳۰ رکوع ۱۹) حضرت مسیح موعودؑ کی کسی کتاب میں بھی یہ آیت غلط نہیں چھپی۔ "فَ" کا حذف کرنا جائز ہے۔ دیکھو نمبر ۱۸۔

(۲۶) "حَتّٰٓی اِذَا فُتِحَتْ یَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ" (پ ۱۷ ع ۷) مخالفین تحفہ گولڑویہ صفحہ ۲۱۴ کا حوالہ دیتے ہیں حالانکہ اسی تحفہ گولڑویہ کے صفحہ ۱۹۰ و صفحہ ۲۱۵ پر درست درج ہے۔ نیز نزول المسیح حاشیہ صفحہ ۵۔ نیز خطبہ الہامیہ صفحہ ۱۸۶ و شہادۃ القرآن صفحہ ۱۴۔

(۲۷) "یُبَدَّلَتِ الْاَرْضُ غَیْرَ الْاَرْضِ" (تحفہ گولڑویہ صفحہ ۱۸۵) لیکن حضرت نے یہ تحریر نہیں فرمایا کہ یہ قرآن مجید کی آیت ہے اور نہ یہ کہ یہ کلام الٰہی ہے۔

(۲۸) وَقَالُوْا مَا لَنَا لَا نَرٰی رِجَالًا کُنَّا نَعُدُّھُمْ مِّنَ الْاَشْرَارِ (پ ۲۳ ع ۱۳)۔ ازالہ اوہام جلد ا صفحہ ۳۱۱ بار اول و صفحہ ۱۶۳ بار پنجم۔

(۲۹) "وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا" (پ ۱ رکوع ۱۱
ضمیمہ انجام آتھم ص ۳۵)

(۳۰) "فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ" (براہین احمدیہ حصہ پنجم ص ۱۲۳)

(۳۱) "بَلٰى وَهُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ" (پ ۲۳ ع ۴) اس آیت سے ایک آیت قبل یہ
آیت ہے "وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيْمٌ" (ازالہ اوہام ص ۶۶۲) پر دونوں آیات میں تشابہ واقع
ہو گیا ہے۔ ورنہ اسلامی اصول کی فلاسفی ہیٹا دقیقہ معرفت ص ۹ اور حقیقۃ الوحی ص ۱۸۲
پر دونوں آیات کو الگ الگ کر کے لکھا ہے۔ نیز دیکھو ست بچن ص ۱۰۹)

(۳۲) "وَجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ" (پ ۱۰ رکوع ۷) اسلامی اصول کی فلاسفی ص ۹۹

(۳۳) "قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا" (پ ۸ ع ۹) (الحق مباحثہ دہلی حاشیہ ص ۱۵ و آئینہ کمالات
اسلام ص ۱۲۴)

(۳۴) "وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيْرَ" (پ ۶ ع ۱۴) (ازالہ اوہام ص ۵۶۳ طبع اول)

(۳۵) "ثُمَّ يَتَوَفّٰهُنَّ الْمَوْتُ" (ازالہ اوہام ص ۶۰۶ طبع اول)

(۳۶) "وَلٰكِنْ اَعْبُدُوا اللّٰهَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰىكُمْ" (ازالہ اوہام ص ۶۲۰ تقطیع خورد بر درست)

(۳۷) "كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ" (ازالہ اوہام حصہ دوم ص ۶۱۹ تقطیع خورد ص ۲۵۴ طبع پنجم و
چشمہ معرفت ص ۸۹ و ص ۱۵۱ و اسلامی اصول کی فلاسفی و ست بچن ص ۱۱۱ آخری سطر)

(۳۸) "لَا يَمَسُّهٗ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ" فریاد درد ص ۵ کرامات الصادقین ص ۹
نزول المسیح ص ۱۰۱ جنگ مقدس ص ۵ و خطبہ الہامیہ ص ۹۶ و تحفۃ الندوہ ص ۹ و
تبلیغ رسالت جلد ۹ ص ۲۷ و ص ۹۳)

(۳۹) "وَمَا اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي اخْتَلَفُوْا

فِيْهِ (پ۱ ع ۱۴) کرامات الصادقین ۱ و براہین احمدیہ ص۱۲۲ حاشیہ ص۲۱۴ حاشیہ و ص۵۱۳)

(۴۰) قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ (پ۲۷ ع۱) نور القرآن بابت جون و جولائی ص۱)

(۴۱) "كَذٰلِكَ نَجْزِى الظّٰلِمِيْنَ" (جنگ مقدس ص۹۵ پہلی سطر)

(۴۲) مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ (نزول المسیح ص۹۰ پہلی سطر و اربعین ۴ ص۱۳ و تحفہ گولڑویہ ص۵۰ او سر الخلافہ ص۱۲)

(۴۳) "وَاِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِىْ مِنَ الْحَقِّ شَيْـًٔا" (پ۲۷ ع۴) حضرت نے ازالہ ص۶۵۳ پر وَالظَّنُّ لَا يُغْنِىْ الخ کوئی آیت نہیں لکھی۔ بلکہ اپنی طرف سے تسلسل عبارت کے ضمن میں فقرہ لکھا ہے۔ ہاں براہین احمدیہ حصہ پنجم ص۱۳۱ و اعجاز احمدی ص۲ پر درست ہے۔ نیز ریویو مباحثہ بٹالوی ص۳ پر تحریر فرماتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ "وَاِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِىْ مِنَ الْحَقِّ شَيْـًٔا" نیز دیکھو براہین احمدیہ حصہ چہارم ص۵۴۹ حاشیہ در حاشیہ)

(۴۴) فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا (حقیقۃ الوحی ص۲۳)

(۴۵) لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ (پ۲۴ ع۱۱) اسی ایام الصلح (جس کا حوالہ معترض دیتے ہیں) کے فارسی ایڈیشن کے ص۶ پر یہ آیت درست چھپی ہے۔ نیز تحفہ گولڑویہ ص۳۳ پر بھی ہے۔

(۴۶) "اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرٌ" (پ۱۷ ع۱۲) (تقریریں مطبوعہ فروری ۱۹۰۸ء ص۳ حاشیہ)

حصّہ چہارم

حضرت کی ذات پر اعتراض
ابن مریم کیسے ہوئے؟

اعتراض:۔ مرزا صاحب "ابن مریم" کس طرح ہو گئے۔ آپ کی والدہ کا نام تو چراغ بی بی تھا؟

جواب:۔ (۱) اِطْلَاقُ اِسْمِ الشَّیْءِ عَلٰی مَا یُشَابِهُهٗ فِیْ اَکْثَرِ خَوَاصِهٖ جَائِزٌ حَسَنٌ (تفسیر کبیر جلد ۲ صفحہ ۶۸۹) کہ ایک چیز کا نام دوسری چیز کو (جو اکثر خواص میں اس سے ملتی ہو) دینا جائز ہے۔

(۲) اسم علم بھی بطور مجاز دوسرے کے لئے بولا جاتا ہے۔ چنانچہ بلاغت کی کتاب تلخیص المفتاح میں لکھا ہے:۔ وَلَا تَکُوْنُ عَلَمًا اِلَّا اِذَا تَضَمَّنَ نَوْعَ وَصْفِیَّةٍ کَحَاتِمٍ" (صفحہ ۶۰) کہ علم استعارہ استعمال نہیں ہوتا۔ ہاں جب کوئی صفت پائی جائے تب اسم علم بھی استعمال ہو سکتا ہے۔

(۳) آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "مَنْ اَحَبَّ اَنْ یَنْظُرَ عِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ فِیْ زُهْدِهٖ فَلْیَنْظُرْ اَبَا الدَّرْدَاءِ" (منصب خلافت مصنفہ سید اسمٰعیل شہیدؒ صفحہ ۳۵) کہ تم میں سے جو شخص عیسٰی بن مریم کو زہد کی حالت میں دیکھنا چاہے وہ حضرت ابو درداء کو دیکھے۔

(۴) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج مطہرات کو "یوسف والیاں" قرار دیا ہے۔ چنانچہ بخاری شریف میں ہے اِنَّکُنَّ لَاَنْتُنَّ صَوَاحِبُ

یوسف" (بخاری کتاب الصلوٰۃ باب اہل العلم ۸۵ جلد ۱ صفحہ ۸۲ و صفحہ ۸۸ مطبع البہیہ مصر) اس کا ترجمہ تجرید بخاری مترجم اردو سے نقل کیا جاتا ہے۔

"چنانچہ حضرت حفصہؓ نے عرض کی تو رسول اللہ صلعم نے فرمایا۔ ٹھیرو۔ بیشک یقیناً تم لوگ یوسف کی ہمنشین عورتیں ہو" (تجرید جلد ۱ صفحہ ۹۶)

نوٹ:۔ یاد رکھنا چاہیئے کہ صواحب یوسف جمع ہے صاحبۃ کی جس کے معنی ہیں بیوی۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:۔ "انّٰی یکون لہ ولد و لم تکن لہ صاحبۃ" (الانعام ع ۱۳) کہ خدا کا بیٹا کیسے ہو سکتا ہے۔ جبکہ اس کی بیوی کوئی نہیں ہے۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی ازواج مطہرات کو صواحب یوسف قرار دینے کے کیا معنی ہوئے؟

(۵) حضرت خواجہ میر درد دہلوی فرماتے ہیں:۔ "اللہ! اللہ!! ہر انسان بقدرت کاملہ حق تعالیٰ عیسیٰ وقت خویش است و ہر دم او را برائے خود مبادا نفس عیسوی در پیش است" (رسالہ درد مطبع شاہجہانی بھوپال ص ۲۱)

(۶) شیخ معین الدین اجمیری رح فرماتے ہیں

دمبدم روح القدس اندر معینے میدمد
من نمے گویم مگر من عیسیٰ ثانی شدم

(۷) ابن مریم ہونے کے متعلق تفصیلی بحث الہامات پر اعتراضات کے جواب میں زیر عنوان "ابن مریم بننے کی حقیقت" پاکٹ بک ہذا پر ملاحظہ ہو

کسر صلیب

مسیح موعود نے تو آکر کسر صلیب کرنی تھی؟

جواب: علامہ بدرالدین رحمۃ اللہ علیہ شارح صحیح بخاری نے لکھا ہے "فُتِحَ لِیْ هُنَا مَعْنًی مِنَ الْفَیْضِ الْاِلٰهِیْ وَهُوَ اَنَّ الْمُرَادَ مِنْ کَسْرِ الصَّلِیْبِ اِظْهَارُ کِذْبِ النَّصَارٰی" (عینی شرح بخاری جلد ۵ صفحہ ۵۸۴ مصری) کہ مجھ کو اس مقام پر فیضِ الٰہی سے الہاماً یہ بتایا گیا ہے کہ کسرِ صلیب سے مراد عیسائیت کو جھوٹا ثابت کرنا ہے۔

(ب) حضرت حافظ ابن حجر العسقلانی لکھتے ہیں:-
"اَیْ یُبْطِلُ دِیْنَ النَّصْرَانِیَّةِ" (فتح الباری شرح صحیح بخاری جلد ۶ صفحہ ۳۵۷)
یعنی کسرِ صلیب کا مطلب دین عیسائیت کا ابطال ہے۔

(ج) حضرت مُلّا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی کسرِ صلیب کے یہی معنی کئے ہیں لکھتے ہیں:- اَیْ یُبْطِلُ النَّصْرَانِیَّةَ (مرقاۃ جلد ۵ صفحہ ۲۲۱) یعنی مسیح موعود نصرانیت کو جھوٹا ثابت کرے گا۔

(د) علامہ نووی نے بھی یہی معنے کئے ہیں (دیکھو نووی شرح مسلم مطبع مجتبائی صفحہ ۳۰)

(ہ) "یُرِیْدُ اِبْطَالَ مَا یَزْعَمُہُ النَّصَارٰی" (مجمع الانوار جلد ۲ صفحہ ۲۵۰) کہ کسرِ صلیب کا مطلب عیسائیت کا ابطال ہے۔

(۲) باقی رہا یہ کہنا کہ حضرت مرزا صاحب نے اپنے زمانہ ہی میں عیسائیت کو نیست و نابود کیوں نہیں کر دیا؟ تو سنو!

جواب: قرآن مجید میں ہے جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ کَانَ زَهُوْقًا (بنی اسرائیل ع ۹) کہ حق

(قرآن) آیا - اور باطل (کفر) بھاگ گیا - اور باطل بھاگنے ہی والا ہے! اب قرآن مجید کے آنے سے جس طرح دنیا سے باطل بھاگ گیا ہوا ہے - اسی طرح حضرت مسیح موعودؑ کے آنے سے عیسائیت بھی تباہ ہو چکی ہے -

(ب) اصل بات وہی ہے جو اللہ تعالےٰ نے قرآن مجید میں بیان فرمائی - "لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ (انفال رکوع ۵) کہ ہلاک وہ ہوا جو دلائل سے مغلوب ہوا -

(ج) حدیث میں بھی ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "اَنَا الْمَاحِي الَّذِي يَمْحُو اللّٰهُ بِيَ الْكُفْرَ" (بخاری و مسلم بحوالہ مشکوۃ باب فضائل النبی صفحہ ۵۱۵ اصح المطابع) کہ میں ماحی ہوں یعنی اللہ تعالےٰ میرے ذریعہ کفر کو دنیا سے مٹا دے گا - آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث ہوئے ۱۳۶۵ برس گذر گئے - کیا ظاہری طور پر کفر دنیا سے مٹ گیا؟ پھر اس جگہ اتنے بے تاب ہونے کا کیا باعث ہے؟

(د) حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے غلبۂ اسلام کا ہونا اپنے زمانہ میں قرار دیا ہے - اب "زمانہ" کے متعلق حضرت فرماتے ہیں

"مسیح موعود کا زمانہ اس حد تک ہے جس حد تک اسکے دیکھنے والے یا دیکھنے والوں کے دیکھنے والے یا پھر دیکھنے والوں کے دیکھنے والے دنیا میں پائے جائینگے اور اسکی تعلیم پر قائم رہیں گے - غرض قرونِ ثلاثہ کا ہونا برعایت منہاج نبوۃ ضروری ہے" (تریاق القلوب صفحہ ۱۵۳ حاشیہ تقطیع کلاں و صفحہ ۲۹۹ حاشیہ تقطیع خورد)

(ب) یاد رکھو کہ کوئی آسمان سے نہیں اُترے گا۔ ہمارے سب مخالف جواَب زندہ موجود ہیں وہ تمام مریں گے۔ اور کوئی ان میں سے عیسٰی ابن مریم کو آسمان سے اُترتے نہیں دیکھے گا۔ اور پھر ان کی اولاد جو باقی رہے گی وہ بھی مریگی۔ اور ان میں سے بھی کوئی آدمی عیسٰی بن مریم کو آسمان سے اُترتا نہیں دیکھے گا۔ اور پھر اولاد کی اولاد مرے گی اور وہ بھی مریم کے بیٹے کو آسمان سے اُترتے نہیں دیکھے گی۔ تب خدا ان کے دلوں میں گھبراہٹ ڈالے گا۔ کہ زمانہ صلیب کے غلبہ کا بھی گذر گیا اور دنیا دوسرے رنگ میں آگئی۔ مگر مریم کا بیٹا عیسٰی آسمان سے نہ اُترا۔ تب دانشمند یک دفعہ اس عقیدہ سے بیزار ہو جائیں گے اور ابھی تیسری صدی آج کے دن سے پوری نہیں ہوگی کہ عیسٰی کا انتظار کرنے والے کیا مسلمان اور کیا عیسائی سخت نومید اور بدظن ہو کر اس جھوٹے عقیدہ کو چھوڑ دیں گے اور دنیا میں ایک ہی مذہب ہوگا۔ اور ایک ہی پیشوا۔ میں تو ایک تخم ریزی کرنے کے لئے آیا ہوں۔ سو میرے ہاتھ سے وہ تخم بویا گیا۔ اور وہ بڑھے گا۔ اور پھولے گا۔ اور کوئی نہیں جو اس کو روک سکے۔" (تذکرۃ الشہادتین ص۶۵)

(ج) "خدا تعالیٰ قوی نشانوں کے ساتھ ان کی سچائی ظاہر کر دیتا ہے اور جس راستبازی کو دُنیا میں وہ پھیلانا چاہتے ہیں اسکی تخم ریزی انہی کے ہاتھ سے کر دیتا ہے لیکن اس کی پوری تکمیل ان کے ہاتھ سے نہیں کرتا۔" (الوصیت ص۵)

(۵) "پوری ترقی دین کی کسی نبی کی حینِ حیات میں نہیں ہوئی بلکہ
انبیاء کا یہ کام تھا کہ انہوں نے ترقی کا کسی قدر نمونہ دکھا دیا۔ اور
پھر بعد ان کے ترقیاں ظہور میں آئیں۔۔۔۔ سو مَیں خیال کرتا ہوں کہ
میری نسبت بھی ایسا ہی ہو گا۔" (ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم ص۱۹۱)

(۶) "مسیح موعود صرف اس جنگِ روحانی کی تحریک کے لئے آیا
ضرور نہیں کہ اس کے روبرو اس کی تکمیل بھی ہو۔ بلکہ جو تخم زمین
میں بویا گیا۔ آہستہ آہستہ نشوونما پائے گا یہاں تک کہ خدا کے
پاک وعدوں کے موافق ایک دن یہ ایک بڑا درخت ہو جائے گا۔
اور تمام سچائی کے بھوکے اور پیاسے اس کے سایہ کے نیچے آرام کرینگے
دلوں سے باطل کی محبت اُٹھ جائیگی گویا باطل مر جائے گا اور ہر ایک
سینہ میں سچائی کی روح پیدا ہو گی۔ اس روز وہ سب نوشتے پُورے
ہو جائینگے جن میں لکھا ہے کہ زمین سمندر کی طرح سچائی سے بھر جائیگی
مگر یہ سب کچھ جیسا کہ سنت اللہ ہے تدریجاً ہو گا۔ اس تدریجی ترقی کے
لئے مسیح موعودؑ کا زندہ ہونا ضروری نہیں۔ بلکہ خدا کا زندہ ہونا کافی
ہو گا۔ یہی خدا تعالیٰ کی قدیم سنت ہے اور الٰہی سنتوں میں تبدیلی نہیں ہو
سکتی۔ پس ایسا آدمی سخت جاہل ہو گا کہ جو مسیح موعودؑ کی وفات
کے وقت اعتراض کرے کہ وہ کیا کر گیا؟ کیونکہ اگرچہ یکدفعہ نہیں
مگر انجام کار وہ تمام بیج جو مسیح موعودؑ نے بویا تدریجی طور پر بڑھنا شروع
کریگا۔ اور دلوں کو اپنی طرف کھینچ لے گا۔ یہاں تک کہ ایک دائرہ کی طرح

دنیا میں پھیل جائے گا۔" (ازالہ اوہام طبع ایڈیشن اول ص ۱؎ و ایڈیشن دوم ص ۱؎)

جماعت احمدیہ کی خدمات کا اقرار

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جو عظیم الشان خدمت اسلام کرنیوالی جماعت اپنے پیچھے چھوڑی ہے یہی "کسر صلیب" کا مفہوم ہے جماعت احمدیہ کو ایسے صحیح عقائد دیئے خصوصاً مسئلہ وفات مسیح ۔ اور پھر دلائل کا وہ بے بہا خزانہ دیا کہ عیسائی مناظرین کی جرأت نہیں کہ احمدی مناظرین کے بالمقابل میدان میں کھڑے ہو سکیں پھر لندن میں مسجد بنانا اور اس کے مینار سے مرکز کفر و شرک میں لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ الرَّسُوْلُ اللّٰہِ کا نعرہ بلند کرنا یہ بھی جماعت احمدیہ ہی کے حصہ میں آیا۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ ۔

ذیل میں چند اقتباسات مخالفین سلسلہ کی تحریرات سے درج کئے جاتے ہیں۔ جن میں انہوں نے جماعت احمدیہ کی خدمات اسلامی کا خصوصاً معرکہ شدھی کے متعلق خدمات کا اقرار کیا ہے۔

(۱) مولوی ظفر علی آف زمیندار لکھتے ہیں:۔

"مسلمانانِ جماعت احمدیہ اسلام کی انمول خدمت کر رہے ہیں جو ایثار۔ کمربستگی۔ نیک نیتی اور توکل علی اللہ ان کی جانب سے ظہور میں آیا ہے۔ وہ اگر ہندوستان کے موجودہ زمانہ میں بے مثال نہیں تو بے اندازہ عزت اور قدردانی کے قابل ضرور ہے جہاں ہمارے مشہور پیر اور سجادہ نشین حضرات بے حس و حرکت پڑے ہیں۔ اس اولوالعزم جماعت

نے عظیم الشان خدمتِ اسلام کرکے دکھادی۔"

(زمیندار ۲۴ر جون ۱۹۲۳ء)

(۲) مولانا محمد علی صاحب مرحوم (جوہر) اور مولانا شوکت علی صاحب مرحوم، لکھتے ہیں

" ناشکر گذاری ہو گی۔ اگر جناب مرزا بشیر الدین محمود احمد اور انکی اس منظم جماعت کا ذکر ان سطور میں نہ کریں۔ جنہوں نے اپنی تمام تر توجہات بلا اختلافِ عقیدہ تمام مسلمانوں کی بہبودی کے لئے وقف کر دی ہیں۔ یہ حضرات اس وقت اگر ایک جانب مسلمانوں کی سیاسیات میں دلچسپی لے رہے ہیں۔ تو دوسری طرف تبلیغ اور مسلمانوں کی تنظیم اور تجارت میں بھی انتہائی جدو جہد سے منہمک ہیں۔ اور وہ وقت دُور نہیں جبکہ اسلام کے اس منظم فرقہ کا طرزِ عمل سوادِ اعظم اسلام کے لئے بالعموم اور اُن اشخاص کیلئے بالخصوص جو بسم اللہ کے گنبدوں میں بیٹھ کر خدماتِ اسلام کے بلند بانگ و در باطن ہیچ دعاوی کے خوگر ہیں مشعلِ راہ ثابت ہو گا۔"

(اخبار ہمدرد دہلی ۲۶ر ستمبر ۱۹۲۷ء)

(۳) احمدی بھائیوں نے جس خلوص۔ جس ایثار۔ جس خوشی اور جس ہمدردی سے اس کام میں حصہ لیا ہے وہ اس قابل ہے کہ ہر مسلمان اس پر فخر کرے" (زمیندار ۱۸ر اپریل ۱۹۲۳ء)

(۴) جماعت احمدیہ نے خصوصیت کے ساتھ آریہ خیالات پر بہت بڑی ضرب لگائی ہے۔ اور جماعت احمدیہ جس ایثار اور

دردسے تبلیغ اور اشاعتِ اسلام کی کوشش کرتی ہے وہ اس نام
میں دوسری جماعتوں میں نظر نہیں آتی۔" (اخبار مشرق ۲۵ مارچ ۱۹۲۳ء)
(۵) "اس وقت ہندوستان میں جتنے فرقے مسلمانوں میں ہیں سب
کسی نہ کسی وجہ سے انگریزوں یا ہندوؤں یا دوسری قوموں سے
مرعوب ہو رہے ہیں۔ صرف ایک احمدی جماعت ہے جو قرونِ
اولیٰ کے مسلمانوں کی طرح کسی فرد یا جماعت سے مرعوب نہیں ہے
اور خالص اسلامی خدمات سرانجام دے رہی ہے۔"
(اخبار مشرق گورکھپور ۱۲ ستمبر ۱۹۲۷ء)
(۶) "گھر بیٹھ کر احمدیوں کو برا بھلا کہہ لینا نہایت آسان ہے لیکن
اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ یہی ایک جماعت ہے جس نے
اپنے مبلغین انگلستان اور دیگر یوروپین ممالک میں بھیج رکھے
ہیں۔ کیا ندوۃ العلماء۔ دیوبند۔ فرنگی محل اور دوسرے علمی اور دینی
مرکزوں سے یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ بھی تبلیغ و اشاعتِ حق کی سعادت
میں حصہ لیں۔ کیا ہندوستان میں ایسے متمول مسلمان نہیں ہیں۔ جو چاہیں
تو بلا دقت ایک ایک مشن کا خرچ اپنی گرہ سے دے سکتے ہیں یہ سب
کچھ ہے لیکن افسوس کہ عزیمت کا فقدان ہے۔ فضول جھگڑوں
میں وقت ضائع کرنا۔ اور ایک دوسرے کی پگڑی اچھالنا آج کے
مسلمانوں کا شعار ہو چکا ہے۔" (زمیندار ۷ دسمبر ۱۹۲۶ء)
(۷) جناب مولانا عبدالحلیم صاحب شرر فرماتے ہیں:۔

"احمدی مسلک شریعت محمدیہ کو اسی قوت اور شان سے قائم رکھ کر اس کی مزید تبلیغ و اشاعت کرتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ بابیت اسلام کے مٹانے کو آئی ہے اور احمدیت اسلام کو قوت دینے کے لئے۔ اور اسی کی برکت ہے کہ باوجود چند اختلافات کے احمدی فرقہ اسلام کی سچی اور پُرجوش خدمت ادا کرتے ہیں جو دوسرے مسلمان نہیں کرتے"

(رسالہ دلگداز بابت ماہ جون ۱۹۰۶ء)

جماعت احمدیہ کے اخلاق پر الزام

بعض لوگ شہادۃ القرآن کے حوالہ سے کہا کرتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی جماعت کی بہت مذمت کی ہے۔ پس آپ کے آنے کا اثر کیا ہوا؟

جواب: شہادۃ القرآن حضرت اقدس کے ابتدائے دعوے کی تصنیف ہے جبکہ ابھی سلسلہ بیعت شروع ہوئے دو تین سال کا عرصہ ہوا تھا۔ پس ظاہر ہے کہ وہ لوگ جو غیر احمدیت کی حالت سے نکل کر اس سلسلہ میں داخل ہوئے تھے انکی وہ پرانی بیماری یکدم تو دور نہ ہو سکتی تھی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تربیت کے عظیم الشان اثر کا اندازہ ابتدائی سالوں میں کرنا نادانی ہے لازم ہے کہ حضرت کی وفات کے قریب احمدیوں کی اخلاقی حالت کا مقابلہ انکی ابتدائے دعویٰ مسیح موعود کی اخلاقی حالت کے ساتھ کیا جائے تو اس میں زمین و آسمان کا فرق نکلے گا۔

(۲) بیشک حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ابتدائے دعویٰ میں بعض

مریدوں کی بد اخلاقی کا ذکر فرما کر ان کو اصلاح کی طرف توجہ دلائی جس طرح ایک شفیق اور محسن باپ اپنے بیٹوں کی خطا کاریوں پر ان کو سرزنش بھی کرتا ہے لیکن کیا اس کے بعد ان لوگوں نے اپنی اصلاح نہیں کر لی تھی؟ اور کیا حضرت نے بعد میں اپنی جماعت کی حیرت انگیز اخلاقی و روحانی ترقی کا ذکر نہیں فرمایا؟۔ "أَفَتُؤْمِنُونَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُونَ بِبَعْضٍ"۔ لو سنو!

(۱) "افسوس کہ ہماری جماعت کی ایمانداری و اخلاص پر اعتراض کرنے والے دیانت اور راستبازی سے کام نہیں لیتے۔" (حقیقۃ الوحی حاشیہ ص۱۲۷)

(۲) پھر اپنی جماعت کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:۔

"اکثر ان میں صبر اور نیک بخت ہیں۔" (حقیقۃ الوحی ص۱۲۷)

(۳) "میرے لئے یہ عمل کافی ہے۔ کہ ہزارہا آدمیوں نے میرے ہاتھ پر اپنے طرح طرح کے گناہوں سے توبہ کی ہے۔ اور ہزارہا لوگوں میں بعد بیعت میں نے ایسی تبدیلی پائی ہے کہ جب تک خدا کا ہاتھ کسی کو صاف نہ کرے ہرگز ایسا نہیں ہو سکتا۔ اور میں حلفاً کہہ سکتا ہوں کہ میرے ہزارہا صادق اور وفادار مرید بیعت کے بعد ایسی پاک تبدیلی حاصل کر چکے ہیں کہ ایک ایک فرد ان میں بجائے خود ایک نشان ہے۔" (حقیقۃ الوحی ص۲۳۹)

(۴) "ہزارہا انسان خدا نے ایسے پیدا کئے کہ جن کے دلوں میں اس نے میری محبت بھر دی۔ بعض نے میرے لئے جان دیدی۔ اور بعض نے اپنی مالی تباہی میرے لئے منظور کی۔ اور بعض میرے لئے اپنے وطنوں سے نکالے

گئے اور دُکھ دیئے گئے اور ستائے گئے۔ اور ہزارہا ایسے ہیں کہ اپنے نفس کی حاجات پر مجھے مقدم رکھ کر اپنے عزیز مال میرے آگے رکھتے ہیں۔ اور میں دیکھتا ہوں کہ ان کے دل محبت سے پُر ہیں۔ اور بہتیرے ایسے ہیں کہ اگر میں کہوں کہ اپنے مالوں سے دست بردار ہو جائیں یا اپنی جانوں کو میرے لئے فدا کر دیں تو وہ طیار ہیں جب میں اس درجہ کا صدق اور ارادت اپنی جماعت کے اکثر افراد میں پاتا ہوں تو بے اختیار مجھے کہنا پڑتا ہے کہ اے میرے قادر خدا! درحقیقت ذرہ ذرہ پر تیرا تصرف ہے تُو نے ان دلوں کو اس پُر آشوب زمانہ میں میری طرف کھینچا اور انکو استقامت بخشی۔ یہ تیری قدرت کا نشان عظیم الشان ہے۔" (حقیقۃ الوحی ص۲۳۹)

(۵) "میں حلفاً کہہ سکتا ہوں کہ کم از کم ایک لاکھ آدمی میری جماعت میں ایسے ہیں جو سچے دل سے میرے پر ایمان لائے اور اعمال صالحہ بجا لاتے ہیں اور باتیں سننے کے وقت ایسے روتے ہیں کہ ان کے گریبان تر ہو جاتے ہیں۔ میں اپنے ہزارہا بیعت کنندگان میں اس قدر تبدیلی دیکھتا ہوں کہ موسیٰ نبی کے پیروان سے جو ان کی زندگی میں ان پر ایمان لائے تھے۔ ہزارہا درجہ ان کو بہتر خیال کرتا ہوں۔ اور ان کے چہروں پر صحابہ کے اعتقاد اور صلاحیت کا نور پاتا ہوں۔ شاذونادر کے طور پر اگر کوئی اپنے فطرتی نقص کی وجہ سے صلاحیت میں کم رہا ہو تو وہ شاذونادر میں داخل ہے۔ میں دیکھتا ہوں کہ میری جماعت نے جس قدر نیکی اور صلاحیت میں ترقی کی ہے یہ بھی ایک معجزہ ہے..... پھر

بھی ہیں ہمیشہ انکو اور نئی ترقیات کے لئے ترغیب دیتا ہوں اور انکی نیکیاں انکو نہیں سناتا مگر دل ہی دل میں خوش ہوں" (الذکر الحکیم ۱۶)

(۶) "میں دیکھتا ہوں کہ میری بیعت کرنیوالوں میں دن بدن صلاحیت اور تقویٰ ترقی پذیر ہے ..... میں اکثر دیکھتا ہوں کہ سجدہ میں روتے اور تہجد میں تضرع کرتے ہیں۔ ناپاک دل کے لوگ ان کو کافر کہتے ہیں۔ اور وہ اسلام کا جگر اور دل ہیں۔" (ضمیمہ انجام آتھم ص۳۱ ۱۸۹۶ء)

(۷) "میں خدا کا شکر کرتا ہوں کہ اس نے مجھے ایک مخلص اور وفادار جماعت عطا کی ہے۔ میں دیکھتا ہوں کہ جس کام اور مقصد کے لئے میں ان کو بلاتا ہوں نہایت تیزی اور جوش کے ساتھ ایک دوسرے سے پہلے اپنی ہمت اور توفیق کے موافق آگے بڑھتا ہے۔ اور میں دیکھتا ہوں کہ ان میں ایک صدق اور اخلاص پایا جاتا ہے۔ میری طرف سے کسی قسم کا اشارہ ہوتا ہے اور وہ تعمیل کے لئے تیار۔ حقیقت میں کوئی قوم اور جماعت تیار نہیں ہو سکتی جب تک اس میں اپنے امام کی اطاعت اور اتباع کے واسطے اسی قسم کا جوش اور اخلاص اور وفا کا مادہ نہ ہو۔" (الحکم ۳۱ جولائی و ۱۰ اگست ۱۹۰۴ء)

(۸) "وَاشْکُرُ اللّٰہَ عَلٰی مَا اَعْطَانِیْ جَمَاعَۃً اُخْرٰی مِنَ الْاَصْدِقَاءِ وَالْاَتْقِیَاءِ مِنَ الْعُلَمَاءِ وَالصُّلَحَاءِ الْعُرَفَاءِ الَّذِیْنَ دُفِعَۃُ الْاَسْتَارُ مِنْ عُیُوْنِھِمْ وَمُلِئَتِ الصِّدْقُ فِیْ قُلُوْبِھِمْ یَنْظُرُوْنَ الْحَقَّ وَیَعْرِفُوْنَہٗ وَیَسْعَوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَلَا یَمْشُوْنَ کَالْعَمِیْنَ وَقَدْ خَصُّوْا بِاَفَانِیْنِ تَھْتَانِ الْحَقِّ وَوَابِلِ الْعِرْفَانِ وَرُضِعُوْا اَشَدَّ لِیْ لِبَانِہٖ وَاُشْرِبُوْا

فِیْ قُلُوْبِہِمْ وَجْہُ اللّٰہِ..... وَشَرَحَ اللّٰہُ صُدُوْرَھُمْ وَفَتَحَ اَعْیُنَہُمْ وَسَقَاھُمْ کَأْسَ الْعَارِفِیْنَ" (حمامۃ البشریٰ ص۱۶/۱۶)

پس شہادۃ القرآن کے زمانہ کی تحریر سے (جو اوائل دعویٰ کا زمانہ ہے) تمسک کر کے جماعت احمدیہ کے اخلاق اور روحانیت پر حملہ کر نا بد دیانتی ہے اور اسکی مثال تو ایسی ہی ہے کہ تمہارے جیسا کوئی عقلمند کسی طبیب یا ڈاکٹر کے پاس ہسپتال میں نو آمدہ مریضوں کو دیکھ کر فوراً کہہ اُٹھے کہ یہ طبیب یا ڈاکٹر تو بڑا نا قابل ہے کیونکہ اس کے پاس جس قدر مریض ہیں ان میں سے ایک بھی تندرست نہیں۔ حالانکہ کسی معالج کی اہلیت یا عدم اہلیت کے اندازہ کے لئے اس کے نو وارد مریضوں کو نہیں دیکھا جاتا۔ بلکہ ان لوگوں کی حالت کو دیکھا جاتا ہے جو کافی عرصہ اسکے زیر علاج رہ چکے ہوں۔

مسیح کا جائے نزول

مسیح نے تو منارہ دمشقی پر نازل ہونا تھا!

الجواب:۔ منارہ والی حدیث پر علامہ سندی نے یہ حاشیہ لکھا ہے۔ "وَقَدْ وَرَدَ فِیْ بَعْضِ الْاَحَادِیْثِ اَنَّ عِیْسٰی یَنْزِلُ بَیْتَ الْمُقَدَّسِ وَفِیْ رِوَایَۃٍ بِالْاُرْدُنِّ وَفِیْ رِوَایَۃٍ بِمُعَسْکَرِ الْمُسْلِمِیْنَ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ" (حاشیہ ابن ماجہ جلد ۲ ص۲۶۵ مصری) کہ بعض احادیث میں آتا ہے کہ عیسٰی علیہ السلام بیت المقدس میں نازل ہونگے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ اردن میں نازل ہونگے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ مسلمانوں کے لشکر میں خدا جانے درست بات کونسی ہے پس جہاں مسیح نازل ہوا وہی درست اور صحیح ہے

مہدی کا بنی فاطمہؓ میں سے ہونا

حدیث میں ہے کہ مہدی حضرت فاطمہؓ کی اولاد سے ہوگا۔

جواب:۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام بنی فاطمہ میں سے ہیں۔ کیونکہ آپ کی بعض دادیاں سادات میں سے تھیں۔ چنانچہ حضرت فرماتے ہیں:۔

"یہ بات میرے اجداد کی تاریخ سے ثابت ہے۔ کہ ایک دادی ہماری شریف خاندان سادات سے اور بنی فاطمہ میں سے تھی" (ایک غلطی کا ازالہ حاشیہ صفحہ ۵) نیز دیکھو صفحہ ۱۳ تحفہ گولڑویہ۔ نیز نزول المسیح صفحہ ۴۲)۔ اگر کہو نسل ماں کی طرف سے نہیں بلکہ باپ کی طرف سے چلتی ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ قاعدہ عام خاندانوں میں موتو ہو۔ مگر خاندان سادات میں ابتداء ہی سے نسل لڑکی کی طرف سے چلتی ہے۔ کیونکہ اس خاندان کی نسل حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے چلی تھی۔

(۲) مخالفین کی طرف سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر یہ اعتراض ہونا۔ کہ آپ بنی فاطمہؓ سے نہیں ہیں۔ بذاتِ خود حضرت کی صداقت کی دلیل ہے۔ کیونکہ لکھا ہے "یُقَالُ لَہٗ لَسْتَ الْغُلَامَ ... وَلَسْتَ مِنْ وُلْدِ فَاطِمَۃَ کَمَا قَالَ الْمُشْرِکُوْنَ لِمُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ" (بحار الانوار جلد ۱۳ صفحہ ۴۲) کہ امام مہدی کو اس کے مخالف کہیں گے۔ کہ ہم نہیں جانتے۔ کہ تو کون ہے کیونکہ تو حضرت فاطمہؓ کی نسل سے نہیں ہے۔ امام محمد باقر فرماتے ہیں۔ کہ ان کا یہ اعتراض ویسا ہی بیہودہ اور ناقابل اعتناء ہوگا۔ جیسا کہ آنحضرت صلعم پر مشرکین مکہ کی طرف سے کیا جاتا ہے۔

(۳) احادیث میں مہدی کے نسب کے متعلق اس قدر اختلاف ہے۔ کہ اس بناء پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خلاف حجت نہیں پکڑی جا سکتی۔ ملاحظہ ہو

(ا) "اَلْمَهْدِيُّ مِنْ عِتْرَتِيْ مِنْ وُلْدِ فَاطِمَةَ" (کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۱۸۶) کہ مہدی بنی فاطمہؓ میں سے ہوگا۔

(ب) "سَيَخْرُجُ مِنْ صُلْبِهٖ رَجُلٌ يُسَمّٰى بِاسْمِ نَبِيِّكُمْ يُشْبِهُهٗ فِي الْخُلُقِ وَلَا فِي الْخَلْقِ ثُمَّ ذَكَرَ قِصَّةَ يَمْلَأُ الْاَرْضَ عَدْلًا اَخْرَجَهُ اَبُوْ دَاؤُدَ" (نجم الثاقب صفحہ ۹ جلد ۲) کہ حضرت حسنؓ کی نسل سے وہ پیدا ہوگا جس کا نام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام اور جس کے کام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کام ہوں گے۔ اور وہ زمین کو عدل و انصاف سے بھر دے گا"

(ج) "اِنَّ الْمَهْدِيَّ مِنْ وُلْدِ الْحُسَيْنِ" "رَوَاهُ ابْنُ عَسَاكِرَ عَنْ جَابِرٍ" (نجم الثاقب جلد ۲ صفحہ ۱۹۳) کہ مہدی امام حسینؓ کی اولاد سے ہوگا۔ (د) "قَالَ يَا عَمِّ اَمَا شَعَرْتَ اِنَّ الْمَهْدِيَّ مِنْ وُلْدِكَ" (حجج الکرامہ صفحہ ۳۵۶ و کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۱۹۹) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے عباس! کیا آپ کو معلوم نہیں۔ کہ مہدی آپ کی اولاد سے ہوگا۔

گویا مہدی حضرت عباسؓ کی نسل سے ہوگا۔

(ذ) حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ کہ وہ شخص جو زمین کو عدل و انصاف سے بھر دیگا میری نسل سے ہوگا" (تاریخ الخلفاء صفحہ ۱۵۵) غرضیکہ امام مہدی کے متعلق

اس بارے میں بہت اختلاف ہے۔ اور صحیح بات وہی ہے جو اس روایت میں ہے کہ اَبْشِرُکُمْ بِالْمَھْدِیْ یُبْعَثُ فِیْ اُمَّتِیْ عَلٰی اخْتِلَافٍ مِنَ النَّاسِ وَزَلَازِلَ" (نجم الثاقب جلد ۲ صفحہ ۱۱۲) کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ میں تم کو مہدی کی خوشخبری دیتا ہوں جو میری امّت سے ہوگا۔ اور وہ ایسے زمانہ میں مبعوث ہوگا جبکہ لوگوں میں بہت اختلاف عقائد ہوگا۔ اور زلزلے آئیں گے۔

مہدی کا مکّہ میں پیدا ہونا

امام مہدی نے تو مکّہ میں پیدا ہوکر مدینہ سے ظاہر ہونا تھا۔

جواب:۔ اس معاملہ میں بھی روایات میں شدید اختلاف ہے۔ ملاحظہ ہو

(ا) یَخْرُجُ مِنْ تِھَامَةَ" (جواہر الاسرار صفحہ ۵۶) کہ مہدی تہامہ سے ظاہر ہوگا۔ (ب) "یَخْرُجُ الْمَھْدِیْ مِنَ الْقَرْیَةِ یُقَالُ لَھَا کَدْعَة" (جواہر الاسرار صفحہ ۵۶) کہ امام مہدی ایک گاؤں سے ظاہر ہوگا جس کا نام کدعہ ہوگا۔ اور اس کے پاس ایک مطبوعہ کتاب ہوگی۔ جس میں اس کے ۳۱۳ اصحاب کے نام ہوں گے (یہ کتاب جس میں حضرت اقدس کے ۳۱۳ اصحاب کے نام ہیں انجام آتھم ہے۔ خادم)

"مہدی کدعہ نامی گاؤں میں پیدا ہوگا۔" (حجج الکرامہ صفحہ ۳۵۸)

(ج) یَخْرُجُ رَجُلٌ مِنْ اَھْلِ الْمَدِیْنَةِ ھَارِبًا اِلٰی مَکَّةَ۔ (ابوداؤد جلد ۴ صفحہ ۸۶)۔

یعنی وہ مدینہ سے ظاہر ہوکر مکہ کی طرف جائے گا۔"

مولد میں اختلاف

(ا) "مہدی کا مولد بلادِ مغرب ہے" (حجج الکرامہ - اقتراب الساعۃ صفحہ ۶۲)

(ب) "تولدِ او در مکہ معظمہ باشد" (رسالہ مہدی مصنفہ علی متقی)

(ج) مسند احمد حنبل میں مہدی کے ذکر میں ہے کہ "مہدی خراسان کی طرف سے آئے گا۔" (د) "مہدی حجاز سے آئیگا۔ اور دمشق کی طرف جائیگا۔" (حجج الکرامہ صفحہ ۳۵۵) غرضیکہ اس معاملہ میں بھی اختلاف ہے سوائے وہی روایت ہے جس میں مہدی کے کدعہ نامی گاؤں سے ظاہر ہونیکا ذکر ہے۔ جو لفظ قادیان کی بدلی ہوئی صورت ہے۔ بوجہ عدم احتیاط رُواۃ!

مہدی کا نام محمدؐ ہونا

مہدی کا نام محمدؐ۔ ان کے والد کا نام عبداللہؓ۔ اور ان کی والدہ کا نام آمنہ ہوگا!

جواب:۔ (۱) یہ روایت ضعیف ہے۔ کیونکہ اس کا ایک راوی عاصم بن ابی النجود ہے۔ جو ضعیف ہے (عاصم بن ابی النجود کے متعلق مفصل بحث مسئلہ حیاتِ مسیح کے ضمن میں حضرت ابن عباس کی تفسیر متعلقہ آیت انہ لعلم للساعۃ میں گذر چکی ہے۔ وہاں سے دیکھی جائے (پاکٹ بک ہذا)

(۲) ابن خلدون نے اس روایت پر نہایت مبسوط بحث کرکے ثابت کیا ہے۔ کہ یہ روایت ضعیف ہے۔ (مقدمہ ابن خلدون مطبوعہ مصر صفحہ ۲۶۱ و مترجم اردو مطبع حمیدیہ لاہور ۱۹۰۱ء حصہ دوم صفحہ ۱۲۱)

(۳) یہ روایت خلیفہ مہدی عباسی کو خوش کرنے کے لئے وضع کی گئی تھی۔ کیونکہ اس کا نام محمد اور اس کے باپ کا نام عبداللہ تھا۔ اور مہدی لقب

تھا۔ چنانچہ امام سیوطی نے اس روایت کا اطلاق اسی مہدی عباسی پر کیا ہے
ملاحظہ ہو۔ تاریخ الخلفاء باب ذکر مہدی اردو ترجمہ۔ موسومہ بہ محبوب العلماء
مطبوعہ پبلک پرنٹنگ پریس لاہور (صفحہ ۱۹۴)

یہ کلام استعارہ کے رنگ میں تھا۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ امام مہدی کا
وجود اپنے آقا اور مطاع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے الگ نہ ہوگا۔ جیسا کہ
سید عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔" اِنَّ بَاطِنَہٗ بَاطِنُ
مُحَمَّدٍ " (شرح فصوص الحکم صفحہ ۵۳) کہ امام مہدی کا باطن آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کا باطن ہوگا۔

(۲) مہدی کے نام کے متعلق بھی روایات میں اختلاف ہے :۔

(ا) مہدی کا نام محمد ہوگا۔ (اقتراب الساعۃ صفحہ ۱)

(ب) مہدی کا نام احمد ہوگا (اقتراب الساعۃ صفحہ ۶۶)

(ج) مہدی کا نام عیسےٰ ہوگا۔ (جواہر الاسرار صفحہ ۵۸) یہ اختلاف
بتاتا ہے۔ کہ مہدی کے یہ نام بطور صفات کے ہیں۔ نہ کہ ظاہری نام۔

صاحب شریعت ہونا

نبی کیلئے تو صاحب شریعت ہونا ضروری ہے۔ مگر مرزا صاحب صاحب شریعت نہ تھے
جواب:۔ صاحب شریعت ہونا ضروری نہیں (۱) اَنَّ الرَّسُوْلَ لَا یَجِبُ
اَنْ یَّکُوْنَ صَاحِبَ شَرِیْعَۃٍ جَدِیْدَۃٍ (مُسْتَقِلَّۃٍ) فَاِنَّ اَوْلَادَ
اِبْرَاہِیْمَ کَانُوْا عَلٰی شَرِیْعَتِہٖ (روح المعانی جلد ۵ صفحہ ۱۸۶) کہ رسول کے
لئے ضروری نہیں۔ کہ وہ نئی شریعت لانے والا ہو۔ کیونکہ حضرت ابراہیم کی اولاد

میں جو نبی ہوئے۔ وہ سب ابراہیم کی شریعت پر تھے۔

(۲) "اُولٰئِكَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ کی تفسیر میں علامہ شہاب الدین فرماتے ہیں۔ اَلْمُرَادُ بِاِيْتَائِهٖ التَّفْهِيْمُ التَّامُّ لِمَا فِيْهِ مِنَ الْحَقَائِقِ وَالتَّمْكِيْنِ مِنَ الْاِحَاطَةِ بِالْجَلَائِلِ وَالدَّقَائِقِ اَعَمُّ مِنْ اَنْ يَّكُوْنَ ذٰلِكَ بِالْاِنْزَالِ ابْتِدَاءً .... فَاِنَّ مِمَّنْ ذُكِرَ مَنْ لَّمْ يُنْزَلْ عَلَيْهِ كِتَابٌ مُّعَيَّنٌ۔" (روح المعانی جلد ۲ صـ۲۲ه) کہ اس سے مراد یہ ہے کہ خدا تعالٰے ان کو پوری پوری تفہیم عطا کرے گا۔ ان حقائق اور دقائق کی جو اس کتاب میں ہیں۔ عام اس سے کہ ان کو کوئی خاص کتاب دی جائے۔ کیونکہ وہ انبیاء جن کا قرآن میں ذکر ہے۔ ان میں سے کئی ایسے ہیں جن پر کوئی کتاب معین نازل نہیں ہوئی۔" نیز دیکھو تذکرۃ الاولیاء ذکر حضرت حبیب عجمی رح انوار الازکیا صـ۶۵)

(۳) آیت اَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ کے نیچے لکھا ہے "لَا مَعَ كُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمْ عَلَى الْاِطْلَاقِ اِذْ لَمْ يَكُنْ لِّبَعْضِهِمْ كِتَابٌ وَّاِنَّمَا كَانُوْا يَاْخُذُوْنَ بِكُتُبِ مَنْ قَبْلَهُمْ۔" (روح البیان جلد ۱ صـ۲۲۴)

یعنی اس آیت کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہر ایک نبی کو الگ الگ کتاب دی گئی تھی۔ کیونکہ ایسے انبیاء بھی ہوئے ہیں جن کے پاس اپنی کتاب کوئی نہ تھی۔ پہلے نبی کی کتاب سے ہی وہ استنباط کیا کرتے تھے۔ نیز دیکھو امام رازی کی تفسیر کبیر زیر آیت وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ الخ (آل عمران ع ۹)

(۴) "وَالْمُرَادُ بِالنَّبِيّٖنَ الَّذِيْنَ بُعِثُوْا مِنْ بَعْدِ مُوْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ

وَذَالِكَ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی بَعَثَ فِی بَنِی اِسْرَائِیْلَ اُلُوْفًا مِنَ الْاَنْبِیَاءِ وَلَیْسَ مَعَھُمْ کِتَابٌ اِنَّمَا بُعِثُوْا بِاِقَامَۃِ التَّوْرَاۃِ وَاَحْکَامِھَا"

(تفسیر خازن جلد ۲ صفحہ ۶ - نیز جلد ا صفحہ ۲۱۳ مصری زیر آیت یُحْکُمُ بِھَا النَّبِیُّوْنَ)

کہ آیت "یَحْکُمُ بِھَا النَّبِیُّوْنَ" میں نبیوں سے مراد وہ نبی ہیں۔ جو موسےٰ علیہ السلام کے بعد مبعوث ہوئے۔ اور یہ اس لئے ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ نے بنی اسرائیل میں ہزاروں نبی ایسے بھیجے کہ جن کے پاس کوئی کتاب نہ تھی۔ بلکہ وہ محض توراۃ اور اس کے حکموں کو قائم کرنے کے لئے مبعوث ہوئے تھے۔

مولوی اشرف علی صاحب تھانوی لکھتے ہیں:۔

"یعنی پھر ان کے بعد اور رسولوں کو (جو کہ صاحب شریعت مستقلہ نہ تھے) یکے بعد دیگرے بھیجتے رہے۔ اور ان کے بعد عیسےٰ بن مریم کو بھیجا" (حمائل مترجم اشرف علی تھانوی مطبوعہ دہلی زیر آیت ثُمَّ قَفَّیْنَا عَلٰی اٰثَارِھِمْ بِرُسُلِنَا وَقَفَّیْنَا بِعِیْسَی ابْنِ مَرْیَمَ" الحدید ع ۴)

(ب) یحکم بھا النبیون الذین اسلموا کے نیچے لکھا ہے:۔

" اوپر ذکر تھا۔ کہ موسیٰ علیہ السلام کے بعد اللہ تعالےٰ نے بنی اسرائیل میں بہت سے انبیا بھیجے جو ہمیشہ احکام تورات کی حکم برداری میں خود بھی لگے رہتے۔ اور بنی اسرائیل کے عابدوں اور عالموں کو بھی ان کی تاکید کرتے۔ ان آیتوں میں فرمایا۔ کہ ان انبیاء بنی اسرائیل کے قدم بقدم سب انبیاء بنی اسرائیل تھے۔ اور آخر پر اللہ تعالےٰ نے عیسےٰ بن مریم کو تورات کے احکام کی تصدیق و نگرانی کے لئے بھیجا" (حمائل مترجم اشرف علی سورۃ مائدہ ع ۷ آیت ۴۸)

قرآن مجید:- قرآن مجید میں ہے "اِنَّا اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّ نُوْرٌ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا" (مائدہ ع ۷) کہ ہم نے تورات نازل کی۔ اس میں ہدایت اور نور تھا۔ اور انبیاء جو تورات کو مانتے تھے اسی سے فیصلہ کرتے تھے۔

کفر کا فتوے

مرزا صاحب پر کفر کا فتویٰ لگا؟

جواب:- ضرور تھا کہ ایسا ہی ہوتا۔ قرآن مجید میں ہے۔ يٰحَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ مَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ (یٰس ع ۲)

(۲) وَ اِذَا خَرَجَ هٰذَا الْاِمَامُ الْمَهْدِيُّ فَلَيْسَ لَهٗ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ اِلَّا الْفُقَهَاءُ خَاصَّةً فَاِنَّهٗ لَا يَبْقٰى لَهُمْ رِيَاسَةٌ وَّلَا تَمْيِيْزٌ عَنِ الْعَامَّةِ (فتوحات مکیہ جلد ۳ صفحہ ۳۷۴) کہ جب امام مہدی آئیں گے تو ان کے سب سے زیادہ شدید دشمن اس زمانہ کے علماء اور فقہاء ہوں گے۔ کیونکہ اگر مہدی کو مان لیں۔ تو ان کی عوام پر حکومت اور ان پر امتیاز باقی نہ رہے گا۔

(۳) "علماء وقت کہ خوگر تقلید فقہا و اقتدائے مشائخ و آبائے خود باشند۔ گویند کہ ایں شخص خانہ برانداز دین و ملت ماست و بمخالفت برخیزند و بحسب عادت خود حکم بتکفیر و تضلیل وے کنند" (حجج الکرامہ ص ۳۶۳)

(۴) حدیث "عُلَمَاءُهُمْ شَرُّ مَنْ تَحْتَ اَدِيْمِ السَّمَاءِ" سے بھی یہی پتہ چلتا ہے۔ نیز آنحضرت نے فرمایا۔ کہ امام مہدی کو میرا اسلام کہنا یہ بھی بتاتا ہے کہ آنحضرت کو معلوم تھا۔ کہ ایسے لوگ بھی موجود ہوں گے۔ جو مہدی پر لعنت بھیجیں گے

اور اس کے تریاق کے طور پہ آنحضرت صلعم نے اسے اپنا سلام بھیجا ہے۔ (دیکھو تحفہ گولڑویہ صفحہ ۲۴ حاشیہ)

(۵) امام ربانی مجدد الف ثانی فرماتے ہیں۔ کہ جب مسیح موعود آئے گا تو "علمائے ظواہر مجتہدات اور اعلیٰ نبینا علیہ السلام از کمال دقت و غموض ماخذ انکار نمایند و مخالف کتاب و سنت دانند" (مکتوبات جلد ۲ صفحہ ۱۰۷ مکتوب ۵۵)

(۶) "یہی حال مہدی علیہ السلام کا ہو گا۔ اگر وہ آ گئے۔ تو سارے مقلد بھائی ان کے جانی دشمن بن جائیں گے۔ اور ان کے قتل کی فکر میں ہوں گے کہیں گے۔ کہ یہ شخص تو ہمارے دین کو بگاڑتا ہے" (اقتراب الساعۃ صفحہ ۲۲۴)

(۷) مفصل دیکھو صفحہ ۴۹ پاکٹ بک ہذا۔

کسی کا شاگرد ہونا

نبی کسی کا شاگرد نہیں ہوتا۔ مرزا صاحب شاگرد رہے۔

جواب:۔ (۱) موسیٰ علیہ السلام ایک خدا کے بندے کو کہتے ہیں۔ قَالَ لَهُ مُوسَىٰ هَلْ أَتَّبِعُكَ عَلَىٰ أَن تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا (الکہف ع ۹)

(۲) بخاری میں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے متعلق ہے "اذا کان بها اهل ابیات منهم شب الغلام وتعلم العربیة منهم" (بخاری کتاب بدء الخلق باب یزفون النسلان فی المشی جلد ۲ صفحہ ۱۴۷ مصری) جس وقت ان میں سے کچھ گھر والے ہوئے۔ اور وہ بچہ جوان ہوا۔ تو جرہم سے اس نے عربی پڑھی۔

(۳) تفسیر قادری میں لکھا ہے:۔ "رسول ایسا چاہیئے۔ کہ جن کی طرف بھیجا گیا ہے

ان سے اصول و فروعِ دین کا عالم زیادہ ہو۔ جو اُن کی طرف لایا ہے۔ اور جو علم اس قبیل سے نہیں۔ اس کی تعلیم امور نبوت کے منافی نہیں۔ اور اَنْتُمْ اَعْلَمُ بِاُمُوْرِ دُنْیَاکُمْ اس قول کا مؤید ہے ”

(تفسیر حسینی قادری اردو جلد ا صفحہ ۶۳۸)

نبی کا نام مرکب نہیں ہوتا۔ مرزا صاحب کا نام مرکب تھا؟

الجواب:۔ (۱) یہ معیار کہاں لکھا ہے۔ بھلا نام کے مرکب یا مفرد ہونے کا نبوت کے ساتھ کیا تعلق؟

(۲) قرآن مجید میں ہے:۔ اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِکَةُ یٰمَرْیَمُ اِنَّ اللّٰہَ یُبَشِّرُکِ بِکَلِمَةٍ مِّنْہُ اسْمُہُ الْمَسِیْحُ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ وَجِیْھًا فِی الدُّنْیَا“ (آل عمران ع ۵) اس آیت میں فرشتے نے حضرت عیسے کا نام ” اِسْمُہٗ مسیح عیسٰی بن مَرْیَم “ بتایا ہے۔ جو مرکب ہے۔

(۳) ” اسمٰعیل “ بھی مرکب ہے ” اِسْمَعْ اور اِیل “ جس کا ترجمہ ہے ” سُن لی اللہ نے میری۔ یعنی اللہ نے میری دعا سُن لی۔

حج نہ کرنا

الجواب:۔ حج کے لئے بعض شرائط ہیں (۱) رستہ میں امن ہو۔ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْہِ سَبِیْلًا (۲) صحت ہو۔ (۳) بوڑھے والدین نہ ہو۔ جن کی خدمت اس پر فرض ہو۔ یا چھوٹی اولاد نہ ہو جس کی تربیت اس پر فرض ہو۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام میں تینوں شرائط نہ پائی جاتی تھیں۔ لاہور گئے۔ رستہ میں قتل کرنے کے لئے لوگ بیٹھ گئے۔ امرتسر۔ سیالکوٹ میں گئے۔ مخالفین نے اینٹیں ماریں۔ دہلی گئے وہاں

آپ پر حملہ کیا گیا۔ اور مکہ میں تو حضرت پر کفر کا فتویٰ لگایا گیا تھا۔ پس آپ پر حج کے لیئے جانا فرض نہ تھا۔ کیونکہ حج صرف اس حالت میں ہو سکتا ہے۔ کہ رستہ میں امن ہو خود آنحضرت صلعم نے حدیبیہ کے سال حج نہیں کیا۔ محض اس وجہ سے کہ کافر مانع ہوئے (۲) آپ کو دوران سر اور ذیابیطس کی دو بیماریاں تھیں (۳) آپ کے والد بزرگوار آپ کے سر پہ چالیس سال کی عمر تک زندہ رہے اور اس کے بعد اولاد تھی۔

(۳) تذکرۃ الاولیاء میں ہے "ایک بزرگ فرماتے ہیں۔ کہ میں نے ارادہ حج کا کیا۔ جب میں بغداد پہنچا۔ تو حضرت ابوحازم مکی رح کے پاس گیا۔ میں نے انکو سوتے پایا۔ میں نے تھوڑی دیر صبر کیا۔ جب آپ بیدار ہوئے۔ تو فرمانے لگے۔ کہ میں نے اس وقت حضرت پیغمبر علیہ السلام کو خواب میں دیکھا۔ کہ آنحضرت صلعم نے مجھ کو تیرے لئے پیغام دیا۔ اور فرمایا کہ کہہ دو کہ اپنی ماں کے حقوق کی نگہداشت کرے کہ اس کیلئے وہی بہتر ہے حج کرنے سے۔ اب تو لوٹ جا۔ اور اس کے دل کی رضا طلب کر۔ میں واپس پھرا اور مکہ معظمہ نہ گیا۔" (تذکرۃ الاولیاء ذکر ابوحازم مکی رح ص۶۵ انوار الاذکیا)

بھلا ایک ماں کی خدمت تو حج سے بہتر ہے پھر اسلام (جس پر ہزاروں مائیں قربان کی جاسکتی ہیں) کی خدمت کرنا کیوں حج سے بہتر نہیں۔

(۳) وَجَاءَتِ امْرَأَةٌ مِنْ خَثْعَمَ ... فَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ فَرِيْضَةَ اللّٰهِ عَلٰى عِبَادِهٖ فِى الْحَجِّ اَدْرَكَتْ اَبِىْ شَيْخًا كَبِيْرًا لَا يَثْبُتُ عَلَى الرَّاحِلَةِ اَفَاَحُجُّ عَنْهُ قَالَ نَعَمْ " (بخاری کتاب الحج باب وجوب الحج پہلی حدیث جلد ۱ صفحہ ۱۷۰)

خثعم قبیلہ کی ایک عورت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی۔ اور کہا یا رسول اللہ

میرا باپ بہت بوڑھا ہے۔ اور اس پر اللہ تعالےٰ کا فریضہ حج فرض ہو گیا ہے۔ وہ بوجہ بڑھاپا اونٹ پر نہیں بیٹھ سکتا۔ کیا میں اس کی طرف سے حج کروں۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ ہاں۔ یہی حدیث مسلم مع نووی جلد ۱ صفحہ ۴۳۱ میں بھی ہے۔

(۴) عَنْ عِکْرِمَۃَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَجُلٌ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اِنَّ اَبِیْ مَاتَ وَلَمْ یَحُجَّ اَفَاَحُجُّ عَنْہُ قَالَ اَرَاَیْتَ لَوْ کَانَ عَلٰی اَبِیْکَ دَیْنٌ اَکُنْتَ قَاضِیَہٗ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَدَیْنُ اللّٰہِ اَحَقُّ" (نسائی جلد ۲ صفحہ ۵ مطبوعہ مصر) حضرت ابن عباس سے روایت ہے۔ کہ حضرت عکرمہؓ نے بیان کیا۔ کہ ایک شخص نے آنحضرت صلعم سے عرض کیا۔ یا رسول اللہ میرا باپ فوت ہو گیا۔ اور اس نے حج نہیں کیا۔ کیا میں اس کی طرف سے حج کروں؟ فرمایا کیا اگر تیرے باپ پر کوئی قرضہ ہوتا۔ تو تو اس کو ادا کرتا؟ اس نے عرض کیا ہاں۔ فرمایا پھر اللہ کا قرضہ زیادہ قابل ادائیگی ہے۔ یعنی اس کو ادا کرو۔ حضرت مسیح موعودؑ کی طرف سے بھی حج بدل کرایا گیا۔ اور حضرت حافظ احمد اللہ صاحب مرحومؓ نے فریضۂ حج ادا کیا۔

فَجِّ الرَّوْحَاءِ

آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ کہ مسیح موعود حج کرے گا اور فَجِّ الرَّوْحَاءِ سے عمرہ کریگا۔ آنحضرت نے مسیح موعودؑ کو حج کرتے دیکھا ہے:۔

الجواب:۔ آنحضرت صلعم نے دجال کو بھی حج کرتے دیکھا ہے۔ کیا دجال بھی حاجی ہو گیا؟ رَجُلٌ یَطُوْفُ بِالْبَیْتِ فَقُلْتُ مَنْ ھٰذَا قَالُوْا الْمَسِیْحُ الدَّجَّالُ" (بخاری کتاب بدء الخلق باب واذکر فی الکتاب مریم جلد ۲ صفحہ ۱۵۸ مطبع الخیریہ مصر) کہ آنحضرت صلعم فرماتے ہیں کہ میں نے ایک آدمی کو کعبہ کا طواف کرتے دیکھا۔ آپ نے پوچھا یہ کون ہے؟

انہوں جواب دیا کہ یہ دجال ہے۔ باقی رہی حدیث ”لَيُهِلَّنَّ ابْنُ مَرْيَمَ بِفَجِّ الرَّوْحَاءِ حَاجًّا أَوْ مُعْتَمِرًا أَوْ لَيُثَنِّيَنَّهُمَا“ تو یاد رکھنا چاہیے کہ (۱) حدیث کے الفاظ میں او۔ او۔ او کے الفاظ بتا رہے ہیں۔ کہ آنحضرتؐ کے اصل الفاظ محفوظ نہیں ہیں۔ یہ روایت سند کے لحاظ سے بھی ضعیف ہے۔ کیونکہ اس کا ایک راوی محمد بن مسلم بن شہاب الزہری ہے۔ اس کے متعلق لکھا ہے۔ ”قَالَ أَبُو الزِّنَادِ كُنَّا نَكْتُبُ الْحَلَالَ وَالْحَرَامَ وَكَانَ ابْنُ شِهَابٍ يَكْتُبُ كُلَّمَا سَمِعَ فَلَمَّا احْتِيجَ إِلَيْهِ“ کہ ابو الزناد نے کہا ہے۔ کہ ہم تو حلال اور حرام کی بابت حدیث جمع کرتے تھے۔ مگر ابن شہاب جو سنتا تھا لکھ لیتا تھا۔ پس وہ حجت نہیں ہے۔ اور ابو داؤد کہتے ہیں کہ ”قَدْ رُمِيَ أَلْفَيْنِ عَنْ غَيْرِ الثِّقَاتِ“ کہ زہری کی بیان کردہ روایتوں میں دو صد کے قریب روایتیں غیر ثقہ راویوں سے مروی ہیں۔ (تہذیب التہذیب جلد ۹ صفحہ ۴۴۹) نیز اس کے متعلق علامہ ذہبی کی رائے یہ ہے کہ ”كَانَ يُدَلِّسُ فِي النَّادِرِ“ (میزان الاعتدال مطبوعہ انوار محمدی جلد ۲ صفحہ ۴۴۹) اسی طرح اس حدیث کا دوسرا راوی سعید بن منصور بن شعبۃ الخراسانی ابو عثمان ہے۔ اس کے متعلق لکھا ہے کہ ”إِذَا رَأَى فِي كِتَابِهِ خَطَأً لَمْ يَرْجِعْ عَنْهُ“ (تہذیب جلد ۴ صفحہ ۹۰) (میزان الاعتدال جلد ۱ صفحہ ۳۸۵) یعنی یہ راوی اتنا ضدی تھا۔ کہ اگر اپنی تحریر کردہ حدیث میں کوئی غلطی بھی دیکھتا تھا۔ تو اپنی غلطی سے رجوع نہ کرتا تھا۔

اسی طرح دوسری سند میں سعد بن عبد الرحمٰن الغنمی بھی ہے۔ جس نے یہ روایت زہری سے لی ہے۔ اس کے متعلق لکھا ہے کہ ”وَهُوَ دُونَهُمْ

فی الزہری"..... فی حدیثہ عن الزہری بعض الاضطراب
(تہذیب التہذیب جلد ۸ صفحہ ۴۶۲) کہ لیث کی جو روایت زہری سے ہو وہ مشکوک
ہوتی ہے۔ پس روایت متنازعہ بھی مشکوک ہے۔ تیسرے طریقہ میں حرملہ بن
یحیٰ بن عبد اللہ بھی ضعیف ہے۔ ابو حاتم اس کے متعلق کہتے ہیں کہ "لا
یحتج بہ" کہ اس کا قول حجت نہیں۔ نیز یہ روایت اس راوی نے ابن
وہب سے لی ہے۔ حالانکہ یہ ثابت ہے۔ کہ ان دونوں کے درمیان دشمنی تھی۔ پس یہ
روایت حجت نہیں۔" (تہذیب التہذیب جلد ۲ صفحہ ۲۳۰)

مختصر یہ کہ یہ روایت ضعیف ہے۔ اور اس میں زہری کی تدلیس۔
اور لیث کا اضطراب۔ اور حرملہ کی عدم ثقاہت کا دخل ہے۔ لہذا حجت نہیں۔
(۳) فج الروحاء کوئی میقات نہیں۔ چنانچہ (ا) فج بمعنے طریق است
و روحاء مکانیست مابین مدینہ طیبہ و وادی صفراء در راہ مکہ مکرمہ (حجج الکرامہ
صفحہ ۳۲۹) پس ثابت ہوا کہ یہ میقات نہیں۔ (ب) لیس بمیقات (اکمال الاکمال
شرح مسلم جلد ۳ صفحہ ۳۹۵) کہ فج روحاء کوئی میقات نہیں (ج) لغت کی کتاب قاموس
میں ہے۔ "الروحا بین الحرمین علی ثلاثین او اربعین میلا من المدینۃ"
(قاموس جلد ۳ صفحہ ۲۳۲) کہ روحاء حرمین کے درمیان مدینہ سے تیس چالیس میل کے
فاصلہ پر ہے۔ پس یہ نہ میقات ہے۔ اور نہ میقات کے بالمقابل (۴) مسلم کی ایک
دوسری حدیث اس حدیث کی شرح کرتی ہے۔" عن ابن عباس قال سرنا مع
رسول اللہ صلعم بین مکۃ والمدینۃ فمررنا بواد فقال ای واد
ھذا؟ فقالوا وادی الازرق۔ قال کانی انظر الی موسیٰ فذکر من لونہ

وَشَعْرِهٖ شَيْئًا، وَاضِعًا اِصْبَعَيْهِ فِيْ اُذُنَيْهِ جُؤَارًا اِلَى اللّٰهِ بِالتَّلْبِيَةِ مَارًّا بِهٰذَا الْوَادِيْ فَقَالَ ثُمَّ سِرْنَا حَتّٰى اَتَيْنَا عَلٰى ثَنِيَّةٍ فَقَالَ اَيُّ ثَنِيَّةٍ هٰذِهٖ؟ فَقَالُوْا هَرْشٰى فَقَالَ كَاَنِّيْ اَنْظُرُ اِلٰى يُوْنُسَ عَلٰى نَاقَةٍ حَمْرَاءَ عَلَيْهِ جُبَّةُ صُوْفٍ مَارًّا بِهٰذَا الْوَادِيْ مُلَبِّيًا" (مسلم بحوالہ مشکوٰۃ ص ۵۰۸ مجتبائی)

حضرت ابن عباس کی روایت ہے۔ کہ ہم ایک دن مکہ اور مدینہ کے درمیان گئے۔ پس ہم ایک وادی سے گزرے۔ آنحضرت صلعم نے پوچھا یہ کونسی وادی ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ وادی ارزق۔ آنحضرتؐ نے فرمایا۔ گویا میں موسیٰ علیہ السلام کو دیکھ رہا ہوں۔ (پھر آنحضرت صلعم نے حضرت موسےٰ ؑ کے رنگ اور بالوں کا کچھ ذکر کیا) انہوں نے اپنی انگلیاں دونوں کانوں میں ڈالی ہوئی ہیں۔ اور وہ اس وادی سے گزرتے ہوئے لبیک کہہ رہے ہیں۔ راوی کہتا ہے۔ کہ پھر ہم آگے چلے۔ یہانتک کہ ہم ایک ٹیلے پہ پہنچے۔ آنحضرتؐ نے پوچھا یہ کونسا ٹیلہ ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ یہ ہرشیٰ ٹیلہ ہے۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ کہ گویا میں یونس ؑ کو ایک سُرخ اونٹنی پہ سوار ایک صوف کا جبہ پہنے ہوئے اس وادی سے گذرتے ہوئے اور لبیک کہتے ہوئے دیکھ رہا ہوں۔" معلوم ہوا کہ جس طرح کشفی حالت میں آنحضرت صلعم نے ان انبیاء کو تلبیہ کہتے ہوئے دیکھا اسی طرح وادی فج الروحاء میں احرام باندھتے ہوئے حضرت عیسےٰ علیہ السلام کو دیکھا۔

(۴) چنانچہ تصوف کی مشہور کتاب التعرف کی شرح میں ابو ابراہیم اسمٰعیل بن محمد بن عبد اللہ المستملی لکھتے ہیں " قَالَ اَبُوْ مُوْسٰی عَنِ النَّبِیِّ صلعم اَنَّہٗ مَرَّ بِالصَّخْرَۃِ مِنَ الرَّوْحَاءِ سَبْعُوْنَ نَبِیًّا حُفَاۃً عَلَیْھِمُ الْعَبَاءُ یَطُوْفُوْنَ الْبَیْتَ الْعَتِیْقَ (شرح التعرف ص‍ک) کہ ابو موسیٰ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ کہ میں نے روحاء کے مقام پر ایک چٹان کے پاس ستر نبیوں کو ننگے پاؤں چادریں اوڑھے کعبہ کا طواف کرتے دیکھا ہے۔ پس اسی فج الروحاء کے مقام پر حضرت عیسےٰ علیہ السلام کو بھی دیکھا ہے۔

(۵) پس اس کشف کی تعبیر ہوگی۔ اور تعبیر یہ ہے " وَمَنْ رَاٰی اَنَّہٗ حَجَّ اَوِ اعْتَمَرَ فَاِنَّہٗ یَعِیْشُ عَیْشًا طَوِیْلًا وَ تُقْبَلُ اُمُوْرُہٗ " (تعطیر الانام فی تعبیر الاحلام جلد ۲ ص‍۱۱ا) یعنی جو شخص یہ دیکھے۔ کہ اس نے حج یا عمرہ کیا ہے۔ پس اس کی تعبیر یہ ہے کہ وہ لمبی عمر پائیگا۔ اور اس کی مرادیں پوری ہونگی

(۶) " وَاِنْ رَاٰی فَعَلَ شَیْئًا مِنَ الْمَنَاسِکِ فَھُوَ خَیْرٌ عَلٰی کُلِّ حَالٍ وَقِیْلَ اِنَّ الْاِحْرَامَ تَجَرُّدٌ فِی الْعِبَادَۃِ اَوْ خُرُوْجٌ مِنَ الذُّنُوْبِ فَاِنَّہٗ یَدُلُّ عَلٰی حُصُوْلِ رَحْمَۃٍ " (کتاب الاشارات فی علم العبارات جلد ۲ ص‍۲۸۹ برحاشیہ تعطیر الانام جلد ا) کہ اگر کوئی شخص دیکھے کہ اس نے حج کے مناسک میں سے کوئی ادا کیا ہے۔ تو یہ بہر حال اچھا ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ احرام باندھنا (خواب میں) صرف عبادت کے لئے یا گناہوں سے نکلنے کے لئے خاص ہے۔ کیونکہ یہ حصول رحمت پر دلالت کرتا ہے۔

(۷) " وَمَنْ رَاٰی کَاَنَّہٗ خَارِجٌ اِلَی الْحَجِّ فِیْ وَقْتِہٖ فَاِنْ کَانَ مَغْمُوْمًا فَرَّجَ

عَنہ وَمَنْ رَاَی کَاَنَّہٗ یُلَبِّیْ فِی الْحَرَامِ فَاِنَّہٗ یَظْفِرُ وَیَاْمَنُ مِنَ الْخَوْفِ الْغَالِبِ" (منتخب الکلام بر حاشیہ تعطیر الانام ص۲۴۳ جلد۱) کہ خواب میں جو شخص یہ دیکھے کہ حج کے ایام میں حج کے لئے جا رہا ہے پس اگر تو اس کو کوئی خوف ہے تو وہ امن پائیگا۔ اور اگر وہ ہدایت یافتہ نہیں تو ہدایت پائیگا۔ اور اگر وہ مغموم ہے۔ تو غم دور ہوگا۔ اور اگر کوئی خواب میں دیکھے کہ وہ احرام کی حالت میں لبیک کہہ رہا ہے پس وہ کامیاب ہو جائے گا۔ اور خوف سے امن میں ہو جائیگا۔

(۸) "اور یہاں ایک اشکال وارد ہوتا ہے۔ کہ دجال کافر ہے۔ اس کا طواف سے کیا کام؟ جواب اس کا یہ دیا ہے علماء نے۔ کہ یہ آنحضرت کے مکاشفات سے ہے خواب میں تعبیر اس کی یہ ہے۔ کہ آنحضرت صلعم کو دکھایا۔ روز ہوگا کہ عیسیٰؑ گرد دین کے پھریں گے واسطے قائم کرنے دین کے۔ اور درستی کرنے خلل و فساد کے۔ اور دجال بھی پھرے گا گرد دین کے بقصد خلل و فساد ڈالنے کے دین میں کذا قال الطیبی (مظاہر حق شرح مشکوٰۃ جلد ۴ ص۳۳۷ و مرقاۃ شرح مشکوٰۃ جلد ۴ ص۲۱۱۔ مجمع البحار جلد ۲ ص۲۲۶ و بر حاشیہ مشکوٰۃ ص۵۰۰ مطبع نظامی)

(۹) لَیُبَطِّئَنَّ" کا مضارع اس حدیث میں مولوی ثناء اللہ امرتسری کے ترجمہ قرآن کو مدنظر رکھتے ہوئے حال کیلئے بھی ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ مولوی صاحب مذکور نے آیت "وَاِنَّ مِنْکُمْ لَمَنْ لَّیُبَطِّئَنَّ" (نساء ع ۱۰) کا ترجمہ "کوئی تم میں سے سستی کرتا ہے کیا ہے۔ (دیکھو تفسیر ثنائی تفسیر سورہ نساء زیر آیت وَاِنَّ مِنْکُمْ لَمَنْ لَّیُبَطِّئَنَّ)

مرزا صاحب سے تو خدا کا وعدہ حفاظت تھا پھر کیا ڈر تھا؟

جواب:۔ "وَاللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ" کا وعدہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھی تھا۔ اور یہ وعدہ ابتدائے نبوت میں ہوا تھا۔ (درمنثور جلد ۲ صفحہ ۲۹۸) پھر حضرت ہجرت کے لئے رات کو نکلے۔ اور غار ثور میں چھپنے کی کیا ضرورت تھی؟ نیز درمنثور میں ہے کہ "کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلعم اِذَا خَرَجَ یَبْعَثُ مَعَہٗ اَبُوْطَالِبٍ مَنْ یَّکْلَؤُہٗ"۔ (نیز دیکھو ابن کثیر برحاشیہ فتح البیان صفحہ ۳۸۷ و بحر محیط جلد ۳ صفحہ ۵۳۰ مطبوعہ مصر) کہ رسول خدا صلعم جب کہیں جاتے۔ تو حضرت ابو طالب کسی آدمی کو بطور حفاظت ساتھ بھیج دیتے تھے۔ نیز اگر یہ کہو۔ کہ مرزا صاحب نے پنج بنا اسلام بھی پورے نہ کئے۔ تو تم یہ بتاؤ۔ کہ نبیوں کے سردار آنحضرت صلعم نے پانچ بنا اسلام کو پورا کیا ہے؟ آپ کا زکوٰۃ دینا ثابت کرو۔

(۲) جنگ بدر کے موقعہ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زرع پہنی "فَلَمَّا کَانَ یَوْمُ بَدْرٍ رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ السَّلَامُ یَلْبَسُ الدِّرْعَ"۔ (بیضاوی) کہ بدر کی جنگ کے موقعہ پر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو زرہ بکتر پہنے ہوئے دیکھا۔

(۳) تفسیر حسینی میں لکھا ہے:۔ "تفسیر وسیط میں محمد بن کعب قرظی سے منقول ہے۔ کہ لیلۃ العقبہ میں پچھتر ۷۵ آدمی اہل مدینہ میں سے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کرتے تھے۔ عبد اللہ بن رواحہ نے کہا۔ کہ یا رسول اللہ وہ شرط کر لیجئے جو خدا اور رسول کے واسطے آپ چاہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ کہ خدا کے واسطے تمہیں یہ شرط کرتا ہوں۔ کہ اسی کی عبادت کرو۔ اور اس کا شریک نہ

ٹھہراؤ۔ اور اپنے واسطے یہ شرط کرتا ہوں کہ ان چیزوں سے میری حفاظت کرو جن سے اپنی جانوں اور مالوں کی حفاظت کرتے ہو۔" (تفسیر قادری مترجم جلد ا صـ۱۳ وصـ۱۴ زیر آیت اِنَّ اللّٰہَ اشۡتَرٰی مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ سورۃ توبہ رکوع ۱۴)

مرزا صاحب نے ملازمت کی

الجواب:۔ بخاری میں ہے۔ کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ کُنۡتُ اَرۡعَاھَا عَلٰی قَوَارِیۡطَ لِاَھۡلِ مَکَّۃَ (بخاری کتاب الاجارۃ باب رعی الغنم جلد ۲ صـ۲۱ مصری) کہ میں چند قراط لے کر کفار مکہ کی بکریاں چرایا کرتا تھا۔ نیز قرآن مجید میں حضرت موسیٰ کا اپنے خسر کی بکریاں چرانا پڑھو۔

چندہ لیتے تھے؟

حضرت مرزا صاحب چندہ لیتے ہیں۔ حالانکہ مہدی نے تو مال بانٹنا تھا یہانتک کہ کوئی قبول کرنے والا باقی نہیں رہے گا۔

جواب:۔ مولویوں کو پیسوں کی خاص طور پر فکر ہوتی ہے۔ حدیث میں "یَفِیۡضُ الۡمَالُ" ہے (دیکھو ترمذی مجتبائی) یعنی اس زمانہ میں دولت اور مال زیادہ ہوگا۔ جیسا کہ اب ہے۔

۲۔ اگر "یَفِیۡضُ الۡمَالُ" کو صحیح سمجھ کر یہ معنے کئے جائیں۔ کہ مسیح موعودؑ آکر مال تقسیم کرے گا۔ مگر کوئی اسے قبول نہیں کرے گا۔ تو اس سے مراد دنیوی مال و دولت تو ہو نہیں سکتا۔ کیونکہ ترمذی شریف کی ایک اور صحیح حدیث میں ہے "لَوۡ کَانَ لِابۡنِ اٰدَمَ وَادِیًا مِّنۡ مَالٍ لَابۡتَغٰی عَلَیۡہِ ثَانِیًا وَّلَوۡ کَانَ لَہٗ

ثَانِیاً لَابْتَغَیٰ عَلَیْہِ ثَالِثاً وَلَا یَمْلَأُ جَوْفَ ابْنِ اٰدَمَ اِلَّا التُّرَابُ

(ترمذی کتاب المناقب ابی ابن کعب جلد ۲ صـ۲۲۵ مجتبائی) اگر انسان کو ایک وادی

مال و دولت سے بھرپور مل جائے۔ تو اس پر بھی وہ ضرور دوسری وادی کا

آرزومند ہوگا۔ اور جب اس کو دوسری وادی بھی حاصل ہو جائے۔ تو اس پر

بھی وہ تیسری کا خواہشمند ہوگا۔ اور (سچ تو یہ ہے) کہ انسان کے پیٹ کو سوائے

خاک کے اور کوئی چیز نہیں بھر سکتی (یعنی قبر ہی میں جاکر اس کی حرص مٹتی ہے)

پس یہ کس طرح ممکن ہے۔ کہ مہدی کے وقت میں یہ انسانی فطرت نہ رہے۔ اور

آنحضرت صلعم کا یہ فرمان غلط ہو جائے۔ پس مہدی کے مال بانٹنے سے مراد وہ

علوم آسمانی اور حقائق و معارف کا خزانہ ہے۔ جو مسیح موعودؑ نے لوگوں کو دیا

اور جس کو تمہارے جیسے بدقسمت قبول نہیں کرتے۔

۳۔ اس مال سے مراد وہ متعدد انعامات ہیں۔ جو آپ نے اپنی مختلف

کتابوں کے جواب لکھنے والوں کے لئے مقرر فرمائے۔ مگر کسی کو ان کے

قبول کرنے کی جرأت نہیں ہوئی۔

۴۔ قرآن مجید میں ہے۔ کہ " اِذَا نَاجَیْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا

بَیْنَ یَدَیْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً " (مجادلہ ع ۲) کہ اے مسلمانو! جب

تم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کوئی مشورہ لینے جاؤ۔ تو کچھ چندہ

بھی لے جایا کرو۔

(ب) اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ

بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ " (توبہ ع ۱۴) کہ اللہ تعالیٰ نے مومنوں سے اُن کے

مال اور ان کی جانیں خرید کر اس کے عوض ان کو جنت دے دیا ہے۔

(ج) قرآن مجید میں سینکڑوں آیات انفاق فی سبیل اللہ کے متعلق ہیں۔

الزامی جواب

بخاری میں ایک نہایت دلچسپ حدیث ہے۔ جس کا مضمون یہ ہے، حضرت ابو سعید خدری سے روایت ہے۔ کہ بعض صحابہؓ کسی گاؤں میں بجانبِ سفر ٹھہرے۔ اور اہل گاؤں سے دعوت طلب کی۔ مگر ان لوگوں نے مہمانی سے انکار کر دیا۔ اتنے میں اس قبیلہ کے سردار کو سانپ نے ڈس لیا۔ سب علاج کئے۔ لیکن فائدہ نہ ہوا۔ کسی نے انہیں کہا۔ کہ گاؤں سے باہر جو لوگ (صحابہؓ) ٹھہرے ہوئے ہیں ان سے پوچھو۔ شاید ان میں سے کسی کو کوئی علاج معلوم ہو۔ چنانچہ جب وہ لوگ صحابہ کے پاس آئے۔ تو ایک صحابی نے کہا ہاں۔ میں دم کرنا جانتا ہوں۔ مگر چونکہ تم لوگوں نے ہمیں مہمانی دینے سے انکار کر دیا تھا اس لئے اب بلا اجرت علاج نہیں کروں گا۔ اس پر ان لوگوں کے ساتھ ان کا معاوضہ چند بھیڑیں۔ بکریاں مقرر ہوا۔ اس صحابی نے قبیلہ کے سردار پر "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ" پڑھ کر دم کیا۔ جس سے وہ یکدم اچھا ہو گیا اور اس صحابی کو گاؤں والوں نے معاوضہ ادا کر دیا۔ اس پر باقی صحابہ نے کہا۔ کہ اس معاوضہ میں ہمارا بھی حق ہے۔ پس ہمارا حصہ بانٹ دو۔ مگر وہ صحابی جنہوں نے دم کیا تھا کہنے لگے۔ کہ چونکہ دم میں نے کیا ہے۔ اس لئے یہ میرا ذاتی حق ہے۔ کسی دوسرے کا اس میں حصہ یا دخل نہیں۔ اس پر یہ فیصلہ ہوا۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چلتے ہیں۔ جو فیصلہ حضور کریں۔ آخر

وہ سب اصحاب آنحضرت صلعم کے حضورؐ پیش ہوئے۔ حضورؐ نے سب واقعہ سُنا۔ پھر اس دم کرنے والے صحابی سے مخاطب ہو کر فرمایا:۔

" وَمَا يُدْرِيكَ أَنَّهَا رُقْيَةٌ ثُمَّ قَالَ قَدْ أَصَبْتُمْ اقْسِمُوا وَاضْرِبُوا لِي مَعَكُمْ سَهْمًا فَضَحِكَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ " (بخاری کتاب الاجارۃ جلد ۲ صہ ۲۳ مطبع الہیہ مصر۔ و تجرید بخاری مترجم اردو حصہ اول صہ ۲۸۴) یعنی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا " تم کو کیسے معلوم ہوا۔ کہ (سورہ فاتحہ سے) جھاڑ پھونک یا دم کیا جاتا ہے۔ پھر آپؐ نے فرمایا " تم نے اچھا کیا۔ اب اس کو بانٹ لو۔ اور اپنے ساتھ میرا حصہ بھی لگا دو" یہ کہہ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے۔

سوال یہ ہے کہ (۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا حصہ کیوں نکلوایا؟ (۲) مسکرائے کیوں تھے؟

(۷) اسی طرح بخاری جلد ۲ صہ ۲۶ مطبع الہیہ مصر۔ اور تجرید بخاری مترجم حصہ اوّل صہ ۳۲ پر ہے۔ کہ آنحضرت صلعم سے ایک شخص نے اپنا سابقہ قرض طلب کیا۔ اور آپؐ سے جھگڑ کر کے سخت کلامی کی۔ جس پر صحابہ اسے مارنے لگے۔ مگر آنحضرت صلعم نے صحابہ کو اس سے منع فرمایا۔ مگر اپنا قرض صحابہؓ سے ادا کروایا۔

مراق

مرزا صاحب نے لکھا ہے۔ مجھے مراق ہے۔ (بدر، ۷ جون سنہ ۱۹۰۶ء)

اور مراق کا ترجمہ ہے ہسٹیریا۔ بقول مرزا بشیر احمد صاحب (سیرۃ المہدی جلد ۱ صہ ۱۳)

اور جس کو ہسٹیریا ہو وہ نبی نہیں ہو سکتا۔ بقول ڈاکٹر شاہ نواز خان صاحب (ریویو اگست ۱۹۲۶ء) پس ثابت ہوا مرزا صاحب نبی نہ تھے۔ انکو "eatalepry" کا مرض تھا۔ (رسالہ مراق مرزا۔ مؤلفہ حبیب اللہ صاحب)

جواب:۔ (۱) خدا کے انبیاء کو ہمیشہ مجنون ہی کہا جاتا ہے۔ قرآن میں ہے۔ وَ اِنَّا لَتَارِکُوْا اٰلِھَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُوْن"

(۲) سب انبیاء کے سردار آنحضرت صلعم کے بد باطن دشمنوں نے آپ کے متعلق بھی یہی بکواس کی تھی۔ چنانچہ ملاحظہ ہو کتاب A contribution to the Islamic civilisation" by Von Kremer Page 18۔ جس کے الفاظ یہ ہیں:۔

Our acquaintance with the fable later on repeated with a peculior zert, that Mohammad invented the story of intercourse with Gebriel in order to allay the anxiety of خدیجہؓ for the epileptic fits with which he was often seized.

II. Guibert of Nogent writes,

Mohammad how ever was seized with epileptic fits and "خدیجہ" frightened and alarmed at this malady hastened to the hermit for an explanation. She was there-upon answered that the apparent epilepsy was only the condition in which Mohammad was honoured with divine revelation" (Page 185)

(۳) حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یہ ہرگز تحریر نہیں فرمایا کہ مجھ کو مراق ہے یہ غلط ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو "مراق" تھا۔ حضرت مسیح موعودؑ کو "دوران سر" اور "سردرد" کا مرض ضرور تھا۔ اور حضرت نے اپنی قریباً ہر ایک کتاب میں اس کا ذکر فرمایا ہے۔ مگر حضور نے ایک مقام پر بھی اس کا نام "مراق" نہیں رکھا۔ بدر ۷ جون ۱۹۰۶ء جس کا حوالہ معترض نے دیا ہے وحضرت کی تحریر نہیں بلکہ ڈائری ہے۔ اور ڈائری حضرت مسیح موعودؑ کی تحریر کے بالمقابل اور خلاف ہونے کی صورت میں حجت نہیں۔ پس اگر "مراق" کے لفظ سے مراد "مالیخولیا" ہے۔ تو یہ حضرت کی تحریرات کے سراسر خلاف ہے۔ لہٰذا قابل قبول نہیں۔ حضرت نے جب صدہا مرتبہ اسی بیماری کا نام

اپنی تحریرات میں "دوران سر" تحریر فرمایا ہے - اور ایک جگہ بھی "مراق" نہیں لکھا۔ تو ڈائیری اس کے خلاف پیش نہیں ہو سکتی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام تحریر فرماتے ہیں۔ "ایسا ہی خدا تعالیٰ یہ بھی جانتا تھا۔ کہ اگر کوئی خبیث مرض دامنگیر ہو جائے۔ جیسا کہ جذام اور جنون اور اندھا ہونا اور مرگی۔ تو اس سے یہ لوگ نتیجہ نکالیں گے۔ کہ اس پر غضب الٰہی ہو گیا۔ اس لئے پہلے سے اس نے مجھے براہین احمدیہ میں بشارت دی۔ کہ ہر ایک خبیث عارضہ سے تجھے محفوظ رکھوں گا۔ اور اپنی نعمت تجھ پر پوری کروں گا۔" (اربعین ۳ صفحہ ۳۰ حاشیہ)

المرزائی جواب

تم لوگ تو ہمیشہ خدا کے نبیوں کے متعلق ایسی ایسی باتیں گھڑتے ہی رہتے ہو جس سے انہیں خلل دماغ کا مریض تسلیم کرنا پڑے۔ حضرت مرزا صاحب کے تو تم دشمن ہو۔ مگر تم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی لحاظ نہیں کیا۔ یہانتک کہ آپ کے متعلق لکھ دیا۔ کہ آپ پر جادو کا اثر ہو گیا۔ اور آپ کی یہ حالت ہو گئی۔ کہ آپ سمجھتے تھے کہ میں نے فلاں کام کیا ہے۔ حالانکہ آپ نے نہ کیا ہوتا تھا۔ (گویا نعوذ باللہ حواس قائم نہ رہے تھے) چنانچہ صحیح بخاری میں ہے۔ "عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ سُحِرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى كَانَ يُخَيَّلُ إِلَيْهِ أَنَّهُ يَفْعَلُ الشَّيْءَ وَمَا يَفْعَلُهُ"

(بخاری کتاب بدء الخلق تجرید بخاری حصہ دوم صفحہ ۱۱۹)

ترجمہ از تجرید بخاری:۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں۔ کہ (ایک مرتبہ)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم پہ جادو کیا گیا (اس سے) آپ کو خیال ہوتا۔ کہ
ایک کام کیا ہے۔ حالانکہ آپ نے اس کو کیا نہ ہوتا۔" پھر باوجود ان
روایات کے حضرت مسیح موعودؑ پہ اعتراض کرو۔ تو معذور ہو۔ کیونکہ یرقان
کے مریض کو ہر چیز زرد ہی نظر آتی ہے۔ باقی رہا "دورانِ سر" اور اس پہ
مذاق۔ اول تو اس لئے۔ کہ مسلم کی حدیث میں ہے۔ کہ مسیح موعودؑ دو زرد
چادریں پہنے ہوئے ہوگا یہ آپ کی صداقت کی دلیل ہے۔ اور اس لئے بھی
کہ ڈاکٹری کی رو سے دوران سر دماغ کے اعلیٰ ہونے پہ دلالت کرتا ہے

"The subjects of Migraine are nearly always of an active capabte and intelligent type"
(Price's Text book of nadicine page)

۵۰۲ "یعنی دورانِ سر کے مریض قریباً ہمیشہ قابل اور عالی دماغ آدمی ہوتے ہیں"
باقی رہا سائل کا طرز استدلال۔ سو وہ خود ہی اس کی غلطی پہ گواہ ہے
حضور نے کب کہا ہے۔ کہ مجھے ہسٹیریا ہے۔ حضرت میاں بشیر احمد صاحب نے
بیشک حضرت ام المؤمنین کی زبانی ہسٹیریا لکھا ہے۔ مگر (اول) آپ کوئی ڈاکٹر
نہیں ہیں۔ کہ جو ترجمہ دوران سر کا کیا ہے وہ درست ہو۔ اور نہ حضرت مسیح موعود
علیہ السلام کو ہسٹیریا کا مرض تھا۔ پس تیسرا حوالہ جو معترض نے نقل کیا ہے وہ بھی
بے فائدہ ہے۔ نہ حضرت اپنی نسبت ہسٹیریا تسلیم کرتے ہیں۔ نہ حضرت مرزا
بشیر احمد صاحب ہسٹیریا کا ترجمہ مالیخولیا کرتے یا سمجھتے ہیں۔ پس مخالف کا

استدلال قطعاً باطل ہے۔ ڈاکٹر شاہنواز خانصاحب نے محولہ بالا رسالہ میں
طبی نقطۂ نگاہ سے ثابت کر دیا ہے۔ کہ حضرت مسیح موعودؑ کو قطعاً ہسٹیریا
نہ تھا۔ ہم نے جو انگریزی عبارتیں (Von Kremer) کی نقل کی
ہیں۔ ان میں وہ آنحضرت صلعم کی نسبت "Epilepsy" کا لفظ
استعمال کرتا ہے۔ اور لطف یہ کہ مولوی ثناء اللہ نے حضرت مسیح موعودؑ کی
نسبت "catalepsy" کا لفظ استعمال کیا ہے۔ اور انگریزی
ڈکشنری میں دونوں کا ترجمہ ایک ہی بنایا گیا ہے۔ تشابہت قلوبھم۔
نوٹ :۔ اسی کتاب کے ص ۱۸۵ و ص ۱۸۸ پر Von Kremer
(فان کریمر) نے آنحضرتؐ کی وفات کے متعلق ایسی گندی اور ناقابل بیان
فحش نویسی کی ہے۔ کہ ہم اسے یہاں انگریزی میں بھی نقل نہیں کر سکتے۔ ان
غیر احمدیوں کو جو حضرت مسیح موعودؑ کی وفات کے متعلق فحش کلامی کیا کرتے ہیں اس سے
سبق حاصل کرنا چاہیئے۔ وہ اسقدر دلآزار ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ کے متعلق
جو کچھ غیر احمدی کہا کرتے ہیں۔ وہ دسواں حصہ بھی اس تحریر کا دلآزار نہیں۔

مبہی دوائیاں

مرزا صاحب قوت باہ کی دوائیاں کھایا کرتے تھے۔

جواب :۔ قرآن مجید میں ہے "قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ" کہ کہہ دے
کہ میں تمہاری طرح کا ایک انسان ہوں۔ بوجہ بشریت تمام بشریت کے تقاضے
(جو گناہ نہ ہوں) انبیاء کے ساتھ ہوتے ہیں۔ کوئی نبی اس سے
مستثنیٰ نہیں۔ چنانچہ آنحضرت صلعم کے متعلق بھی اسی قسم کے واقعات ہیں :۔

(۱) حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ اپنی مشہور و معروف کتاب "کیمیائے سعادت" میں فرماتے ہیں "اور غرائب اخبار میں ہے۔ کہ حضور صلعم نے فرمایا کہ میں نے اپنے آپ میں ضعفِ شہوت دیکھا۔ تو جبرائیل نے مجھے ہریسہ کھانے کو کہا۔ اور اس کا سبب یہ تھا۔ کہ حضورؐ کی نو عورتیں تھیں۔ اور وہ تمام عالم پہ حرام ہو چکی تھیں۔ اور ان کی امید تمام جہان سے منقطع ہو چکی تھی"۔ (کیمیائے سعادت مترجم اردو ملک عنایت اللہؐ صاحب پروفیسر مشن کالج مطبوعہ دین محمدی پریس رکن سوم مہلکات میں اصل پیٹ اور شرمگاہ کی خواہش کے علاج میں ص۲۷)

نوٹ:۔ فارسی ایڈیشن مطبع نولکشور کے ص۲۷۵ پہ یہ روایت درج ہے

(۲) "ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہ ایک دن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرائیل سے اپنی قوت باہ کا شکوہ کیا۔ جبرائیل نے کہا تم ہریسہ کھایا کرو۔ کہ اس میں قوت چالیس مردوں کی رکھی ہے۔

(۳) انس بن مالک کہتے ہیں۔ کہ فرمایا حضرت نے کہ تم خضاب کیا کرو حنا کا۔ کہ حنا قوت باہ پیدا کرتی..... ان حدیثات کو غایت الاحکام والے نے بیان کیا ہے"۔ (طب نبوی شائع کردہ ملک دین محمد اینڈ سنز۔ ص۶)

(۴) تم لوگوں نے تو حضرت یحییٰ علیہ السلام کے متعلق اپنی تفاسیر میں لکھا ہے کہ وہ "حصور" تھے۔ ان معنوں میں کہ ان میں قوت باہ مطلقاً مفقود تھی" (اس سے زیادہ بیان کرنا۔ قرین مصلحت نہیں۔ خادم) (دیکھو تفسیر ابن کثیر تفسیر سورہ مریم زیر آیت سیداً وحصوراً)

(۵) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق لکھا ہے:۔ "وَكَانَ النِّسَاءُ وَالطِّيْبُ اَحَبَّ اِلَيْهِ وَكَانَ يَطُوْفُ عَلٰى نِسَائِهٖ فِى اللَّيْلَةِ الْوَاحِدَةِ وَكَانَ قَدْ اُعْطِىَ قُوَّةَ ثَلٰثِيْنَ فِى الْجِمَاعِ وَغَيْرِهٖ" (زاد المعاد جلد ۱ ص ۲۹ مطبع نظامی کانپور) کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بیویاں اور خوشبو بہت پیاری تھی۔ اور آپ اپنی سب بیویوں کے پاس ایک ہی رات میں ہو آیا کرتے تھے۔ اور حال یہ تھا۔ کہ آپ کو جماع وغیرہ کے لحاظ سے تیس ۳۰ مردوں کی قوت عطا ہوئی تھی۔

ٹانک وائن

مرزا صاحب نے حکیم محمد حسین صاحب قریشی مرحوم کی معرفت ٹانک وائن منگوائی؟

جواب:۔ ٹانک وائن شراب نہیں ہوتی۔ بلکہ ایک دوائی ہے جو مختلف قسم کی بیماریوں خصوصاً بچہ پیدا ہونے کے بعد زچہ کے لئے مفید ہے چنانچہ مشہور کتاب "Materia Medica" of pharmacautical Combinations and specialities" میں جو علم ادویہ و خواص الادویہ کی کتاب ہے "ٹانک وائن" کے متعلق لکھا ہے

"Restarative after child's birth, prophylactie against Malarial fevers, anaemia, anorexia"

(Page 197)

کہ ٹانک وائین بچہ کی ولادت کے بعد زچہ کی بحالی طاقت کے لئے مفید ہے۔ نیز ملیریا کے زہر کو زائل کرنے۔ اور کمی خون اور بھوک نہ لگنے کے لئے بھی مفید ہے۔

اب جب ہم حضرت اقدس کے محوّلہ خط کو جس میں ٹانک وائین کا ذکر ہوا ہے۔ پڑھتے ہیں۔ تو اس میں کہیں بھی حضور نے اس کے متعلق یہ نہیں لکھا۔ کہ میں نے اسے خود استعمال کرنا ہے۔ حضرت اقدس خاندانی حکیم بھی تھے۔ اور اکثر غریب بیماروں کو بعض اوقات نہایت قیمتی ادویہ اپنی گرہ سے دے دیا کرتے تھے۔ لہٰذا محض دوائی منگانے سے یہ نتیجہ نکالنا کہ اسے حضور نے خود استعمال فرمایا۔ انتہائی بُغض کا نتیجہ ہو۔

(۳) ہاں اس خط کے ساتھ ملحق خط میں حضرت اقدس نے اپنے گھر میں صاحبزادہ مرزا مبارک احمد کی ولادت کا ذکر فرما کر بعض دوائیں طلب فرمائی ہیں۔ پس ٹانک وائین بھی غالباً زچہ ہی کے لئے منگوائی گئی۔ کیونکہ یہ دوائی اسی موقعہ پہ استعمال کی جاتی ہے۔

پس اندریں حالات بلاوجہ زبانِ طعن دراز کرنا انتہائی بدبختی ہے۔ خصوصاً جبکہ ہم ثابت کر آئے ہیں۔ کہ یہ شراب نہیں بلکہ ایک دوائی کا نام ہے۔ اور اس کا مزید ثبوت یہ ہے۔ کہ یہ دوائی کسی شراب فروش کی دوکان سے نہیں ملتی۔ بلکہ انگریزی دوائی فروشوں کی دوکان پہ سے ملتی ہے۔

پس یہ ثابت ہے۔ کہ ٹانک وائین شراب نہیں بلکہ دوائی ہے

اور وہ دوائی بھی حضرت نے خود استعمال نہیں فرمائی۔ لیکن
غیر احمدیوں کے نزدیک تو خالص شراب کا استعمال بھی مندرجہ ذیل
صورتوں میں جائز ہے۔ ملاحظہ ہو:۔

(۱) "شراب میں تھوڑی سی ترشی آجائے تو پینا حلال ہے" (فتاویٰ ہندیہ ترجمہ
فتاویٰ عالمگیری مطبع نولکشور بار دوم ۱۹۰۱ء جلد ۴ صـ۲۶۰)

(۲) "گیہوں و جو۔ و شہد و جوار کی شراب حلال ہے" (عین الہدایہ
ترجمہ ہدایہ جلد ۴ صـ۳۹۸ مطبوعہ نولکشور بار اول ۱۸۹۶ء)

(۳) "چھوارے و منقیٰ کی شراب حلال ہے" (نوری ترجمہ قدوری صـ۲۲۳
مطبع مجتبائی دہلی بار دوم ۱۹۰۸ء) (۴) "جس نے شراب کے ۹ نو پیالے پیئے
اور نشہ نہ ہوا۔ اور پھر دسواں پیا اور نشہ ہوگیا۔ تو یہ دسواں پیالہ حرام
ہے۔ پہلے ۹ نو پیالے نہیں" (غایۃ الاوطار ترجمہ درّ مختار جلد ۴ صـ۲۶۴ مطبع
نولکشور بار چہارم ۱۹۱۰ء) (۵) "پیاسے کو شراب پینا ضرورتاً جائز ہے"
(غایۃ الاوطار ترجمہ درّ مختار جلد ۱ صـ۱۰۶) (۶) "جو گوشت شراب میں
پکایا گیا ہو۔ وہ تین بار جوش دینے اور خشک کرنے سے پاک ہو جاتا ہے"
(غایۃ الاوطار ترجمہ درّ مختار جلد ۱ صـ۱۵۷ و فتاویٰ ہندیہ ترجمہ فتاویٰ عالمگیری
صـ۵۶ جلد ۱ و صـ۴ ۱۳۳) (منقول از حقیقۃ الفقہ الموسومہ بہ
الاسم التاریخی افاضات الجدیدۃ۔ محبوب المطابع برقی پریس دہلی مصنفہ
الحاج الحافظ مولوی محمد یوسف صاحب جے پوری بر صفحات ۱۴۷/۱۴۸ و ۱۶۹/۱۷۰ حصہ اول

(۷) علاوہ ازیں شرح وقایہ میں لکھا ہے کہ "جو کوئی چیز مسکر مخلوط ہوئے

تو بنا بر مذہب امام صاحب درست ہے۔" (شرح وقایہ جلد ۴ صفحہ ۵۹
کتاب الاشربہ آخری سطر مترجم اردو موسومہ بہ نور الہدایہ مطبوعہ مطبع
نظامی کانپور) اور ظاہر ہے کہ دوائی کا نمک وان بھی مخلوط ہی کی صورت
زیادہ سے زیادہ ہو سکتی ہے۔ نہ اس سے زیادہ۔

(۸) پھر لکھا ہے:۔ (۱) شراب بقدر شکر کے حرام ہے۔ یہ مذہب امام
ابو حنیفہ رح کا ہے۔" (شرح وقایہ جلد چہارم اردو ترجمہ صفحہ ۵۷)

(ب) "اور جائز ہے سرکہ بنانا خمر کا۔" (نور الہدایہ ترجمہ اردو شرح وقایہ
جلد ۴ صفحہ ۵۸ سطر ۹)

(ج) "اسی طرح نبیذ کھجور کا یا انگور خشک کا جب تھوڑا سا پکا لیا
جائے۔ اگر چہ اس میں شدت ہو جائے۔ لیکن ان تینوں کا اس
مقدار تک پینا درست ہے۔ کہ نشہ نہ کرے۔ اور لہو و طرب
کے قصد سے نہ پئے۔ بلکہ قوت کے لئے استعمال کرے۔"
(نور الہدایہ جلد ۴ صفحہ ۵۸)

(د) "نسائی نے مثلث کی حلت کو حضرت عمر رض سے روایت کیا۔
امام صاحب کے نزدیک صرف آخر کا پیالہ ہے جس سے نشہ ہوا۔"
(نور الہدایہ ترجمہ اردو شرح وقایہ جلد ۴ صفحہ ۵۸)

(س) اور مکروہ ہے خمر (شراب) کی تلچھٹ کا پینا۔ اور اس کو
کنگھی میں مل کر بالوں کو لگانا۔ لیکن تلچھٹ کا پینے والا جب تک
مست نہ ہووے۔ تو اس کو حد نہ لگے گی۔" (ایضاً صفحہ ۵۹)

ریشمی کپڑے اور کستوری

مرزا صاحب نے اپنے ایک مرید کو لکھا کہ میری لڑکی مبارکہ کے لئے ریشمی کُرتا چاہیئے جسکی "قیمت چھ روپیے زائد نہ ہو۔ اور گوٹا لگا ہُوا ہو" (خطوط امام بنام غلام ص۵) نیز کستوری استعمال کیا کرتے تھے۔

جواب: کستوری کا استعمال ذیابیطس کی بیماری کے لئے بطور علاج کے تھا۔ اور ہم نے آج تک قرآن مجید۔ حدیث یا کسی دوسری فقہ کی کتاب میں یہ نہیں پڑھا کہ کستوری حرام ہے۔ قرآن مجید میں ہے۔ یَاأَیُّهَا الرُّسُلُ کُلُوا مِنَ الطَّیِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا (مومنون ع۳) کہ اے رسولو جو پاک چیزیں ہیں وہ کھاؤ۔ اور نیک کام کرو۔

باقی رہا مبارکہ کے لئے ریشمی کُرتا۔ اور گوٹہ لگا ہُوا۔ تو عورتوں کیلئے یہ دونو چیزیں اسلامی شریعت کی رُو سے حلال ہیں۔ ہاں اگر یہ اعتراض ہو کہ خدا کے محبوبوں کو اچھی پوشاکوں اور اچھے کھانوں سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ تو اس کا جواب سُن لو

(۱) "آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اکثر مشک اور عنبر استعمال کرتے تھے" (سیرت النبی شبلی نعمانی حصہ اول جلد ۲ ص۱۶۲)

(۲) ابوداؤد میں ہے کہ:۔ ایک صحابی پر کسی حروری نے اعتراض کیا۔ کہ تم نے قیمتی حُلہ کیوں پہنا۔ تو انہوں نے جواب میں کہا "میں نے آنحضرت صلعم کے جسم پر قیمتی لباس دیکھا ہے" (ابوداؤد ص۵۵۹)

(۳) حضرت سید عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ "پیرانِ پیر" جن کا دعویٰ ہے کہ "میں اپنے جدامجد کے قدم پر ہوں۔ نہ اٹھایا کوئی قدم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

نے کسی مقام سے کہ نہ رکھا میں نے اپنا قدم اس جگہ پر" (گلدستہ کرامات ص۹) نیز فرماتے ہیں کہ ھٰذَا وُجُوْدُ جَدِّیْ مُحَمَّدٍ لَا وُجُوْدُ عَبْدِ الْقَادِرِ" (گلدستہ کرامات ص۱۰) کہ یہ میرا وجود نہیں بلکہ میرے نانا آنحضرت صلعم کا وجود ہے۔ ان کے کپڑوں کی یہ کیفیت تھی۔

(الف) "جناب فیض مآب ملائک رکاب محبوب سبحانی قدس سرہ۔ نہایت مقبول وضع اور خوش پوشاک رہتے تھے۔ اور جسم مبارک کے کپڑے بھی ایسے بیش قیمت اور گراں بہا ہوتے تھے۔ کہ ایک گز کپڑا دس دینار کو خریدا جاتا تھا۔ بلکہ ایک دفعہ عمامہ کرامت شمامہ جناب غوثیہ کا ستر ہزار دینار کو خریدا گیا تھا۔"

(گلدستہ کرامات ص۱۱۲)

(ب) "جناب غوث الاعظم نعلین (جوتیاں) قَدَمَیْنِ شَرِیْفَیْنِ اپنے کی اس قدر بیش قیمت پہنا کرتے تھے کہ وہ نعلین یاقوت سرخ اور زمرد سبز سے مرصع ہوا کرتی تھیں۔ اور نیچے کے تلووں میں ان کے میخیں چاندی اور سونے کی جڑی ہوئی ہوتی تھیں۔ اور کبھی ایسا اتفاق نہیں ہوتا تھا۔ کہ آپ نے کوئی نعلین آٹھ دن سے زیادہ اپنے پائے مبارک میں پہنی ہوں۔"

(گلدستہ کرامات ص۱۱۲)

(ج) "اور کبھی کوئی پوشاک ایک روز سے زیادہ آپ کے بدن شریف پر نہیں رہتی تھی۔ اور سوداگر اور تجار اقالیم دور دراز سے پارچات عمدہ اور لباس ہائے بیش قیمت آپ کے واسطے لایا کرتے تھے .... اور اشیائے معطر سے آپ کو بہت شوق تھا۔ کہ ہنگام مصروفیت عبادت جسم مبارک اور لباس کو اس

قدر عطر لگایا جاتا تھا کہ تمام مکان عالیشان مدرسہ معطر ہو جاتا تھا۔ اور اکثر یہ شعر آپ کی زبان حق ترجمان پر رہتا تھا۔ ؎

ہزار بار بشویم دہن بعطر و گلاب ؎ ہنوز نام تو گفتن کمال بے ادبی است

(گلدستۂ کرامات ص۲۱)

لیکن باوجود اسکے حضرت مسیح موعودؑ کا لباس نہایت سادہ ہوتا تھا۔ جس کا تم بھی انکار نہیں کر سکتے۔

دن میں سو سو دفعہ پیشاب

مرزا صاحب نے اربعین میں لکھا ہے کہ مجھے دن میں بعض دفعہ سو سو دفعہ پیشاب آجاتا ہے۔ مرزا صاحب نماز کس وقت پڑھتے ہونگے؟

جواب:۔ نماز کے متعلق تمہیں اتنی فکر کی ضرورت نہیں کیونکہ حضرت مسیح موعودؑ نے اس کے ساتھ ہی ذکر فرمایا ہے ”وہ بیماری ذیابیطس ہے کہ ایک مدت سے دامنگیر ہے۔ اور بسا اوقات سو سو دفعہ رات کو یا دن کو پیشاب آتا ہے اور اس قدر پیشاب سے جس قدر عوارض ضعف وغیرہ ہوتے ہیں وہ سب میرے شامل حال رہتے ہیں اور بسا اوقات میرا یہ حال ہوتا ہے کہ نماز کے لئے جب زینہ پر چڑھ کر اوپر جاتا ہوں تو مجھے اپنی ظاہری حالت پر امید نہیں ہوتی ..... الخ (ضمیمہ اربعین ۳ و ۴ ص۵)

باقی رہا کثرت پیشاب اور اس پر ضحکہ! تو اس کے جواب میں ذرہ مندرجہ ذیل حوالہ پڑھ لو۔ حضرت پیران پیر سید عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق لکھا ہے:۔ کہ ”ایک دفعہ آپ کو کچھ خلل اسہال

کا ہوا۔ اور رات بھر میں باون مرتبہ اتفاق جانے بیت الخلاء کا عمل میں آیا ...... تو آپ نے باون مرتبہ ہی غسل تازہ کیا۔" (گلدستہ کرامات ص ۳۶)

(۲) عام طور پر حضرت کو ۱۵ مرتبہ دن میں پیشاب آتا تھا" (حقیقۃ الوحی ص ۳۶۶) (نسیم دعوت ص ۶۸)

تصویر کھنچوانا

مرزا صاحب نے فوٹو کھنچوائی۔ حالانکہ لکھا ہے کہ کُلُّ مُصَوِّرٍ فِی النَّارِ

جواب :۔ تمہارے پیش کردہ کلیہ میں سے تو خدا کا بھی استثناء نہیں کیا گیا۔ حالانکہ قرآن مجید میں ہے کہ وہ "اَلْمُصَوِّرُ" ہے جیسا کہ فرمایا۔ هُوَ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ" (حشر ع ۳ پ ۲۸)

(۲) قرآن شریف میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے محل کے متعلق لکھا ہے:۔ يَعْمَلُونَ لَهٗ مَا يَشَاءُ مِنْ مَّحَارِيبَ وَتَمَاثِيلَ وَجِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَقُدُورٍ رَّاسِيَاتٍ ۚ اِعْمَلُوْا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا" (سبا ع ۲ پ ۲۲)

اِن آیات کا ترجمہ تفسیر حسینی میں مندرجہ ذیل درج ہے:۔

"کام بناتے تھے جن سلیمانؑ کے واسطے جو چاہتے تھے سلیمانؑ۔ در۔ اور دالان اچھے اور دیواریں خوب ... اور بناتے تھے مورتیں اور فرشتوں اور انبیاء علیہم السلام کی صورتیں اس وضع پر جیسے کہ وہ عبادت کے وقت رہتے تھے۔ تاکہ لوگ ان تصویروں کو دیکھ کر اُسی صورت سے عبادت کریں .... اور بناتے تھے حضرت سلیمان کے واسطے لکڑی وغیرہ کے کاسے۔ بڑے حوضوں کے مثل اور دیگیں اونچی اونچی ...... کہا ہم نے کر نیک کام کرو اے آلِ داؤد! واسطے

شکر۔ ان نعمتوں کے کہ ثابت ہیں"۔ (تفسیر قادری المعروف تفسیر حسینی اردو جلد ۲ ص۲۷۹)

آیت مندرجہ بالا میں تصویروں کو خدا تعالیٰ کی قابلِ شکر "نعمت" قرار دیا گیا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ کسی بُری اور مذموم چیز کو نعمت قرار نہیں دیا جا سکتا۔

(۳) اسی طرح سورۃ بقرع ۳۳ کی آیت "اَنْ یَّاْتِیَکُمُ التَّابُوْتُ فِیْهِ سَکِیْنَةٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ" کی تفسیر میں لکھا ہے:۔ "تابوتِ سکینہ ایک صندوق تھا کہ سب انبیاء علیہم السلام کی تصویریں اس میں بنی ہوئی تھیں"۔

(تفسیر قادری مترجم اُردو تفسیر حسینی جلد ۱ ص۷۲)

(۴) تصویر کو ناجائز کہتے ہو لیکن تمہارا اپنا عمل یہ ہے کہ جیب میں انگریزی سکہ اور کرنسی نوٹ رکھ کے (جس میں بادشاہ کی تصویر ہوتی ہے) نماز پڑھنا جائز سمجھتے ہو۔ اصل بات یہ ہے کہ ممنوع فوٹو نہیں بلکہ تصویر سے مراد اُبھری ہوئی صورت یعنی بُت ہے۔

(۵) حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے خود اس اعتراض کا مفصل جواب ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم ص۱۹۲ پر تحریر فرمایا ہے وہاں سے دیکھا جائے۔

وفات

مرزا صاحب کی وفات ہیضہ سے ہوئی۔ سیرت مسیح موعود مؤلفہ حضرت مرزا محمود احمد صاحب کے آخری صفحہ پر لکھا ہے کہ وفات کے قریب آپ کو دست آئے۔

جواب: دستوں کا آنا ہیضہ کو مستلزم نہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو تو دستوں کی پرانی بیماری تھی۔ چنانچہ ۱۹۰۳ء میں یعنی اپنی وفات سے چھ سال قبل حضرت صاحب اپنی کتاب تذکرۃ الشہادتین ص۴۳ پر تحریر فرماتے ہیں

کہ مجھے دستوں کی پرانی بیماری ہے نیز الزامی جواب کے لئے۔ کتاب

"A Contribution to the Islamic Civilisation"

by Von Kremer

مصنفہ فان کریمر ص۱۸۵ پڑھو۔ (یہ کتاب پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں موجود ہے)

نبی جہاں فوت ہوتا ہے وہیں دفن ہوتا ہے

حدیث میں ہے مَا قُبِضَ نَبِیٌّ اِلَّا دُفِنَ حَیْثُ یُقْبَضُ مگر مرزا صاحب فوت لاہور میں ہوئے اور دفن قادیان میں۔

جواب:- (ا) یہ حدیث ضعیف ہے۔ کیونکہ اس کا راوی الحسین بن عبداللہ ہے جس کے متعلق لکھا ہے تَرَکَہٗ اَحْمَدُ بْنُ الْحَنْبَلُ وَعَلِیُّ ابْنُ الْمَدِیْنِیِّ وَالنَّسَائِیُّ وَقَالَ الْبُخَارِیُّ یُقَالُ اَنَّہٗ کَانَ یُتَّھَمُ بِالزَّنْدَقَۃِ (حاشیہ علامہ سندی برابن ماجہ ص۲۵۶ مصری) "یعنی امام احمد حنبل اور علی ابن المدینی اور نسائی نے اس راوی کو ترک کیا ہے اور بخاری نے کہا ہے کہ اس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ زندیق ہے۔

(ب) یہ حدیث کنز العمال میں بھی ہے۔ وہاں لکھا ہے لَمْ یُقْبَرْ نَبِیٌّ اِلَّا حَیْثُ یَمُوْتُ" (حم عن ابی بکر) وَفِیْہِ اِنْقِطَاعٌ (کنز العمال جلد ۶ ص۱۱۲) کہ نبی جہاں مرتا ہے وہیں قبر میں رکھا جاتا ہے۔ اس حدیث میں" انقطاع" ہے گویا ناقابلِ قبول ہے۔

(ج) وَقَدْ رُوِیَ اَنَّ الْاَنْبِیَاءَ یُدْفَنُوْنَ حَیْثُ یُقْبَضُوْنَ کَمَا رَوٰی ذَالِکَ ابْنُ مَاجَۃَ بِاِسْنَادٍ فِیْہِ حُسَیْنُ ابْنُ عَبْدِاللّٰہِ

الْهَاشِمِيُّ وَهُوَ اَضْعَفُ" (نیل الاوطار جلد ۲ صفحہ ۲۵) کہ مروی ہے کہ انبیاء جہاں فوت ہوں۔ وہیں مدفون بھی ہوتے ہیں۔ جیسا کہ ابن ماجہ نے اس کو روایت کیا ہے۔ اس سند سے جس میں حسین بن عبداللہ ہاشمی ہے۔ جو کہ اوّل درجہ کا ضعیف راوی ہے۔

(د) ملا علی قاری رح فرماتے ہیں "رَوَاہُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ غَرِيْبٌ وَفِيْ اِسْنَادِہٖ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ الْمُلَيْكِيْ يُضَعَّفُ" (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ) کہ اس حدیث کو ترمذی نے روایت کیا ہے۔ اور ساتھ ہی کہا ہے کہ حدیث غریب ہے۔ اور اسکی سند میں عبدالرحمن بن ملیکی ہے۔ جو ضعیف ہے۔

(۲) تم لوگ ایک حدیث پیش کیا کرتے ہو۔ کہ "يُدْفَنُ مَعِيْ فِيْ قَبْرِيْ" پس اگر یہ درست ہے۔ کہ نبی جہاں فوت ہوتا ہے۔ وہیں دفن ہوتا ہے تو بتاؤ کیا عیسیٰ علیہ السلام بوقتِ وفات آنحضرتؐ کے روضہ مبارک میں داخل ہو کر آنحضرتؐ کی قبر میں لیٹ جائیں گے؟

(۳) ایک حدیث بھی اس کی تردید کرتی ہے۔ ملا علی قاری فرماتے ہیں:۔ وَقَدْ جَاءَ اَنَّ عِيْسٰى يَمْكُثُ فِي الْاَرْضِ ... يَحُجُّ وَيَعُوْدُ فَيَمُوْتُ بَيْنَ مَكَّةَ وَالْمَدِيْنَةِ فَيُحْمَلُ اِلَى الْمَدِيْنَةِ فَيُدْفَنُ فِي الْحُجْرَةِ الشَّرِيْفَةِ" (مرقاۃ برحاشیہ مشکوٰۃ مجتبائی صفحہ ۵۱۵ کتاب الفتن) کہ ایک حدیث میں آتا ہے کہ عیسیٰ زمین میں اپنی عمر کا زمانہ گذار کر حج کرنے جائینگے اور پھر واپس آئینگے۔ اور مکہ اور مدینہ کے درمیان فوت ہونگے اور پھر وہاں سے مدینہ کیطرف اُن کو اٹھا کر لے جایا جائیگا۔ اور پھر آنحضرتؐ کے

حجرہ میں دفن کیا جائے گا۔

(۲) یہ روایت واقعات کے بھی خلاف ہے۔ "رُوِیَ اَنَّ یَعْقُوْبَ عَلَیْہِ السَّلَامُ مَاتَ بِمِصْرَ فَحُمِلَ اِلٰی اَرْضِ الشَّامِ مِنْ مِصْرَ وَمُوْسٰی عَلَیْہِ السَّلَامُ حَمَلَ تَابُوْتَ یُوْسُفَ بَعْدَ مَا اَتٰی عَلَیْہِ زَمَانٌ اِلٰی اَرْضِ الشَّامِ مِنْ مِصْرَ" (بحر الرائق شرح کنز الدقائق جلد ۲ ص۲۱ مصری۔ نیز روح البیان جلد ۱ ص۹ کہ روائت ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام مصر میں فوت ہوئے پس وہ مصر سے ارض شام کی طرف اٹھا کر لائے گئے۔ اور موسیٰ علیہ السلام حضرت یوسف علیہ السلام کا تابوت بہت مدت گزرنے کے بعد شام میں لائے (نیز شمائل ترمذی حاشیہ ع ص۲۵)

یُدْفَنُ مَعِیَ فِیْ قَبْرِیْ

الجواب۔ اس کا جواب حیات مسیح کے دلائل کے جواب میں آچکا ہے۔ ملاحظہ ہو کٹ بک ہذا ص۱۶۸۔

ورثہ

(۱) بخاری میں ہے۔ کہ نبیوں کا ورثہ نہیں ہوتا۔ مرزا صاحب کا ورثہ تھا۔

(۲) مرزا صاحب نے لڑکیوں کو ورثہ دینے کی تلقین مسلمانوں کو نہیں کی۔ اور نہ آپ کی لڑکیوں کو ورثہ ملا۔

پہلے سوال کا جواب:۔ اسی بخاری میں جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث انبیاء کے ورثہ کے متعلق ہے وہاں پر حضرت عائشہ صدیقہ رض کا ارشاد موجود ہے کہ "یُرِیْدُ نَفْسَہٗ" کہ آنحضرت صلعم کی مراد صرف اپنا وجود تھا باقی انبیاء کے ورثہ کے متعلق بیان کرنا مقصود نہ تھا۔

(ب) قرآن مجید سے ثابت ہے کہ انبیاء کا "ورثہ" تھا (۱) حضرت داؤدؑ علیہ السلام خدا کے نبی اور بادشاہ تھے۔ آپ کی وفات کے بعد آپ کے بیٹے حضرت سلیمان علیہ السلام اس تخت کے وارث ہوئے۔ اور آپ بھی نبی تھے۔ ان کے متعلق قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "وَوَرِثَ سُلَیْمٰنُ دَاوٗدَ (نمل ع۲) کہ حضرت سلیمان علیہ السلام وارث ہوئے حضرت داؤد کے۔

(۲) حضرت زکریاؑ نے خدا سے دعا کی۔ کہ اے خدا مجھے بیٹا عطا کر "یَرِثُنِیْ وَیَرِثُ مِنْ اٰلِ یَعْقُوْبَ" (مریم ع۱) کہ وہ بیٹا میرا اور یعقوب کے گھرانے کا وارث ہو۔

دوسرے سوال کا جواب:۔ تمہارا یہ کہنا کہ حضرت مسیح موعودؑ کی بیٹیوں کو ورثہ نہیں ملا۔ سفید جھوٹ ہے۔ کاغذات مال اس امر کے گواہ ہیں کہ حضرت اقدس کی دونوں بیٹیوں کو شریعت اسلام کے عین مطابق پورا پورا حصہ دیا گیا۔ اور وہ اپنے اپنے حصوں پر قابض ہیں۔ یونہی اپنے پاس سے گھڑ گھڑ کے جھوٹے اعتراض کرنے سے کیا فائدہ؟ نیز دیکھو کتاب حضرت مسیح موعودؑ کے کارنامے ص۱۱۔ باقی رہا یہ سوال کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مسلمانوں کو یہ تعلیم دی یا نہیں کہ لڑکیوں کو ورثہ دینا چاہیئے تو اس کا جواب ہے ہاں! مندرجہ ذیل حوالجات ملاحظہ ہوں۔

(۱) عام تعلیم کہ قرآن مجید کے تمام حکموں پر عمل کرو (کشتی نوح۔ ایام الصلح ص۸۶ ص۸۵)

(۲) خاص مسئلہ وراثت یا لڑکیوں کو حصہ دینے کے متعلق چشمہ معرفت ص۲۰۶

(ب) فاسقہ کے حق وراثت کے متعلق فتویٰ (بدر جلد ۶ نمبر ۹ ص۶ مورخہ ۲۸ فروری ۱۹۰۷ء) (فتاویٰ احمدیہ جلد ۲ ص۱۲۴)

** حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے اس قول کی تائید ہوئی کہ ... قرآن مجید سے

(ج) بیوی کی وفات پر مہر" شرعی حصص کے ساتھ تقسیم کیا جائے۔"

(فتاویٰ احمدیہ جلد ۲ ص ۱۲-۱۳)

(د) نیز دیکھو آریہ دھرم و مجموعہ اشتہارات ۱۸۸۸ء)

(۸) "ورثہ کے متعلق ... قرآن شریف نے مرد سے عورت کا حصہ نصف رکھا ہے اس میں بھید یہ ہے کہ نصف اس کو والدین سے ترکہ میں ملجاتا ہے۔ اور باقی نصف وہ اپنے سسرال میں سے جا لیتی ہے" (الحکم ۲۶ر مارچ ۱۹۰۸ء)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتب سے چند اقتباسات

۱۔ آریہ سماج کی ہلاکت کی پیشگوئی

(۱) "اور یہ خیال مت کرو۔ کہ آریہ یعنی ہندو دیانندی مذہب والے کچھ چیز ہیں۔ وہ صرف اس زنبور کی طرح ہیں جس میں بجز نیش زنی کے اور کچھ نہیں۔ وہ نہیں جانتے کہ توحید کیا چیز ہے؟ اور روحانیت سے سراسر بے نصیب ہیں۔ عیب چینی کرنا اور خدا تعالیٰ کے پاک رسولوں کو گالیاں دینا ان کا کام ہے۔ اور بڑا کمال ان کا یہی ہے کہ شیطانی وساوس سے اعتراضات کے ذخیرے جمع کر رہے ہیں۔ تقویٰ اور طہارت کی روح ان میں نہیں۔ یاد رکھو کہ بغیر روحانیت کے کوئی مذہب چل نہیں سکتا۔ اور مذہب بغیر روحانیت کے کچھ بھی چیز نہیں جس مذہب میں روحانیت نہیں اور جس مذہب میں خدا کے ساتھ مکالمہ کا تعلق نہیں اور صدق وصفا کی روح نہیں اور آسمانی کشش اس کے ساتھ نہیں اور فوق العادت تبدیلی کا نمونہ اس کے پاس نہیں وہ مذہب مردہ ہے۔ اس سے مت ڈرو۔ ابھی تم میں سے لاکھوں اور کروڑوں انسان

زندہ ہونگے کہ اس مذہب کو نابود ہوتے دیکھ لوگے۔ کیونکہ یہ مذہب آریہ کا زمین سے ہے نہ آسمان سے۔ اور زمین کی باتیں پیش کرتا ہے نہ آسمان کی پس تم خوش ہو اور خوشی سے اُچھلو کہ خدا تمہارے ساتھ ہے۔"

(تذکرۃ الشہادتین ص۶۵ مطبوعہ ۱۹۰۳ء)

زلازل کے متعلق عام پیشگوئی

"یاد رہے کہ خدا نے مجھے عام طور پر زلزلوں کی خبر دی ہے۔ پس یقیناً سمجھو کہ جیسا کہ پیشگوئی کے مطابق امریکہ میں زلزلے آئے۔ ایسا ہی یورپ میں بھی آئے۔ اور نیز ایشیا کے مختلف مقامات میں آئینگے۔ اور بعض ان میں قیامت کا نمونہ ہونگے۔ اور اس قدر موت ہوگی کہ خون کی نہریں چلینگی۔ اس موت سے پرند چرند بھی باہر نہیں ہونگے۔ اور زمین پر اس قدر تباہی کبھی نہیں آئی ہوگی۔ اور اکثر مقامات زیر و زبر ہو جائینگے کہ گویا ان میں کبھی آبادی نہ تھی۔ اور اس کے ساتھ اور بھی آفات زمین اور آسمان میں ہولناک صورت میں پیدا ہونگی۔ یہاں تک کہ ہر ایک عقلمند کی نظر میں وہ باتیں غیر معمولی ہو جائینگی۔ اور ہیئت فلسفی کی کتابوں کے کسی صفحہ پر ان کا پتہ نہیں ملیگا تب انسانوں میں اضطراب پیدا ہوگا کہ یہ کیا ہونے والا ہے؟ اور بہتیرے نجات پائینگے اور بہتیرے ہلاک ہو جائینگے وہ دن نزدیک ہیں بلکہ میں دیکھتا ہوں کہ دروازے پر ہیں۔ کہ دنیا ایک قیامت کا نظارہ دیکھے گی۔ اور نہ صرف زلزلے بلکہ اور بھی ڈرانے والی آفتیں ظاہر ہونگی۔ کچھ آسمان سے اور کچھ زمین سے۔ یہ اس لئے کہ نوعِ انسان نے خدا کی پرستش چھوڑ دی ہے۔ اور تمام دل اور تمام ہمت اور تمام خیالات سے دنیا پر ہی گر گئے ہیں۔ اگر میں نہ آیا ہوتا

تو ان بلاؤں میں کچھ تاخیر ہو جاتی۔ پر تیرے آنے کے ساتھ خدا کے غضب کے وہ مخفی ارادے جو ایک بڑی مدت سے مخفی تھے ظاہر ہو گئے۔ جیسا کہ خدا نے فرمایا ہے وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا۔ اور توبہ کرنیوالے امان پائینگے۔ اور وہ جو بلا سے پہلے ڈرتے ہیں۔ ان پر رحم کیا جائے گا۔ کیا تم خیال کرتے ہو کہ تم ان زلزلوں سے امن میں رہوگے یا تم اپنی تدبیروں سے اپنے تئیں بچا سکتے ہو؟ ہرگز نہیں۔ انسانی کاموں کا اس دن خاتمہ ہوگا۔ یہ خیال مت کرو کہ امریکہ وغیرہ میں سخت زلزلے آئے اور تمہارا ملک ان سے محفوظ ہے۔ میں تو دیکھتا ہوں کہ شاید ان سے زیادہ مصیبت کا منہ دیکھو گے۔

اے یورپ! تو بھی امن میں نہیں۔ اور اے ایشیا! تو بھی محفوظ نہیں اور اے جزائر کے رہنے والو! کوئی مصنوعی خدا تمہاری مدد نہیں کرے گا میں شہروں کو گرتے دیکھتا ہوں۔ اور آبادیوں کو ویران پاتا ہوں۔ وہ واحد یگانہ ایک مدت تک خاموش رہا۔ اور اسکی آنکھوں کے سامنے مکروہ کام کئے گئے۔ اور وہ چپ رہا۔ مگر اب وہ ہیبت کے ساتھ اپنا چہرہ دکھلائے گا۔ جس کے کان سننے کے ہوں سنے کہ وہ وقت دور نہیں۔ میں نے کوشش کی کہ خدا کی امان کے نیچے سب کو جمع کروں۔ پر ضرور تھا کہ تقدیر کے نوشتے پورے ہوتے۔ میں سچ سچ کہتا ہوں۔ کہ اس ملک کی نوبت بھی قریب آتی جاتی ہے۔ نوحؑ کا زمانہ تمہاری آنکھوں کے سامنے آجائے گا۔ اور لوطؑ کی زمین کا واقعہ تم بچشم خود دیکھ لوگے۔ مگر خدا غضب میں

دیکھتا ہے۔ توبہ کرو۔ تا تم پر رحم کیا جائے۔ جو خدا کو چھوڑتا ہے۔ وہ ایک کیڑا ہے نہ کہ آدمی اور جو اس سے نہیں ڈرتا وہ مردہ ہے نہ کہ زندہ"
(حقیقۃ الوحی ص۲۵۶ و ص۲۵۷)

عالمگیر جنگ ۲ و ۳ کی پیشگوئی

"ایسا ہی یاجوج ماجوج کا حال بھی سمجھ لیجئے! یہ دونوں پرانی قومیں ہیں جو پہلے زمانوں میں کھلے طور پر غالب نہیں ہو سکیں اور ان کی حالت میں ضعف رہا۔ لیکن خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ آخری زمانہ میں یہ دونوں قومیں خروج کرینگی یعنی اپنی جلالی قوت کے ساتھ خروج کرینگی جیسا کہ سورۃ کہف میں فرماتا ہے وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَمُوجُ فِي بَعْضٍ یعنی یہ دونوں قومیں دوسروں کو مغلوب کرکے پھر ایک دوسرے پر حملہ کرینگی اور جسکو خدا تعالیٰ چاہے گا فتح دیگا۔ چونکہ ان دونوں قوموں سے مراد انگریز اور روس ہیں اس لئے ہر ایک سعادت مند مسلمان کو دعا کرنی چاہیئے کہ اسوقت انگریزوں کی فتح ہو" (ازالہ اوہام مطبوعہ ۱۸۹۷ء حصہ دوم ص۵۰۹)

(۲) "ہر ایک قوم اپنے مذہب کی حمایت میں اُٹھے گی اور جس طرح ایک موج دوسری موج پر پڑتی ہے ایک دوسرے پر حملہ کرینگے اتنے میں آسمان پر قرنا پھونکی جائے گی یعنی آسمان کا خدا مسیح موعود کو مبعوث فرما کر ایک تیسری قوم پیدا کر دے گا اور ان کی مدد کے لئے بڑے بڑے نشان دکھلائے گا یہاں تک کہ تمام سعید لوگوں کو ایک مذہب یعنی اسلام پر جمع کر دے گا۔ اور وہ مسیح کی آواز سنیں گے اور اسکی طرف دوڑیں گے

تب ایک ہی چوپان اور ایک ہی گلہ ہوگا۔ اور وہ دن بڑے سخت ہونگے
اور خدا ہیبت ناک نشانوں کے ساتھ اپنا چہرہ دکھلائے گا۔"

(براہین احمدیہ حصہ پنجم صفحہ ۱۰۵ نیز دیکھو صفحہ ۹۰ براہین پنجم)

مسئلہ وفات مسیح کے متعلق پیشگوئی

"ہر ایک مخالف یقین رکھے۔ کہ اپنے وقت پر وہ جان کندن کی حالت تک پہنچے گا۔ اور مریگا مگر حضرت عیسٰی کو آسمان سے اُترتے نہیں دیکھے گا۔ یہ بھی میری ایک پیشگوئی ہے جسکی سچائی کا ہر ایک مخالف اپنے مرنے کے وقت گواہ ہوگا جس قدر مولوی اور مُلاں ہیں۔ اور ہر ایک اہل عناد جو میرے مخالف کچھ لکھتا ہے۔ وہ سب یاد رکھیں۔ کہ اس اُمید سے وہ نامُراد مریں گے کہ حضرت عیسٰی کو آسمان سے اُترتے دیکھ لیں وہ ہرگز ان کو اُترتے نہیں دیکھیں گے یہاں تک کہ بیمار ہو کر غرغرہ کی حالت تک پہنچ جائینگے۔ اور نہایت تلخی سے اس دُنیا کو چھوڑینگے۔ کیا یہ پیشگوئی نہیں۔ کیا وہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ پوری نہیں ہوگی؟ ضرور پوری ہوگی۔ پھر اگر ان کی اولاد ہوگی۔ تو وہ بھی یاد رکھیں۔ کہ اس طرح وہ بھی نامراد مرینگے اور کوئی شخص آسمان سے نہیں اُترے گا۔ اور اگر پھر اولاد کی اولاد ہوگی۔ تو وہ بھی اس نامرادی سے حصہ لینگے۔ اور کوئی ان میں سے حضرت عیسٰی کو آسمان سے اُترتے نہیں دیکھے گا۔"

(ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم صفحہ ۱۹۷)

"ذاتی تجربہ"

"چونکہ ہر ایک شخص کی حالت ہمارے سامنے ہے اس لئے ہم اپنے ذاتی تجربہ کی بنا پر کہہ سکتے ہیں کہ جن لوگوں نے ہمارے

مقابل پر تقویٰ کو ضائع کیا۔ اور راستی سے دشمنی کی۔ وہ نہایت خطرناک حالت میں ہیں۔ اور اگر وہ اس بد سیرت میں اور بھی ترقی کریں اور رفتہ رفتہ کھلے کھلے طور پر قرآن مجید سے مُنہ پھیر لیں تو اُن سے کیا تعجب ہے۔"

(ایام الصلح صفحہ ۸۳ وایڈیشن ۱۳۱۹ھ صفحہ ۹۲)

اہلبیت حضرت مسیح موعودؑ کی پاکیزگی

"سو چونکہ خدا تعالیٰ کا وعدہ تھا کہ میری نسل میں سے ایک بڑی بنیاد حمایت اسلام کی ڈالے گا۔ اور اس میں سے وہ شخص پیدا کرے گا۔ جو آسمانی رُوح اپنے اندر رکھتا ہوگا۔ اس لئے اس نے پسند کیا کہ اس خاندان (خاندان میر ناصر نواب صاحب) کی لڑکی میرے نکاح میں لاوے اور اس سے وہ اولاد پیدا کرے جو ان نوروں کو جن کی میرے ہاتھ سے تخمریزی ہوئی ہے دُنیا میں زیادہ سے زیادہ پھیلاوے۔ اور یہ عجیب اتفاق ہے کہ جس طرح سادات کی دادی کا نام شہر بانو تھا اسی طرح میری یہ بیوی جو آئندہ خاندان کی ماں ہوگی اس کا نام نصرت جہاں بیگم ہے۔ یہ تفاول کے طور پر اس بات کی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے کہ خدا نے تمام جہان کی مدد کے لئے میرے آئندہ خاندان کی بُنیاد ڈالی ہے۔ یہ خدا تعالیٰ کی عادت ہے کہ کبھی ناموں میں بھی اس کی پیشگوئی مخفی ہوتی ہے۔" (تریاق القلوب تقطیع کلاں صفحہ ۶۵ وشائع کردہ بکڈپو صفحہ ۲۹ و نزول المسیح صفحہ ۱۴۶)

(ب) "مجھے اس الہام میں ایک نئی بیوی کا وعدہ دیا۔ اور اس الہام میں اشارہ تھا کہ وہ تیرے لئے مبارک ہوگی۔ اور تو اس کے لئے مبارک ہوگا۔ اور مریم

کی طرح اس سے تجھے پاک اولاد دی جائے گی۔ سو جیسا کہ وعدہ دیا گیا تھا ویسا ہی ظہور میں آیا۔" (تریاق القلوب تقطیع کلاں ص۴۳ و خورد ص۴۱)

(ج) "یاد رہے کہ یہ شخص (بٹالوی) بد گوئی میں حد سے بڑھ گیا ہے ..... گندی تحریریں میری نسبت اور میرے اہل بیت آل رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت اس شیخ بے ادب تیز مزاج نے سراسر ظلم اور ناحق پسندی کی خصلت سے اشاعت السنہ میں شائع کی ہیں ..... میں یقین رکھتا ہوں کہ ہر ایک شریف جس کی فطرت میں نقص نہ ہو۔ اور جس کے نیک گوہر میں کوئی کھوٹ نہ ہو اور جس کے نجیب الطرفین ہونے میں کچھ خلل نہ ہو۔ وہ کبھی اس بات پر راضی نہیں ہو گا کہ معزز شرفا کے بارے میں اور سادات کی شان میں اور ان پاکدامن خاتونوں کی نسبت جو خاندان نبوت میں سے اور اہلبیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سے ہیں ایسی گندی کتابیں اور ناپاکی سے بھرے افترا منہ پر لاوے۔" (تریاق القلوب تقطیع کلاں ص۸۶ خورد ص۱۱۱)

(د) "جن عظیم الشان لوگوں کو بڑے بڑے عظیم ذمہ داریوں کے کام ملتے ہیں اور بعض اوقات خدا تعالیٰ سے علم پا کر خضر کی طرح ایسے کام بھی ان کو کرنے پڑتے ہیں جن سے ایک کوتہ بین شخص کی نظر میں وہ قابل ملامت ٹھیرتے ہیں۔ ان کے دشمنوں کی باتوں کی طرف دیکھ کر ہرگز بدظن نہیں ہونا چاہیئے کیونکہ اندھے دشمنوں نے کسی نبی اور رسول کو اپنی نکتہ چینی سے مستثنیٰ نہیں رکھا۔ مثلاً وہ موسیٰ مرد خدا جس کی نسبت توراۃ میں آیا ہے کہ وہ زمین کے تمام باشندوں سے زیادہ تر حلیم اور امین ہے مخالفوں نے ان پر یہ اعتراض کئے ہیں کہ گویا وہ نعوذ باللہ نہایت درجہ کا سخت دل اور خوفی انسان تھا ..... ایسا ہی حضرت مسیح پر بھی ان کے دشمنوں نے اعتراض

کیا ہے کہ وہ تقوی کے پابند نہ تھے.... ایسا ہی عیسائیوں نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عفت اور تقویٰ اور امانت پر اعتراض کیا ہے.... اور ایسا ہی روافض نے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی عفت اور امانت اور دیانت اور عدالت پر انواع و اقسام کے عیب لگائے ہیں.... اور ایسا ہی خوارج حضرت علیؓ کو فاسق قرار دیتے ہیں۔ تو اس جگہ طبعاً یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جبکہ صدیق کے لئے تقویٰ اور امانت اور دیانت شرط ہے تو.... کیوں خدا نے ان کے حالات کو عوام میں مشتبہ کر دیا؟.... حالانکہ دنیا میں بہت سے ایسے لوگ بھی پائے جاتے ہیں کہ نہ رسول ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں نہ نبی ہونے کا۔ اور نہ اپنے تئیں ولی اور امام اور خلیفۃ المسلمین کہلاتے ہیں لیکن با ایں ہمہ کوئی اعتراض ان کے چال چلن اور زندگی پر نہیں ہوتا۔ تو اس سوال کا جواب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے ایسا کیا کہ تا اپنے خاص مقبولوں اور محبوبوں کو بدبخت شتابکاروں سے جن کی عادت بدگمانی ہے مخفی رکھے۔ جیسا کہ خود وجود اس کا اس قسم کی بدظنی کرنے والوں سے مخفی ہے.... وہ قصہ جو قرآن شریف میں حضرت آدم صفی اللہ کی نسبت مذکور ہے.... اپنے اندر یہ پیشگوئی مخفی رکھتا ہے کہ اہلِ کمال کی ہمیشہ نکتہ چینی ہوا کرے گی۔ خدا تعالیٰ نے اسی غرض سے خضر کا قصہ بھی قرآن شریف میں لکھا ہے تا لوگوں کو معلوم ہو کہ ایک شخص ناحق خون کرے اور یتیموں کے مال کو عمداً نقصان پہنچا کر پھر خدا کے نزدیک برگزیدہ ہے۔ ہاں اس سوال کا جواب دینا باقی رہا کہ اس طرح پر ایمان اُٹھ جاتا ہے۔ اور شریر انسانوں کے لئے ایک بہانہ ہاتھ آ جاتا ہے.... اس اشکال کا جواب یہی ہے کہ

ایسے اعتراضات صرف بدظنی سے پیدا ہوتے۔ اگر کوئی حق کا طالب اور متقی طبع ہے تو اس کے لئے مناسب طریق یہ ہے کہ ان کاموں پر اپنی رائے ظاہر نہ کرے جو متشابہات ہیں اور بطور شاذ و نادر ہیں کیونکہ شاذ و نادر میں کئی وجوہ پیدا ہو سکتے ہیں۔ ۔۔۔۔ اور نہیں جانتے کہ یہ متشابہات کا پہلو جو شاذ و نادر کے طور پر پاک لوگوں میں پایا جاتا ہے یہ شریر انسانوں کے امتحان کے لئے رکھا گیا ہے اگر خدا تعالیٰ چاہتا تو اپنے پاک بندوں کا طریق اور عمل ہر ایک پہلو سے ایسا صاف اور روشن دکھلاتا کہ شریر انسان کو اعتراض کی گنجایش نہ ہوتی۔ مگر خدا نے ایسا نہ کیا تا وہ خبیث طبع انسانوں کا خبث ظاہر کرے۔ نبیوں اور رسولوں اور اولیاء کے کارناموں میں ہزارہا نمونے ان کی تقویٰ اور طہارت اور امانت و دیانت اور صدق اور پاس عہد کے ہوتے ہیں۔ اور خدا تعالیٰ کی تائیدات انکی پاک باطنی کی گواہ ہوتی ہیں لیکن شریر انسان ان نمونوں کو نہیں دیکھتا اور بدی کی تلاش میں رہتا ہے آخر ۔۔۔ ہلاکت کی راہ اختیار کر کے جہنم تک پہنچتا ہے۔"

(تریاق القلوب حاشیہ صفحہ ۱۲۴ تا صفحہ ۱۲۵ تقطیع کلاں و صفحہ $\frac{۲۸۹}{۲۵}$ تقطیع خورد)

(۳) "اس اندھی دنیا میں جس قدر خدا کے ماموروں اور نبیوں اور رسولوں کی نسبت نکتہ چینیاں ہوتی ہیں اور جس قدر انکی شان اور انکے اعمال کی نسبت اعتراض اور بدگمانیاں ہوتی ہیں ۔۔۔۔ وہ دنیا میں کسی کی نسبت نہیں ہوتیں۔ اور خدا نے ایسا ہی ارادہ کیا ہے تا انکو بدبخت لوگوں کی نظر سے مخفی رکھے اور وہ انکی نظر میں محل اعتراض ٹھہر جائیں۔ کیونکہ وہ ایک دولت عظمیٰ ہیں اور دولت عظمیٰ کو نااہلوں سے پوشیدہ رکھنا بہتر ہے۔ اسی وجہ سے خدا تعالیٰ ان کو جو شقی ازلی ہیں

اس برگزیدہ گروہ کی نسبت طرح طرح کے شبہات ڈالدیتا ہے۔ تا وہ دولتِ قبول سے محروم رہ جائیں۔ یہ سنت اللہ ان لوگوں کی نسبت ہے جو خدا تعالیٰ کی طرف سے امام اور رسول اور نبی ہو کر آتے ہیں...... پس چونکہ تہمتوں کا معقولی طور پر جواب دینا ایک نظری امر تھا۔ اور نظری امور کا فیصلہ مشکل ہوتا ہے اور تاریک طبع لوگ اس سے تسلی نہیں پکڑتے۔ اس لئے خدا تعالیٰ نے نظری راہ کو اختیار نہیں کیا اور نشانوں کی راہ اختیار کی۔ اور اپنے نبیوں کی بریت کے لئے اپنے تائیدی نشانوں اور عظیم الشان نصرتوں کو کافی سمجھا۔ کیونکہ ہر ایک غبی اور پلید بھی بآسانی سمجھ سکتا ہے کہ اگر وہ گروہ نعوذ باللہ ایسے ہی نفسانی آدمی اور مفتری اور ناپاک طبع ہوتے تو ممکن نہ تھا کہ ان کی نصرت کے لئے ایسے بڑے بڑے نشان دکھائے جاتے۔" (براہین احمدیہ حصہ پنجم ص۴۷)

(نما) "حضرت موسیٰ پر بھی زنا کی تہمت لگ گئی تھی" (تریاق القلوب طبع اول ص۵۴ حاشیہ وطبع ثانی ص۱۹۱ حاشیہ)

"حضرت موسیٰ پر الزام لگانے والے بھی اسرائیلی ہی تھے"

(براہین احمدیہ پنجم ص۹۶)

کئی بڑے ہیں جو چھوٹے کئے جائیں گے

"میں دیکھتا ہوں کہ ابھی تک ظاہری بیعت کرنے والے بہت ایسے ہیں کہ نیک ظنی کا مادہ بھی ہنوز ان میں کامل نہیں اور ایک کمزور بچہ کی طرح ہر ایک ابتلا کے وقت ٹھوکر کھاتے ہیں اور بعض بدقسمت ایسے ہیں کہ شریر لوگوں کی باتوں سے جلد متاثر ہو جاتے ہیں۔ اور بدگمانی کی طرف ایسے دوڑتے ہیں جیسے کتا مردار

کی طرف۔ پس میں کیونکر کہوں کہ وہ حقیقی طور پر بیعت میں داخل ہیں۔ مجھے وقتاً فوقتاً ایسے آدمیوں کا علم بھی دیا جاتا ہے مگر اذن نہیں دیا جاتا کہ انکو مطلع کروں۔ کئی چھوٹے ہیں جو بڑے کئے جائینگے اور کئی بڑے ہیں جو چھوٹے کئے جائیں گے۔ پس مقام خوف ہے۔" (براہین احمدیہ حصہ پنجم صفحہ ۹۴)

(ش) "مولوی محمد علی صاحب کو رؤیا میں کہا آپ بھی صالح تھے اور نیک ارادے رکھتے تھے۔ آؤ ہمارے ساتھ بیٹھ جاؤ۔"

(بدر یکم اگست سنہ ۱۹۰۴ء تذکرہ صفحہ ۵۱۸)

(ص) "آپ کے ساتھ انگریزوں کا نرمی کے ساتھ ہاتھ تھا۔ اسی طرف خدا تعالیٰ تھا جو آپ تھے آسمان پر دیکھنے والوں کو ایک رائی برابر غم نہیں ہوتا۔" (اربعین نمبر ۳ صفحہ ۳۵ تذکرہ صفحہ ۳۱۷)

مخالفین سے خطاب اور اپنے دعوےٰ پر استقامت | چھٹا

"گالیاں دو جس قدر چاہو۔ اور ایذا اور تکلیف دہی کے منصوبے سوچو جس قدر چاہو۔ اور میرے استیصال کے لئے ہر قسم کی تدبیریں اور مکر سوچو جس قدر چاہو۔ پھر یاد رکھو۔ کہ عنقریب خدا تمہیں دکھلا دیگا کہ اس کا ہاتھ غالب ہے۔" (اربعین صفحہ ۴)

(ب) "دُنیا مجھ کو نہیں پہچانتی۔ مگر وہ مجھ کو جانتا ہے۔ جس نے مجھے بھیجا ہے۔ یہ ان لوگوں کی غلطی اور سراسر بدقسمتی ہے کہ میری تباہی چاہتے ہیں۔ میں وہ درخت ہوں جس کو مالک حقیقی نے اپنے ہاتھ سے لگایا ہے۔ اے لوگو! تم یقیناً سمجھ لو کہ میرے ساتھ وہ ہاتھ ہے جو اخیر وقت تک میرے ساتھ وفا کریگا

اگر تمہارے مرد اور تمہاری عورتیں اور تمہارے جوان اور تمہارے بوڑھے اور تمہارے چھوٹے اور تمہارے بڑے۔ سب ملکر میرے ہلاک کرنے کیلئے دعائیں کریں۔ یہاں تک کہ سجدہ کرتے کرتے تمہارے ناک گھس جائیں اور ہاتھ شل ہو جائیں تب بھی خدا ہرگز تمہاری دعا نہیں سُنے گا۔ اور نہیں رُکے گا۔ جب تک کہ وہ اپنے کام کو پورا نہ کرلے۔ پس اپنی جانوں پر ظلم مت کرو۔ کاذبوں کے اور مُنہ ہوتے ہیں۔ اور صادقوں کے اور۔ اور خدا کسی امر کو فیصلہ کے بغیر نہیں چھوڑتا۔ جس طرح خدا نے پہلے ماموروں اور مُنکرین میں ایک دن فیصلہ کر دیا۔ اسی طرح وہ اب بھی فیصلہ کریگا۔" "خدا کے ماموروں کے آنے کے لئے بھی ایک موسم ہوتے ہیں۔ اور پھر جانے کے لئے بھی ایک موسم۔ پس یقیناً سمجھو کہ میں نہ بے موسم آیا ہوں اور نہ بے موسم جاؤں گا۔ خدا سے مت لڑو۔ یہ تمہارا کام نہیں کہ مجھے تباہ کردو" (ضمیمہ تحفہ گولڑویہ ص۱۳)

(ج) "مخالف لوگ عبث میں اپنے تئیں تباہ کر رہے ہیں۔ میں وہ پودا نہیں ہوں۔ کہ ان کے ہاتھ سے اکھڑ سکوں۔ اگر ان کے پہلے اور ان کے پچھلے اور ان کے زندے اور ان کے مردے تمام جمع ہو جائیں۔ اور میرے مارنے کے لئے دعائیں کریں۔ تو میرا خدا اُن تمام دعاؤں کو لعنت کی شکل میں بنا کر ان کے مُنہ پر مارے گا۔ دیکھو صدہا دانشمند آدمی آپ لوگوں کی جماعت میں سے نکل کر ہماری جماعت سے ملتے جاتے ہیں۔ آسمان پر ایک شور برپا ہے اور فرشتے پاک دلوں کو کھینچ کر اس طرف لا رہے ہیں۔ اب اس آسمانی کارروائی کو کیا انسان روک سکتا ہے۔ بھلا اگر کچھ طاقت ہے تو روکو۔ وہ

تمام مکر و فریب۔ جو نبیوں کے مخالف کرتے رہے ہیں وہ سب کرو۔ اور کوئی تدبیر اُٹھا نہ رکھو ناخنوں تک زور لگاؤ۔ اتنی بددعائیں کرو۔ کہ موت تک پہنچ جاؤ۔ پھر دیکھو کہ کیا بگاڑ سکتے ہو؟ خدا کے آسمانی نشان بارش کی طرح برس رہے ہیں مگر بدقسمت انسان دُور سے اعتراض کرتے ہیں۔ جن دلوں پر مہریں ہیں۔ ان کا ہم کیا علاج کریں۔ اے خدا! تو اس اُمت پر رحم کر"! (ضمیمہ اربعین ۳ ص ۲)

(د) "اگرچہ ایک فرد بھی ساتھ نہ رہے۔ اور سب چھوڑ چھاڑ کر اپنا اپنا راہ لیں۔ تب بھی مجھے کچھ خوف نہیں۔ میں جانتا ہوں۔ کہ خدا تعالیٰ میرے ساتھ ہے اگر میں پیسا جاؤں اور کچلا جاؤں اور ایک ذرے سے بھی حقیر تر ہو جاؤں اور ہر ایک طرف سے ایذا اور گالی اور لعنت دیکھوں تب بھی میں آخر فتحیاب ہوں گا۔ مجھ کو کوئی نہیں جانتا۔ مگر وہ جو میرے ساتھ ہے۔ میں ہرگز ضائع نہیں ہو سکتا۔ دشمنوں کی کوششیں عبث ہیں۔ اور حاسدوں کے منصوبے لاحاصل۔ اے نادانو! اور اندھو! مجھ سے پہلے کون صادق ضائع ہوا۔ جو میں ضائع ہو جاؤں گا۔ کس سچے وفادار کو خدا نے ذلت کے ساتھ ہلاک کر دیا۔ جو مجھے ہلاک کرے گا۔ یقیناً یاد رکھو اور کان کھول کر سنو کہ میری رُوح ہلاک ہونے والی رُوح نہیں۔ اور میری سرشت میں ناکامی کا خمیر نہیں مجھے وہ ہمت اور صدق بخشا گیا ہے جس کے آگے پہاڑ ہیچ ہیں میں کسی کی پرواہ نہیں کرتا۔ میں اکیلا تھا اور اکیلا رہنے پر ناراض نہیں۔ کیا خدا مجھے چھوڑ دے گا۔ کبھی نہیں چھوڑے گا۔ کیا وہ مجھے ضائع کر دے گا؟ کبھی نہیں ضائع کرے گا۔ دشمن ذلیل ہونگے اور حاسد شرمندہ! اور

خدا اپنے بندے کو ہر میدان میں فتح دیگا۔ میں اس کے ساتھ۔ وہ
وہ میرے ساتھ ہے۔ کوئی چیز ہمارا پیوند توڑ نہیں سکتی۔ اور مجھے
اس کی عزت اور جلال کی قسم ہے کہ مجھے دنیا اور آخرت میں اِس سے
زیادہ کوئی چیز بھی پیاری نہیں کہ اُس کے دین کی عظمت ظاہر ہو۔ اس کا
جلال چمکے اور اس کا بول بالا ہو۔ کسی ابتلا سے اس کے فضل کے ساتھ
مجھے خوف نہیں۔ اگرچہ ایک ابتلا نہیں کروڑ ابتلا ہوں۔ ابتلاؤں کے
میدان میں اور دکھوں کے جنگل میں مجھے طاقت دی گئی ہے۔ ؎

من نہ آنستم کہ روزِ جنگ بینی پشتِ من ٭ آں منم کاندر میانِ خاک و خوں بینی سرے

پس اگر کوئی میرے قدم پر چلنا نہیں چاہتا۔ تو مجھ سے الگ ہو جائے
مجھے کیا معلوم ہے کہ ابھی کون کون سے ہولناک جنگل اور پُرخار بادیہ
درپیش ہیں جن کو میں نے طے کرنا ہے۔ پس جن لوگوں کے نازک پیر
ہیں۔ وہ کیوں میرے ساتھ مصیبت اٹھاتے ہیں۔ جو میرے ہیں وہ
مجھ سے جُدا نہیں ہو سکتے۔ نہ مصیبت سے نہ لوگوں کے سب و شتم
سے نہ آسمانی ابتلاؤں اور آزمایشوں سے۔ اور جو میرے نہیں۔ وہ
عبث دوستی کا دم مارتے ہیں۔ کیونکہ وہ عنقریب الگ کئے جائیں گے
اور اُنکا پچھلا حال ان کے پہلے سے بدتر ہوگا۔ کیا ہم زلزلوں سے
ڈر سکتے ہیں؟ کیا ہم خدا تعالیٰ کی راہ میں ابتلاؤں سے خوفناک
ہو جائیں گے؟ کیا ہم اپنے پیارے خدا کی کسی آزمایش سے جُدا ہو سکتے
ہیں؟ ہرگز نہیں ہو سکتے۔ مگر محض اسکے فضل اور رحمت سے۔ پس جو جدا

ہونے والے ہیں۔ جُدا ہو جائیں۔ ان کو وداع کا سلام!"

(انوار الاسلام ص ۲۱/۲۲)

(ذ) "ہائے یہ قوم نہیں سوچتی کہ اگر یہ کاروبار خدا کی طرف سے نہیں تھا تو کیوں عین صدی کے سر پر اس کی بنیاد ڈالی گئی۔ اور پھر کوئی بتلا نہ سکا کہ تم جھوٹے ہو۔ اور سچا فلاں آدمی ہے۔" (اربعین)

(س) "مجھے اس خدائے کریم کی قسم ہے۔ جو جھوٹ کا دشمن اور مفتری کا نیست و نابود کرنے والا ہے کہ مَیں اسی کی طرف سے ہوں اور اس کے بھیجنے سے عین وقت پر آیا ہوں۔ اور اُس کے حکم سے کھڑا ہوا ہوں اور وہ میرے ہر قدم میں میرے ساتھ ہے اور وہ مجھے ضائع نہیں کریگا۔ اور نہ میری جماعت کو تباہی میں ڈالیگا جبتک وہ اپنے تمام کام کو پُورا نہ کر لے جس کا اس نے ارادہ کیا ہے۔" (اربعین ۳ جلد ۲)

"یہ سلسلہ آسمان . . . سے قائم ہوا ہے۔ تم خدا سے مت لڑو۔ تم اس کو نابود نہیں کر سکتے۔ اس کا ہمیشہ بول بالا ہے . . . اپنے نفسوں پر ظلم مت کرو اور اس سلسلہ کو بے قدری سے نہ دیکھو جو خدا کی طرف سے تمہاری اصلاح کیلئے پیدا ہوا اور یقیناً سمجھو کہ اگر یہ کاروبار انسان کا ہوتا اور کوئی پوشیدہ ہاتھ اسکے ساتھ نہ ہوتا تو یہ سلسلہ کب کا تباہ ہو جاتا اور ایسا مفتری ایسی جلدی ہلاک ہو جاتا کہ اب اسکی ہڈیوں کا بھی پتہ نہ ملتا۔ اپنی مخالفت کے کاروبار میں نظر ثانی کرو۔ کم سے کم یہ تو سوچو کہ شاید غلطی ہو گئی ہو۔ اور شاید یہ لڑائی تمہاری خدا سے ہو۔" (اربعین ۳ ص ۲۰)۔

"اگر یہ علماء موجود نہ ہوتے تو اب تک تمام باشندے اس ملک کے جو مسلمان کہلاتے ہیں مجھے قبول کر لیتے۔ پس تمام منکروں کا گناہ ان لوگوں کی گردن پر ہے۔ یہ لوگ راستبازی کے محل میں نہ تو خود داخل ہوتے ہیں نہ کم فہم لوگوں کو داخل ہونے دیتے ہیں۔ کیا کیا مکر ہیں جو کر رہے ہیں۔ اور کیا کیا منصوبے ہیں جو اندر ہی اندر ان کے گھروں میں ہو رہے ہیں مگر کیا وہ خدا پر غالب آجائینگے۔ اور کیا وہ اس قادر مطلق کے ارادہ کو روک دینگے۔ جو تمام نبیوں کی زبانی ظاہر کیا گیا ہے۔ وہ اس ملک کے شریر امیروں اور بدقسمت دولتمند دنیاداروں پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ مگر خدا کی نظر میں وہ کیا ہیں؟ صرف مرے ہوئے کیڑے۔" (تذکرۃ الشہادتین صہ ۶۴)

"مجھے ایسی حالت سے ہزار دفعہ مرنا بہتر ہے کہ وہ جو اپنے حسن و جمال کے ساتھ میرے پر ظاہر ہوا ہے۔ میں اُس سے برگشتہ ہو جاؤں۔ یہ دُنیا کبتک اور یہ دُنیا کے لوگ مجھ سے کیا وفاداری کرینگے۔ تا میں اِن کیلئے اُس یارِ عزیز کو چھوڑ دوں . . . مجھے ڈراتے ہیں اور دھمکیاں دیتے ہیں۔ لیکن مجھے اُس عزیز کی قسم ہے جس کو میں نے شناخت کر لیا ہے کہ میں اِن لوگوں کی دھمکیوں کو کچھ بھی چیز نہیں سمجھتا۔ مجھے اُس کے ساتھ غم بہتر ہے بہ نسبت اِسکے کہ دوسرے کے ساتھ خوشی۔ مجھے اس کے ساتھ موت بہتر بہ نسبت اِسکے کہ اس کو چھوڑ کر لمبی عمر ہو جس طرح آپ لوگ دن کو دیکھکر رات نہیں کہہ سکتے اسی طرح وہ نور جو مجھے دکھایا گیا۔ میں اس کو تاریکی نہیں خیال کر سکتا۔" (براہین احمدیہ حصہ پنجم صہ ۱۳۱) "مخالف یہ چاہتے ہیں

کہ میں نابود ہو جاؤں اور ان کا کوئی ایسا داؤ چل جائے کہ میرا نام و نشان نہ رہے۔ مگر وہ ان خواہشوں میں نامراد رہینگے اور نامرادی سے مرینگے اور بہتیرے ان میں سے ہمارے دیکھتے دیکھتے مر گئے۔ اور قبروں میں حسرتیں لے گئے۔ مگر خدا میری تمام مرادیں پوری کریگا۔ یہ نادان نہیں جانتے کہ جب میں اپنی طرف سے نہیں۔ بلکہ خدا کی طرف سے اس جنگ میں مشغول ہوں تو میں کیوں ضائع ہونے لگا۔ اور کون ہے جو مجھے نقصان پہنچا سکے۔" (براہین احمدیہ حصہ پنجم صـ ۱۳۹)

حضرات انبیاء علیہم السلام پر غیر احمدی علمائے بہتانات

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے تو یہ لوگ دشمن ہیں اسلیئے اگر انکے متعلق قابل شرم باتیں کہیں تو معذور ہیں۔ مگر ان انبیاءؑ کی نسبت بھی جن کو یہ خود مانتے ہیں۔ یہ لوگ شرارت سے باز نہیں آتے۔ یہاں تک کہ تمام نبیوں کے سردار آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم جن کی اُمت ہونے کا یہ دعویٰ کرتے اور جن کا کلمہ پڑھتے ہیں۔ ان پر بھی الزامات لگاتے وقت اُنہیں شرم نہیں آتی۔

۱۔ حضرت ابراہیمؑ کے تین جھوٹ۔ اس کا ذکر کذبات میں آچکا ہے۔ "لَمْ يَكْذِبْ اِبْرَاهِيْمُ فِيْ شَيْءٍ اِلَّا فِيْ ثَلَاثٍ"۔ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ (ترمذی جلد ۲ صـ ۱۴۶ مجتبائی۔ نیز مطبع احمدی ترمذی جلد ۲ صـ ۱۶۳ و بخاری جلد ۲ صـ ۱۴۶)

۲۔ حضرت آدم علیہ السلام۔ حضرت آدم علیہ السلام نے شرک کیا۔ (تفسیر محمدی زیر آیت فَلَمَّا اٰتٰهُمَا۔ اعراف رکوع ۲۴۔ جلالین و معالم التنزیل)

"جب حوا علیہا السلام حاملہ ہوئیں۔ تو ابلیس ایک نامعلوم صورت پر حوا

علیہا السلام کے سامنے ظاہر ہوا۔ اور بولا۔ کہ تیرے پیٹ میں کیا چیز ہے حوّا علیہا السلام بولیں کہ مجھے نہیں معلوم۔ ابلیس نے کہا۔ شاید منہ یا کان یا نتھنے سے نکلے یا تیرا پیٹ پھاڑ کر نکالیں۔ حضرت حوّا ڈریں اور یہ ماجرا حضرت آدم علیہ السلام سے بیان کیا۔ حضرت آدم علیہ السلام بھی خوفناک ہوئے۔ پھر ابلیس دوسری صورت پہ انکے سامنے ظاہر ہوا۔ اور انکے رنج کا سبب پوچھا۔ ان دونوں نے حال بیان کیا۔ ابلیس بولا کہ رنج نہ کرو۔ میں اسم اعظم جانتا ہوں اور مستجاب الدعوات ہوں۔ خدا سے دعا کرتا ہوں کہ اس حمل کو تمہارے شکل خوبصورت اور درست خلقت کرے۔ اور آسانی کے ساتھ یہ تیرے پیٹ سے نکلے۔ بشرطیکہ اس کا نام عبدالحارث رکھو۔ اور ابلیس کا نام ملائکہ میں حارث تھا۔ حوّا علیہا السلام نے اس کا یہ فریب مان لیا۔ پھر جب عطا کیا خدا نے ان کو فرزند صالح جسم و تندرست اور حوّا نے واسطے خدا کے ایک شرکت والا۔ نام میں شریک کیا عبادت میں نہیں۔ یعنی عبداللہ کے بدلے عبدالحارث نام رکھا۔" (تفسیر قادری موسومہ بہ تفسیر حسینی جلد اصفحہ ۱۷۳ آخری سطر مترجم)۔

۳۔ حضرت یوسف علیہ السلام "وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ قَصَدَتْ مُخَالَطَتَهٗ وَهَمَّ بِهَا قَصَدَ مُخَالَطَتَهَا لِمَيْلِ الطَّبْعِ وَالشَّهْوَةِ الْغَيْرِ الْاِخْتِيَارِيْ" (بانع البیان ص۲۰۳ دجلالین مع کمالین ص۱۹۰ مجتبائی) کہ اس عورت (زلیخا) نے حضرت یوسفؑ سے زنا کا ارادہ کیا اور حضرت یوسفؑ نے بھی

نعوذ باللہ اسکے ساتھ میلان طبع اور شہوت غیر اختیاری کے باعث زنا کا ارادہ کیا۔

۴۔ حضرت داؤد علیہ السلام:۔ "لِتَنْبِيْهِ دَاؤُدَ عَلَيْهِ السَّلَامُ عَلٰى مَا وَقَعَ مِنْهُ وَكَانَ لَهٗ تِسْعٌ وَتِسْعُوْنَ اِمْرَءَةً وَطَلَبَ اِمْرَءَةَ شَخْصٍ لَيْسَ لَهٗ غَيْرُهَا وَتَزَوَّجَهَا وَدَخَلَ بِهَا" (جلالین مع کمالین ص۳۷۹) کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو تنبیہ کی۔ اس وجہ سے کہ حضرت داؤد کی ۹۹ بیویاں تھیں۔ انہوں نے ایک اور شخص (جس کے پاس صرف ایک ہی بیوی تھی) سے اسکی بیوی لیکر خود نکاح کر لیا۔

۵۔ حضرت سلیمان علیہ السلام:۔ "وَذٰلِكَ لِتَزَوُّجِهٖ اِمْرَاَةً هَوَاهَا اَحَبَّهَا" (جلالین مجتبائی ص۳۸۰) کہ خدا حضرت سلیمانؑ سے ناراض ہوا۔ کیونکہ انہوں نے ایک عورت کو اپنی بیوی بنالیا۔ جس سے آپ کو عشق ہو گیا تھا۔ (نیز دیکھو تفسیر معالم تنزیل تفسیر محمدی۔ سورۃ ص وجامع البیان)

۶۔ حضرت ادریس علیہ السلام۔ جھوٹ بول کر جنت میں داخل ہو گئے۔ مگر پھر واپس نہ نکلے۔ (معالم التنزیل و تفسیر محمدی زیر آیت "وَرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا" (مریم ع ۴)

(۷) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم:۔ "زَيْنَبُ وَذٰلِكَ اَنَّهٗ رَاٰهَا بَعْدَ مَا اَنْكَحَهَا بِزَيْدٍ فَوَقَعَ فِيْ نَفْسِهٖ وَقَالَ سُبْحَانَ اللّٰهِ مُقَلِّبُ الْقُلُوْبِ وَسَمِعَتْ زَيْنَبُ بِتَسْبِيْحِهٖ وَذَكَرَتْ لِزَيْدٍ فَوَقَعَ فِيْ نَفْسِهٖ كَرَاهَةَ صُحْبَتِهَا۔ قَالَ مَارَاَيْتَ مِنْهَا قَالَ وَاللّٰهِ مَارَاَيْتُ مِنْهَا اِلَّا خَيْرًا وَلٰكِنَّهَا لِتَشَرُّفِهَا" (تفسیر بیضاوی جلد ۴ ص۱۶۳ تفسیر سورۃ احزاب) کہ یہ آیت (اَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ) زینبؓ کے متعلق ہے اور وہ اس طرح سے کہ

ایک دفعہ آنحضرت صلعم نے زینب کو دیکھا۔ اس کے بعد کہ آپ نے زینب کا نکاح زید کے ساتھ کر دیا ہوا تھا۔ پس آپ کے دل میں (نعوذ باللہ) زینب کا عشق ہو گیا۔ اور آپ نے فرمایا "سُبْحَانَ اللّٰہِ مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ" کہ پاک ہے وہ اللہ جو دلوں کو پھیر دیتا ہے۔ زینب رضؓ نے آپکی یہ تسبیح سُن لی اور زید سے ذکر کر دیا۔ پس زید کے دل میں زینب کے ساتھ صحبت کے متعلق کراہت پیدا ہو گئی۔ اور وہ آنحضرت صلعم کے پاس آیا۔ اور آکر کہا کہ میں اپنی بیوی سے علیحدہ ہونا چاہتا ہوں۔ آنحضرت نے پوچھا کیا تجھ کو اس میں کوئی عیب نظر آتا ہے۔ زید نے کہا۔ بخدا نہیں۔ اس میں مجھے کوئی گناہ نظر نہیں آیا۔ یہ تو محض حضرت زینب کے شرف اور عظمت کی وجہ سے ہے۔ آنحضرتؐ نے یہ سنکر فرمایا۔ کہ اپنی بیوی کو اپنے پاس رکھ۔

(ب) "قَالَ مُقَاتِلُ اَنَّہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَتٰی زَیْدًا یَوْمًا فَطَلَبَہٗ فَاَبْصَرَ زَیْنَبَ نَائِمَۃً وَّکَانَتْ بَیْضَاءَ جَمِیْلَۃً جَسِیْمَۃً مِّنْ اَتَمِّ نِسَاءِ قُرَیْشٍ"۔ (کمالین برحاشیہ جلالین صفحہ ۳۵۳ مجتبائی) کہ مقاتل نے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلعم ایک دن زید کے گھر گئے اور وہاں پر زینب رضؓ کو سوئے ہوئے دیکھا۔ اور وہ گوری حسین اور جسیم تھی قریش کی تمام حسین ترین عورتوں میں سے۔

(ج) آنحضرت صلعم کو (نعوذ باللہ) شیطانی الہام ہوا:۔ "قَدْ قَرَءَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ سُوْرَۃِ النَّجْمِ بِمَجْلِسٍ مِّنْ قُرَیْشٍ بَعْدَ اَفَرَاَیْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰی وَمَنٰوۃَ الثَّالِثَۃَ الْاُخْرٰی" بِاِلْقَاءِ الشَّیْطَانِ عَلٰی لِسَانِہٖ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

مِنْ غَيْرِ عِلْمٍ بِهٖ "تِلْكَ الْغَرَانِيْقُ الْعُلٰى وَاِنَّ شَفَاعَتَهُنَّ
لَتُرْتَجٰى، فَفَرِحُوْا بِذٰلِكَ" (جلالین مجتبائی ص۲۸۲) کہ آنحضرت
صلے اللہ علیہ وسلم نے مشرکین قریش کی ایک مجلس میں سورۃ النجم کی آیات
"اَفَرَاَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى" کے آگے القائے شیطانی سے
لاعلمی میں یہ پڑھ دیا "تِلْكَ الْغَرَانِيْقُ الْعُلٰى" کہ یہ تینوں بت بڑی
عظمت اور شان والے ہیں اور قیامت کو بھی انکی شفاعت کی اُمید رکھنی
چاہیئے۔ بتوں کی یہ تعریف سُنکر مشرک بہت خوش ہوئے۔ اسکے آگے
لکھا ہے کہ جبرائیلؑ آئے۔ اُنہوں نے آنحضرت صلعم کو بتایا کہ یہ الہام الٰہی
نہیں۔ بلکہ شیطانی القا تھا۔ اِس روایت کی سند کے متعلق مندرجہ ذیل
حوالہ کافی ہے "نَبَّهَ عَلٰى ثُبُوْتِ اَصْلِهَا شَيْخُ الْاِسْلَامِ اَبُوْحَاتِمٍ
الْحَافِظُ الْكَبِيْرُ اِبْنُ حَافِظِ الشَّهِيْرِ (والطبری) مُحَمَّدُ بْنُ
جَرِيْرٍ (وَابْنُ الْمُنْذِرِ" وَمِنْ طرق عن شعبة) عَنْ ابی بشر
جَعْفَرِ ابْنِ اِيَاسٍ عَنْ سَعِيْدِ ابْن . . . قَالَ قَرَءَ رَسُوْلُ اللّٰهِ
صَلْعَمْ بِمَكَّةَ وَالنَّجْمِ فَلَمَّا بَلَغَ الخ" (زرقانی شرح مواہب اللدنیہ
جلد ۱ ص۳۲۷)۔ (د) آنحضرت صلعم پر جادو چل گیا "سُحِرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى كَانَ يُخَيَّلُ اِلَيْهِ اَنَّهٗ كَانَ يَفْعَلُ
الشَّيْءَ وَمَا فَعَلَهٗ" (بخاری جلد ۴ ص۱۲و۱۳) کہ آنحضرت صلعم مسحور ہو گئے
یہاں تک کہ ان کو خیال ہوتا تھا کہ میں نے فلاں کام کیا ہے۔ حالانکہ انہوں
نے وہ کام کیا نہیں ہوتا تھا۔

۸۔ صحابہ کی توہین۔ مسجد نبوی میں (آیت حجاب) کے نازل ہونے سے پہلے ایک خوبصورت سفید رنگ کی عورت نماز پڑھنے کیلئے آئی۔ تو صحابی بے اختیار ہوکر اسکو تاڑنے لگے جو پچھلی صف میں تھے ان کی خواہش تھی کہ آگے آجائیں۔ اور جو اگلی صف میں تھے وہ اُس سمت میں ملنے کیلئے پیچھے آنا چاہتے تھے۔ پھر نماز شروع ہوئی۔ تو اگلی صف والے صحابی جب رکوع میں جاتے تھے تو اپنی بغلوں کے نیچے سے اس عورت کو دیکھتے تھے۔ اسپر سورۃ حجر ع۲ کی یہ آیت نازل ہوئی کہ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَقْدِمِيْنَ مِنْكُمْ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَأْخِرِيْنَ کہ ہم اگلوں کو بھی جانتے ہیں اور پچھلوں کو بھی۔ یہ حدیث مستدرک میں بھی ہے اور اس کے آگے لکھا ہے۔ "هٰذَا حَدِيْثٌ صَحِيْحُ الْاِسْنَادِ" (مستدرک جلد ۲ صفحہ ۳۵۳ مطبوعہ حیدرآباد) راوی نوح بن قیس قال الذهبی۔ صحیحٌ۔ هُوَ صَادِقٌ۔ خَرَجَ لَهٗ مُسْلِمٌ۔ کہ راوی نوح بن قیس ثقہ اور سچا ہے اور اس سے مسلم نے روایت لی ہے۔ (حاشیہ مستدرک جلد ۲ صفحہ ۳۵۳)

(ب) "عمر بن عذبہ رضی اللہ عنہ خرمے بیچتے تھے۔ ایک عورت خوبصورت خرمے مول لینے آئی۔ تو اس سے کہا کہ میرے گھر کے اندر بہت خوب خرمے ہیں۔ جب وہ عورت گھر کے اندر آئی۔ تو عمر بن عذبہ نے اس کا بوسہ لے لیا۔ اور فوراً نادم ہوکر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس شریف میں حاضر ہوئے اور در گذرا ہوا حال عرض کیا۔ تو یہ آیت نازل ہوئی إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ۔ (سورۃ ہود ع۱۰ پارہ ۱۲) (دیکھو تفسیر قادری موسومہ بہ تفسیر حسینی مترجم اردو صفحہ ۴۸ جلد ۱)۔

(ج) پھر لکھا ہے :- " قریش کا قافلہ بہت اسباب لئے ہوئے شام سے پھرا اور ابوسفیان اور بعضے رؤسائے عرب اس قافلے کے سردار تھے۔ جبرائیل علیہ السلام آئے اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی۔ اور آپ نے مسلمانوں سے یہ حال بیان کیا۔ قافلہ میں بہت بہت مال اور تھوڑے آدمی ہونے کے سبب سے مائل ہوئے۔ کہ راہ پر چل کر **قافلہ مارلیں**۔ پھر اسی قصد سے مدینہ سے نکلے "۔ (تفسیر حسینی جلد ا صـ۳۵۷ زیر آیت کما اخرجك ربك۔ (سورۃ انفال ع ا پ ۹)

(د) جنگ بدر کے ذکر میں سورۃ انفال رکوع ۲ کی پہلی آیت " اِذْ يُغَشِّيكُمُ النُّعَاسَ اَمَنَةً مِّنْهُ " کی تفسیر میں لکھا ہے :-

" حق تعالے نے صحابہ پر اونگھ غالب کر دی۔ اور اس نیند میں اکثر صحابہ کو احتلام ہو گیا۔ صبح ہی شیطان ملعون نے وسوسہ دینا شروع کیا۔ کہ تم لوگوں کو نماز پڑھنی چاہیئے۔ اور بعضے بے وضو ہو۔ بعضے نجس اور پانی تمہارے پاس ہے نہیں۔ ... حق تعالیٰ نے برمحل پانی برسا دیا۔ چنانچہ فرماتا ہے۔ " وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّيُطَهِّرَكُمْ بِهٖ "

(تفسیر قادری موسومہ بہ تفسیر حسینی جلد ا صـ۳۵۹)

چار سوال اہلِ پیغام سے

اہلِ پیغام کا عقیدہ ہے۔ کہ حضرت مسیح موعودؑ نبی اور رسول نہ تھے۔ اور یہ کہ حضرت مسیح موعودؑ کی کتب میں جو اپنی نسبت نبوت غیر تشریعی کا دعویٰ پایا جاتا ہے۔ اس سے مراد صرف محدثیت اور مجددیت ہے۔ نہ کہ نبوت۔ کیونکہ آنحضرت صلعم کے بعد نبوت کا دروازہ بند ہے۔ اس پر ہماری طرف سے چار لاینحل سوالات ہیں۔ جو مختلف مواقع پر کئے جا رہے ہیں۔

(۱) یہ کہ حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں "شریعت والا نبی کوئی نہیں آسکتا اور بغیر شریعت کے نبی ہو سکتا ہے۔" (تجلیات الٰہیہ صفحہ ۲۵)

اس حوالہ سے صاف طور پر ثابت ہوا۔ کہ "نبوت تشریعی" اور "نبوت غیر تشریعی" آپس میں نقیضین ہیں جن کا اجتماع کسی صورت میں ممکن نہیں۔ گویا دوسرے لفظوں میں یوں کہنا چاہیئے۔ کہ نبوت تشریعی اور نبوت غیر تشریعی کا کسی ایک شخص میں ایک ہی وقت میں جمع ہونا غیر ممکن ہے۔ پس جو شخص تشریعی نبی ہوگا۔ اس کے لئے ممکن نہیں۔ کہ اس کے ساتھ ہی وہ غیر تشریعی نبی بھی ہو۔ پس اگر اہلِ پیغام کے عقیدہ کے مطابق "غیر تشریعی نبی" سے مراد مجدد اور محدث لی جائے۔ تو نتیجہ یہ نکلے گا کہ تشریعی نبی مجدد یا محدث نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ تشریعی نبوت نقیض ہے غیر تشریعی نبوت کی۔ اور غیر تشریعی نبوت سے مراد ہے مجددیت اور

محدثیت بقول اہل پیغام - پس تشریعی نبوت نقیض ہوئی مجددیت اور محدثیت
کی - دونوں چیزوں کا ایک وقت میں اجتماع محال اور غیر ممکن ٹھہرا نتیجہ
صاف ہے - کہ تشریعی نبی کا مجدد یا محدث ہونا محال ہے - حالانکہ حضرت مسیح
موعودؑ کی کتب سے صاف طور پر ثابت ہے - کہ ہر تشریعی نبی محدث بھی ہوتا
ہے اور مجدد بھی - اور اسطرح سے مجددیت اور محدثیت ہمیشہ تشریعی نبی کے
ساتھ جمع ہوتی ہیں - جیسا کہ حضرت مسیح موعودؑ نے آنحضرت صلعم (جو تشریعی
نبی تھے) کی نسبت تحریر فرمایا ہے:-

"پس ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اظہار سچائی کے لئے ایک مجددِ
اعظم تھے" (لیکچر سیالکوٹ صفحہ ۴)

پس اگر اہل پیغام کے خیال کے مطابق غیر تشریعی نبوت سے مراد مجددیت
اور محدثیت لی جائے تو اجتماع نقیضین لازم آتا ہے جو محال ہے - اور
جو مستلزم محال ہو - وہ بھی محال اور باطل ہوتا ہے - پس غیر تشریعی نبوت
سے مراد مجددیت اور محدثیت لینا علمی اور عقلی طور پر محال اور باطل ہے
فَتَدَبَّرُوْا يٰۤاَيُّهَا الْعَاقِلُوْنَ - پس ماننا پڑے گا - کہ غیر تشریعی نبوت
سے مراد ہرگز ہرگز مجددیت اور محدثیت نہیں ہے - بلکہ اس سے وہ
نبوت مراد ہے - جو بغیر کتاب کے ہو - اور یہ ظاہر ہے کہ ایک نبی ایک ہی
وقت میں شریعت لانے والا اور نہ لانے والا نہیں ہو سکتا - پس ثابت
ہوا کہ حضرت مسیح موعودؑ کا مقام حضور کی اپنی تحریرات کی رو سے مجددیت
اور محدثیت کے اوپر والا مقام ہے - جو مقام نبوت ہے - وَهُوَ الْمُرَاد -

یہ ایک علمی سوال ہے۔ جو سالہا سال سے غیر مبایع مبلغین اور مناظرین کے سامنے پیش ہوتا رہا ہے۔ مگر وہ اس کا کوئی حل نہیں کر سکے۔

(۲) حضرت مسیح موعودؑ تحریر فرماتے ہیں " خدا تعالے نے اس مسیح کو بھیجا۔ جو پہلے مسیح سے اپنی شان میں بہت بڑھ کر ہے " (ریویو جلد ۱ صفحہ ۲۷۸ بحوالہ حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۴۸) اس حوالہ میں حضرت مسیح موعودؑ نے مسیح ناصری پر اپنی کُلّی فضیلت کا دعویٰ کیا ہے۔ اس کے متعلق ہمارا اہل پیغام سے سوال یہ ہے۔ کہ (۱) کیا ایک غیر نبی کو نبی پر" کُلّی فضیلت" ہو سکتی ہے؟ جواب مع حوالہ اور عبارت ہونا چاہیئے۔ (۲) اس ضمن میں خاص طور پر قابل غور امر یہ ہے۔ کہ ایک نبی کی سب سے بڑی شان " شان نبوت" ہی ہوتی ہے۔ باقی تمام شانیں اس کے بعد بلکہ اس کے ماتحت ہوتی ہیں۔ پس یہ تو ممکن ہے۔ کہ کسی غیر نبی کو نبی پر جزوی فضیلت حاصل ہو۔ مگر یہ ممکن نہیں کہ ایک غیر نبی (جس کو شان نبوت ملی ہی نہیں) وہ ایک نبی پر شانِ نبوت میں بھی صرف بڑھ کر ہی نہ ہو بلکہ " بہت بڑھ کر ہو"؟ تو دوسرا سوال اس حوالہ کے متعلق یہ ہے کہ اگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام " نبی" نہیں تھے۔ تو آپ حضرت مسیح ناصری سے " شان نبوت" میں کیونکر بڑھ کر ہیں؟ ہاں ایک بات جواب دیتے وقت مدِ نظر رکھنی لازمی ہے۔ اور وہ یہ کہ حضرت مسیح موعودؑ نے حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۴۹ میں یہ تسلیم فرمالیا ہے۔ کہ محولہ بالا عبارت میں حضرت مسیح ناصری پر جزوی فضیلت سے بڑھ کر آپ کو دعویٰ ہے۔ اس لئے اس عبارت کا کوئی ایسا مفہوم بیان کرنے کی

کوشش کرنا جس سے صرف جزوی فضیلت کا دعویٰ نکلتا ہو حضرت مسیح موعودؑ کی تشریح کے صریح خلاف ہوگا۔ اور اس لئے ناقابل قبول۔

اس ضمن میں یہ بھی مدنظر رہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مسیح ناصری پر اپنی فضیلت کو آیت "تِلْکَ الرسل فضلنا بعضھم علیٰ بعض" کے ماتحت قرار دیا ہے۔ (حقیقۃ الوحی ص۱۵۲)

نیز آپ نے "فطرتی استعدادوں کے لحاظ سے بھی اپنے آپ کو مسیح سے افضل قرار دیا ہے۔" (حقیقۃ الوحی ص۱۵۳)

"کارناموں" کے لحاظ سے اپنے آپ کو افضل بنایا ہے۔
(حقیقۃ الوحی ص۱۵۵)

پھر "جلال اور قوی نشانوں" کے لحاظ سے بھی اپنے آپ کو افضل قرار دیا ہے۔ (حقیقۃ الوحی ص۱۵۱)

پھر "معارف" اور "معرفت" میں بھی مسیح پر اپنی فضیلت بتائی ہے
حقیقۃ الوحی ص۱۵۱ و ص۱۵۲)

اور یہ بھی حضور نے فرمایا ہے۔ کہ "میرے دل پر جو خدا تعالےٰ کی تجلی ہوئی وہ مسیح پر نہیں ہوئی"۔ (حقیقۃ الوحی ص۱۵۳)

غرضیکہ نبوت کے تمام اجزاء میں آپ مسیح ناصری سے افضل ہیں۔ حضور نے نزول المسیح حاشیہ ص۳ تا ص۶ پر اپنے آپ میں

"شانِ نبوت"

بھی تسلیم فرمائی ہے غرضیکہ مسیح ناصری پر کلی فضیلت حضور کی "نبوت" کا

ناقابلِ تردید ثبوت ہے۔

تیسرا سوال:۔ وہی وزنی پتھر ہے۔ جو پچھلے تیس سال سے اہل پیغام کے مقاصد مذمومہ کے آگے سدِ راہ ہے۔ اور جس کو باوجود ایڑی چوٹی کا زور لگانے کے ہلا تک نہیں سکے یعنی **حقیقۃ الوحی کا صفحہ ۳۹۱**۔

"غرض اس حصۂ کثیر وحی الٰہی اور امور غیبیہ میں اس امت میں سے میں ہی ایک فرد مخصوص ہوں۔ اور جس قدر مجھ سے پہلے اولیاء اور ابدال اور اقطاب اس امت میں سے گذر چکے ہیں۔ اور ان کو یہ حصۂ کثیر اس نعمت کا نہیں دیا گیا۔ پس اس وجہ سے **نبی کا نام پانے کے لیے میں ہی مخصوص کیا گیا**۔ اور دوسرے تمام لوگ اس کے مستحق نہیں۔ کیونکہ کثرتِ وحی اور کثرت امورِ غیبیہ اس میں شرط ہے۔ اور وہ شرط ان میں پائی نہیں جاتی"

اس عبارت کے متعلق ہمارا سوال یہ ہے۔ کہ اگر حضرت مسیح موعودؑ کی بعد کی تحریرات میں بمطابق اشتہار فروری ۱۸۹۲ء نبی بمعنی محدث ہی ہے اور ۱۹۰۱ء کی بعد کی تحریرات میں بجائے نبی کے لفظ کے محدث کا لفظ سمجھ جانا ہے۔ تو حقیقۃ الوحی صفحہ ۳۹۱ کی مندرجہ بالا عبارت میں "نبی" کی بجائے "محدث" کا لفظ لگا کر عبارت کا مفہوم شائع فرمائیں۔ جو ہر اہل انصاف کی عقل کے مطابق یہ ہے نکلا۔ کہ ۱۳۰۰ سال میں محدث کا نام پانے کے لئے صرف حضرت مسیح موعود علیہ السلام ہی مخصوص ہوئے ہیں۔ اور آپ سے پہلے کوئی محدث اس امت میں نہیں گذرا۔ اس ضمن میں دوسرا حل طلب امر یہ ہے

کہ بقول مولوی محمد علی صاحب "نبی" ہونا اور ہے۔ اور "نبی کا نام پانا" شئی دیگر ہے۔ ان کے نزدیک نبی کا نام پانے سے کوئی شخص فی الواقع نبی نہیں بن جاتا۔ تو جب حقیقۃ الوحی کی مندرجہ بالا عبارت میں "نبی" کی جگہ "محدث" کا لفظ لگایا جائیگا۔ تو عبارت یوں بن جائے گی۔ پس محدث کا نام پانے کے لئے میں ہی مخصوص کیا گیا۔ اس سے مولوی محمد علی صاحب کی تحریرات کی روشنی میں نتیجہ نکلے گا:-

(۱) حضرت مسیح موعود علیہ السلام صرف محدث کا نام پانے والے ہیں حقیقی طور پر محدث بھی نہیں ہیں۔ (۲) امت محمدیہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے سوا کوئی غیر حقیقی محدث بھی نہیں ہوا۔ چہ جائیکہ اصلی محدث!

حضرت خلیفہ ثانی ایدہ اللہ مصلح موعود ہیں

چودھواں سوال:- حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنے اشتہار ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء میں تحریر فرماتے ہیں:-

"سو تجھے بشارت ہو کہ ایک وجیہ اور پاک لڑکا تجھے دیا جائے گا۔ ایک زکی غلام (لڑکا) تجھے ملیگا۔ وہ لڑکا تیرے ہی تخم سے تیری ہی ذریت و نسل ہوگا۔ خوبصورت پاک لڑکا تمہارا مہمان آتا ہے۔ اس کا نام عنموائیل اور بشیر بھی ہے۔ اس کو مقدس روح دی گئی ہے۔ اور وہ رجس سے پاک ہے وہ نور اللہ ہے۔ مبارک وہ جو آسمان سے آتا ہے۔* اس کے ساتھ فضل ہے جو اس کے آنے کے ساتھ آئے گا وہ صاحب شکوہ اور عظمت اور

دولت ہوگا۔ وہ دنیا میں آئے گا۔ اور اپنے مسیحی نفس اور روح الحق کی برکت سے بہتوں کو بیماریوں سے صاف کرے گا۔ وہ کلمۃ اللہ ہے۔ کیونکہ خدا کی رحمت و غیوری نے اسے اپنے کلمۂ تمجید سے بھیجا ہے۔ وہ سخت ذہین اور فہیم ہوگا۔ اور دل کا حلیم۔ اور علوم ظاہری و باطنی سے پُر کیا جائیگا۔ وہ تین کو چار کرنے والا ہوگا۔ (اس کے معنی سمجھ میں نہیں آئے) دوشنبہ ہے مبارک دوشنبہ۔ فرزند دلبند۔ گرامی ارجمند مظہر [illegible] كَأَنَّ اللّٰهَ نَزَلَ مِنَ السَّمَاءِ۔ جس کا نزول بہت مبارک اور جلال الٰہی کے ظہور کا موجب ہوگا۔ نور آتا ہے نور۔ جس کو خدا نے اپنی رضامندی کے عطر سے ممسوح کیا۔ ہم اس میں اپنی روح ڈالیں گے۔ اور خدا کا سایہ اس کے سر پر ہوگا۔ وہ جلد جلد بڑھیگا۔ اور اسیروں کی رستگاری کا موجب ہوگا۔ اور زمین کے کناروں تک شہرت پائے گا۔ اور قومیں اس سے برکت پائیں گی۔ تب اپنے نفسی نقطہ آسمان کی طرف اٹھایا جائیگا۔ وَكَانَ أَمْرًا مَّقْضِيًّا۔" (اشتہار ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء صفحہ ۳)

پھر فرماتے ہیں:۔ "اور خدا تعالےٰ نے مجھ پر یہ ظاہر کیا کہ ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء کی پیشگوئی حقیقت میں دو سعید لڑکوں کے پیدا ہونے پر مشتمل تھی اور اس عبارت تک کہ "مبارک وہ جو آسمان سے آتا ہے" پہلے بشیر کی نسبت پیشگوئی ہے۔ جو روحانی طور پر نزول رحمت کا موجب ہوا۔ اور اس کے بعد کی عبارت دوسرے بشیر کی نسبت ہے۔"

(سبز اشتہار حاشیہ صفحہ ۷ و ۱۸)

" بذریعہ الہام صاف طور پر کھل گیا ہے کہ ..... مصلح موعود کے حق میں جو پیشگوئی ہے وہ اس عبارت سے شروع ہوتی ہے کہ " اس کے ساتھ فضل ہے۔ جو اس کے آنے کے ساتھ آئے گا" پس مصلح موعود کا نام الہامی عبارت میں فضل رکھا گیا۔ نیز دوسرا نام اس کا محمود۔ اور تیسرا نام اس کا بشیر ثانی بھی ہے۔ اور ایک الہام میں اس کا نام فضل عمر ظاہر کیا گیا ہے" (سبز اشتہار حاشیہ صفحہ ۲۱ سطر ۱۳)

۹ سالہ میعاد :- " ایسا لڑکا بموجب وعدہ الٰہی ۹ برس کے عرصہ تک ضرور پیدا ہوگا۔ خواہ جلد ہو خواہ دیر سے بہر حال اس عرصہ کے اندر پیدا ہو جائے گا" (اشتہار ۲۲ مارچ ۱۸۸۶ء)

سبز اشتہار صفحہ ۲۱ حاشیہ کی عبارت اوپر نقل ہو چکی ہے۔ جس میں درج ہے کہ " مصلح موعود کا نام الہامی عبارت میں فضل رکھا گیا۔ نیز دوسرا نام اس کا محمود۔ اور تیسرا نام اس کا بشیر ثانی بھی ہے"۔ اب "بشیر ثانی" کے متعلق دوسری جگہ تحریر فرماتے ہیں :-

" دوسرا لڑکا جس کی نسبت الہام نے بیان کیا کہ دوسرا بشیر دیا جائے گا۔ جس کا نام محمود بھی ہے" (سبز اشتہار یکم دسمبر ۱۸۸۸ء صفحہ ۷ حاشیہ)

" خدا تعالیٰ دوسرا بشیر بھیجے گا۔ جیسا کہ بشیر اول کی موت سے پہلے ۱۰ جولائی ۱۸۸۸ء کے اشتہار میں اس کے بارے میں پیشگوئی کی گئی ہے۔ اور خدا تعالیٰ نے مجھ پر ظاہر کیا کہ ایک دوسرا بشیر تمہیں دیا جائے گا جس کا نام محمود بھی ہے۔ وہ اپنے کاموں میں اولوالعزم نکلے گا۔ یخلق اللہ

ما یشاءُ" (سبز اشتہار ص۱۷)

"دوسرا لڑکا جس کی نسبت الہام نے بیان کیا کہ دوسرا بشیر دیا جائے گا جس کا دوسرا نام محمود ہے۔ اگرچہ اب تک جو یکم دسمبر ۱۸۸۸ء ہے پیدا نہیں ہوا۔ مگر خدا تعالیٰ کے وعدہ کے مطابق اپنی میعاد کے اندر ضرور پیدا ہوگا۔ زمین آسمان ٹل سکتے ہیں۔ پر اس کے وعدوں کا ٹلنا ممکن نہیں۔ نادان اس کے الہامات پر ہنستا ہے۔ اور احمق اس کی پاک بشارتوں پر ٹھٹھا کرتا ہے۔ کیونکہ آخری دن اس کی نظر سے پوشیدہ ہے۔ اور انجام کار اس کی آنکھوں سے چھپا ہوا ہے۔"

(سبز اشتہار حاشیہ ص۷)۔

مصلح موعود کی پیدائش

پیشگوئی مندرجہ اشتہار ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء کے مطابق پہلے بشیر اوّل مندرجہ ۷ اگست ۱۸۸۷ء کو پیدا ہوا۔ اور نومبر ۱۸۸۸ء میں فوت ہوگیا۔ اور بشیر ثانی مصلح موعود مورخہ ۱۲ جنوری ۱۸۸۹ء کو پیدا ہوا۔ اور اس کا ذکر حضرت اقدس نے اپنے اشتہار تکمیل تبلیغ مورخہ ۱۲ جون ۱۸۸۹ء میں فرمایا:۔

"خدائے عزوجل نے جیسا کہ اشتہار دہم جولائی ۱۸۸۸ء و اشتہار یکم دسمبر ۱۸۸۸ء میں مندرج ہے۔ اپنے لطف و کرم سے وعدہ دیا تھا کہ بشیر اول کی وفات کے بعد ایک دوسرا بشیر دیا جائے گا جس کا نام

محمود بھی ہوگا۔ اور اس عاجز کو مخاطب کرکے فرمایا تھا۔ کہ وہ اولوالعزم ہوگا۔ اور حسن و احسان میں تیرا نظیر ہوگا۔ وہ قادر ہے جس طور سے چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ سو آج ۱۲ جنوری ۱۸۸۹ء میں مطابق ۹ جمادی الاول ۱۳۰۶ھ روز شنبہ میں اس عاجز کے گھر میں بفضلہ تعالیٰ ایک لڑکا پیدا ہوگیا ہے جس کا نام بالفعل محض تفاؤل کے طور پر بشیر اور محمود رکھا گیا ہے۔ اور کامل انکشاف کے بعد پھر اطلاع دی جائیگی"۔

"کامل انکشاف کے بعد کی اطلاع"

(۱) "اسی خیال اور انتظار میں "سراج منیر" کے چھاپنے میں توقف کی گئی تھی۔ تا جب اچھی طرح الہامی طور پر لڑکے کی حقیقت کھل جائے۔ تب اس کا مفصل اور مبسوط حال لکھا جائے"۔ (سبز اشتہار صے)

اب سراج منیر میں لکھتے ہیں :۔

"پانچویں پیشگوئی میں نے اپنے لڑکے محمود کی پیدائش کی نسبت کی تھی کہ وہ اب پیدا ہوگا۔ اور اس کا نام محمود رکھا جائے گا۔ اور اس پیشگوئی کی اشاعت کے لئے سبز ورق کے اشتہار شائع کئے گئے تھے۔ جو اب تک موجود ہیں۔ اور ہزاروں آدمیوں میں تقسیم ہوئے تھے۔ چنانچہ وہ لڑکا پیشگوئی کی میعاد میں پیدا ہوا۔ اور اب نویں سال میں ہے"۔ (سراج منیر ص۳۱)

"سبز اشتہار میں صریح لفظوں میں بلا توقف لڑکا پیدا ہونے کا وعدہ تھا۔ سو محمود پیدا ہوگیا۔ کس قدر یہ پیشگوئی عظیم الشان ہے

خدا کا خوف ہے تو پاک دل سے سوچو" (سراج منیر صفحہ ۱۳)

(۲) "محمود جو میرا بڑا لڑکا ہے۔ اس کی پیدائش کی نسبت اس سبز اشتہار میں صریح پیشگوئی معہ محمود کے نام کے موجود ہے۔ جو پہلے لڑکے کی وفات کے بارے میں شائع کیا گیا تھا۔ جو رسالہ کی طرح کئی ورق کا اشتہار سبز رنگ کے ورقوں پر ہے"

(ضمیمہ انجام آتھم صفحہ ۱۵ سنہ ۱۸۹۶ء)

(۳) "میرا پہلا لڑکا جو زندہ موجود ہے جس کا نام محمود ہے۔ ابھی وہ پیدا نہیں ہوا تھا۔ جو کشفی طور پر اس کے پیدا ہونے کی خبر دی گئی تھی اور میں نے مسجد کی دیوار پر اس کا نام لکھا ہوا یہ پایا کہ محمود۔ تب میں نے اس پیشگوئی کے شائع کرنے کے لئے سبز رنگ کے ورقوں پر ایک اشتہار چھاپا۔ جس کی تاریخ اشاعت یکم دسمبر ۱۸۸۸ء ہے"

(تریاق القلوب ص ۴۲ سنہ ۱۸۹۷ء)

(ب) "محمود جو میرا بڑا بیٹا ہے۔ اس کے پیدا ہونے کے بارے میں اشتہار دہم جولائی ۱۸۸۸ء میں اور نیز یکم دسمبر ۱۸۸۸ء کو جو سبز رنگ کے کاغذ پر چھاپا گیا تھا۔ پیشگوئی کی گئی۔ اور سبز رنگ کے اشتہار میں یہ بھی لکھا گیا تھا۔ کہ اس پیدا ہونے والے لڑکے کا نام محمود رکھا جائیگا۔

اور یہ اشتہار محمود کے پیدا ہونے سے پہلے ہی لاکھوں انسانوں میں شائع کیا گیا.... پھر جبکہ اس پیشگوئی کی شہرت بذریعہ اشتہارات کامل درجہ پہنچ چکی۔ اور مسلمانوں اور عیسائیوں اور ہندوؤں میں سے

کوئی بھی فرقہ نہ رہا جو اس سے بے خبر ہو۔ تب خدا کے فضل اور رحم سے ۱۲ جنوری ۱۸۸۹ء کو ۹ جمادی الاول ۱۳۰۶ھ میں بروز شنبہ محمود پیدا ہو گیا۔ اور اس کے پیدا ہونے کی خبر میں نے اس اشتہار میں دی ہے۔ جس کے عنوان میں "تکمیل تبلیغ" موٹی قلم سے لکھا ہوا ہے۔ جس میں بیعت کی دس شرائط مندرج ہیں۔ اور اس کے صفحہ ۴ پر یہ الہام پسر موعود کی نسبت ہے ؎

"اے فخر رسل قرب تو معلومم شد
دیر آمدۂ ز راہِ دور آمدۂ!"

(تریاق القلوب صفحہ ۴۲)

(ہ) "میرے سبز اشتہار کے ساتویں صفحہ میں اس دوسرے لڑکے کے پیدا ہونے کے بارے میں یہ بشارت ہے۔ کہ دوسرا بشیر دیا جائیگا جس کا دوسرا نام محمود ہے۔ وہ اگرچہ اب تک جو یکم دسمبر ۱۸۸۸ء ہے پیدا نہیں ہوا۔ مگر خدا تعالیٰ کے وعدہ کے موافق اپنی میعاد کے اندر ضرور پیدا ہوگا۔ زمین آسمان ٹل سکتے ہیں۔ پر اس کے وعدوں کا ٹلنا ممکن نہیں"۔ یہ ہے عبارت اشتہار سبز کے صفحہ ۷ کی جس کے مطابق جنوری ۱۸۸۹ء میں لڑکا پیدا ہوا۔ جس کا نام محمود ہے۔ اور اب تک بفضلہ تعالیٰ زندہ موجود ہے۔ اور سترھویں سال میں ہے۔ (حقیقۃ الوحی صفحہ ۲۶)

(ب) "چوتیسواں نشان یہ ہے۔ کہ میرا ایک لڑکا فوت ہو گیا تھا۔ اور

مخالفوں نے جیسا کہ ان کی عادت ہے۔ اس لڑکے کے مرنے پر بڑی خوشی ظاہر کی تھی۔ تب مجھے خدا نے بشارت دے کر فرمایا۔ کہ اس کے عوض میں جلد ایک لڑکا پیدا ہوگا۔ جس کا نام محمود ہوگا۔ اور اس کا نام ایک دیوار پر لکھا ہوا مجھے دکھایا گیا۔ تب میں نے ایک سبز رنگ کے اشتہار میں ہزارہا موافقوں اور مخالفوں میں یہ پیشگوئی شائع کی۔ اور ابھی ستر دن پہلے لڑکے کی موت پر نہیں گذرے تھے۔ کہ یہ لڑکا پیدا ہوگیا۔ اور اس کا نام محمود احمد رکھا گیا۔" (حقیقۃ الوحی صفحہ ۳۱۷)

غرضیکہ حضرت مسیح موعودؑ نے صاف اور واضح الفاظ میں حضرت خلیفۃ المسیح ثانی کو مصلح موعود قرار دیا ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کا دعویٰ

حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے اپنے آپ کو غیر مشروط طور پر اشتہار ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء و سبز اشتہار کی پیشگوئی کا مصداق اور مصلح موعود قرار دیا ہے۔ الفضل ۲۷ فروری ۱۹۳۴ء صفحہ ۲ پر حضرت کی ڈائری شائع ہو چکی ہے۔ جس میں خاکسار خادم کے سوال کے جواب میں حضرت نے اپنے آپ کو "مصلح موعود" کی پیشگوئی کا مصداق قرار دیا۔ یہ ڈائری بعد تحریر حضرت اقدس کو دکھا کر شائع کی گئی۔ بعد ازاں ۱۹۴۴ء میں حضور نے الہام الٰہی کی بناء پر مصلح موعود ہونے کا دعویٰ فرمایا۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ

حضرت صاحب نے تریاق القلوب میں صاحبزادہ مرزا مبارک احمد

کو "تین کو چار کرنے والا" مطابق اشتہار ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء قرار دیا ہے۔

جواب:۔ (۱) "تین کو چار کرنے والا" کے الہام میں اشارۃً چار لڑکوں کی پیدائش کا ذکر ہے۔ سو مبارک احمد بھی بوجہ ان میں سے ایک ہونے کے اس کا مصداق ہے۔ لیکن حضرت اقدس نے یہ تو نہیں فرمایا کہ وہ مصلح موعود ہے۔

(۲) مبارک احمد کی ولادت کے متعلق حضرت اقدس کو ۱۸۸۳ء اور ۱۸۸۶ء میں علیحدہ رویا اور الہامات کے ذریعہ علم دیا گیا تھا۔ پس تریاق القلوب نیز انجام آتھم کی عبارت میں انہی رویا اور کشوف کی طرف اشارہ ہے۔

فرماتے ہیں:۔ (۱) "۱۸۸۳ء میں مجھ کو الہام ہوا تھا۔ کہ "تین کو چار کرنے والا مبارک" ...... اس کی نسبت تفہیم یہ ہوئی تھی کہ اللہ تعالیٰ اس دوسری بیوی سے چار لڑکے مجھے دے گا۔ اور چوتھے کا نام مبارک ہوگا" (نزول المسیح صد ۱۹۶)

(ب) "شاید چار ماہ کا عرصہ ہوا ہے کہ ..... ایک کشفی عالم میں چار پھل مجھے دیئے گئے۔ تین ان میں سے آم کے پھل تھے۔ مگر ایک پھل سبز رنگ بڑا تھا۔ وہ اس جہاں کے پھلوں سے مشابہ نہیں تھا ... کچھ شک نہیں کہ پھلوں سے مراد اولاد ہے" (مکتوب بنام حضرت خلیفہ اول مورخہ ۸ جون ۱۸۸۶ء مطبوعہ الحکم جلد ۷ نمبر ۲۲ ، ۱۷ جون ۱۹۰۳ء)

گویا یہ رویاء قریباً جنوری یا فروری ۱۸۸۶ء میں ہوا - اور ہر دو عبارات کی رو سے مبارک احمد کے متعلق - نیز چار بیٹوں کے پیدا ہونے کی نسبت الگ طور پر الہامات تھے - اور مبارک احمد کے متعلق الگ الہام "تین کو چار" کرنے کا بھی تھا - مگر اس سے یہ کیسے ثابت ہوا کہ اس کو مصلح موعود قرار دیا جائے - کیا کہیں یہ لکھا ہے - کہ سوائے مصلح موعود کے کوئی اور "تین کو چار کرنے والا" نہیں ہو سکتا؟

مبارک احمد" نو۹ سالہ میعاد کے اندر" پیدا نہیں ہوا تھا - کیونکہ اس کی تاریخ پیدائش ۱۴ جون ۱۸۹۹ء ہے - گویا نو سالہ میعاد کے ختم ہونے کے چار سال بعد وہ پیدا ہوا - اس لئے اس کے متعلق تو یہ شبہ بھی نہیں ہو سکتا تھا - کہ وہ مصلح موعود ہے -

"تین کو چار کرنے والا" کی جو صفت مصلح موعود کی بیان کی گئی ہے - وہ الگ ہے - وہ اکیلی صفت نہیں - بلکہ اس کے ساتھ بیسیوں دوسری علامات ہیں - جو مبارک احمد مرحوم میں پائی نہ جاتی تھیں - اور حضرت کو خود مبارک احمد کی ولادت سے بھی پہلے معلوم تھا - کہ وہ چھوٹی عمر میں فوت ہو جائے گا - (ملاحظہ ہو پاکٹ بک ہذا صفحہ ۴۱۱) پس حضرت اقدس کے ذہن میں یہ شبہ کبھی نہیں ہو سکتا تھا - کہ مبارک احمد مصلح موعود ہے -

امر واقعہ

جب ہم امر واقعہ کے لحاظ سے دیکھتے ہیں - تو یہ عقدہ بالکل حل

ہو جاتا ہے - کیونکہ مطلقاً حضرت اقدس کے بیٹوں میں سے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی "مصلح موعود" ہی چوتھے بیٹے ہیں - (۱) حضرت مرزا سلطان احمد صاحب - (۲) فضل احمد (۳) بشیر اوّل (۴) حضرت خلیفہ ثانی - پس اس لحاظ سے حضرت خلیفہ الثانی مطلقاً و بلا شرط تین کو چار کرنے والے" ہوئے - لیکن مرزا مبارک احمد چونکہ صرف دوسری بیوی کے زندہ بچوں سے چوتھے تھے - اس لیئے وہ اس لحاظ سے ہی تین کو چار کرنے والے کہے جا سکتے تھے - میاں مبارک احمد نہ تو مطلقاً حضرت صاحب کے چوتھے لڑکے تھے - کیونکہ اس لحاظ سے وہ ساتویں تھے - نہ وہ صرف دوسری بیوی کے لڑکوں میں سے ہی چوتھے تھے - کیونکہ اس لحاظ سے وہ پانچویں تھے -

(۱) بشیر اول (۲) حضرت خلیفۃ الثانی (۳) مرزا بشیر احمد صاحب (۴) مرزا شریف احمد صاحب (۵) مرزا مبارک احمد - ہاں دوسری بیوی کے زندہ بچوں میں سے وہ چوتھے تھے - اور اسی لحاظ سے ان کا ذکر حضرت صاحب نے تریاق القلوب میں فرمایا ہے - لیکن اشتہار ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء میں نہ تو" دوسری بیوی" کی قید ہے - اور نہ" زندہ بچوں" کی شرط ہے - پس بلا شرط و قید اگر کوئی تین کو چار کرنے والا ہے - تو وہ صرف اور صرف حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالےٰ بنصرہ العزیز ہیں - جو نو برس کے عرصہ میں میعاد پیشگوئی کے اندر پیدا ہوئے حضور عمر پانے والے - اور خلیفہ ثانی بھی ہو گئے - اور دیگر صفات

مصلح موعود کا ظہور بھی حضور کی ذات میں ہوا۔ پس حضور ہی بلاشبہ مصلح موعود ہیں۔

نبوّت حضرت مسیح موعودؑ از تحریرات خود

(۱) پگٹ جو انگلستان کا ایک جھوٹا مدعی نبوت تھا۔ اس کے خلاف اشتہار لکھا۔ اور اس کے آخر میں جہاں جہاں راقم مضمون کا نام لکھا جاتا ہے۔ حضرت مسیح موعودؑ نے یہ الفاظ لکھے۔

The prophet Mirza Ghulam Ahmad

یعنے النبی مرزا غلام احمدؑ

(۲) "اس امت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کی برکت سے ہزارہا اولیاء ہوئے ہیں۔ اور ایک وہ بھی ہوا جو امتی بھی ہے اور نبی بھی۔"

(حقیقۃ الوحی صفحہ ۲۸)

(۳) آنے والے مسیح موعودؑ کا حدیثوں سے پتہ لگتا ہے۔ اس کا انہیں حدیثوں میں یہ نشان دیا گیا ہے۔ کہ وہ نبی بھی ہوگا۔ اور امتی بھی۔" (حقیقۃ الوحی صـ۲۹)

(۴) "سو میں نے محض خدا کے فضل سے نہ اپنے کسی ہنر سے اس نعمت سے کامل حصہ پایا ہے۔ جو مجھ سے پہلے نبیوں اور رسولوں اور خدا کے برگزیدوں کو دی گئی تھی۔" (حقیقۃ الوحی صـ۶۲)

(۵) خدا تعالیٰ نے مجھے تمام انبیاء علیہم السّلام کا مظہر ٹھہرایا ہے۔ اور تمام نبیوں کے نام میری طرف منسوب کئے ہیں۔ میں آدمؑ ہوں۔ میں شیثؑ ہوں۔ میں نوحؑ ہوں۔ میں ابراہیمؑ ہوں۔ میں اسحٰقؑ ہوں۔ میں اسمٰعیلؑ ہوں۔ میں یعقوبؑ ہوں۔ میں یوسفؑ ہوں۔ میں موسٰےؑ ہوں۔ میں داؤدؑ ہوں۔ میں عیسےٰؑ ہوں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کا میں مظہر اتم ہوں۔ یعنے ظلّی طور پر محمدؐ اور احمد ہوں۔" (حقیقۃ الوحی ص۷۲ حاشیہ)

(۶) (الہام) "یَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰى لَهَا (ترجمہ از حضرت مسیح موعود علیہ السلام) اس دن زمین اپنی باتیں بیان کرے گی۔ کہ کیا اس پر گذرا۔ خدا اس کے لئے اپنے رسول پر وحی نازل کرے گا۔ کہ یہ مصیبت پیش آئی ہے۔"
حقیقۃ الوحی ص۹۷

(۷) "خدا کی مہر نے یہ کام کیا۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرنے والا اس درجہ کو پہنچا۔ کہ ایک پہلو سے وہ امتی ہے۔ اور ایک پہلو سے نبی۔" (حقیقۃ الوحی ص۹۶ حاشیہ)

(۸) "اور خود حدیثیں پڑھتے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی امت میں اسرائیلی نبیوں کے مشابہ لوگ پیدا ہوں گے۔ اور ایک ایسا ہوگا کہ ایک پہلو سے نبی ہوگا۔ اور ایک پہلو سے امتی۔ وہی مسیح موعود

کہلائے گا۔" (حقیقۃ الوحی صہ ۱۰ حاشیہ)

(۹) "خدا تعالیٰ کی مصلحت اور حکمت نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے افاضۂ روحانیہ کا کمال ثابت کرنے کے لئے یہ مرتبہ بخشا ہے کہ آپؐ کے فیض کی برکت سے مجھے نبوت کے مقام تک پہنچایا۔" (حقیقۃ الوحی صہ ۱۵۴ حاشیہ)

(۱۰) "پس اس میں کیا شک ہے۔ کہ میری پیشگوئیوں کے بعد دنیا میں زلزلوں اور دوسری آفات کا سلسلہ شروع ہو جانا میری سچائی کے لئے ایک نشان ہے۔ یاد رہے کہ خدا کے رسول کی خواہ کسی حصہ زمین میں تکذیب ہو۔ مگر اس تکذیب کے وقت دوسرے مجرم بھی پکڑے جاتے ہیں۔" (حقیقۃ الوحی صہ ۱۶۱)

(۱۱) "اور کانگڑہ اور بھاگسو کے پہاڑ کے صد ہا آدمی زلزلہ سے ہلاک ہو گئے۔ ان کا کیا قصور تھا۔ انہوں نے کونسی تکذیب کی تھی۔ سو یاد رہے۔ کہ جب خدا کے کسی مرسل کی تکذیب کی جاتی ہے۔ خواہ وہ تکذیب کوئی خاص قوم کرے۔ یا کسی خاص حصہ زمین میں ہو۔ مگر خدا تعالیٰ کی غیرت عام عذاب نازل کرتی ہے۔" (حقیقۃ الوحی صہ ۱۶۲)

(۱۲) "اور اس امتحان کے بعد اگر فریق مخالف کا غلبہ رہا۔ اور میرا غلبہ نہ ہوا۔ تو میں کاذب ٹھہروں گا۔ ورنہ قوم پر لازم ہوگا۔ کہ خدا تعالیٰ سے ڈر کر آئندہ طریق تکذیب اور انکار

کو چھوڑ دیں۔ اور خدا کے مرسل کا مقابلہ کر کے اپنی عاقبت
خراب نہ کریں۔" (حقیقۃ الوحی ص۳۹۶)

(۱۳) "نبی کا نام پانے کے لئے میں ہی مخصوص کیا گیا۔ اور دوسرے
تمام لوگ اس نام کے مستحق نہیں۔" (حقیقۃ الوحی ص۳۹۱)

(۱۴) "پس خدا نے اپنی سنت کے موافق ایک نبی کے مبعوث ہونے
تک وہ عذاب ملتوی رکھا۔ اور جب وہ نبی مبعوث ہو گیا۔ تب
وہ وقت آیا۔ کہ ان کو اپنے جرائم کی سزا دی جائے"
(تتمہ حقیقۃ الوحی ص۵۲)

(۱۵) "میں اس خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں جس کے ہاتھ میں
میری جان ہے۔ کہ اسی نے مجھے بھیجا ہے۔ اور اسی نے میرا نام
نبی رکھا ہے" (تتمہ حقیقۃ الوحی ص۶۸)

(۱۶) "وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا۔ پس اس سے بھی
آخری زمانہ میں ایک رسول کا مبعوث ہونا ظاہر ہوتا ہے۔ اور وہی
مسیح موعود ہے" تتمہ حقیقۃ الوحی ص۶۵)

(۱۷) "وَاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ۔ یہ آیت آخری
زمانہ میں ایک نبی کے ظاہر ہونے کی نسبت ایک پیشگوئی ہے"
(تتمہ حقیقۃ الوحی ص۶۷)

(۱۸) "صریح طور پر نبی کا خطاب مجھے دیا گیا" (حقیقۃ الوحی ص۱۵۰)

(۱۹) جبکہ میں نے یہ ثابت کر دیا۔ کہ مسیح ابن مریم فوت ہو گیا ہے۔ اور

آنیوالا مسیح میں ہوں۔ تو اس صورت میں جو شخص پہلے مسیح کو افضل سمجھتا ہے اس کو نصوص حدیثیہ اور قرآنیہ سے ثابت کرنا چاہیئے۔ کہ آنیوالا مسیح کچھ چیز ہی نہیں۔ نہ نبی کہلا سکتا ہے نہ حَکَم۔ جو کچھ ہے پہلا ہے"۔ (حقیقۃ الوحی ص۱۵۵)

---

(۲۰) میں مسیح موعود ہوں۔ اور وہی ہوں جسکا نام سرور انبیاء نے نبی اللہ رکھا ہے (نزول المسیح ص۴۸)۔ (۲۱) "میں رسول اور نبی ہوں۔ یعنی باعتبار ظلیت کاملہ کے میں وہ آئینہ ہوں جس میں محمدی شکل اور محمدی نبوت کا کامل انعکاس ہے" (نزول المسیح ص حاشیہ)۔ (۲۲) "ایسا ہی خدا تعالیٰ نے اور اس کے پاک رسول نے بھی مسیح موعود کا نام نبی اور رسول رکھا ہے۔ اور تمام خدا تعالیٰ کے نبیوں نے اس کی تعریف کی ہے۔ اور اس کو تمام انبیاء کی صفاتِ کاملہ کا مظہر ٹھہرایا ہے" (نزول المسیح ص۴۲)۔ (۲۳) اس فیصلہ کرنے کیلئے عنقریب خدا آسمان سے قرنا میں اپنی آواز پھونکیگا۔ وہ کرنا کیا ہے؟ وہ اسکا نبی ہوگا" (چشمہ معرفت ص۳۱۴)۔ (۲۴) "اس طرح میں خدا کی کتاب میں عیسیٰ ابن مریم کہلایا چونکہ مریم ایک امتی فرد ہے اور عیسیٰ ایک نبی ہے پس میرا نام مریم اور عیسیٰ رکھنے سے یہ ظاہر کیا گیا۔ کہ میں امتی بھی ہوں اور نبی بھی" (ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم ص۱۸۹)۔ (۲۵) "خدا نے چاہا کہ اپنے رسول کو بغیر گواہی چھوڑے۔ قادیان کو اس خوفناک تباہی سے محفوظ رکھے گا کیونکہ یہ اس کے رسول کا تخت گاہ ہے ص۱۰۔ سچا خدا وہی خدا ہے جس نے قادیان میں اپنا رسول بھیجا" ص۱۱ (دافع البلاء)۔ (۲۶) "ایک صاحب پر ایک مخالف کی طرف سے یہ اعتراض پیش ہوا۔ کہ جس سے تم نے بیعت کی ہے وہ نبی اور رسول ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اور اس کا جواب محض انکار کے الفاظ میں دیا گیا۔ حالانکہ ایسا جواب صحیح نہیں ہے"۔ (ایک غلطی کا ازالہ ص۱)۔ (۲۷) "میں جبکہ اس مدت تک ڈیڑھ سو پیشگوئی کے قریب خدا کی طرف سے پاکر بچشم خود دیکھ چکا ہوں۔ کہ صاف طور پر پوری ہوگئیں۔ تو میں

اپنی نسبت نبی یا رسول کے نام سے کیونکر انکار کر سکتا ہوں۔" (ایک غلطی کا ازالہ صفحہ ۳) (۲۸) "اس واسطہ کو ملحوظ رکھ کر اور اس میں ہو کر۔ اور اس کے نام محمدؐ اور احمدؐ سے مسمّٰی ہو کر میں رسول بھی ہوں اور نبی بھی ہوں۔" (ایک غلطی کا ازالہ صفحہ ۵) (۲۹) "میں خدا کے حکم کے موافق نبی ہوں۔" (آخری خط حضرت اقدس مندرجہ اخبار عام ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء) (۳۰) "میں صرف اسی وجہ سے نبی کہلاتا ہوں۔ کہ عربی اور عبرانی زبان میں نبی کے یہ معنی ہیں کہ خدا سے الہام پا کر بکثرت پیشگوئی کرنیوالا۔ اور بغیر کثرت کے یہ معنی متحقق نہیں ہو سکتے۔" (آخری خط مندرجہ اخبار عام ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء) (۳۱) "پس اسی بنا پر خدا نے میرا نام نبی رکھا ہے۔ کہ اس زمانہ میں کثرت مکالمہ مخاطبہ الٰہیہ اور کثرت اطلاع بر علوم غیب صرف مجھے ہی عطا کی گئی ہے۔" (آخری خط حضرت اقدس مندرجہ اخبار عام ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء) (۳۲) "ہمارا دعویٰ ہے کہ ہم رسول اور نبی ہیں۔ دراصل یہ نزاع لفظی ہے۔ خدا تعالےٰ جس کے ساتھ ایسا مکالمہ مخاطبہ کرے جو بلحاظ کمیت و کیفیت دوسروں سے بہت بڑھ کر ہو۔ اور اس میں پیشگوئیاں بھی کثرت سے ہوں اسے نبی کہتے ہیں۔ یہ تعریف ہم پر صادق آتی ہے۔ پس ہم نبی ہیں۔" (بدر ۵ مارچ ۱۹۰۸ء) (۳۳) "جس حالت میں خدا میرا نام نبی رکھتا ہے۔ تو میں کیونکر انکار کر سکتا ہوں۔ میں اس پر قائم ہوں اس وقت تک جو اس دنیا سے گذر جاؤں۔" (آخری خط حضرت اقدس مندرجہ اخبار عام ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء) (۳۴) "میں نبی ہوں اور امتی بھی ہوں۔ تا ہمارے سید و آقا کی وہ پیشگوئی پوری ہو۔ کہ آنیوالا مسیح امتی بھی ہوگا۔ اور نبی بھی ہوگا۔" (آخری خط مندرجہ اخبار عام ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء) (۳۵) "یہ نکتہ بھی یاد رکھنے کے لائق ہے کہ جب آسمان سے مقرر ہو کر ایک نبی یا رسول آتا ہے۔ تو اس نبی کی برکت سے

عام طور پر ایک نور حسب مراتب استعداد اس آسمان سے نازل ہوتا ہے۔
اور انتشار روحانیت ظہور میں آتا ہے۔ تب ہر ایک شخص خوابوں کے
دیکھنے میں ترقی کرتا ہے۔ اور الہام کی استعداد رکھنے والے الہام پاتے
ہیں۔ اور روحانی امور میں عقلیں بھی تیز ہو جاتی ہیں۔ کیونکہ جیسا کہ جب
بارش ہوتی ہے۔ ہر ایک زمین کچھ نہ کچھ اس سے حصہ لیتی ہے۔ ایسا ہی
اس وقت ہوتا ہے جب رسول کے بھیجنے سے بہار کا زمانہ آتا ہے۔
تب ان ساری برکتوں کا موجب دراصل وہ رسول ہوتا ہے۔ اور جس قدر
لوگوں کو خوابیں یا الہام ہوتے ہیں۔ دراصل ان کے کھلنے کا دروازہ رسول
ہی ہوتا ہے۔ کیونکہ اس کے ساتھ دنیا میں ایک تبدیلی واقعہ ہوتی ہے اور
آسمان سے عام طور پر ایک روشنی اترتی ہے۔ جس سے ہر ایک شخص حسب استعداد
حصہ لیتا ہے۔ وہی روشنی خواب اور الہام کا موجب ہو جاتی ہے۔ اور نادان
خیال کرتا ہے کہ میرے ہنر سے ایسا ہوا ہے۔ مگر وہ چشمہ الہام اور خواب کا حضرت
اس نبی کی برکت سے دنیا پر کھولا جاتا ہے۔ اور اس کا زمانہ ایک لیلۃ القدر کا
زمانہ ہوتا ہے جس میں فرشتے اترتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ تَنَزَّلُ
الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ مِنْ كُلِّ اَمْرٍ سَلٰمٌ۔ جب سے خدا نے
دنیا پیدا کی ہے۔ یہی قانون قدرت ہے۔ منہ (حقیقۃ الوحی ص۱۷ حاشیہ)
(۳۶) "اس جگہ صور کے لفظ سے مراد مسیح موعود ہے۔ کیونکہ خدا کے نبی اس کی صور
ہوتے ہیں۔" (چشمہ معرفت ص۸۲) (۳۷) "کبھی نبی کی وحی خبر واحد کی طرح ہوتی
ہے۔ اور معضلات مجمل ہوتی ہے۔ اور کبھی وحی ایک امر میں کثرت سے اور
واضح ہوتی ہے۔ پس میں اس سے انکار نہیں کر سکتا۔ کہ کبھی میری وحی بھی خبر واحد

کی طرح ہو اور مجمل ہو۔" (لیکچر سیالکوٹ صفحہ ۴۳) (۳۸) "اس زمانہ میں خدا نے چاہا۔ کہ جسقدر نیک اور راستباز مقدس نبی گذر چکے ہیں ایک ہی شخص کے وجود میں ان کے نمونے ظاہر کیئے جائیں۔ سو وہ میں ہوں۔ اسی طرح اس زمانے میں تمام بدوں کے نمونے بھی ظاہر ہوئے۔ فرعون ہو یا وہ یہود ہوں۔ جنہوں نے حضرت مسیح کو صلیب پر چڑھایا۔ یا ابوجہل ہو سب کی مثالیں اسوقت موجود ہیں۔" (براہین احمدیہ حصہ پنجم صفحہ ۹۰) (۳۹) "ایمان درحقیقت وہی ایمان ہے جو خدا کے رسول کو شناخت کرنے کے بعد حاصل ہوتا ہے ہاں جو شخص سرسری طور پر رسول کا تابع ہو گیا۔ اور اس کو شناخت نہیں کیا۔ اور اس کے انوار سے مطلع نہیں ہوا اس کا ایمان بھی کچھ چیز نہیں۔ اور آخر وہ ضرور مرتد ہو گا۔ جیسا کہ مسیلمہ کذاب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں۔ اور یہودا اسکر یوطی اور پانسو عیسائی مرتد حضرت عیسٰے کے زمانہ میں۔ اور جموں والا چراغ دین اور عبدالحکیم خاں ہمارے اس زمانہ میں مرتد ہوئے" (حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۵۹)

(۴۰) "سخت عذاب بغیر نبی قائم ہونے کے آتا ہی نہیں۔ جیسا کہ قرآن شریف میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُولًا پھر یہ کیا بات ہے کہ ایک طرف تو طاعون ملک کو کھا رہی ہے۔ اور دوسری طرف ہیبت ناک زلزلے پیچھا نہیں چھوڑتے۔ اے غافلو! تلاش تو کرو شاید تم میں خدا کی طرف کوئی نبی قائم ہو گیا ہو۔ جس کی تم تکذیب کر رہے ہو" (تجلیات الٰہیہ صفحہ ۹)

پیغامی: یہ کیونکر ممکن ہے کہ آپکو اللہ تعالیٰ نبی بنا کر بھیجے اور ایک وقت تک آپکو پتہ نہ لگے کہ میں نبی ہوں؟ **جواب:** حضرت خود تحریر فرماتے ہیں۔ "اس وقت مجھے مسیح موعود ٹھہرایا گیا۔ جبکہ مجھے بھی خبر نہ تھی کہ میں مسیح موعود ہوں" (تریاق القلوب۔ کلاں صفحہ ۶۹ خورد صفحہ ۱۳۷)